چندہ
ہندو پاک سے
سالانہ -/-/۶
ششماہی -/-/۳
فی کاپی -/۶۰/-

ماہنامہ الفرقان لکھنؤ

چندہ
دیگر ممالک سے
سالانہ ۱۲ شلنگ
اعزازی چندہ
سالانہ -/-/۱۵

جلد (۳۰) بابتہ ماہ محرم الحرام ۱۳۸۲ھ مطابق جولائی ۱۹۶۲ء شمارہ (۱)

اگر اس دائرے میں ◌ سرخ نشان ہے تو

اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کی مدتِ خریداری ختم ہو گئی ہے۔ براہِ کرم آئندہ کیلئے چندہ ارسال فرمائیں یا خریداری کا ارادہ نہ ہو تو مطلع فرمائیں۔ چندہ یا کوئی دوسری اطلاع ۳۱ جولائی تک دفتر میں ضرور آجائے، ورنہ اگلا شمارہ بصیغۂ وی پی ارسال ہوگا۔

پاکستان کے خریدار

اپنا چندہ سکریٹری ادارۂ اصلاح و تبلیغ آسٹریلین بلڈنگ لاہور کو بھیجیں اور منی آرڈر کی پہلی رسید ہمارے پاس فوراً بھیجدیں۔

نمبر خریداری: براہِ کرم خط و کتابت اور منی آرڈر کے کوپن پر اپنا خریداری نمبر ضرور لکھیں۔

تاریخ اشاعت

الفرقان ہر انگریزی مہینے کے پہلے ہفتہ میں روانہ کر دیا جاتا ہے، اگر ۱۰ تاریخ تک بھی کسی صاحب کو نہ ملے تو فوراً مطلع فرمائیں، انکی اطلاع ۲۰ تاریخ کے اندر آجانی چاہئے اسکے بعد رسالہ بھیجنے کی ذمہ داری دفتر پر نہ ہوگی۔

دفتر الفرقان۔ کچہری روڈ لکھنؤ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نگاہِ اوّلیں

ایک قومی منشور کی ضرورت

اس اشاعت میں دینی تعلیمی کونسل اترپردیش کے جنرل سکریٹری قاضی محمد عدیل صاحب عباسی کا ایک مضمون نظر سے گذرے گا جس میں قاضی صاحب نے یوپی کے بیسک نظامِ تعلیم کے سلسلہ میں ایک نئی پیدا ہونے والی سنگین صورتِ حال کی پردہ کشائی کی ہے۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ بیسک اسکولوں کا جو نیا پراسپکٹس یو، پی کے محکمۂ تعلیم نے اس سال جاری کیا ہے، اس کی رو سے ان اسکولوں میں تعلیم پانے والے بچوں کو ملک کے خاص خاص تیوہار اور جینتیاں منانا ہوں گی۔ تیوہاروں میں دو تیوہار مسلمانوں کے ہیں عید الفطر اور محرم، ایک عیسائیوں کا بڑا دن، باقی تمام جینتیاں، جن کی تعداد پانچ ہے، اور سات تیوہار ہندوؤں کے ہیں جیسے دیوالی، دسہرہ، رام نومی اور رکشا بندھن اور جینتیوں میں تلسی جینتی، مہابیر جینتی اور گاندھی جینتی وغیرہ ——— پراسپکٹس میں ان تیوہاروں کے منانے کا طریقہ بھی بتایا گیا ہے، جو مسلم اور عیسائی تیوہاروں میں تو صفائی ستھرائی اور عام اظہارِ مسرت کی حد تک ہے لیکن ہندو تیوہاروں کے سلسلے میں پوجا پاٹ کا وہ تمام عملی پروگرام بھی رکھا گیا ہے جو ان تیوہاروں کا جزو ہے۔

قاضی صاحب نے جس حد تک معلومات کی ہیں اُس کے مطابق یہ تمام پروگرام تمام بچوں کیلئے مشترک ہیں یعنی بلا کسی استثناء کے اسکول کے سب بچوں کو ان میں شرکت کرنا ہوگی۔ قاضی صاحب نے تمام مسلم جماعتوں سے اپیل کی ہے کہ وہ تمام اختلافات کو پسِ پشت ڈال کر اس سنگین مسئلے سے نپٹنے کیلئے بلا تاخیر میدان میں آجائیں۔

اس مسئلے کی سنگینی پر ہمیں کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔ کون مسلمان ہے جس کو اس بات کے سمجھنے میں دقت ہوگی کہ اس انداز سے تعلیم پانے والے بچے "مردم شماری کے سرکاری رجسٹر" میں تو مسلمان رہ سکتے ہیں لیکن حقیقت میں مسلمان نہیں رہ سکتے۔ ہمیں اس سلسلہ میں اس وقت یہ کہنا ہے کہ گذشتہ ڈھائی سال کے اندر اصلاحِ نصاب کے مسئلہ پر پچاسوں کانفرسوں اور احتجاجی قراردادوں کا یہ نتیجہ کہ ہندو مذہب اور ہندو تہذیب کی کتابی تعلیم و تلقین سے آگے بڑھ کر اسکی عملی تربیت کا پروگرام اسکولوں میں لایا جا رہا ہے، اس بات کو بتاتا ہے کہ اس مصیبت کی جڑیں کہیں بہت گہرائی میں ہیں، جن تک ہمارے احتجاجات کی رسائی نہیں، یا رسائی ہے تو اثر انداز ہونے کی اہلیت نہیں ہے۔

ہمارا خیال ہے کہ مسلم لیگ اور کانگریس کی کشمکش کے دور میں "ایک قوم" کی تعریف کے مسئلہ پر کانگریس کی طرف سے جس وسعتِ خیال کا مظاہرہ کیا جاتا تھا کہ ہندوستان کے حدود میں بسنے والے تمام ہندو اور مسلمان اپنے جملہ اختلافات و امتیازات کو برقرار رکھتے ہوئے ایک قوم بن کر رہ سکتے ہیں۔ اس مظاہرے میں یا تو پوری ایمانداری نہیں تھی، یا اگر تھی تو تقسیمِ ملک کے بعد شاید خیال اور نظریہ میں فرق آ گیا ہے۔ بالفاظِ دیگر کافی حد تک قومیت کے اُس تصور کو مان لیا گیا ہے جس کی بنیاد پر مسلم لیگ ہندو مسلمانوں کی الگ الگ قومیت کا دعویٰ کرتی تھی اسی تبدیلی کا نتیجہ یہ ہے کہ اُس اشتراک اور اُس یکسانیت کو ناکافی سمجھ کر جسے "ایک قومیت" کے لئے کافی بتایا جاتا تھا ہندو مسلمانوں میں وہ یکسانیت پیدا کرنے کا منصوبہ بنا لیا گیا ہے جسے مسلم لیگ "ایک قومیت" کیلئے ضروری بتاتی تھی۔

اس تبدیلی کے ثبوت میں ہم کانگریس یا کانگریسی حکومت کا کوئی صریحی بیان تو بیشک نہیں پیش کر سکتے، بلکہ اسکے برعکس ہمارے جواب میں ذمہ دار لیڈروں کے ایسے بیانات پیش کئے جا سکتے ہیں جن میں آج بھی دو قومی نظریہ سے انکار کر کے مسلم لیگ کے نظریۂ قومیت کو مسترد کیا جاتا ہے اور مُلک کے باشندوں کی باہم مختلف روایات، خصوصیات اور اعتقادات و تصورات کو مُلک کیلئے سرمایۂ افتخار بتایا جاتا ہے۔ لیکن حکومت کی طرف سے ایسا نصابِ تعلیم

اسکولوں میں رکھا جاتا جس میں عبادت، معاشرت، رسوم و رواج، ماضی کی روایات، قابلِ تقلید اشخاص (ہیرو) متبرک مقامات، قابلِ محبت اور قابلِ تقدیس اشیا، تہوار و تقریبات اور میلوں ٹھیلوں کے لحاظ سے بچے ہندوستان کی زندگی کے صرف ہندو رُخ سے آشنا ہوتے ہیں، لیکن اِس انداز سے نہیں کہ یہ ایک خاص رُخ ہے بلکہ اس طور پر کہ یہی ہندوستانی زندگی ہے صاف طور پر پتا تا ہے کہ ہندوستانی زندگی کی رنگا رنگی کو برقرار رکھنے کے بجائے آئندہ نسلوں میں اُسے ایک خاص رنگ ہی تک محدود کر دینا مقصود ہے۔

تعلیمی نظام کے بعد اس طرح کی ایک کوشش سرکاری اور پبلک تقریبات میں ملتی ہے۔ راشٹرپتی بھون میں یومِ جمہوریہ کا جشن بعض خالص ہندوانہ رسوم کے ذریعہ منایا جاتا ہے، غالباً ایک سال ہوا لکھنؤ اور نینی تال کے درمیان ایک خاص ہوائی سروس کا افتتاح یو، پی کے گورنر صاحب نے ناریل توڑنے کی خالص ہندوانہ رسم کے ذریعہ کیا تھا جب کہ متعلقہ محکمہ کے وزیر اور گویا اس بارات کے دولھا، ایک مسلمان صاحب تھے ———

ایک دفعہ اخبارات میں پڑھا تھا کہ سابق صدر جمہوریہ یا نائب صدر جمہوریہ نے ایک تعلیمی ادارہ کا افتتاح سرسوتی دیوی (آگ) کی پوجا سے کیا۔

ظاہر ہے کہ سیکولرزم کے اعلان کے ساتھ اِن باتوں کا اِس کے سوا کیا نیک مقصد ہو سکتا ہے کہ اِن تقریبات میں جو کچھ مسلمان شریک ہوں رفتہ رفتہ اُنکی وحشت اِن ہندوانہ رسوم و رواج سے دُور ہو جائے، اور انھیں قومی رواج سمجھ کر اپنا لیا جائے، تاکہ ہندو مسلمان اس اشتراک سے واقعی معنیٰ میں ایک قوم بن سکیں۔ چنانچہ اس مقصد میں کامیابی کے آثار اسطرح شروع ہو گئے ہیں کہ ایک مسلمان وزیر کے متعلق پہلی دفعہ یہ سُننے میں آیا کہ اپنے محکمۂ سائنسی تحقیق سے متعلق ایک سرکاری ادارہ کا افتتاح انھوں نے حال ہی میں چراغ جلا کر کیا۔

ڈاکٹر سمپورنانند جب یو، پی کے وزیر اعلیٰ تھے تو بیسک اسکولوں کی "ہمارے پوروج" (ہمارے مورث) نامی کتاب پر ——— جو تقریباً تمام تر ہندو بزرگوں اور ناموروں کے تذکرہ پر مشتمل تھی ——— مسلمانوں کے اعتراض کے جواب میں انھوں نے کہا تھا کہ اِس کتاب پر اعتراض کی کیا بات ہے، پوروجوں (مورثوں) کو تو ماننا ہی ہوگا۔ اس بات کی مکمل تشریح انھوں نے گذشتہ سال اُس وقت کی جب

وہ مرکزی محکمۂ تعلیمات کی جذباتی ہم آہنگی کمیٹی کے صدر بنائے گئے جس کا کام یہ تھا کہ ملک کے نظام تعلیم میں باشندگانِ ملک کی جذباتی ہم آہنگی کے نقطۂ نظر سے سفارشات کرے۔ اس موقع پر انھوں نے جذباتی ہم آہنگی کے نقطۂ نظر سے اس نکتہ پر اپنی متعدد تقریروں اور تحریروں میں زور دیا کہ ہندوستان کے نوے فیصدی مسلمان بھی چونکہ ہندوستانی نسل ہی سے ہیں اسلئے وہ ہندوستانی پورجوں (رام اور کرشن وغیرہ) سے جذباتی لگاؤ پیدا کریں، اسکے بغیر قومی یکجہتی پیدا ہونا مشکل ہے۔ یہ نکتہ بھی دراصل اسی نظریۂ قومیت کی غمازی کرتا ہے جس کی بنیاد پر مسلم لیگ ہندو مسلمانوں کو الگ الگ قوم ٹھہراتی تھی۔

یہ وہ چند قولی اور عملی مثالیں ہیں جو ہمارے خیال میں اس نتیجہ پر پہونچنے کیلئے کافی ہیں کہ ہمارے ملک کا برسرِ اقتدار گروہ اگر پہلے قائل نہیں تھا تو آج ضرور اس بات کا قائل ہوگیا ہو کہ "ایک قومیت" کیلئے افرادِ قوم کی جس درجہ یکسانیت کو مسلم لیگ ضرور قرار دیتی تھی، یہ یکسانیت بڑی حد تک ضروری ہے اور ہندو مسلمانوں کو ایک قوم بنانے کے لئے جس حد تک بھی ممکن ہو اس یکسانیت کو وجود میں لانا ہوگا۔

اس سلسلہ میں ایک اور تحریک کا ذکر کر دینا بھی مفید ہوگا جو ابھی ذہنوں سے نکل کر صرف مجلسی گفتگوؤں تک آئی ہے، اور ہمارا اندازہ ہے کہ دیر سویر اس کا کھلی سطح پر چرچا ہونے لگے گا وہ یہ کہ قومی یکجہتی اور جذباتی ہم آہنگی کیلئے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح روس اور چین وغیرہ میں مسلمانوں کے ناموں میں ایک جزو اسلامی ہوتا اور ایک جزو ملکی، یہی طریقہ ہندوستان کے مسلمان بھی اختیار کرلیں۔

بہرحال اس دراز نفسی کا مدعا یہ ہے کہ اسکولوں کے نصاب اور عملی پروگراموں کا مسئلہ کوئی محدود اور جزئی مسئلہ نہیں ہے بلکہ یہ ایک وسیع تر اور کلی مسئلہ کا محض ایک جزو ہے، اور وہ مسئلہ یہ ہے کہ ملک کا رُخ ہندو مسلمانوں کو قریب قریب اُس معنیٰ میں ایک قوم بنانے کی طرف چل رہا ہے جس معنیٰ میں ہندو مستقل ایک قوم ہیں اور مسلمان مستقل ایک قوم۔ اس صورتِ حال میں مسئلہ کو جب تک جڑ سے نہیں پکڑا جائے گا اُسکے کسی جزو کے سلسلہ میں کوئی احتجاجی قرارداد، کوئی یادداشت، کوئی بائیکاٹ اور کوئی قانونی چارہ جوئی کچھ خاص سودمند نہیں ہوسکتی ——

ضرورت اس بات کی ہے کہ مسلمانوں کے تمام حلقوں کے نمائندے ایک جگہ جمع ہو کر متحدہ قومیت کے مسئلہ پر اپنا ذہن صاف کریں بغیر کسی جذباتی عصبیت کے خطوط متعین کریں، کہ اسلام کس حد تک غیر مسلم برادران وطن کے ساتھ یکسانیت کا روادار ہے۔ کون سے خطوط وہ ہیں جن کو متحدہ قومیت کے نصب العین کیلئے پار کرنے کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔ یہ منفی اور مثبت خطوط اتنے جامع اور مانع ہونے چاہئیں کہ مُلک کی سماجی تعمیر نو کے عمل میں مسلمانوں کو دُور تک اور ہمہ گیر رہنمائی دے سکیں۔ اس طرح مسلمانوں کی طرف سے متحدہ قومیت کے مسئلہ پر ایک متفقہ منشور مرتب ہونا چاہئے، اور سارے مُلک کے سامنے رکھدیا جانا چاہئے، کہ ہم اس حد تک متحدہ قومیت کے قائل ہیں، اور مُلک کی کسی حکومت کو ہمارا تعاون اسی بنیادی مسئلہ پر اتفاق کی صورت میں حاصل ہو سکتا ہے۔

ہمیں یہ خوش فہمی نہیں ہے کہ اس طرح کے ایک منشور سے تمام غلط کارروائیاں رُک جائیں گی، بلکہ ہمارے نزدیک یہ منشور ہی موجودہ غلط کارروائیوں کے خلاف ہماری ایک مؤثر جنگ کی داغ بیل ڈال سکے گا ——— گذشتہ سال قاضی عدیل صاحب ہی نے اپنے ایک مضمون میں (جو الفرقان جنوری ۶۲ء میں شائع ہوا تھا) اس طرح کے منشور کی بات کہی تھی، لیکن وہ اس انداز سے نہیں تھی اور ضمناً بھی تھی، اس لئے بس کہی سُنی ہو کر رہ گئی لیکن ضرورت ہے کہ اب بلا تاخیر اس کی طرف توجہ کی جائے۔

الفرقان کا سالانہ چندہ

اب سے کچھ مہینے پیشتر یعنی رجب ۸۱ھ سے ہندوستان کے خریداروں کیلئے بھی سالانہ چندہ چھ روپئے کئے جانے کا اعلان کیا جا چکا ہے (پاکستان کیلئے پہلے ہی سے چھ روپئے تھا) لیکن بہت سے خریدار پُرانی عادت کے مطابق پانچ ہی روپئے بھیج رہے ہیں ——— اسلئے دوبارہ گذارش کیجاتی ہے کہ سالانہ چندہ چھ روپئے آنا چاہئے۔

دیگر ممالک کے خریداروں سے بھی گذارش ہے کہ ۱۰ شلنگ کے بجائے ۱۲ شلنگ ارسال فرمایا کریں۔

"منیجر"

معارف الحدیث

(مسلسل)

رکوع و سجود :—

نماز کیا ہے ؟— اللہ تعالیٰ کے حضور میں قلب و قالب اور قول و عمل سے ایک خاص طریقے پر اپنی بندگی و نیازمندی کا اظہار اور اُس کی بے نہایت عظمت و جلالت کے سامنے اپنے انتہائی تذلل اور فروتنی کا مظاہرہ — قیام و قعود اور رکوع و سجود اور جو کچھ ان میں پڑھا جاتا ہے اُس سب کی روح یہی ہے لیکن اس بندگی اور تذلل کا سب سے بڑا مظہر نماز کے اعمال و اجزا میں رکوع و سجود ہیں — سر اونچا رکھنا تکبر، یعنی برتری و بالاتری کے احساس کی علامت ہے اور اس کے برعکس اس کو نیچا کرنا اور جھکانا تواضع اور خاکساری کی نشانی ہے اور اپنے کو کسی کے سامنے رکوع کی شکل میں جھکا دینا اس تواضع اور تعظیم کی غیر معمولی شکل ہے جو صرف خالق و مالک ہی کا حق ہے اور سجدہ اس کی بالکل ہی آخری اور انتہائی شکل ہے، اس میں بندہ اپنی پیشانی اور ناک کو جو انسانی اعضاء میں سب سے زیادہ محترم ہیں خاک پر رکھ دیتا ہے، اس لحاظ سے رکوع و سجود نماز کے ارکان میں سب سے زیادہ اہم ہیں۔ اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اچھی طرح اور صحیح طریقے پر ادا کرنے کی سخت ہدایت اور تاکید فرمائی ہے، اور بہترین کلمات کی تعلیم ان میں اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تقدیس یا اُس کے حضور میں دُعا کرنے کی اپنے ارشاد اور عمل سے تلقین فرمائی ہے۔

اس تمہید کے بعد اس سلسلہ کی حدیثیں ذیل میں پڑھئے :—

رکوع وسجود اچھی طرح ادا کرنے کی تاکید :-

عَنْ اَبِیْ مَسْعُوْدٍ الْاَنْصَارِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا تُجْزِئُ صَلٰوۃُ الرَّجُلِ حَتّٰی یُقِیْمَ ظَھْرَہٗ فِی الرُّکُوْعِ وَالسُّجُوْدِ۔

رواہ ابوداؤد والترمذی والنسائی وابن ماجۃ والدارمی

(ترجمہ) حضرت ابومسعود انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آدمی کی نماز اُس وقت تک کافی نہیں ہوتی (یعنی پوری طرح ادا نہیں ہوتی) جب تک کہ وہ رکوع اور سجدہ میں اپنی پیٹھ کو سیدھا برابر نہ کرے۔

(سنن ابی داؤد، جامع ترمذی، سنن نسائی، سنن ابن ماجہ، سنن دارمی)

عَنْ طَلْقِ بْنِ عَلِیٍّ الْحَنَفِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا یَنْظُرُ اللّٰہُ عَزَّ وَجَلَّ اِلٰی صَلٰوۃِ عَبْدٍ لَا یُقِیْمُ فِیْھَا صُلْبَہٗ بَیْنَ خُشُوْعِھَا وَسُجُوْدِھَا ——— رواہ احمد

(ترجمہ) حضرت طلق بن علی حنفی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ نے فرمایا:- جو بندہ رکوع اور سجدے میں اپنی پشت کو سیدھی برابر نہیں کرتا اللہ تعالیٰ اس کی نماز کی طرف دیکھتا بھی نہیں۔ (مسند احمد)

(تشریح) نماز کی طرف اللہ تعالیٰ کے نہ دیکھنے کا مطلب یہ ہے کہ ایسی نماز اُسکے نزدیک قابلِ قبول نہیں، ورنہ ظاہر ہے کہ زمین و آسمان کی کوئی چیز بھی اللہ تعالیٰ سے مخفی اور اس کی نظر سے غائب نہیں ہے ——— ان دونوں حدیثوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تنبیہ فرمائی ہے کہ جو شخص رکوع و سجود کو قاعدہ کے مطابق صحیح طور سے ادا نہیں کرے گا اس کی نماز قبول نہیں ہوگی۔ یہی ان دونوں حدیثوں کی ہدایت ہے۔

عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِعْتَدِلُوْا فِی السُّجُوْدِ وَلَا یَبْسُطْ اَحَدُکُمْ ذِرَاعَیْہِ اِنْبِسَاطَ الْکَلْبِ رواہ البخاری ومسلم

(ترجمہ) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا کہ:۔ سجدہ اعتدال کے ساتھ کرو اور کوئی اپنی باہیں سجدے میں اس طرح نہ بچھا دے جس طرح کتا زمین پر باہیں بچھا دیتا ہے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) سجدے میں اعتدال کا مطلب بظاہر یہ ہے کہ سجدہ طمانیت کیساتھ کیا جائے ایسا نہ ہو کہ سر زمین پر رکھا اور فوراً اٹھا لیا، اور بعض شارحین نے اعتدال کے حکم کا مطلب یہ بھی سمجھا ہے کہ ہر عضو سجدے میں اس طرح رہے جس طرح کہ اس کو رہنا چاہئے ——— دوسری ہدایت اس حدیث میں یہ فرمائی گئی ہے کہ سجدے میں کلائیوں کو زمین سے اوپر اٹھا رہنا چاہئے۔ اس سلسلہ میں کتے کی مثال آپ نے اس واسطے دی کہ اس کی شناعت اور قباحت اچھی طرح سامعین کے ذہن نشین ہو جائے۔

عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا سَجَدْتَ فَضَعْ كَفَّيْكَ وَارْفَعْ مِرْفَقَيْكَ ——— رواہ مسلم

(ترجمہ) حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ جب تم سجدہ کرو تو اپنی ہتھیلیاں زمین پر رکھو اور کہنیاں اوپر اٹھاؤ ——— (صحیح مسلم)

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أُمِرْتُ أَنْ أَسْجُدَ عَلَى سَبْعَةِ أَعْظُمٍ عَلَى الْجَبْهَةِ وَالْيَدَيْنِ وَالرُّكْبَتَيْنِ وَأَطْرَافِ الْقَدَمَيْنِ وَلَا نَكْفِتَ الثِّيَابَ وَالشَّعْرَ۔ رواہ البخاری ومسلم

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ مجھے حکم ملا ہے (یعنی اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے) کہ میں سات اعضاء پر سجدہ کروں (یعنی سجدہ اس طرح کروں کہ یہ سات عضو زمین پر رکھے ہوں) پیشانی اور دونوں ہاتھ اور دونوں گھٹنے اور دونوں پاؤں کے کنارے۔ اور یہ (بھی حکم ہے) کہ ہم اپنے کپڑوں اور بالوں کو نہ سمیٹیں۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) یہ سات اعضاء جن کا حدیث میں ذکر ہے "اعضاء سجود" کہلاتے ہیں سجدہ میں ان کو زمین پر ٹکنا چاہئے ——— بعض آدمی سجدے میں جاتے ہوئے اس کی کوشش کرتے ہیں کہ اپنے

کپڑوں اور بالوں کو خاک آلودگی سے بچائیں۔ یہ بات چونکہ سجدے کی غایت اور روح کے منافی ہے اس لئے اس سے منع فرمایا گیا ہے۔

رکوع اور سجدہ میں کیا پڑھا جائے؟:۔

عَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ لَمَّا نَزَلَتْ فَسَبِّحْ بِاسْمِ رَبِّكَ الْعَظِيْمِ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِجْعَلُوْهَا فِيْ رُكُوْعِكُمْ فَلَمَّا نَزَلَتْ سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِجْعَلُوْهَا فِيْ سُجُوْدِكُمْ۔ رواہ ابوداؤد وابن ماجہ والدارمی

(ترجمہ) حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب قرآن مجید کی آیت "فسبح باسم ربك العظيم" نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:۔ اس کو اپنے رکوع میں رکھو (یعنی اس حکم کی تعمیل میں سبحان ربی العظیم رکوع میں کہا کرو) پھر جب آیت "سبح اسم ربك الاعلیٰ" کا نزول ہوا تو آپ نے فرمایا کہ:۔ اس کو اپنے سجدہ میں رکھو (یعنی اس کی تعمیل میں سبحان ربی الاعلیٰ سجدہ میں کہا کرو)۔ (سنن ابی داؤد، سنن ابن ماجہ، سنن دارمی)

عَنْ حُذَيْفَةَ اَنَّهٗ صَلّٰى مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكَانَ يَقُوْلُ فِيْ رُكُوْعِهٖ سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيْمِ وَفِيْ سُجُوْدِهٖ سُبْحَانَ رَبِّيَ الْاَعْلٰى۔ رواہ النسائی وابن ماجہ ورواہ الترمذی وابوداؤد والدارمی مع زیادۃ

(ترجمہ) حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے بیان فرماتے ہیں کہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی، آپ رکوع میں سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيْمِ اور سجدے میں سبحان ربی الاعلیٰ کہتے تھے۔

(جامع ترمذی، سنن ابی داؤد، سنن دارمی، سنن نسائی، سنن ابن ماجہ)

عَنْ عَوْنِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا رَكَعَ اَحَدُكُمْ فَقَالَ فِيْ رُكُوْعِهٖ سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيْمِ

ثَلٰثَ مَرَّاتٍ فَقَدْ تَمَّ رُكُوْعُهٗ وَذٰلِكَ اَدْنَاهُ وَاِذَا سَجَدَ فَقَالَ فِيْ سُجُوْدِهٖ سُبْحَانَ رَبِّيَ الْاَعْلٰى ثَلٰثَ مَرَّاتٍ فَقَدْ تَمَّ سُجُوْدُهٗ وَذٰلِكَ اَدْنَاهُ ـــــ رواہ الترمذی وابوداؤد وابن ماجہ

(ترجمہ) عون بن عبداللہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ :۔ جب کوئی شخص اپنے رکوع میں ۳ بار سبحان ربی العظیم کہے، تو اس کا رکوع مکمل ہو گیا اور یہ اس کا ادنیٰ درجہ ہوا، اسی طرح جب اپنے سجدے میں سبحان ربی الاعلیٰ ۳ بار کہے، تو اس کا سجدہ پورا ہو گیا اور یہ اس کا ادنیٰ درجہ ہوا۔

(جامع ترمذی، سنن ابی داؤد، سنن ابن ماجہ)

(**تشریح**) مطلب یہ ہے کہ رکوع اور سجدہ میں اگر تسبیح ۳ دفعہ سے کم کہی گئی تو رکوع سجدہ تو ادا ہو جائے گا لیکن اس میں ایک گونہ نقصان رہے گا، کامل ادائیگی کیلئے کم سے ۳ دفعہ تسبیح کہنا ضروری ہے اور اس سے زیادہ کہنا اور بہتر ہے۔ ہاں امام کے لئے ضروری کہ وہ رکوع اور سجدہ اتنا زیادہ طویل نہ کرے جو مقتدیوں کے لئے زحمت اور گرانی کا باعث حضرت سعید بن جبیر تابعی سے ابوداؤد اور نسائی نے روایت کیا ہے کہ حضرت انس رضی اللہ نے عمر بن عبدالعزیز کے متعلق فرمایا کہ :۔ اس جوان کی نماز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کے بہت ہی مشابہ ہے۔ ابن جبیر فرماتے ہیں کہ اس کے بعد ہم نے عمر بن عبدالعزیز کے رکوع و کی تسبیحات کے بارے میں اندازہ کیا کہ وہ تقریباً ۱۰ دفعہ پڑھتے تھے ـــــ اس سے معلوم کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی رکوع و سجود میں تقریباً دس دس دفعہ تسبیح کہتے تھے۔ بہتر یہ ہے کہ جو شخص نماز پڑھائے وہ کم سے کم تین دفعہ اور زیادہ سے زیادہ دس دفعہ پڑھا کرے۔

مندرجۂ بالا تینوں حدیثوں سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رکوع اور میں سبحان ربی العظیم اور سبحان ربی الاعلیٰ کہنے کی امت کو ہدایت و تلقین فرمائی اور یہی آپ کا معمول بھی تھا لیکن دوسری بعض احادیث میں رکوع اور سجدہ ہی کی

میں تسبیح و تقدیس کے بعض دوسرے کلمات اور دعاؤں کا پڑھنا بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے، جیساکہ آگے درج ہونے والی حدیثوں سے معلوم ہوگا۔

عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ کَانَ یَقُوْلُ فِیْ رُکُوْعِهٖ وَسُجُوْدِهٖ سُبُّوْحٌ قُدُّوْسٌ رَبُّ الْمَلٰئِکَةِ وَالرُّوْحِ ——— رواہ مسلم

(ترجمہ) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رکوع اور سجود میں کہتے تھے:۔ سبوح قدوس رب الملئکة والروح (نہایت پاک اور مقدس و منزہ ہے، پروردگار ملئکہ کا اور روح کا)۔ (صحیح مسلم)

عَنْ عَائِشَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ کَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یُکْثِرُ اَنْ یَقُوْلَ فِیْ رُکُوْعِهٖ وَسُجُوْدِهٖ سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَا وَبِحَمْدِكَ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِیْ، یَتَاَوَّلُ الْقُرْاٰنَ ——— رواہ البخاری ومسلم

(ترجمہ) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رکوع و سجود میں بکثرت یہ کلمات کہا کرتے تھے:۔ سبحانك اللّٰهم ربّنا وبحمدك اللهم اغفر لی (اے اللہ! ہمارے رب ہم تیری حمد کے ساتھ تیری تسبیح کرتے ہیں اے اللہ! میری مغفرت فرما) آپ (یہ کلمات کہہ کے) قرآن مجید کے حکم کی تعمیل کرتے تھے ——— (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

(تشریح) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے آخری لفظ یتاول القرآن کا مطلب یہ ہے کہ سورۂ "اذا جاء" میں آپ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو یہ حکم دیا گیا تھا فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ (آپ اللہ کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کریں اور اس سے مغفرت طلب کریں) اس حکم کی تعمیل میں آپ ان کلمات کے ذریعہ رکوع اور سجدہ میں بھی اللہ کی حمد و تسبیح اور اس سے استغفار کرتے تھے ——— حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ہی سے یہ بھی مروی ہے کہ سورۂ "اذا جاء نصر اللہ" کے نزول کے بعد نماز کے علاوہ بھی آپ کی زبان مبارک پر اللہ تعالیٰ کی حمد و تسبیح اور استغفار کے جامع کلمات بکثرت جاری رہتے تھے ——— اللہ تعالیٰ اس کی اقتدا اور پیروی

ہم سب کو نصیب فرمائے۔

عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ فَقَدْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْلَةً مِنَ الْفِرَاشِ فَالْتَمَسْتُهُ فَوَقَعَتْ يَدِي عَلَى بَطْنِ قَدَمَيْهِ وَهُوَ فِي الْمَسْجِدِ وَهُمَا مَنْصُوْبَتَانِ وَهُوَ يَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَعُوْذُ بِرِضَاكَ مِنْ سَخَطِكَ وَمُعَافَاتِكَ مِنْ عُقُوْبَتِكَ وَأَعُوْذُ بِكَ مِنْكَ لَا أُحْصِي ثَنَاءً عَلَيْكَ أَنْتَ كَمَا أَثْنَيْتَ عَلَى نَفْسِكَ ——— رواہ مسلم

(ترجمہ) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک رات کو (میری آنکھ کھلی تو) میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بستر پر نہ پایا، پس میں (اندھیرے میں) آپ کو ٹٹولنے لگی تو میرا ہاتھ آپ کے پاؤں کے تلوؤں پر پڑا، اُس وقت آپ سجدے میں تھے اور اللہ کے حضور میں عرض کر رہے تھے :- اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَعُوْذُ بِكَ الخ (اے اللہ! میں تیری ناراضی سے تیری رضامندی کی پناہ لیتا ہوں، اور تیری سزا سے تیری معافی کی پناہ لیتا ہوں اور تیری پکڑ سے بس تیری ہی پناہ لیتا ہوں، میں تیری ثنا و صفت پوری طرح بیان نہیں کرسکتا (بس یہی کہہ سکتا ہوں کہ) تو ویسا ہے جیسا کہ تو نے خود اپنی ذاتِ اقدس کے بارے میں بتلایا ہے)۔

(صحیح مسلم)

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ فِي سُجُوْدِهِ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِي ذَنْبِي كُلَّهُ دِقَّهُ وَجِلَّهُ وَأَوَّلَهُ وَآخِرَهُ وَعَلَانِيَتَهُ وَسِرَّهُ ———

(رواہ مسلم)

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے سجدہ میں (کبھی کبھی) یہ دعا بھی کرتے تھے۔

"اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِيْ ذَنْبِيْ كُلَّهٗ الخ" (اے اللہ! میرے سارے گناہ بخش دے، اس میں سے چھوٹے بھی بڑے بھی، پہلے بھی اور پچھلے بھی، کھلے ہوئے بھی اور ڈھکے چھپے بھی) ——— (صحیح مسلم)

(تشریح) بعض قرائن کی بناء پر بعض علمائے اُمّت کا یہ خیال ہے کہ رکوع اور سجود میں یہ دعائیں آپ زیادہ تر تہجد وغیرہ نفل نمازوں میں پڑھتے تھے، لیکن کبھی کبھی فرض نمازوں میں بھی بعض دعاؤں کا پڑھنا آپ سے ثابت ہے ——— اللہ تعالیٰ اگر توفیق دے، اور ان مبارک دعاؤں کا مطلب آدمی سمجھتا ہو تو رکوع و سجود میں تسبیح کے ساتھ کبھی کبھی یہ دُعائیں بھی پڑھنی چاہئیں، خاصکر نوافل میں جن میں آدمی کو اختیار ہے کہ جتنا لمبا چاہے رکوع و سجدہ کرے۔ ہاں فرض نمازوں میں امام کو اس کا لحاظ رکھنا چاہئے کہ مقتدیوں کو تکلیف اور گرانی نہ ہو۔

رکوع و سجود میں قرآن مجید نہ پڑھا جائے :—

عَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلَا اِنِّيْ نُهِيْتُ اَنْ اَقْرَأَ الْقُرْاٰنَ رَاكِعًا اَوْ سَاجِدًا فَاَمَّا الرُّكُوْعُ فَعَظِّمُوْا فِيْهِ الرَّبَّ وَاَمَّا السُّجُوْدُ فَاجْتَهِدُوْا فِي الدُّعَاءِ فَقَمِنٌ اَنْ يُّسْتَجَابَ لَكُمْ ——— (رواہ مسلم)

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ :— مجھے اس کی ممانعت ہے کہ رکوع اور سجدہ کی حالت میں قرآن مجید کی تلاوت کروں۔ پس رکوع میں تو تم لوگ اپنے مالک اور پروردگار کی عظمت و کبریائی بیان کیا کرو اور سجدہ میں دُعا کی خوب کوشش کیا کرو، سجدے کی دُعا (خاص طور سے) اس کی مستحق ہے کہ قبول کی جائے۔ (صحیح مسلم)

(تشریح) قرآن مجید کی قرأت جیسا کہ معلوم ہو چکا ہے نماز کا اہم رکن ہے، لیکن

اس کا محل قیام ہے، اور کلام الٰہی و فرمانِ خداوندی کے شایان یہی ہے کہ اس کی تلاوت و قرأت قیام کی حالت میں ہو (شاہی فرامین کے کھڑے ہو کر ہی پڑھے جانے کا دستور ہے) اور رکوع سجود کے لئے یہی مناسب ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تقدیس، اپنی بندگی و سرافگندگی کا اظہار اور اللہ تعالیٰ کے حضور میں دعا و استغفار ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل بھی مدۃ العمر یہی رہا، اور اس حدیث میں آپ نے زبانی بھی اسی کی ہدایت فرمائی۔

وہ حدیثیں اوپر گزر چکی ہیں جن میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے سجدے میں :۔ "سبحان ربی الاعلیٰ" کہنے کی تلقین وہدایت فرمائی ہے، اور اسی کے مطابق خود آپ کا عمل بھی معلوم ہو چکا ہے ـــــ اور یہاں اس حدیث میں آپ نے سجدے میں دعا کرنے کی تاکید فرمائی، ان دونوں باتوں میں کوئی تضاد اور منافات نہیں ہے، بات یہ ہے کہ دعا اور سوال کی ایک سادہ اور کھلی ہوئی صورت تو یہ ہے کہ بندہ صاف صاف اپنی حاجت مانگے، اور ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ جس سے مانگنا ہو فقیرانہ انداز میں بس اُسکے محامد اور کمالات کے گیت گائے، ہماری اس دنیا میں بھی بہت سے مانگنے والے اس طرح مانگتے ہیں۔ بہرحال یہ بھی دعا کا ایک طریقہ ہے، اور اسی بنا پر ایک حدیث میں "الحمد للہ" کو افضل الدعا کہا گیا ہے (جامع ترمذی) ـــــ اس لحاظ سے "سبحان ربی الاعلیٰ" بھی ایک دعائیہ کلمہ ہے، اور جو شخص سجدے میں صرف یہی کلمہ بار بار اللہ تعالیٰ کے حضور میں عرض کرتا ہے اُس کا سجدہ بھی دعا سے خالی نہیں ہے، لیکن سجدہ کی جو دعائیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول و ماثور ہیں (جو ابھی اوپر مذکور ہو چکی ہیں) ظاہر ہے کہ اس لحاظ سے انکی شان کچھ اور ہی ہے۔

تجلیاتِ مجدّد الف ثانیؒ

مکتوبات کے آئینے میں

(مترجمہ:- مولانا نسیم احمد فریدی امروہوی)

مکتوب (۲۹۲) شیخ عبدالحمید بنگالی[1] کے نام :-

(مُریدوں کے آدابِ ضروریہ کے بیان میں)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ——— تعریف اُس خدا کی جس نے ہم کو آدابِ نبویہؐ کیساتھ

---

[1] آپ شیخ حمید بنگالی کے نام سے مشہور و معروف ہیں تحصیلِ علومِ دینیہ کی غرض سے لاہور آئے تھے، بعد فراغت وطنِ مالوف جاتے ہوئے آگرہ میں قیام کیا۔ صوفیائے کرام خصوصاً حضرت مجدد الف ثانیؒ کے سخت مخالف تھے۔ اُن کے زمانۂ قیام میں اتفاق سے حضرت مجددؒ سرہند سے آگرہ تشریف لائے۔ خواجہ عبدالرحمٰن مفتی کابلی کے مکان پر حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی ملاقات شیخ حمیدؒ سے ہوئی، پہلی ملاقات ہی میں حضرتؒ کی نگاہِ خاص اور توجہ باطنی کی برکت سے شیخ حمیدؒ کا انکار اعتقاد سے بدل گیا۔ بیعت ہوئے، اور پاپیادہ آگرہ سے سرہند گئے، وہاں دو سال کے قریب رہ کر منازلِ سلوک طے کئے بالآخر حضرتؒ نے تعلیم طریقت کی اجازت دیکر ان کو وطن روانہ فرمایا۔ ان کو جو اجازت نامہ تحریر فرمایا گیا تھا اُس کی نقل زبدۃ المقاماتؒ اور حضرات القدس میں موجود ہے۔ رخصت ہوتے وقت حسب درخواست حضرت مجددؒ کا کفش مبارک بطور تبرک ملا جس کو اپنے ہمراہ لائے۔ منگل کوٹ ضلع بردوان میں آپ کا مزار ہے۔ اس علاقہ میں آپ کے ذریعہ بڑا دینی و روحانی فیض طالبین کو حاصل ہوا، اور انھوں نے آپ کی رہنمائی میں معرفت و یقین کی شاہراہ پر چل کر منزلِ مقصود کو پا لیا۔ راقم سطور الفرقان کے مجدد الف ثانی نمبر ۱۳۵۷ھ میں "تذکرہ خلفاء مجدد الف ثانیؒ" کے ذیل میں کسی قدر تفصیل سے موصوف کا ترجمہ لکھ چکا ہے۔

مودّب کیا، اور اخلاقِ محمدیہ کی جانب رہنمائی فرمائی ——— درود و سلام آنحضرتؐ پر اور آپ کے آل و اصحابؓ پر ——— واضح ہو کہ راہِ طریقت کے چلنے والے دو حال سے خالی نہیں ہیں، یا تو وہ مُرید ہیں یا مُراد ہیں ——— اگر مراد ہیں تو انھیں خوشخبری ہو کہ اُن کو قضا و قدر محبت کے راستے کشاں کشاں لیجائیں گے اور مطلبِ اعلیٰ تک پہونچا دیں گے، نیز جو ادب بھی درکار ہو گا بالواسطہ یا بلاواسطہ اُن کو سکھا دیں گے، اگر کوئی لغزش واقع ہوگی تو جلد آگاہ کر دیں گے اور اس پر مواخذہ نہ کریں گے، اگر وہ مرشدِ ظاہر کی ضرورت رکھتے ہوں گے تو بغیر کسی (خاص) کوشش کے مرشدِ کامل کی طرف رہنمائی فرما دیں گے ——— خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عنایتِ ازلی ایسے بزرگوں کے حال کی خبر گیر ہوتی ہے ——— اللہ تعالیٰ کسی ذریعہ سے یا بغیر ذریعہ اُن کا کام پورا کریں گے (چنانچہ خود فرماتے ہیں) اللّٰہ یجتبی الیہ من یشاء (اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے منتخب کرلیتا ہے) ——— اگر مرید ہیں تو اُن کا کام پیرِ کامل و مکمل کے توسط کے بغیر دشوار ہے ——— ان کے لئے ایسا مرشد چاہئے جو دولتِ "جذبہ و سلوک" سے مشرف ہو، اور "فنا و بقا" کی سعادت سے بہرہ یاب ہو چکا ہو، نیز سیر الی اللہ اور سیر فی اللہ وغیرہ کی تکمیل کر چکا ہو ——— اگر اُس مرشدِ کامل کا جذبہ اُس کے سلوک پر مقدم تھا اور وہ "مُرادوں" کی تربیت میں رہا ہے تو ایسا مرشد اکسیر کا حکم رکھتا ہے۔ اس کا کلام دوا ہے، اس کی نظر شفا ہے۔ مُردہ دلوں کا زندہ کرنا اُس کی توجہ سے وابستہ ہے اور پژمردہ جانوں کی تازگی اُس کے گوشۂ چشمِ التفات سے متعلق ہے ——— اگر ایسا صاحبِ دولت مرشد نہ ملے تو سالکِ مجذوب بھی غنیمت ہے اس سے بھی ناقصوں کی تربیت ہو جاتی ہے اور اُس کے ذریعہ بھی دولتِ "فنا و بقا" تک پہونچ جاتے ہیں۔ سہ

آسماں نسبت بعرش آمد فرود
ورنہ بس عالیست پیشِ خاکِ تود

اگر عنایتِ خداوندی سے کسی طالب کو پیرِ کامل و مکمل کا پتہ چل جائے تو اُسکے وجودِ شریف کو غنیمت جانے، اپنے آپ کو اُس کے سپرد کر دے اور اپنی سعادت اُس کی مرضیات میں اور اپنی بدبختی اُس کی خلافِ مرضیات میں سمجھے ——— غرض اپنی خواہش کو اُس کی

رضا کے تابع کر دے ـــــ حدیث نبوی میں ہے :۔

"لن یومن احدکم حتّٰی یکون ھواہٗ تبعًا لما جئتُ بہ"

(تم میں سے کوئی شخص اُس وقت تک مومن کامل نہیں ہو سکتا جب تک اُسکی خواہش میری لائی ہوئی شریعت کے تابع نہ ہو جائے)۔

یہ (اچھی طرح) سمجھ لینا چاہیئے کہ آداب صحبتِ شیخ کی رعایت کرنا اور شرائط صحبت کو ملحوظ رکھنا اس راہ کی ضروریات میں سے ہے تاکہ فائدہ پہونچانے اور فائدہ حاصل کرنے کا راستہ کُھل جائے ـــــ بغیر آداب کی رعایت کے صحبتِ شیخ کا کوئی فائدہ اور مجلس مرشد کا کوئی ثمرہ برآمد نہیں ہوتا ـــــ کچھ آداب اور شرائط ضروریہ بیان کئے جاتے ہیں، چاہیئے کہ اُن کو گوشِ ہوش سے سُنا جائے۔

طالب اپنے چہرۂ دل کو پورے طریقہ سے اپنے مرشد کی طرف متوجہ کرے ... ... اُس کے حضور میں کسی کی طرف توجہ نہ کرے ... ... سلطانِ وقت (جہانگیر) کا ایک واقعہ بیان کیا جاتا ہے کہ اُس کا ایک وزیر اُس کے سامنے کھڑا تھا، اِس اثناء میں اُس وزیر نے اتفاقاً اپنے کرتے کی طرف توجہ کی اور اُس کے بند درست کرنے لگا، اچانک سلطان کی نگاہ اس پر پڑ گئی اور یہ دیکھ کر کہ وزیر دوسری طرف متوجہ ہے غصہ کے لہجے میں کہا، کہ :ـــــ

"میں اِس حرکت کو برداشت نہیں کروں گا کہ میری موجودگی میں کُرتے کے بند کی طرف توجہ کی جائے"۔

غور کرنا چاہیئے کہ جب دنیائے دوں کے وسائل (مثلاً بادشاہ) کے لئے باریک باریک آداب درکار ہیں تو اللہ تک پہونچنے کے وسائل (مثلاً پیر و مرشد) کے لئے تو بہت کچھ آداب کی رعایت لازم ہوگی ... ... پورے طریقے سے شیخ کی اقتداء کرے، خواہ کھانا پینا ہو یا سونا اور عبادت کرنا ـــــ نماز کو اُسی کے طریقے پر ادا کرنا چاہیئے، فقہ کو اُسی کے عمل سے حاصل کرنا چاہیئے ـــــ ؎

آنرا کہ در سرائے نگاریست فارغ است ✦ از باغ و بوستان و تماشائے لالہ زار

مرشد کی حرکات و سکنات پر کوئی اعتراض نہ کرے اگرچہ وہ اعتراض رائی کے دانے کے برابر ہو۔ اس لئے کہ اعتراض سے سوائے محرومی کے کوئی نتیجہ نہیں ہے ــــ سب سے زیادہ بے سعادت وہ شخص ہے جو مشائخ پر نکتہ چینی کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم کو اس بلائے عظیم سے نجات دے۔

اپنے مرشد سے کرامات طلب نہ کرے بلکہ طلب کرامت کے وسوسے کو بھی قلب میں جگہ نہ دے ــ کبھی سنا ہے کہ کسی مومن نے کسی پیغمبر سے معجزہ طلب کیا ہو ــــ معجزہ طلب کرنے والے کفار اور منکر ہوا کرتے تھے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

اگر دل میں کوئی شبہ پیدا ہو تو بغیر توقف مرشد سے عرض کرے اگر وہ شبہ حل نہ ہو تو اپنے فہم کا قصور سمجھے ــ ۔ ۔ ۔ ۔

جو خواب دیکھا ہو مرشد سے بیان کرے اور تعبیر خواب اُس سے دریافت کرے اور جو تعبیر خود اُس پر منکشف ہوئی ہو اُس کو بھی عرض کردے اور صحت و عدم صحت کو اُس سے معلوم کرے اپنے کشف پر ہرگز اعتماد نہ کرے، اس لئے کہ دنیا میں (کبھی) حق باطل کے ساتھ اور صواب خطا کے ساتھ ملے جلے ہوئے (غیر امتیازی شکل میں) ہوتے ہیں ۔ ۔ ۔ ۔

اپنی آواز کو اس کی آواز سے بلند نہ کرے اور (بلا ضرورت) بلند آواز سے اس سے گفتگو نہ کرے کیونکہ یہ بے ادبی کی بات ہے۔

جو فیض و کشائش حاصل ہو اُس کو مرشد کے توسط سے خیال کرے ۔ ۔ ۔ ۔ حق سبحانہ و تعالیٰ لغزش قدم سے محفوظ رکھے اور اعتقاد و محبت پیر پر مستقیم رکھے بحرمت سید البشر صلی اللہ علیہ وسلم۔

حاصل کلام یہ ہے کہ:- الطریق کُلُّہٗ ادبٌ (طریقت سراپا ادب ہے) یہ مثل مشہور ہے:- کوئی بے ادب کبھی بھی خدا تک نہیں پہونچا ــــ اگر کوئی مرید بعض آداب کی رعایت میں اپنے کو قاصر سمجھے اور جو اُس پر لازم تھا اُس کو وہ انجام نہ دے سکے تو اگر وہ باوجود کوشش کے انجام نہ دے سکا تو ضرور معافی کے قابل ہے، لیکن اپنی کوتاہی کا اقرار ضروری ہے اگر العیاذ باللہ رعایت آداب بھی نہ کرے اور خود کو کوتاہ عمل بھی نہ سمجھے تو وہ ان بزرگوں کی برکات سے محروم ہے۔ ؎

ہر کرا روئے بہ بہبود نہ بود
دیدنِ روئے نبی سود نہ بود

ہاں اگر کوئی مُرید اپنے پیر کی توجہ سے مرتبۂ فنا و بقا حاصل کرلے اور الہام و فراست کا راستہ اُس پہ کھُل جائے اور پیر و مرشد اُس کو لائق اعتبار قرار دے کر اُس کے کمال پر گواہی دیدے تو ایسے مرید کو درست ہے کہ بعض الہامی اُمور میں اپنے پیر کے برخلاف اپنے الہام کے مطابق عمل کرے اگرچہ پیر کے نزدیک اُس کے برعکس صحیح اور متحقق ہو، اس لئے کہ وہ مرید اُس وقت تقلید کی رسّی سے باہر نکل آیا ہے اور تقلید اُس کے لئے خطا ہے۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

مکتوب (۲۹۲) شیخ محمد چتری کے نام :-

(آخری حصّہ)

۔ ۔ ۔ ۔ ۔ شیخ شہاب الدین سہروردیؒ عوارف المعارف میں مشائخ کے خوارق و کرامات کا ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں :-

"اور یہ تمام خوارق و کرامات بخششہائے خداوندی ہیں۔ کبھی ان اُمور کو کسی قوم پر کھول دیا جاتا ہے اور عطا کیا جاتا ہے اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ان سے بالاتر ایک شخص ہے اور اُس کا اس میں سے (خرقِ عادت میں سے) کچھ بھی حصّہ نہیں ہوتا اسلئے کہ یہ خوارق و کرامات (فقط) تقویتِ یقین کا باعث ہیں اور جس کسی کو یقین خالص عطا کیا جاتا ہے اُس کو خوارق میں سے کسی چیز کی ضرورت نہیں —— پس یہ تمام کرامات —— قلب میں ذکر کے جم جانے اور ذکرِ ذات کے قلب میں پائے جانے کے مقابلے میں —— نیچے درجے کی چیز ہیں"

۔ ۔ ۔ ظہور کرامات کی کثرت کو افضلیت کی دلیل قرار دینا بالکل ایسا ہی (غلط) ہے (جیسا کہ) کوئی (تفضیلی) حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے کثرتِ فضائل و مناقب کو حضرت صدیق اکبرؓ پر حضرت علیؓ کی افضلیت کی دلیل قرار دے کیونکہ اس قدر فضائل و مناقب حضرت صدیق اکبرؓ کے ظہور میں نہیں آئے جس قدر حضرت علیؓ کے۔

اے برادر سُن —— خوارق عادات دو قسم کے ہیں :- پہلی قسم وہ علوم و معارف ہیں جو ذات و صفات و افعالِ واجبی سے تعلق رکھتے ہیں اور وہ عقل سے ماوراء ہیں، اور عام طور پر

نہیں پائے جاتے، اللہ تعالیٰ اپنے بندگانِ خاص کو اُن علوم و معارف سے ممتاز فرماتا ہے —— دوسری قسم۔ مخلوقات کی صورتوں کا کشف اور اشیائے غائبہ کی خبر دینا ہے جس کا تعلق اس عالم سے ہے —— پہلی قسم اہلِ حق اور ارباب معرفت کے ساتھ مخصوص ہے، اور دوسری قسم میں اہلِ حق اور اہلِ باطل سب شریک ہیں۔ اسلئے کہ کبھی کافر و فاسق کو بھی دوسری قسم حاصل ہو جاتی ہے۔

پہلی قسم اللہ تعالیٰ کے نزدیک شرافت و اعتبار رکھتی ہے اسی وجہ سے اُس نے پہلی قسم کو اپنے اولیاء کے ساتھ مخصوص کیا ہے اور اپنے دشمنوں کو اس میں شریک نہیں کیا اور دوسری قسم عوام الناس کے نزدیک معتبر اور اُن کی نظر میں معزز و محترم ہے۔

جب کسی خرقِ عادت کا ظہور ہوتا ہے خواہ کسی اہلِ باطل سے ہو تو قریب ہے کہ عوام اپنی نادانی و بیوقوفی سے اُس شخص کی پرستش شروع کر دیں اور جس اچھے بُرے کا وہ حکم کرے اُس کی تعمیل کریں۔

بلکہ عوام پہلی قسم کو کرامت ہی نہیں سمجھتے، کرامت تو اُن کے نزدیک بس دوسری قسم ہی میں منحصر ہے ان عوام کے گمان میں کرامت مخصوص ہے (فقط) مخلوقات کی صورتوں کے کشف کے ساتھ اور غائب چیزوں کے بتا دینے کے ساتھ۔

یہ عوام بھی عجب احمق ہیں۔ بھلا جو علم کہ مخلوقاتِ حاضر و غائب کیساتھ تعلق رکھتا ہے اُس کو کون سی شرافت و کرامت حاصل ہو گئی؟ یہ علم تو اس قابل ہے کہ اُس کو جہالت سے بدل لیا جائے تاکہ مخلوقات کے احوال سے نسیان حاصل ہو —— در اصل معرفتِ حق تعالیٰ ہی شرافت و کرامت اور اعزاز و احترام کے لائق ہے۔ ؎

پری نہفتہ رُخ و دیو در کرشمہ و ناز
بسوخت عقل ز حیرت کہ ایں چہ بوالعجبی است

مکتوب (۲۹۹) شیخ فرید راہولی کے نام :-

(صبر و رضا اور مرگِ طاعون کی فضیلت کے بیان میں)

بعد الحمد و الصلوٰۃ و تبلیغ الدعوات —— مکتوب شریف پہونچا، اپنی مصیبتوں کا حال

تم نے لکھا تھا — اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْن — صبر و تحمل کیساتھ راضی برضائے الٰہی رہنا چاہئے۔ ؎

من از تو روئے نہ پیچم گرم بیازاری
کہ خوش بود ز عزیزاں تحمل و خواری

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:—

"تمھیں جو کچھ مصیبت پہونچتی ہے وہ تمھارے اپنے ہی کئے ہوئے بُرے اعمال کا نتیجہ ہوتا ہے، اور اللہ بہت سے گناہوں سے درگذر کرتا ہے۔"

نیز فرماتا ہے:—

"فساد آشکارا ہو گیا خشکی اور تری میں بوجہ انسانوں کی بداعمالی کے۔"

• ... اس وبا (طاعون) میں ہماری شومئی اعمال سے اوّل چوہے ہلاک ہوئے اس لئے کہ وہ ہم سے (ہمارے گھروں میں رہنے اور گھومنے کی وجہ سے) زیادہ اختلاط رکھتے ہیں — اور عورتیں — جن کا وجود مدارِ نسل اور مدارِ بقائے نوعِ انسانی ہے — اس وبا میں مردوں کی بہ نسبت زیادہ ختم ہوئیں۔

جو شخص اِس وبا میں مرنے سے بھاگا اور زندہ رہ گیا اُس کی زندگی پر حیف ہے اور جو نہ بھاگا اور مر گیا اُس کے لئے شہادت کی خوشخبری ہے۔

شیخ الاسلام ابنِ حجرؒ نے بذل الماعون فی فضل الطاعون میں لکھا ہے کہ:—

"جو طاعون میں انتقال کرے گا اُس سے قبر میں سوال نہ ہو گا اسلئے کہ وہ معرکۂ جہاد میں شہید ہونے والے کی مانند ہے۔"

اور یہ بھی لکھا ہے کہ:—

"طاعون کے زمانہ میں طلبِ ثواب کی نیت سے صبر کرنیوالا (اپنے مقام پر جما رہنے والا) یہ یقین کرتے ہوئے کہ وہی ہو گا جو نوشتۂ تقدیر میں ہے۔ طاعون کے علاوہ کسی مرض میں بھی مرے اُس سے بھی سوالِ قبر نہیں ہو گا۔ اِس لئے کہ وہ سرحدِ اسلام پر چوکیداری کرنے والے شخص کی مانند ہے۔

علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب شرح الصدور میں اسی طرح ذکر کیا ہے :۔

"اور جو شخص طاعون کے مقام سے نہیں بھاگا اور (اس زمانہ میں) مرا بھی نہیں تو تو وہ غازیوں، مجاہدوں، صابروں اور بلاکشوں کی مانند ہے۔"

ہر کسی کے لئے موت کا ایک وقت متعین ہے اس میں تقدیم و تاخیر کی گنجائش نہیں ——— بہت سے طاعون کے علاقے سے بھاگنے والے جو بچ جاتے ہیں اُن کا وقت ہی نہیں آیا تھا، یہ بات نہیں کہ بھاگنے نے موت سے بچا لیا، اور جو جم کر بیٹھے رہنے والے ختم ہوئے وہ بھی اپنی عمر کی میعاد پوری کر کے ختم ہوئے، پس نہ تو فرار باعثِ نجات ہوا، اور نہ استقرار باعثِ ہلاکت ——— یہ فرار تو ایسا ہے جیسا کہ جہاد کے دن (میدانِ جہاد سے) فرار ہونا، اور یہ گناہِ کبیرہ ہے ——— یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے خفیہ تدبیر اور ڈھیل ہوتی ہے کہ بھاگنے والے سلامت رہیں اور صبر کرنے والے ہلاک ہو جائیں۔ ... ...

تم نے جو اس موقع پر صبر و تحمل کیا اور مسلمانوں کی امداد و اعانت کی اس کی اطلاع ملتی رہتی تھی ——— جزاکم اللہ ——— بچوں کی تربیت میں اور ان کی ایذا کو برداشت کرنے میں ملول نہ ہوں، اس پر اجرِ عظیم کی امیدواری مرتب ہے ——— زیادہ کیا لکھوں۔ والسلام۔

مکتوب (۳۰۲) اپنے صاحبزادے خواجہ محمد معصوم سرہندیؒ کے نام :۔

(آخری حصہ)

... ... اے فرزند! مقامِ ولایت میں (ایسا ہوتا ہے کہ) دنیا و آخرت دونوں سے ہاتھ دھولئے جاتے ہیں اور مشغولیِ آخرت کو مشغولیِ دنیا کی مثل سمجھا جاتا ہے ——— نیز دردِ آخرت کو بھی دردِ دنیا کی طرح اچھا نہیں سمجھا جاتا (چنانچہ امام داؤد طائیؒ فرماتے ہیں :۔

"اگر تو سلامتی چاہے تو دنیا کو الوداع کہہ، اور کرامت چاہے تو آخرت سے نا اُمید ہو جا۔"

اور مرتبہ کمالاتِ نبوت میں مشغولیِ آخرت محمود ہے، اور دردِ آخرت پسندیدہ و مقبول ——— بلکہ اس مقام میں اصل درد، دردِ آخرت اور اصل گرفتاری، گرفتاری و مشغولیِ آخرت

ہی ہے ــــ یہ آیاتِ قرآنی مرتبۂ کمالاتِ نبوت والوں کیلئے نقد وقت ہیں۔

یدعون ربہم خوفاً وطمعاً (سورۂ سجدہ)

(وہ پکارتے ہیں اپنے پروردگار کو ڈر اور اُمید کیساتھ)

ویخشون ربہم (سورۂ رعد)

(وہ اپنے رب سے ڈرتے ہیں)

ویخافون عذابہ (سورۂ بنی اسرائیل)

(وہ عذابِ خداوندی سے خوف کرتے ہیں)

الذین یخشون ربہم بالغیب وھم من الساعۃ مشفقون (سورۂ انبیا)

(وہ جو ڈرتے ہیں اپنے رب سے غائبانہ اور وہ قیامت سے خوف کھاتے ہیں)

اِن کا (مرتبۂ کمالاتِ نبوت پر فائز ہونے والوں کا) گریہ وزنالہ، احوالِ آخرت کو یاد کرکے ہوتا ہے اور قیامت سے ڈر کر اُن کو رنج والم ہوتا ہے ــــ وہ ہمیشہ عذابِ قبر سے اور آتشِ دوزخ سے پناہ ڈھونڈھتے رہتے ہیں ــــ درحق اُن کے یہاں دردِ آخرت ہی ہے اور اُن کا (اصل) شوق ومحبت، شوق ومحبت آخرت ہے ــــ اسلئے کہ اللہ سے ملاقات کا وعدہ آخرت سے ہی تعلق رکھتا ہے اور اس کی رضائے کامل بھی آخرت پر موقوف ہے ــــ دنیا حق تعالیٰ کے نزدیک سخت ناپسندیدہ ہے، آخرت اُس کی پسندیدہ ہے، پسندیدہ کو ناپسندیدہ کے برابر نہیں کیا جاسکتا۔ جو شے اللہ کو ناپسند ہو وہی روگردانی کے لائق ہے، اور جو پسند ہو وہ اس قابل ہے کہ اُس کیطرف توجہ کی جائے ــــ اللہ کی پسندیدہ شے سے اعراض کرنا شکر کی بات ہے اور خلافِ مرضی خدا ہے۔ یہ آیت:ــ

واللہ یدعوا الی دار السلام (اللہ تعالیٰ بُلاتا ہے جنت کی طرف)

اس حقیقت کی گواہ ہے ــــ (قرآن میں جگہ جگہ) حق سبحانہ وتعالیٰ نے مبالغہ وتاکید کیساتھ آخرت کی ترغیب دی ہے ــــ پس آخرت سے روگردانی کرنا فی الحقیقت حق تعالیٰ کا مقابلہ کرنا اور اُس کی مرضی کے خلاف کوشش کرنا ہے۔ ـ ـ ـ ـ

امام داؤد طائیؒ باوجود اپنی بزرگی کے چونکہ مرتبۂ ولایت میں قدم راسخ رکھتے تھے،

اس لئے انھوں نے ترکِ آخرت کو کرامت کہدیا، انھوں نے یہ غور نہ فرمایا کہ صحابۂ کرامؓ تمام کے تمام دردِ آخرت میں مبتلا اور عذابِ آخرت سے ترساں ولرزاں رہے ہیں۔

ایک دن حضرتِ عمر فاروقِ اعظمؓ اونٹ پر سوار ہوکر ایک گلی سے گذر رہے تھے ایک قاری نے (اتفاق سے) یہ آیت پڑھی:۔

اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ لَوَاقِعٌ — بیشک تیرے ربّ کا عذاب ہونیوالا ہے

مَّا لَهُ مِنْ دَافِعٍ — اس کو کوئی دفع کرنے والا نہیں۔

اس آیت کو سُنکر اُن کے ہوش بجا نہیں رہے، اور اونٹ سے بے اختیار زمین پر گر پڑے، اُن کو وہاں سے اُٹھاکر اُن کے مکان پر پہونچا یا گیا، اور ایک مُدّت تک وہ اسی دردِ غم میں بیمار رہے، اور لوگ اُن کی عیادت کو آتے تھے۔

ہاں بیشک سلوک کے درمیان مقامِ فنا میں پہونچ کر دنیا و آخرت سے نسیان ہوجاتا ہے، اور سالک مشغولیِ آخرت کو مشغولیِ دنیا کی مانند سمجھتا ہے، جب فنا کے بعد بقاء کے مقام سے مشرف ہوکر کام کی تکمیل کرلیتا ہے اور کمالاتِ نبوت اُس پر پرتو انداز ہوجاتے ہیں، اُس وقت دردِ آخرت، پناہ از دوزخ، تمنائے بہشت، یہ سب چیزیں موجود ہوتی ہیں۔

جنّت کے درختوں، نہروں اور حور وغلماں کو دنیا کی چیزوں سے کوئی مناسبت نہیں ہے، بلکہ جنّت اور دنیا کی چیزیں آپس میں ایک دوسرے کی ضد ہیں، جیسا کہ غضب و رضا آپس میں ضد ہیں ـــــ جنّت میں جو درخت، نہریں اور چیزیں ہیں وہ اعمالِ صالحہ کے نتائج و ثمرات ہیں۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ:۔

"بہشت درخت نہیں رکھتی ہے، تم وہاں درخت نصب کرو" ـــــ

دریافت کیا گیا کہ:۔ "وہاں درخت کس طرح نصب کریں؟" ـــــ

فرمایا کہ:۔ "تسبیح و تحمید اور تمجید و تہلیل سے"

یعنی سبحان اللہ کہو، تاکہ بہشت میں ایک پودا نصب کردیا جائے۔ پس درختِ بہشت نتیجۂ تسبیح ہوا ـــــ جس طرح کمالاتِ تنزیہی و تقدیسی اس کلمہ (سبحان اللہ) کے اندر

حروف اور آواز کے لباس میں مندرج ہیں، اسی طرح بہشت میں اُن کمالات کو درخت کے لباس میں نہاں کر دیا ہے۔

علیٰ ہذا القیاس جو کچھ بہشت میں ہے نتیجۂ عملِ صالح ہے، اور جو کچھ کمالاتِ وجوبی ہے قول و عمل کی اچھائی کے لباس میں مندرج ہیں وہی کمالات بہشت میں لذات و تنعمات کے پردے میں ظہور پذیر ہیں ــــ پس ضرور وہاں کا تلذذ اور تنعم اللہ کے نزدیک مقبول ہوگا اور وسیلہ بنے گا اللہ سے ملاقات کا اور اُس تک پہونچنے کا۔

رابعہ بصریہؒ بیچاری اگر اس راز سے آگاہ ہوتیں تو جنت کے جلانے کی فکر نہ کرتیں اور جنت کی طرف توجہ کو غیر اللہ کی توجہ نہ قرار دیتیں (جیسا کہ ان کے متعلق مشہور ہے کہ انھوں نے غلبۂ حال میں جنت کے بارے میں اس قسم کے کلمات فرمائے تھے) بخلاف دنیا کے تلذذ و تنعم کے، کہ اُس کا سرچشمہ خباثت و شرارت ہے، جس کا نتیجہ محرومیٔ آخرت ہے۔ اللہ تعالیٰ اس محرومی سے محفوظ رکھے ــــ دنیا کا تلذذ اگر مباحِ شرعی ہے تو اُس کا بھی قیامت میں حساب ہونا ہے، اگر اللہ تعالیٰ دستگیری نہ فرمائے تو ہمارا حال لائق صد افسوس ہوگا ــــ اور اگر وہ تلذذ مباحِ شرعی نہیں ہے پھر تو وعید اُس پر وارد ہے:ــــ

"اے ہمارے رب! ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا، اگر تو نے ہم کو نہ بخشا اور نہ رحم فرمایا تو ہم نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جائیں گے"ــــ

پس اس تلذذِ دنیاوی کو اُس تلذذِ اُخروی سے کیا مناسبت ہو سکتی ہے ــــ یہ تلذذ زہرِ قاتل ہے، وہ تلذذ تریاقِ نافع ہے ......

بارگاہِ نبوی میں

"رفیقِ محترم مولانا سید ابوالحسن علی ندوی جومئی کے پہلے ہفتہ میں حجازِ مقدس تشریف لے گئے تھے، الحمدللہ ۱۰ر جون کو بسلامت وعافیت لکھنؤ واپس تشریف لے آئے —— آپ نے اس مبارک سفر میں مدینۂ طیبہ جدہ ریڈیو اسٹیشن سے بعنوان "فی مسجد الرسول" عربی میں ایک مضمون نشر کیا تھا مندرجہ ذیل مضمون دراصل اُسی کا ترجمہ ہے جو الفرقان کیلئے عزیز مکرم مولوی سید محمد الحسنی (مدیر البعث الاسلامی) نے کیا ہے —— پڑھ کر ایمان تازہ کیجئے اور آنکھیں اگر آنسو بہائیں تو اُن کو نہ روکئے! —— نعمانی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مورخین اور مصنفین کو خدا معاف کرے، مقدس سے مقدس مقامات اور افضل سے افضل اوقات میں بھی یہ تاریخی ذوق اور طرزِ فکر ان کا ساتھ نہیں چھوڑتا اور وہ چند لمحات کیلئے بھی اس سے آزاد نہیں ہو پاتے، وہ جہاں بھی ہوتے ہیں اپنے علم و مطالعہ کی فضا میں سانس لیتے ہیں اور حال کا رشتہ ہمیشہ ماضی سے جوڑنا چاہتے ہیں، مناظر کو دیکھ کر ان کا ذہن بہت جلد اس تاریخی منظر کی تلاش میں نکل جاتا ہے جن کے نتیجہ میں ان مناظر کا وجود اور نمود ہے۔

مجھے کل روضۂ نبوی کی زیارت نصیب ہوئی میرے چاروں طرف نمازیوں اور عبادت گزاروں کا زبردست مجمع تھا، ان میں کچھ لوگ سجدے میں تھے اور کچھ رکوع میں، تلاوتِ قرآن کی آوازیں فضا میں اس طرح گونج رہی تھیں جس طرح شہد کی مکھیاں اپنے چھتہ میں بھنبھنا رہی ہوں، اس وقت کا سماں کچھ ایسا تھا کہ مجھے

تاریخ اور تاریخی شخصیات کو تھوڑی دیر کیلئے فراموش کر دینا چاہئے تھا، لیکن تاریخ کی قدیم یادیں بادلوں کی طرح میرے دل و دماغ پر چھاگئیں اور میرا ان پر کوئی زور نہ چل سکا۔

مجھے ایسا محسوس ہوا کہ اس امت کی نامور شخصیتوں اور رہنماؤں کو ایک نئی زندگی عطا کی گئی ہے اور وہ وفود کی شکل میں یکے بعد دیگرے بارگاہ نبوی میں حاضر ہو رہے ہیں، اور اسی عظیم مسجد میں فریضۂ نماز ادا کرنے کے بعد اس عظیم نبی کو ہدیہ سلام اور خراج عقیدت و محبت پیش کر رہے ہیں اور اس کے احسان کا اعتراف کر رہے ہیں اور (طبقاتی اختلاف کے باوجود) اس بات کی گواہی دے رہے ہیں کہ یہی وہ نبی ہیں جنھوں نے اللہ کے حکم سے ان کو ظلمت سے روشنی کی طرف، تیرہ بختی سے خوش بختی کی طرف، مخلوق کی عبادت سے خدائے واحد کی عبادت کی طرف اور مذاہب کے ظلم و استبداد سے اسلام کے عدل و انصاف کی طرف، اور دُنیا کی تنگی سے اس کی کشادگی کی طرف نکالا، وہ اعتراف کر رہے ہیں کہ وہ اسلام ہی کی پیداوار ہیں، اور ان کا سارا وجود اور زندگی نبوت کی مرہونِ منت ہے، اگر خدا نخواستہ ان سے وہ سب واپس لے لیا جائے جو اللہ تعالیٰ نے ان کو اس نبی کے ذریعہ عطا کیا تھا، اور نبوت کے وہ عطیے ان سے چھین لئے جائیں جنھوں نے دنیا میں ان کو عزت و سرفرازی بخشی تھی تو ان کی حیثیت ایک بے رُوح اور بیجان ڈھانچے اور چند مبہم اور بے مقصد خطوط و اشکال سے زیادہ نہ رہ جائے گی، اور وہ تاریخ کے تاریک ترین عہد جنگلیوں کے قانون اور رہزنوں اور لٹیروں کی حکومت کی طرف واپس چلے جائیں گے، اور موجودہ تہذیب و تمدن کا نام و نشان تک مٹ جائے گا۔

اچانک میری نگاہ ایک طرف اٹھ گئی، میں نے دیکھا کہ بابِ جبریل سے (جو مجھ سے سب سے زیادہ قریب تھا) ایک جماعت داخل ہو رہی ہے، سکون و وقار میں ڈوبے ہوئے ان کی پیشانی سے علم کا نور اور ذہانت کی روشنی صاف عیاں تھی، وہ باب الرحمۃ اور باب جبریل کے درمیانی حصے میں پھیل گئے، وہ اتنی بڑی تعداد میں تھے کہ ان کے شمار کا کوئی سوال نہیں تھا، میں نے دربان سے پوچھا کہ:- یہ لوگ کون ہیں؟ اُس نے کہا کہ:- اس امت کے امام اور رہنما انسانیت کے محسن اور نوعِ انسانی کے ممتاز اور قابلِ فخر نمونے ہیں، ان میں سے ہر ایک پوری پوری قوم کا امام، پورے پورے کتبخانہ اور مکتبِ فکر کا بانی اور کوئی پوری نسل کا مربی اور ہر علم و فن کا موجد ہے

ان کے لازوال آثار اور لافانی شاہکار اور نمونے آج بھی دیکھے جا سکتے ہیں، ان کے علم و اجتہاد اور تحقیق کی روشنی میں کئی کئی نسلوں نے سفرِ زندگی طے کیا ہے، اُس نے عجلت کے ساتھ چند ہستیوں کے نام بھی مجھے بتادیئے :- حضرت مالک بن انس، امام ابوحنیفہ، امام شافعی، امام احمد بن حنبل، لیث بن سعد مصری، امام اوزاعی، امام بخاری، امام مسلم تقی الدین بن تیمیہ، ابن قدامہ، ابو اسحاق الشاطبی، کمال ابن الہمام، شاہ ولی اللہ دہلوی، یہ لوگ تھے جنھوں نے زمان و مکان کے تفاوت اور فرقِ مراتب اور اختلافِ درجات کے ساتھ بارگاہِ نبوی میں خراجِ عقیدت پیش کیا، اور اشکِ ندامت نذر کئے۔

میں نے دیکھا کہ سب سے پہلے انھوں نے تحیۃ المسجد کی دوگانہ بہت خشوع و خضوع اور حضوری قلب کے ساتھ ادا کی، پھر بہت ادب اور تواضع کے ساتھ قبر مبارک کی طرف بڑھے، اور بہت جچے تلے، مختصر، معانی سے لبریز، گہرے اور پرمغز کلمات کے ساتھ سلام پیش کیا، مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ان کی آواز اس وقت بھی میرے کانوں میں گونج رہی ہے، اُنکی آنکھوں میں آنسو تھے اور آواز میں رقت، وہ کہہ رہے تھے :-

"یا رسول اللہ! اگر آپ کی لازوال، وسیع اور جامع، عادلانہ اور کشادہ شریعت نہ ہوتی، اور اس کے وہ اصول نہ ہوتے جن سے انسانی ذہن اور انسانی صلاحیت نے نئے نئے گل بوٹے پیدا کئے، اور زمین کا دامن بیش قیمت اور عطر بیز پھولوں سے بھر دیا، اور اس کا وہ حکیمانہ اور معجزانہ نظام نہ ہوتا جس نے انسانی فکر و تدبر اور اخذ و استنباط کی صلاحیت کو بیدار کر دیا، اور اگر انسانیت کو اسکی احتیاج نہ ہوتی تو نہ اس عظیم فقہ کا کوئی وجود ہوتا نہ اس عظیم اسلامی قانون سے کوئی واقف ہوتا جس سے اس وقت ہر قوم کا دامن خالی تھا، نہ اتنا بڑا اسلامی کتب خانہ وجود میں آتا جس کے سامنے دنیا کا سارا مذہبی لٹریچر ہیچ ہے —

اگر علم کی اشاعت اور خدا کی نشانیوں اور اس کی قدرتِ کاملہ میں غور و فکر اور استعمالِ عقل کے لئے آپ جد و جہد نہ فرماتے تو یہ شجرِ علم زیادہ دنوں تک برگ و بار نہ لا سکتا، اور نہ اس کی وہ اشاعت ہوتی جو آج نظر آرہی ہے، عقلِ انسانی

چلنے کی طرح پابہ زنجیر ہوتی اور دنیا استفادہ سے محروم"۔

میں اس جماعت کو جی بھر کر دیکھ بھی نہ سکا تھا کہ میری نظر ایک دوسرے گروہ پر پڑی جو باب الرحمۃ سے ہوکر اندر کی طرف بڑھ رہا تھا۔ صلاح و تقویٰ اور زہد و عبادت کے آثار ان کے چہروں سے صاف ظاہر تھے مجھے بتایا گیا کہ اس جماعت میں حسن بصری، عمر بن عبدالعزیز، سفیان ثوری، فضیل بن عیاض، داؤد الطائی ابن السماک، شیخ عبدالقادر جیلانی، نظام الدین اولیاء اور عبدالوہاب المتقی جیسے حضرات بھی رونق بخش ہیں، جنھوں نے اپنے قابل رشک پیشروؤں کی یاد تازہ کردی۔ نماز کے بعد یہ لوگ بھی قبر مبارک کے سامنے کھڑے ہوئے اور اپنے نبی و پیشوا اور سب سے بڑے معلّم اور رہنما کو درود و سلام کا تحفہ پیش کرنے لگے، وہ کہہ رہے تھے:-

"یا رسول اللہؐ! اگر ہمارے سامنے وہ عملی مثال نہ ہوتی جو آپ نے پیش فرمائی تھی اور وہ مینارۂ نور نہ ہوتا جس کو آپ نے بعد کے آنے والوں کیلئے قائم فرمایا تھا، اگر آپ کا یہ قول نہ ہوتا کہ: "اے اللہ! زندگی تو آخرت کی زندگی ہے"! اگر آپ کی یہ وصیت نہ ہوتی کہ: "دنیا میں اس طرح زندگی گذارو جس طرح کوئی مسافر یا راہی زندگی گذارتا ہے"! اگر زندگی کا وہ طرز نہ ہوتا جس کا ذکر حضرت عائشہؓ نے اس طرح کیا ہے کہ: "ایک چاند کے بعد دوسرا چاند اور دوسرے کے بعد تیسرا چاند نکل آتا تھا اور آپ کے گھر میں نہ آگ جلتی تھی نہ چولھے پر دیگچی چڑھانے کی نوبت آتی تھی"؛ تو ہم دنیا پر اس طرح آخرت کو ترجیح نہ دے سکتے، اور نہ ان ضروریاتِ زندگی پر قناعت کرتے جو زندگی و صحت کے بقا کیلئے ناگزیر ہیں، نہ ہم نفس کی ترغیبات پر قابو پا سکتے، اور نہ دنیا کے حسن و جمال، اسکی رعنائی و زیبائی، اور عہدہ و منصب کی طاقت اور کشش کا اس طرح مقابلہ کرسکتے"!

ان کے حکیمانہ الفاظ ابھی پوری طرح میرے دل و دماغ میں پیوست بھی نہ ہوئے تھے کہ میری نظر ایک اور گروہ پر پڑی جو "باب النساء" سے بہت حجاب اور ادب کیساتھ گزر رہا تھا ظاہری آرائش اور آزادروی کے اُن مناظر سے جو اسلامی اصول و آداب کے منافی ہیں یہ گروہ بالکل محفوظ اور خالی تھا، یہ مختلف قوموں اور دُور دراز مُلکوں کی صالح، عبادت گذار اور

عفیف خواتین تھیں جو عرب و عجم اور مشرق و مغرب کے مختلف خطوں سے تعلق رکھتی تھیں، بہت دبی زبان میں اور پورا ادب و احترام ملحوظ رکھتے ہوئے وہ اپنے جذباتِ تشکر و عقیدت کا اظہار اس طرح کر رہی تھیں :۔

"ہم آپ پر درود و سلام بھیجتے ہیں اے رسول اللہؐ! ایسے طبقے کا درود و سلام جس پر آپ کا سب سے بڑا احسان ہے، آپ نے ہم کو خدا کی مدد سے جاہلیت کی بیڑیوں اور بندشوں، جاہلی عادات و روایات، سوسائٹی کے ظلم اور مردوں کی زور دستی اور زیادتی سے نجات بخشی، لڑکیوں کو زندہ درگور کرنے کے رواج کو ختم کیا، ماؤں کی نافرمانی پر وعید سنائی، آپ نے فرمایا کہ جنّت ماؤں کے قدموں کے نیچے ہے۔ آپ نے وراثت میں ہم کو شریک کیا اور اس میں ماں، بہن، بیٹی اور بیوی کی حیثیت سے ہم کو حصہ دلایا، یوم عرفہ کے مشہور تاریخی خطبہ میں بھی آپ نے ہمیں فراموش نہیں کیا، اور کہا کہ :۔ عورتوں کے بارے میں خدا سے ڈرو اسلئے کہ تم نے ان کو اللہ کے نام کے واسطہ سے حاصل کیا ہے۔ اس کے علاوہ مختلف مواقع پر آپ نے مردوں کو عورتوں کے ساتھ حُسنِ سلوک، ادائے حقوق اور بہتر معاشرت کی ترغیب دی۔ اللہ تعالیٰ آپ کو ہمارے طبقہ کی طرف سے وہ بہتر سے بہتر جزا دے جو انبیاء و مرسلین اور اللہ کے نیک اور صالح بندوں کو دی جا سکتی ہے۔"

یہ نرم آوازیں میرے کانوں میں گونج رہی تھیں کہ ایک اور جماعت نظر آئی جو "باب السلام" کی طرف سے آ رہی تھی، میں ان کی طرف متوجہ ہوا تو دیکھا کہ وہ علوم و فنون کے موجد اور مرتب، اور ائمہ نحو و لغت و بلاغت کی جماعت تھی، ان میں ابو الاسود الدؤلی، خلیل بن احمد، سیبویہ، کسائی، ابو علی الفارسی، عبد القاہر الجرجانی، السکاکی، مجد الدین فیروز آبادی، السید مرتضیٰ الزبیدی بھی تھے جو اپنے علوم کا سلام پیش کر رہے تھے، اور اپنی شہرت اور مرتبۂ علمی کا خراج ادا کرنے آئے تھے۔ میں نے دیکھا وہ بہت بلیغ اور ادبی الفاظ میں اس طرح گویا ہیں :۔

"یا رسول اللہؐ! اگر آپ نہ ہوتے اور یہ مقدس کتاب نہ ہوتی جو آپ پر نازل ہوئی اگر آپ کی احادیث نہ ہوتیں اور یہ شریعت نہ ہوتی جس کے سامنے ساری دنیا نے

سرِتسلیم خم کردیا تھا، اور وہ اس کی وجہ سے عربی زبان سیکھنے اور اس میں مہارت حاصل کرنے پر مجبور تھی، تو پھر یہ علوم بھی نہ ہوتے جن میں آج ہم کو رہنمائی اور برتری کا شرف حاصل ہے، نحو، بیان اور بلاغت ان میں سے کسی چیز کا بھی وجود نہ ہوتا، نہ یہ بڑی بڑی معاجم اور لغات نظر آتیں، نہ عربی زبان کے مفردات میں یہ نکتہ آفرینیاں اور دقیقہ سنجیاں ہوتیں، نہ ہم اس راستہ میں اتنی زبردست اور طویل جدوجہد کیلئے تیار ہوتے۔ عجم کو (جس کے ہاں زبانوں اور لہجوں کی کوئی کمی نہ تھی) عربی سیکھنے اور اس پر عبور حاصل کرنے کی کوئی خواہش نہ ہوتی اور نہ ان میں وہ مصنفین اور اہلِ قلم پیدا ہوتے جن کے ادبی مرتبہ اور مہارتِ فن کے اعتراف پر ادبا عرب بھی مجبور ہیں۔ اے رسول اللہؐ! آپ ہی ہمارے درمیان اور اسلام میں پیدا ہونے والے ان علوم کے درمیان رابطہ اور واسطہ تھے جو آپ کے عہد رسالت اور عہد امامت میں پیدا ہوئے، درحقیقت صرف آپ ہی عرب و عجم میں رابطہ کا ذریعہ ہیں۔ آپ ہی کی ذات ہے جس نے اس درمیانی خلا کو پر کیا ہے اور عرب و عجم قریب و بعید کو گلے ملا دیا ہے۔ آپ کا کتنا احسان ہے ہماری اس ذہانت، طباعی اور تبحر علمی پر! اور آپ کا کتنا کرم ہے علم کی اس ثروت پر، انسانی عقل کی زرخیزی پر، اور قلم کی گلکاری پر! ۔ اے رسول اللہؐ! اگر آپ نہ ہوتے تو یہ زبان بھی بہت سی اور زبانوں کی طرح صفحۂ ہستی سے ناپید ہو جاتی۔ اگر قرآن مجید کا معجزہ نہ ہوتا تو اس پر تحریف کا ایسا عمل جراحی ہوتا کہ اس کی صورت ہی مسخ ہو جاتی، جیسا بکثرت دوسری زبانوں کے ساتھ ہوا ہے۔ عجمی لہجے اور مقامی زبانیں اس کو جذب کر لیتیں یا نگل لیتیں اور اس کی فصاحت یکسر ختم ہو جاتی، یہ آپ کے وجودِ مبارک، شریعت اسلامی، اور اس کتاب مقدس کا فیض ہے جس نے اس زبان کو فنا کے دست برد سے محفوظ رکھا ہے، اور عالم اسلام کے لئے اس کی عزت و محبت واجب کر دی ہے، اور ہر مسلمان کے دل کو اس کی محبت و عقیدت سے لبریز کر دیا ہے۔ آپ ہی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے

اس زبان کو دوام بخشا اور اس کی بقاء و ترقی کی ضمانت کی، اسلئے ہر اُس شخص پر جو اس زبان میں بات کرتا ہے یا لکھتا ہے یا اس کی وجہ سے کوئی بلند مرتبہ حاصل کرتا ہے یا اسکی دعوت دیتا ہے آپ کا احسان ہے اور وہ اس احسان کو ماننے پر مجبور ہے"۔

میں ان کے اس اعتراف اور اظہارِ حقیقت کو غور سے سُن رہا تھا کہ اچانک میری نگاہ "باب عبدالعزیز" پر جاکر ٹھہر گئی، اس دروازے سے ایک ایسا گروہ داخل ہو رہا تھا جس پر مختلف قوموں اور مختلف ملکوں کے رنگ نمایاں تھے، اس میں دُنیا کے بڑے بڑے سلاطین اور تاریخ کے ممتاز ترین بادشاہ اور فرمانروا شامل تھے۔ ہارون رشید، ولید بن عبدالملک، ملک شاہ سلجوقی، صلاح الدین ایوبی، محمود غزنوی، ظاہر بیبرس، سلیمان القانونی، اورنگ زیب عالمگیر بھی اس گروہ میں شامل تھے۔ انھوں نے اپنے خادموں اور سپاہیوں کو دروازے کے باہر ہی چھوڑ دیا تھا، اور نظریں جھکائے، تواضع و انکساری کا مجسمہ بنے ہوئے بہت آہستہ آہستہ گفتگو کرتے ہوئے چل رہے تھے۔ میری نظر کے سامنے ان سب کی شخصیتیں اور کارنامے اُبھرنے لگے میری آنکھوں میں اس طویل و عریض دنیا کا نقشہ پھر گیا جس پر ان کا سکہ چلتا تھا، اس غلبہ و اقتدار کی تصویر یکایک میرے سامنے آگئی جو ان کو دنیا کی بڑی بڑی قوموں، طاقتور سلطنتوں اور جابر بادشاہوں پر حاصل تھا۔ ان میں وہ شخص[1] بھی تھا جس نے بادل کے ایک ٹکڑے کو دیکھ کر یہ تاریخی جملہ کہا تھا: "تو جہاں چاہے جاکے برس تیرا خراج آخر کار میرے ہی خزانہ میں آئے گا"۔ وہ شخص[2] بھی تھا جس کی سلطنت کی وسعت کا عالم یہ تھا کہ اگر سب سے تیز رفتار اونٹ ملک کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک جانا چاہتا تو یہ ۱۵ ماہ سے کم میں ناممکن تھا۔ ان میں وہ فرمانروا بھی تھے جو نصف کرۂ ارضی پر حکومت کرتے تھے اور بڑے بڑے بادشاہ ان کو خراج پیش کرنے پر مجبور تھے[3]۔ ایسے فرمانروا بھی تھے جن کی ہیبت سے سارا یورپ لرزہ براندام تھا، اور جن کے زمانے میں مسلمانوں کو عزت کا یہ مقام حاصل تھا کہ جب وہ یورپ کے ملکوں میں جاتے تھے تو ان کے دین کے احترام اور ان کے غلبہ و سطوت کے اثر سے گرجوں کے گھنٹے بجنا بند ہو جاتے تھے[4]۔ غرض اسی طرح کے نہ جانے کتنے

---

[1] ہارون رشید کی طرف اشارہ ہے۔ [2] ولید بن عبدالملک مراد ہیں۔

[3] سلیمان قانونی کی طرف اشارہ ہے۔ [4] سلیمان بن سلیم العثمانی کی طرف اشارہ ہے۔

بادشاہ اور فرماں روا اس مجمع میں موجود تھے، وہ مسجد نبوی میں نماز ادا کرنے کیلئے آگے کی طرف بڑھ رہے تھے اور حضور کو درود وسلام کا ہدیہ پیش کرنا چاہتے تھے، اور اس کو اپنے لئے سب سے بڑا شرف، اعزاز اور سب سے بڑی سعادت سمجھتے تھے اور تمنا کرتے تھے کہ کاش اُن کی یہ نماز اور یہ درود وسلام قبول ہو۔ میں نے دیکھا کہ وہ لرزتے ہوئے قدموں کے ساتھ آہستہ آہستہ آگے کی طرف بڑھ رہے ہیں، اُن کے دلوں پر ہیبت طاری تھی یہاں تک کہ وہ "صفہ" کے نزدیک پہنچ گئے جو فقرا صحابہ کا مسکن اور جائے قیام تھا۔ وہ تھوڑی دیر کے لئے وہاں رُک گئے اور عزت واحترام اور شرم وحیا کے ملے جلے جذبات کے ساتھ اس کو دیکھنے لگے۔ اُس کے قریب ہی اُنھوں نے تحیۃ المسجد کے طور پر دو رکعتیں پڑھیں اور قبر مبارک کی طرف بڑھے اور پھر اُن کی محبت وعقیدت، جذبات واحساسات اور علم ایمان کی زبان نے جو کچھ کہلوایا وہ اُنھوں نے اس بارگاہ نبوی میں عرض کیا لیکن شریعت کے آداب کا خیال رکھتے ہوئے اور توحیدِ خالص کو پیش نظر رکھ کر

میں نے سُنا وہ کہہ رہے تھے :-

"اے رسول اللہ اگر آپ نہ ہوتے اور آپ کا یہ جہاد اور یہ دعوت نہ ہوتی جو دنیا کے گوشہ گوشہ میں پھیل گئی اور جس نے بڑے بڑے ملکوں کو فتح کرلیا، اور اگر آپ کا یہ دین نہ ہوتا جس پر ایمان لانے کے بعد ہمارے آبا و اجداد گوشۂ عزلت اور قعر مذلت سے نکل کر عزت وسربلندی، حوصلہ مندی اور بلند ہمتی کی وسیع زندگی میں داخل ہوئے پھر اس کے نتیجہ میں اُنھوں نے بڑی بڑی سلطنتیں قائم کیں، دور دراز ملکوں کو فتح کیا اور اُن قوموں سے خراج وصول کیا جو کسی زمانہ میں اُن کو اپنی لاٹھی سے ہانکتی تھیں اور بھیڑ بکری کے گلہ کی طرح اُن کی پاسبانی اور حفاظت کرتی تھیں۔ اگر جاہلیت سے اسلام کی طرف اور گوشۂ گمنامی اور تنگ ومحدود قبائلی زندگی سے تسخیر عالم کی طرف یہ مبارک سفر نہ ہوتا اور آپ کی برکت سے انجام پذیر ہوا تو دنیا میں کسی جگہ بھی ہمارا جھنڈا سربلند نہ ہوتا۔ اور نہ ہماری کہانی کسی جگہ سُنائی جاتی۔ ہم اسی طرح بے آب وگیاہ، خشک وویران صحراؤں اور حقیر وادیوں میں باہم دست وگریبان رہتے۔ جو طاقتور ہوتا وہ کمزور پر ظلم کرتا، بڑا چھوٹے پر زیادتی کرتا،

ہماری غذا بہت ہی حقیر اور معیار اتنا پست تھا کہ اس سے زیادہ پست کا تصور مشکل ہے، ہم اس گاؤں یا اپنے محدود قبیلہ سے آگے بڑھ کر کچھ سوچنے کی صلاحیت ہی نہیں رکھتے تھے جس میں ہماری ساری زندگی اور ساری جد وجہد محصور تھی۔ ہماری مثال تالاب کی مچھلیوں اور کنوئیں کے مینڈکوں کی سی تھی۔ ہم اپنے محدود تجربوں کے جال میں گرفتار تھے اور اپنے جاہل اور بے عقل آباؤ اجداد کے گن گاتے تھے۔

آپ نے اے رسول اللہ ؐ ہم کو اپنے دین کی ایسی روشنی عطا کی کہ ہماری آنکھیں کھل گئیں۔ خیال میں وسعت پیدا ہوئی، نظر کو جلا ہوئی۔ اس کے بعد ہم اس وسیع اور جامع دین اور اس روحانی رشتہ اور رابطہ کو لے کر خدا کی وسیع اور کشادہ زمین میں پھیل گئے۔ ہم نے اپنی تمام خوابیدہ اور جامد صلاحیتوں سے کام لیتے ہوئے شرک و بت پرستی اور ظلم و جہالت کا پوری طاقت سے مقابلہ کیا اور ایسی عظیم الشان حکومتیں قائم کیں جن کے سایہ میں ہم اور ہماری اولاد اور ہمارے بھائی صدیوں تک آرام اور فائدہ اٹھاتے رہے۔ آج ہم آپ کی خدمت میں نذرِ عقیدت پیش کرنے آئے ہیں، اور اپنے جذبۂ محبت اور عزت و احترام کا خراج یا ٹیکس اپنی خوشی و رضی سے ادا کر رہے ہیں اور اُس کو اپنے لئے باعثِ فخر اور وسیلۂ شرف سمجھتے ہیں۔

ہمیں پورا اعتراف ہے کہ اس دین کے احکام و قوانین کے نفاذ کے سلسلہ میں (جس سے اللہ تعالیٰ نے ہم کو سرفراز کیا تھا) ہم سے یقیناً بڑی کوتاہی ہوئی۔ ہم اللہ سے استغفار کرتے ہیں بے شک وہ بہت معاف کرنے والا اور رحیم ہے

میں ان بادشاہوں کی طرف متوجہ تھا۔ میری نظریں اُن کے خاموش اور با ادب چہروں پر مرکوز تھیں۔ میرے کان اُن کے ان پُر خلوص، نیاز مندانہ الفاظ پر لگے ہوئے تھے جو اس سے قبل میں نے اُن سے کسی موقع پر نہیں سُنے تھے کہ ایک اور جماعت داخل ہوئی اور ان بادشاہوں اور فرماں رواؤں کی پروا کئے بغیر اُن کی صفوں سے ہوتی ہوئی سامنے آگئی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ان بادشاہوں کے رعب و دبدبہ اور قوت و اقتدار کا اُن پر کوئی اثر نہیں ہے۔ میں نے اپنے دل میں کہا کہ یا تو یہ شاعر ہیں یا انقلابی، یہ اندازہ غلط نہ تھا اس لئے کہ یہ جماعت ان دونوں گروہوں پر مشتمل تھی۔ اس میں سید جمال الدین افغانی، امیر سعید حلیم، مولانا محمد علی، امام حسن البنا کے پہلو

بہ پہلو ترکی کے مشہور شاعر محمد عاکف اور ڈاکٹر محمد اقبال بھی موجود تھے۔ ترجمانی کے لئے ان لوگوں نے آخر الذکر کا انتخاب کیا اور ـ لائق ترجمان نے ان الفاظ میں اپنے جذبات عقیدت کا اظہار کیا۔

"یا رسول اللہ میں آپ سے اُس قوم کی شکایت کرنے آیا ہوں جو آج بھی آپ کے خوانِ نعمت سے لطف اندوز ہو رہی ہے اور آپ کے سایۂ رحمت میں زندگی گزار رہی ہے، اور آپ ہی کے لگائے ہوئے باغ کے پھل کھا رہی ہے، وہ اُن ملکوں میں جن کو آپ نے قفسِ استبداد سے آزاد کرایا تھا اور سورج کی روشنی اور کھلی ہوا عطا کی تھی وہ آج آزادی کے ساتھ اور اپنی مرضی کے مطابق حکومت کر رہی ہے۔ لیکن یہی قوم اے رسول اللہ آج اُسی بنیاد کو اکھاڑ رہی ہے جس پر اس عظیم اُمت کے وجود کا دارومدار ہے اس کے رہنما اور لیڈر آج یہ کوشش کر رہے ہیں کہ اس اُمتِ واحدہ کو کثیر التعداد قومیتوں میں تقسیم کر دیں، وہ اُسی چیز کو زندہ کرنا چاہتے ہیں جس کو آپ نے ختم کیا تھا، اُسی چیز کو بگاڑ رہے ہیں جس کو آپ نے بنایا تھا۔ وہ اس اُمت کو عہدِ جاہلیت کی طرف دوبارہ واپس لے جانا چاہتے ہیں جس سے آپ نے اُس کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے نکالا تھا اور اس معاملہ میں یورپ کی تقلید کر رہے ہیں جو خود زبردست ذہنی افلاس اور انتشار و بے یقینی کا شکار ہے، وہ اللہ کی نعمت کو ناشکری سے تبدیل کر کے اپنی قوم کو تباہی کے گھر کی طرف لے جانا چاہتے ہیں۔" چراغِ مصطفوی" اور "شرارِ بولہبی" کی معرکہ آرائی آج پھر قائم ہے۔ بدقسمتی سے ابولہب کے کیمپ کی طرف وہ لوگ نظر آ رہے ہیں جو اسلام کی طرف اپنا انتساب کرتے ہیں اور عربی زبان بولتے ہیں۔ وہ آج اپنے جاہلی کارناموں اور اصنام پر فخر کرنے لگے ہیں جن کو آپ نے پاش پاش کر دیا تھا۔ یہ لوگ اُن تاجروں میں ہیں جو سودا خریدتے وقت کو زیادہ لینا چاہتے ہیں اور بیچتے وقت کم دیتے ہیں، آپ سے اُنھوں نے ہر چیز حاصل کی اور ہر طرح کی قوت و عزت سے بہرہ مند ہوئے۔ اب وہ اُن قوموں کے ساتھ جن کے وہ حاکم اور نگراں ہیں یہ سلوک کر رہے ہیں کہ اُن کو بالجبر یورپ کے قدموں میں ڈال دینا چاہتے ہیں اور اُس کو جاہلی فلسفوں، نیشنلزم، سوشلزم، کیپزرزم کے حوالہ کر رہے ہیں۔

آپ نے جن جن بتوں سے کعبہ کو پاک کیا تھا وہ آج مسلمان قوموں کے سروں پر نئے نئے ناموں اور نئے نئے لباسوں میں پھر مسلط کئے جا رہے ہیں۔ مجھے عالمِ عربی کے بعض حصوں میں جن کو آپ کا مرکز اور قلعہ ہونا چاہئے تھا، ایک عام بغاوت نظر آ رہی ہے لیکن کوئی فاروق رضی اللہ عنہ نہیں۔ فکری و ذہنی ارتداد کی آگ تیزی کے

ساتھ پھیل رہی ہے اور کوئی ابوبکر (رضی اللہ عنہ) نہیں جو اس کے لئے سر وانہ وار سیدانمیں آئے اور اس آگ کو بجھائے۔
میری طرف سے اور میرے تمام ساتھیوں کی طرف سے جن کی نمایندگی اور رہنمائی کا فخر مجھے حاصل ہوا ہے
آپ کو دل کی گہرائیوں سے نکلنے والے اور عقیدت و احترام کے جذبات میں ڈوبے ہوئے سلام کا تحفہ قبول
ہو۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں اور اللہ کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ ہم ان تمام لیڈروں اور رہنماؤں سے
بری اور بیزار ہیں جنھوں نے اپنا رُخ اسلام کے قبلہ کی طرف سے پھیر کر مغرب کی طرف کر لیا ہے۔ یہ وہ
لوگ ہیں جنھیں آپ سے اور آپ کے دین سے کوئی تعلق باقی نہیں رہ گیا ہے۔ ہم آپ کی وفاداری
اور اطاعت شعاری کا پھر اعلان کرتے ہیں اور جب تک زندگی ہے اسلام کی اس رسی کو انشاء اللہ
مضبوطی سے پکڑے رہیں گے۔"

یہ بلیغ اور ایمان و یقین سے لبریز الفاظ ختم بھی نہ ہوئے تھے کہ مسجد نبوی کے میناروں سے اذان
کی دلنواز صدا بلند ہوئی اللہ اکبر، اللہ اکبر، اللہ اکبر، اللہ اکبر۔ میں یکبارگی ہشیار ہو گیا اور تخیلات کا یہ
حسین سلسلہ جو تاریخ کے سہارے قائم ہوا تھا ٹوٹ گیا۔ میں اب پھر اسی دنیا میں واپس آگیا تھا جہاں سے
چلا تھا۔ کچھ لوگ نماز میں مشغول تھے اور کچھ تلاوت کر رہے تھے۔ عالم اسلام کے مختلف وجود اور جماعتیں
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں ہدیہ سلام پیش کر رہی تھیں۔ زبانوں اور لہجوں کے اختلافات
کے ساتھ جذبات و تأثرات کے اتحاد نے ایک عجیب سماں پیدا کر دیا تھا۔

اسلام کے متعلق اہلِ مغرب کا غلط رویّہ

ایک مغربی فاضل کی نظر میں

(از جیمس اے مشنر :- ترجمہ مولوی اقبال احمد صاحب اعظمی)

(گذشتہ سے پیوستہ)

"یہ اس مضمون کی دوسری قسط ہے، پہلی قسط کے ساتھ ناظرین کرام مترجم کا یہ نوٹ پڑھ چکے ہیں کہ صاحبِ مضمون سے جو علمی یا تاریخی تسامحات اس مضمون میں ہوئے ہیں مترجم نے ان کی تصحیح عمداً نہیں کی ہے"۔ ——————

حدیث :-

قرآن کے علاوہ اسلام کی بہت سی چیزیں احادیث پر بھی مبنی ہیں ——— محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے اقوال و افعال آپ کی تمام غیر رسمی اور بے تکلفانہ باتیں اور وہ عام حرکات و سکنات جو ایک عظیم شخصیت کی وفات کے بعد یاد رکھے جا سکتے ہیں، ان سب کو آپ کے رفقاء نے محفوظ کر لیا تھا ——— اور آپ کی وفات کے تقریباً دو سَو سال کے بعد جب آپ کی طرف چھ لاکھ سے زیادہ روایات منسوب ہونے لگی تھیں تو اس وقت کے بہت سے ماہر علماء نے اپنے آپ کو اس کام کے لئے وقف کر دیا کہ وہ ان تمام روایات کی صحت اور ان کی تاریخی حیثیت کی جانچ کریں۔ چنانچہ تحقیق کے بعد تقریباً پانچ لاکھ ستانوے ہزار روایات رد کر دی گئیں ——— بقیہ حدیث کہلاتی ہیں اور تمام اچھے مسلمان ان پر یقین کرتے ہیں۔

اسلامی فکر کے بہت سے اہم اجزا حدیث سے ماخوذ ہیں۔ مثال کے طور پر ایک حدیث میں ہے کہ :-

"ایک رات آپ اپنی ایک بیوی کو مسجد سے گھر کی طرف لئے جا رہے تھے، راستے میں دو آدمی نظر پڑے، آپ نے اُن کو آواز دے کر فرمایا کہ : "یہ میری بیوی ہیں" انھوں نے عرض کیا :- کیا حضرت ہمارے دلوں میں آپ کے بارے میں بھی کوئی شبہ پیدا ہو سکتا ہے ؟ - آپ نے فرمایا کہ :- مجھے خطرہ ہوا کہ شیطان تمھارے دلوں میں کوئی وسوسہ ڈال کر تمھارے ایمان کو غارت نہ کر دے "

ایک دوسری حدیث میں ہے :-

"ایک مرتبہ ایک یہودی حضرت محمدؐ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور شکایت کی کہ آپ کے ایک رفیق یہودیوں کو یہ کہہ کر اذیت دیتے ہیں کہ "محمدؐ حضرت موسیٰؑ سے بہت بڑھے ہوئے ہیں" تو آپ نے اُن صحابی کو بُلا کر فرمایا کہ :- ایسا نہ کرو، دوسرے انسانوں کے جذبات کی رعایت بہت ضروری ہے "

مسلم کلچر و تہذیب کی بہت سی اہم باتیں اور اجتماعی عبادتوں کے اہم ارکان مُسلمانوں کا کھانے اور اسی طرح دوسرے ہر اچھے کام کو اللہ کے نام سے شروع کرنا، ایک دوسرے سے ملنا تو اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ کہنا، اور مسلمانوں کی مشہور عبادت نماز کی تفصیلی شکل ان سب چیزوں کا ماخذ حدیث ہی ہے ——— اور بعض احادیث نے تو مغربی ذہن پر بھی بہت گہرا اثر ڈالا ہے۔ مثلاً ایک حدیث میں ہے :-

"ایک موقع پر آپ نے دیکھا کہ لوگ خچر کو اس کے مُنھ پر داغ رہے تھے۔ آپ نے پوچھا کہ :- یہ کیا کر رہے ہو ؟ - لوگوں نے جواب دیا کہ رومیوں نے جانوروں کی پہچان اور گم ہونے سے حفاظت کے لئے یہ طریقہ ہمیں سکھایا ہے۔ آپ تھوڑی دیر خاموش رہے پھر فرمایا کہ :- جانور کا چہرہ اُس کے

جسم کا بہت نازک حصہ ہے، اگر تمہیں ایسا کرنا ہی ہے تو ایسی جگہ کو داغو جو گداز اور پُر گوشت ہو"

محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ایک جنرل کی حیثیت سے اپنے فوجیوں کو بہت سی ہدایات بھی دی ہیں انھیں میں سے آپ کی یہ حدیث بھی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ :۔

"دشمن کی لاشوں کی بے حرمتی نہ کرو۔ بچّوں، عورتوں، بوڑھوں اور مذہبی پیشواؤں کو قتل نہ کرو، اور ان کی مقدس چیزوں اور کھڑی فصلوں کو برباد نہ کرو"

محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) معجزات اور خوارق عادات کا اظہار کچھ زیادہ پسند نہیں کرتے تھے اور معجزہ طلب کرنے والوں کو اکثر تنبیہ فرماتے تھے، پھر بھی بہت سے معجزات آپ سے صحیح طور پر منقول ہیں، اور آپ کی طرف ان کا انتساب بجا طور پر صحیح ہے، لیکن ـــــ محمد اور پہاڑ کی کہانی جو یورپ میں مشہور ہے، اُس کا پیغمبر اسلامؐ سے کوئی تعلق نہیں ہے، وہ محمد ہی نام کے دوسرے ایک ملحد اور بدعقیدہ شخص کی کہانی ہے جو آپ کے کئی صدی کے بعد ترکی میں پیدا ہوا تھا، اس نے ایک دن یہ اعلان کیا کہ "وہ کل تک پہاڑ کو اپنے پاس بُلا لے گا، لیکن جب دوسرے روز تک پہاڑ اپنی جگہ سے نہ ٹلا تو اس نے کہا کہ اچھا اب میں خود ہی پہاڑ کے پاس جاؤں گا"

حدیث کے پورے ذخیرے میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ایک دینی پیشوا کی حیثیت سے نظر آتے ہیں اور آپ کو دیکھ کر ہر مذہب کا سمجھدار آدمی محسوس کرے گا کہ آپ کو خلق خدا سے کتنا گہرا تعلق تھا۔ آپ نے غلاموں کو آزاد کرایا، بچیوں کے قتل سے روکا، جو لوگ چھوت چھات یا غربت کی وجہ سے سوسائٹی سے نیچے گرا دیئے گئے تھے انھیں عزّت دلائی اور ان کے بارے میں فرمایا کہ :۔ "یہ زمین کے وارث ہیں" آپ نے امن وانصاف کی تعلیم دی اور فرمایا کہ "امن لڑائی سے بہتر ہے اور انصاف ہی غالب آتا ہے"

آپ ایک ایسے دن کی فکر میں تھے جب خدا کو ماننے والی تمام قومیں امن کے ایک شیرازہ میں بندھ جائیں ـــــ ایک مرتبہ عیسائیوں کا ایک وفد آپ سے ملنے کے لئے آیا جب نماز کا وقت ہوا تو آپ نے فرمایا کہ "مسجد خدا کی ہے کسی خاص گروہ کی ملکیت نہیں، اس میں ہر ایک خدا کی عبادت کر سکتا ہے"

اسلام اور اس کے پانچ ارکان :۔

مسلمان کے لئے پانچ چیزیں لازم ہیں :۔

(۱) اس بات پر ایمان لانا کہ معبود صرف ایک اللہ ہے، اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں (یہ اسلام کا بنیادی کلمہ ہے)۔

اِس کلمہ کا یہ مطلب نہیں کہ صرف محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہی تنہا ایک پیغمبر ہیں، بلکہ اسلام میں بنی اسرائیل کے تمام انبیاءؑ اور عیسائیوں کے پیغمبر حضرت عیسیٰ مسیح علیہ السلام کو بھی عظمت کا ایک خاص مقام دیا گیا ہے۔ مسلمانوں کا دعویٰ حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بارہ میں صرف یہ ہے کہ وہ تمام انبیاء کے خاتم ہیں، آپ خدا کا آخری پیغام لیکر دنیا میں تشریف لائے، اور آپ کی تعلیمات سب پر غالب، اور دوسری شریعتوں کو منسوخ کرتی ہیں۔

(۲) دن رات میں پانچ وقت جماعت سے نماز پڑھنا۔

اسلامی ممالک کے تمام جانے والے اس بات کی تصدیق کریں گے کہ عالمی مذہب کا ایک عظیم الشان منظر مسلمانوں کی مسجدوں میں نظر آتا ہے جہاں سیکڑوں مسلمان کعبہ کیطرف رُخ کئے ایک ہی صف میں شانہ بشانہ کھڑے ہوتے، ایک ساتھ جھکتے اور سجدہ کرتے ہیں۔

(۳) ہر سال زکوٰۃ کے نام سے دولت کا ڈھائی فیصدی حصّہ اللہ کی راہ میں خرچ کرنا۔

اسلام کا یہ حکم مسلمانوں کے لئے بہت اہم ہے اور اس سے موجودہ معاشرتی بہبودی کے ٹیکسوں کی تائید ہوتی ہے :۔

(۴) ہر سال قمری مہینہ کے اعتبار سے پورے ایک مہینہ کے روزے رکھنا۔

(۵) مسلمان اگر جسمانی اور مالی حیثیت سے مستطیع ہے تو پوری زندگی میں کم از کم ایک بار اس کے لئے بیت اللہ کی زیارت کرنا (یعنی حج) ضروری ہے۔

تاریخ میں کوئی مذہب اسلام کی طرح تیز رفتاری سے نہیں پھیلا۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم،

کی وفات (۶۳۲ء) تک اسلام نے عرب کے ایک بڑے حصّے کو اپنا لیا تھا، اور پھر جلد ہی اس نے شام، فارس، مصر، موجودہ روس کے جنوبی سرحدی علاقوں اور شمالی افریقہ سے گذر کر اندلس تک کو فتح کر لیا اور دوسری صدی میں بھی اس کو شاندار ترقی ہوئی۔

مغرب عام طور سے یہ سمجھتا ہے کہ اس مذہب کی یہ محیر العقول ترقی تلوار کا صدقہ اور طفیل ہے لیکن موجودہ زمانہ کا کوئی انصاف پسند عالم و مفکر اس بات کو ماننے کیلئے تیار نہ ہوگا۔ قرآن نہایت مکمل کر ضمیر کی آزادی کی حمایت کرتا ہے اور اس کا قطعی ثبوت موجود ہے کہ اسلام نے دوسرے مذاہب کے ماننے والوں کے راستے میں کوئی رکاوٹ نہیں ڈالی، اور جب تک وہ قانون کی حدمیں رہے اور واجبی ٹیکس ادا کرتے رہے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے برابر مسلمانوں کو ان کے ساتھ خوش معاملگی کی تاکید فرمائی ——— یہ صحیح ہے کہ مسلمانوں کی یہودیوں اور عیسائیوں سے لڑائیاں بھی ہوئی ہیں لیکن اس کا اہم سبب یہ تھا کہ ان پچھلی امتوں (عیسائیوں اور یہودیوں) نے مسلمانوں کو لڑائی پر مجبور کیا تھا۔ قرآن میں ان جنگوں کے متعلق ایسی آیات موجود ہیں جن سے ان قوموں کے نیم وحشیانہ تشدد کا پتہ چلتا ہے ——— اور اس کی شہادت موجود ہے کہ اہل کتاب کے ساتھ عموماً اچھا برتاؤ کیا گیا، ان کو امن سے رہنے کی اجازت دی گئی اور مذہب کے معاملہ میں ان کو آزادی تھی کہ جس طرح چاہیں عبادت کریں۔

چند اہم اور قابلِ غور حقیقتیں :—

بہت سے اہلِ مغرب جو اپنی تاریخی کتابوں کی وجہ سے اس مغالطہ میں مبتلا ہو گئے ہیں کہ مسلمان تہذیب اور علم و معرفت سے عاری تھے، انھیں یہ تصوّر کرنے میں دقت ہو گی کہ ہماری ذہنی زندگی پر بھی (خصوصاً سائنس، طب، ریاضی، جغرافیہ اور فلسفہ کے میدان میں) مسلمان علماء و مفکّرین کا کتنا گہرا اثر پڑا ہے ——— یونیورسٹی کے بارے میں ہمارا تصوّر کہ اسے کیا ہونا چاہئے اس میں بھی مسلمان علماء کا بڑا حصّہ ہے، انھوں نے تاریخ کے فن کو تکمیل تک پہونچایا اور بہت سے یونانی علوم یورپ تک انھیں کے ذریعہ پہونچے۔ چنانچہ مسیحی مجاہدین جو مسلمانوں سے جنگ کے لئے بیت المقدس گئے تھے وہ مسلمانوں کے

پاس سے محبت، شاعری، بہادری، جنگ اور حکومت کے نئے تصورات لے کر یورپ واپس آئے۔

اسلام (دوسرے مذاہب کی بہ نسبت بہت زیادہ) ہر نسل و قوم اور ہر رنگ کے لوگوں کی برادری قائم کرتا ہے۔ چنانچہ غالباً محمد صلی اللہ علیہ وسلم خود عیسیٰ علیہ السلام کی طرح گورے تھے، لیکن آپ کے متبعین میں افریقہ کے کالے، چین کے زرد، ملایا کے بھورے، ور ٹرکی کے سفید ہر نسل اور ہر رنگ کے لوگ موجود ہیں۔

اسلام میں پروہتائی اور پاپائیت کی کوئی گنجائش نہیں ہے، اور مذہب موسوی کی طرح سلام بھی تصویر کشی کو ناپسند کرتا ہے، اس لئے مسجد یں صرف نقش و نگار اور بیل بوٹوں سے آراستہ کی جا سکتی ہیں، ان میں کوئی تصویر نہیں لگائی جا سکتی۔ اسلام تصویر کے رے میں اس درجہ سخت ہے کہ مثلاً اسی مضمون کو باتصویر بنانے کے لئے اگر اس میں مدؐ صلی اللہ علیہ وسلم کی شبیہ شامل کر دی جائے تو مسلمان حکومتوں میں اس رسالہ کی م کاپیاں فوراً ضبط کر لی جائیں گی۔

یہ صحیح ہے کہ اسلامی تاریخ میں بعض ایسے دَور آئے ہیں کہ بعض مسلمان قومیں ؐ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات سے دُور ہو گئی تھیں۔ چنانچہ اگر کوئی صرف فارس اور ں کے برے خلفاء کے دَور کو دیکھے گا تو بیشک وہ بآسانی یہ الزام لگا سکے گا کہ اسلام ہب کی حیثیت سے بہت زوال پذیر ہو گیا تھا۔ لیکن یہ اسلام ہی کی خصوصیت ں عیسائیت کی تاریخ میں بھی اس طرح کے بہت سے تاریک دھبے موجود ہیں لیکن لوئی اسلام کے انجام دیئے ہوئے بے اندازہ کارناموں کو دیکھے گا تو وہ اس کی ی عظمت کا قائل ہونے پر مجبور ہو گا۔

میں عرصہ سے اسلام کا مطالعہ کر رہا ہوں، مجھے اب تک اس میں کوئی ایسی نظر نہیں آئی ہے جس کی وجہ سے دوسرے مذاہب کے لوگ اسکے ساتھ تعاون سکتے ہوں ـــــ اگرچہ کچھ ایسی مثالیں ضرور ہیں کہ بعض اوقات تشدد پسند او سلمانوں نے بیجا طور پر غیر مسلموں کے مقابلہ میں جنگ چھیڑنی چاہی اور اشتعال

کی آگ بھڑکانے کے لئے خود اپنے ہی ہاتھوں اپنے لیڈروں کو قتل کیا، لیکن اہل فہم مسلمانوں نے اس کو کبھی اچھا نہیں سمجھا، اور دراصل ان کی مثال اُن سرپھرے عیسائیوں کی سی ہے جنھوں نے قرونِ وسطیٰ میں تمام مسلمانوں کو ختم کرنے کی قسم کھائی تھی ـــــ زمانہ بے قید تشدد اور آتش مزاجی کو ختم کر دیتا ہے۔

میں اس کی بھی کوئی وجہ سمجھ نہیں سکا کہ مشرق وسطیٰ میں عرب اور اسرائیل کے درمیان عدم تعاون اور دشمنی کیوں جاری ہے جب کہ تاریخ کے ایک لمبے عرصہ میں مسلمانوں اور یہودیوں نے مشترک دلچسپی کے بہت سے اہم معاملات میں باہم تعاون کیا ہے اور بعض ناپسندیدہ وغیر معیاری خلفاء کے دور میں بھی اسلامی حکومت میں مسلمانوں کے ساتھ یہودی بڑے بڑے عہدوں پر فائز رہے ہیں اور ان کے مذہبی معاملات میں کوئی روک ٹوک نہیں کی گئی ہے، پھر آخر آج اسرائیل ریاست مسلمانوں اور خصوصاً عربوں کے لئے دردِ سر کیوں بنی ہوئی ہے؟ ـــــ مجھے امید ہے کہ موجودہ وقتی تنازعہ مسائل کے حل ہو جانے کے بعد مسلمان اور یہودی امن اور دوستی کے ساتھ ایک دوسرے کے ساتھ رہ سکیں گے جیسا کہ وہ تیرہ سو برس سے رہتے چلے آئے ہیں۔

یہ بھی ایک اہم اور قابل لحاظ حقیقت ہے کہ مذاہب عالم میں اسلام کمیونزم کے مقابلہ کی زیادہ صلاحیت رکھتا ہے۔ جب کبھی مجھے مسلمانوں کے درمیان رہنے کا اتفاق ہوا تو مجھے اندازہ ہوا کہ خدا اور مذہب کے ساتھ مسلمانوں کا تعلق بہ نسبت عیسائیوں کے بہت قوی اور گہرا ہے، اس لئے یہ بات ناممکن ہے کہ مسلمان کسی وقت خدا اور اسلام کو چھوڑ کر کمیونزم کے جھنڈے کے نیچے آجائیں ـــــ لیکن یہ بھی واقعہ ہے کہ اجتماعی زندگی کے بارے میں اسلام کے اصول اور اسلامی روایات کیپٹلزم کی بہ نسبت سوشلزم سے زیادہ قریب ہیں، اس لئے اگر مغربی اقوام نے اپنے غلط معاشی یا سیاسی اقدامات کی وجہ سے عالمِ اسلامی کی ہمدردیاں کھو دیں، یا وہ اس کی اقتصادی زبوں حالی کا سبب بن گئیں تو مجھے اس کا اندیشہ ہے کہ بہت سے مسلمان علاقے سیاسی طور پر کمیونسٹ طاقتوں سے وابستہ ہو جائیں گے اور دل میں خدا کا عقیدہ بھی رکھیں گے۔

اسلامی دنیا کے بارے میں مغرب کے سامنے بہت سے مسائل آئیں گے لیکن یہ مسائل اسلام کی اس تعلیم کی بناء پر کافی آسانی سے حل ہو سکیں گے کہ مسلمانوں کو بتایا گیا ہے کہ: "وہ لوگ ...

---

* تم سے زیادہ قریب اور تمھارے بھی خواہ ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم نصاریٰ (مسیحی) ہیں" (ختم شدہ)

کارکنان — دینی تعلیمی تحریک — امتحان گاہ میں

(از جناب قاضی محمد عدیل عباسی ایڈوکیٹ بستی)

پس منظر اور تاریخ :—

۱۹۴۷ء میں ملک کے آزاد ہونے کے بعد ہی بیک جنبش قلم یو۔ پی کی حکومت نے اس ریاست کی زبان بدل دی، اور ایک جی۔ او کے ذریعہ یہاں کی زبان دیوناگری رسم الخط میں ہندی کو قرار دیدیا۔ اور فی الفور پورے صوبہ میں ہندی ذریعۂ تعلیم قرار پائی، اور اردو کا پڑھانا قطعی بند ہو گیا۔ حامیان و محبانِ اردو کے بہت شور مچانے پر حکومت نے اعلان کیا کہ جہاں کہیں مطالبہ ہو اردو کے ذریعہ بھی تعلیم دی جا سکتی ہے لیکن حکومت کے اسپشل افسر متعلق تعلیم نے اپنا حکم جاری کر دیا کہ صرف ہندی ذریعۂ تعلیم ہو گی۔ تقسیم سے بھڑکے ہوئے جذبات کو سہارا ملا، اور ضلع ڈسٹرکٹ بورڈ اور میونسپل بورڈ کے تعلیمی افسران نے یہ کہہ کر گردن چھڑا لی کہ ہمارے فوری افسر کا جو حکم ہے ہم اس کی تعمیل کریں گے، حکومت کے احکام ہمارے اوپر قابلِ پابندی نہیں ہیں۔ چنانچہ میرے ایک خط کے جواب میں ضلع مجسٹریٹ گورکھپور نے بھی مجھ کو یہی بات تحریر کر کے بھیج دی تھی۔

محبان و حامیانِ اردو نے جن میں ہندو اور مسلمان سب شریک تھے، بلکہ جن میں ہندو حضرات مثلاً کشن پرشاد کول، پنڈت برج موہن دتا تریہ کیفی، پنڈت سندرلال وغیرہ وغیرہ پیش پیش تھے، آئینی جنگ کی ٹھان لی، جو ایک علیحدہ داستان ہے، مگر مسلمانوں کے لئے مشکل یہ آن پڑی تھی کہ انھوں نے اتحاد و اتفاق کی خاطر عربی چھوڑ دی

فارسی چھوڑی، اُردو کو اختیار کیا، اور اپنا کُل سرمایہ اُردو میں منتقل کیا، جس میں پچاس سال سے زاید کی عرق ریزی تھی وہ کیا کریں۔ ظاہر ہے کہ وہ اگر اس کُل اثاثہ کو ہندی میں منتقل کرنے کا ارادہ کریں تو سو سال لگیں گے، اور آزادی اور جمہوریت کے تیز رو دور میں اتنی مہلت کہاں؟ نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمان قوم کے رہنماؤں نے آزاد معیاری مکاتب اور صباحی اور شبینہ مکاتب کے اجراء کا فیصلہ کیا، اور دینی تعلیمی تحریک کی بُنیاد پڑی۔

اس تحریک کی محرک جذبات نوت اُردو زبان کی خدمت نہ تھی، یہ کام تو دوسری جماعتیں اور دوسرے ادارے مشترکہ پلیٹ فارم سے کر ہی رہے تھے، اُردو ہندو اور مسلمانوں کا سرتیج بہادر سپرو کے الفاظ میں مشترکہ سرمایہ ہے، بلکہ اس تحریک کا مقصد صرف دین کی تعلیم و تلقین تھی، اور ان کے لئے اس کے سوا چارہ نہ تھا کہ اس تعلیم کا ذریعہ اُردو کو بنائیں۔ دینی تعلیمی تحریک کے بانیوں اور کارکنوں کی یہ ہوشمندی اور سنجیدہ خیالی تھی قابل قدر ہے کہ انھوں نے ضد میں آکر عربی یا فارسی کو ذریعۂ تعلیم قرار نہیں دیدیا بلکہ اشتعال انگیزیوں کے باوجود صبر و استقامت سے ایک راہِ حق پر ڈٹے رہے۔ بادِ مخالف کے تند و تیز جھونکوں نے ان کے دماغ اور تصورات پر کوئی انتہاپسندانہ اثر نہیں ڈالا حتیٰ کہ وہ اس پلیٹ فارم سے اُردو کے حامی و علمبردار بن کر بھی نہیں اُٹھے، بلکہ اُردو کو بطور اعتذار اختیار کیا، اور بدلائل یہی کہتے رہے کہ ہمارے لئے حالاتِ موجودہ میں اُردو کے ترک کرنے کی کوئی راہ نہیں ہے۔ ان لوگوں نے صرف اتنا کیا کہ اُردو کو چھوڑا نہیں ورنہ ہندی کی تعلیم دینے اور ہندی کو سیکھنے سکھانے کی ہر محنت کو انھوں نے گوارا کیا۔ کہیں نہیں ملے گا کہ دینی تعلیمی تحریک کے کسی کارکن نے کبھی بھی ہندی کے خلاف آواز اٹھائی ہو، یا درجہ ۳ سے اس نے بطور لازمی مضمون پڑھانے سے پہلو تہی کی ہو۔ یہ سلسلہ صرف نفی کی حد تک نہیں رہا بلکہ ایک مثبت پہلو اختیار کر کے ہندی کی ترقی کی کوشش کی گئی۔ ہندی میں حمد و نعت لکھے گئے اور مکاتب دینیہ میں وہ بچوں کو زبانی یاد کرائے گئے۔ ہندی میں مذہبی تقریریں مکاتب کے طالب علموں سے کرائی گئیں۔ الغرض اُردو کو ذریعۂ تعلیم بنانے کے ساتھ ساتھ ہندی کو اختیار کرنے پر کسی دوسرے سے کم محنت و کوشش نہیں کی گئی۔ آج بھی اس ریاست کے اندر جال کی طرح پھیلے ہوئے ہزار دو

مکاتب میں کوئی شخص جاکر خود دیکھ سکتا ہے کہ وہاں کس کشادہ قلبی سے ہندی سیکھی اور سکھائی جا رہی ہے۔

دینی تعلیمی تحریک چلی، اور رفتہ رفتہ اس میں طاقت پیدا ہونے لگی، کبھی کبھی کارواں سستانے کے لئے رکا، مگر پھر اور زیادہ قوت سے منزل طے کرنے لگا۔ اور آج اطمینان کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ تحریک نے دلوں میں گھر کر لیا ہے اور عوام و خواص کے دماغوں پر اس کا قبضہ ہو گیا ہے۔ برابر مکاتب کھل رہے ہیں، مکاتب کے لئے سرمایہ اکٹھا ہو رہا ہے، عمارتیں تعمیر ہو رہی ہیں، اور لگن کے ساتھ مکاتب کے معیاری بنانے پر محنت اور سنجیدگی کے ساتھ فکر کی جارہی ہے۔ یہ ساری محنت کس لئے ہے، صرف اس حد تک کہ بچے اور بچیاں دین کی ابتدائی باتوں کو سیکھ لیں، اور درجہ (۱) سے درجہ ۵ تک اُردو کے ذریعہ تعلیم حاصل کرتے ہوئے ہندی میں اتنی لیاقت پیدا کرلیں کہ درجہ ۶ میں ان کا داخلہ ہوسکے، جہاں وہ عام بچوں کے ساتھ سرکاری کیریکولم کے مطابق ہندی کے ذریعہ اپنی تعلیم کو جاری رکھ سکیں، ہر انصاف پسند یہ تسلیم کرے گا کہ یہ ایک معیاری مثبت تعمیری تحریک ہے جس سے حکومت کو معتدبہ امداد بہم پہونچتی ہے کیونکہ بلا ایک پیسہ خرچ کئے ہوئے حکومت کو درجۂ پنجم تک تعلیم پائے ہوئے ایسے بچے مل جاتے ہیں جو کل سرکاری کیریکولم پر دقوت رکھتے ہیں، اور درجۂ ۶ میں سب بچوں کے ساتھ مل جاتے ہیں، اس تحریک میں نہ تو کسی قسم کا تصادم ہے، اور نہ کسی قسم کی علیٰحدگی پسندی کا جذبہ ہے۔

حکومت اور بعض ذمہ داروں کا رُویّہ :۔

لیکن تعجب کے ساتھ دیکھا گیا کہ حکومت اور بعض ذمہ دار اخبارات اور افراد کا رویہ اس تحریک کے معاملہ میں انتہائی معاندانہ رنگ کا ہے۔ تحریک کے بارے میں طرح طرح کی غلط فہمیاں پھیلائی گئیں حتیٰ کہ اسے غیر ممالک کا مستعار عطیہ بھی قرار دیا گیا، حالانکہ یہ ظاہر ہے کہ ایسی تحریک وہی لوگ چلائیں گے جنھیں نسلاً بعد نسلٍ ہندوستان میں رہنا ہے، اسے اپنا وطن بنانا ہے اس کی خوش حالی سے خوش حال اور اس کی بدحالی سے بدحال ہونا ہے۔ تحریک کی روح ہی ایسی ہے کہ اسے پختہ کار محبانِ وطن ہی

اختیار کر سکتے ہیں۔ اپنی آیندہ نسلوں کے اندر ہندوستان کی فضا میں دینداری کی تعمیر کی فکر وہی لوگ کریں گے جنھیں اپنی آیندہ نسلوں کو یہاں رکھنا ہے، اور کون وہ دیوانہ ہے جو یہاں رہنے کا فیصلہ تو کرے گا مگر سوگواری کے ساتھ رہنے کا فیصلہ کرے گا لیکن "نیشنل ہیرالڈ" میں بھی جو ایک متوازن غیر متعصب اور نیشلسٹ اخبار ہے، پے در پے مضامین اس تحریک کی مخالفت میں نکلے، اور اس انگریزی روزنامہ نے جواب چھاپنے تک سے انکار کر دیا۔ پولیس روزمرہ ان مکاتب پر جاکر سوال و جواب کرتی ہے کہ کیا پڑھاتے ہو؟ اور ایسا کرنے والے اکثر ناخواندہ کانسٹبل ہوتے ہیں۔

درجۂ پنجم میں ابھی تک پرائیوٹ لڑکوں کے امتحانات لے لئے جاتے تھے بہت سے لوگ اپنے بچوں کو گھر پر پڑھاتے تھے مگر اب غالباً صرف اس تحریک کو کمزور کرنے کے لئے امتحانات بند کر دیئے گئے ہیں۔ جو تیرہائی اسکولوں میں ٹسٹ لیکر درجۂ ۶ میں بچوں کا داخلہ مشکل ہی سے کیا جاتا ہے، اب جبکہ ہم اس ریاست میں ہزاروں کی تعداد میں ایسے بچے پیش کر رہے ہیں جن کے بارے میں ہمارا صرف یہ مطالبہ ہے کہ آپ دوسرے لڑکوں کے ساتھ ان کا امتحان لے لیں، یا تنہا ان کا ٹسٹ لے لیں، اور اگر آپ کی رائے میں یہ بچے اس قابل ہوں کہ ان کا داخلہ درجہ ۶ میں کیا جا سکے تو داخلہ کر لیجئے، یا درجۂ ۵ کے امتحان میں ان کو شریک کر لیجئے، اور کل مضامین میں بالکل دوسرے لڑکوں کی طرح ان کا امتحان لے لیجئے، اگر پاس ہوں تو سرٹیفکٹ دیدیجئے۔ تو دونوں باتوں سے انکار کیا جاتا ہے اور کہہ دیا جاتا ہے کہ قانون نہیں ہے۔ حالانکہ ہمارا یہ کھلا چیلنج ہے کہ قانون میں کہیں ممانعت موجود نہیں ہے۔

جو گورنمنٹ دنیا کے دوسرے ملکوں کے سامنے شرمندہ ہے کہ اُس نے چودہ ۱۴ سال کے اندر صرف ۲۲ فی صد بچوں کو پڑھانے پر قدرت حاصل کی ہے وہ بلا ایک پیسہ خرچ کئے ہم سے دو چار فی صد بچے لینے کے لئے تیار نہیں ہے، آخر اس تعصب اور ضد کی وجہ کیا ہے؟ جو لوگ مسلمانوں کو ہمت تعمیری کام کرنے کی جانب اس طرح راغب کرتے ہیں کہ گویا یہ ایک ایسا میدان ہے جس میں کوئی رکاوٹ موجود نہیں ہے، وہ مہربانی کر کے غور کریں، میں تو جب ان باتوں پر سوچتا ہوں تو میری حیرانی کی کوئی انتہا

نہیں رہ جاتی ہے۔

مزید دشواریاں :۔

خیر یہ معاملات تو تحریک کی ترقی رفتار سے سامنے آئے جو ایک دن آنیوالے ہی تھے اور مجھے معلوم ہے کہ کارکنانِ تحریک بیدار ہیں، اور وہ اس مسئلہ پر اپنی پوری توجہ صرف کر رہے ہیں، اور دیر یا سویر کوئی حل ضرور نکال لیں گے۔ مگر اب کام کے راستے میں دو مزید دشواریاں ایسی پیدا ہو گئی ہیں جو اچانک آ گئی ہیں، اور جن پر عبور حاصل کرنے کیلئے بڑی محنت و کاوش اور فکر درکار ہے۔ ان دو مزید دشواریوں کے سامنے آنے سے مجھے یکایک غالب مرحوم کا شعر یاد آگیا۔ ؎

چوں یک گرہ کشایم تدبیر وانمانم
گرہے و سخت گرہے کارے و سخت کارے

وہ دو دشواریاں حسب ذیل ہیں :۔

(۱) محکمۂ تعلیمات نے یہ طے کیا ہے کہ دھیرے دھیرے درجۂ ۳ سے انگریزی پڑھانے کے رواج کو عام کیا جائے، یہ انوکھی چیز انگریزی راج میں بھی موجود نہیں تھی، انگریزی راج میں دو طرح کے اسکول تھے، ایک تو انگریزی اسکول جن میں تیسرے درجے سے انگریزی پڑھائی جاتی تھی لیکن ان میں ذریعۂ تعلیم انگریزی تھا، اور ہر لڑکے کو اُردو بطور زبان اول یا ہندی بطور زبان اول لینا پڑتا تھا، اور جو لڑکا اُردو کو بطور زبان اول کے لیتا تھا وہ ہندی کو آٹھویں درجہ تک بطور دیگر زبان لازمی طور پر پڑھتا تھا، اور اسی طرح جو لڑکا ہندی کو بطور اول زبان لیتا تھا وہ اُردو بطور دیگر زبان آٹھویں درجے تک لازمی پڑھتا تھا۔

دوسری قسم کے اسکول وہ تھے جو عرف عام میں مڈل اسکول کہلاتے تھے، یہاں بچے کے گارجین کی خواہش پر ذریعۂ تعلیم اُردو ہوتا تھا یا ہندی، اور ہر بچے کو اُردو یا ہندی بطور دیگر زبان لازمی پڑھنی پڑتی تھی۔ ان مڈل اسکولوں میں انگریزی کی تعلیم مطلق نہیں

ہوتی تھی، اور جب یہ لڑکے انگریزی پڑھنے کے لئے جاتے تھے تو انگریزی کا ایک لفظ بھی نہیں جانتے تھے، اور بقیہ مضامین میں ان کی لیاقت درجۂ ۷ کی ہوتی تھی، اسلئے اُن کے واسطے اسپشل درجے کھولے گئے تھے۔ اسپشل فرسٹ ایر اور اسپشل سکنڈ ایر۔ اِس طرح دو سال میں انگریزی کی خامی کو پورا کرکے تیسرے سال لڑکا آٹھویں درجے میں داخل ہو جاتا تھا۔ واضح ہو کہ یہ مڈل اسکول آج کے صرف درجۂ ۷ تک ہوتے تھے۔

اب مکاتب دینیہ کی دقت یہ ہے کہ درجۂ ۳ سے انھیں ہندی اور انگریزی دونوں شروع کرنی پڑے گی۔ اس پر کارکنانِ دینی تعلیمی تحریک کو ماہرین سے مشورہ کرنے کی ضرورت ہے اس سلسلہ میں دو باتیں غور طلب ہیں :۔

(۱) کیا بچے کا دماغ انگریزی اور ہندی دونوں زبانوں کو بیک وقت سیکھ سکے گا۔ یہ ظاہر ہے کہ جو بچے ہندی کے ذریعہ تعلیم حاصل کریں گے اور اردو نہیں پڑھیں گے، انکو صرف دو زبانیں پڑھنی پڑیں گی، اور وہ ہندی دو سال پہلے سے شروع کر چکے ہوں گے۔ اِس طرح کارکنانِ دینی تعلیمی تحریک کو ایک امتحان سے گذرنا پڑے گا، اور قوم کے مزاج میں سختی اور لگن زیادہ زوروں سے پیدا کرنا ہوگا کہ وہ دین کی تعلیم کی خاطر ایک اور زبان کا بوجھ برداشت کرنے کے لئے آمادہ ہو۔

(۲) کیا ہر معیاری پرائمری مکتب کو جو بڑی محنت و کوشش کے بعد معیاری ہوئے ہیں، انگریزی پڑھانے والے ماسٹر مل جائیں گے؟ اور کیا ایک اور ٹیچر رکھنے کی استطاعت ہر مکتب میں ہے؟ ان دونوں سوالات کو حل کرنے کے لئے مستقبل پر نظر رکھنے اور بڑی سنجیدگی کیساتھ غور کرنے کی ضرورت ہے۔

کیا مُسلمان بچّوں کو پوجا کرنا ہو گا؟ :۔

(۲) دوسری دقت جو ابھی پورے طور پر سامنے نہیں آئی ہے وہ یہ ہے کہ بیسک اسکولوں کے پراسپکٹس مجریہ ۱۹۵۹ء کے مطابق تمام درجات میں حسب ذیل مذہبی تیوہار اور جینتیاں اور دوس (یوم) منائے جائیں، جو اسلام کے بنیادی عقائد و تعلیمات سے متصادم ہیں، اور جنھیں کسی شکل میں ایک لمحہ کے لئے بھی گوارا نہیں کیا جا سکتا۔ ابھی ہم نصاب تعلیم کی اصلاح کیلئے کوشاں تھے

ادر حکومت نے پالیوال کمیٹی بٹھائی تھی جو معلوم نہیں کہاں گم ہو گئی، اور اب بجائے اصلاح کے ایک نئی آفت سامنے آ گئی۔ اب ذرا اچٹتی ہوئی نگاہ ڈالئے اور ذیل کے خاکہ پر نظر کیجئے:۔

ہندو تیوہاروں کے نام	مسلم تیوہاروں کے نام	عیسائی تیوہار	ہندو جینتیاں	مسلم جینتیاں	عیسائی جینتیاں
(۱) رکشابندھن	(۱) محرم	(۱) بڑا دن	۱۔ تلشی جینتی	×	×
(۲) جنم اشٹمی	(۲) عیدالفطر	×	۲۔ گاندھی جینتی	×	×
(۳) دسہرہ	(ان موقعوں پر بھی	×	۳۔ جواہر جینتی	×	×
(درگا پوجا)	عملی کام کئے جائیں)	×	۴۔ گورونانک ؒ	×	×
(۴) دیپاولی	×	×	۵۔ راجندر جینتی	×	×
(لکشمی پوجا اور	×	×	۶۔ مہابیر جینتی	×	×
گوبردھن پوجا)	×	×	(ان مواقع کے	×	×
(۵) بسنت پنچمی	×	×	بھی کام تبلائے	×	×
(اس موقع پر	×	×	گئے ہیں) —	×	×
سرسوتی پوجا)	×	×	×	×	×
(۶) ہولکا آتسو	×	×	×	×	×
(ہولی)	×	×	×	×	×
(۷) رام نومی	×	×	×	×	×
(ان مواقع کے لئے	×	×	×	×	×
عملی کام بھی تبلائے	×	×	×	×	×
گئے ہیں) —	×	×	×	×	×

(ان کے علاوہ دیگر میلے وغیرہ بھی حسب خواہش منائے جا سکتے ہیں)

ان تیوہاروں وغیرہ کو کیسے منایا جائے گا ان کے نمونے درج ذیل ہیں:—

(۱) **دیپاولی** ــــــ لکشمی پوجا اور گوبردھن پوجا کرنا۔ اسکول کی صفائی کیساتھ دیواروں پر چتر کاری کرنا، موتیوں کو رنگنا اور سانچے میں لکشمی اور گنیش جی کی مورتیاں بنانا۔

(۲) بسنت پنچمی کے موقع پر سرسوتی پوجا کے لئے سامان جمع کرنا۔
(۳) کرشن جنم اشٹمی کے موقع پر کرشن سداماں کا ناٹک کرنا۔
اسی طرح اور تیوہاروں کے مواقع پر بھی پوجا وغیرہ رکھا گیا ہے۔
میں نے جب ان کتابوں کو دیکھا جو محکمۂ تعلیمات سے چھپ کر آئی ہیں اور جن میں الگ الگ تفصیلی کام درجۂ (۱) سے درجۂ (۵) تک دیئے گئے ہیں تو میں یقین نہ کر سکا۔
ایک دن اتفاقاً میں نے محکمۂ تعلیمات کے ایک اعلیٰ افسر سے سوال کیا تو انھوں نے کہا کہ واقعہ یہ ہے کہ سبق اور عمل میں مطابقت پیدا ہونا بیسک تعلیم کا بنیادی اصول ہے چنانچہ اب اسے مکمل کیا گیا ہے۔ مثلاً دیپاولی کے موقع پر لکشمی پوجا اور گوبردھن پوجا ہوتی ہے تو اس کا صرف سبق پڑھا دینا کافی نہیں ہے بلکہ لڑکوں سے یہ سب پوجا کرانا ضروری ہے تاکہ وہ پوری طرح سمجھ سکیں۔ میں نے کہا کہ مسلمان بچے کیوں نہ اس تمام پوجا سے مستثنیٰ کئے جائیں، کیونکہ مسلمان پوجا پاٹ پر یقین نہیں رکھتے ہیں، اور یہ ایک سیکولر حکومت ہے تو مسلمان بچوں کو پوجا کرنے پر کیوں مجبور کیا جائے؟۔
تو انھوں نے ہنس کر فرمایا کہ:۔ آپ سمجھے نہیں، بچے کو یہ یقین کرنا ضروری تھوڑا ہی ہے کہ یہ لوگ دیوتا ہیں، اور یہ پوجا مذہبی حیثیت سے صحیح ہے، وہ اسے غلط سمجھتے ہوئے صرف یہ سیکھے گا کہ یہ کیا چیز ہے اور کیسے ہوتی ہے۔ میں نے اُن سے کہا کہ:۔ اوّلاً یہ ڈراما کی شکل بھی جو آپ بیان کرتے ہیں ہمارے مذہب کی رو سے جائز نہیں ہے، دوسرے بچے کے خام دماغ پر اس کا کیا اثر پڑے گا اس کا بھی آپ نے اندازہ کیا ہے؟۔
تو انھوں نے کہا:۔ اس بچے کو سمجھا دیا جائے گا کہ وہ اسے عقیدتاً نہ کرے بلکہ صرف تعلیمی حیثیت سے سیکھنے کے لئے کرے۔ میں نے پھر اُن سے کہا کہ:۔ کوئی صورت مسلمان بچوں کے مستثنیٰ ہونے کی ہے؟۔ تو انھوں نے نفی میں سر ہلایا اور کہا کہ:۔ یہ سب تو کرنا ہوگا۔
اس گفتگو سے میں نے اندازہ کیا کہ معاملہ اہم ہے اور شاید جملہ کارکنان دینی تعلیمی تحریک کو ایک کڑے امتحان سے گذرنا ہوگا۔

مسلمانوں کے تیوہار :-

اب مسلمانوں کے تیوہاروں کا حال سُنئے ـــــ مسلمانوں کے تیوہاروں میں بھی محرم اور عیدالفطر کو جگہ دی گئی ہے، مگر محرم کی جو کہانی بچوں کے لئے پیش کی گئی ہے اُس میں ایجاد بندہ کیئے یا عدم واقفیت، اس کا نمونہ درج ذیل ہے :-

"محمد صاحب کے کوئی لڑکا نہ ہونے کے کارن (سبب) لوگوں کا یہ وچار (خیال) تھا کہ ان کے بعد ان کی لڑکی اور داماد اُن کے استھان (جگہ) پر خلیفہ ہوں گے ان کے داماد کا نام علی تھا ـــــ کنتو (لیکن) ایسا نہیں ہوا محمد صاحب کے بعد چار خلیفہ ہوئے حضرت علی پانچویں خلیفہ ہوئے، کچھ لوگ محمد صاحب کی مرتیو (وفات) کے بعد ہی حضرت علی کو خلیفہ سمجھے تھے اس پر کار ذنگا فساد کرنے والوں کو اوسر (موقع) مل گیا حالانکہ حضرت علی اِس سے دُور رہنا چاہتے تھے ـــــ یزید کے باپ کی شکتی (طاقت) اس وقت کافی بڑھ گئی تھی حضرت علی کے بعد ان کے بڑے لڑکے حضرت امام حسن خلیفہ ہوئے معاویہ نے لوگوں کو بھڑکا کر امام حسن کا یدہ (قتل) کرا ڈالا - اب حضرت امام حسین خلیفہ ہوئے ـــــ بہت سے لوگ حضرت امام حسین کی طرف تھے۔ معاویہ اپنے لڑکے کو خلیفہ بنانے کے لئے راہ بنا رہا تھا، وہ بہت کچھ سپھل (کامیاب) ہوا، یزید بڑا شرابی اور اتیاچاری (ظالم تھا)"

عیسائیوں کے تیوہار :-

عیسائیوں کے تیوہار کے بارے میں ـــــ سجاوٹ وغیرہ کے بعد جہاں تاریخ دی ہے اس میں پراسپکٹس درجۂ ۳ کے صفحہ ۴۰ نمبر ۲۰ پر یہ دلچسپ عبارت بھی ہے :-

"حضرت عیسیٰ کے پتا (باپ) کا نام جوزف، اور ان کی ماتا (ماں) کا نام مریم تھا"

دوسری جگہ یہ لکھا ہے کہ :—

"عیسائیوں اور مسلمانوں کے متانوسار (عقیدے کے مطابق) وہ (حضرت عیسیٰؑ) مرے نہیں کنتو (بلکہ) ایشور (خدا) نے ان کو جیوت (زندہ) آکاش پر اُٹھالیا وہ پھر جنم لیں گے۔"

ایک دو مثالیں :—

یہ ہے نشتے نمونہ از خروارے مگر شاید ناظرین کے سامنے ابھی صحیح نقشہ نہ آیا ہو اسلئے میں دو ایک مثالیں ذیل میں پیش کر کے یہ دکھلانے کی کوشش کروں گا کہ بچوں کو سبق کس طرح پڑھایا جائے گا، اور تعلیم اور عمل میں مطابقت کس طرح پیدا کی جائے گی اور کیا پڑھایا جائے گا۔

پراسپکٹس درجہ ۲ صفحہ ۴۳ نمبر ۲۷ پر "بسنت پنچمی" کے عنوان کے تحت حسب ذیل عبارت ہے (اُردو ترجمہ)

"بسنت پنچمی" کا تیوہار ہم لوگوں کے لئے بہت اہم تیوہار ہے، جس طرح دسہرہ میں درگا اور دیوالی میں لکشمی کی پوجا کرتے ہیں، اسی طرح اس دن ہم لوگ سرسوتی کی پوجا کرتے ہیں، اگرچہ آج جہالت کے سبب لوگ اس تیوہار کی اہمیت بھول گئے ہیں لیکن ہمیں چاہیئے کہ اس دن گرو کے قدموں میں جا کر ان کی پوجا کریں اور علم کا حاصل کرنا شروع کریں۔"

اسی کے نمبر ۳۰ پر ہولی کی نظم مُلاحظہ ہو، جو لڑکے گائیں گے :—

یہ ہے ہولی کا ہڑ بونگ
کوئی ناچتا کوئی گاتا
کوئی بجاتا مینگ
کوئی کھیلتا کوئی کودتا
کوئی گھونٹتا بھنگ
مجھ سے چھین قلم دوات
انگ انگ ڈالا میرا گات

اب پراسپکٹس درجہ ۴ کے صفحہ ۳۸ پر نمبر ۳۶ ملاحظہ ہو یہ اُس یگیہ (مذہبی تقریب) کا خاکہ ہے جو شری دسرتھ جی نے اولاد حاصل کرنے کے لئے کیا تھا۔ یہ سبق حسب ذیل طریقے پر پڑھا کر بچوں کے دلنشیں

کیا جائے گا۔ میں صرف اُردو ترجمہ درج کروں گا۔

ڈائس پر سیتا جی اور رام چندر جی کی مورتیاں رکھی ہیں اسٹیج کے دونوں طرف سے آرتی اور پوجا کا تھال لیکر گرو جی کے ساتھ بچوں کا داخلہ ہوگا، اور اسی وقت پردے سے رام چندر جی کو مخاطب کر کے ایک دُعا سنائی جائے گی، اس پرارتھنا کے ساتھ بچے دھوپ دیپ سے پوجا کرینگے اور گرو جی آرتی کرینگے اس کے ساتھ سب آرتی کریں گے آرتی کے وقت پردے سے حسب ذیل پرارتھنا کی جائے گی۔

"میں ایسے رام کو جو رگھو بنس کے آقا ہیں جن کے ہاتھ میں تیر کمان زینت دہ ہے اور جن کے بائیں طرف سیتا رونقِ بزم ہیں، نیلے کمل کے مانند جن کے عضو ہیں نمسکار کرتا ہوں"

اس کے بعد سب ایک ساتھ آرتی ختم کرینگے گرو جی سنکھ بجائینگے اس کے بعد سب ایک ساتھ (نمسکار) جھک کر سلام کرینگے۔ پھر گرو جی کتھا شروع کرنے کے لئے اپنی کتاب کھولیں گے پردے سے ایک بچہ یہ کتھا سنائے گا۔

"بہت دنوں کی بات ہے کہ اجودھیا میں دشرتھ نام کے راجہ راج کرتے تھے ان کے کوئی اولاد نہیں ہوئی، اولاد حاصل کرنے کیلئے خاموش یگیہ کیا"

یہ دکھلایا جائے گا کہ بششٹھ جی اور شرنگی رشی کے ساتھ بیٹھے ہوئے راجہ دسرتھ یگیہ کر رہے ہیں پیچھے تینوں رانیاں ہاتھ جوڑے بیٹھی ہیں۔ شرنگی رشی کے پیچھے اور رشی بیٹھے ہیں۔ پردے کے پیچھے سے ایک بچہ لے اور تال کے ساتھ حسب ذیل نظم سنائے گا۔

"شرنگی رشی کو بششٹھ جی نے بلایا اور پتر کے لئے ان سے یگیہ کرایا اپنے بھگتوں کے ساتھ منی جی نے آواز دی جس سے اگنی دیوتا ظاہر ہوئے"

یگیہ کنڈ سے اگنی دیوتا تھال میں مالا لئے ہوئے ظاہر ہوں گے اگنی دیوتا کے سر پر کلغی گلے میں ہار کانوں میں کنڈل ہوگا۔ لال دھوتی اور لال کپڑا زیب تن ہوگا سب اُٹھ کر اُنھیں نمسکار کرینگے۔ راجہ دسرتھ تینوں رانیوں کو گا کر بلائیں گے، تینوں رانیاں ایک ایک کر کے اگنی دیو کے پاس جائیں گی۔ اگنی دیو ان کی خواہشات پوری ہونے کا حکم دینگے،

اس کے بعد پردہ گر جائے گا۔

اس طرح ماہرین تعلیمات کی رائے میں بچے کے دماغ میں اس ایک جملہ کا مطلب سمجھ میں آیا:۔
"راجہ دسرتھ نے اولاد کے حصول کے لئے یگیہ کیا"۔ بقیہ حصہ بھی اسی قسم کے جواہر پاروں سے لبریز ہے جو بخوف طوالت درج نہیں کیا جاتا ہے۔

گذارش

ابھی میں یقین نہیں کر پاتا ہوں کہ واقعی اس قسم کی باتیں پراسپکٹس میں داخل کی گئی ہیں اور واقعی ان سب میں مسلمان بچوں کی شمولیت ضروری ہے۔ کتابیں نہایت مشکل ہندی میں ہیں۔ میرا مطلب دیباچہ اور تعارف سے ہے، لیکن مہینے گذر گئے اسلئے میں ان امور کو منظر عام پر لاتا ہوں، اگر میں نے غلط سمجھا ہے تو مجھے امید ہے کہ کوئی صاحب میری غلط فہمی دور کر دینگے، اور میرے سینہ سے ایک بھاری پتھر کی سل ہٹ جائے گی۔ لیکن اگر یہ صحیح ہے تو ہمیں دو راستوں میں ایک راستہ اختیار کرنا پڑیگا یا تو ایک دم بائیکاٹ کی ایک متفقہ اور پُر زور آواز اُٹھانی ہوگی اور قوم کو پوری طاقت سے پکارنا ہوگا یا سپریم کورٹ میں فوراً رٹ داخل کرنی ہوگی، مگر ان سب کے پہلے حکومت کو ایک نوٹس دے دینی ہوگی کہ وہ اوقات مقررہ کے اندر ان امور کی اصلاح کرے۔ ارباب حکومت سے ملاقات بہت مشکل ہے، اور جولائی سے قبل ہمیں کوئی بڑا قدم اُٹھانا ہوگا۔

مجھے اُمید ہے کہ اپنے تمام جزوی و اصولی اختلافات کو ڈبو کر تمام جماعتیں ایک متفقہ پروگرام بنا کر اس مہم کے سر کرنے میں لگ جائیں گی۔

کارکنان دینی تعلیمی تحریک کیلئے ایک مقام آزمائش آگیا ہے، اور وہ امتحان گاہ میں کھڑے ہیں، کیا وہ اس امتحان میں پورے اُتریںگے؟ اور اپنے خلوص ایثار فدویت اور ہوشمندی و سنجیدگی اور نظم و تربیت کا ایک جاذب نظر مظاہرہ پیش کرینگے؟۔

دنیا میں
سب سے بڑا روحانی انقلاب
پیغمبر خدا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ برپا ہوا تھا
جو لوگ اردو زبان کے ذریعہ
اس تعلیم و ہدایت سے واقف ہونا اور فائدہ اٹھانا چاہیں جس نے یہ انقلاب برپا کیا تھا
ہم انکی خدمت میں مولانا محمد منظور نعمانی مدیر الفرقان لکھنؤ کی تالیف
معارف الحدیث
اعتماد اور یقین کے ساتھ پیش کرتے ہیں
ہ و تشریح کے ساتھ یہ حدیث نبوی کا ایک جدید مجموعہ ہے جو دور حاضر کے مسلمانوں کی ذہنی و فکری
ا نظر رکھ کر مرتب کیا گیا ہے اس کتاب کی خصوصیت قابل ذکر یہ ہے کہ مصنف کی خاص کوشش
ب میں یہ رہی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کے جو اثرات صحابہ کرام کے قلوب پر پڑتے تھے
ے ناظرین کے دلوں پر بھی وہی اثرات کسی درجہ میں پڑیں — (دو جلدیں شائع ہو چکی ہیں)
د اول
د دوم
کتب خانہ الفرقان کچہری روڈ لکھنؤ

ALFURQAN (Regd. No. A-353) LUCKNOW

چندہ
ہند و پاک سے
سالانہ :- ۶/-/-
ششماہی :- ۳/-/-
فی کاپی :- -/۶۰/-

ماہنامہ الفرقان لکھنؤ

چندہ
دیگر ممالک سے
سالانہ :- ۱۲ شلنگ
اعزازی چندہ
سالانہ :- ۱۵/-/-

جلد (۳۰) | بابت ماہ صفر المظفر ۱۳۸۲ھ مطابق اگست ۱۹۶۲ء | شمارہ (۲)

اگر اس دائرے میں ◯ سرخ نشان ہے، تو

اس کا یہ مطلب ہے کہ آپ کی مدتِ خریداری ختم ہوگئی ہے. براہِ کرم آئندہ کیلئے چندہ ارسال فرمائیں یا خریداری کا ارادہ نہ ہو تو مطلع فرمائیں۔ چندہ یا کوئی دوسری اطلاع ۳۱ اگست تک دفتر میں ضرور آجائے ورنہ اگلا شمارہ بصیغۂ وی پی ارسال ہوگا۔

پاکستان کے خریدار: اپنا چندہ سکریٹری اصلاح و تبلیغ آسٹریلین بلڈنگ لاہور کو بھیجیں اور منی آرڈر کی رسید ہمارے پاس فوراً بھیجدیں۔ **نمبر خریداری:**- براہِ کرم خط و کتابت اور منی آرڈر کے کوپن پر اپنا خریداری نمبر ضرور لکھیں۔

تاریخ اشاعت:- الفرقان ہر انگریزی مہینہ کے پہلے ہفتہ میں روانہ کر دیا جاتا ہے اگر ۱۵ تاریخ تک بھی کسی صاحب کو نہ ملے، تو فوراً مطلع فرمائیں۔ اس کی اطلاع ۲۸ تاریخ کے اندر آجانی چاہیئے اسکے بعد رسالہ بھیجنے کی ذمہ داری دفتر پر نہ ہوگی۔

دفتر الفرقان کچہری روڈ لکھنؤ

احمد کامران محمد منظور نعمانی پرنٹر و پبلشر نے تنویر پریس لکھنؤ میں چھپوا کر دفتر الفرقان کچہری روڈ لکھنؤ سے شائع کیا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نگاہِ اوّلیں

ایک مسلمان کا نصب العین بے شک یہی ہونا چاہیے کہ دُنیا میں اللہ کا قانون نافذ ہو لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ آدمی ہر حال اور ہر ماحول میں حکومتِ الٰہیہ کے قیام کی براہِ راست جدوجہد کرے۔ ایک مسلمان ملک کے اندر اس کی گنجائش ہے کہ اگر حکومت کا کاروبار مسلمانوں ہی کے ہاتھوں اسلامی شریعت سے آزاد ہو کر چل رہا ہے تو ایک شخص براہِ راست اسلامی حکومت کا نعرہ لے کر میدان میں آئے، لوگوں کو اس نعرہ پر جمع کرے اور اُن کو منظم کر کے حکومت کے ادارہ کو قرآن اور سنت کے تابع کرنے کی براہِ راست جدوجہد کرے۔ لیکن یہ صرف صحیح ہو سکتا ہے، ہر حال میں لازمی ہرگز نہیں، بلکہ ہو سکتا ہو کہ ایسا کرنا بعض حالات میں نصب العین کی مصلحت کے خلاف اور طریق کار کی حکمت کے منافی ہو۔ اور نصب العین کی زیادہ خدمت براہِ راست جدوجہد کے بجائے بالواسطہ جدوجہد میں مضمر ہو ____ اور اتفاق کہہ لیجئے یا خدا کی حکمت کا کوئی راز کہ خلافتِ راشدہ کے بعد سے جو مسلمان حکمرانوں نے جادۂ اسلام سے انحراف شروع کیا ہے تو آج تک کوئی براہِ راست جدوجہد اس پر سرمو فرق نہیں ڈال سکی۔ اس کے برعکس بالواسطہ جدوجہد کی بعض مثالیں ملتی ہیں جن سے حکومت کی سطح پر عظیم انقلابات رونما ہو گئے، مثلاً حضرت مجدد الف ثانیؒ کی جدوجہد۔

بہرحال یہ تسلیم ہے کہ ایک مسلمان ملک کے اندر حکومتِ الٰہیہ کی براہِ راست جدوجہد صحیح ہو سکتی ہو۔ بلکہ کہا جا سکتا ہے کہ آج جبکہ عام طور پر مسلمان ملکوں میں بھی موروثی حکومت کا چکر ٹوٹ چکا ہے اور نام ہی کو سہی، عوام کو انتخابات کے ذریعہ حکومت بنانے کے اختیارات مل گئے ہیں تو اس کے امکانات زیادہ روشن ہو گئے ہیں کہ براہِ راست جدوجہد کے ذریعہ حکومت کو خلافتِ الٰہیہ کے سانچے میں ڈھال لیا جائے۔

لیکن جن ملکوں کے اندر مسلمان اقلیت میں ہوں اُن ملکوں کو اسلامی ملکوں پر قیاس نہیں کیا

جا سکتا۔ ان ملکوں کے اندر جمہوریت کے اس دور میں حکومتِ الٰہیہ کے قیام کا اس وقت تک کوئی امکان نہیں جب تک کہ غیر مسلم عناصر کے قبولِ اسلام سے مسلمانوں کی اقلیت کم سے کم ضروری اکثریت میں تبدیل نہ ہو جائے۔ اور یہ بات کچھ ناممکن نہیں۔ اسلامی نصب العین سے محبت رکھنے والے مسلمانوں نے قولی اور عملی شہادتِ حق سے آبادیوں کی آبادیوں کو مشرف باسلام کیا ہے۔ آج بھی دنیا کے بعض حصوں میں یہ سلسلہ جاری ہے۔ لیکن اگر شہادتِ حق کا فریضہ ادا کرنے والے ساتھ ہی ساتھ اسلامی حکومت کے لیے جدوجہد کا علم بھی اٹھا لیں تو پھر کوئی معجزہ ہی ہو سکتا ہے جو ایک آزاد اور صاحبِ اقتدار اکثریت کو آپ کی شہادتِ حق سے متاثر کر سکے۔

سیاست و حکومت جس چیز کا نام ہے اس کے ساتھ بدگمانی کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ اسلامی حکومت یا حکومتِ الٰہیہ کی حقیقت کیسی ہی مقدس اور قومی و نسلی حدبندیوں اور خود غرضیوں سے کیسی ہی بالاتر کیوں نہ ہو اس کی جدوجہد جب ایسی حالت میں کی جائے گی کہ مسلمان اقلیت میں ہیں اور اکثریت صاحبِ اقتدار ہے تو ـــــ چونکہ اسلامی حکومت میں بہرحال حکمرانی مسلمانوں ہی کے ہاتھوں میں ہوتی ہے ـــــ غیر مسلم اکثریت میں لازمی طور پر یہ بدگمانی پیدا ہوگی کہ یہ مسلم اقلیت کے اقتدار کی جدوجہد ہے۔ خصوصاً اگر مسلمان اقلیت کبھی اس ملک میں برسرِ اقتدار بھی رہ چکی ہے تب تو یہ بدگمانی بالکل فطری ہے۔ اور اس بدگمانی کے بعد اس کی گنجائش نہیں رہ سکتی کہ مسلمانوں کی شہادتِ حق دلوں پر اثر کر سکے۔ اس لیے کہ دعوت و شہادتِ حق کی تاثیر کے لیے ضروری ہے کہ مخاطب کو داعی کے خلوص اور بے غرضی کا اعتبار ہو۔ اور اس بدگمانی کے بعد اعتبار کی گنجائش کہاں۔

بعض لوگ شہادتِ حق کے مفہوم میں دعوت و تبلیغ ہی کی طرح یہ بات بھی داخل سمجھتے ہیں کہ اسلام کو ماننے والے ایک جتھے اور پارٹی کی شکل میں منظم ہو کر حکومتِ الٰہیہ کے قیام کی براہِ راست جدوجہد کریں۔ دنیا کے کسی خطہ میں حکومتِ الٰہیہ کے نصب العین کو ماننے والوں کا کوئی گروہ آباد ہو اور وہ زمامِ اقتدار کو باطل کے ہاتھوں سے چھین لینے کی براہِ راست (سیاسی) جدوجہد سے کنارہ کش رہتے ہوئے محض دعوت و تبلیغ کے ذریعہ اس سرزمین پر اقامتِ حق کی راہ ہموار کرنے پر اکتفا کرتا ہے۔ یہ بات ان لوگوں کے نزدیک شہادتِ حق میں قصور اور کوتاہی کے مرادف ہے۔ حالانکہ انبیاء علیہم السلام کے اسوۂ حسنہ سے صاف طور پر یہ معلوم ہوتا ہے کہ غیر اسلامی ملکوں میں پورے اسلامی نظام کو بیک وقت

قائم کرنے کی جدوجہد تو درکنار یہ سے اسلام کو بیک وقت پیش کرنا بھی ضروری نہیں۔ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ایک صحابی معاذ بن جبل کو یمن کا عامل بنا کر بھیجا تو خود ان کی روایت کے مطابق یہ ہدایت فرمائی کہ

"تم ایک ایسی قوم کے پاس پہونچو گے جو صاحب کتاب ہیں۔ پس تم ان کو سب سے پہلے شہادت توحید و رسالت کی دعوت دینا۔ جب وہ اس کو مان لیں تو تم ان کو بتانا کہ اللہ نے دن رات میں پانچ نمازیں ان پر فرض کی ہیں۔ پھر جب وہ اس کو بھی قبول کرلیں تو ان کو بتانا کہ اللہ نے ان پر زکوٰۃ بھی فرض کی ہے جو ان کے دولت مندوں سے وصول کی جائے گی اور انھیں کے مفلسوں ناداروں پر خرچ کردی جائے گی۔ الخ" (بخاری و مسلم)

یہ مثال اگرچہ ایک ایسے ملک کی ہے جو غیر اسلامی علاقہ ہونے کے باوجود اسلام کے زیر نگیں آچکا تھا۔ مگر اس میں جو حکمت دعوت تجویز کی گئی ہے ظاہر ہے کہ اس میں اس خصوصیت کو کوئی دخل نہیں ہے، یہ کسی بھی حیثیت کے غیر مسلم ملک میں دعوت اسلام کی وہ تدریجی حکمت ہے جو خود دین کے معلّم نے تلقین فرمائی۔ اور عقل بھی کہتی ہے کہ یہی حکیمانہ طریق کار ہے۔ یہ بڑی بھول ہے کہ غیر اسلامی ملکوں کو اسلامی ملکوں پر قیاس کرلیا جائے اور حکومت الٰہیہ کے نصب العین کی تکمیل کے لیے وہی براہ راست جد و جہد کا طریقہ اختیار کیا جائے جو اسلامی ملکوں میں صحیح ہو سکتا ہے، یہ بھول مسلم اقلیت کے ملکوں میں اس اسلامی نصب العین کے ساتھ ساتھ خود مسلمانوں کو بھی نقصان پہونچا سکتی ہے۔

معارف الحدیث

(مسلسل)

سجدہ کی فضیلت :-

عَنْ مَعْدَانَ بْنِ طَلْحَةَ قَالَ لَقِيْتُ ثَوْبَانَ مَوْلَى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ اَخْبِرْنِىْ بِعَمَلٍ اَعْمَلُهُ يُدْخِلُنِىَ اللّٰهُ بِهِ الْجَنَّةَ فَسَكَتَ ثُمَّ سَأَلْتُهُ فَسَكَتَ ثُمَّ سَأَلْتُهُ الثَّالِثَةَ فَقَالَ سَأَلْتُ عَنْ ذَالِكَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ عَلَيْكَ بِكَثْرَةِ السُّجُوْدِ لِلّٰهِ فَاِنَّكَ لَا تَسْجُدُ لِلّٰهِ سَجْدَةً اِلَّا رَفَعَكَ اللّٰهُ بِهَا دَرَجَةً وَحَطَّ بِهَا عَنْكَ خَطِيْئَةً قَالَ مَعْدَانُ ثُمَّ لَقِيْتُ اَبَا الدَّرْدَاءِ فَسَأَلْتُهُ فَقَالَ لِىْ مِثْلَ مَا قَالَ ثَوْبَانُ ——— (رواہ مسلم)

(ترجمہ) معدان بن طلحہ تابعی کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام اور خادم خاص حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے میری ملاقات ہوئی تو میں نے ان سے عرض کیا کہ مجھے کوئی ایسا عمل بتائیے جس کے کرنے سے اللہ تعالیٰ مجھے جنت عطا فرما دے! انھوں نے خاموشی اختیار فرمائی اور میری بات کا کوئی جواب نہیں دیا، میں نے دوبارہ وہی سوال کیا انھوں نے اس مرتبہ بھی کوئی جواب نہیں دیا اور سکوت اختیار فرمایا ——— اس کے بعد تیسری مرتبہ میں نے پھر وہی سوال کیا تو انھوں نے فرمایا کہ یہی سوال میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا تھا تو آپ نے

فرمایا تھا کہ: "تم اللہ کے حضور میں سجدے زیادہ کیا کرو، جو سجدہ بھی تم اللہ کے لئے کروگے اُس کے صلہ میں اللہ تعالیٰ تمہارا درجہ ضرور بلند کرے گا اور تمہارا کوئی نہ کوئی گناہ اس کی وجہ سے ضرور معاف ہوگا" ــــــ معدان کہتے ہیں کہ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دوسرے صحابی حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضری کا مجھے موقع ملا تو اُن سے بھی میں نے یہی سوال کیا، انھوں نے بھی بالکل وہی بتایا جو حضرت ثوبانؓ نے فرمایا تھا ــــــ (صحیح مسلم)

عَنْ رَبِيْعَةَ بْنِ كَعْبٍ قَالَ كُنْتُ أَبِيْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَتَيْتُهُ بِوَضُوْئِهِ وَحَاجَتِهِ فَقَالَ لِيْ سَلْ فَقُلْتُ أَسْأَلُكَ مُرَافَقَتَكَ فِي الْجَنَّةِ، قَالَ أَوْ غَيْرَ ذَالِكَ؟ قُلْتُ هُوَ ذَالِكَ، قَالَ فَأَعِنِّيْ عَلٰى نَفْسِكَ بِكَثْرَةِ السُّجُوْدِ ــــــ (رواہ مسلم)

(ترجمہ) ربیعہ بن کعب اسلمی (جو اصحابِ صفہ میں سے تھے اور سفر و حضر میں اکثر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم خاص کی حیثیت سے آپ کے ساتھ رہتے تھے) بیان فرماتے ہیں کہ میں ایک رات کو حضور کے ساتھ اور آپ کی خدمت میں تھا (جب آپ تہجد کیلئے رات کو اُٹھے) تو میں وضو کا پانی اور دوسری ضروریات لیکر حاضر خدمت ہوا تو آپ نے (مسرت اور انبساط کے ایک خاص عالم میں) مجھ سے فرمایا: "ربیعہ کچھ مانگو!" (آپ کا مطلب یہ تھا کہ تمہارے دل میں اگر کسی خاص چیز کی چاہت اور آرزو ہو، تو اس وقت مانگ لو، میں اللہ تعالیٰ سے اُس کے لئے دعا کروں گا، اور اُمید ہے کہ وہ تمہاری مراد پوری کردے گا۔ ربیعہ کہتے ہیں) میں نے عرض کیا: میری مانگ یہ ہے کہ جنت میں آپ کی رفاقت نصیب ہو! ــــ آپ نے فرمایا: یہی، یا اس کے سوا کچھ اور؟ ــــ میں نے عرض کیا: میں تو بس یہی مانگتا ہوں! ــــ آپ نے فرمایا: تو اپنے اس معاملہ میں سجدوں کی کثرت کے ذریعہ میری مدد کرو ــــــ (صحیح مسلم)

(تشریح) مقربین بارگاہِ خداوندی پر کبھی کبھی ایسے احوال آتے ہیں کہ وہ محسوس کرتے ہیں کہ اس وقت

رحمت حق متوجہ ہے، اور جو کچھ مانگا جائے امید ہے کہ انشاء اللہ مل ہی جائیگا، بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ربیعہ بن مالک کی خدمت سے متاثر ہو کر ان سے فرمایا کہ "سَلْ" (جس چیز کی تمھیں چاہت ہو وہ مانگو) غالباً وہ کوئی ایسی ہی گھڑی تھی، لیکن جب انھوں نے اس کے جواب میں "جنت میں حضورؐ کی رفاقت" مانگی، اور مکرر دریافت کرنے پر بھی یہی کہا کہ "مجھے تو بس یہی چاہیئے اس کے سوا کچھ نہیں" تو آپ نے اُن سے فرمایا کہ: "فَاَعِنِّيْ عَلٰى نَفْسِكَ بِكَثْرَةِ السُّجُوْدِ" (پھر اپنے اس معاملہ میں میری مدد کرو سجدوں کی کثرت کے ذریعہ) گویا اس ارشاد کے ذریعہ آپ نے ان کو بتایا کہ تم جو جنت میں میری رفاقت چاہتے ہو یہ بہت بلند درجہ اور عظیم مرتبہ ہے، میں تمھارے واسطے اللہ تعالیٰ سے اس کے لئے دعا کرتا ہوں اور کروں گا لیکن اتنا بلند مقام حاصل ہونے کے لئے ضروری ہے کہ تم بھی اس کا استحقاق پیدا کرنے کے لئے عملی کوشش کرو، اور وہ خاص عمل جو اس منزل تک پہونچانے میں خصوصیت کیساتھ مددگار ہو سکتا ہے اللہ کے حضور میں سجدوں کی کثرت ہے لہٰذا تم اس کا خاص اہتمام کر کے اپنے اس معاملہ میں میری مدد کرو، اور اپنے عمل سے میری دُعا کو قوت پہونچاؤ۔

واضح رہے کہ حضرت ربیعہؓ کی اس حدیث اور اس سے اوپر والی حضرت ثوبانؓ کی حدیث میں کثرتِ سجود سے مراد نمازوں کی کثرت ہے، لیکن چونکہ جنت اور اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت کے حاصل ہونے میں نماز کے دوسرے ارکان و اجزاء سے زیادہ سجدہ کو دخل ہے، اس لئے بجائے کثرتِ صلوٰۃ کے کثرتِ سجود کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ واللہ اعلم

قعدہ، تشہد اور سلام:—

نماز کا خاتمہ قعدہ اور سلام پر ہوتا ہے، یعنی یہ دونوں اُس کے آخری اجزاء ہیں، ہاں اگر نماز تین یا چار رکعت والی ہو تو پہلی دو رکعت پڑھنے کے بعد ایک دفعہ درمیان میں بھی بیٹھا جاتا ہے اور اُس کو قعدۂ اولیٰ کہتے ہیں، لیکن اس میں صرف تشہد پڑھ کر کھڑے ہو جاتے ہیں، اور تیسری یا چوتھی رکعت پڑھنے کے بعد دوبارہ بیٹھتے ہیں اور اس میں تشہد کے بعد درود شریف بھی پڑھنے کے بعد سلام پر نماز ختم کر دی جاتی ہے ——— ذیل کی حدیثوں سے معلوم ہوگا کہ قعدہ کا صحیح طریقہ کیا ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کس طرح قعدہ فرماتے تھے، اور

اس میں کیا پڑھنے کی آپ نے تعلیم دی ہے، اور سلام پر کس طرح نماز ختم کرنی چاہئے۔

قعدہ کا صحیح اور مسنون طریقہ :—

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ کَانَ اِذَا جَلَسَ فِی الصَّلٰوةِ وَضَعَ یَدَیْهِ عَلٰی رُکْبَتَیْهِ وَرَفَعَ اِصْبَعَهُ الْیُمْنٰی الَّتِیْ تَلِی الْاِبْهَامَ فَدَعَا بِهَا وَیَدَهُ الْیُسْرٰی عَلٰی رُکْبَتِهٖ بَاسِطَهَا عَلَیْهَا ——— (رواہ مسلم)

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز میں بیٹھتے تھے تو اپنے دونوں ہاتھ گھٹنوں پر رکھ لیتے تھے اور داہنے ہاتھ کے انگوٹھے کے برابر والی انگلی (انگشتِ شہادت) کو اٹھا کر اس سے اشارہ فرماتے تھے اور اس وقت بایاں ہاتھ آپ کا بائیں گھٹنے پر ہی دراز ہوتا تھا (یعنی اس سے آپ کوئی اشارہ نہیں فرماتے تھے)۔ (صحیح مسلم)

(تشریح) قعدہ میں کلمۂ شہادت کے وقت انگشتِ شہادت کا اٹھانا اور اشارہ کرنا حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے علاوہ دوسرے صحابۂ کرامؓ نے بھی روایت کیا ہے، اور بلاشبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے، اور اس کا مقصد بظاہر یہی ہے کہ جس وقت نمازی اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہہ کر اللہ تعالیٰ کے وحدہٗ لاشریک ہونے کی شہادت دے رہا ہو اس وقت اس کا دل بھی توحید کے تصور اور یقین سے لبریز ہو اور ہاتھ کی ایک انگلی اٹھا کر جسم سے بھی اس کی شہادت دی جا رہی ہو۔ بلکہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی اسی حدیث کی بعض روایات میں یہ اضافہ بھی ہے کہ انگشتِ شہادت کے اس اشارہ کے ساتھ آپ آنکھ سے بھی اشارہ فرماتے تھے (وَاَتْبَعَهَا بَصَرَهٗ) اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ ہی نے اس اشارہ کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بھی نقل فرمایا ہے :—

لَهِیَ اَشَدُّ عَلَی الشَّیْطَانِ مِنَ الْحَدِیْدِ۔ — انگشتِ شہادت کا یہ اشارہ شیطان کیلئے لوہے کی دھار دار چھری اور تلوار سے زیادہ تکلیف دہ ہوتا ہے۔

(مشکوٰۃ بحوالہ مسند احمد)

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ اَنَّهٗ كَانَ يَرَى عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ يَتَرَبَّعُ فِي الصَّلٰوةِ اِذَا جَلَسَ فَفَعَلْتُهٗ وَاَنَا يَوْمَئِذٍ حَدِيْثُ السِّنِّ فَنَهَانِيْ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ وَقَالَ اِنَّمَا سُنَّةُ الصَّلٰوةِ اَنْ تَنْصِبَ رِجْلَكَ الْيُمْنٰى وَتَثْنِيَ الْيُسْرٰى فَقُلْتُ اِنَّكَ تَفْعَلُ ذَالِكَ فَقَالَ اِنَّ رِجْلَايَ لَا تَحْمِلَانِيْ ـــــــ (رواہ البخاری)

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے فرزند عبداللہ سے روایت ہے کہ وہ اپنے والد ماجد (حضرت عبداللہ بن عمرؓ) کو دیکھتے تھے کہ وہ نماز میں چار زانو بیٹھتے تھے (کہتے ہیں کہ والد ماجد کی پیروی میں) میں بھی اسی طرح چار زانو بیٹھنے لگا۔ حالانکہ میں اُس وقت بالکل نوعمر تھا، تو والد ماجد نے مجھے اس طرح بیٹھنے سے منع فرمایا اور مجھے بتایا کہ نماز میں بیٹھنے کا شرعی طریقہ یہ ہے کہ اپنا داہنا پاؤں کھڑا کرو، اور بایاں پاؤں موڑ کر بچھاؤ، میں نے عرض کیا کہ خود آپ جو چار زانو بیٹھتے ہیں؟ انھوں نے فرمایا کہ (میں مجبوری اور معذوری کی وجہ سے اس طرح بیٹھتا ہوں) میرے پاؤں اب میرا بوجھ نہیں سہارتے۔ (صحیح بخاری)

(تشریح) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے ایک صاحبزادے کا نام بھی عبداللہ ہی تھا، یہ انھیں کا واقعہ ہے جو مذکور ہوا، حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو اللہ تعالیٰ نے طویل عمر عطا فرمائی ۸۴ سال اور ایک روایت کے مطابق ۸۶ سال کی عمر میں ان کی وفات ہوئی، اخیر عمر میں ضعف پیری کی وجہ سے وہ نماز میں سنّت کے مطابق اپنے پاؤں پر نہیں بیٹھ سکتے تھے، اس وجہ سے مجبوراً چار زانو بیٹھنا پڑتا تھا، (اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اُن کے پاؤں میں کوئی خاص تکلیف تھی اس کی وجہ سے وہ قعدہ میں سنّت کے مطابق بیٹھنے سے معذور تھے) بہرحال اُن کے صاحبزادہ عبداللہ نے بھی حضرت ان کی تقلید اور پیروی میں ان ہی کی طرح چار زانو بیٹھنا شروع کردیا (اگرچہ وہ اُس وقت بقول خود بوڑھے نہیں بلکہ نوعمر اور نوجوان تھے) حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے ان کو ایسا کرتے دیکھا تو منع فرمایا اور بتایا کہ نماز میں بیٹھنے کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ داہنا پاؤں کھڑا کیا جائے اور بایاں پاؤں موڑ کر اُس پر بیٹھا جائے، اور اپنے متعلق فرمایا کہ میں معذوری کی وجہ سے چار زانو بیٹھتا ہوں میرے پاؤں میرے جسم کا بوجھ سہارنے کے قابل نہیں ہیں ـــــــ حضرت عبداللہ بن عمرؓ

کے آخری الفاظ "ان رِجْلَایَ لَا تَحْمِلَانِی" (میرے دونوں پاؤں میرا بوجھ نہیں سہار سکتے) سے یہ بات صاف سمجھ میں آتی ہے کہ اُن کے نزدیک قعدہ کا مسنون طریقہ وہ تھا جس میں آدمی کے جسم کا بوجھ اس کے دونوں پاؤں پر رہتا ہے، اور وہ وہی ہے جس کو افتراش کہتے ہیں اور جو ہم لوگوں کا معمول ہے ——— شرح حدیث کے اسی سلسلہ میں زیرِ عنوان "نماز کس طرح پڑھی جائے" حضرت ابو حمید ساعدیؓ کی وہ روایت مذکور ہو چکی ہے جس میں آخری قعدہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک دوسرے طریقے پر بیٹھنا بھی ذکر کیا گیا ہے جس کو "تورّک" کہتے ہیں۔ اور اس بارے میں ائمہ اور شارحینِ حدیث کے مختلف نقطہ ہائے نظر کا بھی وہیں ذکر کیا جا چکا ہے۔

قعدۂ اولیٰ میں اختصار اور عجلت :-

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا جَلَسَ فِي الرَّكْعَتَيْنِ كَأَنَّهُ عَلَى الرَّضْفِ حَتّٰى يَقُوْمَ ———

(رواہ الترمذی والنسائی)

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب پہلی دو رکعتوں پر بیٹھتے تھے (یعنی قعدۂ اولیٰ فرماتے تھے) تو آپ اتنی جلدی کرتے تھے جیسے کہ آپ تپتے پتھروں پر بیٹھے ہیں، یہاں تک کہ تیسری رکعت کیلئے کھڑے ہو جاتے تھے۔　　(جامع ترمذی، سنن نسائی)

(تشریح) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس دوامی طرزِ عمل سے یہ سمجھا گیا ہے کہ قعدۂ اولیٰ میں صرف تشہد پڑھ کے جلدی سے کھڑا ہو جانا چاہئے۔

تشہد :-

عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ عَلَّمَنِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ التَّشَهُّدَ كَفِّيْ بَيْنَ كَفَّيْهِ كَمَا يُعَلِّمُنِي السُّوْرَةَ مِنَ الْقُرْآنِ اَلتَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ وَالصَّلَوَاتُ وَالطَّيِّبَاتُ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ

وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَكَاتُهُ اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللهِ الصَّالِحِيْنَ
اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ
وَرَسُوْلُهٗ ——— (رواہ البخاری ومسلم)

(ترجمہ) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حالت میں کہ میرا ہاتھ آپ کے دونوں ہاتھوں کے درمیان تھا مجھے تشہد تعلیم فرمایا جس طرح کہ آپ قرآن مجید کی سورتیں تعلیم فرماتے تھے (آپ نے مجھے تلقین فرمایا)۔

اَلتَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ وَالصَّلَوٰاتُ وَالطَّيِّبَاتُ .... الخ

(ترجمہ) ادب و تعظیم اور اظہار نیاز کے سارے کلمے اللہ ہی کے لئے ہیں اور تمام عبادات اور تمام صدقات اللہ ہی کے واسطے ہیں (اور میں ان سب کا نذرانہ اللہ کے حضور میں پیش کرتا ہوں) ——— تم پر سلام ہو اے نبی اور اللہ کی رحمت اور اس کی برکتیں ——— سلام ہو ہم پر اور اللہ کے سب نیک بندوں پر ——— میں شہادت دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت اور بندگی کے لائق نہیں (صرف وہی معبود برحق ہے) ——— اور میں اسکی بھی شہادت دیتا ہوں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اُسکے بندے اور اُسکے پیغمبر ہیں۔

(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرامؓ کو جو کچھ سکھاتے اور بتاتے تھے اس میں سب سے زیادہ اہتمام آپ قرآن مجید کی تعلیم کا فرماتے تھے لیکن تشہد (التحیات) کی تعلیم و تلقین آپ نے اُسی خاص الخاص اہتمام سے فرمائی جس اہتمام سے آپ قرآن مجید کی کسی سورت کی تعلیم دیتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا ہاتھ اس وقت اپنے دونوں ہاتھوں کے درمیان پکڑنا بھی اسی سلسلہ کی ایک چیز تھی، اور طحاوی کی ایک روایت میں ہے کہ آپ نے ابن مسعودؓ کو یہ تشہد ایک ایک کلمہ کر کے تلقین فرمایا جس طرح کہ بچوں یا ان پڑھوں کو کوئی اہم چیز یاد کرائی جاتی ہے۔ اور مسند احمد کی ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ آپ نے عبداللہ بن مسعودؓ کو یہ تشہد تعلیم فرمایا اور ان کو حکم دیا کہ وہ دوسروں کو اس کی تعلیم دیں ———

تشہد، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے علاوہ حضرت عمرؓ حضرت عبداللہ بن عباسؓ حضرت عائشہ صدیقہؓ اور بعض اور صحابہ کرامؓ سے بھی مروی ہے، اور ان روایات میں ایک دو لفظوں کا بہت معمولی سا

فرق بھی ہے لیکن محدثین کا اس پر اتفاق ہے کہ سند اور روایت کے لحاظ سے حضرت ابن مسعودؓ کے اس تشہد ہی کو ترجیح ہے، اگرچہ دوسری روایات بھی صحیح ہیں اور اُن میں وارد شدہ تشہد بھی پڑھا جا سکتا ہے۔

بعض شارحین حدیث نے ذکر کیا ہے کہ یہ تشہد شب معراج کا مکالمہ ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب بارگاہِ قدوسیت میں شرف حضوری نصیب ہوا تو آپ نے نذرانۂ عبودیت اس طرح پیش کیا، اور گویا اس طرح سلامی دی:-

التحیاتُ للهِ والصّلواتُ والطّیّباتُ

اللہ تعالیٰ کی طرف سے ارشاد ہوا:-

السّلامُ علیكَ ایُّها النّبیُّ ورحمةُ اللهِ وبرکاتُهٗ

آپ نے جواباً عرض کیا:-

السّلامُ علینا وعلیٰ عبادِ اللهِ الصّالحین

اسکے بعد (عہد ایمان کی تجدید کے طور پر) مزید عرض کیا:-

اشهد ان لّا الٰه الّا اللہ واشهد انّ محمّداً عبدهٗ ورسولهٗ

ان شارحین نے لکھا ہے کہ نماز میں اس مکالمہ کو شب معراج کی یادگار کے طور پر جوں کا توں لے لیا گیا ہے، اور اسی وجہ سے "اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ اَیُّهَا النَّبِی" میں خطاب کی ضمیر کو برقرار رکھا گیا ہے۔

یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ صحیح بخاری وغیرہ میں خود حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ تشہد میں "السّلام علیكَ ایُّها النّبی" ہم حضورؐ کی حیات طیبہ میں اُس وقت کہا کرتے تھے جب آپ ہمارے ساتھ اور ہمارے درمیان ہوتے تھے، پھر جب آپ کا وصال ہو گیا تو ہم بجائے اسکے "السّلام علی النّبی" کہنے لگے۔

لیکن جمہور امت کے عمل سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے جو لفظ تلقین فرمایا تھا (یا معراج کے مکالمہ والی مشہور عام روایت کی بنیاد پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو لفظ ارشاد ہوا تھا) یعنی "السّلامُ علیكَ ایُّها النّبیُّ" حضورؐ کے وصال کے بعد بھی بطور یادگار اُسی کو جوں کا توں

تجلیاتِ مجددِ الفِ ثانیؒ

مکتوبات کے آئینے میں

مترجمہ ——— مولانا نسیم احمد فریدی امروہی

مکتوب (۳۰۳) حاجی محمد یوسف مؤذّن کے نام (کلماتِ اذان کے معنی میں)

بعد الحمد والصلوٰۃ ——— جاننا چاہیے کہ کلماتِ اذان (مکررات کو چھوڑ کر اور آخری تکبیر کو لے کر) سات ہیں۔

اللہ اکبر ——— یعنی اللہ تعالیٰ بلند تر اور بالاتر ہے اس بات سے کہ کسی عابد کی عبادت اُسے درکار ہو ——— اس کلمہ کی (شروع میں) چار مرتبہ تکرار کی جاتی ہے تاکہ اس عظیم الشان معنی کی تاکید ہو جائے۔

اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ——— یعنی میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی مستحقِ عبادت نہیں ہے۔ نیز وہ عظمت و کبریائی کے ساتھ ساتھ کسی عبادت گذار کی عبادت سے بے پرواہ ہے۔ (اس کو کسی کی عبادت کی احتیاج و ضرورت نہیں)

اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ ——— یعنی میں گواہی دیتا ہوں کہ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں اور اُس کی طرف سے طریقِ عبادت کے مُبلّغ ہیں۔ پس کوئی عبادت اس وقت تک درگاہِ قدس کے لائق نہیں ہو سکتی جب تک وہ آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم کی تبلیغ و رسالت سے حاصل نہ کی گئی ہو۔

حَیَّ علی الصَّلوٰۃ ———— (آؤ طرف نماز کے)

حَیَّ علی الفَلاح ———— (آؤ طرف فلاح و بہبودی کے)

یہ دونوں کلمے نمازی کو دعوت دینے کے لیے ہیں، اس نماز کی طرف جو فلاح و بہبودی کی طرف پہونچاتی ہے۔

اللہ اکبر ———— (یہ کلمہ آخر میں ایک مستقل معنی ظاہر کرتا ہے) یعنی اللہ تعالیٰ بالاتر ہو۔ اس بات سے کہ کسی کی بھی عبادت اُس کی جناب قدس کے لائق ہو۔

لا إلٰہَ إلا اللّٰہ ———— یعنی لامحالہ اللہ تعالیٰ ہی مستحق عبادت ہے ———— اگرچہ کسی سے بھی ایسی عبادت صادر نہ ہو جو اس کی شانِ اقدس کے لائق ہو ———— بلندیٔ شانِ نماز ان کلمات کی بلندی سے ———— جو کہ اطلاعِ نماز کے لیے وضع کیے گئے ہیں معلوم کرنا چاہیے۔

ع۔ سالے کہ نکوست از بہارش پیدا

اے اللہ! مجھے اُن نمازیوں میں سے بنا دے جو فلاح یاب ہیں ——— صدقے میں سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے۔

مکتوب (۳۰۴) مولانا عبد الحیؒ[۵۱] کے نام (اعمالِ صالحہ کے بیان میں)

بعد الحمد و الصلوٰۃ ———— واضح ہو ———— اللہ تعالیٰ تمھیں سعادت مند کرے

مدت تک مجھے یہ تردد رہا کہ مراد اعمالِ صالحہ سے کیا ہے؟ جن سے حضرت حق جل مجدہٗ

---

[۵۱] آپ حصار شادمان (علاقہ اصفہان) کے باشندے تھے۔ سالہا سال آستان مجددیؒ پر رہ کر ترقیاتِ روحانی سے ہم آغوش ہوئے۔ بہت سے اسرار و معارف کو حضرت مجدد الف ثانیؒ کی زبانِ فیض ترجمان سے سنا تھا۔ صاحبزادۂ گرامی قدر حضرت خواجہ محمد معصوم سرہندیؒ کی فرمائش پر مکتوبات کا دفتر ثانی آپ ہی نے جمع فرمایا ہے۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ نے تعلیم طریقت کی اجازت دے کر آپ کو شہر پٹنہ روانہ فرمایا تھا۔ آپ نے ۱۰۵۰ھ میں وفات پائی۔ (زبدۃ المقامات و تذکرۃ العابدین) الفرقان مجدد الف ثانیؒ نمبر میں تذکرۂ خلفائے مجدد الف ثانیؒ کے ذیل میں آپ کا تذکرہ قدرے تفصیل سے ہے۔

نے قرآن کی اکثر آیات میں دخول بہشت کے وعدے کو متعلق کیا ہے ـــــــ آیا جمیع اعمالِ صالحہ ہیں یا بعض؟ اگر تمام اعمالِ صالحہ مراد ہیں تو دشوار ہے۔ اس لیے کہ ایسا کم ہے کہ کوئی شخص تمام اعمال صالحہ کی توفیق دیا گیا ہو ـــــــ اگر بعض اعمالِ صالحہ مراد ہیں تو وہ غیر معین ہیں ـــــ آخر محض اللہ تعالیٰ کے فضل سے میرے دل میں یہ بات ڈالی گئی کہ اعمال صالحہ سے مراد ارکانِ خمسۂ اسلام (شہادتِ توحید و رسالت، نماز، زکوٰۃ، روزہ، حج) ہیں۔ جن پر بنیادِ اسلام ہے، اگر اگر یہ اصول پنجگانۂ اسلام پورے طریقے سے ادا ہو جائیں تو نجات و فلاح نقدِ وقت ہے ـــ اس لیے کہ یہ پانچوں اعمال حقیقی و ذاتی حیثیت سے اعمال صالحہ ہیں نہ کہ اضافی طور پر ـــــ اور یہی اعمال برائیوں اور مخالفِ شریعت باتوں سے بھی روکنے والے ہیں۔

(مثلاً نماز ہی کو دیکھو۔ اس کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے) إِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ۔ "بیشک نماز فحش باتوں اور بُری باتوں سے منع کرتی ہے۔" یہ آیت میرے قول کی گواہ ہے ـــ جب ان اصولِ پنجگانہ کی ادائیگی میسر ہو گی تو امید ہے کہ شکرِ خداوندی بھی ادا ہو۔ اور جب شکر ادا ہوا تو عذاب سے نجات حاصل ہوئی ـــــــ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ إِنْ شَكَرْتُمْ وَاٰمَنْتُمْ ـــــــ یعنی اللہ تعالیٰ تمہیں عذاب دے کر کیا کرے گا اگر تم اس کا شکر ادا کرتے رہو اور اس پر ایمان لے آؤ ـــــــ پس ان پانچوں اعمال کی ادائیگی میں جان و دل کے ساتھ کوشش کرنی چاہیے ـــــ علی الخصوص اقامتِ نماز میں جو کہ دین کا ستون ہے ـــــــ حتی الامکان آدابِ نماز میں سے کسی ادب کو بھی ترک کرنے پر راضی نہ ہونا چاہیے ـــــ اگر نماز کو اچھی طرح پڑھ لیا تو اسلام کے ایک رکنِ عظیم کو پا لیا اور خلاصیٔ نجات کے لیے ایک مضبوط ذریعے کو حاصل کر لیا۔ اللہ تعالیٰ ہی اس کی توفیق دینے والے ہیں ـــ

ـــــ واضح ہو کہ نماز میں تکبیر اولیٰ اس جانب اشارہ کر رہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کو استغنا ہے عابدوں کی عبادت اور نمازیوں کی نماز سے ـــــ اور وہ تکبیریں جو ہر رکن نماز کے بعد ہیں وہ رموز و اشارات ہیں اس جانب کہ ہم کسی رکن کو بھی اس طرح ادا نہیں کر سکتے کہ وہ عبادت کہا جا سکے ـــــــ تسبیح رکوع (سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيْمِ) میں چونکہ تکبیر کے معنی ملحوظ و مدنظر ہیں اس لیے رکوع کے آخر میں تکبیر کہنے کا حکم نہیں فرمایا گیا (بلکہ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ کہنے

حکم فرمایا) ـــــ بخلاف دونوں سجدوں کے کہ ان میں بھی اگرچہ تسبیحات ہیں، پھر بھی اول وآخر تکبیر کہنے کا حکم فرمایا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ کوئی اس وہم میں مبتلا نہ ہو جائے کہ سجدے سے جو کہ انتہائی پستی و انکسار کو ظاہر کرتا ہے ـــــ حق عبادت ادا ہو جاتا ہے ـــــ اور اسی وہم کو دور کرنے کے لیے تسبیح سجود (سُبْحَانَ رَبِّیَ الاعلیٰ) میں لفظ اعلیٰ کو اختیار فرمایا گیا ہے اور اسی لیے تکرار تکبیر مسنون ہوئی ـــــ چونکہ نماز معراج مومن ہے اس لیے نماز کے آخر میں وہ کلمات پڑھنے کے لیے مقرر کیے گئے ہیں جن سے شب معراج میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مشرف ہوئے تھے ـــــ پس نمازی کو چاہیے کہ وہ اپنی نماز کو اپنے لیے آلۂ عروج و بلندی بنائے اور انتہائی قرب خداوندی نماز میں ڈھونڈھے ـــــ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ "نماز میں بندہ اپنے رب سے بہت زیادہ قریب ہوتا ہے" ـــــ چونکہ نمازی باری تعالیٰ سے مناجات کرنے والا اور اس کی عظمت اور اس کے جلال کا مشاہدہ کرنے والا ہوتا ہے، نیز ادائیگی نماز کا وقت ایسا وقت ہے کہ اس میں رعب و خوف کی کیفیت پیدا ہو اس لیے اس کی تسلی کے لیے دو سلاموں سے نماز کو ختم کرایا گیا ـــــ اور حدیث نبوی میں جو آیا ہے کہ بعد نماز فرض سبحان اللہ، الحمد للہ، اللہ اکبر، اور لا الٰہ الا اللہ وحدہ لاشریک لہٗ، لہ الملک وله الحمد وھو علیٰ کل شیئٍ قدیر کو مجموعی طور پر سو مرتبہ پڑھا جائے (یعنی ۳۳ مرتبہ سبحان اللہ ۳۳ مرتبہ الحمد للہ، ۳۳ مرتبہ اللہ اکبر اور ایک مرتبہ لا الٰہ الا اللہ الخ) فقیر کے علم میں اس کا راز یہ ہے کہ نماز میں جو کچھ قصور واقع ہوا ہو اس کی تلافی تسبیح و تکبیر سے کرنا اور اپنی عبادت کی ناقابلیت اور ناتمامی کا اقرار کرنا چاہیے۔ اور چونکہ ادائیگی عبادت توفیق خداوندی سے میسر ہوئی ہے اس لیے الحمد للہ کہہ کر اس نعمت کا شکر بھی بجا لانا چاہیے۔ اور (لا الٰہ الا اللہ کہہ کر) ماسوا اللہ سے استحقاق عبادت کی نفی کرنا چاہیے ـــــ امید ہے کہ جب نماز شرائط و آداب کا لحاظ کر کے پڑھی جائے گی اور بعد نماز تلافی تقصیر و کوتاہی، شکر گذاری نعمت توفیق اور غیر اللہ کی عبادت کے استحقاق کی نفی ان کلمات طیبات کے ساتھ (جو کہ بعد نماز فرض پڑھے جاتے ہیں) کی جائے گی تو وہ نماز شایان قبول خداوندی ہوگی اور ایسی نماز کا پڑھنے والا فلاح یاب نمازی ہوگا ـــــ اے اللہ تو مجھے فلاح پانے والے نمازیوں میں سے کر دے بحرمت سید المرسلین

صلی اللہ علیہ وسلم۔

مکتوب (۳۰۵) میر محب اللہ[1] کے نام

[فرق درمیان نماز مبتدی و عامی و درمیان نماز منتہی]

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ——— الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ۔

جاننا چاہیے ——— خدا تم کو سیدھا راستہ دکھلائے ——— کہ نماز کا مکمل ہونا اور اس کا کمال، فقیر کے نزدیک اس کے فرائض وواجبات اور سنن ومستحبات کا ادا کرنا ہے۔ جس کو کتب فقہ میں تفصیل سے بیان کر دیا گیا ہے ——— ان چار امور کے علاوہ اور کوئی امر ایسا نہیں ہے جس کو نماز کی تکمیل میں کوئی دخل ہو ——— خشوع ان ہی چاروں امور میں مندرج اور خضوع ان ہی امور سے وابستہ ہے ——— کچھ لوگ ایسے ہیں جو ان ہی امور چہارگانہ کے علم کو کافی سمجھتے ہیں اور عمل میں سستی اور کوتاہی کرتے ہیں، یقیناً یہ لوگ کمالات نماز سے قلیل النصیب ہیں ——— کچھ لوگ ایسے ہیں جو نماز میں حق تعالیٰ کے ساتھ حضورِ قلب کا اہتمام تو کرتے ہیں، لیکن اعضاء کے اعمال ادبیہ (مستحبات) کی طرف کم متوجہ ہوتے ہیں صرف فرائض (وواجبات) اور سنن پر اکتفا کر لیتے ہیں۔ یہ لوگ بھی حقیقتِ نماز سے آگاہ نہیں ہوئے ہیں اور کمالِ نماز کو غیر نماز سے تلاش کرتے ہیں۔ اس لیے کہ حضورِ قلب کو احکام نماز میں نہیں شمار کیا گیا ہو اور وہ جو ایک

---

[1] میر محب اللہ مانک پوری ——— آپ حضرت مجدد الف ثانیؒ کے خلفاء میں سے ہیں۔ اول قدوۃ المشائخ شیخ محمد بن فضل اللہ برہانپوری قدس سرہٗ کی خدمت کی اور ایک مدت تک وہاں رہ کر اجازت وخلافت حاصل کی۔ اس کے بعد میر محمد نعمانؒ کی خدمت میں پہنچے اور ان سے سلسلۂ نقشبندیہ کا ذکر لیا۔ میر صاحب کی مجلس میں برابر حضرت مجدد الف ثانیؒ کی تعریف وتوصیف اور مکتوبات کا مذاکرہ رہتا تھا اسلئے آپ کو حضرت کی خدمت وبیعت کا شوق پیدا ہوا، بارگاہِ مجددی میں پہنچے اور مدتوں خوشہ چینیٔ فیوض کرتے رہے بالآخر حضرت نے آپ کو خلافت سے سرفراز فرما کر مانکپور روانہ فرمایا۔ مانکپور کچھ عرصے رہنے کے بعد آپ نے اپنے اہل وطن کی شکایت لکھی کہ وہ اذیت پہنچاتے ہیں، حضرت نے صبر وتحمل کی تلقین فرمائی لیکن آپ نے مانکپور سے منتقل ہونے کے لیے منت وسماجت کے ساتھ اجازت چاہی تو حضرت نے آپ کو تحریر فرمایا کہ "اب تم الٰہ آباد میں کوئی یکسوئی کی جگہ اختیار کر لو اور اپنے اوقات ذکر الٰہی میں بسر کرو۔"

حدیث نقل کی جاتی ہے لَا صَلٰوۃَ اِلَّا بِحُضُوْرِ الْقَلْبِ تو ہوسکتا ہو کہ اس میں حضورِ قلب سے مراد امورِ مذکورہ (امورِ چہارگانہ) میں حضورِ قلب ہو (یعنی دل کی توجہ اور خیال کے ساتھ نماز کے تمام فرائض و واجبات اور سنن و مستحبات کا ادا کرنا تاکہ کوئی کوتاہی ان امور کی ادائیگی میں واقع نہ ہونے پائے) اس کے علاوہ اور کوئی حضورِ قلب فقیر کی سمجھ میں نہیں آتا ——

اگر سوال کیا جائے کہ جب نماز کی تکمیل اور اس کا کمال امورِ چہارگانہ کے ساتھ وابستہ ہوا اور کوئی دوسری بات ان امور کے علاوہ کمالِ نماز کے لیے ملحوظ نہ رہی تو پھر نمازِ منتہی اور نمازِ مبتدی وعامی کے درمیان (جبکہ مبتدی وعامی) ان چاروں کو بجالاتا ہے —— کیا فرق ہوگا؟ ——

(جواب یہ ہے کہ) فرق نمازی کے فرق سے ہے نہ کہ عمل کی راہ سے —— ایک عمل کے اجر و ثواب میں عاملوں اور کارکنوں کے فرق سے، فرق ہو جاتا ہے۔ جو عمل کہ عاملِ مقبول و محبوب سے وقوع میں آتا ہے اس کا اجر چند در چند ہوتا ہے اُس اجر کے مقابلے میں جو اس کے غیر کے عمل پر مرتب ہوتا ہے —— اس لیے کہ عامل جتنا عظیم الشان ہوگا اس کا عمل بھی اُسی قدر کثیر الاجر ہوگا...... پس نمازِ منتہی سے نتائج و ثمراتِ دنیوی کے ساتھ ساتھ آخرت کا اجرِ کثیر بھی مرتب ہوگا بخلاف نمازِ مبتدی وعامی کے ع چہ نسبت خاک را با عالمِ پاک۔

نمازِ منتہی کی خصوصیات میں سے کچھ بیان کرتا ہوں اسی سے (اُس کی حیثیت کو) قیاس کر لینا چاہیے —— کبھی ایسا ہوتا ہے کہ منتہی نماز کے اندر بوقتِ قراءتِ قرآن و بوقتِ ادائیگی تسبیحات و تکبیرات اپنی زبان کو شجرۂ موسوی کی طرح پاتا ہے اور اپنے قویٰ اور اعضاء کو آلات و وسائط سے زیادہ نہیں جانتا۔ اور کبھی یہ محسوس کرتا ہے کہ ادائیگی نماز کے وقت (اس کے) باطن و حقیقت نے (اُس کے) ظاہر و صورت سے اپنا تعلق پوری طرح منقطع کر لیا ہے اور وہ عالمِ غیب سے ملحق اور غیب سے مجہول الکیفیت نسبت پیدا کر لی ہے۔ جب نماز سے فارغ ہوتا ہے تو پھر اس عالم کی طرف رجوع کرتا ہے —— یا پھر اصل سوال کے جواب پر اکتفا کر کے کہتا ہوں کہ امورِ چہارگانہ (فرض، واجب، سنت، مستحب) کا تمام و کمال ادا کرنا منتہی کو ہی حاصل ہے۔ مبتدی وعامی ان امورِ چہارگانہ کو پورے طریقے سے ادا کرنے کی توفیق پانے سے دور ہے۔ ہر چند کہ مبتدی وعامی کے لیے (ان امور کا پوری طرح ادا کرنا، ممکن ہے (مگر ایسا ہوتا کم ہے) اس لیے کہ نمازِ خاشعین کے علاوہ

دوسروں پر دشوار واقع ہوتی ہے (جیسا کہ قرآن شریف میں ارشاد فرمایا گیا ہے) والسّلام۔

مکتوب (۳۰۶) مولانا محمد صالح[۵] کے نام

[اپنے مرحوم صاحبزادوں کے بعض کمالات کے بیان میں]

الحمد للہ وسلامٌ علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ ــــ برادرم ملا محمد صالح ــــ تم نے واقعات اہل سرہند کو سن لیا ہوگا ـ فرزند کلاں (خواجہ محمد صادقؒ) اپنے دو چھوٹے بھائیوں محمد فرخ اور محمد عیسیٰ کے ساتھ سفر آخرت اختیار کر گئے انا للہ وانا الیہ راجعون ــــ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے پہلے قوت صبر عطا فرمائی پھر ان حوادث کو نمودار کیا ، کسی نے خوب کہا ہے۔

من از تو روئے نہ پیچم گرم بیازاری
کہ خوش بود ز عزیزاں تحمل و خواری

فرزند مرحوم (محمد صادق) اللہ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی اور رحمتہائے رب العلمین میں سے ایک رحمت تھے ــــ چوبیس سال کی قلیل عمر میں انھوں نے وہ کچھ پایا کہ بہت کم لوگوں نے پایا ہوگا ــــ مولویت کی تکمیل کی اور پھر علوم نقلیہ وعقلیہ کی تعلیم وتدریس کو بحدّ کمال پہونچایا حتیٰ کہ اُن کے شاگرد (آج) بیضاوی ، شرح مواقف اور اسی قسم کی اونچے درجے کی کتابیں پڑھاتے ہیں ــــ ان کی معرفت و عرفان اور شہود وکشف کے واقعات اس بات سے مستغنی ہیں کہ ان کو بیان کیا جائے ــــ تم کو معلوم ہے کہ وہ آٹھ سال کی عمر میں اتنے مغلوب الحال ہو گئے تھے کہ ہمارے خواجہ قدس سرہٗ (حضرت خواجہ باقی باللہ مرحوم) ان کے واسطے ان کی حالت کو سکون میں لانے کے لیے بازار کا کھانا جو (بے احتیاطی کے باعث) مشکوک ومشتبہ ہوتا ہے ــــ تجویز فرمایا کرتے تھے ــــ اور یوں فرماتے تھے کہ مجھ کو جو محبت محمد صادق سے ہے کسی سے

---

[۵] مولانا محمد صالح کولابیؒ ــــ آپ حضرت مجدد الف ثانیؒ کے قدیم الایام مریدین میں سے ہیں، منکسر المزاج اور خاموش طبیعت تھے ــــ مدتوں آپ پیرو مرشد کی خدمت میں رہے بالآخر خلافت سے ممتاز ومشرف ہوئے ـ آپکے ذریعہ بہت سے طالبین معرفت کو روحانی فیض پہونچا ـ حضرت کو بارہا آپ کی تعریف فرماتے سنا گیا ہے ـ آپنے مخدوم زادوں کی فرمائش پر ایک رسالہ لکھا تھا جس میں حضرت مجدد الف ثانیؒ کے دن رات کے تمام معمولات کو جمع کیا تھا ــــ ۱۰۳۸ھ میں آپ کا وصال ہوا۔

بھی نہیں اور اسی طرح اس کو جو محبت مجھ سے ہے کسی سے نہیں ہے۔" اسی ایک بات سے اُن کی بزرگی کا اندازہ کرلیا جائے ۔۔۔۔ وہ ولایتِ موسوی کے نقطۂ آخر تک پہنچے ہوئے تھے اور اس مقام کے عجائب و غرائب بیان کرتے تھے۔ خشوع و خضوع کی کیفیت کے ساتھ ملتجی و متضرع نیز متذلل و منکسر تھے اور کہتے تھے کہ اولیاءِ حق میں سے ہر ایک نے حضرت حق سبحانہٗ سے کوئی نہ کوئی چیز مانگی ہے۔ میں نے اپنے لیے التجا و تضرع کو مانگا ہے۔

محمد فرخ کے بارہ میں کیا لکھوں وہ گیارہ سال کی عمر میں طالب علم ہوگئے تھے ۔۔۔ کافیہ پڑھتے تھے اور سمجھ کر پڑھتے تھے۔ ہمیشہ عذابِ آخرت سے ترساں و لرزاں رہتے تھے اور دعا کیا کرتے تھے کہ بچپن کے زمانے میں دنیا سے دوں کو الوداع کہہ دوں تاکہ عذابِ آخرت سے چھوٹ جاؤں۔ اُن کے مرض الموت میں جن دوستوں نے اُن کی تیمارداری کی تھی اُن سے عجائب و غرائب مشاہدہ کیے۔ محمد عیسیٰ کے خوارق کو جو اس کی آٹھ سال کی عمر تک لوگوں نے مشاہدہ کیے ۔۔۔ کیا لکھوں ۔۔۔ مختصر یہ کہ یہ تینوں فرزند جواہر نفیسہ تھے جو ہمارے پاس بطور امانت رکھ دیے گئے تھے۔ اللہ کا شکر ہے کہ ہم نے ان امانتوں کو بغیر کسی ناخوشی و ناراضگی کے اصل مالک کے حوالے کردیا ۔۔۔ اے اللہ ہمیں ان کی موت پر صبر کرنے کے ثواب سے محروم نہ کرنا اور ان کے بعد ہم کو آزمائش میں مبتلا نہ کرنا ۔۔۔ بطفیل سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم......

مکتوب (۳۰۷) مولانا عبدالواحد لاہوری[1] کے نام [سبحان اللہ وبحمدہٖ کے بیان میں]

بعد الحمد والصلوٰۃ ۔۔۔۔ جاننا چاہیے کہ عبادت گزار، عبادت کرتے وقت جو کچھ حسن و کمال

---

[1] آپ حضرت مجدد الف ثانیؒ کے قدیم خلفاء میں سے ہیں ۔ حضرت خواجہ باقی باللہؒ نے جس جماعت کو تربیتِ باطنی کی غرض سے حضرت مجددؒ کے سپرد فرمایا تھا ان میں سے آپ بھی تھے۔ کثیر العبادہ اور کثیر المراقبہ تھے۔ مولانا محمد ہاشم کشمیؒ نے زبدۃ المقامات میں لکھا ہے کہ ایک دن آپ مجھ سے فرمانے لگے کہ کیا جنت میں نماز ہوگی؟ میں نے کہا نہیں ۔۔ جنت میں نماز کہاں ہوگی، جنت تو جزائے اعمال کا محل ہے نہ کہ دار عمل، آپ نے یہ جواب سن کر ایک آہ سرد بھری اور رونے لگے اور حسرت آمیز لہجے میں فرمایا آہ! بے نماز کے جنت میں کیونکر بسر ہوگی؟

اپنی عبادت میں پاتا ہے وہ حسن و کمال توفیق خداوندی کی طرف راجع ہے اور خداوند کریم ہی کے حسن تربیت اور اس کے احسان سے ہے ـــــ اور جو کچھ قصور و نقصان اپنی عبادت میں پاتا ہو وہ اس کے نفس کی طرف راجع ہے اور اُس کی شرارت طبعی کی وجہ سے ہے ـــــ کوئی چیز نقصان و قصور کی قسم سے درگاہ قدس کی جانب راجع نہیں ہے وہاں تو خیر و کمال ہی ہے ـــــ اسی طرح جو کچھ دُنیا میں ہوتا ہے اُس کا حسن و کمال جناب قدس کی طرف راجع ہے ـــــ اور ہر چیز کا شر و نقصان دائرۂ ممکنات کی طرف رجوع کرتا ہے ـــــ دائرۂ ممکنات نیستی کے میدان میں اپنا قدم جمائے ہوئے ہے اور نیستی ہر شر و نقصان کا سبب ہے ـــــ کلمۂ طیبہ۔ سبحان اللہ وبحمدہ۔ ان دونوں باتوں کو پورے طریقے پر بیان کر رہا ہے۔ (اس کا جزو اول سبحان اللہ) اللہ تعالیٰ کی انتہائی تنزیہہ و تقدیس بیان کرتا ہے اُن تمام باتوں سے جو اس کی شایانِ شان نہیں ہیں چاہے وہ شرور ہوں، چاہے وہ نقائص ہوں ـــــ (اور دوسرا جزو وبحمدہ) ادائے شکر کرتا ہو عبارتِ حمد کے ساتھ ـــــ جو کہ ہر شکر کی اصل ہے اللہ تعالیٰ کے صفات و افعال جمیلہ اور اُس کے انعامات و احساناتِ جزیلہ پر ـــــ اسی وجہ سے حدیث نبوی میں آیا ہے کہ جو کوئی اس کلمہ کو دن میں یا رات میں سَو بار پڑھے گا کوئی شخص عمل میں اس دن رات کے اندر اس کی برابری نہیں کر سکتا، مگر وہی شخص برابری کر سکتا ہے جو اس کلمہ کو پڑھتا ہو۔ بھلا کوئی اس کی برابری کیسے ڈھونڈھ سکتا ہے جبکہ اس کا ہر عمل اور عبادت (کا ہر گوشہ) اللہ تعالیٰ کے احسانات میں سے کسی نہ کسی احسان کا شکر ادا کر رہا ہے۔ یہ شکر اس کلمے کے دوسرے جزو (وبحمدہ) سے ادا ہوتا ہے ـــــ رہا پہلا جزو (سبحان اللہ) وہ اس کے علاوہ ہے ـــــ بس تم پر لازم ہے کہ اس کلمۂ طیبہ کو سَو مرتبہ ہر روز زبان سے ادا کر لیا کرو.....

مکتوب (۳۰۸) مولانا فیض اللہ پانی پتی کے نام [یہ مکتوب عربی زبان میں ہو، کلمتان خفیفتان علی اللسان کے بیان میں]

........آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔ کَلِمَتَانِ خَفِيْفَتَانِ عَلَى اللِّسَانِ ثَقِيْلَتَانِ فِي الْمِيْزَانِ حَبِيْبَتَانِ اِلَى الرَّحْمٰنِ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ ـــــ (یعنی سبحان اللہ وبحمدہ، سبحان اللہ العظیم۔ دو ایسے کلمے ہیں جو زبان پر

آسان اور ہلکے ہیں میزانِ عمل میں بھاری ہوں گے اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ ہیں،
ان دونوں کلموں کا زبان پر ہلکا ہونا تو ظاہر ہے کہ قلّت حروف کی وجہ سے ہے۔ لیکن میزان عمل میں ان کے بوجھل اور بھاری ہونے اور اللہ کے نزدیک پسندیدہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ کلمہ اولیٰ کا پہلا جزو (سبحان اللہ) اللہ تعالیٰ کی تنزیہہ و تقدیس بیان کر رہا ہے اُن تمام باتوں سے جو اس کی شانِ عالی کے لائق نہیں۔ نیز یہ پہلا جزو بتلاتا ہے کہ ذاتِ کبریا بعید اور منزہ ہے تمام صفاتِ نقص اور علاماتِ حدوث و زوال سے ـــــ اور اس کا دوسرا جزو (بحمدہٖ) بتاتا ہے کہ تمام صفاتِ کمال اور شیونات جمال حق تعالیٰ کے لیے ثابت ہیں، وہ صفات و شیونات خواہ فضائل سے ہوں یا فواضل سے ـــــ نیز کلمۂ اولیٰ کے دونوں جزوں میں اضافت کو استغراق کے لیے لانا فائدہ دیتا ہے تمام تنزیہات و تقدیسات کے ثبوت کا اللہ تعالیٰ کے لیے اور تمام صفاتِ کمال و جمال کے ثبوت کا اسی کے واسطے ـــــ پس کلمۂ اولیٰ (سبحان اللہ و بحمدہٖ) کے دونوں جزوں کا حاصل ہوا ـــــ لوٹانا تمام تنزیہات و تقدیس کو اسی ذاتِ عالی کی طرف اور اثبات تمام صفاتِ کمال و جمال کا اسی کی جانب ـــــ اور دوسرے کلمے (سبحان اللہ العظیم) کا حاصل ہوا تمام تنزیہات و تقدیسات کا ثابت کرنا اس کے لیے، اس کی عظمت کبریائی کے ساتھ ساتھ ـــــ اس دوسرے کلمے میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی جانب نقائص کی نسبت نہ کرنا اُس کی عظمت و کبریائی کی وجہ سے ہے ـــــ پس ضرور یہ دونوں کلمے بھاری ہوں گے میزانِ عمل میں اور محبوب و پسندیدہ ہوں گے اللہ تعالیٰ کو ـــــ نیز تسبیح (سبحان اللہ) توبہ کی کنجی ہے بلکہ توبہ کا خلاصہ ہے جیسا کہ میں نے اپنے بعض مکتوبات میں اسکی تحقیق کی ہے، پس یہ تسبیح وسیلہ ہو جائے گی گناہوں کے محو ہونے اور سیئات کے معاف ہونے کا ـــــ پس لامحالہ یہ دونوں کلمے میزان میں بھاری اور حسنات کے پلڑے کو جھکانے والے نیز رحمٰن کے نزدیک پسندیدہ ہوں گے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ عفو کو پسند کرتا ہے (اور تسبیح کرنا ذریعہ عفو ہے) ـــــ نیز اللہ تعالیٰ کی تسبیح و حمد کرنے والا بندہ جب اللہ تعالیٰ کی پاکی بیان کرتا ہے ایسی باتوں سے جو اس کی شایانِ شان نہیں ہیں اور ثابت کرتا ہے اس کے لیے صفاتِ جمال و کمال کو تو امید و اہب کریم سے یہ ہے کہ وہ تسبیح کرنے والے کو بھی ان تمام باتوں

پاک وصاف کرے تو جو اُس کے لیے نامناسب ہیں اور حمد کرنے والے میں بھی (یک گونہ) صفات کمال کو پیدا کرے ــــ جیسا کہ وہ خود فرماتا ہے ــــ ھل جزاء الاحسان الا الاحسان (نہیں ہے احسان کا بدلہ مگر احسان) ــــ لہذا یقیناً دونوں کلمے ثقیل ہوں گے میزان میں سیئات کے محو ہونے کی وجہ سے بسبب تکرار کلمہ کے اور محبوب ہوں گے رحمٰن کو بوجہ اخلاقِ حمیدہ کے پائے جانے کے ان دونوں کلموں کے واسطے سے۔ والسلام۔

مکتوب (۳۰۹) مولانا حاجی محمد فرکتی کے نام [محاسبۂ روز و شب کے بیان میں]

بعد الحمد والصلوٰۃ وتبلیغ الدعوات ــــ مشائخ کرام کی ایک جماعت نے طریقۂ محاسبہ اختیار کیا ہے (وہ اس طرح) کہ رات کو سونے سے کچھ دیر پہلے اپنے دن کے اقوال وافعال اور حرکات وسکنات کا جائزہ لیتے ہیں اور تفصیل کے ساتھ ہر ایک کی حقیقت تک پہونچتے ہیں۔ اور اپنے تقصیرات وسیئات کی تلافی، توبہ واستغفار اور التجا وتضرع سے کرتے ہیں صاحب فتوحاتِ مکیہ یعنی شیخ اکبر محی الدین ابن عربی قدس سرہٗ بھی محاسبہ کرنے والے مشائخ میں سے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے محاسبہ میں دوسرے مشائخ کے مقابلے میں اضافہ کر دیا ہے۔ میں نے قلب کے خطرات اور نیت کا بھی محاسبہ کیا ہے ــــ فقیر کے نزدیک سو مرتبہ سبحان اللہ، الحمد للہ، اللہ اکبر سونے سے کچھ پہلے پڑھ لینا ــ جیسا کہ مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہوا ہے حکم محاسبہ رکھتا ہے اور محاسبے کا کام کرتا ہے ــــ گویا کہ ان کلمات کا پڑھنے والا کلمۂ تسبیح (سبحان اللہ) کی تکرار سے ــ وہ کلمۂ تسبیح جو مفتاح توبہ ہے ــــ اپنی تمام تقصیرات وسیئات کا عذر پیش کرتا ہے اور ان سیئات کے کرنے سے جو کچھ عائد ہوا اُس سے جناب قدس کی تنزیہ وتقدیس کرتا ہے ــــ مرتکب سیئات کے پیش نظر اگر (پہلے سے) حضرت حق جل مجدہ کی عظمت وکبریائی ہوتی تو وہ اس کے خلاف کبھی سبقت وپیش قدمی نہ کرتا۔ جب سبقت وپیش قدمی کی تو معلوم ہوا کہ (نعوذ باللہ) مرتکب کے نزدیک اللہ تعالیٰ کے امر ونہی کا کوئی اعتبار ہی نہیں تھا۔ یہ بھی جاننا چاہیے کہ استغفار کرنے میں تو گناہ کے ڈھانپنے کی طلب ہے اور سبحان اللہ کی تکرار میں گناہ کے جڑ سے اکھاڑ دینے کی طلب ہے۔ پس دونوں (استغفار وسبحان اللہ) برابر

کیسے ہو سکتے ہیں ـــــ سبحان اللہ ـ عجیب کلمہ ہے، اس کے الفاظ بہت کم اور معانی و منافع بہت زیادہ ـــــ الحمد للہ کی تکرار سے توفیقِ خداوندی کا شکر بجا لاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا کرتا ہے ـــــ اللہ اکبر کی تکرار اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ درگاہِ خداوندی اس سے بلند تر ہے کہ یہ ہماری عذر خواہی اور یہ ہماری شکر گذاری اس کے شایانِ شان ہو، اس لیے کہ بندے کا اعتذار و استغفار (بجائے خود) اعتذار و استغفار کا محتاج ہے ـــــ اور بندہ اللہ تعالیٰ کی جو حمد کرتا ہے اس کا فائدہ خود اسی حمد کرنے والے کی طرف لوٹتا ہے۔ سبحان ربک رب العزۃ عما یصفون وسلام علی المرسلین والحمد للہ رب العلمین۔ (زیادہ تر) محاسبہ کرنے والے فقط استغفار و شکر پر اکتفا کرتے ہیں اور ان کلمات قدسیہ (مذکورہ) سے استغفار کا کام بھی انجام پاتا ہے، شکر بھی ادا ہوتا ہے، نیز استغفار و شکر میں جو نقصان رہ گیا ہو اس کا اظہار بھی میسر آتا ہے ـــ ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم وصلی اللہ تعالیٰ علی سیدنا محمد وعلی آلہ وصحبہ الطاہرین وسلم وبارک علیہ وعلیہم اجمعین۔

مکتوب (۳۱۳) خواجہ محمد ہاشم کشمی[۵] کے نام (آخری حصہ)

...... اس جگہ کے بعض دوستوں نے کئی بار مجھ کو لکھا کہ میر محمد نعمان اس زمانے میں طالبین کے احوال کی طرف کم توجہ کرتے ہیں اور تعمیرات میں مشغول رہتے ہیں۔ جو کچھ آمدنی ہوتی ہے وہ عمارت میں صرف ہوتی ہے، فقراء محروم رہتے ہیں ـــ انھوں نے یہ باتیں مجھے کچھ اس طور پر لکھی تھیں کہ شائبہ اعتراض مفہوم ہوتا تھا اور بوئے انکار آتی تھی۔

جاننا چاہیے کہ بزرگوں کے افعال و اقوال پر نکتہ چینی اور اعتراض کرنا وہ زہر قاتل

---

[۵] آپ نے اولاً میر محمد نعمانؒ سے ذکر و مراقبہ کی تعلیم حاصل کی بعدہٗ حضرت مجدد الف ثانیؒ کی خدمتِ اقدس میں سرہند چلے گئے اور حضرت مجددؒ کی وفات تک تقریباً دو سال سفر و حضر میں ساتھ رہے اور الطاف و عنایاتِ مجددی کا مورد بنے۔ مکتوبات جلد سوم کے جامع آپ ہی ہیں۔ زبدۃ المقامات اور دیوان ہاشم آپ کی تصنیفات میں یادگار ہیں۔ رجب ۱۰۵۴ھ میں آپ نے وفات پائی۔ مزار برہانپور میں ہے۔ (جواہر حاشیہ)

ہے کہ موت ابدی تک پہونچاتا ہے اور دائمی ہلاکت میں ڈال دیتا ہے — چہ جائیکہ اعتراض جب خود اپنے پیر و مرشد پر ہو اور اس کی ایذا کا سبب بن جائے — صوفیاء کا منکر اُن کی دولت سے محروم اور اُن پر اعتراض کرنے والا ہمہ وقت بے بہرہ و زیاں کار رہتا ہے — جب تک پیر و مرشد کے تمام حرکات و سکنات، مرید کی نظر میں مستحسن و زیبا نہ معلوم ہوں گے وہ کمالات پیر سے بہرہ ور نہ ہوگا اور اگر کچھ مل بھی جائے تو وہ استدراج ہوگا جس کا انجام خرابی و رسوائی ہے — مرید باوجود کمال محبت و اخلاص اگر اپنے پیر و مرشد پر بال برابر بھی گنجائش اعتراض رکھتا ہے تو سوائے خرابی کے کچھ نہیں دیکھتا اور کمالات مرشد سے بے نصیب رہتا ہے — اگر مرید کو کبھی اپنے پیر کے کسی فعل پر کوئی شبہ ہو اور وہ (خود) دفع نہ ہوتا ہو تو چاہئے کہ اس کو اپنے پیر سے اس طرح معلوم کرے کہ اعتراض کا شائبہ بھی نہ ہو اور انکار کا گمان نہ ہو سکے ..... اگر کبھی پیر سے کوئی امر (بظاہر) خلاف شریعت ظاہر ہو تو مرید کو چاہیے کہ اس میں اس کی اتباع نہ کرے اور حتی الامکان حُسنِ ظن کے ساتھ اس کا صحیح منشا اور وجہ صحت تلاش کرے، اگر وجہ صحت نہ معلوم ہو سکے تو اللہ تعالیٰ سے اس امتحان و آزمائش کو دور کرنے کے لیے التجا و تضرع کرے اور گریہ وزاری کے ساتھ سلامتی پیر و مرشد کا خواہاں ہو — اور اگر مرید کو پیر و مرشد کے بارے میں کسی امرِ مُباح کے کرنے میں شبہ ہو تو اس شبہ کا کوئی اعتبار نہ کرے — جب کہ حق تعالیٰ نے مُباح کام کرنے سے منع نہیں فرمایا تو پھر کسی کو اس کام پر اعتراض کرنے کا کیا حق پہونچتا ہے .....

دعوتِ ایمان و عمل

حضرت مولانا محمد یوسف صاحب کی ایک تقریر مضمون کے پیرایہ میں

ضلع بستی کے ایک اجتماع سے واپس ہوتے ہوئے حضرت مولانا ممدوح ۲۹ مئی ۶۲ء کو لکھنؤ تشریف لائے اور اُس دن یہیں قیام فرمایا۔ صبح ۹ بجے کے بعد یہاں کے تبلیغی مرکز میں آپ نے ایک عام اجتماع کو خطاب فرمایا۔ اِس ناچیز نے مولانا کی اس تقریر کو سننے کے ساتھ ساتھ قلمبند کرنے کی کوشش بھی کی تھی۔ اسی کو میں نے ناظرین الفرقان کیلئے مندرجۂ ذیل مضمون کی شکل میں مرتب کر دیا ہے۔ اب یہ جس شکل میں ناظرین کے سامنے ہے بعینہٖ اور بلفظہٖ حضرت ممدوح کی تقریر تو نہیں ہے، لیکن یہ وہ ضرور ہے جو میں نے سمجھ کر ادا کرنے کی کوشش کی ہے جہاں تک مجھ سے بن پڑا میں نے حضرت مولانا کے انداز کو بھی نباہنے کی کوشش کی ہے۔ بہرحال اب جس صورت میں اس کو اشاعت کیلئے میں دے رہا ہوں اس کا ذمہ دار میں ہوں ———— (خاکسار محمد تقی فاروقی)

———— خطبۂ مسنونہ کے بعد ————

دینی بھائیو اور دوستو!

اللہ تعالیٰ کا قانون ہے کہ اس دنیا میں جو کوئی جس مقصد کے لئے بھی اس کے طریقے پر محنت کرے گا اسے وہ مقصد کسی نہ کسی درجہ میں ضرور حاصل ہوگا، اب جو شخص دنیا کی کسی چیز کو مقصد بنا کر دنیوی طریقے پر اس کے لئے محنت کرے اللہ تعالیٰ جس حد تک چاہتے ہیں اس کو وہ چیز عطا فرما دیتے ہیں، اور جو شخص آخرت کو موضوع و مقصد بنا کر اُس کے لئے صحیح

محنت کرے اُس کو اللہ تعالیٰ آخرت کی نعمتیں بھرپور عنایت فرمائیں گے۔

آخرت کی محنت کے دو درجے ہیں۔ ایک یہ کہ آدمی پوری زندگی تو اس طرح نہ گذارے جس طرح آخرت کے طالب کو گذارنی چاہئے اور اپنے آپ کو دین کا پورا پورا تابع تو نہ بنائے مگر کچھ کام اللہ کی رضا والے کرے۔ اس کی مثال اس شخص کی سی ہے جو کسی کارخانے میں تھوڑا سا حصہ ڈال کر شریک ہو جائے، یہ آدمی کارخانہ میں حصہ دار تو ضرور ہو جاتا ہے لیکن اسے اپنے حصے کا نفع بھی جب ہی ملے گا جب کارخانہ کا حساب ہوا اور منافع کی تقسیم کا وقت آئے، درمیان میں اگر اسے ضرورت ہو تب بھی نہیں مل سکتا حتیٰ کہ اگر اپنی کسی ضرورت کے لئے اپنا سرمایہ ہی اس میں سے نکالنا چاہے تو اس کا نکلوانا بھی اسکے اختیار میں نہیں ہے۔ اسی طرح جو شخص آخرت کے کچھ اعمال کرتا ہے وہ آخرت کی نعمتوں میں حصہ دار تو ضرور بن گیا لیکن اس حساب میں اس کو اسی وقت کچھ ملے گا جب آخرت میں پوری زندگی کا حساب کتاب ہوگا۔ اور جو شخص اپنی پوری زندگی دین کے ماتحت کرے اور اپنے ہر کام میں اللہ کی رضا اور آخرت کو سامنے رکھے اس کی مثال اس شخص کی سی ہے جو اپنے ذاتی سرمایہ سے اپنا کارخانہ قائم کرے وہ جب چاہے کارخانہ کے منافع میں سے اور اصل سرمایہ سے بھی نکال سکتا ہے —— مومن کامل کا حال یہی ہے وہ اپنے ایمان اور عمل کا پھل آخرت سے پہلے دنیا میں بھی پاتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس کو اس دنیا میں بھی "حیات طیبہ" عطا کرتا ہے، وہ دعا کر کے بھی اللہ تعالیٰ سے اپنے مسائل حل کرا لیتا ہے۔ اللہ اور اللہ کے رسول کی اصل دعوت اسی درجے کے لئے ہے۔ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ادْخُلُوا فِي السِّلْمِ كَافَّةً ——

(اے ایمان والو! پورے پورے اسلام میں آجاؤ اور اپنی پوری زندگی کو خدا کی فرمانبرداری میں دیدو) —— جو لوگ ایسا کریں گے اُن کے لئے اللہ کا وعدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ غیب سے اُن کے مسائل حل کرے گا (وَمَن يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَل لَّهُ مَخْرَجًا وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ)۔

زندگی کے مسائل کے لئے محنت کے دو طریقے ہیں۔ ایک طریقہ یہ ہے کہ اس کائنات کی جن چیزوں سے مسائل حل ہوتے نظر آئیں براہ راست ان چیزوں پر ہی محنت کی جائے جیسے غلہ حاصل کرنے کے لئے زمین پر (یعنی زراعت پر) محنت کی جائے۔ دولت حاصل

کرنے کے لئے دُکانوں پر (یعنی تجارت پر) محنت کی جائے یعنی جو چیز اس دنیا میں جہاں سے حاصل ہوتی ہوئی نظر آئے اسکے حاصل کرنے کیلئے بس اُسی شے پر محنت کی جائے۔ یہ طریقہ عام انسانوں کا بلکہ حیوانوں کا بھی ہے، دنیا کے سارے حیوانات کا یہی حال ہے کہ ان کو جو چیز جہاں سے نکلتی ہوئی دکھائی دیتی ہو اُس کو وہیں سے حاصل کرنے کی وہ کوشش کرتے ہیں، اس کے آگے پیچھے وہ کچھ نہیں جانتے۔

دوسرا طریقہ انبیاء علیہم السلام اور ان کے متبعین کا ہے، وہ یہ یقین رکھتے ہیں کہ سب کچھ اللہ کے قبضہ و اختیار میں ہے اور اُسکے زیر حکم ہے۔ غلہ جو زمین سے نکلتا ہوا دکھائی دیتا ہے وہ اللہ کے حکم سے نکلتا ہے (ءَاَنْتُمْ تَزْرَعُوْنَهٗٓ اَمْ نَحْنُ الزّٰرِعُوْنَ) —— صحت و شفاء جو بظاہر دوا سے حاصل ہوتی ہوئی معلوم ہوتی ہے در اصل اللہ کے حکم سے حاصل ہوتی ہے (وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِيْنِ) —— اسی طرح نفع جو بظاہر تجارت اور دوکانداری سے حاصل ہوتا ہوا نظر آتا ہے وہ اللہ ہی کے حکم سے ملتا ہے، اگر اللہ نہ چاہے تو نہ ملے۔ الغرض اس کائنات کی کسی چیز سے جو کچھ ہوتا ہوا نظر آتا ہے انبیاء علیہم السلام نے بتلایا کہ وہ در اصل اُس چیز سے نہیں ہوتا، بلکہ اللہ کے حکم سے ہوتا ہے (قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ بِيَدِكَ الْخَيْرُ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ) اس لئے اُن کا اور اُن کے ماننے والوں کا طریقہ یہ ہے کہ وہ تمام مسائل کی کنجی اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں یقین کرتے ہوئے ان اعمال اور اخلاق پر زور دیتے ہیں جن سے اللہ تعالیٰ کی رضا وابستہ ہے، وہ پورے یقین کے ساتھ کہتے ہیں کہ اللہ کی رضا والے اعمال و اخلاق اختیار کرو تاکہ ارادۂ الٰہیہ تمہارے مسائل کے حل کی طرف متوجہ ہو [illegible]۔ [illegible] کبھی کبھی تو [illegible] اور دنیوی اسباب کو ہاتھ لگائے بغیر ہی بالکل معجزانہ [illegible] اللہ تعالیٰ سے بڑی بڑی تبدیلیاں کرا لیتے ہیں۔ مثلاً حضرت نوح علیہ السلام اور ان پر ایمان لانے والوں کو جب اُن کی قوم نے بہت ستایا اور اُن پر عرصۂ حیات تنگ کر دیا تو انھوں نے بس

اللہ کی جناب میں ہاتھ اُٹھائے اور پوری قوم کی تباہی مانگی (رَبِّ اِنِّی مَغْلُوبٌ فَانْتَصِرْ ـــــ رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَی الْاَرْضِ مِنَ الْکَافِرِیْنَ دَیَّارًا) اللہ تعالیٰ نے ایک سخت تباہ کن سیلاب بھیجا جس نے ایک ظالم کو بھی زندہ نہ چھوڑا (فَاَغْرَقْنَاهُمْ اَجْمَعِیْنَ ـــــ وَقِیْلَ بُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ)۔

اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام جب عاجز آگئے تو انھوں نے فرعون اور اُسکی حکومت کا زور توڑنے کے لئے کوئی دنیوی اور مادی تدبیر تو نہیں کی، نہ اُن کے حالات ایسے تھے، بلکہ اللہ تعالیٰ کی قدرت اور طاقت پر کامل یقین کرتے ہوئے نمازوں کے بعد دُعا کی کہ:۔ فرعون جس دولت وحکومت کے بل پر یہ مظالم ڈھا رہا ہے اور تیرے بندوں کو تیری بندگی کے راستہ سے روک رہا ہے۔ اے اللہ! تو اُس مال ودولت اور طاقت وحکومت کو مٹا دے اور جھاڑو پھیر دے (رَبَّنَا اِنَّكَ اٰتَیْتَ فِرْعَوْنَ وَمَلَاَهٗ زِیْنَةً وَّاَمْوَالًا فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا رَبَّنَا لِیُضِلُّوْا عَنْ سَبِیْلِكَ رَبَّنَا اطْمِسْ عَلٰی اَمْوَالِهِمْ وَاشْدُدْ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ فَلَا یُؤْمِنُوْا حَتّٰی یَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِیْمَ) اللہ تعالیٰ نے اُن کی یہ دُعا قبول کی، اور فرعون اور فرعونیت کو نیست ونابود کر دیا گیا۔

اسی طرح قوم ثمود، قوم عاد، قوم مدین اور قوم لوط یہ سب بھی براہِ راست اللہ تعالیٰ کے حکم سے تباہ ہوئیں، ان کو ختم کرنے کے لئے کوئی دنیوی اور مادی کوشش ان میں آنیوالے پیغمبروں نے اور ان کے ساتھیوں نے نہیں کی تھی۔

اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب اپنی بیوی اور نومولود بچے حضرت اسمٰعیلؑ کو اللہ کے حکم سے اِس وادیٔ غیر ذی زرع میں چھوڑا جس میں انسانی زندگی کا کوئی سامان نہیں تھا حتیٰ کہ پانی کا ایک قطرہ بھی نہیں تھا تو اُن کے لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سامانِ حیات پیدا کرنے کی کوئی دنیوی اور اسبابی کوشش بالکل نہیں کی بلکہ بس اپنے مالک اور پروردگار سے دُعا کی:۔ رَبَّنَا اِنِّیْ اَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ بِوَادٍ غَیْرِ ذِیْ زَرْعٍ عِنْدَ بَیْتِكَ الْمُحَرَّمِ رَبَّنَا لِیُقِیْمُوا الصَّلٰوةَ فَاجْعَلْ اَفْئِدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِیْ اِلَیْهِمْ وَارْزُقْهُمْ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ یَشْكُرُوْنَ۔

اللہ تعالیٰ نے براہِ راست اپنی خاص قدرت سے اُن کے لئے زمزم کا چشمہ جاری کیا جس کا پانی آج بھی مشرق و مغرب تک پیا جاتا ہے اور اُس بے آب و گیاہ وادی کو ایسا مرکز بنا دیا کہ ہر طرف سے کھانے پینے کی چیزیں وہاں پہونچنے لگیں اور آجتک پہونچ رہی ہیں ـــــ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السّلام کی دُعا کے صدقہ میں اپنی قدرت سے کیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السّلام نے اس کے لئے دُعا کے سوا کوئی اسبابی محنت نہیں کی تھی۔

اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ انبیاء علیہم السّلام اور ان کے متبعین اللہ ہی کے حکم سے اسباب کے راستہ سے بھی محنت کرتے ہیں، لیکن اس محنت میں بھی اُن کے دل کی نگاہ ربّ الاسباب ہی پر جمی ہوتی ہے۔ وہ یقین رکھتے ہیں اور زبان سے کہتے بھی ہیں کہ جو کچھ ہم کر سکتے ہیں وہ اللہ کے حکم سے کر رہے ہیں اور کریں گے لیکن اصل کرنے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے، وجود میں وہی آئے گا جو اس کا فیصلہ ہو غزوۂ بدر سے لیکر فتح مکّہ تک، جتنے غزوات ہوئے اُن سب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے صحابۂ کرامؓ نے امکان بھر اسبابی جد و جہد بھی کی، اور جو کچھ اُس وقت کر سکتے تھے وہ سب کچھ کیا، لیکن ہر لمحہ دل اس یقین سے معمور رہا کہ اصل کرنے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے، جو کچھ ہوگا اُسی کے ارادہ اور فیصلہ سے ہوگا چنانچہ تمام غزوات میں جب آپؐ کو فتح حاصل ہوئی تو آپؐ نے اللہ تعالیٰ کی حمد و شکر کے ساتھ بار بار اس کا اعلان فرمایا کہ جو کچھ ہوا ہے اللہ کی مدد سے، بلکہ صرف اُسی کے کرنے سے ہوا ہے۔

بہر حال انبیاء علیہم السّلام اور اُن کے ساتھیوں کا طریقہ یہ ہے کہ وہ آخرت اور جنّت کی طرح دنیا کی چیزوں کے بارے میں بھی یہ یقین کرتے ہیں کہ ان کا دینا نہ دینا اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے۔ اس لئے یہاں کی چیزوں کے لئے بھی اُن کی اصل اور اوّلی محنت اللہ کی رضا والے اعمال پر ہوتی ہے۔ خدا سے غافل ہو کر وہ دُنیا کی کسی چیز پر محنت قطعاً نہیں کرتے۔ انبیاء و صدیقین اور شہداء و صالحین کا طریقہ

یہی ہے، اور اسی طریقے سے اللہ کی مدد کے دروازے کھلتے ہیں۔

دنیا کی چیزوں کے لئے براہ راست صرف اُن چیزوں پر محنت کرنا جیسا کہ میں نے کہا عام انسانوں کا بلکہ عام جانوروں کا طریقہ ہے۔ ان کے پاس اپنے تجربے اور مشاہدے کے سوا علم ویقین کا کوئی ذریعہ نہیں ہے، اور ہمارے پاس حقیقی علم اور یقین کا ذریعہ انبیاء علیہم السلام کی اطلاعات ہیں۔ کائنات میں سے چیزوں کا نکلنا، جو ہم کو نظر آتا ہے انبیاء علیہم السلام لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ کے ذریعہ اس کی نفی کرتے ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ:۔

"چیزوں کا وجود نظر آنے والی چیزوں سے نہیں ہے، بلکہ اللہ کے حکم سے ہے جو نظر نہیں آتا۔"

وہ فرماتے ہیں کہ:۔

"اصل وہ نہیں ہے جو آنکھوں کو نظر آرہا ہے، بلکہ اللہ کا وہ حکم اور ارادہ ہے جو نظر نہیں آرہا۔"

یہی ایمان بالغیب ہے، اس لئے انبیاء علیہم السلام پر ایمان لانے والوں کا طریقہ قیامت تک کے لئے یہی ہونا چاہئے کہ اُن کی نظر میں اصل اہمیت اشیاء والی محنت کی نہ ہو، بلکہ اُس سے زیادہ فکر اس ایمان اور ان اعمال و اخلاق کی ہو جن پر اللہ تعالیٰ کی مدد ہوتی ہے۔

بدقسمتی سے اس وقت مسلمانوں کا حال یہ ہے کہ اپنے مسائل کے لئے ان کی ساری محنتیں اُسی طریقے پر ہو رہی ہیں جو عام انسانوں اور جانوروں کا طریقہ ہے۔ ہمارا کہنا یہ ہے کہ مسلمان اس طرز عمل کو بدلیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر انبیاء علیہم السلام اور ان کے متبعین کا طریقہ اختیار کریں۔ اس طریقے پر محنت کرنے سے اللہ کی غیبی طاقتیں ساتھ ہو جاتی ہیں، یہ وہ طاقتیں ہیں جو روس یا امریکہ کے ایٹم بموں یا راکٹوں سے بھی شکست نہیں کھا سکتیں، بلکہ یہ راکٹ اور ایٹم بم اللہ کی غیبی طاقتوں کے مقابلے میں مچھر اور مکھی کی طرح بے حقیقت ہیں۔ جو لوگ اللہ کو اور اس کی طاقتوں کو نہیں جانتے ان کو یہ باتیں عجیب سی معلوم ہوں گی، لیکن حقیقت بالکل یہی ہے۔ (وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ وَالْاَرْضُ جَمِيْعًا قَبْضَتُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِيّٰتٌۢ بِيَمِيْنِهٖ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ٥ ــــــ اِنَّمَآ اَمْرُهٗٓ اِذَا

أَرَادَ شَيْئًا أَنْ يَقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ)۔

مسلمان جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر انبیاء علیہم السلام والے اس طریقہ کو اختیار کرنے کا فیصلہ کریں گے تو سب سے پہلا کام یہ ہوگا کہ وہ اپنے اندر کے یقین کو ٹھیک کریں اور چیزوں سے اور مادہ سے کچھ ہونے کے بجائے اللہ کے حکم سے ہونے کا یقین پیدا کریں یہ یقین اس زمانہ کے حالات میں خاص مشق اور مجاہدہ کے بغیر اور دنیوی انہماک اور مادیات کی مشغولیات میں کمی کئے بغیر حاصل نہیں ہوسکتا —— اس کے علاوہ بھی زندگی کے نقشے میں بہت بڑی تبدیلیاں کرنی پڑیں گی۔ نفس کی خواہش کے بجائے اللہ کے احکام کے تحت زندگی گذارنی پڑے گی۔ صحابۂ کرامؓ کے زندگی کے نقشہ کو سامنے رکھ کر طے کرنا پڑے گا کہ زندگی میں سے کتنا وقت مسلمان کا کمانے میں لگنا چاہئے اور کتنا عبادت اور تعلیم و تعلّم میں اور کتنا زندگی کو صحیح کرنے والی مشق و محنت میں؟ پھر کمائی کو اللہ کے احکام کا پابند کرنا پڑے گا، رشوت چھوڑنی پڑے گی، زیادہ نفع حاصل کرنے کے لئے جھوٹ جس کا اب عام رواج ہوگیا ہے بالکل چھوڑنا پڑے گا۔ اس کے علاوہ جو ناجائز طور طریقے آج کل کمائی میں عام طور سے رائج ہوگئے ہیں ان سب کو چھوڑنا پڑے گا۔ پھر اس کا ذہن کہ کمائیوں میں کمی آئے گی اس کو بھی برداشت کرنا پڑے گا۔ پھر یہ بھی سوچنا ہوگا کہ اپنی کمائی میں سے کتنا اپنے اوپر خرچ کیا جائے اور کتنا اللہ کے دوسرے ضرورتمند بندوں پر!

آج حالت یہ ہے کہ جس شخص کی کمائی زیادہ ہے وہ یا تو قارون کی طرح اپنا خزانہ بڑھا رہا ہے یا عیاشوں کی طرح اپنی فضول خرچیوں میں اضافہ کئے جا رہا ہے۔ ایک مکان موجود ہے تو اس سے عالیشان دوسرا مکان بنانا چاہتا ہے۔ سواری کے لئے ایک موٹر موجود ہے تو دوسری اس سے بڑھیا خریدنا چاہتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے ان برائیوں کو مٹانے کے لئے آئے تھے۔ جب مسلمان اپنی زندگی حضورؐ کے طریقے پر لانے کا فیصلہ کریں گے تو انہیں یہ کرنا پڑے گا کہ خود چھوٹے معمولی مکان میں گزارا کریں اور اپنی فاضل کمائی سے اللہ کے بے گھر بندوں کیلئے مکان بنوائیں، خود سادہ و معمولی کھائیں، اور اس طرح جو بچت ہو اس سے ان بھوکوں کی روٹی کا انتظام کریں جن کے پاس پیٹ بھرنے کا سامان نہیں ہے۔ اپنے بیٹوں اور بیٹیوں کی شادی میں

حضورؐ کے طریقے پر کم سے کم خرچ کریں اور جن غریبوں کی بیٹیاں ناداری کی وجہ سے گھر بیٹھی ہوئی ہیں اپنی کمائی سے ان کی شادیوں کا بندوبست کریں پھر ان معاملات میں مسلم اور غیر مسلم کی بھی تفریق نہیں ہوگی، اللہ تعالیٰ نے یہ حقوق سب حاجت مندوں کے لئے رکھے ہیں، اس لئے یہ سلوک سب کے ساتھ کرنا ہوگا ——— آج مال و دولت کے بارے میں اور کمائی اور اس کے خرچ کے معاملہ میں ہمارا طریقہ محمد رسول اللہؐ والا طریقہ نہیں ہے، ابوبکرؓ و عمرؓ والا طریقہ نہیں ہے بلکہ یہودیوں اور صاحبِ نبیوں والا طریقہ ہے جس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے لعنت اور غضب کا فیصلہ ہو چکا ہے۔

الغرض حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے پر آنے کے لئے مسلمانوں کو اپنی پوری ظاہری اور باطنی زندگی کا نقشہ بدلنا ہوگا اور اس سب کے ساتھ ایمان و عمل صالح اور اخلاق والی زندگی کو دنیا میں پھیلانے اور فروغ دینے کے لئے محنت اور مجاہدہ بھی کرنا پڑے گا اور اس میں نیت صرف اللہ کی رضا اور اس کے بندوں کی خیر خواہی اور نفع رسانی کی ہوگی، جب جاکر زندگی وہ بنے گی جس کو لیکر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں آئے تھے۔

یہ زندگی اگر کچھ افراد اختیار کرلیں گے تو اللہ تعالیٰ ان کے انفرادی مسئلے اس دنیا میں بھی حل فرمائے گا اور آخرت میں بھی ان کو خاص الخاص نعمتوں سے نوازا جائے گا، اور اگر یہ زندگی مسلمانوں کی اجتماعی زندگی بن جائے اور ان کا معاشرہ اس رنگ میں رنگ جائے تو اللہ ان کے اجتماعی مسائل بھی اپنی خاص قدرت سے حل کرے گا جن کے دلوں میں انکی دشمنی ہے یا تو ان کے دوست اور فدائی بنا دیئے جائینگے اور جو اس کے بعد بھی دشمنی پر قائم رہے تو یا تو تباہ و برباد کر دیئے جائیں گے یا ذلت کا عذاب ان پر مسلط ہوگا، یہی اللہ کا وعدہ ہے اور یہی سنت اللہ ہے۔

فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَبْدِيلًا وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَحْوِيلًا۔

ہم مسلمانوں کو اسی زندگی کے حاصل کرنے اور اپنانے کی دعوت دیتے ہیں، نہ صرف اسلئے کہ ان کے موجودہ مسائل و مشکلات حل ہوں بلکہ اس لئے کہ در اصل یہی مقصد تخلیق ہے اور اسی کے لئے تمام انبیاءؑ کی بعثت ہوئی ——— ہمارا ایمان ہے کہ اگر ہم نے رسول اللہؐ والا

یہ راستہ اختیار کیا تو دنیا کی بڑی سے بڑی طاقتیں ہمارے سامنے جھکنے پر مجبور ہوں گی اور دنیا کا ہر مسئلہ ہمارے مسئلہ کے تابع کر دیا جائے گا ۔ اللہ تعالیٰ کے وعدے تک وبال پر نہیں ہیں بلکہ ایمان اور عمل صالح پر ہیں، اس لئے انبیاء علیہم السلام اور انکے متبعین کے نزدیک سب سے اہم اور مقدم ایمان اور اعمال کی درستی کی فکر و جد و جہد خاصکر ہماری کامیابی اور فلاح اسی سے وابستہ ہے ۔

مسجدوں کے میناروں سے پانچوں وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ دعوت اور پکار آج بھی دہرائی جاتی ہے کہ :-

حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃ ؛ حَیَّ عَلَی الْفَلَاح

(نماز کو آؤ، یہاں تمہاری فلاح کا سامان ہے اس کو یہاں مسجد میں آ کر حاصل کرو)

مسجد دراصل ایمان حاصل کرنے کی جگہ اور ایمانی زندگی کی تعلیم و تربیت کا مرکز تھا، وہاں ہر وقت ایمان افروز ماحول اور ایمان آفریں تذکرے رہتے تھے، اور نماز اللہ تعالیٰ کے ساتھ زندہ تعلق قائم کرنے اور پوری زندگی میں یعنی زندگی کی ہر نقل و حرکت میں اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کی مشق و تربیت کا ایک نظام تھا، لیکن اب مسجد محلہ کے سرمایہ داروں کا ایک تابعدار ادارہ ہے، کیونکہ مؤذن اور امام صاحب کو وہی تنخواہ دیتے ہیں اور دوسرے انتظامات بھی وہی کرتے ہیں اس لئے وہاں بھی انھیں کی چلتی ہے، اور اس لئے قدرتی طور پر مسجدوں میں بھی انھیں کا مزاج اور طریقہ متعدی ہوتا ہے ـــــ اب مسجدوں اور نمازوں کے ساتھ لوگوں کا تعلق صرف اتنا ہے کہ گھڑی دیکھ کر چند منٹ کے لئے آتے ہیں اور جن تقاضوں اور مشغلوں سے نکل کر آئے تھے بس جلدی جلدی بے جان قسم کی چند رکعتیں پڑھ کر اپنے انھیں تقاضوں اور مشغلوں میں واپس چلے جاتے ہیں ۔

میں یہ نہیں کہتا کہ یہ مسجدیں اب مسجدیں نہیں ہیں اور نمازیں نمازیں نہیں ہیں، ہاں یہ کہتا ہوں کہ ان مسجدوں اور نمازوں سے اللہ تعالیٰ کے ساتھ زندہ تعلق اور وہ ایمانی زندگی حاصل نہیں ہو رہی اور نہیں ہو سکتی جس سے ہماری فلاح وابستہ ہے اور جس کے لئے ہم کو " حَیَّ عَلَی الْفَلَاح " کہہ کر پکارا جاتا ہے ۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو کسی ملک یا حکومت کے سہارے نہیں چھوڑا تھا، بلکہ بتایا تھا کہ تمہاری اصل طاقت ایمان اور اخلاق ہے، تمہاری کامیابی انھیں سے وابستہ ہے اور ایمان و اعمال و اخلاق پیدا کرنے اور ان کی تربیت حاصل کرنے کیلئے آپ مسجد کو ایک مرکز بنا گئے تھے اور اپنے عمل سے اس کا ایک خاص ماحول اور نقشہ بھی بنا گئے تھے جو آپ کے زمانہ میں مسجد نبوی کا ماحول اور نقشہ تھا، اور بعد میں حضرات خلفائے راشدین کے زمانہ میں بھی وہی ماحول اور نقشہ رہا۔

ہم اس جد وجہد کے ذریعہ جس کا نام تبلیغ پڑ گیا ہے یہی کوشش کرنا چاہتے ہیں کہ مسجدوں کا پھر وہی ماحول و نقشہ بنے جو مسجد نبوی کا تھا۔ وہاں ایمانی تذکرے اور ایمانی مجلسیں ہوں، تعلیم و تعلم کے حلقے ہوں، ذکر و عبادت اور خشیت و انابت کی فضا ہو، دینی تقاضوں کی فکریں اور ان کے بارے میں مشورے ہوں، دینی جد وجہد اور دینی تقاضوں کے لئے نقل و حرکت کا وہ مرکز ہوں۔

الغرض حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ مبارک میں مسجد نبوی اور دوسری مسجدوں میں چوبیس گھنٹے جو کچھ ہوتا تھا اور جو نظام چلتا تھا وہی ہماری مسجدوں میں ہوا کرے لیکن یہ جب ہی ہو سکے گا جب مسجدوں والے اس زندگی اور اس نقشے کے عادی بن جائیں گے اور یہ جب ہی ممکن ہے جب لوگ لمبے وقتوں کے لئے اپنے گھروں اور مشغلوں سے نکل کر اس زندگی کی مشق اور تربیت حاصل کریں اور دوسروں پر بھی اس کے لئے محنت کریں۔

ہم بس اسی کی دعوت دیتے ہیں، نہ ہم اپنی طرف بلاتے ہیں نہ اپنی قائم کی ہوئی کسی تنظیم اور پارٹی میں شامل ہونے کے لئے کہتے ہیں، بلکہ مشق اور مجاہدہ کے ذریعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی ایمانی زندگی حاصل کرنے اور دنیا میں اس کو فروغ دینے کیواسطے محنت کرنے کی دعوت دیتے ہیں۔

فبشر عبادی الذین یستمعون القول فیتبعون احسنہ،
اولئک الذین ھدٰھم اللہ واولئک ھم اولوا الالباب۔

قرآن کی خدمت کا
ایک قابلِ توجہ موضوع

(مولانا محمد اویس ندوی)

لادینیت نے مذہب کے خلاف اس وقت ایک مہم قائم کر رکھی ہے، ہر طریقہ سے دین کے مضبوط قلعہ میں شگاف پیدا کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے، اور انسانی قلوب سے دین کی عظمت کو مٹانے کا ہر ممکن سامان مہیا کیا جا رہا ہے، مذہب کے مطالبات اور اس کے تقاضوں کی اہمیت کو ختم کرنے کے لیے سب سے اہم کوشش یہ ہے کہ دین کو عہدِ کہن کی پارینہ داستان قرار دے دیا جائے اور ثابت کیا جائے کہ مذہب صرف چند مفروضات کا نام ہے جس کے پس پشت کوئی صحیح اور مضبوط سند اور کوئی منطقی استدلال نہیں ہے۔

دُنیا کے وہ مذاہب جو صرف تسلیم شدہ دعویٰ اور محض واعظانہ پند و موعظت کی حیثیت رکھتے ہیں، ممکن ہے کہ وہ اس حملے کی تاب نہ لا سکیں۔ لیکن الحمد للہ کہ اسلام فاتحانہ عزم و ثبات کے ساتھ اس بحث میں فریقِ مقابل بننے کے لیے تیار ہے۔

اسلام کے آسمانی صحیفہ یعنی قرآن مجید نے دنیا کے سامنے اپنے جن اوصاف و کمالات کا تعارف کرایا ہے اُن میں وصفِ غالب اس کی ہدایت اور رہنمائی ہے۔ اس کا دعویٰ ہے کہ دنیا کی فلاح اور آخرت کی نجات کا اب تنہا وہی ضامن ہے۔ تاریخ کی شہادت بھی یہی ہو کہ اس آسمانی صحیفہ سے بے تعلقی عہدِ ماضی میں انسان کی ناکامی اور حیرانی کا اصلی سبب رہی اور زمانۂ حال بھی اسی غم کا نوحہ خواں اور اسی حادثہ کا ماتم کناں ہے، یہی وجہ ہے کہ محققین

اہلِ علم مثلاً شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ اور حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے قرآن مجید کے اعجاز کے سلسلے میں اس کی ہدایت و رہنمائی ہی کو سب سے اہم وجہ اعجاز قرار دیا ہے۔

لیکن اس باب میں قرآن مجید کا دوسرا اہم دعویٰ یہ ہے کہ محض خبر و اطلاع کے طریقہ پر خیر و شر، نیکی و بدی، اور حق و ناحق کے مسائل کا بیان کر دینا ہی اس کا کام نہیں ہے، بلکہ اپنے بیان کردہ اصول کو دلائل صحیحہ سے ثابت کرنا اور سلسلہ کے شکوک و شبہات کا ازالہ بھی اس کے فرائض میں داخل ہے۔

اس کے جو بیانات ہیں وہ مدلل اور جو دلائل ہیں وہ محکم ہیں۔ فرمایا

هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنَاتٍ مِّنَ الْهُدَىٰ وَالْفُرْقَانِ۔ (بقرہ ۱۲)	(قرآن) لوگوں کے لیے ہدایت ہے اور اس میں کھلے ہوئے دلائل ہیں، ہدایت اور (حق و باطل میں) امتیاز کے۔

شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہؒ کتاب النبوات میں اس آیت کے ذیل میں لکھتے ہیں:-

"خدا نے قرآن مجید کو رہنما بنا کر اور ہدایت حق و باطل میں امتیاز کے دلائل کے ساتھ بھیجا ہے۔ دلیل اس وقت تک پوری نہیں ہوتی جب تک ان کے معارضات کا جواب بھی نہ ہو۔ دلیل کے معارضات کی تردید کا نام فرقان ہے۔ دلیل سے حق کا ظہور ہوتا ہے اور فرقان سے مشتبہات کی تمیز ہوتی ہے۔ جس کے پاس فرقان نہ ہو وہ شبہات اور حیرت میں رہتا ہے۔ مکمل ہدایت فرقان کے بغیر حاصل نہیں ہوتی۔"

(اس حقیقت کی توضیح اس مثال سے ہو سکتی ہے) مثلاً حج کا ارادہ کرنے والے کو دلیل کے ساتھ بتلا دیا جائے کہ یہ مکہ معظمہ کا راستہ ہے۔ یہ تو نعت بینات یہ ہیں کہ دلائل سے ثابت کر دیا جائے کہ مکہ جانے کا جو راستہ بتایا گیا ہے وہی صحیح ہے اور اس راستہ کا مسافر گم کردہ راہ نہیں ہو۔ اور فرقان یہ ہے کہ یہ بھی ثابت کر دیا جائے کہ اس کے سوا کوئی دوسرا راستہ صحیح ہی نہیں۔ اور دوسروں نے جو راستہ بتلایا ہے وہ غلط ہے۔ (ملخص ۱۵۱)

درحقیقت قرآن مجید کا یہ بیان بہت ہی اہمیت رکھتا ہے اور اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس کے بیانات محض تسلیم شدہ ہونے کی حیثیت نہیں رکھتے ہیں اور وہ محض ترغیب و ترہیب ہی

کی کتاب نہیں ہے اور صرف خبر و اطلاع اس کا منصب نہیں ہے بلکہ وہ امر و نہی جو کچھ بھی کرتا ہو اس کے متعلق مخاطب کو مطمئن کرنے کے لیے اپنے پاس دلائل کا ذخیرہ رکھتا ہے۔ اور اس سلسلہ میں جو وساوس پیدا ہوں ان کے ازالہ کا پورا سامان بھی اس کے پاس موجود ہے۔ چونکہ قرآن مجید اپنے مضامین کی بنیاد مضبوط دلائل پر رکھتا ہے اس لیے پوری جرأت و ہمت کے ساتھ اپنے مخالفین پر بھی اعتراض کرتا ہے کہ ان کے پاس اپنے مزعومات کے متعلق کوئی دلیل نہیں ہے۔ فرمایا۔

وَمَنْ يَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا آخَرَ	اور جو کوئی اللہ کے ساتھ کسی اور خدا
لَا بُرْهَانَ لَهٗ بِهٖ الخ	کو بھی پکارے، جس کی اس کے پاس
(مومنون ۶)	کوئی دلیل نہیں۔

کبھی ان سے دلیل کا مطالبہ کرتا ہے کہ اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو تو اس پر دلیل قائم کرو۔

أَمِ اتَّخَذُوا مِنْ دُوْنِهٖ اٰلِهَةً	کیا انھوں نے اللہ کے سوا معبود اختیار
قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ (انبیاء ۲)	کر رکھے ہیں؟ آپ کہیے تم اپنی دلیل پیش کرو۔

کبھی ان کو بے سند باتوں پر ملامت کرتا ہے۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِي	اور لوگوں میں ایسے بھی ہیں جو اللہ کی بات
اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّلَا هُدًى وَّلَا	میں جھگڑتے ہیں۔ حالانکہ وہ نہ سمجھ رکھتے
كِتَابٍ مُّنِيْرٍ (لقمان ۳)	ہیں نہ سوجھ اور نہ ہی روشن کتاب۔

کبھی ان کے دلائل کو "باطل" فرماتا ہے۔

حُجَّتُهُمْ دَاحِضَةٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ	انکی حجت اور دلیل اللہ کے نزدیک باطل ہے۔

کبھی ان کے دلائل پر نقض وارد کرتا ہو۔ فرمایا۔

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَا	اور جب ان سے کہا جائے کہ تابعداری کرو اس حکم
اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَا	کی جو اللہ نے نازل فرمایا ہو تو وہ کہتے ہیں
اَلْفَيْنَا عَلَيْهِ اٰبَاءَنَا اَوَلَوْ	ہرگز نہیں ہم تابعداری اس کی کریں گے
كَانَ اٰبَاؤُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ	جس پر ہم نے اپنے باپ دادوں کو دیکھا خواہ
شَيْئًا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ (بقرہ ۲۱)	ان کے باپ دادا نہ ذرا بھی عقل رکھتے

ہوں اور نہ ہدایت۔"

ظاہر ہے کہ اگر قرآن مجید خود دلائل سے خالی ہوتا تو اس کے لیے ممکن نہ تھا کہ اس قوت کے ساتھ دوسروں کے دلائل کی نفی کرے یا ان کے دلائل پر نقض وارد کرے یا ان کی بے سند باتوں پر ان کو ملامت کرے۔ اور ان سے دلائل کا مطالبہ کرے۔

جن لوگوں نے قرآن مجید کی تلاوت، اور اس کی آیات پر غور و فکر میں عمریں بسر کی ہیں ان کو اقرار و اعتراف ہے کہ سمعی اور نقلی حیثیت سے جس طرح قرآن مجید کے بیانات صحیح اور یقینی ہیں، اسی طرح عقلی اعتبار سے بھی اس کے دلائل باوزن اور پوری صداقت و اہمیت کے حامل ہیں۔

شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں :۔

"قرآن مجید نے رہنمائی کے دو راستے اختیار کیے ہیں۔ ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ کے پیام کو ظاہر کر دیا۔ دوسرے یہ کہ اپنے مقصود پر دلائل قائم فرمائے۔ اور ان کو مثالوں سے واضح کر دیا۔ اس اعتبار سے کہ یہ دلائل شریعت سے ثابت ہیں، ان کو دلائل شرعیہ کہا جائے گا۔ اور اس اعتبار سے کہ یہ دلائل میزان عقل پر بھی پورے اترتے ہیں۔ ان کو دلائل عقلیہ کہا جائے گا۔ پس قرآن کے دلائل دلائل شرعیہ اور عقلیہ (دونوں) ہیں۔"

(رسالہ تفصیل الاجمال)

شیخ موصوف اپنی دوسری بے مثل کتاب بیان موافقہ صریح المعقول لصحیح المنقول میں رقمطراز ہیں۔

"اللہ تعالیٰ نے وہ تمام دلائل عقلیہ بیان فرمائے ہیں جن کی اس علم میں ضرورت ہے۔ مثلاً قرآن مجید میں امثال کو بیان فرمایا ہے۔ یہ امثال درحقیقت قیاس شمول اور قیاس تمثیل پر مشتمل قیاسات عقلیہ ہیں۔" (ج اول ص ۱۴)

حافظ ابن کثیر کا ارشاد ہے :۔

"قرآن مجید صحیح مطالب اور صحیح عقلی دلائل کی طرف رہنمائی کرتا ہے" (تفسیر سورۂ ص)

شیخ عبد الوہاب شعرانی کا بیان ہے :۔

"قرآن مجید میں دلیل عقلی و سمعی ہے" (الیواقیت والجواہر ج اول ص ۲۰)

اور علامہ راغب اصفہانی اپنی تفسیر کے مقدمہ میں لکھتے ہیں :۔

"علماء کا بیان ہے کہ قرآن مجید میں دلائل کے تمام اقسام موجود ہیں البتہ ان براہین کو قرآن نے متکلمین کے طریقہ پر نہیں بلکہ عرب کے طریقہ پر بیان کیا ہے۔ قرآن مجید جب خدا کی توحید، اور اس کی ربوبیت پر دلیل پیش کرتا ہے تو کبھی اہل عقل کو اس کے سمجھنے کی دعوت دیتا ہے۔ مثلاً فرمایا۔ ان فی ذالک لآیٰتٍ لقومٍ یعقلون"۔
اسی طرح کبھی "اہل علم" کبھی "سامعین" کبھی "مفکرین" اور کبھی "متذکرین" کی اضافت کے ساتھ ان لوگوں کو ان دلائل کی طرف متوجہ کرتا ہے۔ یہ اس بات پر تنبیہ ہے کہ ان تمام قوتوں سے حقیقت کا ادراک ممکن ہے۔

ابن بدران کا ارشاد ہے :-

"قرآن مجید کے تمام استدلال عقلی ہیں" (المدخل الی مذہب احمد بن حنبل ص ۱۳۳)

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ

"قرآن مجید برہانی یا خطابی دلائل سے شبہات کو حل کرتا ہے۔"

مولانا انور شاہ صاحب فرماتے ہیں :-

"قرآن کا ظاہر خطابی ہوتا ہے مگر اس کا باطن برہانی ہوتا ہے" (فیض الباری)

ان بیانات سے قرآن کی عظمت و بلندی کا عجیب پہلو سامنے آتا ہے۔ اور یقین حاصل ہوتا ہے کہ موجودہ بے دینی اور الحاد کا مقابلہ اگر کوئی آسمانی صحیفہ کر سکتا ہے تو وہ یہی قرآن مجید ہے۔ مگر افسوس کہ تعصب اور تنگ نظری عقل و علم کے مدعیوں کو تلاش حق کی نیت سے قرآن مجید کے مضامین پر غور نہیں کرنے دیتی۔ اگر یہ صحیح نیت سے قرآن کا مطالعہ کرتے تو مضطر و بیقرار ہو کر اسلام کی دعوت کو قبول کرتے اور قرآن کو اپنے سینے سے لگاتے!

غیروں کا کیا شکوہ، آج خود مسلمان بھی قرآن مجید کے ان فضائل سے واقف نہیں ہیں۔ حد یہ ہے ہمارے مدارس عربیہ کے طلباء کو بھی قرآن مجید کی ان بلندیوں کی عموماً خبر نہیں ہو۔ وہ علوم عقلیہ کو یونانی منطق و فلسفہ کے اندر محدود جانتے ہیں۔ کاش! وہ قرآن مجید کے علوم پر اپنا وقت صرف کرتے۔ اور عصری مذاق کے مطابق ان کی ترتیب و تدوین کو اپنا موضوع بناتے تو دنیا میں ایک خاص علمی انقلاب آجاتا، مادیت و الحاد کا پانسہ پلٹ جاتا ہو جاتا ——

کفارۂ سیئات اور حبطِ اعمال کا قانون

جاندار نیکیاں گناہوں کو کس طرح مٹا دیتی ہیں اور سنگین معصیتیں نیکیوں کو کس طرح بھسم کرتی ہیں

(زاد المعاد (للشیخ ابن القیمؒ) کی ایک فصل سے ماخوذ)

عہدِ نبوی کا مشہور واقعہ ہے جس کو امام بخاری اور امام مسلم نے بھی روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ۸ھ میں مکۂ معظمہ پر قبضہ کرنے کے لیے لشکر کے ساتھ کوچ کرنے کا ارادہ فرمایا اور اس کے لیے منصوبہ یہ بنایا کہ بغیر کسی اطلاع اور اعلان کے مکۂ معظمہ پہونچ کر اچانک اس پر قبضہ کر لیا جائے تاکہ جنگ اور خون خرابے کی نوبت نہ آئے۔ اسی غرض سے آپ نے عام صحابہ کرام کو بھی یہ بات نہیں بتائی۔ صرف چند مخصوص حضرات کو آپ نے اس راز میں شریک کیا جن میں سے ایک مہاجر صحابی حاطب بن ابی بلتعہ بھی تھے —— ہونے والی بات ہو کر ہی رہتی ہے۔ اُن سے اس معاملہ میں ایک سنگین غلطی ہو گئی، ایسی غلطی اور اتنی بڑی معصیت جس کی توقع کسی منافق ہی سے کی جا سکتی تھی۔ ہوا یہ کہ انھوں نے اپنے مومن دل کو ایک تاویل سمجھا کے (جس کا ذکر آگے آئے گا) مشرکین مکہ کے لیڈروں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارادہ سے مطلع کرنے کے لیے ایک خط لکھا اور مکہ کی رہنے والی ایک عورت کو جو اپنی ایک غرض سے مدینہ آکر مکہ واپس جا رہی تھی وہ خط دیا تاکہ وہ اس کو مکتوب الیہم تک پہونچا دے، وہ عورت اس خط کو لے کر مدینہ سے روانہ ہو گئی، اللہ تعالیٰ نے وحی بھیج کر یہ راز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

پر منکشف فرما دیا۔ آپ نے اپنے دو مخصوص صحابیوں حضرت زبیر بن عوامؓ اور حضرت علی مرتضیٰؓ سے فرمایا کہ فلاں عورت اس طرح کا ایک خط لیکر جا رہی ہے۔ وہ روضہ خاخ کے قریب پہونچ چکی ہے، (یہ مقام مدینہ سے قریباً ۱۲ میل کی مسافت پر ہے) تم فوراً تعاقب کر کے اس کو گرفتار کرو اور اس سے وہ خط حاصل کر کے لے آؤ۔ یہ دونوں حضرات گھوڑوں پر سوار ہو کر پوری تیز رفتاری سے روانہ ہوئے اور روضۂ خاخ ہی پر اس کو جا پکڑا۔ اس سے خط مانگا، اس نے کہا کیا خط، آپ لوگوں کو وہم ہو گیا ہے، میرے پاس کوئی خط وط نہیں ہے۔ ان حضرات نے کہا یہ ناممکن ہے کہ حضور کوئی بات بتائیں اور وہ غلط ہو، اس لیے خط تو یقیناً تیرے پاس ہے اگر تو آسانی سے نہیں دے گی تو ہم تیرے جسم تک کی تلاشی لے کر خود برآمد کر لیں گے۔ عورت نے یہ دھمکی سن کر خود ہی اپنے سر کے جوڑے میں سے وہ خط نکال کر ان کے حوالہ کر دیا۔ ان حضرات نے وہ لا کر حضور کی خدمت میں پیش کر دیا، آپ نے حاطب بن ابی بلتعہ کو بلا کر پوچھا کہ تم نے یہ کیا حرکت کی؟ انھوں نے عرض کیا کہ حضور میں بالکل صحیح صحیح بات عرض کیے دیتا ہوں، اس کے بعد حضرت جو چاہیں فیصلہ فرمائیں۔ واقعہ یہ ہے کہ میرے علاوہ جتنے بھی ہمارے مہاجر بھائی ہیں سب کے رشتہ دار اور خاندان والے مکہ میں موجود ہیں جن کی ہمدردیاں کسی نازک وقت پر ان کو حاصل ہو سکتی ہیں۔ اور میں جیسا کہ حضور کو معلوم ہے مکہ کا اصل باشندہ نہیں ہوں بلکہ دوسری جگہ سے آکر مکہ میں بس گیا تھا، اس لیے وہاں کسی سے میرا نسبی اور خاندانی تعلق نہیں ہے اور میرے بال بچے وہاں موجود ہیں۔ جب حضور نے مکہ پر لشکر کشی کا فیصلہ فرمایا تو میں نے یہ سوچا کہ میں اس کی اطلاع مکہ والوں کو دے کر ان پر ایک احسان کر دوں تا کہ میرے بال بچوں کے ساتھ وہ بری طرح پیش نہ آئیں۔ خدا جانتا ہے کہ میں نے یہ کام اس وجہ سے نہیں کیا ہے کہ میں دین سے منحرف یا منافق ہو گیا ہوں بلکہ میں نے یہ اقدام اپنے اس ایمان و یقین کی بنا پر کیا کہ میرے اس اطلاع دینے سے حضور کو اور حضور کے مقصد کو تو کوئی نقصان پہونچے گا نہیں، اللہ تعالیٰ کو جو منظور ہے اور مشیت ایزدی جو فیصلہ کر چکی ہے (یعنی مکہ کی فتح و تسخیر) وہ تو ہو کر ہی رہے گی، بس میرا ایک احسان مکہ والوں پر ہو جائے گا اور پھر وہ میرے بال بچوں کا خیال رکھیں گے ـــــ میں نے بس یہی سمجھ کر یہ کام کیا تھا ـــــ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جن کو اللہ تعالیٰ نے ایمانی جلال کی دولت سے بھرپور نوازا تھا

غصہ سے بھر گئے اور حضور کی خدمت میں عرض کیا کہ حضرت مجھے اجازت دیں کہ اس منافق کا سر میں قلم کر دوں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ سے فرمایا کہ تمہیں معلوم ہے کہ یہ حاطب غزوۂ بدر میں ہمارے تمہارے ساتھ تھے اور اللہ تعالیٰ نے غزوۂ بدر کے تمام مجاہدین کے لیے مغفرت اور جنت کا فیصلہ اسی وقت فرما دیا تھا اور یہ بھی فرما دیا تھا۔ "اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ اِنِّیْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْر" حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ سُنا تو اُن کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور عرض کیا اَللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اعلم۔

جیسا کہ اوپر ذکر کیا جا چکا ہے یہ واقعہ صحیحین میں بلکہ قریب قریب ساری ہی کتب حدیث میں اجمال و تفصیل کے تھوڑے سے فرق کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔

اس واقعہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حاطب بن ابی بلتعہ کے بارہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو جو جواب دیا اُس سے معلوم ہوا کہ بعض اعمال صالحہ اتنے جاندار اور اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں اتنے محبوب و مقبول اور اُس کی رضا و رحمت کو اس قدر کھینچنے والے ہوتے ہیں کہ اُن کے کرنے والوں سے اگر سنگین گناہ بھی ہو جائیں تو ان اعمالِ صالحہ کے مقابلہ میں وہ گناہ بالکل بے اثر اور مضمحل ہو کر رہ جاتے ہیں۔ اس مادّی عالم میں اس کی مثال بالکل ایسی ہے کہ ایک شخص جس کی صحت بہت اچھی ہو اور وہ مقوی اور صحت بخش غذائیں اور اکسیر دوائیں برابر استعمال کرتا ہو، عام تجربہ ہے کہ اُس کو کھانے پینے کی وہ بہت سی مضر چیزیں نقصان نہیں دیتیں جو کمزور صحت والوں کو بیمار ڈال دیتی ہیں ۔۔۔ اسی سے ملتی جلتی دوسری مثال اس کی یہ بھی ہو سکتی ہے کہ ایک شخص جو نہایت ٹھنڈی نزلہ آور کوئی چیز کھالے یا سردی کے موسم میں بھیگ جائے یا نہالے تو اگر وہ کوئی ایسی دوا اُسی وقت استعمال کر لے جو اُس کے اعصاب کو طاقت بخش کے کھانے یا نہانے کے مضر اثرات کا مقابلہ کرنے کے قابل بنا دے تو انشاء اللہ یہ کھانا یا نہانا اُس کی تندرستی کو کوئی نقصان نہیں پہونچا سکے گا ۔۔۔۔۔ حسنات کے کفارۂ سیئات ہونے کے جس اصول و قانون کا ذکر قرآن مجید کی آیات اِنَّ الْحَسَنٰتِ یُذْهِبْنَ السَّیِّاٰتِ وغیرہ میں اور اس سے زیادہ تفصیل سے احادیث نبویہ میں کیا گیا ہے، اس کا فلسفہ اور راز بھی

یہی ہے ـــــ حاطب بن ابی بلتعہ کے اس واقعہ کی حقیقت بھی یہی ہے۔

غزوۂ بدر میں وہ اور اُن کے علاوہ جو مجاہدین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے سب کے سب پورے اخلاص کے ساتھ راہِ خدا میں سر کٹانے کے لیے بالکل تیار ہو کر میدان میں آئے تھے، اللہ تعالیٰ کی رضا طلبی و محبت اور ثوابِ آخرت کے سوا کوئی دنیوی اور مادّی منفعت اور نفسانی غرض اُن کے سامنے نہیں تھی، دشمن کی تین گنی تعداد اور سامانِ جنگ میں غیر معمولی برتری کی طرف توجہ دلا کر شیطان کیسے کیسے وسوسے ان کے دلوں میں ڈالتا ہوگا لیکن ایمان و یقین اور اللہ و رسول کے ساتھ سچی وفاداری نے ان کو ثابت قدم رکھا، اور انھوں نے اپنے کو قربانی کے لیے پوری طرح پیش کر دیا۔ خاصکر ان حاطب بن ابی بلتعہ نے اس وقت اللہ و رسول کی محبت اور دین کے مقابلہ میں اپنے اُن بیوی بچوں کو بالکل بھلا دیا جو اس وقت مکہ میں بالکل بے سہارا اور گویا اُن دشمنانِ حق کی قید میں تھے اور وہ اُن کے ساتھ جو چاہتے کر سکتے تھے۔

اُس وقت کے خاص حالات میں ان اہلِ بدر کا یہ کارنامہ اللہ تعالیٰ کو اسقدر پسند آیا اور اپنے ان وفادار جاں نثار بندوں پر اس کو اتنا پیار آیا کہ اُسی وقت اُن کے لیے مغفرت اور جنت کا حتمی فیصلہ کر دیا گیا اور یہ بھی کہہ دیا گیا کہ اگر بالفرض اس کے بعد تم سے کچھ گناہ بھی سرزد ہوں (اور ہم دیکھ رہے ہیں کہ تم کیا کیا کرو گے) تو مغفرت و جنت کے ہمارے اس فیصلہ پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔ کیونکہ آج کے تمہارے اس ایک عمل نے تمہاری ایمانی روح کو اتنا طاقتور بنا دیا ہے اور گویا تم نے ایسا ایمانی تریاق استعمال کر لیا ہے کہ اب گناہوں کا زہر بھی تمہارے لیے مہلک نہ ہوگا۔ (اعملوا ما شئتم انی بما تعملون بصیر)

یہ بالکل ویسی ہی بات ہے جو ہم انسانوں کی جسمانی بیماری اور تندرستی کے معاملے میں دیکھتے ہیں کہ آدمی کی صحت اگر خدا کے فضل سے زیادہ اچھی ہے تو مضر غذائیں بھی اس کو نقصان نہیں پہونچاتیں۔ وہ سب کو ہضم کر لیتا ہے۔ اور بیماری اول تو اس کے پاس آتی ہی نہیں اور کبھی آجاتی ہے تو اس کی تندرست طبیعت خود بخود ہی اس کو دفع کر دیتی ہے یا دوا کی مدد سے اس کو شکست دے کر جسم کی قلمرو سے اس کو نکال باہر کرتی ہے، اور اس کے برعکس جب مرض جسم پر غالب آجاتا ہے تو طبیعت اس کو دفع نہیں کر سکتی بلکہ وہ برابر طبیعت کو گراتا رہتا ہے، یہاں تک کہ پھر دوا سے

بھی اس کو کوئی فائدہ نہیں پہونچتا، اور کیفیت یہ ہو جاتی ہے کہ ع

مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی

کفارۂ سیئات اور حبطِ اعمال کے قانون کی حقیقت اور اُس کا راز بس یہی ہے۔ معصیت کی مثال روحانی مرض اور زہر کی سی ہے اور عمل صالح گویا روحانیت کے لیے قوت بخش غذا یا صحت بخش اور اکسیر دوا ہے، لہذا جب کسی کے پاس اعمالِ صالحہ زیادہ جاندار اور طاقت ور ہوں گے اور معصیات ان کے مقابلہ میں کمزور تو یہ اعمالِ صالحہ ان معصیتوں کو فنا کر دیں گے۔ آیتِ قرآنی "اِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ"[1] اور ارشادِ نبوی "اَتْبِعِ السَّيِّئَةَ الْحَسَنَةَ تَمْحُهَا"[2] کی یہی حقیقت اور یہی راز ہے۔

اسی طرح اگر اس کے برعکس کسی کے گناہ بہت سنگین، سخت، زہریلے اور مہلک قسم کے ہوں گے اور ان کے مقابلہ میں نیکیاں زیادہ جاندار اور طاقت ور نہ ہوں گی تو یہ نیکیاں اپنا کوئی خاص اثر نہیں دکھا سکیں گی بلکہ گناہوں کا زہر ان کو بھی فنا کر دے گا۔ اسی قانون کا عنوان "حبطِ اعمال" ہے۔ کفر و شرک یا ریاکاری کے ساتھ کسی بڑی سے بڑی نیکی کے بھی مقبول و نفع مند نہ ہونے کی وجہ یہی ہے، اسی طرح بہت سی معصیات کے بارہ میں جو فرمایا گیا ہے کہ ان کے مرتکبین کی عبادات بھی قبول نہیں ہوتیں یا فرمایا گیا ہے کہ ان کی دعائیں قبول نہیں کی جاتیں تو اس کا راز یہی ہے —— اور ملحوظ رہنا چاہیے کہ اعمالِ صالحہ کے جاندار اور طاقتور ہونے نہ ہونے، اور اسی طرح معصیات کے زیادہ سنگین اور مہلک ہونے یا نہ ہونے کا دارومدار زیادہ تر یا تو اس نیت اور اُس قلبی کیفیت اور جذبہ پر ہوتا ہے جس کے ساتھ وہ اچھے یا بُرے اعمال بندہ سے سرزد ہوتے ہیں، یا اُن اعمال سے پیدا ہونے والے نتائج کی نوعیت پر۔

---

[1] یہ حقیقت ہے کہ نیکیاں گناہوں کو (یعنی اُن کے اثرات کو) ختم کر دیتی ہیں۔

[2] حدیث کے اس جملہ کا مطلب یہ ہے کہ جب تم سے کوئی گناہ خدانخواستہ ہو جائے تو اس کے بعد کوئی اچھا عمل ضرور کرو وہ اس گناہ (کے اثر) کو زائل کر دے گا۔

بنو اسرائیل سرزمینِ مصر میں

ہمارے ایک عزیز دوست مولوی رئیس الاحرار ندوی دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کے نوجوان فاضل ہیں، آج کل ایک مستقل کتاب وہ "تاریخ یہود" کے نام سے لکھ رہے ہیں، کتاب تکمیل کے قریب ہے، اسکے چند درمیانی صفحات موصوف نے اشاعت کے لئے بھیجے ہیں جو ذیل میں درج کئے جا رہے ہیں، امید ہے کہ اس کتاب کی تکمیل سے یہود کی تاریخ سامنے آجانے کے علاوہ قرآن مجید کے بہت سے حصوں کے سمجھنے میں بھی خاص مدد ملے گی۔

محمد منظور نعمانی

جس وقت حضرت یعقوب علیہ السلام اپنی اولاد کے ساتھ سرزمین مصر میں آباد ہوئے اُس وقت حضرت یوسف علیہ السلام کی عمر انتالیس سال تھی،[1] پورے اسّی سال عہدہ وزارت[2] پر فائز رہنے کے بعد ایک سو دس سال کی عمر میں آپ بھی انتقال کر گئے۔[3] جب تک حضرت یوسف علیہ السلام زندہ رہے بنو اسرائیل نے مصر میں امن و عافیت کی زندگی گذاری لیکن حضرت یوسف کے بعد مصر کے تخت پر ایک ایسا بادشاہ متمکن ہوا جو بنو اسرائیل کی قدر و منزلت سے ناواقف تھا۔[4] اس نے بنو اسرائیل پر ظلم و ستم ڈھانا شروع کر دیا، اور جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام (یہودیوں کے جد امجد) کو اطلاع دی تھی کہ

---

[1] توراۃ، پیدائش ۴۱: ۴۶ [2] ۴۳ تا ۴۷ [3] ۵۰: ۲۲، ۲۶ [4] کتاب الخروج ۱: ۶، ۸

"تیری اولاد ایک پردیسی ملک میں جاکر غلام ہو جائے گی اور وہاں کے لوگ ان پر چار سو سال ظلم و ستم ڈھاتے رہیں گے۔" (پیدائش ۱۶: ۱۳ و ۱۴) فرعون مصر نے حکم دیا کہ بنو اسرائیل سے ٹیکس اور خراج وصول کرنے والے محصل بٹھا دو جو ان کے ساتھ سختی کا برتاؤ کریں چنانچہ زراعت اور تعمیرات کے سلسلے میں بنو اسرائیل سے بہت سخت کام لیا جانے لگا یہاں تک کہ ان کی زندگی تلخ ہوگئی (خروج ۱: ۱۱ تا ۱۴) پھر حکم دیا کہ بنو اسرائیل کی نرینہ اولاد کو پیدا ہوتے ہی قتل کر دو یا دریا میں ڈبو کر غرق کر دو (تورات کتاب الخروج ۱: ۱۵ تا ۲۲) ان سب مظالم کی اصل وجہ یہ تھی کہ شاہی خاندان کو یہ خطرہ لاحق ہو گیا تھا کہ بنو اسرائیل کثرت پاکر کہیں آمادہ بغاوت نہ ہو جائیں اور دشمنوں سے مل کر ہمارا ملک و راج دچھین لیں (خروج ۱: ۷ و ۸) چنانچہ رفتہ رفتہ بنو اسرائیل سلطنت کے عہدوں سے ہٹا کر ذلیل ترین خدمات پر مامور کیے گئے، اس طرح بتدریج اس اجنبی قوم کو غلامی و محکومی کے مضبوط طوق و سلاسل میں جکڑ دیا گیا اور انھیں اتنی شدت سے ستایا گیا کہ بیچارے تکلیف سے کراہنے اور سرد آہیں بھرنے لگے۔ (خروج ۵: ۲۳)

ان مظالم کو قرآن عزیز نے اپنے مختصر الفاظ میں اس طرح بیان کیا ہے:-

اِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِی الْاَرْضِ وَجَعَلَ اَهْلَهَا شِيَعًا يَّسْتَضْعِفُ طَائِفَةً مِّنْهُمْ يُذَبِّحُ اَبْنَاءَهُمْ وَيَسْتَحْيِیْ نِسَاءَهُمْ اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ۔ (قصص: ۴)	بیشک فرعون نے ملک میں سر اٹھایا اور اس نے اہل زمین کو کئی گروہوں میں تقسیم کر دیا پھر ایک گروہ (بنو اسرائیل) کو کمزور سمجھ کر ان کے بیٹوں کو قتل کرنے لگا اور ان کی عورتوں کو زندہ رکھنے لگا بلاشک وہ فسادیوں میں سے تھا۔

اہل مصر اولاد اسرائیل سے رات دن محنت و مشقت کا کام لیتے لیکن اسکے باوجود انھیں پیٹ بھر کھانے کو نہ دیتے۔ ظلم کی انتہا ہو گئی کہ بنو اسرائیل کی عبادتوں پر بھی پابندی لگا دی گئی اور حکم نافذ کر دیا گیا کہ تم لوگ اپنی عبادت گاہوں، مسجدوں اور معبدوں میں نمازیں نہیں پڑھ سکتے اور نہ ذکر الٰہی ہی کر سکتے ہو۔ چنانچہ حضرت موسیٰ نے اپنی قوم کو حکم دیا کہ

" وَاجْعَلُوا بُيُوتَكُمْ قِبْلَةً " اپنے گھروں ہی کو مسجدیں بنا لو یعنی گھروں میں چھپ چھپا کر پوشیدہ طور پر نمازیں پڑھو اور عبادت کرو!

بنو اسرائیل نے فرعون سے مطالبہ کیا کہ ہمیں اجازت دیجئے تاکہ ہم اپنے خدا کی خوشنودی اور رضاجوئی کے لئے قربانیاں کریں تو فرعونی حکومت نے یہ جواب صادر فرمایا کہ " ان لوگوں کا کام بڑھا دو تاکہ اس میں مشغول و مصروف رہیں اور قربانی جیسی "بیہودہ" بات کی طرف دھیان دے سکیں (خروج ۵: ۱ و ۳) تورات کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح ہندوستان میں ہندو قوم گائے اور دوسرے جانوروں کی قربانی کو پاپ سمجھتی ہے اسی طرح اہل مصر بھی قربانی کو گناہ سمجھتے تھے، چنانچہ حضرت موسیٰ کے پُر زور مطالبہ سے متأثر ہو کر ایک بار فرعون نے بنو اسرائیل کو اجازت دیدی کہ سرزمین مصر میں قربانی کر لو، تو بنو اسرائیل کو خطرہ لاحق ہوا کہ آبادی میں قربانی کرنے کی وجہ سے قبطی لوگ کہیں ہم پر پتھراؤ نہ کرنے لگیں اس لئے شہر سے باہر جا کر قربانی کی اجازت مانگی گئی (خروج ۸: ۲ تا ۲۸)

قدیم مصر اور ہندو مذہب کی تاریخ کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ یہ دونوں مذہب یک ہی درخت کی دو شاخیں ہیں کیونکہ ان کے احکام آداب و اطوار اور تہذیب و تمدن میں زبردست مشابہت پائی جاتی ہے۔ اگرچہ اس حقیقت کی عقدہ کشائی میرے موضوع سے خارج ہے لیکن پھر بھی اس سلسلے میں مختصراً کچھ عرض کر دینا فائدہ سے خالی نہ ہوگا۔

ا۔ "عقیدۂ تناسخ" (آواگمن) ہندوؤں کا ایک مشہور و متفق علیہ عقیدہ ہے (گیتا نواں و دسواں باب) اہل مصر بھی اس عقیدے کے قائل تھے چنانچہ حکیم فیثاغورس یونانی نے تناسخ کا مسئلہ اہل مصر ہی سے اخذ کیا تھا، مصریوں کا عقیدہ تھا کہ مرنے کے بعد انسان دوبارہ انسانی قالب میں پیدا ہوتا ہے لیکن اسکے اعمال اگر ناپاک ہوں تو پھر کسی جانور کی شکل میں جنم لینا پڑتا ہے اور عرصے کے بعد اپنی پوری سزا بھگت لینے کے بعد ہی انسانی قالب نصیب ہوتا ہے چنانچہ تین ہزار سال کے بعد ایک بدکردار آدمی دوبارہ انسانی شکل میں آسکتا ہے[1]

---

[1] تمدن قدیم وادی نیل ص ۱۱۱، ہیروڈوٹس ص ۱۲۸، تاریخ مصر قدیم اردو ص ۲۲، دائرۃ المعارف

۲۔ ہندوؤں کے یہاں نظریۂ اوتار جیسا کچھ مشہور و مسلم ہے سب کو معلوم ہے حتیٰ کہ شری کرشن جی نے فرمایا ہے کہ میں نے سانپ، شیر، ہاتھی، مگرمچھ، گرڑ اور بہت سے دوسرے جانوروں کا اوتار لیا ہے (گیتا: ۱۰، ۹) اسی طرح کرشن جی نے اپنے آپ کو سورج اور چاند بھی بتلایا ہے۔ اسی وجہ سے ہندو قوم ان سب جانوروں کی پوجا کرتی ہے اور انھیں خدا کا ظہور اور دیوتا سمجھتی ہے اسی طرح سے ان تمام جانوروں کو مصری لوگ بھی خدا اور دیوتا سمجھ کر پوجتے تھے[۱] دونوں ملکوں کے دیوی دیوتاؤں میں کامل تشابہ پایا جاتا ہے۔

دریاؤں کی پوجا اور اس میں تذکیر و تانیث کا امتیاز ہندوؤں میں ہے یہی بات مصریوں میں بھی تھی[۲]

۳۔ ہندو لوگ اپنے بادشاہوں کو عموماً سورج بھگوان کا اوتار مانتے ہیں، جیسے رام چندر اور کرشن جی کو سورج کا اوتار اور بیٹا مانتے ہیں فراعنۂ مصر کو بھی سورج کا اوتار اور معبود مانا جاتا تھا اور بڑی عقیدت سے انکی عبادت ہوتی تھی (ص ۱۵۹ تا ۱۶۰ ج ۱ ارض القرآن سید سلیمان ندویؒ بحوالہ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا) ہیرودس نے لکھا ہے کہ فراعنہ کو سورج بھگوان کا اوتار سمجھا جاتا تھا (ص ۱۳ ج ۱) سید رشید رضاؒ نے کہا ہے کہ فرعون مصری حکومت کے امراء وزراء اور خواص کا معبودِ اکبر سمجھا جاتا تھا (المنار ص ۳۰۹ ج ۱ و ترجمان القرآن آزادؒ)۔

۴۔ ہندو لوگ گائے کو مقدس مانتے ہیں اور بڑے اہتمام سے اُسکی پوجا کرتے ہیں مصر میں بھی گائے کی پوجا ہوتی تھی (رولن و اثر الجلیل) سانڈ چھوڑنے کا رواج بھی مصریوں میں تھا اور اس کی پوجا بھی کی جاتی تھی (ملاحظہ ہو دائرۃ المعارف بستانی ص ۴۲ ج ۲ لفظ ابیس۔)

---

[۱] تاریخ مصر قدیم: رولن ص ۴۹ ج ۱، بدایۃ القدماء ص ۴۵، ہیرودس ص ۱۷۵، بستانی وغیرہ۔
[۲] تاریخ یونان قدیم: اڈولف ہولم ص ۴۳ ج ۱، ۲: ۲۱ حاشیہ بحوالہ آر، سٹوورٹ پول کی فہرست سکہ جات یونان اور الحضارۃ القدیمہ، ص ۲۵ ج ۲۴

اسی طرح ہندوؤں کے یہاں جانوروں کا مار ڈالنا گناہ ہے اگر کوئی شخص غلطی سے کوئی جانور مار ڈالے تو اس کا مقرر کردہ کفارہ دینا لازم ہے (منوسمرتی تیسرا باب)
بالکل یہی حال مصریوں کا تھا (رولن صفحہ ۴۶ ج ۱ و ہیرودس صفحہ ۱۲۵ تا صفحہ ۱۲۰)، چنانچہ ایک بار ایک رومی باشندہ نے ایک بلی کو مار ڈالا تو مصریوں نے مل کر اسے موت کی سزا دی حالانکہ اس وقت مصر رومیوں ہی کے زیر اقتدار تھا (رولن صفحہ ۴۶ ، اثر الجلیل صفحہ ۱۳)
مصری لوگ سور کو ناپاک اور اسکے پالنے والوں کو ذلیل سمجھتے تھے (رولن و بدایۃ القدماء)
یہی حال ہندوؤں کا ہے۔ (منوسمرتی)

۵۔ ہندوؤں کا عقیدہ ہے کہ بھارت میں پہلے پہل دیوتاؤں کی آبادی اور حکومت تھی اور ہم لوگ انھیں دیوتاؤں کی اولاد ہیں یہی عقیدہ اہل مصر میں بھی پایا جاتا تھا۔ (ہیرودس صفحہ ۱۷۵، بدایۃ القدماء صفحہ ۴۲، دائرۃ المعارف بستانی لفظ افریقیہ جلد دوم)
تمام مصری قوم سات حصوں اور فرقوں میں بکھری ہوئی تھی اور غیر برہمن کو علوم و فنون کی تعلیم دینے کا اختیار نہیں تھا نہ کسی شخص کو اپنا آبائی پیشہ بدلنے کا حق حاصل تھا (رولن و حضارۃ القدیمۃ) ہندوستان میں اگرچہ مشہور ہے کہ ہندو قوم چار فرقوں (برہمن، چھتری ویشہ، شودر) میں منقسم ہے اور منوسمرتی و گیتا وغیرہ میں ایسا ہی لکھا بھی ہے لیکن "اپنشد" کی کتابوں میں بعض مقامات پر تصریح موجود ہے کہ ہندو قوم کی سات قسمیں ہیں (اپنشد کی گیارہوں کتابیں مع تفسیر شنکر آچاریہ مطبوعہ گیتا پریس گورکھپور)۔

۶۔ ہندوؤں کے یہاں ہر سال دیوالی کا تہوار بڑی دھوم دھام سے منایا جاتا ہے اور گھر گھر چراغاں ہوتا ہے۔ مصر میں بھی یہ مقدس تہوار بڑی دھوم سے منایا جاتا تھا فرعون مصر کا حکم تھا کہ جو شخص میلہ گاہ میں چراغاں نہ کر سکے وہ کم از کم اپنے گھر ضرور ہی چراغاں کرے (رولن صفحہ ۴۳، ہیرودس صفحہ ۱۳۷)

۷۔ ہندوستان میں چھوت چھات کا بڑا خیال و لحاظ ہے ہندو قوم کا اس بارے میں تشدد محتاج تشریح نہیں، مصریوں میں بھی یہ بات پائی جاتی تھی یہاں تک کہ یہ لوگ غیر قبطی کے ساتھ کھانا پینا جائز نہیں سمجھتے تھے بلکہ غیر قبطی کے چاقو سے کٹی ہوئی چیز بھی ناقابل استعمال

سمجھتے تھے (بدایۃ القدما ص۴۹)۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے مصر میں اپنے بھائیوں کی آمد پر دسترخوان چنوایا تو قبطیوں اور عراقیوں کا کھانا الگ الگ رکھا کیونکہ اہل مصر عبرانیوں کے ساتھ مل کر کھانے کو مکروہ سمجھتے تھے (ملاحظہ ہو توراۃ کی کتاب پیدائش ۴۳ : ۳۲ و بدوالمتعہ ۴۵) مصر کے دیہاتی لوگ بھی اپنے گاؤں میں حراقیوں اور کنعانیوں کو نہیں بسنے دیتے تھے! (پیدائش ۴۶ : ۳۴) ذات پات کا یہ بھید وبھاؤ ہندوؤں میں پورے زور شور سے پایا جاتا ہے۔

۸۔ علم جوتش ونجوم سے ہندوؤں کا تعلق جیسا کچھ ہے ظاہر ہے۔ مصریوں میں بھی ان علوم سے بڑی دلچسپی پائی جاتی ہے دونوں قومیں شمسی حساب سے سال وماہ کی تقسیم کرتے تھے (بدایۃ القدما، ص۵۱)

۹۔ مصری لوگ اگرچہ بنواسرائیل کو جانوروں کی قربانی سے روکتے تھے اور جانوروں کا ذبیحہ بُرا سمجھتے تھے لیکن ان کے یہاں بھی جانوروں کی قربانی کا رواج تھا اور اپنے دیوتاؤں کے نام پر یہ لوگ کافی تعداد میں جانوروں کو ذبح کرتے تھے مصری لوگ قربانی کے جانور کو ذبح کرنے سے پیشتر لعنت کرتے تھے اور جانوروں کے سر پر ہاتھ رکھ کر دعا کرتے تھے کہ جو بلائیں ہم پر نازل ہونے والی ہیں وہ ہم سے دفع کرکے انھیں جانوروں کی طرف متوجہ کر دی جائیں (مصر کی قدیم تاریخ رولن ص۲۸) اور حد یہ کہ دیوتاؤں کی خوشنودی کے واسطے انسانوں کی بھی قربانی کر دی جاتی تھی چنانچہ مقریزیؒ نے لکھا ہے کہ فرعون موشروش اپنے مہمانوں اور مسافروں تک کو قربان کرکے دیوتاؤں کی رضاجوئی کرتا تھا (ملاحظہ ہو کتاب الخطط جلد اول) بعد کے فراعنہ نے اس طریق عبادت پر پابندی لگا دی (اثر الجلیس)۔ اسی طرح سے ہندوستان میں ہندوؤں کے یہاں بھی جانوروں کی قربانی کا رواج عام تھا اور گائے وغیرہ تو دوسری چیزیں ہیں متبرک اور مقدس تقریبوں میں گینڈا اور کچھوا، سور اور دوسرے درندوں تک کا گوشت کھانا اور کھلانا باعث نجات اور ثواب کا ذریعہ سمجھا جاتا تھا (ملاحظہ ہو منوسمرتی ۳ : ۲۶۹ تا ۲۷۲ وغیرہ)

وید مقدس میں بھی صاف اور صریح طور سے قربانی کا حکم دیا گیا ہے مگر دورِ حاضر کے ہندو عالم اس کی تاویل کرتے ہیں ملاحظہ ہو رگوید ۱۔۱۱۔۳۔۴، رگوید ۵۔ ۹۔۴۔۲ وغیرہ لیکن یہ تاویلات اُس وقت باطل ہو جاتی ہیں جب ہم ان ویدوں کی الہامی تفاسیر خصوصاً شتپتھ برہمن تفسیر یجروید میں دیکھتے ہیں کہ قربانی کے جانوروں کے ذبح کرنے کا طریقہ، گوشت کے کھانے پکانے اور کھال کھینچنے، گوشت کی بوٹی بنانے وغیرہ پر مفصل اور مکمل ہدایت موجود ہے انشاء اللہ اس مسئلے پر مفصل تحقیقی بحث آئندہ آئے گی جبکہ ہم یہودیوں کا تعلق بابلی حکومت یعنی بخت نصر اور اسکے جانشینوں سے دکھلائیں گے۔

مصر و ہند کے مذاہب پر یہ سرسری نظر اس امر کا پتہ دے رہی ہے کہ دونوں ملک فی الحقیقت ایک ہی مذہب اور مسلک کے پابند تھے، گردشِ ایام نے مصریوں کا نام و نشان مٹا دیا اور فرعونیوں کی خدائی کا سفینہ دریائے نیل و بحرِ احمر میں غرق ہو گیا۔ صرف عبرت و موعظت کے لئے تاریخ کے اوراقِ پارینہ ہی میں اُن کے حالات کا پتہ لگتا ہے لیکن ہندو تہذیب آج بھی پورے آب و تاب کے ساتھ زندہ ہے اور ہندوستان میں رام چندر و کرشن جی کی معبودیت کا سکہ آج بھی چل رہا ہے۔ صرف اتنا ہوا ہے کہ تغیرِ زمانہ کے ساتھ ساتھ ہندوؤں کے بعض مسائل و نظریات میں بھی کچھ تغیر آ گیا ہے اور بس۔

جس طرح سے ہندوؤں نے کسی زمانہ میں شودروں اور دراوڑوں کے ساتھ کسی زمانہ میں حد درجہ کی قساوتِ قلبی کا ثبوت دیا تھا (منوسمرتی کا تیسرا تا آٹھواں باب دیکھئے) اسی طرح مصریوں نے بھی بنواسرائیل کے ساتھ برتاؤ رکھا اولادِ یعقوب کو جانوروں کے درجے سے بھی گرا دیا، بنواسرائیل فرعونیوں کے لئے دن و رات کام کرتے کرتے تھک جاتے لیکن اس قوم کو فرعونی لوگ پیٹ بھر کھانا بھی نہ دیتے حد یہ کہ اینٹ سازی (خشت سازی) کا حکم دیا مگر اُس کا پورا سامان نہ دیا جب بیچاروں نے اینٹ بنانے کے لئے بھوسا مانگا تو جواب ملا کہ تم سب سست اور کاہل ہو کام سے جی چراتے ہو، کام سے بچنے کے لئے کبھی عبادت کا بہانہ کرتے ہو کبھی قربانی کا حیلہ ڈھونڈھ نکالتے ہو، چلو کام پورا کرو تمہیں بھوسا نہیں دیا جائے گا: (ملاحظہ ہو خروج ۵: ۱۵ تا ۱۸)

(باقی صفحہ پر)

ساعتے با اولیاء

حضرت عبداللہ بن مبارکؒ

مولوی اقبال احمد صاحب اعظمی

دوسری صدی ہجری میں جو غیر معمولی علمی اور دینی شخصیتیں امت محمدیہ میں پیدا ہوئیں ان میں ایک ممتاز شخصیت حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کی ہے، ان کے اجمالی تعارف کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ حضرت سفیان ثوری جیسے جلیل القدر امام فرماتے تھے کہ:۔

اگر میں اپنے امکان بھر اسکی کوشش کروں کہ پورے سال میں صرف تین دن عبداللہ بن مبارک کی طرح گذاروں تو میں اس میں کامیاب نہ ہوسکوں گا۔

یہ امت کے مسلم امام و مجتہد، علم نبوت کے امین اور عابد و زاہد تھے اور ان سب چیزوں کے ساتھ جہاد فی سبیل اللہ سے خاص شغف تھا، اللہ تعالیٰ نے مال و دولت سے بھی خوب نوازا تھا، اور اللہ کی بخشی ہوئی دولت کو اسکی راہ میں خرچ کرنا ان کی روح کی لذیذ ترین غذا اور ان کا محبوب ترین مشغلہ تھا ——— آیئے تھوڑی دیر کے لئے ان کی بابرکت خدمت میں حاضر ہوں۔

اسی دوسری صدی کے ایک بزرگ حضرت محمد بن اعین جو سفروں میں آپکے ساتھ رہتے تھے ان کا بیان ہے کہ ہم لوگ روم کی ایک جنگ میں گئے ہوئے تھے، ایک رات کا واقعہ ہے کہ عبداللہ بن مبارک اپنا سر زمین پر رکھ کر لیٹ گئے اور اس طرح آنکھیں بند کرلیں کہ میں سمجھوں کہ وہ سو گئے ہیں، میں نے بھی یہ کیا کہ اپنا نیزہ زمین پر رکھ کر لیٹ گیا اور

آنکھیں بند کرلیں تاکہ وہ سمجھیں کہ میں سو گیا، جب انھوں نے یہ اندازہ کرلیا کہ میں سو گیا ہوں تو اُٹھے اور صبح تک برابر نماز پڑھتے رہے اور میں پڑا دیکھتا رہا، جب صبح صادق ہوئی تو یہ خیال کرکے کہ میں سویا ہوا ہوں مجھے آکر جگانے لگے، میری زبان سے نکل گیا حضرت میں سویا نہیں ہوں، میری یہ بات سُن کران کو سخت کوفت اور اذیت ہوئی اور انھیں میری یہ حرکت اس قدر گراں ہوئی کہ پھر کبھی انبساط کے ساتھ وہ مجھ سے بات نہیں کرسکے۔ اپنے اعمالِ خیر کو چھپانے والا میں نے ان جیسا کوئی دوسرا کبھی نہیں دیکھا۔

حضرت عبداللہ بن مبارک مروؔ (خراسان) کے رہنے والے تھے، آپ طرطوس اکثر تشریف لے جاتے تھے اور وہاں رقہ کی ایک سرائے میں قیام فرماتے تھے، وہاں جب جاتے تو ایک نوجوان آپکے پاس آتا اور آپسے حدیث پڑھا کرتا، ایک مرتبہ آپ رقہ تشریف لے گئے لیکن ابکی دفعہ وہ نوجوان آپ کے پاس نہیں آیا، آپ نے لوگوں سے دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ اسکے ذمہ کسی کا دس ہزار درہم قرض تھا وہ وقت پر ادا نہیں کرسکا اس لئے قرض خواہ نے اسے قید کرا دیا ہے، آپ نے قرض خواہ کو تلاش کیا اور اسے ایک رات اپنے پاس بلاکر اس نوجوان کی طرف سے دس ہزار درہم اس کے سامنے گن دیئے اور فرمایا کہ صبح اس کو آزاد کردو، اور اس سے قسم لی کہ میری زندگی بھر اس بات کی کسی کو خبر نہ ہو، اور خود صبح سے پہلے ہی وہاں سے روانہ ہوگئے، نوجوان قید سے نکلا تو لوگوں نے اسے بتایا کہ حضرت عبداللہ بن مبارک تشریف لائے تھے تمھیں پوچھ رہے تھے اور واپس تشریف لے جاچکے، نوجوان آپ کی تلاش میں نکل پڑا اور تھوڑے ہی فاصلہ پر آپ کو پالیا۔ دیکھتے ہی حضرت ابن مبارک نے پوچھا " میاں صاحبزادے کہاں تھے کہ ابکے ہم رقہ آئے تو تمھیں نہیں دیکھا؟ عرض کیا کہ میرے اوپر قرض تھا اسکی وجہ سے میں قید کردیا گیا تھا، لیکن اللہ کا کوئی بندہ آیا اور میری طرف سے قرض ادا کر گیا اور اس طرح مجھے رہائی نصیب ہوگئی، لیکن مجھے کچھ نہیں معلوم کہ وہ کون میرا مہربان تھا۔ حضرت عبداللہ نے فرمایا کہ صاحبزادے بس خدا کا شکر ادا کرو کہ اس نے تمھیں رہائی بخشی اور قرض سے نجات دی۔

ایک شخص حضرت عبداللہ بن مبارک کے پاس آیا اور کہا کہ میں سات سو درہم کا قرض دار ہوں، آپ نے اپنے خزانچی کے پاس خط لکھ کر اس کو دیا جس میں تحریر تھا کہ اس شخص کو سات ہزار درہم دے دیئے جائیں، جب یہ شخص رقعہ لیکر خزانچی کے پاس پہونچا تو خزانچی کو خود اس سے معلوم ہوا کہ اس پر صرف سات سو روپئے قرض ہیں اس لئے اس نے آپ کی خدمت میں لکھا کہ اسکی حاجت صرف سات سو کی ہے اور آپ نے سات ہزار دینے کے لئے لکھا ہے اور پوزیشن یہ ہے کہ فنڈ قریب الختم ہے، آپ نے جواب میں لکھا کہ فنڈ قریب الختم ہے تو یہ میری زندگی بھی قریب الختم ہی ہے ـــــ ابتو اس کو سات ہزار ہی دیئے جائیں جو میرے قلم سے نکل گیا ہے۔ (ماخوذ از تاریخ بغداد و کتاب الجرح والتعدیل)

(بقیہ بنو اسرائیل صـ۵۳)

بہر حال فرعونیوں کے مظالم اپنے حد کو پہنچ چکے تھے اور ضرورت تھی کہ اللہ تعالیٰ اولاد یعقوب میں سے کوئی ایسی جانباز اور انقلاب آفرین شخصیت پیدا کرے جو بنو اسرائیل کی کھوئی ہوئی عظمت اور آزادی کو واپس دلائے اور انھیں طوق غلامی سے نجات حاصل کرنے کا سبق پڑھائے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کے فیصلہ کے مطابق حضرت موسیٰ کی آمد آمد کا اعلان ہونے لگا۔ اسرائیلیوں میں خوشی اور فرعونیوں میں حیرانی بڑھتی جارہی تھی۔ موسیٰ کو قتل کرنے کے خیال سے تمام اولاد اسرائیل ہی کا قتل ہو رہا تھا۔ اولاد اسرائیل کا قتل اس نظریہ کے تحت ہو رہا تھا کہ بنو اسرائیل کثرت و قوت پاکر کہیں ہماری حکومت ہی چھیننے کے درپے نہ ہو جائیں، اُدھر اللہ تعالیٰ فراعنہ کی خواہشات کے برخلاف کچھ اور فیصلہ کر رہا تھا۔

(بقیہ معارف الحدیث صـ۱۲)

برقرار رکھا گیا، اور بلاشبہ ارباب ذوق کے لئے اس میں ایک خاص لطف ہے ـــــ اب جو لوگ اس صیغۂ خطاب سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے "حاضر و ناظر" ہونے کا عقیدہ پیدا کرنا چاہتے ہیں اُن کے متعلق بس یہی کہا جا سکتا ہے کہ وہ شرک پسندی کے مریض نہایت ہی کور ذوق اور عربی زبان و ادب کی لطافتوں سے بالکل ہی نا آشنا ہے۔

۲
کتب خانۂ الفرقان لکھنؤ کی مطبوعات
نماز کی حقیقت
از:- مولانا محمد منظور نعمانی
نماز کے متعلق کتاب وسنت کے لطیف اشارات اور ائمہ دین وعارفین سوتما حضرت امام غزالی حضرت مجدد الف ثانی حضرت شاہ ولی اللہ کے عارفانہ افادات کا عطر کھینچ کر اس رسالہ کی صورت میں پیش کر دیا گیا ہے۔ کاغذ اعلیٰ۔ کتابت و طباعت معیاری
قیمت -/۷۵/-
اسلام کیا ہے؟
از:- مولانا محمد منظور نعمانی
اُردو اور ہندی دونوں زبانوں میں
اس کتاب کے دیکھنے والوں کا عام احساس یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو کوئی خاص مقبولیت و تاثیر عطا فرمائی ہے بس اللہ ہی جانتا ہے کہ اس کے کتنے بندوں اور بندیوں پر اس کتاب کا اثر پڑا ہے۔ اسلام کے متعلق ضروری واقفیت حاصل کرنے کے لئے ہی نہیں بلکہ کامل مسلمان اور اللہ کا ولی بننے کے لئے بھی اس کا مطالعہ اور عمل انشاء اللہ کافی ہے — کتابت و طباعت اعلیٰ اور معیاری
کلمۂ طیبہ کی حقیقت
از:- مولانا محمد منظور نعمانی
اس رسالہ میں اسلام کے کلمۂ دعوت لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی تشریح پوری تحقیق کیساتھ ایسے دلنشیں اور مؤثر انداز میں کی گئی ہے کہ سطر سطر کے مطالعہ سے نور یقین میں اضافہ ہوتا ہے اور عقل اور جذبات اور دل و دماغ یکساں طور پر متاثر ہوتے ہیں۔ قیمت :- -/۳۷/-
کاغذ ۲۸ پونڈ مجلد خوبصورت ڈسٹ کور۔ قیمت -/-/۲ (ہندی ایڈیشن فی الحال ختم ہو گیا ہے)۔
معارف الحدیث
یعنی احادیث نبوی کا ایک جدید مجموعہ مع ترجمہ و تشریح
از مولانا محمد منظور نعمانی
جو دور حاضر کے مسلمانوں کی ذہنی و فکری حالت کو سامنے رکھ کر مرتب کیا گیا ہے
احادیث نبوی کی جو اصل غرض وغایت اور روح ہے — یعنی اصلاح و ہدایت اور تزکیہ و تربیت
مؤلف نے پوری کوشش کی ہے کہ یہی غایت و روح اس کتاب کی بھی رہے اور ارشادات نبوی کے جو اثرات صحابۂ کرام پر پڑتے تھے ان کا کوئی عکس اس کتاب کے ناظرین پر بھی پڑے۔ اسی کے ساتھ ہر حدیث سے متعلق سوالات کے علمی اور تحقیقی جوابات عام فہم انداز میں —
ابھی تک دو جلدیں تیار ہوئی ہیں پہلی جلد میں استاد حدیث حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمی کا ایک بسیط محققانہ مقدمہ "حجیت حدیث" پر ہے۔ اور دوسری جلد کا مقدمہ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کے قلم سے "ضرورت حدیث" پر۔ ہر مقدمہ بجائے خود ایک نایاب شے ہے۔ جلد اول غیر مجلد -/-/۴ مجلد -/-/۵
جلد دوم غیر مجلد -/۵۰/۴ مجلد -/۵۰/۵
برکات رمضان
از مولانا محمد منظور نعمانی
اسلام کے اہم رکن "صوم رمضان" اور ماہ رمضان اور اسکے خاص اعمال و وظائف تراویح و اعتکاف وغیرہ کے فضائل و برکات اور ان کی روحانی تاثیرات کا نہایت مؤثر اور شوق انگیز بیان متعلقہ احادیث کی ایسی تشریح جس سے دل بھی متاثر ہو اور دماغ بھی مطمئن۔ قیمت -/۷۵/-
انیس نسواں
از محترمہ بیگم سید اصغر حسین صاحب
مسلمان خواتین خاصکر تعلیم یافتہ بہنوں میں دین کی طرف سے جو بے فکری اور آخرت کی طرف سے جو غفلت تیزی سے بڑھ رہی ہے اس کے علاج اور انسداد کے لئے ایک محترم بہن نے یہ رسالہ لکھا ہے۔ شروع میں مولانا نعمانی کے قلم سے پیش لفظ ہے۔
(زیر طبع)
ملنے کا پتہ:- کتبخانہ الفرقان کچہری روڈ لکھنؤ

کتب خانۂ الفرقان لکھنؤ کی مطبوعات
قرآن — آپ سے کیا کہتا ہے؟
از ـ مولانا محمد منظور نعمانی
قرآن پاک نے نوعِ انسانی کو جن چیزوں کی طرف خاص طور سے دعوت دی ہے یہ کتاب قرآن پاک کی اس دعوت پکار کی ترجمان ہے ـ ۳۷ ابواب میں متعلقہ قرآنی آیات کو نہایت مؤثر اور روح پرور تشریحات کیساتھ جمع کیا گیا ہے ـ
مجلد -/-/۴
دین و شریعت
از:ـ مولانا محمد منظور نعمانی
یہ "اسلام کیا ہے؟" سے اونچی سطح کی کتاب ہے جس میں توحید، آخرت اور رسالت، نماز، روزہ اور زکوٰۃ و حج اخلاق و معاملات دعوت و جہاد، سیاست و حکومت اور احسان و تصوف کے مباحث پر ایسی محققانہ روشنی ڈالی گئی ہے کہ دل و دماغ اور عقل و وجدان ایمان و اطمینان سے معمور ہو جاتے ہیں ـ بڑے بڑے اربابِ نظر نے اس کو اسلام پر ایک تشفی بخش اور جامع و مانع کتاب قرار دیا ہے ـ
کتابت و طباعت معیاری ـ قیمت مجلد -/-/۳
آپ حج کیسے کریں؟
حج و زیارت کے موضوع پر اب تک اردو میں بیشمار کتابیں شائع ہو چکی ہیں لیکن یہ کتاب اپنی اس خصوصیت میں اب بھی ممتاز اور منفرد ہے کہ حج کے احکام اور اس کا پورا طریقہ بھی یہ بہت آسان اور دلنشیں طریقے پر بتاتی ہے، اور ذوق و شوق اور عشق کا وہ جذبہ بھی پیدا کرتی ہے جو حج کی روح اور جان ہے ـ قیمت
مجلد -/-/۲
دین و شریعت کا انگریزی اڈیشن بھی تیار ہو گیا ہے ـ قیمت مجلد -/۵۰/۴
سفرنامۂ حجاز
ہندوستان کا سب سے پہلا
مکتبۂ الفرقان حجاج کی ضرورتوں کے پیش نظر دو بہترین کتابیں پیش کر چکا ہے جن کا تعارف اسی صفحے میں موجود ہے ـــــــ یہ سفرنامہ اس سلسلہ کی تیسری پیشکش ہے ـ
آج سے ایک سو اسّی برس پہلے حضرت شاہ ولی اللہؒ کے شاگرد، ایک فاضل اور اہلِ دل بزرگ مولانا حاجی رفیع الدین صاحب مرادآبادیؒ نے حرمین شریفین کا سفر بڑے ہی عاشقانہ انداز میں کیا تھا سوا دو سال کے اس پورے سفرِ عشق کی مکمل روئداد قلم بند کر کے انھوں نے یادگار چھوڑی تھی ـ تاریخی اعتبار سے یہ غالباً ہندوستان یا کم از کم شمالی ہندوستان کا سب سے پہلا سفرنامہ ہے ـ صاحب سفرنامہ کے وسیع علمی ذوق کی بنا پر اس عہد کے ہند و حجاز کے بہت ہی نادر حالات اور معلومات اسکے اندر آ گئے ہیں اور سفرِ حجاز کی ایمانی کیفیات کا تو یہ عجیب و غریب ہی مرقع ہے ـ مولانا نسیم احمد فریدی ہم سب کے شکریہ کے مستحق ہیں کہ انھوں نے اس چھپے ہوئے علمی اور دینی خزانہ کو فارسی سے اُردو منتقل کر کے اس کو طبع ہونے کا موقع بہم پہونچایا ـ
قیمت -/۷۵/۱
شاہ اسمٰعیل شہید
اور
اہلِ بدعت کے الزامات
ان الزامات کا نہایت تشفی بخش جواب مولانا نعمانی کے معرکہ آرا قلم سے ـ
قیمت -/۷۵/-
آسان حج
اسے آسان زبان میں "آپ حج کیسے کریں؟" کا مکمل خلاصہ سمجھئے ـ
کم تعلیم یافتہ حضرات کیلئے اپنے موضوع پر بہترین کتاب ہے
قیمت :- -/۵۰/-
ملنے کا پتہ :- کتبخانہ الفرقان کچہری روڈ لکھنؤ

صحیفۂ ہمام بن منبہؒ:-
حدیث کے مشہور راوی حضرت ابوہریرہؓ کی روایت کردہ احادیث کا ایک مجموعہ جو ان کے براہِ راست شاگرد نے مدون کیا تھا۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے ایڈٹ کر کے مع ترجمہ شائع کیا ہے انمول تاریخی تحفہ ہے قیمت -/۵۰/۳

ترجمان السنہ:-
از۔ حضرت مولانا بدر عالم صاحب میرٹھی۔ (مقیم مدینہ طیبہ)
یہ احادیث کا ایک بے مثل مجموعہ ہے تعلیم یافتہ مسلمان کو خواہ وہ جدید تعلیم کا حامل ہو یا قدیم تعلیم کا اس کے مطالعے سے محروم نہیں رہنا چاہئے۔ اب تک تین جلدیں شائع ہوئی ہیں جلد اول -/-/۱۰
دوم -/-/۹ - سوم -/۵۰/۱۰
(مجلد میں فی جلد -/-/۲ کا اضافہ)

علم الحدیث:-
از مولانا عبد اللہ العمادی۔ باوجود مختصر ہونے کے اپنے موضوع پر نہایت مفید کتاب ہے جس میں حدیث کے بارے میں پیدا ہونے والے شبہات کا جواب بھی مل جاتا ہے۔
قیمت -/۲۵/۱

کتابت حدیث:-
مولفہ مولانا سید منت اللہ شاہ صاحب رحمانی۔ اس کتاب میں حدیثوں کی تدوین و ترتیب پر نہایت سلیس زبان میں بحث کی گئی ہے
قیمت مجلد -/۲۵/۱

تدوین حدیث:-
از مولانا سید مناظر احسن گیلانیؒ
تدوین حدیث کی نہایت مفصل اور محققانہ تاریخ جس کے مطالعہ کے بعد اس میں کوئی شبہ باقی نہیں رہتا کہ احادیث کا جو ذخیرہ ہم تک پہونچا ہے وہ اس درجہ اطمینان بخش طریقے پر پہونچا ہے کہ اس سے زیادہ اطمینان بخش طریقہ عالم امکان میں نہیں۔ قیمت مجلد -/۵۰/۶

تاریخ و سیرت

النبی الخاتم ؐ:-
سیرت نبوی پر مولانا گیلانیؒ کی قابل دید کتاب۔ قیمت -/۷۵/۲

اسلام (آغاز و ارتقا)
مرتبہ حضرت مولانا محمد عاشق الٰہی صاحب
اس کتاب میں ہادی عالم پیغمبر اسلام حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ کو تحقیق و احتیاط کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔ اور تفصیلی حالات نہایت شیریں زبان میں لکھے گئے ہیں۔ قیمت -/-/۶

رحمت عالمؐ:- مدارس اور اسکولوں کے طلباء کے لئے سیرت پر ایک لاجواب کتاب علامہ سید سلیمان ندوی کے قلم سے
قیمت -/۷۵/۱

اصح السیر:- مولانا عبد الرؤف دانا پوری کی نہایت مستند و معتبر سیرت نبوی۔ قیمت -/-/۱۰

مقالات سیرت:-
از۔ ڈاکٹر محمد آصف قدوائی ایم اے (پی ایچ ڈی)
یہ سیرت محمدی پر آٹھ گرانقدر مقالوں کا مجموعہ ہے۔ جن کو مولانا سید ابو الحسن علی ندوی نے اپنے مقدمہ میں دل کھول کر داد تحسین پیش کی ہے مجلد -/۵۰/۴

عہد نبویؐ کے میدان جنگ
جس میں غزوات نبویؐ پر فن حرب (جنگی سائنس) کے نقطۂ نظر سے روشنی ڈالی گئی ہیں۔ متعدد جنگی میدانوں کے نقشے بھی شامل کتاب ہیں۔ از ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب
قیمت -/۵۰/۱

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مکتوبات و معاہدات
یعنی شاہانِ عالم عرب کے حکمرانوں و قبائلی سرداروں سے آپ کی سیاسی خط و کتابت اور معاہدات۔
از سید محبوب رضوی
قیمت -/۲۵/۲

صدیق اکبرؓ:-
از۔ مولانا سعید احمد صاحب اکبر آبادی صدر شعبۂ دینیات مسلم یونیورسٹی (علی گڑھ)
مولانا شبلی کے الفاروق کے بعد اردو زبان میں سیرت صدیق اکبر کا جو خلا محسوس ہوتا تھا مولانا اکبر آبادی کی اس کتاب نے اس کو کما حقہ پُر کر دیا ہے۔ قیمت -/-/۷

حضرت عمرؓ کے سرکاری خطوط
اسلامی تاریخ کا ایک نادر باب اور ایک بیش بہا دستاویز۔ جسے ایک ریسرچ اسکالر نے بڑی محنت سے ترتیب دیا ہے .. ۴۰۰ سے اوپر خطوط ایک حصہ میں خالص اردو اور دوسرے حصے میں عربی متن۔ ہر قیمت پر خریدنے کے لائق۔ قیمت مجلد -/-/۱۲
غیر مجلد -/-/۱۱

حضرت ابوبکرؓ کے سرکاری خطوط
حضرت عمرؓ کے سرکاری خطوط کے بعد اسی مرتب کی دوسری قابل قدر پیشکش اسی طرز پر۔ قیمت مجلد -/-/۵

امام ابوحنیفہؒ کی سیاسی زندگی
از مولانا گیلانیؒ قیمت مجلد -/-/۷

امام ابوحنیفہؒ اور ان کی تدوین قانون اسلامی
از ڈاکٹر حمید اللہ۔ قیمت -/۶۲/-

تاریخ دعوت و عزیمت
مولانا سید ابو الحسن علی ندوی کی مشہور کتاب جو مجددین و مصلحین امت کے تذکروں پر مشتمل ہے
جلد اول پہلی صدی ہجری سے ساتویں صدی تک، جلد دوم آٹھویں صدی کے جلیل القدر مجدد امام ابن تیمیہؒ نیز ان کے تلامذہ کی خدمات و حالات کے بیان میں
قیمت علی الترتیب
-/-/۶ ÷ -/۵۰/۶

ملنے کا پتہ:- کتب خانہ الفرقان - کچہری روڈ - لکھنؤ

تاریخ ملت:- شائع کردہ ندوۃ المصنفین دہلی
عہد رسالت سے سلاطین ہند تک (گیارہ حصوں میں) قیمت مکمل سٹ
غیر مجلد ۳۱/۵۰/- مجلد ۳۶/-/-

نقش حیات: حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کی خود نوشت سوانحعمری
جلد اول ۵/-/- دوم ۳/۵۰/-

مقدمۂ ابن خلدون:- علامہ ابن خلدون کی شہرہ آفاق کتاب، اُردو زبان میں متعلقہ نقشوں اور تصویروں سے مزین - ۱۵/-/-

بستان المحدثین (اُردو) کتب حدیث کا تعارف اور محدثین کرام کا تذکرہ حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کے قلم سے - قیمت مجلد ۵/-/-

تاریخ مشائخ چشت:- از پروفیسر خلیق احمد صاحب نظامی
غیر مجلد ۱۲/-/- مجلد ۱۳/-/-

تذکرہ شیخ محمد طاہر پٹنیؒ:-
قیمت مجلد ۱/۵۰/-

حیات شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ (ایضاً از پروفیسر نظامی) مجلد ۷/-/-

تذکرۃ الرشید:- از مولانا عاشق الٰہی صاحب میرٹھی قیمت ۸/-/-

سوانح قاسمیؒ: حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کی سوانح حیات
قیمت کامل ۱۵/-/-

حیات انورؒ:- سوانح حضرت علامہ سید انور شاہ صاحبؒ قیمت ۴/-/-

تاریخ دیوبند:- از سید محبوب رضوی - قیمت مجلد ۲/-/-

سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات
از خلیق احمد نظامی - غیر مجلد ۸/-/-
مجلد ۹/-/-

سفرنامہ ابن بطوطہ:- (اُردو ترجمہ) قیمت مجلد ۲/۵۰/-

طوفان سے ساحل تک:- مشہور جرمن نو مسلم محمد اسد کی کتاب روڈ ٹو مکہ کا ملخص ترجمہ - ۵/-/-

دہلی اور اُسکے اطراف:- مولانا حکیم سید عبدالحئیؒ (ناظم ندوۃ العلما) کا ایک دلچسپ اور پُر مغز سفرنامہ
قیمت ۲/-/-

علمائے ہند کا شاندار ماضی
مولانا سید محمد میاں صاحب مدظلہٗ کی مشہور کتاب کا تازہ ایڈیشن -
قیمت ۷/۵۰/-

تاریخ اسلام پر ایک طائرانہ نظر
یہ کتاب دراصل ایک آئینہ ہے جس میں ہم اسلام کی صحیح تاریخ دیکھ سکتے ہیں - انگریزی تعلیم یافتہ لوگوں کے مطالعہ کیلئے ایک نادر کتاب جو حکایات اور روایات پر نہیں حقیقی تاریخی حالات پر مبنی ہے -
صفحات (۵۲۸)
قیمت غیر مجلد ۶/-/- مجلد ۶/۵۰/-

۱۸۵۷ء کا تاریخی روزنامچہ
قیمت غیر مجلد ۳/۵۰/- مجلد ۴/۵۰/-

جنگ آزادی ۱۸۵۷ء
مصنفہ سید خورشید مصطفیٰ بی ایس سی
۱۸۵۷ء کی تحریک آزادی میں اہل وطن کا جذبۂ ایثار و قربانی اور اسکی عملی تصویر پیش کرنے میں یہ کتاب بے نظیر ہے
صفحات ۵۷۸ - مجلد مع سرورق
۷/-/-

انقلاب روس، اور روس انقلاب کے بعد
اپنے موضوع پر سیر حاصل کتاب ہے
قیمت ۷/-/-

خلفائے راشدینؓ، اور اہل بیت کے باہمی تعلقات
مترجمہ مولانا احتشام الحسن کاندھلوی
قیمت مجلد ۱/۷۵/-

مختلف موضوعات پر
قابل مطالعہ کتابیں

حجۃ اللہ البالغہ (مترجم)
شاہ ولی اللہؒ کی لاثانی تصنیف
قیمت مجلد ۲۰/-/-

فلسفہ کیا ہے؟:- از ڈاکٹر میر ولی الدین صاحب -
قیمت مجلد ۲/-/-

تحفۂ اثنا عشریہ:- شاہ عبدالعزیزؒ کی لاجواب کتاب
قیمت مجلد ۱۲/-/-

مقالات احسانی:- تصوف سے متعلق مولانا گیلانیؒ کے قابل دید مقالات کا مجموعہ -
قیمت مجلد ۶/۵۰/-

مکتوبات شیخ الاسلام: حضرت مولانا مدنیؒ کے گرانقدر مکتوبات
جلد اول ۶/-/- دوم ۶/-/- سوم ۶/۵۰/-

اسلام کا نظام حکومت
قیمت غیر مجلد ۶/-/- مجلد ۸/-/-

ارشادات: یعنی حضرت مولانا مدنیؒ کے مضامین و خطبات اور تقریروں کا مجموعہ قیمت مجلد ۱/۵۰/-

مسلمانوں کا نظم مملکت
قیمت مجلد ۶/۵۰/- غیر مجلد ۵/۵۰/-

اسلام کا زرعی نظام:-
مجلد ۵/-/- غیر مجلد ۴/-/-

اسلام کا نظام عفت و عصمت
قیمت ۴/-/-

اسلام کا نظام مساجد:
قیمت ۳/۵۰/-

غلامانِ اسلام:-
قیمت مجلد ۷/-/-

اعیان الحجاج:-
غیر مجلد ۳/۵۰/- مجلد ۴/۵۰/-

قرون وسطیٰ کے مسلمانوں کی علمی خدمات (۲ جلدیں)
قیمت (مکمل) ۵/۱۲/-

تاریخ علم فقہ:-
مجلد ۱/۵۰/-

بدعت کیا ہے؟:-
قیمت ۳/-/-

رکعات تراویح:-
قیمت ۱/-/-

اخلاق اور فلسفۂ اخلاق
غیر مجلد ۶/۵۰/- مجلد ۷/۵۰/-

قرآن آپ سے — کیا کہتا ہے؟
تالیف — مولانا محمد منظور نعمانی
بلاشبہ قرآن مجید کی دعوت و تعلیم پوری انسانیت کے لئے آبِ حیات ہے،
لیکن ہماری دنیا اس سے ناآشنا ہے۔ یہاں تک کہ اسکو "کلامِ الٰہی" ماننے والی
اُمت کی غالب اکثریت بھی اس سے بیگانہ ہے
یہ کتاب
اسی صورت حال کو سامنے رکھکر لکھی گئی ہے۔
یہ قرآنی دعوت اور اسکی اہم تعلیمات کا ایک جامع خلاصہ ہے۔
جسمیں ۲۰ عنوانات کے تحت متعلقہ قرآنی آیات کو نہایت مؤثر اور روح پرور تشریحات کیساتھ جمع کیا گیا ہے
خاص طور پر قرآن کی دعوت توحید کا بیان اس کتاب کا شاہکار ہے۔
یہ بالکل ایک نئے طرز کی کتاب ہے، جو قرآن کی دعوت سے روشناسی کے ساتھ ساتھ
قرآن کے اعجاز بیان کا بھی لذت شناس کرتی ہے۔
نہایت اعلیٰ کتابت و طباعت، عمدہ کاغذ، ۲۰۴ صفحات، مجلد مع گرد پوش، قیمت ۴/-
کتب خانہ الفرقان لکھنؤ

الفرقان لکھنؤ

چندہ
ہندوپاک سے
سالانہ ۶/-
ششماہی ۳/-
فی کاپی -/۶۰/

چندہ
ممالک سے
سالانہ ..
اعزازی چندہ
سالانہ ۱۵/-

جلد (۳۰) | بابتہ ماہ ربیع الاول ۱۳۸۲ھ مطابق ستمبر ۱۹۶۲ء عیسوی | شمارہ (۳)

اگر اس دائرے میں ○ سرخ نشان ہے، تو

اس کا یہ مطلب ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہوگئی ہے، براہ کرم آئندہ کے لئے چندہ ارسال فرمائیں یا خریداری کا ارادہ نہ ہو تو مطلع فرمائیں۔ چندہ یا کوئی دوسری اطلاع ۳۰ ستمبر تک دفتر میں ضرور آجائے ورنہ اگلا شمارہ بصیغۂ وی، پی ارسال ہوگا۔

پاکستان کے خریدار:— اپنا چندہ "سکریٹری اصلاح و تبلیغ آسٹریلیں بلڈنگ لاہور" کو بھیجیں اور منی آرڈر کی پہلی رسید ہمارے پاس فوراً بھیجدیں۔ نمبر خریداری:— براہ کرم خط وکتابت اور منی آرڈر کے کوپن پر اپنا خریداری نمبر ضرور لکھیں۔ تاریخ اشاعت:— "الفرقان" ہر انگریزی مہینہ کے پہلے ہفتہ روانہ کردیا جاتا ہے۔ اگر ۱۰ تاریخ تک بھی کسی صاحب کو نہ ملے تو فوراً مطلع فرمائیں۔ اس کی اطلاع ۲۰ تاریخ کے اندر آجانی چاہئے، اس کے بعد رسالہ بھیجنے کی ذمہ داری دفتر پر نہ ہوگی۔ دفتر الفرقان کچہری روڈ لکھنؤ

(مولوی) محمد منظور نعمانی پرنٹر و پبلشر نے تنویر پریس لکھنؤ میں چھپوا کر دفتر الفرقان کچہری روڈ لکھنؤ سے شائع کیا۔

نگاہ اولیں

مرشدنا حضرت رائپوری قدس سرہ

وہ جو بیچتے تھے دوائے دل وہ دکان اپنی بڑھا گئے

محمد منظور نعمانی

الفرقان کے ناظرین میں شاید کوئی ایسا نہیں ہوگا جو اس دور کے امام یقین و معرفت مرشدنا حضرت رائپوری کے نام نامی سے ناواقف ہو، اور غالباً سبھی کو اخبارات اور دوسرے ذرائع سے معلوم ہو چکا ہوگا کہ اسی ماہ مبارک ربیع الاول کی ۱۴ تاریخ کو (مطابق ۲۰ اگست ۱۹۶۲ء) دن کے قریباً ساڑھے گیارہ بجے لاہور میں حضرت کا وصال ہو گیا۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ عبادہ المحسنین المخلصین۔

راقم سطور اور رفیق محترم مولانا سید ابو الحسن علی ندوی کو اللہ کی توفیق سے قریباً بیس سال سے جو نیازمندانہ اور مسترشدانہ تعلق و ارتباط حضرت کے آستانۂ عالی سے نصیب تھا اس کا حق تھا کہ الفرقان میں ہمیشہ حضرت کے حالات و افادات شائع ہوا کرتے لیکن چونکہ یہ بات معلوم تھی کہ اپنے نیازکیشوں اور عقیدتمندوں کا حضرت کے بارے میں اخبارات و رسائل میں کچھ لکھنا اور ایک صاحب ارشاد شیخ وقت کی حیثیت سے تذکرہ کرنا حضرت کے لئے گرانی ہی نہیں بلکہ اذیت کا بھی باعث ہوتا ہے[1] (اور اپنے اس تعلق سے پہلے

---

[1] اس معاملہ میں خود اپنے اکابر کو مختلف الحال دیکھا ہے، بعض حضرات اس میں کوئی مضائقہ نہیں سمجھتے کہ ان کے اچھے حالات اور ان پر اللہ تعالیٰ کے انعامات کی اشاعت کا دائرہ وسیع ہو،

(باقی حاشیہ ص۳ پر)

ہی ۱۳۵۸ھ میں گویا اب سے ۲۴-۲۵ سال پہلے اس کا ایک تجربہ بھی ہو چکا تھا) اس لئے اس پوری مدت میں جہاں تک یاد ہے حضرتؒ سے متعلق الفرقان میں کبھی کچھ نہیں لکھا جا سکا، اب جبکہ حضرت کا وصال ہو چکا ہے اور مجبوری باقی نہیں رہی ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد بھی ہے کہ "اذکروا محاسن موتاکم" (دنیا سے چلے جانے والے اپنے لوگوں کے اچھے حالات اور اچھی باتوں کا تذکرہ اور چرچا کرو) تو اپنے دل حزیں کی تسکین ہی کے لئے چند سطریں حضرت کے بارے میں لکھنے کا ارادہ کیا ہے۔ ع

خاطر خود را تسلی میدہم

(بقیہ حاشیہ صـ۲) اور بلاشبہ اس میں خیر کا یہ پہلو ضرور ہے کہ یہی چیز بہت سے بندوں کے لئے واقفیت اور پھر طلب و توجہ کا ذریعہ بن جاتی ہے، لیکن بعض حضرات پر "فنائیت" اور "میں کچھ بھی نہیں" کے احساس کا غلبہ ہوتا ہے، وہ اپنے کو اس درجہ سراپا قصور سمجھتے ہیں کہ ہر سچی تعریف اور واقعی حالات کا تذکرہ بھی غلط بیانی یا غلط قسم کا مبالغہ معلوم ہوتا ہے، یا حسن خاتمہ کے بارے میں مومنانہ فکر و اضطراب کے غلبہ کی وجہ سے وہ اس کے روادار نہیں ہوتے کہ زندگی میں ان کے ایمانی کمالات کا چرچا کیا جائے ـــ عصر حاضر ہی کے ہمارے ایک بزرگ جن سے اس عاجز کو عقیدت و محبت نصیب ہے (اور جو خوش قسمتی سے ہماری اس دنیا میں ابھی رونق افروز ہیں) اس عاجز نے ایک دفعہ چاہا کہ ان کے بارے میں اپنی بعض خاص معلومات "الفرقان" میں لکھ دے تاکہ اللہ کے بندے ان کے مقام سے واقف ہو کر حسب توفیق استفادہ کر سکیں لیکن وہ کسی طرح اس کی اجازت دینے پر راضی نہیں ہوئے، اور من جملہ اور وجوہ کے ایک وجہ یہ بھی لکھی کہ جب تک ایمان پر خاتمہ نصیب نہ ہو جائے کسی چیز کا کوئی اعتبار نہیں، اور یہاں تک لکھ دیا کہ اگر میرے متعلق یہ باتیں لکھی گئیں تو صرف یہی نہیں کہ میری مرضی کے خلاف ہوگا بلکہ مجھے اذیت بھی ہوگی۔

بہرحال خاصان خدا میں سے بہت سوں کا ایک حال یہ بھی ہوتا ہے اور مرشدنا حضرت رائپوری قدس سرہ کا حال یا ذوق بھی یہی تھا۔ ۱۳۵۸ھ میں (باقی حاشیہ صـ۱۲ پر)

دین میں تزکیۂ باطن اور اخلاص و احسان کی جو اہمیت ہے اور اس شعبہ کے سنبھالنے والے ائمہ ارشاد اور مشائخ ربانیین کا جو مقام اور انکی جو امتیازی حیثیت ہے حضرت شاہ ولی اللہؒ نے "تفہیمات الٰہیہ" کی پہلی ہی تفہیم میں اس کو اس طرح بیان فرمایا ہے:-

" انبیاء علیہم السلام جن چیزوں کی خصوصیت سے دعوت دیتے ہیں وہ بنیادی طور پر تین ہی چیزیں ہیں۔

ایکؔ مبدأ و معاد وغیرہ سے متعلق عقائد کی تصحیح!

اس شعبہ کو علمائے عقائد و اصول نے سنبھال لیا ہے۔

دوسرےؔ عبادات اور معاملات و معاشرت وغیرہ انسانی اعمال کی صحیح صورتوں کی تعلیم، اس شعبہ کی کفالت فقہائے امت نے اپنے ذمہ لے لی ہے۔

تیسرےؔ اخلاص و احسان (یعنی ہر کام خالصاً لوجہ اللہ اور اس دھیان کے ساتھ کرنا کہ میرا مالک مجھے دیکھ رہا ہے۔)

اور یہ تیسری چیز دین و شریعت کے مقاصد میں سب سے دقیق اور عمیق ہے اور

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳) (اب سے گویا ۲۴-۲۵ سال قبل) یہ عاجز اور رفیق محترم مولانا سید ابوالحسن علی ندوی ایک خاص مقصد کے تحت حضرت کی خدمت میں رائے پور حاضر ہوئے تھے اس وقت ہمارا حضرت سے کوئی خاص ربط و تعلق نہیں تھا، صرف دور کی کچھ واقفیت تھی، ہم اس سفر میں چند اور دینی مرکزوں میں بھی گئے تھے۔ واپسی پر مولانا ندوی نے اس سفر کی روداد لکھی جو الفرقان میں شائع ہوئی اس میں رائپور کی حاضری کا بھی ذکر تھا اور حضرت کے بارے میں موصوف نے اپنے خاص تاثرات بھی لکھے تھے جو حضرت ایک عام زائر اور اجنبی مسافر کے تاثرات تھے، الفرقان رائپور کی خانقاہ میں جاتا تھا جب حضرت کی نظر سے وہ مضمون گذرا تو آپ نے خط لکھا جس سے معلوم ہوا کہ اپنے بارے میں اس طرح کی تحریریں نہ صرف یہ کہ حضرت کو ناپسند ہیں بلکہ ان سے قلب مبارک پر گرانی ہوتی ہے۔ ظاہر ہے کہ اس تجربہ کے بعد حضرت کے بارے میں کچھ لکھنے کی جرأت نہیں کی جا سکتی تھی۔

(۱۳۵۸ھ والی روداد سفر کا وہ حصہ جو حضرت قدس سرہ سے متعلق تھا "الفرقان" کی اسی اشاعت میں دوسری جگہ شائع کیا جا رہا ہے۔)

پورے نظام دینی میں اس کی حیثیت وہ ہے جو جسم میں روح کی اور الفاظ کے مقابلہ میں معنی کی! اور اس شعبہ کی ذمہ داری صوفیائے کرام رضوان اللہ علیہم نے لے لی ہے، وہ خود راہ یاب ہیں اور دوسروں کی رہنمائی کرتے ہیں، خود سیراب ہیں اور دوسروں کو سیراب کرتے ہیں، وہ بڑے بانصیب اور انتہائی سعادت مند ہیں۔

اور چونکہ اللہ تعالیٰ کی مرضی اور مشیت یہ ہے کہ اس امت کے علمائے ربانی جو ختم نبوت کے بعد انبیا علیہم السلام کے وارث اور ان کے ترکہ کے امین ہیں وہ اس "نور" کی حفاظت و اشاعت کے لئے جو انبیا علیہم السلام سے ان کو ملا ہو برابر سعی کرتے رہیں اس لئے اس طبقہ میں مسلسل یہ دستور چلا آ رہا ہے کہ یہ حضرات اپنے مستفیدین و مسترشدین میں سے جن کو اس منصب کی ذمہ داری سنبھالنے کا اہل سمجھتے ہیں ان کو "خلیفہ" مقرر کرتے ہیں اور ان کے علاوہ دوم سوم درجہ کے لوگوں کو بھی اس راہ کا "داعی" بنا کر بھیجتے ہیں تاکہ انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام جس کام کے لئے آئے تھے وہ جاری رہے اور " اِنَّا لَہٗ لَحَافِظُوْنَ " کا منشو ربانی پورا ہو (تفہیمات الہیہ ع۲ ص ۱۴ ملخصاً)

شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے اس کلام سے امر ارشاد و سلوک کے کام و مقام پر اچھی روشنی پڑ جاتی ہے اور اس سلسلہ میں "استخلاف" یعنی خلیفہ بنانے یا اجازت دینے کا ان حضرات کا جو دستور و معمول ہے اس کی حقیقت بھی سامنے آجاتی ہے۔

ہمارے حضرت قدس سرہ کا اصل کام و مقام یہی تھا، اور اپنے شیخ حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوری نور اللہ مرقدہ کے حکم سے اپنے کو سب طرف سے یکسو کر کے اسی خدمت پر لگا دیا تھا۔ حضرت نے پہلے درس نظامی کی باقاعدہ تکمیل کی تھی، اور اس دور کے رواج کے مطابق فنون عقلیہ منطق و فلسفہ پر خاص محنت کی تھی، ایک عرصہ تک مختلف مقامات پر درس بھی دیا تھا آخر میں جب گوجرانوالہ میں درس تدریس ہی کے سلسلہ میں قیام تھا امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "المنقذ من الضلال" [1] کا مطالعہ کیا، فی الحقیقت

[1] یہ کتاب ایک طرح سے امام غزالی کی آپ بیتی ہے۔ اور اس کا خاص پیغام یہ ہے کہ تعلق باللہ اور اخلاص و احسان کی یافت کے بغیر کتابی علم ہیچ بلکہ ایک طرح کا فریب ہے۔ ۱۲

تو صرف عنایتِ ربانی تھی لیکن نظر بظاہر اس کتاب کا مطالعہ ہی اس کا سبب بنا کہ دل میں جذبۂ طلبِ حق کا وہی شعلہ بھڑک اٹھا جس نے امام غزالی کو "نظامیہ بغداد" کی مسندِ صدارت سے اٹھا کر (جس کا درجہ عزت و عظمت کے لحاظ سے اس وقت وزارت سے کم نہ تھا) برسوں راہ حق میں سرگرداں پھرایا تھا۔ اس کتاب کے پڑھنے کے بعد آپ درس تدریس کے شغل کو خیرباد کہہ کر بریلی سے نکل کھڑے ہوئے، لمبے لمبے پاپیادہ سفر کئے، مدتوں ٹھوکریں کھانے کے بعد (جو عشق" کے گویا لوازمات سے ہے) رحمت حق نے دستگیری فرمائی، اور حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوری (نوراللہ مرقدہ) کی جو خانقاہ آپ کے استفادہ اور پھر افادہ کے لئے ازل سے مقرر ہو چکی تھی وہاں آپ کو پہونچا دیا گیا، (خود حضرت کی زبان مبارک سے اس درمیانی مدت کے بڑے بڑے سبق آموز ابتلائی واقعات بھی سُنے ہیں لیکن وہ مستقل سوانح حیات میں آنے والی چیزیں ہیں)

رائے پور کی خانقاہ میں پہونچکر آپ کو جلد ہی یقین و اطمینان نصیب ہو گیا کہ میں جس چیز کی تلاش میں ہوں وہ یہاں موجود ہے۔ واضح رہے کہ اس وقت دوسرے معاصر اکابر و مشائخ حق کے علاوہ خود حضرت شاہ عبدالرحیم صاحبؒ کے شیخ قطب الارشاد حضرت گنگوہی قدس سرہ بھی دنیا میں رونق افروز تھے اور گنگوہ کا بازارِ عشق و محبت پوری طرح گرم تھا، اور بیعت کی پہلی درخواست کے جواب میں خود شیخ نے آپ کو بھی گنگوہ حاضر ہونے کا مشورہ دیا تھا، لیکن آپ نے اپنے خاص حالات اور اپنی مناسبت کا صحیح اندازہ لگاتے ہوئے اپنے بارے میں یہی فیصلہ کیا کہ — "جا اینجاست"۔

فرماتے تھے کہ شروع میں حضرت نے مجھے بیعت نہیں فرمایا بلکہ ذکر کی تلقین فرمادی اور کافی مدت (غالباً دو برس) کے بعد بیعت فرمایا ——— یہ زمانہ رائے پور کی اس خانقاہ کے مقیمین کے لئے بڑے عُسر، بڑے مجاہدے اور بڑی سختی کا تھا، فرماتے تھے کہ مسلسل دس سال ایسے گذرے ہیں کہ ہم لوگوں کو جو طالبین کی حیثیت سے خانقاہ میں رہتے تھے، ایک دن میں صرف ایک روٹی مکئی کی ملتی تھی اور وہ بھی درمیان سے بالکل کچی ہوتی تھی، جو صاحب پکانے والے تھے انھیں اس سے کوئی دلچسپی نہیں تھی کہ روٹی سکی یا نہیں سکی۔

سالن یا دال ترکاری کا کوئی سوال ہی نہیں تھا، گاؤں سے کسی دن چھاچھ آجاتی تو کھانے پینے کے لحاظ سے ہم خانقاہ والوں کے لئے گویا وہ عید کا دن ہوتا، فرماتے تھے اس علاقہ کے (یو، پی کے) ہمارے ساتھی تو وہی ایک روٹی آدھی آدھی کرکے دونوں وقت کھاتے تھے لیکن میں پنجاب کا رہنے والا تھا اس لئے ایک ہی وقت میں کھا لیتا تھا اور دوسرے وقت بس اللہ کا نام![1]

فرماتے تھے کہ اس زمانہ میں مسلسل اس کچی روٹی کے کھانے کی وجہ سے پیٹ اور آنتوں میں جو تکلیف پیدا ہوگئی تھی اس کے اثرات ابتک ہیں ——— اس غذا کے ساتھ ذکر اور بالجہر ذکر اس مقدار میں ہوتا تھا جس کا ہم کم ہمتوں کے لئے تصور بھی مشکل ہے۔

---

[1] جس خانقاہ میں ساٹھ سال پہلے یہ عُسر اور فقر تھا وہاں ان آخری سالوں میں، سب ہی آنے جانے والوں نے دیکھا کہ ایک ایک وقت میں سو سو دو دو سو مہمان ہیں اور سب کو اچھا خاصا کھانا دونوں وقت کھلایا جارہا ہے، بلکہ رمضان مبارک میں تو دودھ بھی پابندی کے ساتھ سب کو مل رہا ہے، جو لوگ چائے پینے کے عادی ہیں ان کو اُن کے معیار کے مطابق دو دو تین تین دفعہ چائے مل رہی ہے ——— اب سے چار پانچ سال پہلے کی ایک دن کی بات ہے ہم دونوں (یعنی یہ عاجز اور رفیق محترم مولانا سید ابوالحسن علی ندوی) بھی حاضر تھے، لگ بھگ سو مہمان ہوں گے، دسترخوان پر خود میں نے گنا چار قسم کی تو صرف کھیر تھی، تین قسم کی مچھلیاں تھیں، گوشت بھی کئی قسم کا تھا، یہ سب قرب وجوار کے دیہات کے حضرت کے محبین مخلصین حضرت کے مہمانوں ہی کی نیت سے خود اپنے گھروں سے پکوا کے لے آتے تھے اور ایسے بڑے خوش نصیب بھائی تو روزانہ ہی اپنے گھروں سے ناشتہ دانوں میں بھر بھر کے کئی کئی قسم کے کھانے بلاتے تھے ——— "إِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا" کا یہ ظہور ادھر چند برسوں سے مسلسل ہو رہا تھا ——— حق ہے "كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِي شَأْنٍ" ——— لیکن یہ سب کچھ اس دور میں ہوا جب حضرت اپنی مسلسل علالت کی وجہ سے خود اس میں سے کچھ بھی نہیں کھا سکتے تھے۔

فرماتے تھے کہ ضعف دماغ کی وجہ سے ذکر کے وقت ناک سے ریزش ٹپکتی رہتی تھی، میں موٹے گاڑھے کا ایک رومال اپنے زانوؤں میں ڈال لیتا جو ریزش سے تربتر ہو جاتا تھا اور میں روزانہ اس کو دھو کر سکھا لیتا تھا۔ ذکر ختم کرکے جب حجرہ سے نکلتا تھا تو کچھ دیر تک آنکھوں کے آگے اندھیرا سا رہتا تھا اور میں کسی سے بات کرنے کے قابل نہیں ہوتا تھا ـــ اس میان میں اللہ تعالیٰ کا جو فضل ہوتا رہا، ہم خدام کی ترغیب و تشویق کے لئے کبھی کبھی وہ بھی ذکر فرمایا۔

گذشتہ بیس سال کے عرصہ میں گاہ بگاہ حضرت سے جو کچھ سنا، اس سے اس نادان و نا سمجھ نے تو بس یہی سمجھا کہ شریعت کے عام اوامر و نواہی کی پابندی کے علاوہ تقرب الی اللہ کی فضاؤں میں حضرت کی پرواز کے دو ہی خاص بازو تھے ایک ظاہر و باطن سے اللہ کے ذکر کی کثرت دوسرے اپنے شیخ سے غایت تعلق اور محبت!

اپنے شیخ کے وصال کے بعد انھیں کے حکم کے مطابق آپ وہیں پڑ گئے اور انکی جلائی ہوئی شمع کو پورے ۴۵ سال تک روشن رکھا بلکہ اللہ تعالیٰ نے اس روشنی کا حلقہ آپ کے ذریعہ اتنا وسیع کیا جس کا پہلے شاید تصور بھی نہ ہوگا۔ حضرت کے ہاتھ پر توبہ کرنے والوں کی تعداد لاکھوں سے کم نہ ہوگی، آخری ایام میں تو ایک ایک دن میں کئی کئی سو بیعت و توبہ کے لئے آتے تھے، یہاں تک کہ بسا اوقات سیکڑوں کے مجمع کو ایک ساتھ سامنے بٹھا کر کسی دوسرے بلند آواز خادم کی وساطت سے توبہ اور بیعت کے کلمات حضرت تلقین فرماتے تھے اور بس اس طرح مجموعی بیعت ہوتی تھی۔

آپ کے وابستگانِ دامن اور فیضیافتگان میں بہت بڑی تعداد ان خوش نصیب بندگانِ خدا کی بھی ہے جنھیں اپنی محنت و مجاہدہ اور اپنی اپنی استعداد و نصیب کے مطابق الحمد للہ بہت کچھ حاصل ہوا۔

اہل اللہ کے طرز و انداز اور ان کے الوان و اذواق مختلف ہوتے ہیں۔

ع :۔ ہر گلے را رنگ و بوئے دیگر است

(ماہنامہ الفرقان ...)

حضرت کا معاملہ یہ تھا کہ ایسی باتیں خاص کر عام مجالس میں بہت ہی کم فرماتے تھے جن سے کوئی آپ کو صاحبِ مقام بزرگ سمجھ سکے، بلکہ اکثر یا تو بالکل خاموش رہتے یا ایسی باتیں زیادہ فرماتے جن سے بظاہر بزرگی سے کوئی واسطہ ہی نہیں ہوتا، اب کے چند سال پہلے تک یہ عاجز جب حاضرِ خدمت ہوتا تو طرح طرح سے اس کی کوشش کرتا کہ حضرت ایسی باتیں بالکل نہ فرمائیں بلکہ بس بزرگوں ہی والی باتیں فرمائیں تاکہ ہر آنے والا متاثر ہو اور معتقد بنے اور طالب بن کر دینی نفع حاصل کر سکے۔ اس غرض کے لئے میں سوالات کر کر کے ایسی ہی باتیں حضرت سے کرانے کی کوشش کرتا لیکن اس میں پوری طرح کبھی کامیاب نہ ہو سکتا۔ مجلس میں جس رنگ ڈھنگ کا کوئی آدمی آجاتا آپ اُس سے اُسی طرح کی باتیں شروع فرما دیتے، بعض وقت تو مجھے اپنی نادانی اور حماقت سے اس صورتِ حال سے سخت انقباض ہو جاتا کیونکہ میں یہ چاہتا تھا کہ یہاں جو آئے وہ حضرت کی بزرگی کا فوراً ہی قائل اور معتقد ہو جائے اور فیض حاصل کرے، لیکن بعد میں اندازہ ہوا کہ یہ سب میری نادانی اور حقیقت ناشناسی تھی حضرت باتوں سے معتقد بنانے کے قائل نہ تھے، دوسری بات عرصہ کے بعد یہ بھی سمجھ میں آئی کہ اگر حضرت میری منشاء کے مطابق بس بزرگانہ ہی باتیں فرمایا کرتے تو بہت سے آزاد مزاج ہمارے دوست جو آج ماشاء اللہ ذاکر شاغل ہیں، حضرت سے جوڑ نہ کھا سکتے، اور شاید ان کی زندگیاں آوارگی ہی میں گذرتیں؛ علاوہ ازیں اس طرزِ عمل میں غالباً اس کو بھی کچھ دخل تھا کہ حضرت پر نفی اور فنائیت کا غلبہ تھا، واللہ اعلم ــــــــــ

حضرت کے اس طرزِ عمل ہی کی وجہ سے عوام تو عوام بعض خواص نے بھی اس ناچیز سے اور رفیقِ محترم مولانا سید ابوالحسن علی ندوی سے کبھی کبھی سوال کیا کہ آپ لوگوں نے حضرت میں کیا دیکھا؟ ــــ

یہ ناچیز بیس سالہ تعلق کے باوجود کچھ نہ کرنے کی وجہ سے اگرچہ خود محروم اور بالکل ہی محروم رہا، لیکن الحمدللہ اتنا تو بلا کسی مبالغہ کے کہہ سکتا ہے کہ اپنے خیال میں تو کوئی بھی ایسی چیز نہیں جو اللہ کے لئے مٹنے والے بندوں میں ہونی چاہیئے اور اپنی عامیانہ آنکھوں نے حضرت میں نہ دیکھی ہو، لیکن اس عاجز نے جن چیزوں کو زیادہ محسوس کیا ان میں سے ایک تو یہ ہے حضرت کا وہ

حاشیہ متعلقہ ص۸

سلہ شیخ ربانی حضرت شاہ عبدالرحیمؒ کا وصال ۲۶ ربیع الثانی ۱۳۳۷ھ مطابق ۹ جنوری ۱۹۱۹ء سہ شنبہ میں ہوا تھا۔ ۱۲

توکل اور تبتل جو کامل یقین اور وصول ہی کا نتیجہ ہو سکتا ہے، جو شخص حضرت کے قریب صرف چار دن بھی رہا ہو اور اُسے ان باتوں کا کسی درجہ میں کچھ بھی شعور ہو وہ کھلی آنکھوں اس کو دیکھ سکتا تھا ـــــ دوسری چیز جس سے یہ عاجز اس سے بھی زیادہ متاثر ہے وہ ہے حُبّ جاہ کا ایسا قلع قمع جس سے آگے کوئی تصور بھی نہیں کر سکتا، الحمد للہ ہمیں حضرت کے کشف و کرامات کا بھی تجربہ ہوا لیکن بخدا ہزار کھلی کرامتیں اس نعمت عظمیٰ کے برابر نہیں کہ اللہ تعالیٰ کسی کو حب جاہ کے جذبے سے پاک و صاف کر دے، سلوک و تصوف کے اکابر ائمہ کا گویا ایک مسلمہ ہے " آخر ما یخرج من قلوب الصدیقین حب الجاہ ـــ"
(طالبین و سالکین ہی نہیں بلکہ صدیقین کے بھی قلوب کا وہ روحانی مرض جو سب سے آخر میں نکلتا ہے حب جاہ کا جذبہ ہے)

جہاں تک اپنا بشری اندازہ ہے ہم نے یہی دیکھا اور محسوس کیا کہ گویا حب جاہ کا بالکل ہی سر کچلا ہوا ہے اور اس میں کہیں کوئی رمق بھی زندگی کی نہیں ہے، یہ عبدیت کی تکمیل ہے اور اس سے آگے کچھ نہیں۔

آخری مرض کا سلسلہ اور وصال

اب سے قریباً آٹھ سال قبل جب کہ حضرت کا قیام کوہ مسوری پر اپنے نہایت عزیز نیاز مند شاہ محمد مسعود صاحب کی کوٹھی پر تھا، پہلی دفعہ دل کا دورہ پڑا اور سخت خطرہ کی حالت پیدا ہو گئی لیکن اللہ تعالیٰ کا فضل ہوا اور طبیعت اس وقت سنبھل گئی، مگر اسکے بعد سے کچھ نہ کچھ اثر اس کا ہمیشہ رہا، اس درمیان میں کئی دفعہ خطرناک دورے بھی پڑے اور اللہ تعالیٰ کی رحمت سے حالت ہر دفعہ سنبھل گئی، قریباً آٹھ سات سال کی یہ پوری مدت اسی مد و جزر میں گذری اسی حالت کی وجہ سے کئی سال سے نماز بھی بیٹھ کر اشاروں ہی سے ہوتی تھی، پوری طرح رکوع سجود نہیں فرما سکتے تھے۔ چونکہ حضرت کے خدام اور فیضیافتگاں کی بہت بڑی تعداد پاکستان میں ہے اور اصل وطن بھی وہیں ضلع سرگودھا میں ہے اور الحمد للہ قریبی اعزہ حقیقی بھائی بھتیجے وغیرہ بھی موجود ہیں اس وجہ سے اس نازک حالت میں بھی کئی بار پاکستان تشریف لے گئے اور طویل طویل مدت تک وہاں قیام فرمایا۔

اب سے قریباً دو سال پہلے جب آخری مرتبہ حضرت وہاں سے تشریف لائے تو حضرت کے ضعف کو دیکھ کر عام اندازہ یہ تھا کہ اب غالباً حضرت کبھی پاکستان تشریف نہ لیجا سکیں گے، اور وہاں کے مخلصین بھی شاید اس حالت میں اب سفر پر اصرار نہ کریں گے۔ لیکن چونکہ دونوں حکومتوں نے ویزا کے مسئلہ میں سخت مشکلات پیدا کر رکھی ہیں اور وہاں سے کسی کا یہاں آنا اور اسی طرح یہاں سے کسی کا وہاں جانا مشکل ترین مسئلہ بن گیا ہے جس کی وجہ سے حضرت کے اہل محبت اور قریبی اعزہ کو بھی حضرت کی خدمت میں حاضر ہونے میں سخت مشکلات تھیں اس لئے وہ حضرات صبر نہ کر سکے اور اصرار کا سلسلہ جاری رہا، حضرت بھی ان کے تعلق اور محبت کا حق محسوس فرماتے تھے اس لئے انتہائی ضعف کی حالت میں بھی تشریف لیجانے کا فیصلہ فرمالیا اور گذشتہ مئی میں تشریف لے گئے، اس دفعہ حضرت کی طبیعت زیادہ تر ناساز رہی۔ ۲۶ جولائی شنبہ کے دن شیخ الحدیث مخدومنا حضرت مولانا محمد زکریا مدظلہ کا والا نامہ رفیق محترم مولانا ندوی کے نام آیا جس سے معلوم ہوا کہ ۲۴ جولائی جمعرات کے دن حضرت شیخ کو لاہور سے تار ملا ہے کہ حضرت کا مزاج زیادہ ناساز ہے، مولانا اسی دن شام کو لاہور کے لئے روانہ ہوگئے، اس عاجز کو ہماری سرکار نے پاسپورٹ دینے سے انکار کر دیا ہے اس لئے ناچیز کے لئے کوئی صورت وہاں حاضری کی نہ تھی۔ اور یہ محرومی بھی مقدر تھی۔ رفیق محترم مولانا ندوی جب حضرت کی خدمت میں پہونچے ہیں طبیعت کچھ سنبھل گئی تھی، یہاں تک کہ حضرت نے کچھ بات بھی فرمائی اور مولانا نے اسی دن اس عاجز کو اطمینان کا خط لکھا اس سے ایک دن پہلے مولانا عبدالجلیل صاحب بھی ایسا ہی خط لکھ چکے تھے۔ لیکن چند روز کے بعد مرض کا پھر غلبہ ہوگیا، کئی دن مسلسل غشی کی سی کیفیت رہی بالآخر ۱۳ ربیع الاول بروز پنجشنبہ ۱۱ بجکر ۲ منٹ پر روح مبارک دوسرے عالم کی طرف پرواز کر گئی اور پنجشنبہ و جمعہ کی درمیانی شب میں اپنے وطن عزیز میں تدفین ہوگئی ——— جاءت بہ منیتہ الی تربتہ

یاایتھا النفس المطمئنۃ ارجعی الی ربک راضیۃ مرضیۃ فادخلی فی عبادی وادخلی جنتی۔

نماز جنازہ ۴ دفعہ ہوئی پہلی لاہور میں، دوسری لائلپور میں، تیسری سرگودھا میں، چوتھی خاص وطن ڈھڈیاں ضلع سرگودھا میں۔ یوں تو خدام و متوسلین کی ایک دنیا ہے جو تعزیت کی مستحق ہے، لیکن خصوصیت کے ساتھ حضرت کے خاص اعزہ بالخصوص مولانا عبدالجلیل و مولانا عبدالرحمٰن و مولانا

عبدالوحید صاحب وغیرہ اور حضرت کے وہ خدام اور اپنے وہ اخوان واحباب جو حضرت ہی کے قدموں سے وابستہ ہو گئے تھے اور حضرت ہی کے آستانہ کو انھوں نے اپنی دنیا بنا لیا تھا تعزیت کے سب سے زیادہ مستحق ہیں ان حضرات کی خدمت میں عرض کرنا ہے اور اپنے دل سے بھی کہنا ہے ——

ان فی اللہ عزاء أمن کل مصیبۃ و درکا من کل فائت فباللہ فثقوا وایاہ فارجوا فانما المصاب من حرم الثواب ——

انشاء اللہ حضرت کی مستقل سوانح ضرور لکھی جائے گی اور غالباً یہ سعادت رفیق محترم مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کے حصہ میں آئے گی ھو احق بہ واھلہ یہ سطریں تو اس عاجز نے بس اپنی تسکین خاطر کے لئے لکھی ہیں —— ع —— خاطر خود را تسلی میدہم

حضرت رائے پوری قدس سرہ کے وصال کے علاوہ اس مہینے کا ایک بڑا اہم ملی حادثہ جمعیۃ علمائے ہند کے ناظم اعلیٰ اور روح رواں مولانا حفظ الرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ کی وفات ہے۔ مولانا کی وفات سے صرف جمعیۃ علمائے ہند کی بزم ہی سونی نہیں ہوئی بلکہ مسلمانان ہند کے ایک نڈر، بے باک، سرگرم اور جانباز خادم کی آواز خاموش ہو گئی —— مولانا نے ملک کی آزادی کے بعد کے پندرہ سال میں ملت کی جو خدمت کی اسے کبھی فراموش نہیں کیا جا سکتا۔ بلاشبہ وہ اس خدمت میں فرد فرید تھے اور آج کوئی ان کا بدل ملت کے پاس نہیں ہے۔

اللہ کی مشیت ہے ایک عجیب چل چلاؤ لگ رہا ہے۔ ہر ہر شعبہ کی اہم اہم ہستیاں اٹھتی جا رہی ہیں اور کوئی بھی اپنا کوئی بدل نہیں چھوڑ رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان صدمات کے اجر سے محروم نہ کرے اور مرحومین کو اپنی رحمت خاص سے نوازے۔

مولانا کی وفات کا حادثہ اس عاجز کے لئے ایک ذاتی حادثہ کی نوعیت بھی رکھتا ہے ان کی وفات ایک بڑے مخلص اور مہربان دوست سے محروم کر گئی۔ مولانا کے متعلق اپنے تفصیلی تاثرات میں ہفت روزہ ندائے ملت میں لکھ چکا ہوں، اس لئے یہاں اس مختصر تذکرہ ہی پر اکتفا کرتا ہوں ناظرین سے التماس ہے کہ وہ مولانا کی مغفرت اور رفع درجات کے لئے دعا فرمائیں۔

معارف الحدیث

(مسلسل)

درود شریف :-

درود شریف کی حکمت انسانوں پر خاص کر اُن بندوں پر جن کو کسی نبی کی ہدایت و تعلیم سے ایمان نصیب ہوا، اللہ تعالیٰ کے بعد سب سے بڑا احسان اُس نبی و رسول کا ہوتا ہے جس کے ذریعہ ان کو ایمان ملا ہو، اور ظاہر ہے کہ اُمت محمدیہ کو ایمان کی دولت اللہ کے آخری نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطہ سے ملی ہے، اس لیے یہ اُمت اللہ تعالیٰ کے بعد سب سے زیادہ ممنونِ احسان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے، پھر جس طرح اللہ تعالیٰ جو خالق و مالک اور پروردگار ہے اس کا حق یہ ہے کہ اسکی عبادت اور حمد و تسبیح کی جائے، اسی طرح اُس کے پیغمبروں کا حق ہے کہ اُن پر درود و سلام بھیجا جائے یعنی اللہ تعالیٰ سے اُن کے لیے مزید رحمت و رافت اور رفع درجات کی دعا کی جائے۔

——— درود و سلام کا مطلب یہی ہوتا ہے ——— اور یہ دراصل ان محسنوں کی بارگاہ میں عقیدت و محبت کا ہدیہ، وفاداری و نیازکیشی کا نذرانہ اور ممنونیت و سپاس گزاری کا اظہار ہوتا ہے ورنہ ظاہر ہے کہ ان کو ہماری دعاؤں کی کیا احتیاج، بادشاہوں کو فقیروں اور مسکینوں کے ہدیوں اور تحفوں کی کیا ضرورت!

تاہم اس میں شبہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمارا یہ تحفہ بھی ان کی خدمت میں پہونچاتا ہے

اور ہماری اس دعا و التجا کے حساب میں بھی اُن پر اللہ تعالیٰ کے الطاف و عنایات میں اضافہ ہوتا ہے۔ اور سب سے بڑا فائدہ اس دعا گوئی اور اظہار وفاداری کا خود ہم کو پہونچتا ہے، ہمارا ایمانی رابطہ مستحکم ہوتا ہے اور ایک دفعہ کے مخلصانہ درود کے صلہ میں اللہ تعالیٰ کی کم از کم دس رحمتوں کے ہم مستحق ہو جاتے ہیں ـــــ یہ ہے درود و سلام کا راز اور اس کے فوائد و منافع۔

درود و سلام سے شرک کی جڑ کٹ جاتی ہے

اس کے علاوہ ایک خاص حکمت درود و سلام کی یہ بھی ہے کہ اس سے شرک کی جڑ کٹ جاتی ہے، اللہ تعالیٰ کے بعد سب سے زیادہ مقدس اور محترم ہستیاں انبیاء علیہم السلام کی ہیں، جب ان کے لیے بھی حکم یہ ہے کہ ان پر درود و سلام بھیجا جائے (یعنی ان کے واسطے اللہ سے رحمت و سلامتی کی دعا کی جائے) تو معلوم ہوا کہ وہ بھی سلامتی اور رحمت کے لیے خدا کے محتاج ہیں اور ان کا حق اور مقام عالی بس یہی ہے کہ ان کے واسطے رحمت و سلامتی کی دعائیں کی جائیں، رحمت و سلامتی خود ان کے ہاتھ میں نہیں ہے اور جب ان کے ہاتھ میں نہیں ہے تو پھر ظاہر ہے کہ کسی مخلوق کے بھی ہاتھ میں نہیں ہے کیونکہ ساری مخلوق میں انھیں کا مقام سب سے بالا و برتر ہے، اور شرک کی جڑ یہی ہے کہ خیر و رحمت اللہ کے سوا کسی اور کے قبضہ میں بھی سمجھی جائے۔ بہرحال درود و سلام کے اس حکم نے ہم کو نبیوں اور رسولوں کا دعا گو بنا دیا اور جو بندہ پیغمبروں کا دعا گو ہو وہ کسی مخلوق کا پرستار کیسے ہو سکتا ہے ـــــ

قرآن مجید میں درود و سلام کا حکم

اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود و سلام بھیجنے کا حکم سورۂ احزاب کی اس آیت میں دیا ہے اور بڑی شان دار تمہید کے ساتھ دیا ہے۔

إِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهُ يُصَلُّونَ	اللہ تعالیٰ کا خاص لطف و کرم ہے اور
عَلَى النَّبِيِّ يٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ	اس کے فرشتے درود بھیجتے ہیں ان نبی
اٰمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا	پر، اے ایمان والو تم بھی درود و سلام بھیجا
تَسْلِيمًا ○ (احزاب ع ۷)	کرو ان پر۔

اس آیت میں نماز یا غیر نماز کا کوئی تذکرہ نہیں ہے، بالکل اسی طرح جس طرح کہ قرآن مجید میں جا بجا اللہ کی حمد و تسبیح کا حکم ہے اور نماز یا غیر نماز کا وہاں کوئی تذکرہ نہیں ہے، لیکن

جس طرح نورِ نبوت کی روشنی میں انہی آیتوں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سمجھا کہ اس حمد و تسبیح کا خاص محل نماز ہے (چنانچہ یہ حدیث اپنے موقع پر پہلے گزر چکی ہے کہ جب "فسبح باسم ربک العظیم" اور "سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى" آیاتِ قرآنی نازل ہوئیں تو آپ نے بتایا کہ اس حکم کی تعمیل اس طرح کی جائے کہ رکوع میں سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيمِ اور سجدہ میں سُبْحَانَ رَبِّيَ الْأَعْلَى پڑھا جائے)، اس عاجز کا خیال ہے کہ اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۂ احزاب کی اس آیت (صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا) کے نزول کے وقت بھی صحابۂ کرام کو غالباً بتایا تھا کہ اس حکم کی تعمیل کا خاص محل و موقع نماز کا جزوِ اخیر قعدہ اخیرہ ہے۔ اس بارہ میں کوئی صریح روایت تو اس عاجز کی نظر سے نہیں گزری، لیکن جس بنیاد پر میرا یہ خیال ہے آگے درج ہونے والی حدیث کے ضمن میں اس کو عرض کروں گا۔ اب حدیث پڑھیے!

عَنْ كَعْبِ بْنِ عُجْرَةَ قَالَ سَأَلْنَا رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْنَا يَا رَسُولَ اللهِ كَيْفَ الصَّلٰوةُ عَلَيْكُمْ أَهْلَ الْبَيْتِ فَإِنَّ اللهَ قَدْ عَلَّمَنَا كَيْفَ نُسَلِّمُ عَلَيْكَ فَقَالَ قُولُوا اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى إِبْرَاهِيمَ وَعَلٰى اٰلِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مَّجِيدٌ اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى إِبْرَاهِيمَ وَعَلٰى اٰلِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّكَ حَمِيدٌ مَّجِيدٌ ـــــــــ رواہ البخاری ومسلم

حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ (جو اصحاب بیعت رضوان میں سے ہیں) راوی ہیں کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کرتے ہوئے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ نے یہ تو ہم کو بتا دیا کہ ہم آپ کی خدمت میں سلام کس طرح عرض کیا کریں (یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ نے ہم کو بتا دیا ہے کہ ہم تشہد میں "السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَكَاتُهُ" کہہ کر آپ پر سلام بھیجا کریں) اب آپ ہمیں یہ بھی بتا دیجئے کہ ہم آپ پر صلاۃ (درود) کیسے بھیجا کریں؟ آپ نے فرمایا یوں کہا کرو۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ ـــــ الخ ـــــ "اے اللہ اپنی خاص عنایت اور

رحمت فرما حضرت محمد پر اور حضرت محمد کے گھر والوں پر جیسے کہ تو نے عنایت و رحمت فرمائی حضرت ابراہیم پر اور اُن کے گھر والوں پر، تو حمد و ستائش کا سزاوار اور عظمت و بزرگی والا ہے۔ اے اللہ خاص برکتیں نازل فرما حضرت محمد پر اور حضرت محمد کے گھر والوں پر جیسے کہ تو نے خاص برکتیں نازل فرمائیں حضرت ابراہیم پر اور حضرت ابراہیم کے گھر والوں پر، تو حمد و ستائش کا سزاوار اور عظمت و بزرگی والا ہے۔" (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) جیسا کہ سورۂ احزاب کی مندرجۂ بالا آیت میں نماز یا غیر نماز کا کوئی ذکر نہیں ہے، اسی طرح کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ کی اس روایت میں بھی اس کا کوئی ذکر نہیں ہے، لیکن ایک دوسرے صحابی حضرت ابو مسعود انصاری بدری رضی اللہ عنہ سے بھی قریب قریب اسی مضمون کی ایک حدیث مروی ہے۔ اس کی بعض روایات میں سوال کے الفاظ یہ نقل کیے گئے ہیں۔

كَيْفَ نُصَلِّيْ عَلَيْكَ إِذَا نَحْنُ صَلَّيْنَا عَلَيْكَ فِيْ صَلَوٰتِنَا؟[1]	حضرت ہم جب نماز میں آپ پر درود پڑھیں تو کس طرح پڑھا کریں؟

اس روایت سے صراحتاً معلوم ہوا کہ صحابہ کا یہ سوال نماز میں درود شریف پڑھنے کے بارہ میں تھا اور گویا یہ بات ان کو معلوم ہو چکی تھی کہ درود کا خاص محل نماز ہے۔

اس کے علاوہ حاکم نے مستدرک میں بسند قوی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد روایت کیا ہے۔

يَتَشَهَّدُ الرَّجُلُ ثُمَّ يُصَلِّيْ عَلَى النَّبِيِّ ثُمَّ يَدْعُوْ لِنَفْسِهٖ[2]	آدمی نماز میں (یعنی قعدہ اخیرہ میں) تشہد پڑھے اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجے اس کے بعد اپنے لیے دعا کرے

---

[1] ابو مسعود انصاریؓ کی حدیث تو صحیح مسلم میں بھی مروی ہے لیکن اس میں یہ الفاظ نہیں ہیں "اذا نحن صلینا علیک فی صلوٰتنا" ان الفاظ کے اضافہ کے ساتھ یہ حدیث ابن خزیمہ، ابن حبان اور حاکم وغیرہ نے روایت کی ہے۔ (نووی شرح مسلم ص۱۷۵ و فتح الباری کتاب التفسیر سورۃ احزاب ص۳۰۵ پ۱۹)

[2] فتح الباری کتاب الدعوات باب الصلوٰۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ص۵۵ پ۲۶ ۱۲

ظاہر ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے یہ بات حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سننے کے بعد ہی فرمائی ہوگی، وہ اپنی طرف سے کیسے کہہ سکتے تھے کہ تشہد کے بعد نمازی کو درود شریف پڑھنی چاہیے۔

بہرحال ان ساری چیزوں کو سامنے رکھنے کے بعد یہ بات صاف ہو جاتی ہے کہ سورۂ احزاب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنے کا جو حکم دیا گیا تھا اس کے بارہ میں صحابۂ کرام کو یہ بات تو معلوم ہو چکی تھی کہ اس کی تعمیل کا خاص محل نماز اور اس کا بھی جزو اخیر قعدۂ اخیرہ ہے۔ اس کے بعد انھوں نے آپ سے دریافت کیا تھا کہ ہم نماز میں یہ درود کس طرح اور کن الفاظ میں بھیجا کریں، بس اسی کے جواب میں آپ نے یہ درود ابراہیمی تلقین فرمائی جو ہم اپنی نمازوں میں پڑھتے ہیں۔

درود شریف میں لفظ آل کا مطلب

اس درود میں آل کا لفظ جو چار دفعہ آیا ہے اس کا ترجمہ ہم نے "گھر والوں" کیا ہے، اصل بات یہ ہے کہ عربی زبان خاص کر قرآن و حدیث کے محاورہ میں کسی شخص کے "آل" اُن کو کہا جاتا ہے جو اس کے ساتھ خاص اختصاص تعلق رکھتے ہوں خواہ یہ تعلق نسب اور رشتہ کا ہو (جیسے اُس شخص کے بیوی بچے) یا رفاقت و معیت اور عقیدت و محبت اور اتباع و اطاعت کا[1] (جیسے کہ اسکے مشن کے خاص ساتھی اور محبین و متبعین) ــــ اس لیے اصل لغت کے لحاظ سے یہاں آل کے معنی دونوں ہو سکتے ہیں، لیکن آگے حضرت ابو حمید ساعدی کی جو حدیث درج ہو رہی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں آل سے مراد آپ کے گھر والے یعنی ازواج مطہرات اور آپ کی نسل و اولاد ہی ہے۔ واللہ اعلم۔

عَنْ اَبِیْ حُمَیْدٍ السَّاعِدِیِّ قَالَ قَالُوْا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ کَیْفَ نُصَلِّیْ عَلَیْکَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قُوْلُوْا ــــ اَللّٰھُمَّ

---

[1] امام راغب اصفہانی اپنی مفردات القرآن میں لکھتے ہیں "ویستعمل فیمن یختص بالانسان اختصاصاً ذاتیاً اما بالقرابۃ القریبۃ او بالموالاۃ قال عزّ وجلّ "وَآلَ اِبْرَاهِیْمَ وَآلَ عِمْرَانَ" وقال "اَدْخِلُوْا آلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ" منہ"

صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ اَزْوَاجِهٖ وَذُرِّيَّتِهٖ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ وَبَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ اَزْوَاجِهٖ وَذُرِّيَّتِهٖ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ"

رواہ البخاری ومسلم

حضرت ابو حُمید ساعدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا کہ حضرت! ہم آپ پر صلوٰۃ (درود) کس طرح پڑھا کریں؟ آپ نے ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ سے یوں عرض کیا کرو ــــ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّاَزْوَاجِهٖ وَذُرِّيَّتِهٖ ..... الخ اے اللہ اپنی خاص عنایت و رحمت فرما حضرت محمد پر اور آپ کی (پاک) بیبیوں اور آپ کی نسل پر، جیسے کہ آپ نے عنایت و رحمت فرمائی آلِ ابراہیم پر اور خاص برکت نازل فرما حضرت محمد پر اور آپ کی (پاک) بیبیوں اور آپ کی نسل پر جیسے کہ آپ نے برکتیں نازل فرمائیں آلِ ابراہیم پر، اے اللہ تو ساری حمد و ستائش کا سزاوار اور عظمت و بڑائی والا ہے۔"

(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) اس حدیث میں درود شریف کے جو الفاظ تلقین فرمائے گئے ہیں وہ پہلی حدیث سے کچھ مختلف ہیں، لیکن معنی مطلب میں کوئی خاص فرق نہیں ہے، علماء اور فقہا نے تصریح کی ہو کہ ان دونوں میں سے ہر ایک درود نماز میں پڑھا جا سکتا ہے، لیکن معمول زیادہ تر پہلے ہی والا ہے۔

اس حدیث میں بجائے آل کے "اَزْوَاجِهٖ وَذُرِّيَّتِهٖ" کے الفاظ ہیں ــــ اس سے یہ بات بظاہر متعین ہو جاتی ہے کہ پہلی والی حدیث میں جو آل کا لفظ آیا ہے اس سے آپ کے گھر والے یعنی ازواج مطہرات اور ذریت طیبہ ہی مراد ہیں۔ اور جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے قرابت و جزئیت اور زندگی میں شرکت کا خاص شرف اُن کو حاصل ہے (جو دوسروں کو اگرچہ وہ مرتبہ میں اُن سے افضل ہوں حاصل نہیں) اسی طرح درود و سلام میں شرکت کا یہ خاص شرف بھی اللہ تعالیٰ نے ان کو بخشا ہے، اور گویا یہ ان کی خاص سعادت ہے، اور اس سے

ہرگز یہ لازم نہیں آتا کہ یہ ازواج مطہرات وغیرہ اُمت میں سب سے افضل ہوں، ـــــ اس کو بالکل یوں سمجھنا چاہیے کہ اہلِ عقیدت و محبت جب اپنے کسی محبوب بزرگ کی خدمت میں کوئی خاص تحفہ بھیجتے ہیں تو اُن کے پیشِ نظر خود وہ بزرگ اور اُن کے گھر والے ہی ہوتے ہیں، اور فطری طور پر وہ اس کے خواہش مند ہوتے ہیں کہ ہمارا یہ تحفہ خود وہ بزرگ اور اُن کے گھر والے استعمال کریں۔ اگرچہ ان بزرگ کے دوستوں یا خادموں میں ایسے بھی لوگ ہوں جن کو یہ تحفہ پیش کرنے والے محبین و معتقدین بھی گھر والوں سے بدرجہا افضل سمجھتے ہوں ـــــ بس درود و سلام بھی جیسا کہ شروع میں عرض کیا گیا ہے عقیدت و محبت کا تحفہ اور نیاز کیشی کا نذرانہ ہے۔ اس کو محبت کے فطری قانون ہی کی روشنی میں سمجھنا چاہیے۔ اس کی بنیاد پر افضلیت اور مفضولیت کی خالص کلامی اور قانونی بحث اٹھانا کوئی خوش ذوقی کی بات نہیں ہے۔

نماز میں درود شریف کا موقع اور اسکی حکمت

جیسا کہ معلوم ہے درود شریف نماز کے بالکل آخر میں یعنی آخری قعدہ میں تشہد کے بعد پڑھی جاتی ہے۔ ظاہر ہے کہ یہی اس کے لیے بہترین موقع ہو سکتا ہے، اللہ کے بندہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت و تعلیم کے صدقہ میں ایمان نصیب ہوا، اللہ تعالیٰ کو اس نے جانا پہچانا اور نماز کی شکل میں اس کے دربارِ عالی کی حاضری اور حمد و تسبیح اور ذکر و مناجات کی دولت گویا ایک طرح کی معراج اسے نصیب ہوئی اور آخری قعدہ کے تشہد پر یہ نعمت گویا مکمل ہوگئی۔ اب اس کو حکم ہے کہ اللہ کے دربار سے رخصت ہونے سے پہلے اور اپنے لیے کچھ مانگنے سے بھی پہلے وہ بندہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اس احسان کو محسوس کرتے ہوئے کہ انہی کی ہدایت کے صدقہ میں اس دربار تک رسائی ہوئی اور یہ سب کچھ نصیب ہوا، اللہ تعالیٰ سے آپ کے لیے اور آپ کی زندگی کی شریک ازواج مطہرات اور آپ کی ذرّیت طیبہ کے لیے بہتر سے بہتر دعا کرے۔ اس کے سوا اور اس سے بہتر کوئی چیز اس کے پاس ہے ہی نہیں جس کو پیش کر کے وہ اپنے جذبۂ ممنونیت کا اظہار اور احسان مندی کا حق ادا کر سکے ـــــ اسی کے لیے درود شریف کے یہ بہترین کلمے صحابۂ کرام کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تلقین فرمائے۔

یہاں درود شریف کا یہ بیان نماز کے سلسلے میں آیا تھا اس لیے صرف انہی دو حدیثوں

پر یہاں اکتفا کیا جاتا ہے۔ ان کے علاوہ اس سلسلے میں قابلِ ذکر جو حدیثیں درود شریف کے فضائل وغیرہ سے متعلق کتب حدیث میں روایت کی گئی ہیں انشاء اللہ وہ کتاب الدعوات میں اپنے موقع پر درج ہوں گی اور مندرجہ بالا درود ابراہیمی کے علاوہ "صلوٰۃ وسلام" کے جو اور صیغے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے قابلِ اعتماد سندوں کے ساتھ مروی ہیں وہ بھی انشاء اللہ وہیں درج ہوں گے۔

درود شریف کے بعد اور سلام سے پہلے دعا۔

ابھی مستدرک حاکم کے حوالہ سے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد ذکر کیا جا چکا ہے کہ "نمازی تشہد کے بعد درود شریف پڑھے اور اس کے بعد دعا کرے"۔ بلکہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ہی کی ایک حدیث سے تو معلوم ہوتا ہے کہ آخری قعدہ میں تشہد کے بعد اور سلام سے پہلے دعا کا یہ حکم غالباً اُس وقت بھی تھا جب کہ تشہد کے بعد درود شریف پڑھنے کا حکم نہیں کیا گیا تھا، صحیح بخاری اور صحیح مسلم وغیرہ کی ایک روایت میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے تشہد کی تلقین والی حدیث ہی کے آخر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بھی مروی ہے "ثُمَّ لِيَتَخَيَّرْ أَحَدُكُمْ مِنَ الدُّعَاءِ أَعْجَبَهُ إِلَيْهِ فَيَدْعُوهُ" (یعنی۔ نمازی جب تشہد پڑھ چکے تو جو دعا سے اچھی معلوم ہو اس کا انتخاب کرلے اور اللہ سے وہی دعا کرے) اور یہی بات (کہ تشہد کے بعد دعا کی جائے) آگے درج ہونے والی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے بھی معلوم ہوتی ہے ـــــ بہرحال سلام سے پہلے دعا کرنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نقلاً بھی ثابت ہے اور عملاً بھی اور اس موقع کے لیے آپ نے بعض خاص دعائیں بھی تعلیم فرمائی ہیں۔ اس سلسلہ کی صرف تین حدیثیں یہاں درج کی جاتی ہیں۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا فَرَغَ أَحَدُكُمْ مِنَ التَّشَهُّدِ الْآخِرِ فَلْيَتَعَوَّذْ بِاللهِ مِنْ أَرْبَعٍ مِنْ عَذَابِ جَهَنَّمَ وَمِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَمِنْ فِتْنَةِ الْمَحْيَا وَالْمَمَاتِ وَ

مِنْ شَرِّ الْمَسِيْحِ الدَّجَّالِ ۔ ——— رواہ مسلم

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی آخری تشہد پڑھ کر فارغ ہو جائے تو اسے چاہیے کہ چار چیزوں سے اللہ کی پناہ مانگے۔ جہنم کے عذاب سے، قبر کے عذاب سے، زندگی اور موت کی آزمائش سے، اور دجّال کے شر سے۔ (صحیح مسلم)

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُعَلِّمُهُمْ هٰذَا الدُّعَاءَ كَمَا يُعَلِّمُهُمُ السُّوْرَةَ مِنَ الْقُرْاٰنِ يَقُوْلُ قُوْلُوْا "اَللّٰهُمَّ اِنِّىْ اَعُوْذُبِكَ مِنْ عَذَابِ جَهَنَّمَ وَاَعُوْذُبِكَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَاَعُوْذُبِكَ مِنْ فِتْنَةِ الْمَسِيْحِ الدَّجَّالِ وَاَعُوْذُبِكَ مِنْ فِتْنَةِ الْمَحْيَا وَالْمَمَاتِ" ——— رواہ مسلم

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کو یہ دعا اس طرح تعلیم فرماتے تھے جس طرح قرآن مجید کی کوئی سورت تعلیم فرمایا کرتے تھے۔ ارشاد فرماتے تھے کہ کہو "اَللّٰهُمَّ اِنِّىْ اَعُوْذُبِكَ...الخ" یعنی اے اللہ میں تیری پناہ مانگتا ہوں جہنم کے عذاب سے، اور پناہ مانگتا ہوں عذاب قبر سے، اور پناہ مانگتا ہوں دجّال کے فتنہ سے، اور پناہ مانگتا ہوں زندگی اور موت کی آزمائشوں سے۔ (صحیح مسلم)

(تشریح) یہ دعا جیسے کہ ظاہر ہے دنیا و آخرت کے آفات و مصائب اور ہر قسم کی بدبختیوں سے حفاظت کے لیے بڑی جامع دعا ہے، اس میں سب سے پہلے جہنم اور قبر کے عذاب سے پناہ مانگی گئی ہے جو شدید ترین اور ناقابل تصور عذاب اور انسان کی سب سے بڑی بدبختی ہے، اس کے بعد دجّال کے فتنۂ عظیم سے جو اس دنیا میں برپا ہونے والے فتنوں میں سب سے بڑا فتنہ ہے جس میں ایمان کا سلامت رہنا بے حد مشکل ہے۔ اس کے بعد علی الاطلاق زندگی اور موت کے سارے فتنوں اور ساری آزمائشوں سے، جن میں ہر چھوٹی بڑی بلا اور ہر گناہ اور گمراہی داخل ہے ——— حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی اس حدیث میں اگرچہ اس کا ذکر نہیں ہے

کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کس موقع کے لیے یہ دعا تعلیم فرماتے تھے۔ لیکن حضرت ابوہریرہ کی مندرجہ بالا حدیث سے معلوم ہوجاتا ہے کہ اس کا خاص موقع قعدہ اخیرہ میں تشہد کے بعد اور سلام سے پہلے ہے ____ اسی دعا کے بارہ میں صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی نماز میں یہ دعا مانگا کرتے تھے بلکہ اس میں مندرجہ بالا دعا کے بالکل آخر میں یہ اضافہ بھی ہے۔ "اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْمَاْثَمِ وَمِنَ الْمَغْرَمِ" (اے اللہ میں تیری پناہ چاہتا ہوں گناہ کی ہر بات سے اور قرض کے بارسے) ـــ بہتر ہے کہ یہ دعا اسی اضافہ کے ساتھ نماز میں سلام سے پہلے پڑھی جائے۔

عَنْ اَبِیْ بَكْرِ الصِّدِّیْقِ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ عَلِّمْنِیْ دُعَاءً اَدْعُوْ بِهٖ فِیْ صَلٰوتِیْ قَالَ قُلْ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ ظُلْمًا كَثِیْرًا وَّلَا یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ فَاغْفِرْ لِیْ مَغْفِرَةً مِّنْ عِنْدِكَ وَارْحَمْنِیْ اِنَّكَ اَنْتَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ۔

ـــــــــــــــ رواہ البخاری ومسلم

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت ہو کہ میں نے حضور سے عرض کیا یارسول اللہ مجھے کوئی ایسی دعا تعلیم فرما دیجئے جو میں اپنی نماز میں مانگا کروں۔ تو آپ نے ارشاد فرمایا یوں عرض کیا کرو ـــ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ ..... الخ (اے اللہ میں نے خود اپنے اوپر بہت ہی ظلم کیا ہے [یعنی گناہوں سے اپنے آپ کو بہت ہی تباہ و برباد کیا ہے] اور تیرے سوا کوئی نہیں ہے جو گناہوں کو بخش سکتا اور معافی دے سکتا ہو، پس اے میرے اللہ تو محض اپنی طرف سے اور اپنے فضل و کرم سے مجھے بخش دے اور مجھ پر رحم فرما تو اور بس تو ہی بہت بخشنے والا اور بہت رحم فرمانے والا ہے اور بخشش و رحمت تیری ہی ذاتی صفت ہے۔)

(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) اس حدیث میں یہ تو صراحۃً مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی درخواست پر یہ دعا نماز میں پڑھنے کے لیے تعلیم فرمائی تھی۔ لیکن یہ بات لفظوں میں مذکور نہیں ہے کہ نماز کے آخر میں سلام سے پہلے پڑھنے کے لیے تعلیم فرمائی تھی۔ مگر شارحین حدیث نے

لکھا ہے کہ چونکہ نماز میں دعا کا وہی خاص محل و موقع ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی موقع کے لیے فرمایا تھا کہ "تشہد کے بعد سلام سے پہلے اللہ تعالیٰ سے مانگنے کے لیے بندہ کوئی اچھی دعا منتخب کرے اور وہی اللہ تعالیٰ سے مانگے" (جیسا کہ حضرت ابن مسعودؓ کی صحیحین والی حدیث سے ابھی اوپر معلوم ہو چکا ہے) اسلیئے ظاہر یہی ہے کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اسی موقع کی دعا کے لیے تعلیم کی درخواست کی تھی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا ان کو اسی موقع کیلئے تعلیم فرمائی ـــ غالباً اسی کو ملحوظ رکھتے ہوئے امام بخاری نے صحیح بخاری میں یہ حدیث "باب الدعاء قبل السلام" کے زیر عنوان روایت کی ہے۔

اس دعا میں غور کرنے اور سمجھنے کی خاص بات یہ ہے کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ جو بار بار جنت کی بشارت سے سرفراز ہو چکے ہیں اور جو یقیناً امت میں سب سے افضل ہیں اور انکی نماز پوری امت میں سب سے بہتر اور کامل نماز ہے۔ یہانتک کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آخری مرض میں انکو امام بنایا اور ان کے پیچھے خود نمازیں پڑھیں وہ درخواست کرتے ہیں کہ مجھے کوئی خاص دعا تعلیم فرما دیجئے جو میں نماز میں (یعنی اسکے خاتمہ پر سلام سے پہلے) اللہ سے مانگا کروں! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسکے جواب میں ان کو یہ دعا تعلیم فرماتے ہیں ـــ گویا آپنے ان کو بتایا کہ ابو بکر! نماز پڑھ کر بھی دل میں یہ وسوسہ نہ آئے کہ اللہ کی عبادت کا حق ادا ہو گیا اور کچھ کر لیا بلکہ نماز جیسی عبادت کے خاتمہ پر بھی اپنے کو سر سے پاؤں تک قصوروار اور خطاکار قرار دیتے ہوئے اسکے سامنے اپنی گنہگاری کا اقرار کرو اور اس سے معافی اور بخشش اور رحم کی بھیک مانگو اور یہ کہکے مانگو کہ میرے اللہ! میرے پاس کوئی عمل اور کوئی چیز نہیں ہے جسکی وجہ سے بخشش اور معافی بھی میرا حق ہو، تو اپنی صفت مغفرت و رحمت کا بس صدقہ مجھ گنہگار کو عطا فرما دے اور میرے لیے مغفرت و رحمت کا فیصلہ فرما دے

اللہ تعالیٰ توفیق دے۔ تشہد اور درود شریف کے بعد اور سلام سے پہلے یہ دعائیں ضرور مانگنی چاہئیں ـــ ان کا یاد کرنا اور ان کا مطلب بھی ذہن میں بٹھا لینا کوئی بڑی اور مشکل بات نہیں ہے۔ معمولی توجہ سے تھوڑے سے وقت میں یہ کام ہو سکتا ہے ـــ بڑی بے نصیبی اور ناقدری کی بات ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عطا فرمائے ہوئے ان جواہرات سے ہم محروم رہیں، خدا کی قسم حضور کی تعلیم فرمائی ہوئی ایک ایک دعا دنیا و مافیہا سے زیادہ قیمتی ہے۔

تجلیاتِ مجدد الف ثانیؒ

مکتوبات کے آئینے میں!

(مترجمہ مولانا نسیم احمد فریدی امروہی)

مکتوبؒ (۹) مولانا محمد عارف ختنی کے نام [کلمہ طیبہ لا الٰہ الا اللہ کے بیان میں]

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفےٰ ______ مولانا محمد عارف ختنیؒ کو چاہیئے کہ پہلے تمام معبودانِ باطل کی نفی کر کے بعدہٗ معبودِ برحق کا اثبات کریں اور جو کچھ بھی کیفیت و کمیت کے داغ سے داغدار ہے اُس کو "لا" کے تحت داخل کر کے خدائے بیچوں پر ایمان لانے کی دولت حاصل کریں۔ لا الٰہ الا اللہ کے اندر کامل وجامع طریقے پر نفی واثبات ہے (اسی باعث) آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ افضل الذکر لا الٰہ الا اللہ (تمام ذکروں میں افضل واعلیٰ ذکر لا الٰہ الا اللہ ہے) اور حدیث قدسی میں ہے کہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ اگر میرے علاوہ ساتوں آسمان اور اُن آسمانوں کے آباد کرنے والے فرشتے اور ساتوں زمینیں ایک پلڑے میں رکھدی جائیں اور لا الٰہ الا اللہ کو دوسرے پلڑے میں رکھا جائے تو لا الٰہ الا اللہ والا پلڑا (زیادہ وزنی ہونے کی وجہ سے) جھک جائے گا ___ یہ کلمہ کیسے افضل اور وزنی نہ ہو جبکہ اس کا پہلا جزو (لا الٰہ) تمام ما سویٰ کی نفی کرتا ہے خواہ وہ آسمان ہوں یا زمینیں ہوں، عرش وکرسی ہوں یا لوح وقلم ہوں عالم ہوں یا آدم ___ دوسرا جزو

(اِلَّا اللہ) معبودِ برحق کو ثابت کر رہا ہے جو کہ تمام آسمانوں اور زمینوں کا پیدا کرنے والا ہے ـــــــ حق تعالیٰ کے علاوہ جو کچھ بھی ہے ۔ آفاق سے ہو یا انفس سے وہ سب کا سب کیفیت و کمیت کا داغ اپنے اندر رکھتا ہے ۔ بس جو کچھ بھی آفاق و انفس کے آئینوں میں جلوہ گر ہوگا وہ بدرجۂ اولیٰ کیفیت و کمیت سے متصف ہوگا جس کی نفی ضروری ہے ۔ ہمارا معلوم و موہوم اور ہمارا مشہود و محسوس، سب کا سب کیفیت و کمیت کی صفت سے موصوف اور حدوث و امکان کے عیب سے معیوب ہے ۔ اس لئے کہ ہمارا معلوم و محسوس ہمارا ہی تراشیدہ ہے ۔ ہمارا علم جس تنزیہہ سے تعلق رکھتا ہے وہ بعینہٖ تشبیہ ہے تنزیہہ نہیں ـــ اور جو کمال ہمارے فہم کے اندازے کے مطابق ہوتا ہے وہ نقصان ہے کمال نہیں ہے ۔ خلاصہ یہ ہے کہ جو کچھ ہم پر منکشف ہوتا ہے وہ غیرِ حق ہوتا ہے اللہ تعالیٰ اُس سے بالاتر ہے ۔ قرآن مجید میں حضرت ابراہیم خلیل اللہ کے کلام کی حکایت کی گئی ہے کہ اُنھوں نے اپنی قوم سے فرمایا اَتَعْبُدُوْنَ مَا تَنْحِتُوْنَ وَاللّٰہُ خَلَقَکُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ (کیا تم اپنے ہاتھ سے تراشے ہوئے بتوں کی پوجا کرتے ہو حالانکہ اللہ تعالیٰ نے تم کو بھی پیدا کیا اور جو کچھ تم عمل کرتے ہو اس کو بھی) ہمارا تراشا ہوا خواہ وہ ہاتھ سے تراشا ہو یا عقل و وہم سے سب مخلوق ہے شایانِ عبادت نہیں ہے ۔ شایانِ عبادت تو وہ خدائے بیچون و بیچگونہ ہے کہ جس کے دامنِ ادراک سے ہمارے عقل و وہم کا ہاتھ عاجز و کوتاہ ہے اور ہمارا دیدۂ کشف و شہود جس کے عظمت و جلال کے شہود سے خیرہ ہے ـــ لامحالہ خدائے بیچوں و بیچگونہ پر ایمان نصیب نہ ہوگا مگر بطریقِ غیب ۔

. . . .

مکتوب (۱۵) ساداتِ شہرِ سامانہ اور وہاں کے قاضیوں اور باشندوں کے نام ۔

[وہاں خطیب نے عید اضحیٰ کے خطبے میں خلفاء راشدینؓ کے اسماء ذکر نہیں کئے تھے ؛ اس پر اظہار ناراضگی ۔]

سامانہ کے ساداتِ عظام، قاضیانِ کرام اور تمام باشندوں کو لکھتا ہوں کہ ـــــ سنا گیا ہے کہ وہاں کے خطیب نے عیدِ قربان کے خطبے میں خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کے ذکر کو

ترک کیا اور ان کے مبارک ناموں کو نہیں پڑھا - اور یہ بھی سنا گیا ہے کہ جب ایک جماعت نے (بعد کو) اُس خطیب کی اس حرکت پر اعتراض کیا تو اُس نے یہ عذر پیش نہیں کیا کہ سہو ونسیان سے ایسا ہو گیا بلکہ وہ (جواب میں) سرکشی کے ساتھ پیش آیا - اور یہ کہا کہ اگر خلفاء راشدین کے نام ذکر نہیں کئے گئے تو کیا گناہ ہو گیا ؟ یہ بھی سنا گیا ہے کہ ساما نہ کے بڑے بڑے آدمیوں اور عام باشندوں نے اس بارے میں نرمی برتی اور اس بے انصاف خطیب کے ساتھ سختی سے پیش نہیں آئے ۔

ع وائے نہ یکبار کہ صد بار وائے

ذکرِ خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم اگرچہ شرائطِ خطبہ میں سے نہیں ہے لیکن پھر بھی اہلِ سنت کے شعائر و علامات میں سے ہے اُن کا ذکر قصداً سرکشی کے ساتھ وہی شخص ترک کرے گا جس کا دل مریض اور جس کا باطن خبیث ہے اگر ہم فرض کرلیں کہ اس نے تعصب و دشمنی کی بنا پر اُن کے ناموں کو ترک نہیں کیا لیکن وہ (حدیث) من تشبہ بقوم فھو منھم کا کیا جواب دیگا؟ (جس کا مطلب یہ ہے کہ جو جس قوم کی مشابہت اختیار کرتا ہے انھیں میں سے ہوتا ہے) اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ "تہمت کی جگہوں سے پرہیز کرو" (اس حدیث پر عمل نہ کرکے) وہ مقامِ تہمت سے کیسے خلاصی پائے گا ؟ ——— اگر حضرات شیخین (حضرت ابوبکرؓ و حضرت عمرؓ) کے مقدم کرنے اور فضیلت دینے میں وہ خطیب تامل کرتا ہے پھر تو وہ اہلِ سنت کے راستے کو چھوڑنے والا ہے۔ اور حضرات ختنین (حضرت عثمانؓ و حضرت علیؓ) کی محبت میں اُس کو تردد ہے تو بھی وہ اہلِ حق سے خارج ہے ، اُس خطیب کو سمجھانا چاہیے کہ حضرات شیخینؓ کی فضیلت صحابہ و تابعین کے اجماع سے ثابت ہے چنانچہ اس اجماع کو اکابر ائمہ کی ایک جماعت نے نقل کیا ہے اُن ائمہ میں سے ایک امام شافعیؒ بھی ہیں ——— امام ابوالحسن اشعریؒ نے فرمایا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق اکبرؓ اور حضرت عمر فاروق اعظمؓ کی فضیلت باقی اُمت پر قطعی ہے ——— ذہبیؒ نے فرمایا ہے کہ حضرت علیؓ سے تواتر کے ساتھ یہ روایت ہے کہ انھوں نے اپنی خلافت کے زمانے میں اپنے دارالخلافت میں اپنے متبعین کے مجمع کثیر کے سامنے اس حقیقت کا اظہار فرمایا کہ حضرت ابوبکر

اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما تمام امت میں افضل ہیں۔ پھر ذہبیؒ نے کہا ہے کہ اسی سے اوپر راویوں نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے یہ روایت کی ہے ——— ..... اور بخاری نے روایت کیا ہے جن کی کتاب، کتاب اللہ کے بعد صحیح ترین کتاب ہے کہ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد سب لوگوں میں بہتر ابو بکرؓ ہیں پھر عمرؓ ہیں پھر ایک اور شخص ۔ حضرت علیؓ کے صاحبزادے محمد بن حنفیہؓ نے عرض کیا پھر آپ ہیں تو فرمایا کہ میں مسلمانوں میں سے ایک مسلمان ہوں ۔ حضرت علیؓ کے علاوہ بھی بہت سے اکابر صحابہؓ اور تابعینؒ سے بہت سی روائتیں ہیں جو مشہور ہیں اور جن کا انکار جاہل یا مخالف کے علاوہ اور کوئی نہیں کر سکتا ——— اس بے انصاف خطیب سے کہنا چاہیئے کہ ہم تمام اصحاب پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ محبت کرنے کا حکم دیئے گئے ہیں اور ان سے بغض رکھنے سے منع کیئے گئے ہیں ۔ حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ بھی اکابر صحابہ میں سے ہیں اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے رشتے دار ہیں پس یہ دونوں بھی محبت و مودت کے زیادہ حق دار ہیں .... آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ میرے صحابہؓ کے بارے میں اللہ سے ڈرتے رہنا ان کو میرے بعد نشانہ ملامت نہ بنانا جو ان سے محبت رکھے گا میری محبت کی وجہ سے ان سے محبت رکھے گا اور جو ان سے بغض رکھے گا وہ میرے ساتھ بغض رکھنے کی وجہ سے ان سے بغض رکھے گا ۔ جس نے ان کو ایذا دی اس نے مجھ کو ایذا دی اور جس نے مجھ کو ایذا دی اس نے اللہ تعالےٰ کو ایذا دینی چاہی اور جو اللہ کو ایذا دینے کا ارادہ کرے قریب ہے کہ اللہ تعالےٰ اس کو پکڑ لے ——— اس قسم کے بدبودار شگوفے (ہندوستان میں) ابتدائے اسلام سے لے کر اس وقت تک مجھے معلوم نہیں کہ کبھی کھلے ہوں اس قسم کی باتوں سے پورے شہر کے بدنام ہونے کا اندیشہ ہے بلکہ پورے ہندوستان سے اعتماد اٹھ جانے کا خوف ہے ۔ سلطان وقت (جہانگیر بادشاہ) اللہ تعالےٰ ان کو دشمنان اسلام پر مظفر و منصور کرے ——— اہل سنت ہیں اور حنفی مسلک رکھتے ہیں، اس بادشاہ کے زمانے میں ایسی بدعتیں کرنا نہایت جرأت کی بات ہے بلکہ سلطان سے مقابلہ کرنا ہے اور اولوالامر کی اطاعت سے باہر نکلنے کے ساتھ ہی ساتھ ان کے مخدومان عظام سے تعجب

ہے کہ وہ اس معاملہ کو دیکھ کر نرمی برت رہے ہیں ـــــ اللہ تعالےٰ اہل کتاب کی مذمت کرتے ہوئے قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے۔ "اُن کو (یہود کو) جھوٹ بولنے اور حرام کھانے سے اُن کے زاہد اور عالم کیوں نہیں منع کرتے ہیں بیشک یہ جو کچھ کر رہے ہیں برا کر رہے ہیں" ـــــ دوسری جگہ فرماتا ہے" وہ (علماء یہود) یہود کو بُرے کام کرنے سے نہیں روکتے ہیں یہ بُرا کرتے ہیں" ـــــ اس قسم کے واقعات میں تغافل کرنا بدعتیوں کو دلیر بنانا اور دین میں رخنہ ڈالنا ہے ـــــ یہ بات بھی (بڑوں کی) سستی سے ہو رہی ہے کہ مہدوی جماعت اس جگہ برملا اہلِ حق کو باطل کیطرف دعوت دے رہی ہے اور وہ تھوڑی سی مدت میں دو ایک آدمیوں کو اس طرح اُچک لیتے ہیں جس طرح بھیڑیا گلے میں سے بھیڑ کو لیجاتا ہے ـــــ زیادہ تکلیف دوں ـــــ چونکہ یہ (خطیب والی) خبر وحشت اثر مجھے شورش میں لے آئی اور اُس نے میری رگِ فاروقی کو متحرک کر دیا اس لئے یہ چند کلمات لکھدیئے (امید ہے کہ) مجھے معذور رکھیں گے ـــــ والسلام علیکم و علیٰ سائر من اتبع الہدیٰ والتزم متابعۃ المصطفیٰ صلے اللہ علیہ وسلم۔

مکتوب (۱۶) شیخ بدیع الدین سہارنپوری کے نام [چند سوالات کے مختصر جوابات]

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ ـــــ تمہارا خط پہونچا اُس میں لکھا تھا کہ تمہاری طرف دو زبردست حادثے نمودار ہوئے ہیں۔ ایک طاعون دوسرا قحط اللہ تعالےٰ ہم کو اور تم کو بلاؤں سے بچائے تم نے لکھا تھا کہ باوجود ان حوادث کے رات اور دن عبادت و مراقبہ میں صرف ہوتے ہیں اس کیفیت پر اللہ کا شکر ہے ـــــ جو سوالات تم نے کیے ہیں اُن کے (مختصر) جوابات یہ ہیں۔ کہ سنتوں میں اکثر اوقات میں چار قل پڑھے جاتے ہیں ـــــ اور مُردوں کا کفن مسنون تین کپڑے ہیں ـــــ پگڑی باندھنا قدر مسنون سے زائد ہے۔ ہم تو قدر مسنون پر ہی اقتصار کرتے ہیں ـــــ عہد نامہ کے بارے میں یہ ہے کہ ہم اس کو (قبر میں رکھنے کے لئے) نہیں لکھتے ایک تو اس وجہ سے کہ جسم انسانی کے گلنے سڑنے کی وجہ سے آلودگی کا احتمال ہے دوسرے سند صحیح سے یہ چیز ثابت بھی نہیں ہے تیسرے علماء اہل سنت کا عمل بھی یہ نہیں ہے ـــــ (ہاں) اگر تبرک کے طور پر کوئی پیرہن (مشایخ سے حاصل ہوا)

ہو تو اُس کو قمیص کی جگہ اگر کفن میں داخل کر دیں تو گنجائش ہے (مگر ایسا نہ ہو کہ وہ پیرہن تین کپڑوں سے زائد ہو) ـــــ شہداء کے کپڑے ہی ان کا کفن ہوتے ہیں ـــــ اور حضرت صدیق اکبرؓ نے (بھی) وصیت فرمائی تھی کہ مجھ کو میرے انھیں پرانے کپڑوں میں کفنانا ـــــ ... محض ایمان بھی اگرچہ عذاب شدید یا عذاب خفیف یا عفو الٰہی کے بعد نجات دلانے والا ہے لیکن کلمۂ طیبہ کی مقبولیت، عمل صالح سے وابستہ ہے ـــــ موت دبا سے بھاگنا اسی طرح گناہ کبیرہ ہے جس طرح جہاد کے دن بھاگنا گناہ کبیرہ ہے اور جو شخص زمانہ دبا میں صبر کے ساتھ جما اور ڈٹا رہے اور مرجائے تو وہ شہداء میں سے ہے اور فتنۂ قبر سے مامون ہے اور جو صبر کرے اور نہ مرے وہ غازیوں میں سے ہے۔

؎ إن قال لي مُتْ سمعًا وطاعة ، وقلتُ لداعي الموتِ اهلًا و مرحبا

(اگر مجھ سے دوست کہے کہ مرجا تو میں بہ سلسلۂ تعمیل حکم مرجاؤں گا اور فرشتۂ موت سے خوش آمدید کہوں گا) چند روز ہو گئے ہیں کہ بلغم اور کھانسی نے مغلوب و عاجز کر دیا ہے اور ضعف لاحق ہو گیا ہے اسی بنا پر سوالات کے جوابات پر ہی اکتفا کیا گیا (کچھ اور نہیں لکھا جا سکا) والسلام

مکتوب (۱۷) مرزا حسام الدین احمد کے نام [اس دنیا کی مصیبتیں اگرچہ بظاہر جراحت مگر درحقیقت باعث ترقیات اور مرہم ہیں]

بعد الحمد والصلوٰۃ و تبلیغ الدعوات ـــــ مجھ کو جو مکتوب شریف، شیخ مصطفیٰ کے ہاتھ تعزیت کے سلسلے میں ارسال فرمایا تھا اُس کے مضمون سے مشرف ہوا۔ بیشک ہم سب اللہ کے لئے ہیں اور ہم سب اُسی کی طرف رجوع کرنے والے ہیں ـــــ یہ مصیبتیں بظاہر زخم معلوم ہوتی ہیں لیکن حقیقت میں باعث ترقیات اور مرہم ہوتی ہیں ـــــ ان مصیبتوں پر اللہ تعالیٰ کی عنایت سے جو نتائج و ثمرات اس دُنیا میں مرتب ہوئے ہیں وہ ان نتائج و ثمرات کا سوّاں حصہ (۱/۱۰۰) ہیں جن کی اللہ تعالیٰ کی عنایات سے آخرت میں اُمید و توقع ہے ـــــ اولاد کا وجود مستقل طور پر رحمت ہے ان کی حیات میں بھی منافع و فوائد ہیں اور اُنکی موت پر بھی ثمرات و نتائج مرتب ہوتے ہیں۔

امام محی السنۃ حلیۃ الابرار میں لکھتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے زمانے میں تین دن طاعون واقع ہوا اُس میں ۸۳ لڑکے حضرت انسؓ کے جو کہ خادم آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم تھے۔

فوت ہوئے ـــــ ان اڑتالیس لڑکے حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ کے فوت ہوئے۔ جبکہ خیر الانام صلے اللہ علیہ وسلم کے اصحابؓ کے ساتھ یہ معاملہ ہوا تو ہم جیسے عاصی کس شمار میں ہیں حدیث میں آیا ہے کہ طاعون سابق امتوں کے حق میں عذاب ہوتا تھا اور امت محمدیہ کے لئے شہادت ہے۔ حق یہ ہے کہ جو لوگ اس وبا میں مرتے ہیں متوجہ بحق ہو کر مرتے ہیں حرص ہوتی ہے کہ کوئی اس زمانے میں ان وبا میں مرنے والوں سے ملحق ہو جائے اور اپنا سامان سفر دنیا سے آخرت کی طرف جانے کے لئے باندھ لے۔ یہ وبا اس امت کے لئے ظاہر میں غضب ہے لیکن حقیقت و باطن میں رحمت ہے ـــــ میاں شیخ طاہر (لاہوری) بیان کرتے تھے کہ لاہور کے اندر طاعون کے زمانے میں ایک شخص نے خواب میں دیکھا تھا کہ (ملائکہ) کہہ رہے ہیں کہ جو ان ایام میں نہ مرے گا حسرت کرے گا ـــــ جس وقت نظر ان گزرنے والوں پر ڈالی جاتی ہے عجیب احوال غریبہ اور معاملات عجیبہ مشاہدے میں آتے ہیں۔ شاید اللہ تعالے کے راستے میں شہید ہونے والے انھیں خصائص کے ساتھ ممتاز ہوں گے ـــــ مخدوما! فرزند عزیز قدس سرہٗ (خواجہ محمد صادق) کی مفارقت مصیبتوں میں سے ایک بڑی مصیبت ہے۔ معلوم نہیں کہ (فی زماننا) کوئی اس جیسی مصیبت میں مبتلا ہوا ہو۔ مگر صبر و شکر جو اللہ تعالے نے اس مصیبت میں اس ضعیف القلب کو عنایت فرمادیا ہے وہ بھی ایک بڑی نعمت اور بڑا انعام ہے ـــــ حضرت حق جل مجدہ سے درخواست کرتا ہوں کہ وہ اس مصیبت کی جزا آخرت کے لئے مہیا رکھے دنیا میں اس کی کچھ بھی جزا ظاہر نہ ہو ـــــ ہر چند یہ بھی جانتا ہوں کہ یہ سوال و درخواست اپنی تنگی سینہ کی وجہ سے ہے ورنہ وہ تو بڑا واسع الرحمۃ ہے (کہ دنیا و آخرت دونوں جگہ کی جزا عطا کرے گا) ـــــ فللہ الآخرۃ والاولی ـــــ دوستوں سے درخواست ہے کہ وہ دعائے خیر سے امداد و اعانت فرمائیں اور سلامتئ خاتمہ کی دعا کریں اور ان لغزشوں کو معاف کریں جو لازمہ انسانیت ہیں اور بمقتضائے بشریت جو کوتاہیاں ہوئی ہوں اُن سے بھی درگزر فرمائیں ـــــ ربنا اغفر لنا ذنوبنا و اسرافنا فی امرنا و ثبت اقدامنا وانصرنا علی القوم الکافرین والسلام علیکم وعلی سائر من اتبع الھدیٰ ـــــ

مکتوب (۱۹) میر محب اللہ کے نام [اتباع سنت و اجتناب از بدعت کی تاکید میں]

بعد الحمد والصلوٰۃ و تبلیغ الدعوات ـــــ سیادت پناہ برادرم میر محب اللہ کو لکھتا ہوں کہ اس طرف کے فقراء کے احوال لائق حمد ہیں ـــــ میں اللہ تعالیٰ سے تمہاری سلامتی اور ثابت قدمی کے لئے دعا کرتا ہوں ۔ اس عرصے میں تم نے اپنی طرف کے احوال سے مطلع نہیں کیا ۔ مسافت کی دوری بھی کچھ، مانع ہے ـــــ ہماری نصیحت بس یہی ہے کہ احکام دین کی پابندی اپنے اوپر لازم قرار دے لی جائے اور سید المرسلین صلے اللہ علیہ وسلم کی تابعداری اور پیروی ہوتی رہے ۔ سنّت سنیہ کو ادا کیا جائے بدعت غیر مرضیہ سے پرہیز ہو اگرچہ بدعت روشنی صبح کی طرح کیوں نہ دکھلائی دیتی ہو ۔ اس لئے کہ بدعت میں درحقیقت کوئی بھی نور نہیں ہے ۔ نہ بیمار کے لئے اس کے اندر کوئی شفا ہے ۔ نہ مرض کے واسطے اس میں کوئی دوا ہے ـــــ (بدعت میں کیسے کوئی نور ہو جبکہ وہ) دو حال سے خالی نہیں ہے یا تو وہ سنت کو اٹھا دینے اور دور کرنے والی ہے یا اس سے ساکت ہے اگر ساکت ہے تو اس کے لئے بھی ضروری ہے کہ وہ سنّت سے زائد ایک چیز ہو ۔ جب زائد ہوئی تو وہ درحقیقت سنت کی ناسخ ہوئی ۔ لہٰذا بدعت کسی قسم کی بھی ہو سنّت کو اٹھا دینے والی اور سنّت کی نقیض ہی ہوگی پس بدعت میں کوئی بھلائی اور حسن نہیں ہے ۔ کاش مجھے معلوم ہو جاتا کہ دین کامل اور اسلام پسندیدہ کے اندر پیدا کی ہوئی بدعت میں حسن کا حکم کہاں سے لگا دیا گیا جبکہ نعمتِ دین مکمل ہو چکی ـــــ ان لوگوں نے یہ نہ جانا کہ دین کے کامل، مکمل اور پسندیدہ ہونے کے بعد بدعت کو تراشنا حسن و خوبی سے کوسوں دور ہے ـــــ حق کے بعد ضلالت و گمراہی کے علاوہ اور کون شئے ہو سکتی ہے؟ اگر اہل بدعت یہ سمجھ لیں کہ دین کامل میں کوئی بدعت نکال کر اس بدعت کو حسنہ بتانا، عدمِ کمالِ دین اور عدمِ اتمامِ نعمت کی اطلاع دیتا ہے ۔ تو وہ ہرگز بدعت کو حسنہ قرار دینے کی جرأت نہ کریں ـــــ ربنا لا تواخذنا ان نسینا او اخطانا والسلام علیکم وعلی من لدیکم ـــــ

مکتوب (۲۰) مولانا محمد طاہر بدخشی کے نام

[فضائل صلوٰۃ اور ارکان و شرائط صلوٰۃ کے بیان میں ۔]

الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ ـــــ مکتوب شریف جس کو

جونپور کے اطراف سے لکھا تھا پہونچا ـــــ چونکہ وہ مکتوب تمھارے ضعفِ بدن کی اطلاع دے رہا تھا اس لئے باعث تشویش ہوا میں تمھاری صحت کی خبر کا منتظر رہوں گا آنے والے قاصدوں کے ہمراہ حالات وکیفیات تحریر کرو ۔ محبت اطوارا! چونکہ یہ دُنیا دارِ عمل ہے اور دارِ جزا، دارِ آخرت ہے اسلئے اعمال صالحہ کے کرنے میں کوشش کرنی چاہیئے ۔ اعمال میں بہترین عمل اور عبادات میں فاضل ترین عبادت، اقامتِ صلوٰۃ ہے ـــ نماز، دین کا ستون اور معراج مومن، ہے (اس لئے) نماز کی ادائگی میں پورا اہتمام ملحوظ رکھا جائے اور احتیاط کرنی چاہیئے کہ نماز کے ارکان وشرائط اور سُنن و آداب، نماز کی شایانِ شان ادا ہوں ـــ طمانیت وتعدیلِ ارکان کے متعلق بار بار تاکید کی جاتی ہے اس کی اچھی طرح محافظت کریں ۔ اکثر لوگوں کو دیکھا جا رہا ہے کہ وہ نماز کو ضائع کر رہے ہیں اور طمانیت وتعدیلِ ارکان کو برباد کرتے ہیں ۔ ایسے لوگوں کے حق میں وعیدیں اور تہدیدیں وارد ہوئی ہیں ـــ نماز جب درست ہوگئی تو (سمجھو) نجات کے لئے امیدِ عظیم میسّر آگئی ۔ اس لئے کہ اس کے ذریعے دین قائم ہوا اور عروج کا ذریعہ مکمل ہوگیا ...... والسّلام علیکم وعلیٰ سائر من اتبع الھُدیٰ والتزم متابعۃ المصطفیٰ صلے اللہ علیہ وسلم ۔

مکتوب (۲۳) خواجہ محمد عبداللہؒ عُرف خواجہ کلاںؒ صاحبزادہ حضرت خواجہ باقی باللہ دہلویؒ ـ کے نام [اتباعِ سُنّت اور اجتناب از بدعت کے بیان میں]

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ـــــ الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ ـــ

ـــــ وہ نصیحت جو صاحبزادہ کو (تم کو) اور تمام دوستوں کو کی جاتی ہے یہ ہے کہ سنّت کا اتباع ہو اور بدعت سے اجتناب کیا جائے ۔ اسلام اس زمانہ میں اجنبی سا ہوگیا ہے اور مسلمان بھی نادار وغریب سے ہیں اور جب یہ بھی نہ رہیں گے تو اور زیادہ نادار وغریب رہ جائیں گے ۔ یہاں تک کہ (قربِ قیامت میں) جب کوئی اللہ اللہ کہنے والا زمین پر باقی نہ رہے گا اُسوقت قیامت بُرے لوگوں پر قائم ہوگی ۔ سعادت مند وہ ہے کہ اس ندرت وغربت کے زمانے میں متروکہ سنّتوں میں سے کسی سنّت کو زندہ کردے یا چالو بدعتوں میں سے کسی بدعت کو ختم کردے

سلہ آپ حضرت خواجہ باقی باللہؒ کے بڑے صاحبزادے ہیں ۔ صاحبِ علم وفضل اور صاحبِ تصانیف تھے ۔ حضرت خواجہ حسام الدینؒ سے روحانی فیض حاصل کیا تھا ۔ اپنے برادرِ خورد کے ہمراہ حضرت مجددؒ کی خدمت میں بھی رہے تھے ۔ ۱۸ جمادی الثانیہ [illegible]ھ کو وفات ہوئی اپنے والد ماجدؒ کے مقبرے میں دفن ہوئے ۔

—— اس وقت آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی بعثت کو ہزار سال گزر چکے ہیں اور علامات قیامت ظاہر ہو رہی ہیں ۔ سنّت، زمانہ نبوی کی دوری کی وجہ سے مخفی ہو گئی ہے اور بدعت، جھوٹ کی اشاعت کی وجہ سے، جلوہ گر ہے ۔ ایسے وقت میں کوئی شاہباز چاہیئے جو سنّت کی نُصرت کرے اور بدعت کو شکست دے ۔ بدعت کو رائج کرنا، دین کو خراب کرنے کا سبب ہے اور بدعتی کی تعظیم کرنا اسلام کو ڈھا دینے کا موجب ہے ۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے " جو شخص بدعتی کی تعظیم کرتا ہے وہ اسلام کے ویران کرنے میں مدد کرتا ہے " یہ حدیث تو تم نے سُنی ہوگی ؛ —— پوری ہمت اس طرف متوجہ رہنی چاہیئے کہ کسی نہ کسی سنّت کی ترویج و اشاعت ہو اور بدعتوں میں سے کسی نہ کسی بدعت کا ازالہ کر دیا جائے ۔ ہر زمانے میں خصوصاً اس ضعفِ اسلام کے زمانے میں، احکامِ اسلام کو قائم رکھنا، ترویجِ سُنّت اور تخریبِ بدعت کے ساتھ وابستہ ہے —— (پچھلے) گزشتے ہوئے لوگوں نے (کسی) بدعت میں کوئی خوبی دیکھی ہوگی جس کی وجہ سے بدعت کے بعض افراد کو انھوں نے مستحسن قرار دے دیا ہے ۔ لیکن یہ فقیر اس مسئلے میں اُن کے ساتھ موافقت نہیں رکھتا اور بدعت کی کسی فرد کو حسنہ نہیں جانتا — جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کلّ بدعۃ ضلالۃ — ہر بدعت گمراہی ہے —— اور فقیر یہ بھی محسوس کرتا ہے کہ اس غربت و ضعفِ اسلام کے زمانے میں سلامتی (صرف) سنّت کی ادائیگی کے ساتھ وابستہ ہے اور خرابی، تحصیل بدعت سے جڑی ہوئی ہے کوئی سی بھی بدعت ہو —— میں بدعت کو ایک کدال کی شکل میں دیکھتا ہوں جو اسلام کی بنیاد کو ڈھا رہی ہے ۔ اور سنّت کو ایک روشن ستارے کی مانند پاتا ہوں جو گمراہی کی اندھیری رات میں رہنمائی کر رہا ہے ۔ علماء زمانہ کو اللہ تعالےٰ توفیق دے کہ وہ کسی بھی بدعت کو حسنہ نہ کہیں اور کسی بدعت کی ادائیگی کا فتویٰ نہ دیں ۔ اگرچہ وہ ان کی نظر میں سپیدیٔ صبح کی مانند روشن کیوں نہ ہو اس لئے کہ شیطان کی آراستگی (اور فریب دہی) کو غیر سُنّت (بدعت) میں بڑا غلبہ اور دخل ہوتا ہے —— پہلے زمانے میں جبکہ اسلام قوت رکھتا تھا (بعض) بدعتوں کی تاریکیوں کو (بھی) مجبوراً برداشت کر لیا جاتا تھا اور شاید وہ ظلمتیں نورِ اسلام کی درخشانی کی وجہ سے بعض اشخاص کے خیال میں نورانی بن گئی ہوں اور ان

ایک قوم کا اضافہ کر دیا، بلکہ آپ نے ایک ایسی امت اور جماعت تیار کرنے کی جد و جہد کی جس میں اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات پر، اس کی توحید پر اور قیامت و آخرت وغیرہ دوسری سچی غیبی حقیقتوں پر ایمان و یقین ہو، اور وہ اعمالِ صالحہ اور اخلاقِ حسنہ سے آراستہ ہو۔ اس کا مرنا جینا اپنے لیے نہیں بلکہ اللہ کے لیے ہو ـــــ آپ کا سب سے بڑا کارنامہ اور بیس سال سے زیادہ کی آپ کی محنت کا حاصل یہی ہے کہ آپ نے دنیا کے اس ظلمت کدہ میں ایک ایسی امت تیار کر دی جس کے دل ایمان و یقین کے نور سے روشن تھے، اور جس کے افراد اعمال و اخلاق میں گویا فرشتے تھے۔ ایمان و یقین میں اگرچہ وہ سب یکساں نہیں تھے بلکہ ان میں سے بعض کا درجہ بہت زیادہ بلند تھا اور بعض نسبتہً کچھ کم درجہ کے تھے۔ لیکن یہ ان کا مشترک سرمایہ تھا۔ اور ان میں ایک بھی نہیں تھا جس کا دل یقین و ایمان کی دولت سے خالی ہو۔ اس سلسلے میں بہت سے جزئی اور شخصی واقعات ذکر کیے جا سکتے ہیں اور وہ بڑے اہم اور سبق آموز ہیں۔ لیکن میں صرف وہ چیزیں ذکر کرنا چاہتا ہوں جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایمان و یقین ان کا مشترک سرمایہ تھا۔

آپ حضرات کو معلوم ہے کہ مکہ معظمہ میں مسلمانوں کی حالت کس قدر لاچاری اور بے بسی کی تھی، آزادی سے نماز تک نہیں پڑھ سکتے تھے، اللہ کا نام نہیں لے سکتے تھے، حد یہ ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اللہ کے حکم سے ہجرت فرمائی تو رات کے اندھیرے میں چھپ کر نکل سکے، اور مکہ سے نکل کر قریباً ۳ روز غارِ ثور میں روپوش رہے۔ ایسی کمزوری اور بے بسی کی حالت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان مسلمانوں سے فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مجھے بتایا گیا ہے کہ یہ دن ہمیشہ نہیں رہیں گے، عنقریب ہی وہ وقت آئے گا جب اس سرزمین پر اللہ کا حکم چلے گا اور نہ صرف حجاز و عرب بلکہ روم و فارس کی حکومتوں کا انتظام بھی تمہارے سپرد کر دیا جائے گا، ذرا غور کیجئے اُس ماحول اور اُس فضا میں یہ بات کس قدر ناقابلِ قیاس بلکہ ناقابلِ فہم تھی۔ لیکن اہلِ ایمان میں ایک نہیں تھا جس کو اس بات میں کوئی شک و شبہ ہوتا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ان باتوں پر ان کو مشاہدے سے بھی زیادہ پکا یقین ہوتا تھا ـــــ مسلمانوں کے سفیر جب روم اور ایران کے درباروں میں جاتے تھے تو بااوقات ان کا حال یہ ہوتا تھا کہ پھٹا پرانا لباس، پاؤں میں بال دار چمڑے کی ٹوٹی چپلیں، کمر میں کھجور کی چھال سے

بنا ہوا ٹپکا، اُسی میں تلوار لٹکی ہوئی۔ اور اُن درباروں کا حال یہ ہوتا تھا کہ آدمی کو مرعوب اور دہشت زدہ کرنے کے سارے ہی سامان وہاں ہوتے تھے، آہن پوش فوجوں کے پرے کے پرے اور آنکھوں کے خیرہ کر دینے والے چمک دار ہتھیار اور اس کے علاوہ بھی سب کچھ، لیکن خستہ حال اور فقیر صورت مسلمان سفیر جو صرف ایمان ویقین کی طاقت اپنے پاس رکھتا تھا ان درباروں میں اس طرح بات کرتا تھا جس طرح کہ ایک جوان مرد سپاہی اپاہجوں کے مجمع میں بات کرے۔ وہ صاف کہتا تھا کہ ہم اللہ کے بھیجے ہوئے آئے ہیں، ہمارے آنے کا خاص مقصد بس یہ ہے کہ تم کو اللہ کی بندگی اور ایمان والی زندگی کی دعوت دیں جس کو قبول کر کے تم بھی اللہ کی جنت اور رحمت کے مستحق ہو جاؤ گے اور اگر تم اس دعوت کو قبول کرنے کے لیے اس وقت تیار نہیں ہو تو پھر جزیہ دینا قبول کرو، اگر یہ بھی منظور نہیں ہے تو پھر جنگ ناگزیر ہے اور ہمیں یقین ہے کہ اللہ اس میں ہماری مدد فرمائے گا، ہم کو فتح دے گا اور اس ملک کا انتظام ہمارے سپرد ہوگا، اس کے سچے پیغمبر نے ہمیں یہ خبر دی ہے اور ہمیں اس میں قطعاً شبہ نہیں کہ ایسا ہی ہوگا ـــــ بہرحال واقعہ ہے کہ صحابۂ کرام کی پوری جماعت کو یقین کی دولت حاصل تھی اور یہ ان کا مشترک سرمایہ تھا۔ ـــــ صحیح بخاری شریف میں حضورؐ کے متعلق ایک صحابی کا ایک شعر ہے۔

ارانا الھدیٰ بعد العمی فقلوبنا　　　به موقنات ان ما قال واقع

مطلب یہ ہے کہ ہم تاریکی میں تھے حضورؐ نے ہم کو ہدایت کی روشنی دکھائی جس کے بعد ہمارا حال یہ ہے کہ ہمارے دلوں کو اس بات کا پورا یقین حاصل ہے کہ جو کچھ حضورؐ نے فرمایا وہ ضرور واقع ہونے والا ہے۔

میرے بھائیو! اس ساری تفصیل سے میرا مقصد یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے بڑا کارنامہ یہی تھا کہ ایک ایسی اُمت وجود میں آگئی جس کے دل ایمان و یقین کے نور سے روشن تھے اور اس کے نتیجہ میں ان کے اعمال و اخلاق خدا کی مرضی کے بالکل مطابق تھے، وہ انسانوں کی شکل میں گویا فرشتوں کی آبادی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا خاص مقصد بھی یہی تھا کہ ایک ایسی اُمت وجود میں آئے ـــــ ایسی ہی امت کو دنیا کے لیے رحمت کہ لیکن آج اس اُمت کی جگہ ایک "مسلمان قوم" دنیا میں پھیلی ہوئی ہے، وہ تعداد کے

کرسکے کہ مسلمانوں کے کسی مجمع کے سامنے میں اپنی بات کہہ سکوں تو وہی بات کہتا ہوں جس کا کہنا ان کے لیے میں سب سے زیادہ اہم سمجھتا ہوں۔ اور اس کو اپنا فریضہ اور ذمہ داری سمجھتا ہوں، بہر حال یہ بات میں نے ان حضرات کو لکھ دی تھی۔ معلوم ہوتا ہے کہ میرے اس خط کے ملنے سے پہلے ہی پروگرام شائع ہو چکا تھا۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ پروگرام میں میری تقریر کا عنوان اور موضوع وہی لکھا ہوا ہے جو یہاں کے دوستوں نے پہلے سوچا تھا۔ میں نے یہ بات اس لیے واضح کر دینا ضروری سمجھی کہ اس بارے میں میرا اصول آپ سب حضرات کو معلوم ہو جائے۔

اس کے بعد میں آپ حضرات کی خدمت میں وہ بات عرض کرنا چاہتا ہوں جس کے عرض کرنے کا میں نے ارادہ کیا ہے۔

آپ کا یہ جلسہ رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے نام نامی پر ہو رہا ہے میں اس موقعہ پر آپ سے وہی بات کہنا چاہتا ہوں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہم سے آپ سے فرماتے، اگر بالفرض آپ اس دنیا میں پھر تشریف لاتے، مجھے اس میں شک نہیں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہماری اس دنیا میں اب دوبارہ کبھی تشریف نہیں لائیں گے، آپ کے بارہ میں فیصلہ خداوندی یہی ہے۔ لیکن یہ بات فرض کی جا سکتی ہے تو میں آپ سے کہتا ہوں کہ آپ تھوڑی دیر کے لیے فرض کیجیے کہ رسول اللہؐ کو اللہ تعالیٰ اگر پھر ہماری اس دنیا میں بھیج دے اور فرض کیجیے کہ آپؐ اسی بلدۂ حیدرآباد میں تشریف لے آئیں اور یہاں کے مسلمانوں کو ہمیں اور آپ کو اس حال میں دیکھیں جس حال میں ہم زندگی گذار رہے ہیں تو آپ کا پیغام ہمارے لیے کیا ہوگا؟

جو شخص رسول اللہؐ کو کچھ جانتا ہو اور اس کو معلوم ہو کہ آپؐ نے دنیا میں آکر کیا خاص کام کیا تھا اور آپؐ کی بعثت کا کیا مقصد تھا۔ اور ہم مسلمانوں کی اس وقت جو حالت ہے وہ اس کو بھی جانتا ہو تو اس کو یہ سمجھنا کچھ بھی مشکل نہیں ہوگا کہ اگر حضور بالفرض اس وقت تشریف لے آئیں تو ہمارے لیے آپ کا خاص پیغام کیا ہوگا۔

میرے محترم بھائیو اور بزرگو! میں کوئی بڑا وسیع النظر عالم نہیں ہوں۔ بس ایک طالب علم ہوں اور علوم دین میں حدیث پاک سے الحمد للہ مجھے خاص شغف رہا ہے۔ میں ادنیٰ مبالغے کے بغیر کہہ سکتا ہوں کہ کتب حدیث کے ذریعے میں رسول اللہؐ کو جس قدر تفصیل سے جانتا ہوں اتنی

تفصیل سے میں اپنے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ کو بھی نہیں جانتا جن کے زیر سایہ میری عمر کے چالیس سال سے زائد گذرے ہیں۔ اور یہ میری کوئی خصوصیت اور میرا کوئی خاص کمال نہیں ہے۔ بلکہ جن لوگوں نے حدیث کی صرف متداول کتابوں کا اچھی طرح مطالعہ کیا ہوگا ان سب کو یہی کہنے کا حق ہوگا۔

بہرحال میں یہ بات ذمہ داری کے احساس کے ساتھ کہتا ہوں کہ جس قدر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں جانتا ہوں اتنا میں اپنے زمانے کے بھی کسی انسان کے بارے میں نہیں جانتا اس لیے میں اچھی طرح جانتا ہوں اور آپ میں سے بہت سے حضرات اچھی طرح جانتے ہوں گے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خاص کام کیا کیا تھا۔ اور آپ کے ذریعہ دنیا میں کیا خاص تبدیلی ہوئی۔

اللہ تعالیٰ نے جب آپ کو نبی بنا کر بھیجا اس وقت دنیا میں بہت سی قومیں موجود تھیں۔ ان میں ایسی قومیں بھی تھیں جو اللہ کے پیغمبروں کی نام لیوا تھیں اور اُن کے پاس آسمانی کتابیں تھیں لیکن ان سب کا حال یہ تھا کہ ان کے قلوب ایمان کے نور سے خالی ہو چکے تھے، اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کے بارہ میں یقین وایمان سے یہ محروم تھے اس لیے طرح طرح کی گمراہیوں میں مبتلا تھے۔ یہ مادی دُنیا اور یہ عالم شہود جو آنکھوں کے سامنے ہے بس اسی کا ان کے دلوں پر قبضہ اور اثر تھا، اس کے نتیجہ میں ان کے اعمال اور اخلاق کا نظام بگڑ چکا تھا، کیونکہ اعمال و اخلاق اسی وقت تک صحیح رہتے ہیں جب تک کہ دلوں میں ایمان ویقین کی روشنی رہے، جب دل اللہ اور آخرت کے یقین سے خالی ہو جائیں خواہ کمزور اور شکستہ سا عقیدہ باقی بھی رہ جائے اعمال واخلاق کا نظام بگڑ جاتا ہے۔

میں نے اہل کتاب کی تحریف کا ذکر نہیں کیا قرآن مجید ہی سے معلوم ہوتا ہے کہ یہود و نصاریٰ نے عقائد واعمال کی خرابی کے علاوہ اللہ پاک کی کتابوں میں تحریف بھی کی تھی، اگرچہ امت کے بعض اکابر کا یہ بھی خیال ہے کہ یہ تحریف لفظی نہیں تھی بلکہ صرف معنوی تھی، لیکن جمہور کی رائے یہی ہے کہ تحریف لفظی بھی تھی۔

بہرحال یہ تھا حال دنیا کی قوموں کا، جس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے نبی بنا کر بھیجا ہے۔ آپ نے آکر یہ نہیں کیا کہ دنیا کی ان قوموں میں مسلمان نام کی بس

بدعتوں کے حسنہ ہونے کا حکم اسی وجہ سے لگا دیا گیا ہو ــ اگرچہ کوئی حسن اور نورانیت کوئی بدعت اپنے اندر نہیں رکھتی ـــــ برخلاف اس وقت کے کہ یہ ضعف اسلام کا وقت ہے اس وقت بدعتوں کی ظلمتوں کو برداشت کرنے کی کوئی صورت ہی نہیں ہے ۔ اس وقت (بدعت کی گنجائش نکالنے کے لئے) متقدمین یا متاخرین کا فتویٰ (اگر بالفرض ہو بھی) جاری نہیں کرنا چاہیے اس لئے کہ ہر وقت کے احکام علیحدہ علیحدہ ہیں ۔ اس وقت پورا عالم، ظہورِ بدعت کی کثرت کی وجہ سے ایک دریائے ظلمت کی شکل میں نظر آرہا ہے اور نورِ سنت اپنی ندرت و غربت کے باعث رات کو چمکتا ہوا جگنو معلوم ہوتا ہے ۔ عمل بدعت اس اندھیرے میں اور اضافہ کر رہا ہے اور نورِ سنت کو کم کرتا جاتا ہے (اس کے مقابلہ میں) عمل سنت، اس ظلمت کی تقلیل اور روشنی کی تکثیر کا باعث ہے پس جس کا جی چاہے وہ ظلمتِ بدعت کو بڑھائے اور جس کا جی چاہے نورِ سنت کو کثیر کرے، جس کا جی چاہے وہ حزب الشیطان (شیطانی پارٹی) کو زیادہ کردے اور جس کا جی چاہے وہ حزب اللہ (اللہ والی جماعت) میں اضافہ کردے ۔ خبردار ہو کہ شیطان کا گروہ ٹوٹا پانے والوں میں سے ہے ـــــ آگاہ ہو جاؤ کہ اللہ والی جماعت ہی کامیابی حاصل کرنے والی جماعت ہے ۔ صوفیائے وقت بھی اگر انصاف پر اتر آئیں اور ضعفِ اسلام اور اشاعت دروغ کو ملاحظہ فرمائیں تو عمل سنت کو ترک کر کے اپنے پیروں کی تقلید نہ کریں اور عمل شیوخ کا بہانہ بنا کر اپنی گڑھی ہوئی باتوں کو اپنی عادت نہ بنائیں ۔ بیشک اتباعِ سُنّت ہی نجات دینے والی اور خیر و برکات کا ثمرہ بخشنے والی ہے ۔ سُنّت کے علاوہ (بدعات) کی پیروی میں خطرے ہی خطرے ہیں ـــ

پیغام

[مولانا محمد منظور نعمانی کی، ایک تقریر جو اسی اگست کی ۱۹ر تاریخ کو مجلس تعمیر ملت حیدرآباد کی طرف سے کیے گئے ایک جلسہ میں کی گئی] (خطبہ کے بعد)

حضرات! اپنی اصل بات شروع کرنے سے پہلے میں دو تین باتیں عرض کر دینا چاہتا ہوں۔ پہلی بات میں یہ واضح کر دینا ضروری سمجھتا ہوں مسلمانوں کی میں عام طور پر جو جلسے خاص کر اس مبارک مہینے ربیع الاول میں ہوتے ہیں، جن کا مقصد بس جلسہ کرنا ہی ہوتا ہے۔ میں چونکہ ان کی افادیت کا قائل نہیں ہوں اس لیے میرا مستقل معمول یہ ہے کہ ان میں شرکت سے معذرت کر دیتا ہوں، آپ کے اس جلسہ میں حاضری کا اس لیے وعدہ کر لیا تھا کہ مجھے بتایا گیا کہ مجلس تعمیر ملت ایک مستقل کارکن ادارہ ہے، اس کے سامنے ملت کے مختلف کام ہیں اور یہ جلسہ بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔

دوسری بات پیشگی معذرت کے طور پر مجھے یہ عرض کرنی ہے کہ میں کل تک اچھا خاصا تھا کل ہی اچانک مجھ پر انفلوئنزا کا حملہ ہو گیا، اس وقت بھی مجھے اچھا خاصا ٹمپریچر ہے اور اسی وجہ سے آپ مجھے کمبل میں لپٹا ہوا دیکھ رہے ہیں۔ لیکن چونکہ وعدہ کر چکا تھا اس لیے اسی حال میں حاضر ہو گیا ہوں۔ اللہ تعالیٰ مجھے توفیق دے اور میری مدد فرمائے کہ میں کوئی کام کی بات آپ کے سامنے پیش کر سکوں۔ اگر بات جلدی ختم کر دوں تو آپ معذور سمجھیں۔

تیسری بات میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ "مجلس تعمیر ملت" کی طرف سے مجھے ایک خاص موضوع لکھا گیا تھا اور فرمائش کی گئی تھی کہ میں اس موضوع پر جلسے میں تقریر کروں، لیکن میں نے اسی وقت لکھ دیا تھا کہ میرا اصول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ میرے لیے جب کوئی ایسا موقع فراہم

لحاظ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بنائی ہوئی اُمت کے مقابلہ میں ہزاروں یا لاکھوں گنا بڑھی ہوئی ہے۔ اور بھی بہت سی مادی اور دنیوی حیثیت سے وہ لاکھوں درجے آگے ہے — لیکن ایمان ویقین جو اس اُمت کی اصل مایہ تھی اور گویا وہی اس اُمت کی روح تھی آج کی مسلمان قوم اس سے خالی اور محروم ہے، اس کے بجائے دلوں میں ایک کمزور اور بے جان قسم کا عقیدہ ہے جس کا ہماری زندگی پر اور ہمارے اعمال واخلاق پر کوئی اثر اور کوئی کنٹرول نہیں، زندگی پر کنٹرول کی طاقت بس ایمان ویقین میں ہے — آج ہماری یہ حالت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اعمال واخلاق کے بارہ میں زندگی کے سارے شعبوں کے بارہ میں جو احکام اللہ تعالیٰ کی طرف سے لے کر آئے تھے ہم میں سے ۵ فیصدی بلکہ شاید ۲، ۳ فیصدی بھی سچے ایمان والوں کی طرح ان کی پابندی کرنے والے نہیں ہیں بلکہ آج کی مسلمان قوم اپنی غالب اکثریت کے لحاظ سے فاجروں فاسقوں کی، اللہ کے باغیوں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نافرمانوں کی قوم بنی ہوئی ہے۔ یہ سب اسی کا نتیجہ ہے کہ دلوں میں ایمان ویقین نہیں ہے۔

اس وقت مسلمان قوم کی اکثریت کی عملی اور اخلاقی حالت وہی ہے جو بگاڑ کے دور میں بنی اسرائیل کی یعنی یہود ونصاریٰ کی ہوگئی تھی اور جس کا نقشہ قرآن مجید میں جا بجا کھینچا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ اسی بگاڑ کی وجہ سے اور اُن کے اس فسق وفجور کی وجہ سے ان پر خدائی لعنت ہوئی — یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے، خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا "لَتَتَّبِعُنَّ سُنَنَ من کان قبلکم شبراً بشبر وذراعاً بذراع" یعنی مسلمان بھی کسی وقت بالکل یہود ونصاریٰ کے قدم بقدم چلیں گے اور ان کی زندگی میں وہ سارے بگاڑ آئیں گے جو بنی اسرائیل میں آئے تھے — آج حضور کی یہ پیشین گوئی ہماری آنکھوں کے سامنے حرف بحرف پوری ہو رہی ہے، ہماری اکثریت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کے طریقہ پر نہیں چل رہی ہے بلکہ اُن بنی اسرائیل کے نقش قدم پر چل رہی ہے جن پر خدا کی لعنت ہوئی تھی۔

اب اُمت کی اس حالت کو اور اپنے اعمال واخلاق کے پورے نقشہ کو سامنے رکھ کر

سوچئے کہ اگر بالفرض اللہ تعالیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہماری اس دنیا میں اس وقت پھر بھیج دے اور آپ کو موقع ملے کہ ہم کو کوئی پیام دیں تو آپ کا اولین پیغام کیا اس کے سوا کچھ اور ہوگا کہ اے اللہ کے بندو! اے میرا نام لینے والو، تمہاری سب سے بڑی محرومی یہ ہے کہ تم نے ایمان ویقین کی دولت کھودی ہے۔ تم نے اعمال واخلاق اور زندگی کے سارے شعبوں میں اللہ کی بندگی اور فرمانبرداری کا میرا بتایا ہوا طریقہ چھوڑ دیا ہے اور وہ راستہ اختیار کر لیا ہے جس پر اللہ کی لعنت اور اس کا غضب ہے، یہ تمہاری ہلاکت اور بربادی ہے، اور اس صورت حال سے میرے دل اور میری روح کو بڑی تکلیف اور بڑا صدمہ ہے۔ پس اے ایمان والو پھر سے ایمان ویقین حاصل کرنے کی کوشش کرو، اپنے اعمال اور اخلاق کو درست کرو اور سچے اور پورے مسلمان بنو، گویا قرآن کے الفاظ میں آپ کا پیام یہ ہوگا۔

يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا آمِنُوْا	اے مسلمانو حقیقی ایمان اپنے اندر پیدا کرو
يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا ادْخُلُوْا	اے مسلمانو اسلام میں اور خدا کی
فِي السِّلْمِ كَافَّةً وَلَا تَتَّبِعُوْا	فرمانبرداری میں پورے پورے آجاؤ اور
خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ	شیطان کے پیچھے نہ چلو۔

میرے بھائیو، میرے عزیزو، میرے بزرگو! آج جبکہ ہم آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے نام پر اور انہی کی نسبت پر جمع ہوئے ہیں اور آپ نے مجھے موقع دیا ہے کہ میں آپ کو کوئی پیام دوں تو میرا پیام بھی آپ کو اور خود اپنی ذات کو یہی ہے ۔۔۔

میں آپ سے صاف صاف کہتا ہوں کہ حضور کے نام پر ہمارا آپ کا یہ جمع ہونا اگر محض رسم اور تفریح وتماشہ کا جمع ہونا نہیں ہے بلکہ اس میں کچھ سنجیدگی ہے تو ہمارا پہلا کام یہ ہے کہ ہم اس کو سوچیں کہ ہم ایمان ویقین کی دولت کیسے حاصل کریں اور ہمارے اعمال واخلاق اور ہماری زندگی کا یہ بگاڑ کیسے دور ہو۔ اور آج کی مسلمان قوم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ پر چلنے والی اُمت کیسے بنے؟ ۔۔۔ یقین کیجئے کہ ان میں سے کوئی بات بھی ناممکن نہیں ہے، اگر ہم آپ سچے دل سے ارادہ کر لیں اور آئندہ کے لیے سچے ایمان والوں کا راستہ اختیار کرنے کا فیصلہ کر لیں تو یہ سب کچھ ہو جانے والا ہے ۔۔۔

خود اللہ تعالیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ ہم کو پیام دے رہا ہے۔

قُلْ يَا عِبَادِيَ الَّذِينَ أَسْرَفُوا عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوا مِن رَّحْمَةِ اللَّهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ جَمِيعًا ۚ إِنَّهُ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ ۝ وَأَنِيبُوا إِلَىٰ رَبِّكُمْ وَأَسْلِمُوا لَهُ مِن قَبْلِ أَن يَأْتِيَكُمُ الْعَذَابُ ثُمَّ لَا تُنصَرُونَ ۝ وَاتَّبِعُوا أَحْسَنَ مَا أُنزِلَ إِلَيْكُم مِّن رَّبِّكُم مِّن قَبْلِ أَن يَأْتِيَكُمُ الْعَذَابُ بَغْتَةً وَأَنتُمْ لَا تَشْعُرُونَ۔ (زمر ع ٦)

اللہ تعالیٰ ان آیتوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کرکے فرماتا ہے اور حکم دیتا ہے کہ اے میرے نبی میرے بگڑے ہوئے بندوں کو میرا یہ پیام رحمت پہونچا دو کہ "اے میرے وہ بندو جنھوں نے میری نافرمانی کرکرکے اپنی جانوں کو تباہ کیا ہے تم میری رحمت سے نا امید اور مایوس نہ ہو، یہ مت سمجھو کہ ایسی نافرمانی اور گنہگاری کی زندگی گزارنے کے بعد تمھاری بخشش نہیں ہوسکتی ___ نہیں ___ اللہ تعالیٰ اس کے بعد بھی سارے گناہوں کو بخشدے گا وہ غفور الرحیم ہے ___ مگر اس کی بخشش حاصل کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اپنے کو بدلنے کے لیے تیار ہو جاؤ اپنا رُخ اپنے اس پروردگار کی طرف کرلو اور اس کے فرمانبردار بن جاؤ، اس سے پہلے کہ خدا کا بڑا عذاب تم پر آئے پھر کسی طرف سے تمھاری کوئی حمایت اور مدد نہ ہوسکے ___ اور جو بہترین ہدایت اور شریعت تمھارے پروردگار کی طرف سے تمھارے لیے اتاری گئی ہے اس کی پیروی اور تابعداری اختیار کرلو، قبل اس کے کہ اچانک اور بے خبری میں خدا کا عذاب تم پر آپڑے اور تم کو اپنی گرفت میں لے لے۔

حضرات! یہی اس وقت ہمارے اور آپ کے لیے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے، یہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام ہے، اور یہی خود اپنی ذات کو اور آپ سب حضرات کو مجھ گنہگار امتی کا پیام ہے ___ ہرگز یہ نہ سمجھئے کہ یہ کہنے والا کچھ بہتر قسم کا مسلمان ہے، میں انکسار سے نہیں کہتا، خدا گواہ ہے کہ میں دل سے کہہ رہا ہوں کہ میں بھی مسلمان قوم کی بگڑی ہوئی اکثریت ایک فرد ہوں اور قرآن مجید کی اس آیت کا میں بھی مخاطب ہوں ___ اب میں اپنی ذات سے اور آپ سے کہتا ہوں کہ ہم آپ خدا کی اس پکار کا جواب دیں، جواب دو ہی ہوسکتے ہیں۔

ایک یہ کہ خداوندا ہم نے سن لیا اور ہم تیری بخشش اور رحمت کے طلب گار بھی ہیں۔ لیکن "انابت" اور "اتباع" کا اور زندگی کا رُخ بدلنے کا فیصلہ کرنے کے لیے ہم تیار نہیں ہیں ـــــ ظاہر ہے کہ یہ جواب بدبختی کا جواب ہوگا، اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ ویسا ہی مذاق ہوگا جیسا کہ بنی اسرائیل نے کیا تھا اور کہا تھا "سمعنا وعصینا"

مجھے امید ہے بلکہ یقین ہے کہ ہم میں سے ایک بھی نہ ہوگا جو بدبختی کی یہ راہ اختیار کرے گا، ہزار کمزوریوں اور خرابیوں بلکہ بے شمار سیہ کاریوں کے باوجود ہم سب کا جواب ان شاء اللہ یہی ہوگا جو قرآن پاک میں سچے اہل ایمان کا نقل کیا گیا ہے ـــــ سمعنا وأطعنا غفرانك ربنا واليك المصير" یعنی اے ہمارے مالک اور پروردگار ہم نے آپ کا فرمان سُنا اور ماننے کا فیصلہ کر لیا اور ہمیں آپ ہی کی طرف لوٹنا ہے۔ ہمیں بخش دیجیے!

اس لیے میں چاہتا ہوں کہ آگے کچھ کہنے سے پہلے ہم اپنے گناہوں سے خدا کے حضور میں سچے دل سے توبہ کریں اور آئندہ کے لیے اطاعت و فرمانبرداری کا عہد کریں، کم سے کم یہ ارادہ اور عہد ہر ایک کر لے کہ وہ ایمان و یقین حاصل کرنے کی اور اپنی زندگی کو دینی لحاظ سے بہتر بنانے کی کوشش برابر کرتا رہے گا۔

(اس موقع پر ۴-۵ منٹ کے لیے تقریر کا سلسلہ بند رہا اور پورے مجمع نے جہاں تک اندازہ ہے بڑے تاثر کے ساتھ توبہ اور عہد اطاعت کی تجدید کی ـــــ اس کے بعد تقریر کا سلسلہ جاری رکھتے ہوئے مولانا نے فرمایا)

میرے محترم بھائیو اور بزرگو! میں نے اب تک جو کچھ آپ حضرات سے کہا اور جس مسئلہ پر زور دیا (یعنی ایمان و یقین اور اعمال و اخلاق کی اصلاح کا مسئلہ) یہ میرے نزدیک ہم مسلمانوں کا سب سے اہم اور مقدم مسئلہ ہے اور یہ کوئی وقتی اور مقامی مسئلہ نہیں بلکہ پورے عالم اسلام کا مسئلہ ہے اور ہماری تباہی اور بربادی میں سب سے بڑا دخل ہماری زندگی کے اسی بگاڑ کا ہے۔ اسی لیے میں نے اس کو سب سے پہلے لیا، میری دیانت داری سے یہ رائے ہے کہ ہماری زندگی میں اس مسئلے کی حیثیت بالکل وہ ہے جو انسانی وجود میں روح اور قلب کی، اور اس مسئلہ کو نظر انداز

کرکے مسلمانوں کے دوسرے قومی مسائل کی فکریں کرنا بالکل ایسا ہے جیسا کہ کسی مریض کے دل کی بیماری کو نظرانداز کرکے اُس کے جسم کی چوٹوں یا پھوڑوں پھنسیوں کا علاج کرنا ـــــــ

لیکن اس سے میرا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ دوسرے سب مسئلوں سے صرف نظر کرلیا جائے ـــــ میں ان لوگوں میں سے ہوں جو دوسرے اہم قومی مسائل کی اہمیت کو بھی محسوس کرتے ہیں اور درجہ بدرجہ اُن کے لیے جدوجہد بھی ضروری سمجھتے ہیں ـــــ مثلاً میں عملاً سیاسی آدمی نہ ہونے کے باوجود ضروری سمجھتا ہوں کہ ہندوستان کے عام مسلمان یہاں کے سیاسی ماحول کو اور اُس کے اچھے بُرے امکانات کو سمجھیں، ان میں صحیح سیاسی شعور پیدا ہو، ہندوستان کی سیاست اس وقت اس انداز کی ہے کہ اگر کسی طبقہ میں سیاسی شعور نہ ہو تو وہ بڑے "خلوص" کے ساتھ ایسی بے وقوفی کرسکتا ہے جس سے خود اس کا بیڑا غرق ہوجائے۔

اسی طرح اس وقت کے خاص اور اہم مسائل میں ایک ابتدائی تعلیم کا مسئلہ ہے۔

آپ حضرات کو معلوم ہے کہ پورے ہندوستان میں پرائمری درجہ کی تعلیم لازمی ہورہی ہے، اور اکثر ریاستوں میں نصاب تعلیم ایسا ہے جو اسلامی عقائد کے خلاف ہے بلکہ اس میں صریح مشرکانہ باتیں بھی شامل ہیں، اب میرے نزدیک تو از روئے دین بھی مسلمانوں پر فرض ہو کہ ایک طرف تو وہ نصاب کی اصلاح کی کوشش کریں جس کا راستہ بند نہیں ہے اور دوسری طرف وہ ایسے ابتدائی مکاتب خود قائم کریں جن میں دین کی کم از کم بنیادی تعلیم کا بھی بندوبست ہو، یا خالص دینی تعلیم کے لیے صباحی و مسائی مکاتب قائم کریں ـ خدا کے فضل سے ہمارے صوبہ یو، پی میں یہ کام ایک اہم اور تحریک کی شکل میں ہورہا ہے، کوشش کی جارہی ہے کہ مسلمانوں کی کوئی بستی، کوئی گاؤں اور کوئی محلہ ایسا نہ ہو جہاں دینی تعلیم کا مکتب نہ ہو ـــــ الحمدللہ بعض ضلعوں کا کام بہت اچھا ہے، اور وہاں سینکڑوں مکتبوں میں ہزاروں بچے اپنے نصاب کے مطابق ابتدائی دینی اور دنیوی تعلیم حاصل کررہے ہیں ـــــ بہرحال اس طرح کے بہت سے ایسے مسائل ہیں جن سے کسی طرح اس وقت صرف نظر نہیں کیا جاسکتا، ہاں یہ ضروری نہیں ہے کہ ہر شخص بالکل یکساں طور پر یہ سارے کام کرے، لوگوں کی مناسبتیں اور صلاحیتیں مختلف ہیں، ان کے حالات بھی مختلف ہیں اس لیے یہ ہوسکتا ہو

بلکہ عملاً ایسا ہونا ضروری ہے کہ بعض لوگ بعض کاموں کو خصوصیت کے ساتھ اپنائیں ـــــ لیکن خود اپنے اندر ایمان ویقین پیدا کرنا اور اپنی زندگی کو اسلامی زندگی بنانا یہ لازمی اور کمپلسری مسئلہ ہے۔ اس میں کسی تقسیم عمل کی کوئی گنجائش نہیں، یہ تو میرے لیے بھی ضروری ہے اور آپ کے لیے بھی ـــــ اب رہا یہ سوال کہ یہ چیز اس زمانہ میں کیسے حاصل کی جائے؟ ـــــ اس کے متعلق میں اس تنگ وقت میں جبکہ میری طبیعت بھی ٹھیک نہیں ہے اور میں اب تھک بھی بہت گیا ہوں بس اتنا ہی عرض کروں گا کہ آپ کے جاننے والوں میں انشاءاللہ ضرور کچھ ایسے حضرات ہوں گے جن کے بارہ میں آپ خود محسوس کرتے ہوں گے کہ ان کی دینی حالت پہلے کے لحاظ سے بہت بہتر ہوتی جا رہی ہے، اللہ سے اور دین سے ان کا تعلق بڑھتا جا رہا ہے اور اُن کے اعمال اور ان کی زندگی میں اچھی تبدیلی ہو رہی ہے، آپ اُن سے رابطہ قائم کریں، انشاءاللہ وہ راستہ آپ کے سامنے آجائے گا جس سے ہمارے اس زمانہ میں یہ چیز خدا کے فضل سے ہزاروں لاکھوں بندوں کو نصیب ہو رہی ہے۔

بس میں اپنی گذارش اسی پر ختم کرتا ہوں ـــــ اور اللہ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ اس نے اتنی بات کہنے کی توفیق دی، میں تو ضعف اور بیماری کی وجہ سے یہ نیت کر کے بیٹھا تھا کہ وعدہ پورا کرنے کے لیے بس دس منٹ کچھ کہہ سکوں گا ـــــ

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

صفحہ ۵۰ کا بقیہ

اسلام عرب سے آگے نہ بڑھتا پھر بڑے مزے سے فرمایا کہ میں بوڑھا ہوگیا ہوں مجھے بھی آرام وآسائش کی ضرورت ہے یہ لوگ بھی اپنا صرف یہی فرض سمجھتے ہیں اور اس فرض کو ادا کر کے بہت خوش ہوتے ہیں لیکن اگر میں ان سے کچھ کام لوں تو پھر یہ عذر کریں۔ فرمایا کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ لوگ دینی کام بھی اپنی خواہش کے مطابق کرنا چاہتے ہیں ذکر و تسبیح آسان کام ہے انہیں جی بھی خوب لگتا ہے اسی لئے لوگ اس کے طالب ہوتے ہیں اور اسی پر اکتفا کرتے ہیں۔ سلسلہ کلام میں ارشاد فرمایا کہ "میں اپنے سیاسی احباب سے کہتا ہوں کہ ان خانقاہوں سے اخلاص وللہیت اور سوز وگداز لو اور اپنے سیاسی فہم اور بصیرت کے ساتھ مسلمانوں کی خدمت کرو۔ صحیح راستہ یہی ہے پھر بڑی حسرت سے فرمایا کہ اب خانقاہیں بھی سونی ہوتی جا رہی ہیں"۔ (الفرقان ذی الحجہ ۵۸ھ م دسمبر ۱۹۳۹ء)

حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ

کی خدمت میں پہلی حاضری

(مولانا سید ابوالحسن علی ندوی)

رفیق محترم مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کے جس مضمون کا تذکرہ نگاہ اولین کے صفحات میں میں نے کیا ہے وہ ایک ہفتہ چند دینی مرکزوں میں کے عنوان سے الفرقان ذی الحجہ ۱۳۶۸ھ میں شائع ہوا تھا اس کا وہ حصہ ذیل میں درج کیا جا رہا ہے جو حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی خانقاہ میں حاضری اور تاثرات پر مشتمل تھا۔ "نعمانی"

جمعہ ہی کو نماز عصر کے بعد ہم رائے پور روانہ ہوئے جو شہر سہارنپور سے بیس اکیس میل پر کوہ شوالک کے دامن میں ایک قصبہ ہے، اور مولانا شاہ عبدالقادر مدظلہ کی اقامت گاہ ہے۔ لاری سہارنپور سے چل کر بہٹ پر ٹھہر جاتی ہے جو ۱۶ میل پر ایک قصبہ ہے۔ بقیہ چھ میل کی مسافت ہم نے پیدل طے کی۔ قصبے میں اور راستہ میں ہم کو جا بجا مسلمانوں کی عام تواضع اور احترام کی مثالیں ملتی رہیں ہم رات کو ساڑھے نو بجے خانقاہ میں پہونچے، نہر کے کنارے ایک مسجد ہے اس کے پہلو میں تعلیم قرآن کا ایک مدرسہ ہے۔ کچھ آگے بڑھ کر ایک پر فضا چبوترہ اور اس پر دو دالانوں کا ایک مکان ملا اندر کے دالان میں "طالبین" کی ایک جماعت موجود تھی جس حجرے میں شاہ صاحب آرام فرما رہے تھے ہم داخل ہوئے اور حضرت سے مصافحہ کیا جس غیر معمولی محبت و شفقت اور گرم جوشی کا برتاؤ آپ نے ہم نوواردوں سے کیا اس کو ہم بھول نہیں سکتے فوراً باہر تشریف لے آئے اور کھانا تیار کرنے کا حکم دیا۔ مولانا نعمانی نے ہم دونوں کا تعارف کرایا میں نے اپنی کتاب "سیرت سید احمد شہید" پیش کی جو نہایت محبت سے قبول فرمائی۔

قارئین کرام کو اس موقع پر یہ بتادینا بھی ضروری ہے کہ سلسلہ دیوبند کے تمام حضرات کو حضرت سید احمد شہیدؒ سے وہ قلبی تعلق اور رابطہ ہے جو اہل سلسلہ کو اپنے مرشد اور روحانی مورث سے ہو سکتا ہے جن لوگوں کو "سیرت سید احمد شہیدؒ" یا حضرت والد مرحوم کا سفرنامہ (ارمغان احباب) پڑھنے کا اتفاق ہوا ہے وہ اس سے بخوبی واقف ہوں گے لیکن خصوصیت کے ساتھ حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوریؒ کو حضرت سید صاحبؒ سے والہانہ عقیدت تھی اور مولانا عبدالقادر مدظلہٗ ان کے خلیفہ اور اپنے بزرگوں کے جانشین ہیں، جتنی دیر بھی حضرت سید صاحب کا تذکرہ رہا لفظ لفظ سے اس قلبی ارادت اور شیفتگی کا اظہار ہوتا تھا جو بزرگان دیوبند کا مشترک سرمایہ ہے۔

حضرت شاہ صاحب مدظلہ اس نواح کے مشہور شیخ و مرشد ہیں جن کے منتسبین کا وسیع حلقہ ہے لیکن ہم گمنام (سوائے ایک محترم رفیق مولانا نعمانی کے کہ وہ خدا کے فضل سے ان دینی و علمی حلقوں میں بخوبی روشناس بلکہ اس وسیع اور مبارک علمی اور مذہبی برادری کے ایک فرد خاندان ہیں) مسافروں سے آپ جس محبت و خصوصیت سے ملے اس نے ہم کو متحیر کر دیا اور اخلاق نبوی کا ایک نقشہ سا کھینچ دیا۔ رات گئے ہم لوگ سو گئے سحر کے وقت قریب کے تمام حجرے اور کمرے ذکر اللہ سے گونجنے لگے، صبح کی نماز کے بعد متصلاً اندر کے بڑے دالان میں نشست ہوئی جو ساڑھے گیارہ بجے تک قائم رہی۔ یہ مجلس کیا تھی "باغ و بہار" تھی، حاضرین دنیا و مافیہا سے بے خبر و ہمہ تن گوش تھے حضرت شاہ صاحب نہایت سادہ اور بے تکلف طریقہ پر گفتگو فرماتے رہے اگر اس مجلس کی گفتگو قلمبند ہو جاتی تو وہ بزرگان دیوبند، حضرت سید صاحبؒ اور ان کے رفقا کے وجد انگیز واقعات و حالات اور ربع صدی کی اسلامی سیاست اور مجاہدانہ تحریکوں کی تاریخ کا نہایت دلچسپ مرقع ہوتا ہم کو جس چیز نے سب سے زیادہ متاثر کیا وہ حضرت شاہ صاحب کی سیاسی بصیرت، زمانۂ حال کی فہم و فراست اور باخبری اور بالغ نظری تھی جس کی ہمیں اس درجے میں ایک خانقاہ نشین شیخ طریقت سے ہرگز توقع نہ تھی۔ دین و سیاست کے اس صحیح امتزاج جذبۂ جہاد اور ولولۂ عمل نے رائے پور کی اس گمنام نہیں مگر کم نام خانقاہ میں جغبوب اور واتہ کی سنوسی خانقاہوں کی جھلک پیدا کر دی ہے، ہندوستان کی اسلامی تحریکوں اور سیاسی اداروں اور ہندوستانی مسلمانوں کے ماضی قریب، حال اور مستقبل پر ایسی جچی تلی اور معتدل رائیں ہم نے کم علما اور کم تر مشائخ کی

زبان سے سُنی ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خانقاہ کی دیوار میں ایک دریچہ ہے جس سے جو کچھ ہو رہا ہے اور جو ماضی قریب میں ہوا ہے اچھی طرح نظر آتا ہے اور اس کے ایک مخفی گوشہ میں ایک ایسا تصویر خانہ ہے جس میں ہمارے سیاسی رہنماؤں کی صورتیں نظر آتی ہیں امید و ناامیدی اور سردی و گرمی کا اجتماع بھی ایسا بہت کم دیکھنے میں آیا ہے۔ جیسا مولانا کے دل میں ہے۔ مولانا نے بار بار فرمایا کہ ہم نے جو کچھ دیکھا اور دیکھ رہے ہیں اس سے ہمارا دل سرد ہو گیا ہے اور طبیعت بُجھ گئی ہے۔ پھر فرمایا کہ واقعہ یہی ہے کہ بظاہر مسلمانوں کی ذہنی اور عملی حالت مایوس کن ہے لیکن ہم کو کم سے کم خدا کے سامنے معذرت ہی کا سامان کر لینا چاہیئے اور یہ آیت تلاوت فرمائی۔

وَإِذْ قَالَتْ أُمَّةٌ مِنْهُمْ لِمَ تَعِظُونَ قَوْمًا اللَّهُ مُهْلِكُهُمْ أَوْ مُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيدًا قَالُوا مَعْذِرَةً إِلَىٰ رَبِّكُمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ ۝

اور جبکہ کہا ان میں سے ایک جماعت نے کیوں ایسے لوگوں کو نصیحت کرتے ہو جن کو اللہ ہلاک ہی کرنے والا ہے یا ان کو سخت عذاب دینے والا ہے انھوں نے کہا کہ اللہ کے سامنے معذرت کیلئے اور کچھ اس امید سے بھی کہ شاید وہ ڈریں

مولانا اسلامی تحریکوں کے سلسلہ میں حکومت کی سازشوں اور خفیہ ریشہ دوانیوں سے خوب واقف ہیں اور آپ کو مسلمان قائدین اور کارکنوں کی فریب خوردگی کا حال اچھی طرح معلوم ہے وہ ان دینداروں کو جنھوں نے دھوکہ کھایا اور اپنے اخلاص اور بے نظیر قربانیوں کے باوجود انگریزی سیاست کے مقابلہ میں مات کھائی۔ بڑے مزے سے "مجذوبوں کی جماعت" کے لقب سے یاد فرماتے تھے۔ معلوم ہوتا تھا کہ مولانا نے ان تحریکات کا گہرا مطالعہ کیا ہے اور اُن کے حافظہ میں انکی تمام جزئیات اور تفصیلات محفوظ ہیں۔ اور ان کے ناکام نتائج اور لغزشوں سے وہ زمانہ حال کی تحریکوں میں فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔

ہندوستان کی سیاسیات اور تحریک خلافت میں حضرت شیخ الہند و دیگر اکابر دیوبند اور علماء کے عملی حصہ لینے کی پوری تاریخ سنائی اور اس سلسلہ میں آپ نے ان معلومات کا اظہار فرمایا جو اس جدوجہد کے مخصوص شرکاء اور حضرت شیخ الہندؒ اور ان کے رفیقوں کے خاص رازدار صاحب ہی سے معلوم ہو سکتے ہیں۔ آپ نے ذکر فرمایا کہ ہنگامۂ بلقان کے زمانہ میں علماء اور

یخ کے دو حلقوں میں " الہلال " اور " زمیندار " پڑھے جاتے تھے ایک حضرت شیخ الہندؒ
ہاں دیوبند میں اور ایک حضرت شاہ عبدالرحیم صاحبؒ کے ہاں رائے پور میں۔ ترک
ہدین کے حالات جب پڑھے جاتے تھے تو حضرت شیخ الہند پر ایک وجد کی سی کیفیت طاری
ہاتی تھی، فرمایا کہ ایک مرتبہ الہلال کی یہ خبر سنائی گئی کہ ایک ترک مجاہد کی ٹوپی پر یہ جملہ لکھا ہوا
" اَتَصُوَ نِیَا بالموت " حضرت نے جب یہ جملہ سنا تو بے اختیار ہو کر اٹھ کر کھڑے ہو گئے اور
خاص کیف اور وارفتگی کے عالم میں چل چل کر یہی جملہ دیر تک دہراتے رہے۔ مولانا نے فرمایا
یسا معلوم ہوتا ہے کہ تحریک خلافت کے عظیم الشان جسم میں روح حضرت شیخ الہندؒ کے جذبے
لہیت کی ہی تھی حضرت کی وفات کے بعد یہ قالب بے روح رہ گیا اور آخر میں بے روح
بھی نہیں رہا۔ اس موقع پر مولانا نے فرمایا کہ جب حضرت شیخ الہندؒ مالٹا سے تشریف لائے
لنے حضرت کی ان تکلیفوں اور قربانیوں کا ذکر کیا جو مالٹا کی اسارت کے دوران میں
ہوئیں تو حضرت پر رقت طاری ہو گئی اور نہایت رقت انگیز طریقے پر فرمایا کہ ڈر معلوم
ہے کہ کہیں اللہ تبارک وتعالےٰ کو یہ چیزیں قبول نہ ہوں یہ کہہ کر آپ پر ایسی خشیت طاری
ی کہ آپ لرزہ براندام ہو گئے جس چارپائی پر آپ تشریف رکھتے تھے وہ ہلنے لگی اور تمام
رین متاثر ہوئے۔

سلسلۂ گفتگو میں ایک صاحب نے مولانا مودودی کا یہ قول نقل کیا کہ " جماعت دیوبند
وستان میں صالح ترین جماعت ہے لیکن اس میں ایک نقص ہے اور وہ اکابر پرستی کا ہے۔ یہ
ت حق کو اپنے بزرگوں اور اکابر سے جانچتی ہے (او کما قال)" مولانا نے اس پر نہایت
ہ اور معنی خیز تبسم کے ساتھ مولانا مودودی کے سلامت فہم کی داد دی پھر کچھ گفتگو کے بعد فرمایا
لانا مولوی ابوالاعلیٰ صاحب مودودی نے غلط نہیں کہا مگر ہم نے اپنے بزرگوں اور اکابر کے
ات دیکھے ہیں ان کی وجہ سے ہم کو ان کے ساتھ جو عقیدت اور حسن ظن ہو وہ محل تعجب
اس پر اپنے بزرگوں کے عموماً اور اپنے شیخ حضرت رائے پوری کے خصوصاً چند موثر
ت سنائے ان میں سے دو تین واقعے جو اس وقت بھی ذہن میں محفوظ ہیں ذکر کیے جاتے ہیں
۔ ایک مرتبہ مریدین میں سے ایک شخص حاضر ہوا تو حسب معمول اس سے گھر کی خیریت پوچھی

اس نے ایک نیاز مند اور خوش اعتقاد مرید کے لہجہ میں کہا" حضرت کی برکت سے سب خیریت ہے" تو آپ سخت ناراض ہوئے اور تنبیہ فرمائی کہ آئندہ سے کبھی یہ نہ کہنا جب کبھی کہنا ہو تو یوں کہو کہ " اللہ کے فضل سے سب خیریت ہے" اسی طرح ایک مرتبہ میری زبان سے بھی کچھ اسی طرح کے الفاظ محبت اور جوش عقیدت میں نکل گئے تو فرمایا اس سے مجھے تکلیف ہوئی، میں کیا اور میری برکت کیا۔ ہر خیر کو اللہ ہی کیطرف منسوب کرنا چاہیئے (اوکما قال) فرمایا کہ تشرع اور تقوے کا یہ حال تھا کہ ایک مرتبہ میں نے لنگی نذر کی تو آپ نے وہ لے لی اور چپکے چپکے انگلیوں سے اس کے کنارے ٹٹولنے لگے تاکہ یہ معلوم ہو کہ اسمیں ریشم تو نہیں ہے پھر وہ غالباً گھر میں عورتوں میں کسی کو دے دی اسلیئے کہ میں نے اس کو باہر نہیں دیکھا۔ ایک مرتبہ کچھ دور چل کر پھر لوٹے اور جہاں سے چلے تھے وہیں سے پھر چلنا شروع کیا۔ میں نے سمجھ لیا کہ پہلے بالحاظ ترتیب چلے تھے اسلئے پھر اس کو دہرایا، حضرت سید صاحبؒ کے رفیقوں میں سے ایک شخص کا حال سنایا کہ کسی حکیم کے پاس علاج اور طبی مشورے کے لئے گئے اور دیر تک اس کا انتظار کرنا پڑا جب ملنے کا وقت قریب آیا تو دیکھا کہ وہ بغداد کیطرف منہ کر کے صلوٰۃ غوثیہ پڑھ رہا ہے آپ یہ دیکھتے ہی وہاں سے بغیر ملے واپس چلے، ساتھی نے کہا کہ آپ اتنی دیر تک تو انتظار کرتے رہے اور جب ملنے کا وقت آیا تو آپ نے عجلت فرمائی اور بغیر کام کیئے ہوئے واپس جا رہے ہیں، فرمایا کہ میں مل سکتا ہوں لیکن سوچتا ہوں کہ ملنے کے بعد آج عشاء کو دعائے قنوت میں کس منہ سے خدا کے سامنے کہوں گا۔ ونخلع ونترک من یفجرک۔ فرمایا کہ سید صاحب کے ساتھیوں میں سے ایک صاحب تھے جو سُرمہ کی چھوٹی چھوٹی پڑیاں بنا کر فروخت کیا کرتے تھے اور جب ان کے پاس اتنے پیسے آجاتے کہ دو وقت کھانے کا انتظام ہوسکتا تو بیچنا بند کر دیتے وہ دن بھر میں ایک پارے سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے مگر تمام دن پڑھتے تھے۔

شاہ صاحب نے اپنے مسترشدین اور مریدین کے مجمع میں نہایت درد اور حسرت سے بار بار فرمایا کہ کام کرنیوالے لوگ یہاں نہیں آتے یہ بیچارے بس ذکر شغل کے لئے آتے ہیں میں ان کو اللہ کا نام بتا دیتا ہوں اس سے زائد نہ وہ کسی چیز کے طالب ہیں نہ متحمل، ان حضرات میں جو یہاں تشریف رکھتے ہیں اللہ اللہ کرنے کے سوا اور مراقبے اور تسبیحوں سے زائد کوئی ہمت نہیں پھر فرمایا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام و اسلاف امت بھی اگر اس پر اکتفا کرتے تو

باقی صفحہ پر

[illegible]

ساعتے با اولیا

حضرت العلامہ شیخ سعید حلبی رحمۃ اللہ علیہ

اقبال احمد اعظمی

شیخ سعید حلبی رحمۃ اللہ علیہ کی بابرکت خدمت میں ہم اس وقت حاضر ہو رہے ہیں یہ انیسویں صدی کے ان اکابر میں سے ہیں جو اپنے علم و فضل تقوی اور تعلق باللہ میں ممتاز تھے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث " اَلْاَبْدَالُ فِیْ ھٰذِہِ الامۃ ثَلَاثُوْنَ مِثْلُ اِبْرَاھِیْمَ خَلِیْلِ الرَّحْمٰنِ عَزَّ وَجَلَّ، کلما مَاتَ رَجُلٌ اَبْدَلَ اللّٰہُ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی مَکَانَہٗ رَجُلًا " ـــــ مسند احمد ص ۳۲۲ ج ۵۔ کو سامنے رکھ کر ان کی زندگی کا مطالعہ کیا جائے تو بلا کسی تردد کے یہ کہا جا سکے گا کہ آپ فی زمانہ خدا کے انھیں برگزیدہ بندوں میں سے ایک تھے جو خلق خدا کے نگہبان، " صاحب خدمت " اور زمین کے معنوی شہنشاہ ہوتے ہیں۔ موصوف دمشق کے محلہ " میدان " کی ایک مسجد میں دنیا سے یکسو ہو کر اللہ کی عبادت اور اس کے دین کی تعلیم میں مشغول رہتے تھے۔

۱۸۳۱ء کی بات ہے کہ ایک دن یکایک یہ اعلان سننے میں آیا کہ شاہ وقت سلطان ابراہیم پاشا شیخ سے ملنے کے لئے ان کی مسجد میں آرہا ہے، اہل محلہ پریشان ہوگئے اور ایک دوسرے سے پوچھنے لگے کہ کیا کیا جائے؟ وہ جانتے تھے کہ شیخ اہل دنیا کو کوئی اہمیت نہیں دیتے، وہ نہ کسی بادشاہ کی اسکی بادشاہت کی وجہ سے تعظیم کرتے ہیں، نہ کسی مالدار کی اس کے مال کی وجہ سے، وہ یہ نہیں دیکھتے کہ کسی کے بدن پر کیسے کپڑے ہیں یا اس کے گھر میں سیم و زر کا کیا انبار ہے۔ وہ صرف یہ دیکھتے ہیں کہ آدمی کا انسانی خوبیوں میں کیا مقام ہے۔ ایمانی صفات میں اس کا کیا حال ہے اور اسکے

دماغ کو جوہر علم و فضل سے کیا حصہ ملا ہے۔ ادھر ابراہیم پاشا کا حال بھی ان سے پوشیدہ نہیں تھا، اس کا رعب و دبدبہ اور جاہ و جلال ان کی نظر میں تھا اس کے جور و تشدد کا بھی ان کو تجربہ تھا، وہ یہ جانتے تھے کہ اس کی تلوار زبان و نظر سے زیادہ تیز چلتی ہے۔ وہ سوچتے تھے کہ شیخ کی بے توجہی کو دیکھ کر کہیں بادشاہ کوئی گستاخی نہ کر بیٹھے، سوچا کہ بادشاہ سے چل کر عرض و منت کریں لیکن وہاں تک پہونچیں گے کیسے: اس کے دربار تک رسائی آسان تو نہیں ہے۔ اچھا! شیخ ہی سے عرض کریں کہ اس کے شر سے محفوظ رہنے کے لئے شیخ اس کا کچھ اعزاز فرما دیں، لیکن شیخ کو اس کی کیا ضرورت! وہ سینکڑوں طاقت ور بادشاہوں سے زیادہ طاقتور ہیں ان کی ایمانی ہیبت اور ان کا تقویٰ ان کی حفاظت کے لئے کافی ہے، وہ تو دین کے لئے وقف ہیں، فرشتے ان کی نگہبانی کرتے اور ان کے لئے اپنے پر بچھاتے ہیں۔

دراصل یہ تو وہ بھی جانتے تھے کہ شیخ اس سے مستغنی ہیں، ڈر تو یہ تھا کہ اگر شیخ نے بادشاہ کو برہم کر دیا تو نزلہ ہم پر گرے گا چار و ناچار بادشاہ کے استقبال کی تیاریوں میں لگ گئے اور جو کچھ بن پڑا اظہار وفاداری میں اٹھا نہ رکھا۔ بادشاہ کی سواری پورے شاہانہ تزک و احتشام کے ساتھ مسجد کے دروازہ پر پہونچی، لیکن مسجد کا دروازہ تنگ تھا گویا "وہ زبان حال سے کہہ رہا تھا وہ لوٹ جا اپنی دنیا کی طرف لوٹ جا، اللہ کے گھر میں آنا ہے تو عاجز انسان بن کر آ، آقا بن کر آنا چاہتا ہے تو اس کا قصد نہ کر، کیونکہ "نبوت کی میراث" (جس کی بنیاد توحید و مساوات پر ہے) جاہلی رسموں کے ساتھ (جو شرک اور شاہ و گدا کی تمیز پر مبنی ہیں) جمع نہیں ہو سکتی ہے۔ بادشاہ تھوڑی دیر تک کھڑا سوچتا رہا پھر سواری سے اترا، خدام و مصاحبین کو الگ کیا اور تنہا مسجد میں داخل ہو گیا ــ راوی کا بیان ہے کہ ــــ شیخ اپنے شاگردوں اور متوسلین کے حلقہ میں پیر پھیلائے بیٹھے تھے اور فرما رہے تھے:

"آدمی جب اللہ سے ڈرنے لگتا ہے اور اپنے ڈر میں سچا ہوتا ہے تو پھر دنیا کی ہر چیز اس سے ڈرنے لگتی ہے، وہ جب کسی بڑی چیز کو دیکھتا ہے تو فوراً "اللہ اکبر" (اللہ سب سے بڑا ہے) کا عظیم کلمہ اس کے سامنے آجاتا ہے اور وہ اس بڑی چیز کو اس کے لئے حقیر بنا دیتا ہے...... "اللہ اکبر" کے کلمہ میں ایک سر الٰہی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمان کو دن رات میں نماز و اذان کے ذریعہ سیکڑوں بار

بار اس کلمہ کو دہرانے کا حکم اس لئے نہیں دیا تھا کہ وہ اس کے حروف کو صرف دہرائے بلکہ اس لئے کہ اس کے دل میں یہ بات اتر جائے کہ دنیا میں کوئی بڑا نہیں ہے اور جو اللہ کے ساتھ ہے اسے کسی چیز کی پرواہ نہیں، بڑا سے بڑا بادشاہ اس کا کچھ بگاڑ سکتا ہے اور نہ سخت سے سخت قسم کا دُکھ درد اسے اندیشہ میں ڈال سکتا ہے۔ کاش! مسلمان اس کلمہ کو زبان سے دہرانے کے ساتھ اس کے معنی کی گہرائیوں میں بھی اُتر جاتے پھر دیکھتے کہ نہ تو کبھی کسی طرح کی ذلت ان کے پاس پھٹکتی اور نہ کبھی بزدلی اور کسل انھیں دامن گیر ہوتا۔"

حلقہ کے ایک آدمی نے کہا، کہ حضرت! اگر بادشاہ اسے قتل کردے یا اس کا مرض اسے موت تک پہونچادے" فرمایا:

"سبحان اللہ! کیا مسلمان بھی قتل سے ڈرتا یا موت سے نفرت کرتا ہے؟۔ موت تو سخت اس لئے ہے کہ اس سے دنیا کی زندگی اور اس کی لذتیں ختم ہوجاتی ہیں، پھر اس کا غم تو کافر کو ہونا چاہیئے کہ اسے دُنیا کے مزے لوٹنے ہیں لیکن اس شخص کو اس کا کیا غم جو دنیا میں صرف اس لئے رہتا ہے کہ آخرت کی زندگی کے لئے تیاری کرے، وہ تو دنیا میں اس طرح رہتا ہے جیسے مسافر اسٹیشن پر گاڑی کے انتظار میں سکنڈ منٹ گنتا رہتا ہے، اس کی جب موت آئے گی اور اپنے پروردگار سے ملے گا تو اسے بالکل ایسا ہی معلوم ہوگا جیسے کوئی عرصہ دراز پردیس میں رہنے کے بعد اپنے گھر لوٹتا ہے اور اپنے ماں باپ سے ملتا اور خوش ہوتا ہے اس کے لئے موت موت نہیں بلکہ موت کا دن گویا اس کا جشن کا دن ہے اور اس کے بعد ہی اسکی زندگی کی ابتدا ہوگی۔ ہم نے اپنے بزرگوں سے سُنا ہے کہ سب سے اعلیٰ درجہ کا شہید وہ ہے جو کسی ظالم بادشاہ کے خلاف حق بات کہے اور وہ اسی کی وجہ سے اسے قتل کردے۔"

بادشاہ کھڑا سن رہا تھا اور غصہ سے اس کا چہرہ سُرخ ہورہا تھا، وہ یہ سوچ رہا تھا کہ میرے پاس ہزاروں غلام ہیں، میرے پاس طاقت ہے، میرے پاس دُنیا کی دولت ہے اور میں شہنشاہ ہوں۔۔ یہ کیسا بڈھا ہے! اس کے پاس کے یہ فقیر کتنے بدتمیز ہیں! میرے لیئے کھڑے کیوں نہیں ہوتے! مجھے جھک کر سلام کیوں نہیں کرتے! اور میرے سامنے ہاتھ کیوں نہیں باندھتے؟۔ کیا یہ مجھے جانتے نہیں، یا انھیں میری تلوار کی تیزی کا علم نہیں ہے؟ ہر ایک کو

غیظ و غضب سے گھور گھور کر دیکھ رہا تھا اور جی ہی جی میں کڑھ رہا تھا کہ اس کی نظر شیخ پر پڑی دیکھا تو شیخ اسی کی طرف پیر پھیلائے ہوئے ہیں۔ بیتاب ہوگیا اور اس حرکت کو اس نے اپنی طاقت و حکومت کے ساتھ مذاق سمجھا لیکن کیا کرے! اس وقت اسکی حیثیت ایک پنجرے میں بند بھوکے شیر کی تھی جو سامنے شکار کو دیکھ کر تڑپ رہا ہے لیکن نکل نہیں سکتا، ادھر شیخ خود اپنے میں مست تھے نظر اٹھائی اور بادشاہ کو کھڑا دیکھا تو ان کی حالت میں کوئی معمولی تبدیلی بھی نہیں آئی، تبدیلی کیوں آتی! کیا اس لئے کہ ابراہیم پاشا دُنیا کا بادشاہ ہے یا اس کے پاس دولت کا خزانہ ہے! انھیں دُنیا کی بادشاہت کا کیا ڈر! وہ تو اللہ کی بادشاہت میں ہیں، انھیں دُنیا کی دولت سے کیا لینا! وہ تو اس پر لات مار کر آخرت کی دولت سمیٹ رہے ہیں، اور ان کے خدام بھی کیا کم ہیں! شیخ کی صحبت نے ان کو اتنا بلند کر دیا ہے کہ دُنیا کی ہر چیز انھیں اسطرح چھوٹی معلوم ہوتی ہے جیسے ہوائی جہاز سے جھانکنے والے کو نیچے کی چیزیں، یا آسمان پر رہنے والے کو پوری زمین! ان کی نظر میں بادشاہ چیونٹی سے کچھ بڑا نہیں تھا پھر اس کے لئے کیوں کھڑے ہوں یا اس کے سامنے کیوں ہاتھ باندھیں؛ ـ بس شیخ نے نظر اٹھا کر صرف اتنا کیا کہ اپنی عام عادت کے مطابق اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا اور پھر تعلیم دین میں مشغول ہوگئے اور فرمایا:

" اللہ تعالیٰ کی عجیب کاریگری ہے کہ اس نے انسان کو پہلے حیوان پیدا کیا پھر کسی میں فرشتہ بٹھایا اور کسی میں شیطان ڈال دیا ہے، اب دنیا میں جو شخص صرف اپنا پیٹ بھرتا اور شہوت پوری کرتا ہے اور اس کے لئے جائز راستے اختیار کرتا ہے وہ نرا حیوان ہے وہ گدھے کی طرح کھاتا اور شہوت کو تسکین دیتا ہے اور جو دُنیا کو حلال و حرام تمام راستوں سے حاصل کرتا ہے اور نیکی بدی کی اسے کچھ پروا نہیں ہے وہ شیطان ہے، سانپ بچھو بھی اس سے اچھے ہیں کہ ان کا ٹھکانا مٹی ہے اور اس کا ٹھکانا آگ! ان سب کے برخلاف جس کا مقصد آخرت کا آرام اور اپنے پروردگار کی رضا حاصل کرنا ہے اور وہ دنیا میں اس طرح رہتا ہے جیسے ایک بامقصد طالب علم اپنے مدرسہ میں رہتا ہے وہی حقیقی انسان ہے ... بھائی! جنت تمنا اور آرزو سے نہیں، جنت عمل اور محنت سے ملتی ہے۔ کیا جس طالب علم نے پورا سال کھیل کود میں گزار دیا اسے امتحان میں اچھے نتیجے کی امید رکھنی چاہیے! اور کیا جس نے

بندوق کا ایک فائر بھی نہیں کیا اور دریا میں جال نہیں ڈالا اسے ہرن اور مچھلی کے انتظار میں بیٹھنا چاہیے کہ آکر خود سے کہیں کہ ہمیں کھاؤ۔ ... نفس کا علاج یہ ہے کہ ہر وقت انسان کمزوریوں کا محاسبہ کرتا رہے اور اپنے نفس کو صحت کی حالت میں مرض اور زندگی میں موت کی یاد دلاتا اور ڈراتا رہے۔ ... بھائی مومن کی سلامتی اس میں ہے کہ خوف و رجا دونوں اسمیں پوری طرح موجود ہوں۔ جس کے اندر سے ان میں سے کوئی چیز نکل گئی وہ تباہ ہوگیا ... ہم نے بعض بزرگوں کے متعلق سُنا ہے کہ وہ جلتے ہوئے چراغ پر ہاتھ رکھتے اور تکلیف ہوتی تو فرماتے، اے نفس دیکھ جب تو چراغ کی اس ہلکی لو کو نہیں سہ سکتا ہے تو جہنم کی آگ کو کیسے برداشت کرسکے گا ... مومن وہ ہے کہ اگر اسمیں شہوت کی آگ بھڑکے تو اسے جنت کی نہروں سے بجھادے یا جہنم کی آگ سے جلادے ..... جس کے پاس عقل نہیں ہے وہ انسان نہیں ہے اور بغیر ایمان کے عقل کی کوئی قیمت نہیں ہے، ایمان کے بغیر انسان وہی ہے جیساکہ مشہور ہے کہ .... ابتدا میں وہ ایک ناپاک نطفہ ہے اور انتہا میں ایک سڑی ہوئی لاش"۔ اگر کسی بادشاہ کو اس کی سلطنت اور اس کا ملک نشہ میں لائے تو وہ اللہ کے مقابلہ میں اپنی کم قیمتی کو دیکھے اور اس پر غور کرے کہ اللہ نے دنیا کے سب سے بڑے بادشاہ اپنی سب سے چھوٹی مخلوق ایک پشّو کے ذریعہ کیسے ہلاک کردیا تھا۔

بادشاہ کو غصّہ کیوں آرہا تھا وہ ہر چیز کو اپنی مادّی نظروں سے دیکھ رہا تھا اسے اپنے تخت و محل اور شیخ کی چٹائی اور کچی زمین کا فرق معلوم نہیں تھا، اسے اپنے نوکر اور مصاحب اور شیخ کے خدام اور شاگرد یکساں نظر آرہے تھے وہ نہیں جانتا تھا کہ اس کے خدام اور مصاحب اس کے صرف نوکر اور ملازم ہیں اور شیخ کے حلقہ والے ان کے شاگرد اور دینی بھائی! لیکن اس نے شیخ کے اثر بھرے کلمات سُنے اور اس کی بصیرت کی آنکھیں کھل گئیں۔ وہ شیخ کی باتیں کھڑا سُن رہا تھا اور اسے ایسا محسوس ہورہا تھا کہ ابتک وہ کسی صندوق میں بند تھا، اب اسے کھولا گیا ہے اور صاف ہوا نصیب ہوئی وہ کسی سخت تاریکی میں تھا شیخ اس پر سورج بن کر طلوع ہوئے ہیں، جھکا اور شیخ کے سامنے باادب دوزانو بیٹھ گیا، اب وہ شیخ کے خادموں سے اپنے کو کہیں حقیر سمجھنے لگا ہے اور شیخ کے پھیلے پاؤں بھی اسے اچھے لگ رہے ہیں۔ پھر کیا تھا شیخ نے ایک نظر ڈالی اور انسان بناکر بٹھا دیا۔

بادشاہ سلام کرکے باادب رخصت ہوا اور اپنے محل میں پہونچتے ہی زرِ سرخ سونے کے ایک ہزار دینار کی ایک تھیلی شیخ کے پاس ہدیۃً بھیجی۔ قاصد نے شیخ سے آکر بادشاہ کا سلام عرض کیا اور تھیلی سامنے ڈال دی۔ شیخ مسکرائے اور تھیلی کو واپس کرتے ہوئے فرمایا: بیٹے بادشاہ کو میرا سلام عرض کرنا اور کہنا کہ جو پیر پھیلاتا ہے وہ ہاتھ نہیں پھیلاتا!۔

(از قصص من التاریخ للاستاد علی الطنطاوی)

ALFURQAN (Regd. No. A-353) LUCKNOW

لکھنؤ
الفرقان
ماہنامہ
30 (4)
ہماری دعوت
لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ
اسی کلمہ پر اسلام کی بنیاد ہے اور ہمارا ایمان ہے کہ یہی انسانیت کی نجات کا کلمہ ہے
لیکن یہ صرف ایک بول ہی نہیں ہے بلکہ ایک شہادت، ایک اصول اور ایک اہم فیصلہ ہے اور عہد ہے
اس بات کا عہد کہ ہم صرف اللہ کی عبادت اور بندگی کریں گے اور زندگی کے ہر شعبہ میں اسی کی بھیجی ہوئی
اور حضرت محمد صلعم کی لائی ہوئی ہدایت اور شریعت کی پیروی کریں گے اور اسی حال میں جئیں گے اور مریں گے
جو لوگ اس کلمہ پر ایمان لا چکے ہیں ان کا فرض ہے کہ زندگی اس عہد کے مطابق گزاریں اور اسی ایمانی
زندگی کو دنیا میں رواج دینے کی کوشش کریں، وہ اسی لیے پیدا ہوئے ہیں ہم اسی کا
عہد کرتے ہیں اسی کی دعوت دیتے ہیں اور اسی پر جینا اور مرنا چاہتے ہیں
فاطر السموات والارض انت ولیی فی الدنیا والآخرۃ
توفنی مسلما والحقنی بالصالحین
ادارۂ الفرقان
مسئول
محمد منظور نعمانی
مرتب
عتیق الرحمٰن سنبھلی

جلد (۳۰) | بابت ماہ ربیع الثانی ۱۳۸۲ھ مطابق اکتوبر ۱۹۶۲ء | شمارہ (۴)

اگر اس دائرہ میں سرخ نشان ہے، تو

اس کا یہ مطلب ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہو گئی ہے، براہ کرم آئندہ کیلئے چندہ ارسال فرمائیں، یا خریداری کا ارادہ نہ ہو تو مطلع فرمائیں۔ چندہ یا کوئی دوسری اطلاع ۱۲ اکتوبر تک دفتر میں ضرور آجائے ورنہ اگلا شمارہ بصیغۂ وی، پی ارسال ہوگا۔

پاکستان کے خریدار: اپنا چندہ سکریٹری اصلاح و تبلیغ آسٹریلین بلڈنگ لاہور کو بھیجیں اور منی آرڈر کی پہلی رسید ہمارے پاس فوراً بھیجدیں۔ **نمبر خریداری:** براہ کرم خط و کتابت اور منی آرڈر کے کوپن پر اپنا خریداری نمبر ضرور لکھیں۔

تاریخ اشاعت: الفرقان ہر انگریزی مہینہ کے پہلے ہفتہ میں روانہ کر دیا جاتا ہے، اگر ۱۲ تاریخ تک بھی کسی صاحب کو نہ ملے تو فوراً مطلع فرمائیں، اس کی اطلاع ۲۰ تاریخ تک آجانی چاہیے، اسکے بعد رسالہ بھیجنے کی ذمہ داری دفتر پر نہ ہوگی۔

دفتر الفرقان، کچہری روڈ لکھنؤ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نگاہِ اوّلیں

یو۔ پی کی حکومت نے اردو زبان سے متعلق حکومت کی اسکیموں کا جائزہ لینے کے لیے ایک کمیٹی مقرر کی تھی، جس کی رپورٹ اردو کے حامی اخبارات میں آج کل خاص موضوعِ بحث بنی ہوئی ہے۔ اس رپورٹ میں حکومت سے ایک اہم سفارش یہ کی گئی ہے کہ ڈسٹرکٹ بورڈوں کے ماتحت قائم شدہ "اسلامیہ پرائمری اسکولوں" کو آئندہ سے اردو میڈیم (اردو کے ذریعہ تعلیم والے) "اسکول کہا جائے۔ اسی طرح مکاتبِ اسلامیہ کے بارے میں کمیٹی نے یہ رائے دی ہے کہ ان کو بھی نجی انتظام میں چلنے والے اردو میڈیم اسکول" کہا جا سکتا ہے۔ اس سفارش اور اس مشورہ پر مسلم حلقے اور مسلم اخبارات بہت برافروختہ ہیں۔ اور ان کی یہ برافروختگی بالکل بجا ہے۔ خصوصاً اس لیے کہ اس سفارش اور مشورہ کی جو بنیاد پیش کی گئی ہے وہ اس مشورے اور سفارش کے پیچھے ایک بہت خطرناک ذہنیت کا شبہ پیدا کرتی ہے۔ یا یوں کہا جائے کہ جس بنیاد پر کمیٹی نے ان اسکولوں اور مکتبوں کے نام کی تبدیلی کا مشورہ دیا ہے اُس سے ایک ایسا خطرناک اُصول قائم ہوتا ہے جو ہندوستان سے اسلامیت کے ہر نشان کو مٹانے کے لیے استعمال کیا جا سکتا ہے۔ یعنی "بدلے ہوئے حالات" کا اُصول ——— کیونکہ کمیٹی کی سفارش کے الفاظ یہ ہیں کہ

> "بدلے ہوئے حالات میں اسلامیہ اسکولوں کو اردو میڈیم اسکول کہا جانا چاہیے۔" اور "مکتبوں کو بھی نجی انتظام میں چلنے والے اردو میڈیم اسکول کہا جا سکتا ہے۔"

اسلامیہ اسکولوں اور مکتبوں کے اندر اس سفارش کے جو اثرات و نتائج ہو سکتے ہیں اُن سے قطع نظر صرف یہ اُصول کی بات ہی اس کے لیے کافی ہے کہ اس سفارش کی مخالفت کی جائے۔ اور اسلیئے ہم بھی اس کی پرزور مخالفت کرتے ہیں۔ لیکن مخالفت کے اس جوش و خروش میں ایک بات ذرا ٹھنڈے دل سے سوچنے کی بھی ہے۔ وہ یہ کہ کیا "بدلے ہوئے حالات" کی یہ منطق جسے ہم دوسروں کی زبان سے سننا برداشت نہیں کر سکتے خود ہمارے عملی رویہ میں آج عین اسی منطق کی فرمانروائی نہیں ہے؟ ہمارا تو جی چاہتا ہے کہ شکر گزار ہوں اپنے اُن مہربان ہموطنوں کے جو اسلامیت کے کسی نشان سے اپنی چڑھ کا اظہار کر کے یا مسلمانوں میں ہندوئیت سرایت کر جانے کی تدابیر اختیار کر کے خود بخود "بدلے ہوئے حالات" کے دھارے پر بہنے والے مسلمانوں کو تھوڑی دیر کے لیے چونکا دیتے ہیں۔ اور اس جذباتی جھٹکے سے اُن کی ٹھٹھری ہوئی اسلامی رگیں دو چار دن کے لیے تو گرما ہی جاتی ہیں۔ ہمیں واقعۃً کبھی کبھی یہ خیال ہوتا ہے کہ اگر یہاں کے مسلمانوں کو ایک نئے "ملکی اور قومی سانچے" میں ڈھالنے سے دلچسپی رکھنے والے ایسی حکیمانہ اور صابرانہ کوششوں پر کاربند رہتے جس کا کبھی کبھی اُن کے دوراندیش لیڈروں نے مشورہ بھی دیا ہے، اور جلدبازی اور جذباتیت سے اپنے عزائم کا بھانڈا نہ پھوڑتے رہا کرتے تو مسلمانوں کو جگانے کی کوششیں آج کے مقابلہ میں کہیں زیادہ بے اثر ہوتیں۔ شکرگذار ہونا چاہیے ان جذباتی اور جلدباز لوگوں کا کہ ان کی جذباتی باتوں اور جلدبازانہ تدبیروں سے ہماری اصلاح و بیداری کی تحریکوں کا کچھ بھرم قائم ہے۔

بہرحال ہم ان دنوں آئی ہوئی جوش و خروش کی اس لہر سے فائدہ اُٹھا کر مسلمانوں کو اس اہم سوال کی طرف متوجہ کرنا چاہتے ہیں کہ آخر اُن کے اس رویہ میں کیا معقولیت ہے کہ وہ خود تو "بدلے ہوئے حالات" کے اس دھارے پر اس ذوق و شوق سے بہہ رہے ہیں کہ ایک دوسرے سے بازی لے جانے کا سماں ہے۔ کاروباری مصلحتوں کے لیے وہ اسلامیت کو دبلتے اور ہندوئیت کا روپ دھارتے ہیں۔ حصولِ عزت کے لیے وہ اس روش میں ایک دوسرے کو مات دینے کی کوشش کرتے ہیں۔ ذرا ذراسی دقتوں سے بچنے اور معمولی معمولی آسانیاں حاصل کرنے کے لیے وہ ساری اسلامی غیرت کو بھول کر دن رات ہی سوانگ بھرتے ہیں۔ آزادی کے پہلے سے آئینہ میں ذرا وہ اپنی صورت دیکھیں کہ پہچانی بھی جاتی ہے یا نہیں۔

لیکن انہی "بدلے ہوئے حالات" کی منطق سے کوئی دوسرا شخص انہیں اسلامیت سے دستبردار ہونے اور ہندویت اختیار کرنے کا مشورہ دیتا ہے تو اس طرح بھڑک اٹھتے ہیں جیسے کسی ناقابل برداشت رویہ کا مشورہ دیا جا رہا ہے۔ اُن کا یہ بھڑکنا اور بھڑکنا کیا ان مشوروں اور تدبیروں کی حوصلہ شکنی کر سکتا ہے؟ ہم سمجھتے ہیں کہ ہرگز نہیں کر سکتا ہے۔ ان باتوں کی ہمت شکنی صرف اس طرح ہو سکتی ہے کہ جس اسلامیت کا اظہار ہم زبانی جوش و خروش سے کرتے ہیں اپنے عملی رویہ سے اس کی محبت کا ثبوت دیں ورنہ یہ شور و غوغا عبث ہے۔ نہ اس میں کوئی معقولیت اور نہ کوئی اثر۔ ہم مسلم اہل صحافت اور ارباب خطابت سے اپیل کرتے ہیں کہ وہ ایسے موقع پر اظہار خیال کرتے ہوئے اپنی جیسی کوشش مسلمانوں کو اس سوال کی طرف متوجہ کرنے کی ضرور کریں۔ ہندوستان کے مسلمان اگر اپنے کردار کی اس کمزوری کو دور نہیں کر سکتے تو پھر ہم چلاتے رہیں گے اور لوگوں کے عزائم اپنا کام کرتے رہیں گے۔

غیر ملکی خریداروں سے!

تقریباً دو مہینے ہوئے ہندوستان و پاکستان سے باہر کے بہت سے خریداروں کو خطوط کے ذریعہ اُن کا چندہ ختم ہو جانے کی اطلاع دی گئی تھی لیکن اُن میں سے اکثر حضرات نے اپنا واجب الادا چندہ ابتک نہیں بھیجا ہے ایسے سب حضرات کی خدمت میں عرض ہے کہ ۳۰ نومبر تک اگر چندہ وصول نہیں ہو گا تو دسمبر کے مجبوراً اُن کا پرچہ بند کر دیا جائیگا

معارف الحدیث

(مسلسل)

خاتمہ نماز کا سلام :-

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس طرح نماز کے افتتاح اور آغاز کے لیے کلمۂ اللہ اکبر تعلیم فرمایا ہے جس سے بہتر کوئی دوسرا کلمۂ افتتاح نماز کے لیے سوچا نہیں جا سکتا۔ اسی طرح اس کے اختتام کے لیے "السلام علیکم ورحمۃ اللہ" تلقین فرمایا ہے اور بلاشبہ نماز کے خاتمہ کے لیے بھی اس سے بہتر کوئی لفظ نہیں سوچا جا سکتا ــــــ ہر شخص جانتا ہے کہ سلام اس وقت کیا جاتا ہے جب ایک دوسرے سے غائب اور الگ ہونے کے بعد پہلی ملاقات ہو۔ لہذا اختتام کے لیے "السلام علیکم ورحمۃ اللہ" کی تعلیم میں واضح اشارہ ہے بلکہ گویا ہدایت ہے کہ بندہ اللہ اکبر کہہ کے جب نماز میں داخل ہو اور بارگاہِ خداوندی میں عرض معروض شروع کرے تو چاہیے کہ وہ اس وقت اس عالم شہود سے حتیٰ کہ اپنے ماحول اور اپنے دائیں بائیں والوں سے بھی غائب اور الگ ہو جائے اور اللہ کے سوا کوئی بھی اس وقت اس کے دل کی نگاہ کے سامنے نہ رہے، پوری نماز میں اس کا حال یہی رہے ــــــ پھر جب قعدہ اخیرہ میں تشہد اور درود شریف اور آخری دعا اللہ تعالیٰ کے حضور میں عرض کر کے اپنی نماز پوری کر لے تو اس کے باطن کا حال یہ ہو کہ گویا اب وہ کسی دوسرے عالم سے اس دنیا میں اور اپنے ماحول میں واپس آیا ہے اور دائیں بائیں والے انسانوں یا فرشتوں سے اب اس کی نئی ملاقات ہو رہی ہے اس لیے اب وہ ان کی طرف رُخ کر کے اور ان ہی سے مخاطب ہو کر کہے "السلام علیکم ورحمۃ اللہ" ــــــ اس عاجز کے نزدیک اس حکم کا یہی

راز اور یہی اس کی حکمت ہے۔ واللہ اعلم

اس کے بعد سلام سے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی چند حدیثیں ذیل میں پڑھیے۔

عَنْ عَلِیٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مِفْتَاحُ الصَّلٰوۃِ الطُّہُوْرُ وَتَحْرِیْمُہَا التَّکْبِیْرُ وَتَحْلِیْلُہَا التَّسْلِیْمُ

——— رواہ ابوداؤد والترمذی والدارمی وابن ماجۃ

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ طہارت (یعنی وضو) نماز کی کنجی ہے اور اس کی تحریمہ "اللہ اکبر" کہنا ہے اور اس کی بندشیں کھولنے کا ذریعہ "السلام علیکم ورحمۃ اللہ" کہنا ہے۔

(سنن ابی داؤد، جامع ترمذی، مسند دارمی، سنن ابن ماجہ)

(تشریح) اس حدیث میں نماز سے متعلق تین باتیں فرمائی گئی ہیں، اول یہ کہ نماز جو بارگاہ خداوندی کی خاص حاضری ہے طہارت اور باوضو ہونا اس کی کنجی یعنی اس کی مقدم شرط ہے، اس کے بغیر کسی کے لیے اس بارگاہ کا دروازہ نہیں کھل سکتا ——— دوسرے یہ کہ نماز کا افتتاحی کلمہ لفظ اللہ اکبر ہے۔ اس کے کہتے ہی نماز والی ساری پابندیاں عائد ہو جاتی ہیں، مثلاً کھانا پینا کسی سے بات چیت کرنا جیسے کام جن کی اجازت تھی وہ بھی ختم نماز تک کے لیے حرام ہو جاتے ہیں، اسی لیے اس کو "تکبیر تحریمہ" کہتے ہیں ——— تیسری بات یہ فرمائی گئی ہے کہ نماز کا اختتامی کلمہ جس کے کہنے کے بعد نماز والی ساری پابندیاں ختم ہو جاتی ہیں، اور جو جائز ومباح چیزیں تکبیر تحریمہ کہنے کے بعد اس کے لیے ناجائز اور حرام ہو گئی تھیں وہ سب حلال ہو جاتی ہیں، وہ کلمہ "السلام علیکم ورحمۃ اللہ" ہے۔

عَنْ سَعْدِ بْنِ اَبِیْ وَقَّاصٍ قَالَ کُنْتُ اَرٰی رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یُسَلِّمُ عَنْ یَمِیْنِہٖ وَعَنْ یَسَارِہٖ حَتّٰی اَرٰی بَیَاضَ خَدِّہٖ

——— رواہ مسلم

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خود دیکھا تھا کہ آپ سلام پھیرتے وقت داہنی جانب اور بائیں جانب رُخ

فرماتے تھے اور چہرۂ مبارک کو داہنی جانب اور بائیں جانب اتنا پھیرتے تھے کہ ہم رخسار مبارک کی سفیدی دیکھ لیتے تھے۔ (صحیح مسلم)

تشریح، یہی بات الفاظ کے تھوڑے سے فرق کے ساتھ سنن اربعہ میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور سنن ابن ماجہ میں حضرت عمار بن یاسرؓ سے بھی مروی ہے۔

سلام کے بعد ذکر و دعا:-

نماز کے خاتمہ پر سلام سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو دُعائیں مانگتے تھے یا جن دعاؤں کی آپ نے اس موقع کے لیے تلقین فرمائی ہے اُن کا ذکر پہلے کیا جا چکا ہے۔ اب ذیل میں وہ حدیثیں پڑھیے جن میں بتایا گیا ہے کہ سلام کے بعد ذکر و دعا کے بارے میں آپ نے امت کو کیا ہدایت فرمائی ہے اور خود آپ کا معمول اس باب میں کیا تھا۔

عَنْ اَبِيْ اُمَامَةَ قَالَ قِيْلَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَيُّ الدُّعَاءِ اَسْمَعُ قَالَ جَوْفَ اللَّيْلِ الْاٰخِرِ وَدُبُرَ الصَّلٰوٰتِ الْمَكْتُوْبَاتِ۔

——— رواہ الترمذی

حضرت ابو امامہ باہلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ حضرت کون سی دعا زیادہ سُنی جاتی ہے؟ (یعنی کس وقت کی دعا زیادہ قبول ہوتی ہے؟) آپ نے فرمایا آخری رات کے درمیان (یعنی رات کے آخری حصہ میں جو تہجد کا وقت ہے) اور فرض نمازوں کے بعد۔ (جامع ترمذی)

عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ قَالَ اَخَذَ بِيَدِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنِّيْ لَاُحِبُّكَ يَا مُعَاذُ فَقُلْتُ وَاَنَا اُحِبُّكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ فَلَا تَدَعْ اَنْ تَقُوْلَ فِيْ دُبُرِ كُلِّ صَلٰوةٍ رَبِّ اَعِنِّيْ عَلٰى ذِكْرِكَ وَشُكْرِكَ وَحُسْنِ عِبَادَتِكَ۔

——— رواہ احمد و ابوداؤد والنسائی

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے میرا ہاتھ پکڑ کے مجھ سے فرمایا اے معاذ مجھے تجھ سے محبت ہے، میں نے عرض کیا
اور یا رسول اللہ مجھے بھی آپ سے محبت ہے، آپ نے فرمایا تو اس محبت ہی کی بنا
پر میں تجھ سے کہتا ہوں کہ، ہر نماز کے بعد اللہ تعالیٰ سے یہ دعا ضرور کیا کرو اور کبھی
اسے نہ چھوڑو "رَبِّ اَعِنِّیْ عَلٰی ذِکْرِكَ وَشُکْرِكَ وَحُسْنِ عِبَادَتِكَ"
(اے میرے پروردگار میری مدد فرما اور مجھے توفیق دے اپنے ذکر کی، اپنے شکر
کی اور اپنی اچھی عبادت کی) (مسند احمد، سنن ابی داؤد، سنن نسائیؒ)

عَنْ ثَوْبَانَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ
وَسَلَّمَ اِذَا انْصَرَفَ مِنْ صَلٰوتِہٖ اِسْتَغْفَرَ ثَلٰثًا وَقَالَ "اَللّٰھُمَّ
اَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْكَ السَّلَامُ تَبَارَکْتَ یَا ذَا الْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ۔

رواہ مسلم

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب
نماز سے فارغ ہوتے تو تین دفعہ کلمہ استغفار پڑھتے اور اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب
کرتے اور اس کے بعد کہتے "اَللّٰھُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْكَ السَّلَامُ تَبَارَکْتَ
یَا ذَا الْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ" (اے اللہ تو ہی سالم ہے (اور محفوظ و منزہ ہے ہر عیب و
نقص سے، حوادث و آفات سے، ہر قسم کے تغیر و زوال سے) اور تیری ہی طرف سے
اور تیرے ہی ہاتھ میں ہے سلامتی (جس کے لیے چاہے اور جب چاہے سلامتی کا فیصلہ کرے
اور جس کے لیے نہ چاہے نہ کرے) تو برکت والا ہے، اے بزرگی و برتری والے تعظیم و اکرام
والے۔ (صحیح مسلم)

تشریح) حضرت ثوبانؓ کی اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول
تھا کہ نماز سے فارغ ہونے یعنی سلام پھیرنے کے بعد متصلاً پہلے تین دفعہ استغفار کرتے تھے۔
یعنی اللہ تعالیٰ کے حضور میں عرض کرتے تھے اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ، اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ، اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ
یہ دراصل کمال عبدیت ہے کہ نماز جیسی عبادت کے بعد بھی اپنے کو قصوروار اور حق عبادت ادا
کرنے سے قاصر و عاجز سمجھتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے معافی اور بخشش مانگی جائے۔

اس حدیث میں استغفار کے بعد جو چھوٹی سی دعا حضرت ثوبان نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کی ہے، صحیح روایات میں وہ صرف اتنی ہی وارد ہوئی ہے یعنی "اَللّٰهُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْكَ السَّلَامُ تَبَارَكْتَ يَاذَا الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ" ـــــ عوام میں اس دعا کے اندر "وَمِنْكَ السَّلَامُ" کے بعد جو یہ اضافہ مشہور ہے "وَاِلَيْكَ يَرْجِعُ السَّلَامُ فَحَيِّنَا رَبَّنَا بِالسَّلَامِ وَاَدْخِلْنَا الْجَنَّةَ دَارَ السَّلَامِ" محدثین نے تصریح کی ہے کہ یہ بعد کا اضافہ ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ ثابت نہیں ہے۔

"عَنِ الْمُغِيْرَةِ بْنِ شُعْبَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقُوْلُ فِيْ دُبُرِ كُلِّ صَلٰوةٍ مَكْتُوْبَةٍ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْئٍ قَدِيْرٌ اَللّٰهُمَّ لَا مَانِعَ لِمَا اَعْطَيْتَ وَلَا مُعْطِيَ لِمَا مَنَعْتَ وَلَا يَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْكَ الْجَدُّ۔ ـــــ رواہ البخاری ومسلم

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر فرض نماز کے بعد کہا کرتے تھے ـــــ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ ـــــ الخ" (اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، وہ اکیلا اور یکتا ہے، اس کا کوئی شریک ساجھی نہیں، اسی کی حکومت اور فرمانروائی ہے اور وہی حمد و ستائش کا مستحق ہے اور ہر چیز پر اس کی قدرت ہے۔ اے اللہ جو کچھ تو کسی کو دیوے کوئی اُسے روک سکنے والا نہیں، اور جس چیز کے نہ دینے کا تو فیصلہ کرے کوئی اُسے دے سکنے والا نہیں، اور کسی سرمایہ والے کو اس کا سرمایہ تجھ سے مستغنی نہیں کر سکتا (یعنی بڑے سے بڑا سرمایہ دار اور صاحب جاہ و عظمت بھی ہر آن تیرے کرم کا محتاج ہے) (صحیح بخاری و مسلم)

عَنْ اَبِي الزُّبَيْرِ قَالَ سَمِعْتُ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ الزُّبَيْرِ يَخْطُبُ عَلٰى هٰذَا الْمِنْبَرِ وَهُوَ يَقُوْلُ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِذَا سَلَّمَ فِيْ دُبُرِ الصَّلٰوةِ اَوِ الصَّلَوَاتِ "لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ

لَهُ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ
إِلَّا بِاللّٰهِ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَلَا نَعْبُدُ إِلَّا إِيَّاهُ لَهُ النِّعْمَةُ وَلَهُ الْفَضْلُ
وَلَهُ الثَّنَاءُ الْحَسَنُ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ وَلَوْ كَرِهَ
الْكَافِرُوْنَ۔ ——————— رواہ مسلم

ابوالزبیر تابعی بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے سنا ہے، وہ اس منبر پر خطبہ دیتے ہوئے بیان فرماتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سلام پھیرنے کے بعد نماز کے ختم پر کہا کرتے تھے ——— "لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيْكَ لَهُ لَهُ الْمُلْكُ ——— الخ" اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، وہ اکیلا اور یکتا ہے، اس کا کوئی شریک اور ساجھی نہیں، اسی کی حکومت اور فرمانروائی ہے اور وہی حمد و ستائش کا مستحق ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ گناہوں سے بچنے کی توفیق اور نیکی کرنے کی قوت سب اللہ ہی کے ارادہ سے ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں، ہم صرف اسی کی عبادت کرتے ہیں، سب نعمتیں اسی کی ہیں، فضل و احسان اسی کا ہے، اچھی تعریف بھی اسی کے لیے ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، ہم پورے اخلاص کے ساتھ اسی کی بندگی کرتے ہیں اگرچہ منکروں کو کتنا ہی ناگوار ہو۔" (صحیح مسلم)

(تشریح) مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کی اوپر والی حدیث اور عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ کی اس حدیث میں کوئی منافات نہیں ہے، اصل حقیقت یہ ہے کہ کبھی آپ سے نماز کے بعد اس طرح سنا گیا اور کبھی اس طرح، جس نے جو سنا وہ نقل کر دیا۔ اس قسم کے اذکار اور دعاؤں میں تنگی اور پابندی نہیں ہے، وقت کی گنجائش اور اپنے ذوق کے مطابق جس کا جو جی چاہے پڑھ سکتا ہے۔

عَنْ سَعْدٍ أَنَّهُ كَانَ يُعَلِّمُ بَنِيْهِ هٰؤُلَاءِ الْكَلِمَاتِ وَيَقُوْلُ
إِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَتَعَوَّذُ بِهِنَّ دُبُرَ الصَّلٰوةِ
"اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْجُبْنِ وَأَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْبُخْلِ
وَأَعُوْذُ بِكَ مِنْ أَرْذَلِ الْعُمُرِ وَأَعُوْذُ بِكَ مِنْ فِتْنَةِ الدُّنْيَا

وَعَذَابِ الْقَبْرِ" ____________ رواہ البخاری

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ اپنے بچوں کو تعوّذ کے یہ کلمات سکھایا کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے بعد ان کلمات کے ذریعہ اللہ کی پناہ مانگا کرتے تھے۔ "اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِكَ مِنَ الْجُبْنِ ___ الخ" اے اللہ میں تیری پناہ چاہتا ہوں بزدلی سے اور تیری پناہ چاہتا ہوں بخل و کنجوسی سے، اور تیری پناہ چاہتا ہوں نکمّی عمر سے (یعنی ایسے بڑھاپے سے جس میں حواس اور قُویٰ صحیح سلامت نہ رہیں اور آدمی بالکل نکمّا اور دوسروں کے لیے بوجھ بن جائے) اور تیری پناہ چاہتا ہوں دنیا کے فتنوں سے اور قبر کے عذاب سے۔

____________ (صحیح بخاری)

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ سَبَّحَ اللّٰهَ فِیْ دُبُرِ كُلِّ صَلٰوةٍ ثَلٰثًا وَّ ثَلٰثِیْنَ وَحَمِدَ اللّٰهَ ثَلٰثًا وَّثَلٰثِیْنَ وَكَبَّرَ اللّٰهَ ثَلٰثًا وَّ ثَلٰثِیْنَ فَتِلْكَ تِسْعَةٌ وَّ تِسْعُوْنَ وَ قَالَ تَمَامَ الْمِائَةِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِیْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ غُفِرَتْ خَطَایَاهُ وَاِنْ كَانَتْ مِثْلَ زَبَدِ الْبَحْرِ ____________ رواہ مسلم

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو بندہ ہر نماز کے بعد ۳۳ دفعہ اللہ کی تسبیح کا کلمہ سبحان اللہ کہے اور اسی طرح ۳۳ دفعہ اللہ کی حمد کا کلمہ الحمد للہ کہے اور ۳۳ ہی دفعہ اللہ اکبر کہے ___ یہ سب ۹۹ کلمے ہو گئے، اور اس کے بعد سو کی گنتی پوری کرنے کے لیے ایک دفعہ کہے "لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَاشَرِیْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ" تو اس کی سب خطائیں معاف کر دی جائیں گی اگرچہ وہ اپنی کثرت میں سمندر کے کف کے برابر ہوں۔ (صحیح مسلم)

(تشریح) نیک اعمال کی برکت سے گناہوں کی معافی اور مغفرت کی اس قسم کی بشارتوں

کے بارہ میں شرح حدیث کے اسی سلسلہ میں پہلے کئی جگہ ایک اصولی بات تفصیل سے لکھی جا چکی ہے وہ یہاں بھی ملحوظ رہنی چاہیئے۔

حضرت ابوہریرہ کی اس حدیث میں سبحان اللہ، الحمد للہ، اور اللہ اکبر ان تینوں کلموں کا عدد ۳۳۔ ۳۳ بتلایا گیا ہے اور سو کی گنتی پوری کرنے کے لیے ایک دفعہ کلمۂ توحید "لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ الخ" پڑھنے کے لیے فرمایا گیا ہے ـــــ لیکن کعب بن عجرہ وغیرہ بعض دوسرے صحابہ کی روایات میں سبحان اللہ اور الحمد للہ ۳۳۔ ۳۳ دفعہ اور سو کی گنتی پوری کرنے کے لیے اللہ اکبر ۳۴ دفعہ پڑھنے کی ترغیب و تعلیم بھی وارد ہوئی ہے،

اصل حقیقت یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی اس طرح بتلایا ہے اور کبھی اُس طرح، دونوں ہی طریقے صحیح اور ثابت ہیں، اپنے ذوق کے مطابق بندہ جس کو چاہے اختیار کرے ـــــ یہی تین کلمے اسی تعداد میں سونے کے وقت پڑھنے کے لیے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم فرمائے ہیں، عرف عام میں اسی کو "تسبیح فاطمہ" بھی کہتے ہیں انشاء اللہ اس کی مزید تفصیل اور تشریح "کتاب الدعوات" میں کی جائے گی۔

عَنْ عَائِشَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہَا قَالَتْ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا سَلَّمَ لَمْ یَقْعُدْ اِلَّا مِقْدَارَ مَا یَقُوْلُ اَللّٰھُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ وَ مِنْکَ السَّلَامُ تَبَارَکْتَ یَا ذَا الْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ ـــــ رواہ مسلم

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سلام پھیرنے کے بعد نہیں بیٹھتے تھے مگر بقدر اس کے کہ کہتے "اَللّٰھُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْکَ السَّلَامُ تَبَارَکْتَ یَا ذَا الْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ" (اے اللہ تو سالم ہے ـــ یعنی محفوظ و منزہ ہے ہر عیب و نقص سے، تمام آفات و حوادث سے، ہر قسم کے تغیر و زوال سے ـــــ اور سلامتی تیری ہی طرف سے اور تیرے ہی ہاتھ میں ہے ـــ یعنی جب جس کے لیے تو چاہے سلامتی کا فیصلہ کرے اور نہ چاہے تو نہ کرے ـــ تو برکت والا ہے، اے بزرگی اور برتری والے، تعظیم و اکرام والے)ـــــ (صحیح مسلم)

(تشریح) حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کی اس روایت سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سلام پھیرنے کے بعد صرف اس مختصر دعا "اللّٰھُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ" الخ کے بقدر ہی بیٹھتے تھے اور اس کے بعد فوراً اٹھ جاتے تھے، لیکن جو حدیثیں اوپر مذکور ہوئیں، اُن سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ سلام کے بعد اس کے علاوہ بھی مختلف دعائیں اور ذکر کے مختلف کلمات پڑھتے تھے اور دوسروں کو بھی اس کی ترغیب اور تعلیم دیتے تھے ——— بعض حضرات نے اس اشکال کو اس طرح حل کیا ہے کہ مندرجۂ بالا حدیثوں میں "اللّٰھُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ" الخ کے علاوہ اللہ تعالیٰ کی حمد، تسبیح اور توحید و تکبیر کے جن کلمات اور جن دعاؤں کا ذکر کیا گیا ہے اُن کے بارہ میں انھوں نے کہا کہ یہ آپ سلام پھیرنے کے بعد متصلاً نہیں پڑھتے تھے۔ بلکہ بعد کی سنتوں وغیرہ سے فارغ ہونے کے بعد پڑھا کرتے تھے۔ اور دوسروں کو ان کے پڑھنے کی جو ترغیب و تعلیم آپ نے دی ہے اس کا بھی یہی محل ہے، لیکن واقعہ یہ ہے کہ جو حدیثیں اوپر ذکر کی گئی ہیں (اور ان کے علاوہ بھی نماز کے بعد دعاؤں کے بارہ میں جو بہت سی حدیثیں کتب حدیث میں محفوظ ہیں) ان میں سے اکثر کے ظاہری الفاظ سے یہی مفہوم معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سلام پھیرنے کے بعد متصلاً یہ دعائیں اور ذکر کے یہ کلمات پڑھتے تھے اور دوسروں کو بھی اسی کی تعلیم دیتے تھے۔ اس لیے اس عاجز کے نزدیک صحیح طریقہ کار وہ معلوم ہوتا ہے جو حضرت شاہ ولی اللہؒ نے حجۃ اللہ البالغہ میں اختیار فرمایا ہے، وہ سلام کے بعد کی اُن تمام ماثور دعاؤں کا حوالہ دینے کے بعد جو حدیث کی متداول کتابوں میں مروی ہیں (اور جن میں سے اکثر ان صفحات میں بھی نقل ہو چکی ہیں) فرماتے ہیں:۔

> "بہتر یہ ہے کہ یہ دعائیں اور ذکرِ الٰہی کے یہ کلمے (سلام پھیرنے کے بعد متصلاً) بعد والی سنتوں سے پہلے ہی پڑھے جائیں، کیونکہ اس سلسلہ کی بعض حدیثوں میں تو اس کی بالکل تصریح ہے ..... اور بعض کے الفاظ کا ظاہری تقاضا یہی ہے ..... رہی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ کی یہ حدیث کہ "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سلام پھیرنے کے بعد صرف "اَللّٰھُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ الخ" کہنے کے بقدر ہی بیٹھتے تھے۔" تو اس کی کئی توجیہیں کی جا سکتی ہیں۔ مثلاً کہا جا سکتا ہے کہ حضرت صدیقہ کا مطلب

یہ ہے کہ سلام پھیرنے کے بعد آپ نماز کی ہیئت پر صرف اسی قدر بیٹھتے تھے۔ اس کے بعد نشست بدل دیتے تھے اور داہنی جانب یا بائیں جانب یا مقتدیوں کی طرف رخ کر کے بیٹھ جاتے تھے (جیسا کہ آپ کا یہ معمول بعض روایات سے بھی معلوم ہوتا ہے)

اور یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ حضرت صدیقہؓ کا مطلب یہ نہیں ہے کہ آپ ہمیشہ ایسا ہی کرتے تھے۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ گاہ بگاہ ایسا بھی ہوتا تھا کہ آپ سلام پھیرنے کے بعد صرف "اَللّٰهُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ" ہو پڑھ کے اٹھ جاتے تھے ـــــ اور ایسا آپ غالباً اس لیے کرتے تھے کہ لوگوں کو آپ کے عمل سے بھی معلوم ہو جائے کہ سلام کے بعد ان دعاؤں اور ذکر کے ان کلمات کا پڑھنا فرض یا واجب نہیں ہے، بلکہ اس کا درجہ ایک مستحب اور نفلی عبادت کا ہے۔"(۱)

(فائدہ) سلام کے بعد ذکر و دعا کے بارہ میں جو حدیثیں اوپر مذکور ہوئیں اُن سے یہ تو معلوم ہو چکا کہ نماز کے خاتمہ پر یعنی سلام کے بعد ذکر و دعا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عملاً بھی ثابت ہے اور تعلیماً بھی، اور اس سے انکار کی گنجائش نہیں ہے، لیکن یہ جو رواج ہے کہ سلام پھیرنے کے بعد دعا میں بھی مقتدی نماز ہی کی طرح امام کے پابند رہتے ہیں۔ حتیٰ کہ اگر کسی کو جلدی جانے کی ضرورت ہو تب بھی امام سے پہلے اس کا اٹھ جانا برا سمجھا جاتا ہے، یہ بالکل بے اصل ہے، بلکہ قابلِ اصلاح ہے، امامت اور اقتدار کا رابطہ سلام پھیرنے پر ختم ہو جاتا ہے اس لیے سلام کے بعد دعا میں امام کی اقتدار اور پابندی ضروری نہیں، چاہے تو مختصر دعا کر کے امام سے پہلے اٹھ جائے اور چاہے تو اپنے ذوق اور کیفیت کے مطابق دیر تک دعا کرتا رہے۔

---

(۱) حجۃ اللہ البالغہ جلد ثانی صد ۱۲ ۔

تجلیاتِ مجددِ الفِ ثانیؒ
مکتوبات کے آئینے میں

(مترجمہ ــــ مولانا نسیم احمد فریدی امروہی)

مکتوب (۲۵) خواجہ محمد شرف الدین کے نام۔

[جو عمل بھی شریعت کے مطابق کیا جائے وہ داخلِ ذکر ہے، اگرچہ خرید و فروخت ہو۔]

الحمد للہ و سلام علیٰ عبادہٖ الذین اصطفیٰ ــــ تمہارا خط جو تم نے مولانا عبدالرشید و مولانا جان محمد کے ہمراہ بھیجا تھا پہونچا۔ روپے بھی پہونچے ــــ جزاکم اللہ سبحانہٗ خیراً ــــ تمہاری صحت کی خبر سے بہت خوشی حاصل ہوئی۔ اے فرزند! فرصت کو اور صحت و فارغ البالی کو غنیمت جانو۔ ہمیشہ اپنے اوقات کو ذکرِ الٰہی میں مصروف رکھو ــــ ہر وہ عمل جو مطابقِ شریعتِ مطہرہ کیا جائے داخلِ ذکر ہے اگرچہ خرید و فروخت ہو ــــ پس تمام حرکات و سکنات میں احکامِ شرعیہ کو ملحوظ رکھنا چاہیے۔ تاکہ وہ سب کام ذکر (کے حکم میں) ہو جائیں ــــ اس لیے کہ ذکر نام ہے غفلت کے دور کرنے کا۔ جب تمام افعال میں اوامر و نواہی کا خیال رکھا گیا تو (اس صورت میں) اللہ تعالیٰ سے جو کہ (اچھے کاموں کا) حکم کرنے والا اور (بُرے کاموں سے) منع کرنے والا ہے ــــ غفلت نہ رہی ــــ اور (اس طرح سے) دوامِ ذکر حاصل ہو گیا........

مکتوب (۲۹) حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کے نام۔

[حضرت شیخ محدث دہلویؒ نے غالباً کوئی تعزیتی کتاب حضرت مجددؒ کو لکھا ہو جس کے جواب میں یہ مکتوب ارقام فرمایا گیا]

الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ ـــــ مخدوما مکرما! مصائب کے آنے پر ہر چند کہ رنج و غم سہنا پڑتا ہے، لیکن بہت سی بھلائیوں اور ترقیوں کی بھی امید ہے۔ اس عالم رنگ و بو کی بہترین متاع، غم و اندوہ ہے، اور یہاں کے دسترخوان کی لذیذ ترین نعمت، اَلم و مصیبت ہے ـــــ (الم و مصیبت کے) شکّر پاروں پر تلخ دوا کا باریک غلاف لپیٹ دیا گیا ہے اور اس طرح سے امتحان کا ایک راستہ کھول دیا ہے۔ جو سعادت مند ہیں وہ اس کی (باطنی) حلاوت و شیرینی پر نظر کر کے اُس (ظاہری) تلخی کو شکّر کی طرح استعمال کرتے ہیں اور تلخی کو شیرینی محسوس کرتے ہیں۔ وہ لوگ تلخی کو کیوں نہ شیریں پائیں جب کہ افعالِ محبوب حقیقی تمام کے تمام (درحقیقت) شیریں ہیں۔ شاید وہی (باطنی) مریض ان کو تلخ محسوس کرے گا جو غیر اللہ کی محبت میں گرفتار ہے ـــــ لیکن جو دولتِ معنوی کے سرمایہ دار ہیں وہ محبوب کی الم رسانی میں جس قدر حلاوت و لذت پاتے ہیں اس قدر حلاوت و لذت اس کے انعام سے نہیں پاتے، ہر چند کہ دونوں محبوب ہی کی طرف سے ہیں، لیکن ایلام (الم رسانی) کی صورت میں محب کے نفس کو کچھ بھی حصہ نہیں ملتا (بس محبوب ہی کا منشا پورا ہوتا ہے) اور انعام میں نفس کی خواہش بھی پوری ہوتی ہے ع

هنيئاً لارباب النعيم نعيمها

اے اللہ اُن مرحومین کے صبر کے اجر سے ہمیں محروم نہ رکھنا اور اُن کے بعد ہمیں آزمائش میں مبتلا نہ کرنا ـــــ آپ کا وجود مبارک بھی اس ضعفِ اسلام کے زمانے میں اہلِ اسلام کے لیے غنیمت ہے، اللہ تعالیٰ آپ کو سلامت و قائم رکھے۔ والسلام۔

مکتوب (۳۰) خواجہ محمد اشرف و مولانا حاجی محمد فرکتی کے نام [صرف وہ آخری حصہ جس میں مکتوب الیہ یعنی مولانا حاجی محمد کے سوال کا جواب ہے۔]

.... مولانا حاجی محمد نے لکھا تھا کہ تقریباً دو مہینے ہو گئے ہیں کہ مشغولی باطن میں کچھ فتور واقع ہو گیا ہے اور وہ ذوق و شوق کا عالم جو سابق میں تھا نہیں رہا ـــــ

محبِ من! کوئی غم کی بات نہیں اگر ان دو چیزوں میں کوئی خلل واقع نہ ہوا ہو ـــــ (۱) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع۔ (۲) اپنے شیخ سے محبت و اخلاص۔ ان

دونوں چیزوں کی موجودگی میں اگر ہزاروں ظلمتیں اور کدورتیں دل پر طاری ہو جائیں تب بھی کوئی مضائقہ نہیں ہے ـــــ انجام کے لحاظ سے اُس کو خراب و ضائع نہیں کریں گے ـــــ لیکن اگر خدانخواستہ ان دونوں باتوں میں سے ایک میں بھی نقصان پیدا ہو گیا تو خرابی در خرابی ہے، اگرچہ کتنی ہی حضور و جمعیت حاصل ہو اس لیے کہ وہ استدراج ہے اور اس کا انجام خرابی ہے ـــــ اللہ تعالیٰ سے ان دونوں باتوں میں ثابت قدم رہنے کو تضرع و زاری کے ساتھ مانگیں اور اس سے ان دونوں باتوں پر مستقیم رہنے کی التجا کریں۔ یہی دو چیزیں مدارِ کار اور مدارِ نجات ہیں ـــــ سلامِ مسنون تم پر اور تمام دینی بھائیوں پر خصوصاً محبِّ قدیم مولانا عبد الغفور سمرقندی پر ـــــ

مکتوب (۳۱) خواجہ شرف الدین حسین کے نام۔ [وعظ و نصیحت]

الحمد للہ وسلامٌ علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ ـــــ فرزندِ عزیز یہ لمحاتِ زندگی غنیمت ہیں چاہیے کہ بے فائدہ کاموں میں صرف نہ ہوں، بلکہ اللہ کی مرضیات کے مطابق صرف ہوں، چاہیے کہ پانچوں وقت کی نماز جمعیتِ قلب کے ساتھ باجماعت اور تعدیلِ ارکان کا لحاظ رکھتے ہوئے ادا ہو ـــــ نمازِ تہجد کو بھی ہاتھ سے نہ جانے دیں۔ صبح کے وقت استغفار کو بھی نہ چھوڑیں، خوابِ خرگوش سے لذت یاب نہ ہوں ـــــ یہ دنیا کے جو منافع ہیں ان پر بھی فریفتہ نہ ہوں، موت اور آخرت کی ہولناکی کا بھی دھیان رکھیں، الغرض دنیا سے روگرداں اور آخرت کی طرف متوجہ رہیں۔ بقدرِ ضرورت دنیا میں مشغول ہوں باقی تمام اوقات کو امورِ آخرت کی مشغولی سے معمور رکھیں۔ حاصلِ کلام یہ ہے کہ دل گرفتاریٔ غیرِ حق سے آزاد اور ظاہر احکامِ شرعیہ سے آراستہ و مزین ہو۔ ع ـــــ کار ایں است غیر ایں ہمہ ہیچ ـــــ باقی احوال بخیر ہیں ـــــ والسلام ـــــ

مکتوب (۳۲)۔ مرزا قلیچ اللہ کے نام۔

بعد الحمد والصلوٰۃ وتبلیغ الدعوات ـــــ تعزیت نامہ پہونچا ـــــ ہم سب اللہ کی مخلوق ہیں اور ہم سب کو اسی کی طرف رجوع کرنا ہے ـــــ ہم بھی اللہ کی توفیق سے اُس کے

(باقی صفحہ ۲۶ پر)

محبوب الٰہی حضرت خواجہ نظام الدین رح

سلسلۂ بیعت و ارشاد کے فیوض و برکات

[رفیق محترم مولانا سید ابو الحسن علی ندوی کی زیر تصنیف کتاب "دعوت و عزیمت حصہ سوم" کے بعض حصے الفرقان کی دو اشاعتوں میں پہلے بھی شائع ہو چکے ہیں، آج اس کا ایک تیسرا حصہ دیا جا رہا ہے۔ اس میں حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کے اس دینی کارنامہ کا ذکر ہے جس کے نتیجہ میں ہندوستانی مسلمانوں میں غیر معمولی قسم کا دینی انقلاب عوام و خواص میں برپا ہو گیا تھا]

قبل اس کے کہ ان فیوض و برکات کا ذکر کیا جائے جو حضرت خواجہ نظام الدینؒ کے ساتھ تعلق اور اُن کے ہاتھ پر توبہ و بیعت کے ذریعہ لاکھوں مسلمانوں کو پہونچے اور ایک ایسے زمانہ میں جب مسلمانوں کی حکومت اپنے پورے عروج پر تھی، اور غفلت، خدا فراموشی اور نفس پرستی کے اسباب و محرکات پورے شباب پر تھے، ایک ایسی نئی دینی اور روحانی لہر پیدا ہوئی جس کو ہر محسوس کرنے والے نے محسوس کیا، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مشائخ طریقت کی بیعت عام اور ارشاد و تلقین اور توبہ کی حکمت اور ضرورت بیان کر دی جائے تاکہ معلوم ہو کہ کن حالات و ضروریات کے ماتحت اس طریقہ کو اختیار کیا گیا اور اس سے کیا دینی فوائد پہونچے، راقم سطور نے تاریخ دعوت و عزیمت کے حصۂ اوّل میں حضرت سیدنا عبد القادر جیلانیؒ کے تذکرہ کے ضمن میں جو کچھ لکھا تھا پہلے اسی کو کسی قدر اختصار و ترمیم کے ساتھ نقل کیا جاتا ہے۔

"خیر القرون کے بعد اسلامی آبادی کا پھیلاؤ اور زندگی کی ذمہ داریاں اور معاشی

تفکرات اتنے بڑھ گئے تھے کہ خصوصی تعلیم و تربیت کے ذرائع سے عمومی اصلاح و تربیت کا کام نہیں لیا جا سکتا تھا، اور کسی بڑے پیمانہ پر کسی دینی اور روحانی انقلاب کی توقع نہیں کی جا سکتی تھی، پھر اس کی کیا صورت تھی کہ مسلمانوں کی بڑی تعداد اپنے ایمان کی تجدید کرے، دینی ذمہ داری و پابندیوں کو شعور و احساسِ ذمہ داری کے ساتھ، دوبارہ قبول کرے، اُس میں پھر ایمانی کیفیات اور دینی جذبات پیدا ہوں، اس کے افسردہ اور مُردہ دل میں پھر محبت کی گرمی پیدا ہو، اور اس کے مضمحل قویٰ میں پھر حرکت و نشاط پیدا ہو، اس کو کسی مخلص خدا شناس پر اعتماد ہو اور اس سے وہ اپنے امراض روحانی و نفسانی میں علاج اور دین کی صحیح روشنی اور رہنمائی حاصل کرے، ناظرین کو اس کا اندازہ ہو چکا ہے کہ اسلامی حکومتیں جن کا یہ اصلی فرض تھا اس لیے کہ جس نبی کی نیابت و نسبت پر وہ قائم تھیں۔ بقول سیدنا عمر ابن العزیز وہ ہدایت کے لیے مبعوث ہوا تھا "جبایت" (ٹیکسوں کی تحصیل وصول) کے لیے نہیں"، نہ صرف اس فریضہ سے غافل اور کنارہ کش ہو چکی تھیں بلکہ اپنے سربراہوں اور عمالِ حکومت کے اعمال و کردار کے لحاظ سے اس کام کے لیے مضر اور اس کے راستہ میں مزاحم تھیں، دوسری طرف وہ اس قدر بدگمان، توہم پرست اور شکی واقع ہوئی تھیں کہ کسی نئی تنظیم اور نئی دعوت کو جس میں قیادت و سیادت کی آمیزش پاتیں برداشت نہیں کر سکتی تھیں، اس کو وہ فوراً کچل کر رکھ دیتیں۔

ایسی صورت میں مسلمانوں میں نئی دینی زندگی، نیا نظم و ضبط اور نئے سرے سے حرکت و عمل پیدا کرنے کے لیے اس کے علاوہ کیا شکل تھی کہ خدا کا کوئی مخلص بندہ آنحضرتؐ کے طریقہ پر ایمان و عمل اور اتباعِ شریعت کے لیے بیعت لے اور مسلمان اس کے ہاتھ پر اپنی سابقہ غفلت و جاہلیت کی زندگی سے توبہ اور ایمان کی تجدید کریں، اور پھر وہ نائب پیغمبر، اُن کی دینی نگرانی و تربیت کرے، اپنی کیمیا اثر صحبت، اپنے شعلۂ محبت، اپنی استقامت اور اپنے نفس گرم سے پھر ایمانی حرارت، گرمیٔ محبت، خلوص و للٰہیت، جذبۂ اتباعِ سنت، اور شوقِ آخرت پیدا کرے۔ ان کو اس نئے تعلق سے محسوس ہو کہ انھوں نے ایک زندگی سے توبہ کی ہے اور ایک نئی زندگی میں قدم رکھا ہے، اور

کسی اللہ کے بندے کے ہاتھ میں ہاتھ دے دیا ہے، وہ بھی یہ سمجھے کہ ان بیعت کرنے والوں کی اصلاح و تربیت اور ان کی دینی خدمت اللہ تعالیٰ نے میرے سپرد کی ہے، اور اس محبت و اعتماد کا مجھ پر نیا حق قائم ہوگیا ہے، پھر اپنے تجربوں و اجتہاد اور کتاب و سنت کے اصول و تعلیمات کے مطابق ان میں صحیح روحانیت و تقویٰ اور ان کی زندگی میں ایمان و احتساب و اخلاص اور اُن کے اعمال و عبادات میں ایمانی کیفیات اور روح پیدا کرنے کی کوشش کرے۔ یہی حقیقت ہے اس بیعت ترتیب کی جس سے دین کے مخلص داعیوں نے اپنے اپنے وقت میں احیاء و تجدید دین اور اصلاح مسلمین کا کام لیا ہے اور لاکھوں بندگانِ خدا کو حقیقت ایمان اور درجۂ احسان تک پہونچا دیا ہے۔[۱]"

بیعت ایک عہد و معاہدہ

یہ بیعت پچھلے گناہوں سے توبہ اور خدا و رسول کے احکام کی تعمیل اور اتباع شریعت کا ایک معاہدہ ہوتا تھا۔ سلطان المشائخ بیعت لیتے وقت بیعت کرنے والے سے کیا الفاظ کہلواتے تھے اور آئندہ کے لیے اس سے کیا عہد لیتے تھے، کسی تذکرہ میں اس کے صحیح الفاظ نظر سے نہیں گزرے، لیکن حضرت خواجہ نے خود اپنے شیخ و مرشد شیخ کبیر حضرت خواجہ فریدالدین گنج شکرؒ کے بیعت لینے کے طریقہ اور اُن کی تلقین کا ذکر کیا ہے اور ان کو اپنے شیخ سے جو والہانہ تعلق اور ان کی پیروی کا جو جذبہ تھا، اس سے یہی قیاس کیا جا سکتا ہے کہ وہ بھی اسی طرح اپنے نئے مُریدین کو تلقین فرماتے ہوں گے۔ ارشاد ہے:-

> "جب کوئی شخص شیخ شیوخ العالم فریدالدین والحق کی خدمت میں بہ نیت ارادت آتا فرماتے، پہلے ایک بار سورۂ فاتحہ اور سورۂ اخلاص پڑھو، اس کے بعد سورۂ بقرہ کا آخری رکوع آمَنَ الرَّسُوْلُ سے آخر تک پڑھتے، اس کے بعد شہد اللہ انہ لا الٰہ الا ھو...... ان الدین عند اللہ الاسلام تک پڑھتے۔ اس کے بعد فرماتے کہ تم نے بیعت کی اس ضعیف کے ہاتھ پر اس کے شیخ اور

---

[۱] تاریخ دعوت و عزیمت حصہ اول صفحہ ۲۰۲۔

شیخ کے مشائخ کے ہاتھ پر اور حضرت پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دستِ مبارک پر اور
حضرتِ عزت (جلّ مجدہ) سے عہد کیا کہ اپنے ہاتھ پاؤں اور آنکھوں کی حفاظت کروگے
اور شریعت کے راستے اور طریقے پر قائم رہوگے"[1]

بیعت کی اس تلقین میں اسلام کے بنیادی عقائد آگئے، سمع وطاعت (سننے اور ماننے) کا
وعدہ اور ارادہ بھی آگیا۔ یہ بات بھی آگئی کہ اللہ کے یہاں قابلِ قبول دین صرف اسلام ہے، اس
احساس بھی بیدار و تازہ کردیا گیا کہ یہ بیعت دراصل دستِ مبارک نبوی پر ہے، اور شیخ کا ہاتھ
اس دستِ مبارک کا قائم مقام ہے، رب العزت سے اس کا بھی عہد کیا گیا کہ ہاتھ پاؤں اور آنکھوں
کی معصیتوں سے حفاظت کی جائے گی اور راہِ شریعت پر قائم رہا جائے گا، تجدیدِ ایمان اور خدا
رسول سے اپنا پرانا عہد استوار کرنے کا اس سے بہتر اور عام فہم طریقہ کیا ہوسکتا ہے، یہ تو نہیں کہا
جاسکتا کہ بیعت کرنے والے سو فی صدی اس عہد پر قائم رہتے تھے، لیکن اس میں کوئی شک
نہیں کہ بیعت کرنے والوں میں سے ایک بڑی تعداد اس اقرار اور عہد کی شرم اور لاج رکھتی
ہزاروں و لاکھوں بندگانِ خدا کے لیے یہ بیعت تجدیدِ ایمان اور انقلابِ حال کا ذریعہ بن جاتی۔

عمومِ بیعت کی حکمت

بیعت و ارشاد میں ان حضرات نے جو وسعت و اذن عام فرما رکھا تھا، اور جس طرح بغیر کسی امتحان اور امتیاز کے لوگوں
کو اجازت تھی کہ وہ بیعت کریں اور حلقۂ ارادت میں داخل ہو جائیں، خاص طور سے حضرت خواجہ
کے یہاں اس باب میں جو وسعت و رعایت تھی اس پر بعض لوگوں کو یہ کھٹک پیدا ہوسکتی ہے کہ
جب بیعت ایک معاہدہ ہے اور اس کا تعلق پوری زندگی سے ہے تو اس میں اتنی وسعت کیوں
روا رکھی گئی ہے؟ حضرت خواجہ نے ایک موقعہ پر خود ہی اس اشکال کا جواب دیا ہے اور
اس عمومیت کی حکمت بیان کی ہے۔

مولانا ضیاء الدین برنی (مصنف تاریخ فیروز شاہی) فرماتے ہیں کہ میں ایک دن حضرت
سلطان المشائخ کی خدمت میں حاضر تھا، اشراق سے چاشت تک آپ کی روح پرور، جاں

---

[1] سیر الاولیاء ص ۳۴۳

باتیں سنتا رہا، اُس روز خاص طور پر بہت کثرت سے لوگ بیعت ہوئے، یہ دیکھ کر میرے دل میں آیا کہ مشائخ متقدمین نے مرید کرنے میں بڑی احتیاط سے کام لیا ہے۔ سلطان المشائخ نے اپنی فیاضی و عنایت سے اس کا اذنِ عام دے دیا ہے اور آپ عام و خاص سب کو مرید کر لیتے ہیں۔ میں نے چاہا کہ میں اس بارے میں سوال کروں، سلطان المشائخ اپنے کشف سے، میرے خطرہ پر مطلع ہو گئے، فرمایا "مولانا ضیاء الدین تم ہر طرح کی باتیں پوچھتے ہو، یہ نہیں پوچھتے کہ میں بغیر تحقیق کے آنے والوں کو کیوں مرید کر لیتا ہوں، یہ سُن کر مجھ پر لرزہ سا طاری ہو گیا اور میں نے آپ کے قدم لے کر عرض کیا کہ ایک عرصہ سے میرے دل میں یہ اثر کال تھا، آج بھی یہی وسوسہ آیا تھا، اللہ نے آپ کے دل میں یہ بات ڈال دی، حضرتؒ نے فرمایا کہ :-

"حق تعالیٰ نے ہر زمانہ میں اپنی حکمتِ بالغہ سے ایک خاصیت رکھی ہے، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہر زمانہ کے لوگوں کی راہ و رسم اور عادتیں الگ ہوتی ہیں اور ان کے مزاج و طبیعت پچھلے لوگوں کے طبائع و اخلاق سے میل نہیں کھاتے، تھوڑے لوگ اس سے مستثنیٰ ہوتے ہیں۔ اور یہ ایک تجربہ کی بات ہے، ارادت کی اصل یہ ہے کہ مرید ماسوا اللہ سے منقطع اور مشغول مع اللہ ہو جائے، جیسا کہ کتب تصوّف میں تفصیل کے ساتھ درج ہے۔ مشائخ متقدمین جب تک طالب ارادت میں، انقطاعِ کلی نہ دیکھ لیتے، بیعت کا ہاتھ نہیں بڑھاتے تھے، لیکن سلطان ابوسعید ابو الخیر کے عہد سے لے کر شیخ سیف الدین باخرزی کے زمانے تک اور شیخ الشیوخ شیخ شہاب الدین سہروردی کے وقت سے لے کر شیخ شیوخ العالم فرید الحق والدین قدس اللہ سرہ العزیز کے وقت تک، کہ یہ سب حضرات، سرآمدِ روزگار اور آیۃٌ من آیات اللہ تھے، خلقِ خدا کا ان کے دروازوں پر ہجوم ہوا اور ہر طبقہ کے لوگوں نے اژدحام کیا، ان بندگانِ خدا نے آخرت کی ذمہ داریوں سے ڈر کر ان عاشقانِ خدا کا دامن تھامنا چاہا اور ان مشائخ کبار نے بھی خاص و عام کو اپنی بیعت میں قبول کیا اور خرقۂ توبہ و تبرک عطا کیا، ہر شخص ان محبوبانِ خدا کے معاملات پر اپنے کو قیاس نہیں کر سکتا کہ شیخ ابوسعید، شیخ سیف الدین باخرزی، شیخ شہاب الدین سہروردی اور شیخ شیوخ العالم فرید الحق

والدین ۔ قدس اللہ اسرارہم نے جس طرح لوگوں کو مرید کیا، میں بھی مرید کر دوں، اس لیے کہ اگر خدا کا کوئی محبوب گناہ گاروں میں سے ایک عالم کو اپنے دامنِ عاطفت میں لے لے تو لے سکتا ہے ۔ اب میں تمھارے سوال کا جواب دیتا ہوں کہ میں مرید کرنے میں کیوں زیادہ احتیاط سے کام نہیں لیتا اور اپنا اطمینان نہیں کرتا ؟ ایک وجہ تو یہ ہے کہ میں علی سبیل التواتر سُن رہا ہوں کہ بہت سے مرید ہونے والے معصیت سے تائب ہو جاتے ہیں، نمازِ باجماعت ادا کرنے لگتے ہیں اور اوراد و نوافل میں مشغول ہو جاتے ہیں، اگر میں بھی شروع ہی سے اس بات کی شرط کر دوں کہ ان میں ارادت کی حقیقت یعنی انقطاعِ کلی پایا جاتا ہے کہ نہیں اور ان کو توبہ و تبرک کا خرقہ (جو خرقۂ ارادت کی جگہ پر ہے) نہ دوں تو وہ خیر کی اس مقدار سے بھی جو ان اللہ کے بندوں سے وجود میں آ رہی ہے محروم ہو جائیں گے۔[1]

---

[1] اس موقع پر ناچیز مدیر الفرقان اسی موضوع سے متعلق خود اپنا ایک واقعہ بھی ذکر کر دینا مناسب سمجھتا ہے، امید ہے ناظرین اس کو دلچسپی سے پڑھیں گے اور انشاء اللہ بہت سوں کے لیے وہ موجبِ بصیرت بھی ہوگا۔

اب سے قریباً ۱۹ ۔ ۲۰ سال پہلے جب مرشدنا حضرت رائے پوری قدس سرہ سے عقیدت مندی اور نیاز کیشی کا تعلق اللہ تعالیٰ نے نصیب فرمایا اور رائے پور کی خانقاہ میں حاضری کا سلسلہ شروع ہوا تو اس وقت حضرت کے ہاں توبہ اور بیعت کی وہ گرم بازاری تو نہیں تھی جو بعد کے سالوں میں دیکھنے میں آئی ۔ لیکن پھر بھی دو چار بیعت کرنے والے آتے ہی رہتے تھے ۔ ان میں سے بعض کے متعلق کبھی کبھی مجھے یہ خیال ہوتا تھا کہ شاید یہ بیچارے بیعت کے مقصد اور اس کی اہمیت کو سمجھے بوجھے بغیر ہاتھ میں ہاتھ دے رہے ہیں ــــــ حضرت شاہ ولی اللہؒ نے اپنے رسائل "الانتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ" وغیرہ میں بیعت کے جو اقسام اور ان کے جو جداگانہ احکام لکھے ہیں وہ بھی اس وقت تک نظر سے نہیں گزرے تھے، اسلئے بعض اوقات قلب میں اس بارہ میں اعتراض بھی پیدا ہوتا تھا لیکن میں اس کو اُبھرنے نہیں دیتا تھا ۔ یہ ابتلا کئی سال تک رہا اور حضرت سے اور اسی طرح اپنے کسی اور بزرگ سے بھی اس بارہ میں کچھ پوچھنے کی کبھی ہمت نہیں ہوئی ــــ

پھر اب سے کوئی ۱۲ ۔ ۱۳ سال پہلے جبکہ حضرت مرشدنا قدس سرہ ہم نیازمندوں کی استدعا پر ایک دفعہ لکھنؤ تشریف لائے ہوئے تھے اور کئی ہفتے قیام فرمایا تھا، ایک دن حضرت کے خادمِ خاص اور ہمارے محترم بھائی مسعود علی صاحب آزاد فتحپوری کی درخواست پر ان کے وطن فتحپور (ضلع بارہ بنکی) جانے کا پروگرام بنا، ایک کار کا انتظام کیا گیا اور حضرت

(باقی بر صفحۂ آئندہ)

دوسرا سبب یہ ہے کہ بغیر اس کے کہ میرے دل میں خیال آئے یا میں اس کی درخواست اور التماس کروں یا کوئی وسیلہ اور سفارش اختیار کروں، شیخ کامل و مکمل (شیخ کبیر) نے مجھے بیعت لینے کی اجازت دی۔ میں دیکھتا ہوں کہ ایک مسلمان بڑی عاجزی و درماندگی اور بڑی مسکنت اور بے چارگی کے ساتھ میرے پاس آتا ہے اور کہتا ہے کہ میں نے تمام گناہوں سے توبہ کی، میں یہ سمجھ کر کہ شاید اس کی بات سچ ہو، اس کو بیعت کر لیتا ہوں، خاص طور پر اس لیے کہ بہت سے معتبر لوگوں سے سنتا ہوں کہ بہت سے بیعت کرنے والے اس بیعت کی وجہ سے معاصی سے باز آجاتے ہیں[۵۱]۔

عمومی زندگی پر اثر اس بیعت و تعلق کا جس سے مسلمانوں کے ہر طبقہ کے لوگ یکساں مستفیض ہوئے عام زندگی و معاشرت، لوگوں کے اخلاق و عادات، اشغال و اوقات اور اہل حکومت سے لے کر اہل حرفہ تک کے حالات پر کیا اثر پڑا اور دارالحکومت

(بقیہ صفحہ گزشتہ)

وہاں تشریف لے گئے۔ بھائی آزاد صاحب کے علاوہ حضرت کی ہمرکابی میں ہم دونوں بھی تھے یعنی ناچیز راقم سطور اور رفیق محترم مولانا سید ابوالحسن علی میاں، ہم دونوں کا واپسی کا پروگرام تھا۔ سہ پہر کو واپسی سے پہلے آزاد صاحب نے حضرت سے عرض کیا کہ کچھ لوگ بیعت ہونا چاہتے ہیں۔ حضرت نے اجازت دے دی۔ یہ سب ۸۰۰ ۱۰ حضرات تھے، جب یہ بیعت کے لیے حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے تو میں نے اور میرے ساتھ مولانا علی میاں نے بھی شدت سے محسوس کیا کہ ان میں سے بعضے غالباً بیعت کی حقیقت اور مقصد کو سمجھے بغیر ہی بیعت ہو رہے ہیں۔ اور اپنی جہالت۔ ہو و حماقت سے دل کا یہ احساس کسی درجہ میں زبان پر بھی آگیا، حضرت مرشدنا قدس سرہٗ نے ہم سے کچھ نہیں فرمایا لیکن حضرت کی نگاہوں سے ہم نے سمجھا کہ ہم سے بے ذوقی ہوئی اور ہماری یہ بات حضرت کو پسند نہیں آئی، لیکن اس وقت اپنی غلطی کی حقیقت ہم نہیں سمجھ سکے۔ بعد میں حضرت شاہ ولی اللہؒ کے بعض رسائل کے مطالعہ سے اور مختلف صحبتوں میں اپنے حضرت قدس سرہٗ کے ارشادات سے ہم نے سمجھا کہ اللہ کے مخلص بندے صرف اس امید پر بھی بندگان خدا کو خاص کر سادہ دل عوام کو بیعت کر لیتے ہیں کہ تو یا در بیعت کی کچھ نہ کچھ لاج انشاء اللہ یہ رکھیں گے اور اس تعلق کی وجہ سے کم از کم زمانہ کی گمراہ تحریکوں میں بعضے اور کھلے فسق و فجور سے انشاء اللہ یہ بچ جائیں گے۔ اور نماز روزہ جیسے فرائض ادا کرنے کی توفیق ان کو مل جائے گی۔

(حاشیہ صفحہ ہذا) ۵۱ سیرالاولیاء ص ۳۴۶۔ ۳۴۰ بحوالہ حسرت نامہ مولانا ضیاء الدین برنی۔

دہلی میں جو شوکت، قوت، دولت و ثروت اور عیش و عشرت کا گہوارہ تھا، اور سارے ہندستان کا مالِ غنیمت اور سینکڑوں ہزاروں برس کے زر و جواہر، صناعوں کی مصنوعات اور ملک کے اطراف و جوانب کے تحائف و عجائبات روزانہ سیلِ رواں کی طرح وہاں اُمڈ رہے تھے، دینداری، خدا طلبی، عشقِ الٰہی، توبہ و انابت اور رجوع الی اللہ، صفائی معاملات، راست گفتاری اور دیانتداری کی کیا کیفیت پیدا ہوگئی تھی، اس کی تفصیل اس عہد کے صاحبِ نظر اور معتبر مورخ ضیاء الدین برنی کی زبان سے سنئے! ——— سلطان علاء الدین خلجیؒ کے زمانہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

"...... اس[۵] زمانے میں شیخ الاسلام نظام الدین نے بیعت کا عام دروازہ کھول رکھا تھا اور گنہگاروں کو خرقہ پہناتے اور ان سے توبہ کراتے اور اپنی مریدی میں قبول کرتے تھے، اور خاص و عام، غریب و دولت مند، بادشاہ و فقیر، عالم و جاہل، شریف و رذیل، شہری اور دیہاتی، غازی و مجاہد، آزاد و غلام سب کو طاقیہ توبہ اور پاکی کی تعلیم دیتے تھے۔ اور یہ تمام لوگ چونکہ اپنے کو شیخ کا مرید سمجھتے تھے بہت سے گناہوں سے باز آتے تھے، اور اگر شیخ کے کسی مرید سے لغزش ہوجاتی تھی تو پھر از سرِ نو بیعت کر لیتے اور توبہ کا خرقہ ادا کرتے اور شیخ کی مریدی کی شرم تمام لوگوں کو بہت سی ظاہری و باطنی برائیوں سے روک دیتی تھی اور عام طور پر لوگ تقلید و اعتقاد کی وجہ سے عبادت کی طرف رغبت کرتے تھے، مرد و عورت، بوڑھے جوان، بازاری، عامی، غلام اور نوکر، سب کے سب نماز ادا کرتے تھے اور زیادہ تر مرید چاشت و اشراق کے پابند ہو گئے تھے......

کثرتِ نوافل اور اس کی پابندی کا معاملہ اس بابرکت زمانہ میں اس حد تک پہونچ گیا تھا کہ بادشاہ کے محل میں بہت سے اُمراء، سلاحدار، لشکری، شاہی نوکر، شیخ کے مرید ہوتے تھے اور چاشت و اشراق کی نمازیں ادا کرتے تھے، ایامِ بیض اور

---

[۵] تاریخ فیروز شاہی کے اقتباس کا یہ ترجمہ سید صباح الدین عبدالرحمٰن ایم۔ اے (رفیق دارالمصنفین) کی کتاب بزمِ صوفیہ سے حذف و اختصار کے ساتھ نقل کیا گیا ہے۔ صفحہ ۱۹۹ تا صفحہ ۲۰۱

عشرۂ ذی الحجہ کے روزے رکھتے تھے.....

شیخ کے مبارک وجود اُن کے انفاس پاک کی برکت، ان کی مقبول دعاؤں کی وجہ سے اس ملک کے اکثر مسلمان عبادت، تصوّف اور زہد کی طرف مائل اور شیخ کی ارادت کی طرف راغب ہو گئے تھے، سلطان علاء الدین اپنے تمام گھر والوں کے ساتھ شیخ کا معتقد اور مخلص ہو گیا تھا، خواص وعوام کے دلوں نے نیکی اختیار کر لی تھی، عہدِ علائی کے آخری چند سالوں میں شراب، معشوق، فسق و فجور، جوا، فحاشی وغیرہ کا نام اکثر آدمیوں کی زبان پر نہیں آنے پایا، بڑے بڑے گناہ لوگوں کے نزدیک کفر کے مشابہ معلوم ہونے لگے تھے. مسلمان ایک دوسرے کی شرم سے سود خواری' اور ذخیرہ اندوزی کے کھلم کھلا مرتکب نہیں ہو سکتے تھے. بازار والوں سے جھوٹ بولنے، کم تولنے اور آمیزش کرنے کا رواج اُٹھ گیا تھا۔"

بقیہ تجلیات صـ۱۷

فیصلے پر راضی ہوئے، تم بھی اس پر راضی رہو اور دُعا و فاتحہ خیر سے مدد و معاون بنو ــــ تم نے مصیبت سے رہائی پائی اس خبر سے مسرت ہوئی۔ دو غموں میں سے ایک غم نے تسکین پائی۔ اللہ کا شکر ہے ــــ تم نے جمعیتِ باطن (میں فتور و نقصان پیدا ہو جانے) کے متعلق شکایت لکھی تھی ــــ ہاں (بے شک) پریشانیٔ ظاہر کو تصرفِ باطن میں تاثیرِ عظیم حاصل ہے. جب کبھی باطن میں کدورت پائیں، اس کا تدارک توبہ و استغفار سے کر لیا کریں. جب کوئی خطرناک صورتِ حال نمودار ہو لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْم، پڑھ کر اس کو دفع کیا کریں. اور قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقْ اور قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاس (یہ دونوں سورتیں) بار بار پڑھنا ایسے وقت میں بہتر ہے ــــ باقی حالات لائقِ حمد ہیں ــــ ہمیشہ اور ہر حال میں اللہ تعالیٰ کے لیے حمد و شکر ہے اور میں اللہ تعالیٰ کی درگاہ میں اہلِ دوزخ والے حالات سے پناہ مانگتا ہوں ــــ فقیر پر چونکہ ضعف کا اثر ہے اس بنا پر تفصیلِ احوال میں مشغول نہ ہو سکا ــــ اللہ تعالیٰ ہم کو اور تم کو شریعتِ مصطفویہ کی شاہراہ پر استقامت نصیب کرے، ــــ والسّلام ــــ

ابوالفضل اور فیضی کا مسلک
تاریخی حقائق کی روشنی میں

از جناب اسیر ادروی

[اب سے ۲۵ سال پہلے ۱۳۵۷ھ میں الفرقان کا "مجدد الف ثانی نمبر" نکلا تھا اُس میں مولانا سید مناظر احسن گیلانی علیہ الرحمہ نے حضرت مجدد کے تجدیدی کارنامہ پر روشنی ڈالتے ہوئے اپنے مقالہ میں اُس دور کے عظیم ترین اسلام سوز فتنے اکبر کے "دین الٰہی" کا بھی تذکرہ کیا تھا، اور اسکی پوری تاریخ اور تفصیلات ملا عبدالقادر بدایونی کی "منتخب التواریخ" سے مرتب کر کے پیش کی تھیں، اسی ضمن میں اس کا ذکر بھی آگیا تھا کہ اکبر کی اس گمراہی میں خاص حصہ فیضی اور ابوالفضل کا بھی تھا — "مجدد الف ثانی نمبر" کی اشاعت کے بعد سے اب تک کئی حضرات نے مولانا گیلانی کے اس بیان کی تردید اور اکبر اور اس کے رفقاء کار کے موقف کو صحیح ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ ہم نے جہاں تک ان مضامین سے سمجھا ہے ان کے لکھنے والے دین کے بارہ میں قریب قریب وہی نقطۂ نظر رکھتے ہیں جو اکبر اور اسکے حواریوں کا تھا اور اسلئے انھوں نے مسلّم تاریخی حقیقتوں کی ایسی تاویل یا تکذیب کی ہے جس پر کسی تبصرہ کی بھی ضرورت نہیں — اسیر ادروی صاحب کا یہ مضمون ان مضامین سے بالکل مختلف قسم کا ہے، اس میں موصوف نے اکبر کی حمایت اور اسکی پوزیشن صاف کرنے کی کوشش نہیں کی ہے بلکہ اسکی "گمراہی" اور "حدود اسلام سے اسکے نکل جانے"

کا اعتراف کیا ہے اور گویا اسکے متعلق بدایونی کے بیانات کو صحیح مانا ہے، لیکن فیضی اور ابوالفضل کی پوزیشن صاف کرنے اور ان کو صحیح العقیدہ سچا مسلمان ثابت کرنے کی کوشش کی ہے اور اُن کے بارہ میں بدایونی کے بیانات کو عناد و حسد اور معاصرانہ چشمک کا نتیجہ قرار دیا ہے۔

ظاہر ہے کہ یہ ایک خالص تاریخی مسئلہ ہے اگر یہ ثابت ہو جائے کہ یہ دونوں بھائی واقعۃً سچے پکے مسلمان تھے اور اکبر کی گمراہی میں ان کا کوئی حصہ نہیں تھا اور اسی حال میں یہ دنیا سے اُٹھے تو ہر مسلمان کے لئے بڑی خوشی کی بات ہے ——— (بلکہ اگر تاریخ سے ایسا ثابت نہ ہو سکے مگر اللہ کے نزدیک ایسا ہی ہو جب بھی بڑی خوشی کی بات ہے) لیکن تاریخی شہادتیں تو ملا عبدالقادر بدایونی کے بیان ہی کی تصدیق و توثیق کرتی ہیں ... مضمون کے ختم پر ہم نے ناظرین کے غور و فکر اور مطالعہ کے لئے ایک استدراکی نوٹ بھی لکھا ہے۔

مضمون میں اصل موضوع سے غیر متعلق بھی بعض باتیں قابل تنقید تھیں ان کو ہم نے دانستہ نظر انداز کر دیا ہے۔ اب اصل مضمون ملاحظہ ہو۔ الفرقان]

مغل بادشاہ اکبر کی بے راہ روی نے مذہبی علماء کی نگاہوں میں اس کے دربار کے بہترین ہیروؤں کو بھی مورد طعن اور ہدف ملامت بنا دیا۔ ملا مبارک کا گھرانہ ایک علمی خانوادہ تھا۔ ابوالفضل اور فیضی اس خانوادے کے آفتاب و ماہتاب تھے اس دور کے علماء ان دونوں کی بے پناہ علمی صلاحیتوں سے مرعوب تھے، یہ نکتہ رس دماغ اور دقیقہ شناس نگاہوں کے مالک تھے چاہے وہ مذہبی علوم و فنون کے میدان ہوں چاہے شعر و ادب کی گلکریز وادیاں اُن کا رہوار قلم کہیں بھی رُکنے کا نام نہیں لیتا تھا، لیکن ان تمام اوصاف کے باوجود کچھ بدقسمت تھے، تاریخ میں ان کو جو بلند مقام ملنا چاہیئے تھا وہ نہ مل سکا، حیرت تو مجھے اس وقت ہوئی جب استاذ محترم کی معرکۃ الآراء تصنیف "علمائے ہند کے شاندار کارنامے" میں بہار کے ایک عالم کی تحقیقات کی بنیاد پر صرف اس دور کے ایک معاصر عالم ملا عبدالقادر بدایونی کی روایت کو لے کر اکبری دور کی ساری غلط کاریوں کو ابوالفضل اور فیضی کے سر منڈھ دیا گیا، شاید اسکی وجہ یہ ہوئی کہ ملا بدایونی نے اپنی کتاب کو ملعونوں اور قسموں

سہارے مرتب کیا ہے اس لئے اسکے تسلیم کرنے میں مذہبی نقطۂ نگاہ سے تاریخ کا مطالعہ
نے والوں کو تامل نہیں ہوا، حالانکہ کتاب کو بیان حلفی کے طور پر مرتب کرنا خود بتاتا ہے کہ
کے دل میں یہ بات پوری طور پر کھٹک رہی تھی کہ میرے بیانات کی آسانی کے ساتھ تصدیق
ہیں کی جاسکتی، مزید ستم یہ کہ ملا بدایونی کا انداز بیان تاریخی کے بجائے مذہبی ہے اور مذہب کے
شیفتگی کو نمایاں کرنے کی ابتدا ہی سے کوشش کی ہے اس موقعہ پر دو باتیں خاص طور پر
بل ذکر ہیں:۔

اکبر کی بے راہ روی اس وقت سے جاری تھی جب خود ملا بدایونی دربار اکبری سے وابستہ
، اور یہ کتاب اس وقت مرتب کی ہے جب وہ دربار سے علٰحدہ کر دیئے گئے ہیں، اس سے
پہلے انھوں نے کبھی بھی اکبر کی غلط کاری پر تنقید نہیں کی بلکہ سنسکرت کی ایک کتاب "مہابھارت"
ترجمہ کے موقعہ پر جب انھوں نے یہ ترجمہ کیا "ہر عمل اجرے و ہر کردہ جزائے دارد" تو اکبر کا ذہن
نامی عقیدہ مکافات عمل، حشر و نشر، حساب و کتاب کی طرف مڑ گیا، اکبر اس وقت تک پورے
ر پر گمراہ ہو چکا تھا اس کی بھوئیں تن گئیں، ملا بدایونی لرزہ براندام ہو گئے، چاہے وہ دربار
علٰحدگی کا ڈر رہا ہو یا اپنی جان کا خوف بہرحال انھوں نے فوراً ایک جھٹا ہوا بہانہ تراش
اور اسلام کے اس بنیادی عقیدہ کی عملاً تردید کر دی، اور یہی ملا بدایونی جب دربار سے
علٰحدہ کر دیئے جاتے ہیں تو مذہب کی تباہی کا رونا روتے ہیں اور بڑی دل سوزی کے ساتھ
کرتے ہیں:۔

"مقصود ازیں کوشش غیر از درد دین و دل سوزی بر ملت مرحومہ اسلام
چیزے دگر نہ بود"

دوسری بات یہ کہ ملا مبارک کا گھرانہ اپنی علمی قابلیت کی بدولت دربار میں دخیل ہوتا
رہا تھا خانہ بدوشی کی زندگی بسر کرنے والے اس خاندان کا عروج دیکھ کر دوسرے درباری
علماء ان سے خار کھانے لگے ان میں ملا بدایونی بھی تھے، ان میں معاصرانہ چشمک تھی، ایسی صورت
میں ملا بدایونی کا یکطرفہ بیان سن کر ابو الفضل اور فیضی کو مجرم سمجھ لینا درایت کی رو سے صحیح نہیں ہے۔
معاصرانہ چشمک نے تو بڑے بڑے "مقدس علماء" کو ایسی ایسی لچر اور پوچ باتیں کہنے پر

مجبور کر دیا ہے کہ دل سے ان کی ساری وقعت ختم ہو جاتی ہے، دور کیوں جائیے مخدوم الملک ملا عبداللہ سلطان پوری جو دربار اکبری میں ایک بہت بڑے عہدے پر فائز تھے اس زمانہ میں ان کی ماہوار تنخواہ ساڑھے آٹھ ہزار روپے ماہانہ سے زائد تھی، شیر شاہ نے اپنے عہد سلطنت میں ان کو صدر الاسلام کا خطاب دیا تھا، شیخ الاسلام کا زریں خطاب ان کے طرۂ دستار سے چپکا ہوا تھا، بادشاہ کے تخت شاہی پر جگہ ملتی تھی، دوسرے بزرگ ملا عبدالنبی تھے جو مشہور بزرگ اور ولی شیخ عبدالقدوس گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے نواسے[۱] تھے، صدارت پر ممتاز تھے جس قدر مذہبی اوقاف اور جاگیریں تھیں سب کا انتظام ان کے ہاتھ میں تھا اکبر کو اس قدر گرویدہ کر رکھا تھا کہ وہ ان کے گھر پر جا کر ان سے حدیث پڑھتا تھا ان کی صحبت کے اثر سے اکبر اتنا متاثر تھا کہ مسجد میں وہ خود اپنے ہاتھوں سے جھاڑو دیا کرتا تھا اکبر نے ایک بار زعفران میں رنگا ہوا کپڑا پہن رکھا تھا تو شیخ عبدالنبی نے اس کو چھڑی سے پیٹا تھا اور اکبر کی شکایت پر اس کی ماں نے اسے نجات اخروی کا سبب سمجھا کر خاموش کر دیا، ان دونوں حضرات میں عقیدہ کا کوئی اختلاف نہیں تھا لیکن اسکے باوجود دونوں ایک دوسرے سے خار کھائے ہوئے تھے اور مخالفت کے جوش میں اپنے رتبہ سے بھی نیچے گر جاتے تھے، دونوں میں رقیبانہ کشمکش جاری تھی ہر ایک نے ایک دوسرے کے خلاف رسالے لکھے ایک صاحب فرماتے ہیں کہ چونکہ اس کو بواسیر ہے اسلئے اسکے پیچھے نماز جائز نہیں، دوسرے صاحب کہتے ہیں کہ تو اپنے باپ کا عاق شدہ لڑکا ہے اس لئے تیرے پیچھے نماز جائز نہیں، دنیداری کا عالم یہ تھا کہ سونے کی اینٹوں سے بھرے ہوئے صندوق مقبروں میں چھپا رکھے تھے اور مشہور کر رکھا تھا کہ یہ بزرگوں کی قبریں ہیں،[۲] یہی وہ لوگ ہیں جو دربار اکبری میں مذہب کے ٹھیکیدار تھے، عام علماء کے ساتھ بھی ان کا رویہ نہایت درجہ متکبرانہ تھا، ضرورت مند علماء اور مشائخ ان سے براہ راست اپنے معاملات نہیں کہہ سکتے

---

[۱] نواسے نہیں پوتے تھے ــــ الفرقان

[۲] زکوٰۃ نہ دینے کے لئے ہر گیارھویں مہینے پر میاں بیوی کو اور بیوی میاں کو اپنی پوری جائداد ہبہ کرتے رہتے تھے، انکو حج نہ کرنا پڑے اس لئے فریضہ حج کے ساقط ہونے کا فتویٰ دے رکھا تھا۔

تھے بلکہ ان کے فراشوں، مہتروں اور بھنگیوں کو رشوتیں دے دے کر کسی طرح رسائی حاصل کرتے تھے، مگر ان کی مذہبی ہمدردی کے آج تک گن گائے جاتے ہیں[۱] اور ان کے مقابلہ میں ابو الفضل اور فیضی جو صحیح العقیدہ سنی حنفی تھے انھیں ملحد، بے دین کافر بلکہ اکفر تک کہا جاتا ہے ملا عبد القادر بدایونی اس میں پیش پیش ہیں، آخر یہ الٹی گنگا کیونکر بہی؟ اس کے پیچھے ایک داستان ہے اگر اختصار کے ساتھ اسے پیش کر دیا جائے تو صورت حال کے سمجھنے میں آسانی ہوگی۔

مخدوم الملک شیخ عبد النبی اور ملا عبد القادر بدایونی کے عروج کا زمانہ تھا جب ملا مبارک ناگوری اپنے دونوں فرزند ابو الفضل اور فیضی کو لے کر ہندوستان آئے، ملا مبارک ایک خود دار غیور اور قانع آدمی تھے انھوں نے دربار میں رسائی کی کوشش نہیں کی، شیر شاہی حکومت میں جاہ و رتبہ کی ان کو ترغیبیں دی گئیں مگر انکی شان استغنا نے اسے گوارا نہیں کیا، اکبر کی سلطنت کا چودھواں سال تھا، ملا مبارک گوشۂ عزلت سے نکلے اور علمی مجلسیں قائم کیں جس کی وجہ سے اس خاندان کی علمی قابلیت کی دھوم مچ گئی، اکبری دربار کے علما کو اندیشہ پیدا ہوا کہ یہ شخص آئندہ وبال بن سکتا ہے، درباری علما پہلے ہی قدم پر اپنے راستے کے اس کانٹے کو ہٹا دینے کے لئے کھڑے ہوئے، اس سے پہلے یہ علما درجنوں آدمیوں کو بدعتی رافضی اور مہدوی کے فرضی الزامات لگا کر اکبر کے ہاتھوں قتل کرا چکے تھے، ملا مبارک پر بھی اسی حربہ کا استعمال کیا گیا اور ان پر مہدویت کی تہمت لگا دی گئی، سید محمد جونپوری مہدی کے اس فرقے کے ساتھ عام سنی علما کا رویہ انتہائی سخت تھا اس لئے ان لوگوں نے اکبر سے ملا مبارک کے بارے میں بھی کہا اور کوشش کی کہ اکبر انھیں مع ان کے دونوں بیٹوں کے گرفتار کر کے قتل کرا دیں، مگر اکبر نے فوری کوئی فیصلہ نہیں کیا بلکہ ان کو دربار میں طلب کرنے کا حکم دیا، یہ بات ایک شخص نے آدھی رات کو فیضی تک پہنچائی، فیضی سازش کی تہ کو پہونچ گیا، باپ سے کہا کہ ابھی یہاں سے نکل چلئے لیکن ملا مبارک نے کہا کہ میں یہاں سے نہیں جاتا خدا جو کرتا ہے اچھا کرتا ہے،

---

[۱] معلوم نہیں فاضل مضمون نگار کا یہ اشارہ کس طرف ہے، ہمارے کے جس عالم کی طرف اوپر کی سطروں میں اشارہ کیا گیا ہے انھوں نے تو خود مخدوم الملک اور ملا عبد النبی کے بارہ میں اسی طرح کا تبصرہ کیا ہے۔ الفرقان

مگر فیضی نے تلوار کھینچ کر کہا کہ آپ نہیں جاتے تو میں اپنی جان دیئے دیتا ہوں، بیٹے کی محبت غالب آئی ابوالفضل کو نیند سے جگایا تینوں باپ بیٹے رات کے اس بھیانک سناٹے میں گھر سے نکل گئے یہ بھی پتہ نہیں کہ وہ کہاں جاتے ہیں، ایک لمبی مسافت طے کرنے کے بعد ایک ملاقاتی کے گھر پہونچے لیکن اسکی گھبراہٹ دیکھ کر وہاں سے بھی چل پڑے، دوسرے شخص کے گھر پہونچے، مخالفین نے وہاں بھی پیچھا کیا، وہاں سے بھاگے ایک شاگرد کے گھر پہونچے لیکن درباری علماء نے ملک میں جھوٹی خبریں پھیلا دی تھیں کہ یہ گھرانہ معتوب بارگاہ ہے جو انھیں پناہ دے گا وہ بھی مجرم ہوگا غرضیکہ یہ باپ بیٹے بھیس بدل بدل کر درجنوں دوستوں کے گھر گئے اور ایک دو دن کے بعد وہاں سے بھی انھیں بھاگنا پڑا، بالآخر ایک امیر کے چور گھر میں جاکر پناہ لی اور اس امیر نے اکبر سے اس خانوادہ کی سفارش کی، اکبر نے کہا کہ تم کو کچھ خبر بھی ہے تمام علماء نے فتویٰ تیار کر رکھا ہے اور مجھ کو چین نہیں لینے دیتے کہ جہاں سے بھی ہو شیخ مبارک کو ڈھونڈھ نکالا جائے، اور اسکو سزا دیجائے مجھے ان کی قیام گاہ کا علم ہے مگر میں دانستہ ٹالتا ہوں کل دربار میں ان کو حاضر کرو، فیضی کو جب یہ معلوم ہوا کہ اکبر کو ہماری قیام گاہ کا علم ہوگیا ہے تو بدحواس ہوکر راتوں رات گرتا پڑتا باپ کے پاس آیا اور اسی وقت سب نے بھیس بدلے اور گھر سے نکل پڑے اور اس پریشانی میں گھر سے نکلے ہیں کہ اللہ اللہ ابوالفضل کے الفاظ یہ ہیں :-

"نورستان آفتاب در نار یک ہائے مدگوہر و ہجوم مسالک شہر و ہنگامہ پژوہندگان نا فرجام دیاور نا پدید، و بار انداز نا یافت، قلم چو بیں را چہ یارا کہ قدرے ازاں حال گزارد"

وہاں سے بھاگ کر ایک کھنڈر میں پناہ لی، جاسوسوں کا سامنا ہوتا رہا اور یہ گاؤں گاؤں، قریہ بقریہ بھاگتے پھرتے تھے۔ ہزاروں ٹھوکریں کھانے کے بعد اکبر کو ان پر ذاتی طور سے رحم آگیا اور ان کو دربار میں بلوا کر اعزاز و اکرام سے نوازا۔

ملا مبارک کے خاندان پر درباری علماء کا یہ دوسرا وار تھا اس سے پہلے بھی ایک بار ملا عبدالنبی نے اکبر سے کہا تھا کہ شیخ مبارک بدعتی ہے اس کو سزا ملنی چاہیئے چنانچہ محتسب متعین ہوئے کہ شیخ کو پکڑ لائیں لیکن شیخ گھر پر نہیں تھا، اسکی مسجد کا منبر توڑ کر چلے آئے، ایک بار

مدد معاش کے لئے فیضی اپنے باپ کے ساتھ شیخ عبدالنبی کے پاس گیا تو اس پر شیعیت کا الزام لگا کر نہایت ذلت کے ساتھ گھر سے نکلوا دیا تھا۔

اس ساری تفصیل سے میرا مقصد یہ بتانا ہے کہ دربار اکبری کے یہ علماء کسی طرح بھی اس خاندان کا حکومت میں دخیل ہونا پسند نہیں کرتے تھے اسکے لئے طرح طرح کے الزامات ان پر لگائے جاتے تھے کبھی مہدوی کہا کبھی بدعتی، کبھی شیعہ کہا اور ملا بدایونی کے خانہ دماغ میں اپنے دشمن کے بارے میں جتنی بھی سخت سست باتیں محفوظ تھیں فیضی کے بارے میں سب ہی اگل کر رکھدیں، اپنی کتاب میں فیضی کے متعلق تحریر فرماتے ہیں۔

"مخترع جدو ہزل، وعجب و کبر و حقد و مجموعۂ نفاق وخباثت وریا وحب جاہ وخیلاء و رعونت بود دروادی عناد وعداوت با اہل اسلام وطعن در اصل اصول دین و اہانت مذہب و مذمت صحابہ کرام و تابعین وسلف وخلف متقدمین ومتاخرین ومشائخ اموات واحیاء و بے ادبی و بے تحاشی نسبت بہ ہمہ علماء وصلحاء وفضلا سراً وجہاراً لیلاً ونہاراً، سمہ یہود و نصاریٰ وہنود ومجوس بر و ہزار شرف داشتند"

اب غور طلب یہ امر ہے کہ ان حالات میں ملا بدایونی کی کتاب "منتخب التواریخ" کہاں تک قابل اعتماد ہے یہی ایک روایت ہے جو آج پورے ملک میں پھیلی ہوئی ہے جو شخص بھی اکبر کی بے راہ روی پر کچھ لکھتا ہے بس اسی ایک روایت کا سہارا لیتا ہے اور اکبر کی گمراہی کا واحد ذمہ دار ابوالفضل اور فیضی کو گردانتا ہے حالانکہ دیکھنا چاہیئے کہ خود راوی اصول روایت اور درایت کی کسوٹی پر کہاں تک پورا اترتا ہے، اس پر کسی کی نظر نہیں جاتی۔

میں بتا چکا ہوں کہ ملا بدایونی کی دربار سے وابستگی کے وقت بھی اکبر صریحی گمراہی کی راہ پر تھا اور یہی ملا صاحب اکبر کی خوشامد میں دن رات لگے رہتے تھے، اسلام کے بنیادی عقیدہ کی مٹی پلید کی جاتی تھی اور یہ خاموشی سے گوارا کرتے رہتے تھے، مزید ستم یہ کہ جب یہ دربار سے علٰحدہ کئے جاتے ہیں تو اسی اسلام دشمن بادشاہ کے سایہ عاطفت میں آنے کے لئے اپنے کٹر ترین دشمن فیضی سے سفارش کراتے ہیں، فیضی کا اخلاق دیکھو کہ وہ اپنے سفارشی خط

میں انھیں ملا بدایونی کی علمیت کو بام ثریا سے بھی زیادہ بلند دکھا کر انھیں دربار میں رکھنے کی سفارش بھی کر دیتا ہے، ملا بدایونی کی غیرت و احسان فراموشی ملاحظہ فرمائیے کہ اس قصہ کو وہ خود اپنی کتاب میں تحریر فرماتے ہیں مگر انداز تحریر دیکھئے۔

"اما چہ تواں کرد کہ حق دین و حفظ عہد آں بالاتر از ہمہ حقوق است الحب للہ والبغض للہ"

ملا بدایونی کو فیضی سے اتنا کد تھا کہ اس کے بارے میں کچھ کہتے ہوئے یہ بھی یاد نہیں رہتا کہ دوسرے موقعہ پر میں نے کیا لکھا ہے تضاد بیانی کی ایک مثال ملاحظہ ہو، فیضی کے تذکرہ میں ایک جگہ تحریر فرماتے ہیں۔

" در فنون جزئیہ از شعر و نغمہ، عروض و قافیہ، تاریخ و لغت، طب و انشاء عدیل در روزگار نداشت "

نلدمن کے ذکر میں بھی ملا صاحب نے لکھا ہے۔

" والحق مثنوی ست کہ دریں سہ صد سال مثل آں بعد از امیر خسرو شاید در ہند کسے دیگر گفتہ نباشد "

لیکن یہی ملا صاحب جب ضد پر آتے ہیں تو فرماتے ہیں کہ فیضی چالیس برس تک استخوان بندی کرتا رہا لیکن ایک شعر بھی مزہ کا نہ نکلا، فیضی کے حریف نشانی کی ایک نظم کو جو فیضی کے بارے میں ہے بڑے جوش سے نقل کیا ہے۔

دعوی ایجاد معانی مکن شمع نہ چرب زبانی مکن
طبع تو ہرچند در ہوش زد اک سخن تازہ نشد گوش زد

ملا بدایونی کی ضد کا تو یہ عالم ہے کہ فیضی کی بے نظیر تفسیر جب دنیا سے خراج تحسین حاصل کر رہی تھی تو انھوں نے فیضی کے اس کام کو بدعت قرار دیدیا حالانکہ بے نقط تفسیر لکھنا بدعت تو نہیں تھا لیکن یہ کام ان لوگوں کے بس کا نہیں تھا، اس لئے اس کے سوا وہ لوگ اور کیا کر سکتے تھے۔

ملا بدایونی نے شیخ مبارک اور ان کے بیٹوں کے جرموں کی فہرست میں لکھا ہے کہ انھوں نے اکبر کے لئے خلاف شرع محضر نامہ لکھا جس میں تحریر ہے ہے۔

" اگر در مسائل دین کہ بین المجتہدین مختلف فیہاست بذہن ثاقب وفکر صائب خود اک جانب را از اختلاف بہ جہت تسہیل معیشت بنی آدم و مصلحت انتظام عالم اختیار نمودہ بآں جانب حکم فرمایند متفق علیہ شود اتباع آں برعموم برایا لازم و محتم است "

یہ صحیح ہے کہ یہ محضر نامہ شیخ مبارک نے لکھا ہے لیکن سوال یہ ہے کہ اگر یہ الفاظ کفریہ ہیں تو اس محضر نامہ پر مخدوم الملک اور شیخ عبدالنبی کے دستخط کیوں ہیں؟ اور اسکے باوجود مورد الزام شیخ مبارک اور ان کے بیٹے ہی ہیں اور مخدوم الملک اور شیخ عبدالنبی کے مذہبی تقدس کے گن گائے جاتے ہیں ؟

فیضی اور اس کے گھرانے کا قصور جب معاف کیا گیا اور انھیں دربار میں جگہ دی گئی تو اس خاندان نے علمی مجلسیں قائم کیں جن میں مختلف مسائل پر بحث و مباحثہ ہوتا تھا ہر ایک اپنے دلائل و براہین پیش کرتا تھا کہ کے بعد ایک جانب کو راجح قرار دے کر عوام کے لئے شائع کر دیا جاتا تھا، ان علمی مجلسوں نے مخدوم الملک اور شیخ عبدالنبی وغیرہ کی علمی قابلیتوں کا پول کھول کر رکھدیا، اکبر اپنے دربار کے ان علماء کو رازی و غزالی سے کم نہیں سمجھتا تھا جب ان کی حقیقت بے نقاب ہوگئی تو مخدوم الملک کے گھر کی تلاشی ہوئی، سونے کی اینٹیں انکے مقبروں سے نکال کر داخل خزانہ سرکاری گئیں شیخ عبدالنبی کا عہدہ چھین کر فیضی کو دیا گیا اور انھیں شہر بدر کر دیا گیا، یہ چوٹ اتنی شدید پڑی کہ جب ایک مدت کے بعد بھی ملا عبدالنبی ایک بار دربار میں آئے تو اپنے چوٹ کھائے ہوئے دل کو قابو میں نہ رکھ سکے اور اکبر کی شان میں زیادتی کر بیٹھے جس کے نتیجہ میں ایک سخت گھونسہ بادشاہ نے اپنے ہاتھ سے شیخ عبدالنبی کے منھ پر مارا اور بڑی بے عزتی کے ساتھ دربار سے باہر کر دیئے گئے، اس واقعہ کے بعد بھی وہ ہمیشہ جوڑ توڑ میں لگے رہے، ریشہ دوانیاں کرتے رہے، اکبر کا غصہ بڑھتا رہا بالآخر وہ دن بھی آگیا کہ جب اکبر نے عبدالنبی کی جو تیاں سیدھی کی تھیں اسی نے ایک دن قتل کرا دیا، ملا بدایونی ان حالات کو دیکھتے تھے اور اپنے انجام سے خائف تھے۔

ان ساری تفصیلات سے آپ کو معلوم ہو چکا کہ اکبر کی گمراہی فیضی کے خاندان کے

دربار میں رسوخ سے پہلے سے تھی، اس کی وجہ اس کے دربار کے حریص اور سونے چاندی کے بھوکے علماء کا جاہلانہ تعصب تھا ان میں ملا عبدالقادر بدایونی اور ان کے ہم خیال وہم نوا علماء شیخ عبدالنبی اور ملا عبداللہ اور مخدوم الملک برابر کے شریک تھے بدایونی نے اپنی کتاب میں ایک جگہ لکھا ہے :-

"علماء عہد خویش را بہتر از غزالی درازی تصور نمودہ بودند رکاکتہائے ایشاں را دیدہ قیاس غائب بر شاہد کردہ سلف را نیز منکر شدند"

اکبر کی گمراہی کی اصل وجہ یہی تھی جب اکبر کا اعتقاد اپنے دربار کے علماء سے اٹھ گیا جن کی عمر بھر اس نے جوتیاں سیدھی کی تھیں تو ردعمل کے طور پر سلف کے بارے میں اپنی خوش اعتقادی کو بھی دل کی گہرائیوں سے نکال پھینکا جس کے نتیجہ میں اکبر کو ایک گمراہی دوسری گمراہی کی طرف ڈھکیلتی رہی یہاں تک کہ وہ حدود اسلام سے بھی باہر نکل گیا، اکبر کی گمراہی کی ذمہ داری انھیں لوگوں پر عائد ہوتی ہے، انھوں نے اپنی دنیا تباہ کی اور اکبر کی عاقبت برباد کی۔[1]

فیضی اور ابوالفضل دونوں صحیح العقیدہ سنی حنفی تھے جیسا کہ ابوالفضل نے آئین اکبری میں لکھا ہے یہی وجہ ہے کہ ان دونوں کا طبعی میلان علماء حق کی طرف تھا چنانچہ جب مجدد الف ثانی آگرہ تشریف لائے تو ابھی مجدد صاحب کی عمر ۲۰ سے زیادہ نہیں تھی لیکن ان کی عظمت کی شہرت ہو چکی تھی ابوالفضل اور فیضی مجدد صاحب سے عمر میں بڑے تھے، دربار اکبری میں اونچے مرتبے پر فائز تھے مگر یہ دونوں عقیدتمندانہ مجدد صاحب سے بار بار ملتے رہے اور ان سے استفادہ کرتے رہے چنانچہ فیضی کو اپنی بے نقطہ تفسیر سواطع الالہام میں ایک موقعہ پر حسب منشاء مفہوم کی ادائیگی کے لئے عبارت نہیں مل رہی تھی تو اس نے مجدد صاحب سے اس کا ذکر کیا اور مجدد صاحب نے قلم برداشتہ اس موقعہ کی عبارت اسی صنعت میں لکھ کر فیضی کو دیدی،

رویت ہلال کے اختلاف کے موقعہ پر ابوالفضل پر جب حضرت مجدد صاحب خفا ہوگئے تو ابوالفضل نے مجدد صاحب سے معافی مانگ کر راضی کر لیا اور آگرہ سے واپسی کے وقت

---

[1] یہ بات تو خود ملا عبدالقادر بدایونی نے پوری تفصیل سے لکھی ہے۔ الفرقان

دونوں سے خوش تھے ——— مکتوبات مجددیہ دیکھ کر آپ کو یہ حیرت تو ضرور ہوئی ہوگی کہ ان میں بہت سے مکاتیب دربار کے بڑے بڑے اُمراء کے نام ہیں مجدد صاحب ایک گوشہ نشین صوفی مشرب انسان کی رسائی ان اُمرا تک کیونکر ہوئی، مجدد صاحب کبھی بھی دربار سے وابستہ نہیں ہوئے، پھر آخر وسیلہ کون بنا؟ مجدد صاحب کی تحریک اصلاح کے ساتھ ان اُمرا کو وابستہ کرکے تقویت پہونچانے والا کون بن سکتا ہے؟ کیا ابوالفضل اور فیضی کے علاوہ اور کوئی دوسرا نام لیا جا سکتا ہے؟ حکومت کے اونچے عہدہ داروں کو مجدد صاحب سے قریب کرنے میں انھیں کے اثرات کام میں آسکتے تھے۔

آج کل کے بعض عالموں نے لکھا ہے کہ بدایونی کے بیان کی تصدیق مجدد صاحب کے بعض مکاتیب سے بھی ہوتی ہے، یہ بالکل غلط ہے مجدد صاحب نے جو کچھ لکھا ہے ان میں سے بیشتر ردّ روافض کے سلسلہ میں ہے، مجدد صاحب کے کسی بھی مکتوب سے اس طرف اشارہ نہیں ملتا کہ اکبر کی بے دینی میں ابوالفضل اور فیضی کا ہاتھ ہو سکتا ہے[1]۔

اسی طرح فیضی اور ابوالفضل کے تعلقات شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ سے بھی انتہائی عقیدتمندانہ تھے ایک عرصہ تک فتح پور میں ملاکر ان کی مہمانی کی جب دہلی تشریف لے گئے تو فیضی نے بار بار خط لکھ کر بلایا، ایک خط میں اس نے لکھا ہے،

"اگر بال و پرے می داشتم ہر روز بر بام آن حجرہ می نشستم و دانہ چین نکات محبت می شدم دیگر چہ نویسم طلبہائے درد دانہ ازاں جا دیر می رسد از برائے خدا بر من قافلہ اسرار خود دا راہ نہ بندند"

اسی طرح شیخ سلیم چشتی رحمۃ اللہ علیہ جو اپنے وقت کے مشہور بزرگ تھے، ان سے اس گھرانے کے

---

[1] بدایونی نے اکبر کی بے راہ روی کے بارہ میں جو کچھ لکھا ہے اس کی تصدیق و توثیق کے سلسلہ میں تو بہت سے حضرات نے حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کے مکاتیب کا حوالہ دیا ہے اور یہ بلاشبہ صحیح ہے (ملاحظہ ہو تذکرہ مجدد الف ثانی ص ۱۴۲، ۱۴۳) لیکن فیضی اور ابوالفضل کے متعلق بدایونی کے بیانات کے بارہ میں جہاں تک اپنا مطالعہ ہے کسی نے یہ دعویٰ نہیں کیا۔ ... یہ واقعہ ہے کہ امام ربانی نے اپنے بہت سے مکاتیب میں کسی کا نام لئے بغیر فیضی اور ابوالفضل کے کتب فکر پر کڑی تنقید کی ہے اور اس کو الحاد و بے دینی کا سرچشمہ قرار دیا ہے جیسا کہ ملاحظہ ہوں مکتوب ۲۱۳، ۲۱۶، ۲۶۶ [illegible]

تعلقات بہت اچھے تھے، چنانچہ جب درباری علماء کی شہ پر اکبر نے انھیں دربار میں حاضر کرنے کا حکم دیا تھا اور یہ فرار ہوئے تھے تو سب سے پہلے حضرت شیخ سلیم چشتیؒ ہی کے آستانے پر حاضر ہو کر ان سے سفارش چاہی اور شیخ صاحب نے ہمدردانہ انھیں مشورہ دیا کہ سردست مصلحت یہی ہے کہ آپ لوگ روپوش ہو جائیں، فیضی اور ابوالفضل نے اسی مشورہ پر عمل کیا۔

اکبر کی گمراہی کو ایک عرصہ بیت چکا تھا مگر فیضی اپنے جذبۂ ملی کو کہیں دبا کر نہیں رکھتا تھا جب اکبر کے حکم سے ابوالفضل نے توریت کا ترجمہ سنانا شروع کیا اور یہ مصرعہ پڑھا

"اے نامی تز تز وکرستو"

تو فیضی دور بیٹھا ہوا سن رہا تھا برجستہ کہا سبحانک ما سواک یا ہو،

فیضی کی درجنوں تصنیفات ہیں جن میں اس نے اپنے عقائد کو بہت واضح الفاظ میں لکھا ہے، تفسیر تو اس نے بہت بعد میں لکھی ہے لیکن اس میں ایک لفظ بھی جمہور علماء کی رائے سے ہٹ کر نہیں لکھا ہے، حالانکہ اس کو ہر موقعہ پر آزاد خیالی کے مواقع میسر تھے مگر آج تک کسی لفظ پر گرفت نہیں کی جا سکی، فیضی نے اپنی واقعاتی نظموں میں بھی اپنے خیالات کو پیش کیا ہے۔ حضور پاکؐ کی معراج کے بارے میں بہت سے علماء یونانی فلاسفروں کے اعتراضات سے مرعوب ہو کر صرف روحانی معراج کے قائل ہیں مگر فیضی اس کو قبول نہیں کرتا وہ کہتا ہے:۔

راہ راست روکہ راہ کج نیست حاجت بہ دلائل و حجج نیست
آں را چہ وقوف ازیں مقام است کو منکر خرق والتیام است

بہار کے ایک بزرگ عالم نے مندرجہ ذیل دونوں قطعوں کو لکھ کر انھیں فیضی کی "فیاضیٔ کفر" سے تعبیر کیا ہے۔

از حقیقت بدست کورے چند مصحفے ماند کہنہ گورے چند
گو رہا کس سخن نمی گوید سر قرآں کسے نمی جوید

اس قطعہ میں فیضی اسلام کی بیکسی کا رونا روتا ہے لیکن اس کے برعکس اسے فیضی کی "فیاضیٔ کفر" بتایا جاتا ہے، دوسرا قطعہ قطعاً شاعرانہ اور تخیل ہے، واقعاتی نہیں، جیسا کہ سمجھا جا رہا ہے۔

عید آمد و کارہا نکو خواہد شد چوں روئے عروس
ساقی مے ناب در سبو خواہد کرد چوں خون خروس

ایسے ہزاروں اشعار آپ کو دیوان حافظ اور سعدی کی غزلیات میں مل سکتے ہیں، ان کے بارے میں کیا کہا جائے گا فیضی کے اصل خیالات اس کی واقعاتی نظموں میں تلاش کیجیے اُس میں وہ سراسر آپ کو ملائے مسجدی نظر آتا ہے۔ میں ایک نظم کے چند اشعار لکھ کر سلسلۂ کلام ختم کرتا ہوں۔

ماطائر قدسیم نوا را نشناسیم مرغ ملکوتیم ہوا را نشناسیم
درکشف حقائق سبق آموز ضمیریم ترتیب دلیل حکما را نشناسیم
با اہل جدل نکتۂ توحید نہ گوئیم در وحدت حق چون و چرا را نشناسیم
بر دانش ما انجم و افلاک بخندید گر صاحب لولاک لما را نشناسیم
صد شکر کہ ما پیرو اصحاب رسولیم در شرع دگر راہ نما را نشناسیم

اتباع سلف کے سلسلے میں اپنی مثنوی مرکز ادوار میں لکھا ہے:

گر بہ میاں در بہ طرف رفتہ اند راہ چناں رو کہ سلف رفتہ اند
فہم تو از قول نبیؐ اجنبی بے خبر از سرّ حدیث نبیؐ

استدراک

زائد اور ضمنی باتوں کو نظر انداز کرنے کے بعد اسیر صاحب کے اس مضمون میں ہمارے نزدیک قابل غور بنیادی نقطے صرف تین ہیں۔

(۱) فیضی اور ابوالفضل کے خلاف جس نے بھی لکھا ہے بدایونی ہی کا سہارا لیا ہے اور بدایونی کا بیان معاصرانہ چشمک کی وجہ سے نیز اس وجہ سے کہ اُن کا کردار کچھ زیادہ بلند نہیں ہے، قابل اعتماد نہیں۔

(۲) ابوالفضل کے مرتب کردہ آئین اکبری سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اور فیضی دونوں

صحیح العقیدہ سُنّی حنفی تھے، اسی طرح فیضی کی نظموں سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ صحیح العقیدہ اور متبع سلف قسم کا پکا مسلمان تھا۔ اور ان کی کسی تصنیف سے اس کے خلاف ثابت نہیں ہوتا۔

(۳) فیضی اور ابوالفضل دونوں کے حضرت مجدد الف ثانی رح سے عقیدت مندانہ تعلقات تھے اور حضرت ممدوح دونوں سے خوش تھے، اور صرف اتنا ہی نہیں بلکہ اس وقت کے بڑے بڑے امرائے دربار سے حضرت مجدد کا جو رابطہ قائم ہوا اور اپنی اصلاحی تحریک میں اُن کی جو تائید اور حمایت حضرت ممدوح کو حاصل ہوئی (جس کا پتہ ان مکتوبات سے چلتا ہے جو وقتاً فوقتاً اپنے اصلاحی کام کے سلسلے میں ان درباری امرا کے نام آپ نے لکھے ہیں اور جو آپ کے مکتوبات کے دفتروں میں محفوظ ہیں) اُس کا ذریعہ اور وسیلہ بظاہر یہی دونوں بھائی (فیضی اور ابوالفضل) بنے تھے۔ خود حضرت مجدد تو ایک گوشہ نشین صوفی تھے۔ ان امرائے دربار تک ان کی رسائی اور شناسائی کسی ذریعہ اور وسیلے کے بغیر نہیں ہوسکتی تھی اور اس دور میں ان دونوں بھائیوں کے سوا کوئی ایسی شخصیت نظر نہیں آتی جس کو اس کام کا وسیلہ اور ذریعہ قرار دیا جاسکے۔ اس طرح یہ دونوں بھائی گویا حضرت کے شریکِ کار اور آپ کے تجدیدی اور اصلاحی کام کو تقویت پہنچانے والوں میں ہیں ——

ہم ان تینوں نکتوں پر بالترتیب گفتگو کرتے ہیں :

ملا عبدالقادر کے بیان کی تائید و تصدیق

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اکبر اور فیضی و ابوالفضل کے خلاف سب سے زیادہ مفصل تاریخی بیان ملا عبدالقادر بدایونی ہی کا ہو لیکن جن مورخین کی اُس زمانے کے واقعات پر پوری نظر ہے انھوں نے اس کو بنیادی طور پر صحیح مانا ہے اور اس کی تصدیق کی ہے ــــ غلام علی آزاد بلگرامی ملا عبدالقادر کی راست گفتاری ہی کے تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

" موصوف کی راست گفتاری کی اس سے بڑھ کر اور کیا دلیل ہوگی کہ اکبر بادشاہ کے چالیس سالہ واقعات میں بال کی کھال نکال کے پیش کی ہے اور کلمۂ حق کے اظہار میں اس قسم کے "صاحب داعیہ" بادشاہ کی مخالفت کا بھی خیال نہ کیا اور آیۃ" الیس اللّٰہ

بکاف عیدہ" پرعمل کیا۔ ماثرالکرام ص۲۲۵

وی، اے۔ اسمتھ نے خاص ابوالفضل کے متعلق بدایونی کے بیان کے بارہ میں اپنا خیال ان الفاظ میں ظاہر کیا ہے۔

حب بدایونی ابوالفضل کے بارہ میں لکھتا ہے کہ وہ درباردار، موقعہ پرست کھلا بے ایمان تھا اور ہمیشہ بادشاہ کے تیوروں پر اسکی نظر رہتی تھی، بے حد خوشامدی تھا، تو اُس کی زبان بظاہر کینے کی بنا پر پکڑی جاسکتی ہے۔ لیکن میرا خیال ہو کہ وہ حقیقت سے زیادہ بعید نہیں[1]"

یہی اسمتھ اکبر کے بگاڑ کا ذکر کرتے ہوئے دوسری جگہ لکھتا ہے:۔

اس کے (اکبر کے) پڑھے لکھے اور چالاک خوشامدی — ابوالفضل، فیضی — اور دوسرے لوگ اُس کے ذہن کو اس طرح کے خیالات سے پُر کرنے کے لئے پوری طرح کمربستہ تھے اور جیسا کہ بادشاہوں کا وطیرہ ہے اُس نے (اکبر نے) خوشامد کے گھونٹ بڑی خوشی سے حلق سے اتارلئے[2]"

اور اس سے بھی بڑی اور بہت وزنی شہادت تزک جہانگیری میں خود جہانگیر کی ہے، وہ لکھتا ہے:۔

" وہ (ابوالفضل) اپنے آقا (میرے والد اکبر) کے دل میں یہ خیال ڈالنا چاہتا تھا کہ حضور رسالت پناہ روحی فداہ محض ایک فصیح و بلیغ عرب تھے، قرآن نعوذ باللہ الہامی نہیں ہے بلکہ خود آپ کی تصنیف ہو۔ ان وجوہ سے میں نے ایک شخص کے ذریعہ ابوالفضل کو قتل کرادیا[3]"

ان شہادتوں کے بعد کسی کے لئے یہ کہنے کی گنجائش رہتی ہے کہ ان دونوں بھائیوں کے

---

[1] اکبر دی گریٹ مغل ص۲۲۳، طبع نئی دہلی ۱۹۵۸ء [2] ایضاً ص۱۲۷

(یہ دونوں حوالے پروفیسر محمد مسعود احمد صاحب ایم اے (حیدرآباد سندھ) کے ایک نجی خط سے ماخوذ ہیں — نعمانی)

[3] عرصہ ہوا تزک میں جہانگیر کا یہ بیان راقم سطور نے خود پڑھا تھا لیکن اس وقت تزک کا نسخہ سامنے نہیں ہو، اسی سال "فاران کراچی" کے جولائی کے شمارہ میں تزک جہانگیری کے اقتباسات کا ترجمہ خواجہ راحت حسین کا کیا ہوا شائع ہوا تھا یہ اقتباس اسی سے نقل کیا گیا ہے — نعمانی

خلاف بدایونی نے جو کچھ لکھا ہے وہ صرف معاصرانہ چشمک اور عناد کا نتیجہ ہے ـــــــ
بدایونی کے ان بیانات کی فی الجملہ تائید حضرت مجدد الف ثانیؒ کے صاحبزادہ اور جانشین
حضرت خواجہ محمد معصومؒ اور دوسرے خلیفہ اور سوانح نویس خواجہ محمد ہاشم کشمیؒ کی تحریروں سے
بھی ہوتی ہے یہ تحریریں ناظرین کرام انشاء اللہ عنقریب پڑھیں گے۔

علاوہ ازیں بدایونی کی راست گفتاری کا ایک نہایت واضح قرینہ یہ ہے کہ یہ کتاب
انھوں نے اس وقت لکھی ہے جبکہ خود وہ لوگ زندہ تھے جن کے حالات و واقعات وہ لکھ رہے
تھے اور ان کے علاوہ ہزاروں عینی شاہدان واقعات کے موجود تھے اور اکبر اور ابوالفضل
و فیضی کی زندگی کھلی کتاب کی طرح اس وقت دنیا کے سامنے تھی۔ ظاہر ہے کہ اس صورت میں
وہ ان کے بارہ میں بالکل بے سر و پا اس قدر سنگین باتیں ہرگز نہیں لکھ سکتے تھے، سو دو سو برس
کے بعد تو کوئی حیا باختہ ایسی دروغ بافی کی جرأت کر بھی سکتا ہے لیکن متعلقہ لوگوں کی زندگی میں
اور ہزاروں عینی شاہدوں کی موجودگی میں کوئی پاگل ہی ایسی جسارت کر سکتا ہے، اور اگر
بالفرض انھوں نے معاصرانہ عناد کے جذبہ سے مغلوب ہو کر غلط بیانی اور تہمت تراشی کی جرأت
کی ہوتی تو اسکی تردید اور تکذیب میں ایک طوفان اٹھ کھڑا ہوتا۔

رہی یہ بات کہ "ملا عبدالقادر میں کچھ کمزوریاں تھیں اور ایک صاحب عزیمت مرد
مومن کی طرح انھوں نے بھی اکبر کی گمراہی کے خلاف آواز نہیں اٹھائی بلکہ دور تک بظاہر
ساتھ ہی چلتے رہے تھے ـــــــ (جیسا کہ خود ان کی منتخب التواریخ سے معلوم ہوتا ہے)
تو ہمارے نزدیک بلکہ ہر منصف کے نزدیک تو یہ ان کی مورخانہ دیانت اور راست گفتاری
کی دلیل ہے کہ انھوں نے اپنے کو بھی معاف نہیں کیا اور اپنی مداہنت اور کمزوری کا بھی
صاف صاف تذکرہ کر دیا۔

یہی رویہ ان کا ملا مبارک اور اُن کے دونوں فرزندوں ابوالفضل اور فیضی کے بارہ
میں بھی ہے، ان کے کمالات بلکہ اپنی ذات پر ان کے احسانات کا بھی انھوں نے کھل کر
اعتراف اور تذکرہ کیا ہے اور آخر میں انھوں نے دین کے بارہ میں جو غلط اور
گمراہ کن رویہ اختیار کیا اور ان کی وجہ سے دین کو جو نقصان پہنچا اور جو بربادی آئی اس

بھی پوری تفصیل سے لکھا ہے، یہ ممکن ہے کہ شدت احساس و تاثر یا معاصرانہ چشمک ہی کی وجہ سے اُن کی تعبیر اور ان کے بیان میں کچھ مبالغہ ہو، لیکن یہ قطعاً ناقابل فہم ہے کہ اکبر کو غلط راستہ پر ڈالنے کی اور "دین الٰہی" کی تحریک میں اسکی ہمنوائی کی جو ذمہ داری انھوں نے اس گھرانہ پر ڈالی ہے وہ صرف معاصرانہ عناد کے تحت اُن کے ذہن و دماغ کا تراشا ہوا افسانہ ہو اور واقعہ میں ان لوگوں کا دامن اس گناہ سے بالکل پاک ہو ۔۔۔ جہانگیر اور اسمتھ وغیرہ کے تائیدی بیانات کے علاوہ خود ابوالفضل کے مرتب کردہ "اکبر نامہ" میں ایسا کافی مواد موجود ہے جس سے فی الجملہ بدایونی کے بیانات کی تصدیق ہوتی ہے۔

پھر اسیرؔ صاحب کا یہ موقف بڑا ہی عجیب و غریب ہے کہ وہ اکبر کی گمراہی اور بے راہ روی کے بارہ میں تو بدایونی کے بیان کو صحیح مانتے ہیں اور تسلیم کرتے ہیں کہ وہ گمراہی میں واقعۃً "حدود اسلام سے متجاوز" ہو گیا تھا لیکن ابوالفضل اور فیضی کے متعلق اُس کے بیان کو صرف معاصرانہ چشمک کا نتیجہ قرار دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ دونوں "بالکل صحیح العقیدہ سنی حنفی" تھے ۔۔۔ اکبری دور کی تاریخ پر جس شخص کی کچھ بھی نظر ہے وہ ایک بدیہی حقیقت کی طرح اس بات کو جانتا ہے کہ اکبر میں جو مذہبی تغیر آیا (اس کی جو نوعیت بھی مانی جائے) اس میں فیضی اور ابوالفضل کا خاص حصہ تھا۔ اکبر کے اس مذہبی تغیر اور اُس کے "دین الٰہی" پر جس مصنف نے بھی مورخانہ انداز میں لکھا ہے اس نے ان دونوں بھائیوں کو اس کا ذمہ دار اور خاص اداکار قرار دیا ہے اور واقعہ یہ ہے کہ اگر ان لوگوں کو اس کھیل سے الگ کر لیا جائے تو اکبر کے اس ضلال اور "دین الٰہی" کی ایجاد و تصنیف کی کوئی تاریخی توجیہہ نہیں کی جا سکے گی اور کوئی سرا ہی ہاتھ نہ آ سکے گا ۔۔۔ اور اگر ان تمام خارجی شہادتوں سے قطع نظر بھی کر لیا جائے تو خود ابوالفضل پورے اکبر نامہ میں جس طرح اکبر کا نام صرف ادب اور تعظیم کے ساتھ نہیں بلکہ ایک گونہ تقدیس کے ساتھ لیتا ہے اور جس انداز میں اسکے ساتھ اپنی عقیدت و فدائیت کا اظہار کرتا ہے اور شروع میں تقریباً چالیس پچاس صفحے تک جس طرح اس نے اکبر کا "میلاد شریف" لکھا ہے جس کا پہلا عنوان ہے :-

"ذکر بعضے بشارات غیبی و اشاراتِ قدسی کہ پیش از سعادت ولادت حضرت شہنشاہی ظہور یافتہ" ص ۱۵/ج۱

اور ۸ صفحہ کے بعد دوسرا عنوان ہے۔

"ذکر طلوع نور اعظم و سطوع سعدِ اکبر یعنی سعادت ولادت حضرت شہنشاہی ظل اللّٰہی" ص ۲۳/ج۱

پھر جس جوش و خروش کے ساتھ پورے ایک صفحہ میں وہ اس پر خدا کا شکر ادا کرتا ہے کہ اس کو اکبر کا زمانہ ملا جس کا عنوان ہے۔

"شکر گذاری مولف ایں شرفنامہ ابوالفضل بر دریافت زمان سلطنت و دوام ملازمت حضرت شہنشاہی" ص ۶۲/ج۱

پھر جس طرح وہ اکبر کی "کرامات و خوارق عادات" کا ذکر کرتا ہے۔ جس کا مستقل عنوان ہے۔

"واز بدائع کرامات و غرائب خارق عادات حضرت شہنشاہی" ص ۵۲/ج۲

اور آئین اکبری کے آخر میں اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کی خاص نعمتوں کا ذکر کرتے ہوئے بیسویں[۲۰] نعمت اکبر کی "ارادت" کا جس طرح اُس نے ذکر کیا ہے، اور علی ہذا اکبر نامہ کی آخری جلد میں اکبر کی شان میں فیضی کا جو خاص قسم کا مدحیہ کلام نقل کیا ہے ——— تو کیا ان سب داخلی شہادتوں کے بعد کسی کے لیے یہ کہنے کی کوئی گنجائش رہ جاتی ہے کہ اکبر تو بیشک گمراہ تھا اور حدود اسلام سے نکل گیا تھا لیکن یہ دونوں بھائی "صحیح العقیدہ اور سنّی حنفی" تھے، بلکہ انھوں نے حضرت مجددؒ کی اصلاحی تحریک میں آپ کی مدد کی تھی؟

رہی یہ بات کہ ان کی تصانیف اور نظموں سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ صحیح العقیدہ اور سنی حنفی تھے، تو مذکورۂ بالا خارجی و داخلی شہادتوں کو سامنے رکھتے ہوئے اس کی توجیہ اس کے سوا اور کیا کی جا سکتی ہے کہ ملا عبدالقادر کے بیان کے مطابق یہ اکبر کی ہمنوائی میں بھی مخلص نہیں تھے بلکہ دنیا طلبی اور اپنے حریف علماء دین کی عداوت و بدخواہی میں انھوں نے شاہ پرستی کا یہ راستہ منافقانہ طور پر اختیار کر لیا تھا۔

مولانا شبلی مرحوم نے شعر العجم میں فیضی اور ابوالفضل کی حمایت کرتے ہوئے بھی ایک

انداز میں اس کا اعتراف کیا ہے کہ فیضی جیسا اپنی کتابوں میں "ملائے مسجدی" نظر آتا ہے وہ زندگی میں اس سے مختلف تھا۔

مندرجۂ بالا دلائل وشواہد کی بنا پر ان دونوں بھائیوں کی دینی حیثیت کے بارہ میں حسنِ ظن کی افسوس ہے کہ علمی طور پر کوئی گنجائش ہمیں نظر نہیں آتی، لیکن بایں ہمہ اگر ساری تاریخ غلط ثابت ہو جائے اور فیضی وابوالفضل بلکہ اکبر بھی عند اللہ صحیح العقیدہ مسلمان ہو تو ایک صاحبِ ایمان کی حیثیت سے ہم کو دلی مسرت ہوگی۔

ابوالفضل وفیضی اور حضرت مجدد الف ثانیؒ:۔

آسیر صاحب کا یہ دعویٰ بالکل ہی نیا اور نرالا تاریخی انکشاف ہے کہ ابوالفضل اور فیضی کے حضرت مجددؒ سے عقیدت مندانہ تعلقات تھے اور حضرت ممدوح ان دونوں سے خوش تھے اور اس وقت کے بڑے بڑے درباری اُمراء سے حضرت مجددؒ کی شناسائی اور اُن تک رسائی کا ذریعہ بھی دونوں بھائی بنے تھے۔

حیرت ہے کہ عام شہرت کے خلاف اتنا بڑا اور ایسا عجیب وغریب دعویٰ بغیر کسی ثبوت کے کر دیا گیا ہو۔ حضرت مجددؒ یا ابوالفضل وفیضی ان میں سے کسی کے بھی کسی سوانح نگار نے یہ بات نہیں لکھی ہے، ہاں ایسی بعض چیزیں ذکر کی گئی ہیں جن سے اس کے برعکس معلوم ہوتا ہے۔ مثلاً حضرت مجددؒ کے خلیفہ اور سوانح نویس حضرت خواجہ محمد ہاشم کشمیؒ نے آپ کی سوانح "برکات احمدیہ" میں ابوالفضل کے ایک شاگرد اور مصاحب کے حوالے سے حضرت مجددؒ کے ساتھ ابوالفضل کی ایک ملاقات کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے:۔

> اس صحبت میں ابوالفضل نے فلاسفہ اور اُن کے علوم کی بہت زیادہ تعریف و توصیف کی اور اس میں اس قدر غلو اور مبالغہ کیا کہ بات علماء دین کی توہین تک پہونچ گئی، حضرت مجددؒ نے فرمایا کہ امام غزالیؒ نے اپنے رسالہ "المنقذ من الضلال" میں لکھا ہو کہ فلاسفہ کے جو علوم زیادہ کار آمد ہیں وہ تو انبیاء سابقین کے علوم سے مسروقہ ہیں۔ ......اور جو ان کے علاوہ خود ان کی کاوشِ فکر کا نتیجہ ہیں...... وہ بالکل لغو اور

فضول ہیں، ابوالفضل غصہ میں آپے سے باہر ہوگیا اور بولا۔

غـزالی نامعقول گفت	غزالی نے یہ بات بالکل نامعقول کہی

حضرت مجددؒ ابوالفضل کے ان الفاظ سے سخت برہم ہو کر اس کی مجلس سے اٹھ گئے اور فرمایا۔

اگر ذوق صحبت با اہل علم داری	اگر اہلِ علم کی صحبت کا ذوق رکھتے
ازیں حرفہائے دور از ادب زبان	ہو تو ایسے دور از ادب الفاظ سے
باز دار (ص۱۳۱)	زبان روکو۔

اگرچہ اس کے آگے خواجہ محمد ہاشمؒ نے یہ بھی نقل کیا ہے کہ چند روز کے بعد ابوالفضل نے کسی کو بھیج کر آپ سے اس کی معذرت کی، لیکن ظاہر ہے کہ اس گفتگو کے بعد "عقیدت مندانہ تعلقات" کا دعویٰ کتنا غلط ہے۔

نیز انہی خواجہ محمد ہاشم کشمی نے حضرت خواجہ باقی باللہ کے خلیفہ خواجہ حسام الدینؒ کے تذکرہ میں لکھا ہے کہ خواجہ حسام الدین جو اُس وقت کے اُمراء اور مقربین بارگاہِ سلطانی میں سے تھے ـــــ اور ابوالفضل اور فیضی کے بہنوئی تھے ـــــ جب انھوں نے جاہ و مال کو خیرآباد کہہ کے درویشی اختیار کرنے کا فیصلہ کیا اور حضرت خواجہ باقی باللہؒ سے تعلق پیدا کرلیا تو ابوالفضل نے اُن کے راستہ میں بڑی بڑی رکاوٹیں ڈالیں اور اُن کے تنگ کرنے میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہیں رکھا۔ آگے لکھا ہے کہ۔

وے از غلبہ آزاراں مرد بحضرت	انھوں نے اس شخص کی (یعنی ابوالفضل
پیر بزرگوار اظہار دلتنگی نمود ـــ فرمودند	کی) ایذا رسانیوں سے مجبور ہو کر اپنے
"خاطر جمع دار کہ کار او دریں چند روز	پیر بزرگوار حضرت خواجہ کی خدمت میں
برہم شود" چنانکہ فرمودہ بودند بظہور	اپنی پریشانی کا ذکر کیا ـــــ آپ نے
آمد و دراں ایام مقتول گشت۔	ارشاد فرمایا "اطمینان رکھو انھی چند
(برکات احمدیہ ص۹)	دنوں میں اس کا معاملہ درہم برہم ہوجائے
	گا" ـــــ پھر جیسا کہ حضرت خواجہ نے

فرمایا تھا ظہور میں آگیا اور ابوالفضل انہی
ایام میں قتل کر دیا گیا۔

اسی سلسلہ میں حضرت مجددؒ کے صاحبزادے اور جانشین حضرت خواجہ محمد معصومؒ کا ایک مختصر سا بیان بھی پڑھ لیا جائے۔ ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں۔

از ابوالفضل یا فیضی نقل میکنند کہ میگفتہ کہ دنیا نقد است و آخرت نسیہ ہیچکس نقد را بہ نسیہ نفروختہ است۔ (مجموعہ مکتوبات خواجہ محمد معصوم موسومہ درۃ التاج مکتوب ۲۱)	ابوالفضل یا فیضی سے (یعنی دونوں میں سے کسی ایک کے بارہ میں) لوگ نقل کرتے ہیں کہ وہ کہا کرتا تھا کہ دنیا نقد ہے اور آخرت اُدھار اور نقد کو اُدھار کے عوض کس نے فروخت کیا ہے۔

حضرت خواجہ محمد معصومؒ اور خواجہ محمد ہاشم کشمی کے ان بیانات سے ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ حضرت مجددؒ کے مخصوص ترین فیض یافتگان جو در اصل حضرت ممدوح ہی کے ساختہ پرداختہ اور آپ کے علمی و عملی کمالات کا آئینہ تھے ان کے معلومات و خیالات ابوالفضل اور فیضی کے بارہ میں کیا تھے اور وہ حضرات ان دونوں کو کس نگاہ سے دیکھتے تھے، اسی سے یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ ان دونوں بھائیوں کے بارہ میں یہ کہنا کہ "حضرت مجددؒ سے ان کے عقیدتمندانہ تعلقات تھے اور حضرت ممدوح ان سے خوش تھے" کس قدر غلط بات ہے۔

اس سلسلہ میں آخری قابلِ ذکر بات یہ ہے کہ ہمارے دوست مولانا نسیم احمد فریدی امروہی جو حضرت مجدد الف ثانیؒ کے مکتوبات کی تلخیص و ترجمہ کا کام کر رہے ہیں اور حضرت ممدوح کے بارہ میں تحقیق و تجسس ان کا خاص موضوع ہے، انھوں نے حال ہی میں اپنے ایک خط میں اس عاجز کو لکھا ہے کہ

"دہلی کے شاہ زید ابن شاہ ابوالخیر نقشبندی مجددیؒ کے خط سے معلوم ہوا کہ حضرت مجددؒ نے ایک رسالہ رد ابوالفضل میں بھی لکھا تھا اور وہ اُن کے پاس ناقص حالت میں موجود ہے۔"

اور اسیر صاحب کا یہ دعویٰ تو عجیب سے عجیب تر ہے کہ حضرت مجددؒ کے مکتوبات میں اس

دور کے جن بڑے بڑے درباری اُمراء کے نام اصلاحی اور تجدیدی کام کے سلسلہ کے خطوط ہیں اُن تک حضرت ممدوح کی رسائی اور شناسائی کا وسیلہ اور ذریعہ یہی دونوں بھائی ابوالفضل اور فیضی بنے تھے اور اس طرح اس اصلاحی مہم میں وہ آپ کے مددگار تھے۔

معلوم ہوتا ہے کہ اسیر صاحب نے یہ جاننے کی بھی کوشش نہیں کی ہے کہ حضرت مجددؒ نے اپنی اصلاحی و تجدیدی مہم کا آغاز کب کیا ہے اور اس وقت ابوالفضل اور فیضی دنیا میں موجود بھی تھے یا نہیں، فیضی کا انتقال ۱۰۰۴ھ میں ہو چکا ہے اور ابوالفضل ۱۰۱۱ھ میں قتل کر دیا گیا ہے اور حضرت مجددؒ نے ۱۰۰۸ھ میں حضرت خواجہ باقی باللہؒ سے بیعت اور استفادہ کا تعلق قائم کیا ہے اور اس کے بعد ۴ سال تک (جب تک کہ حضرت خواجہ اس دنیا میں رونق افروز رہے) آپ یکسوئی کے ساتھ راہ سلوک کے خاص مشاغل میں مشغول رہے ہیں، پھر جب ۱۰۱۲ھ میں حضرت خواجہ واصل بحق ہو گئے تو اس کے کچھ عرصہ کے بعد آپ نے اس اصلاحی اور تجدیدی کام کی طرف توجہ کی جو آپ کا خاص کارنامہ ہے، بلکہ میدان میں تو آپ اس وقت آئے اور اصل مہم کا آغاز آپ نے اُس وقت کیا جب ۱۰۱۴ھ میں اکبر کے انتقال کے بعد جہانگیر تخت نشین ہوا (درباری اُمراء اور دوسری اہم شخصیتوں کے نام اس سلسلہ کے آپ کے جتنے مکاتیب دفاتر مکتوبات میں ہیں وہ سب جہانگیر ہی کے زمانہ کے ہیں) اس وقت ابوالفضل اور فیضی دونوں میں سے کوئی اس دنیا میں موجود نہیں تھا بلکہ مدتوں پہلے یہ اس دنیا سے جا چکے تھے۔

رہا یہ سوال کہ جن درباری اُمراء سے حضرت مجددؒ نے اپنی اصلاحی و تجدیدی مہم میں کام لیا اُن سے حضرت کا رابطہ کس طرح قائم ہوا؟ ـــــ تو اس کا اصل جواب تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جب کسی بندہ کو مقبولیت اور محبوبیت کا مقام عطا فرماتا ہے اور اُس سے کوئی بڑا کام لینا چاہتا ہے تو اس زمانہ کے جن لوگوں میں خیر و صلاح کا کچھ مادہ ہوتا ہے اُن کے دلوں میں اس بندہ کی قدر اور محبت ڈال دی جاتی ہے اور وہ خود کھنچ کے اس کے پاس پہونچ جاتے ہیں اور اُس کے اعضاء و جوارح بن جاتے ہیں ـــــ ایک حدیث میں بھی اس کا اشارہ ہے اور اسلام کی تیرہ سو سالہ اصلاحی و تجدیدی تحریکات کا تجربہ بھی یہی ہے ـــــ لیکن اگر اس کے بعد بھی کوئی نظر ایسی کسی شخصیت کو تلاش کرے جو حضرت مجددؒ اور اُس دور کے درباری اُمراء

ارکین سلطنت کے درمیان رابطہ کا ذریعہ بنی ہو۔ تو ایسی جانی پہچانی شخصیت نواب سید فرید بخاری کی موجود ہے۔ یہ اکبر کے زمانے میں بھی اچھے اونچے منصب پر تھے، اور جہانگیر نے تخت نشینی کے بعد ان کی قدر افزائی کرتے ہوئے ان کا منصب اور مقام اور زیادہ بلند کر دیا تھا۔ اکبر اور جہانگیر سلیم گڑھ (دہلی) میں ان کے مکان پر ٹھہرا بھی کرتے تھے، اور حضرت مجددؒ کے مکتوبات ہی سے معلوم ہوتا ہے کہ جہانگیر کو ان پر خاص اعتماد تھا ـــــ یہ نواب فرید بخاری حضرت خواجہ باقی باللہؒ کے خاص عقیدت کیشوں اور نیازمندوں میں تھے۔ حضرت کی خانقاہ کے مصارف انھوں نے ہی اپنے ذمہ لے رکھے تھے۔ اور حضرت خواجہ کے وصال کے بعد جب آپ کے خلیفہ خواجہ حسام الدینؒ نے خانقاہ کی ذمہ داری سنبھالی تو اس وقت بھی خانقاہ کے سارے مصارف نواب سید فرید ہی ادا کرتے رہے، مکتوبات امام ربانی کے دفتروں میں انہی نواب فرید کے نام بیسیوں مکاتیب ہیں۔ بلکہ کہا جا سکتا ہے کہ اصلاحی و تجدیدی سلسلہ کے زیادہ اہم مکاتیب اکثر و بیشتر انہی کے نام ہیں۔ اور انہی مکاتیب سے معلوم ہو جاتا ہے کہ حضرت مجددؒ کے ان کے ساتھ کتنے گہرے اور کیسے خاص تعلقات تھے، پس اگر حضرت مجددؒ اور اس دور کے اُمراءِ دربار کے درمیان ربط و تعلق کے لیے کسی شخصیت کا وسیلہ بننا ضروری ہو تو وہ شخصیت نواب سید فرید بخاری کی موجود ہے۔ اس کے لیے فیضی اور ابوالفضل کو (جو اس دور سے بہت پہلے انتقال کر چکے تھے) قبروں سے اٹھانا حیرت انگیز بوالعجبی ہے۔

(صفحہ ۵ کا بقیہ)

ہوتی ہے، اس کی راہ میں مٹ جانے، سب کچھ کھونے اور لٹا دینے ہی سے حاصل ہوتا ہے۔

کھوئے کھوئے سے رہنے لگے بالآخر مسند جاہ چھوڑ دیوانہ وار نکل پڑے، دشت دشت کی خاک چھانی، مشقتیں برداشت کیں، پھر دمشق پہونچ کر سماطیہ کی خانقاہ میں وہ گوہر مراد مل گیا۔ ـــ ایک زمانہ گزر گیا کوئی آپ کو پہچان نہیں سکا اور اسی میں آپ کو سکون تھا، پوری توجہ اپنے پروردگار کی طرف تھی اور بس! لیکن ایک دن جب راز کھل گیا اور دمشق کے بھی بغداد بن جانے کا خطرہ نظر آنے لگا تو پھر اگلے دن کی صبح آنے سے پہلے ہی وہ دمشق کو بھی خیرباد کہہ چکے تھے۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ

(رحلۃ ابن بطوطہ، طبقات الشافعیۃ الکبریٰ للسبکی، فی صحن الاموی للاستاذ علی الطنطاوی)

ساعتے با اولیاء

گدڑی میں لعل

(اقبال احمد اعظمی)

(۱)

"جامع اموی" سے اسلامی تاریخ کا کون طالب علم واقف نہیں، اس کے ساتھ مسلمانوں کی عظمت و شوکت اور جہاد و قربانی کی تاریخ وابستہ ہے، وہ شام کے سب سے بڑے انقلاب کی مجسم تاریخ ہے، خالد و ابو عبیدہ کے متبرک ہاتھوں نے اس کی بنیاد ڈالی اور ولید نے اسے مکمل کرایا ہے۔ وہ حسن و جمال، کشش و جاذبیت اور مضبوطی و استحکام کے اعتبار سے مسلم فن تعمیر کے امتیاز کی آپ شہادت ہے، سیکڑوں گز کا طول و عرض، قسم قسم کے مرمری ستونوں اور محرابوں سے مرصع، رنگ برنگ کے جھاڑ فانوس سے آراستہ، دونوں طرف سربفلک منارے، منارۂ عیسیٰ ہے کہ بلندی و استحکام میں اپنی نظیر آپ، منارۃ العروس ہے کہ مسلم آرٹ کا ایک قابل دید شاہکار، سامنے سیکڑوں گز وسیع ایک خوشنا صحن اور صحن میں تین قبے! دو مغرب و مشرق میں ہیں جو "قبۂ عائشہ" اور "قبۂ زین العابدینؓ" سے موسوم ہیں ایک چھوٹا خوبصورت قبہ وسط صحن میں اس کے نیچے ایک صاف شفاف حوض، چاندی کی طرح چمکدار سفید پتھروں سے بنا ہوا، کناروں پر رنگین پتھروں کی منزی، بیچ میں تانبے کی نلکی سے ابلتا ہوا فوارہ اور حوض کے چاروں طرف کی روشن قندیلیں ایک عجیب کشش پیدا کرتی ہیں، اور ہوا کی لہریں تو ایسی دکھائی دیتی ہیں جیسے پانی کی سطح پر سنہری مچھلیاں تیر رہی ہوں۔

یہ تو مسجد کا ظاہری جمال ہے، معنوی رونق بھی کچھ کم نہیں، چاروں طرف دین کے چرچے ہو رہے ہیں، وعظ و ذکر، تسبیح و تلاوت سے فضا معمور ہے، تعلیم و تدریس کے نوع بہ نوع حلقے ہیں، ایک طرف حدیث کا حلقہ ہے اور "قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم" کی صدائیں بلند ہو رہی ہیں۔ دوسری طرف ایک مفسر آیات قرآنی کے نکتے بتا رہا ہے اور کہیں ایک فقیہ بیٹھا کتاب و سنت سے مسائل کے احکام سمجھا رہا ہے۔ مسجد کیا ہے دنیا میں جنت کا ایک نمونہ ہے۔ ارد گرد پہاڑی چشمے ابل رہے ہیں باغات کے اندر نہریں رواں دواں ہیں، پھولوں سے فضا مہک رہی ہے اور طائران خوشنوا مست ہو، ہو کر گا رہے ہیں ــــ کیا حسن و جمال اور کیا شان دلکشی ہے! دل کا سکون آنکھوں کی ٹھنڈک، محبت الٰہی اور عشق حقیقی کی گرمی جو وہاں ہے وہ دنیا کی دوسری چیزوں میں کہاں مل سکتی ہے۔

(۲)

۴۹ھ کی گرمیوں کی ایک رات ہے، یوں تو پورا عرب ہی راتوں کے سلسلے میں بڑا خوش موسم واقع ہوا ہے۔ پھر شام اور اس کی بہاریں، اور اس پر یہ اسباب زیب و زینت عجیب لطف پیدا کرتے ہیں۔ لوگ جوق در جوق مسجد میں آتے اور صحن میں جمع ہوتے جا رہے ہیں۔ کوئی ابھی پہونچا ہے اور وضو کے لئے حوض کی طرف بڑھ رہا ہے، کوئی وضو کر چکا ہے اور درس کی مجلسوں میں شریک ہو گیا ہے، کچھ لوگ ذکر الٰہی میں مستغرق ہیں تو کچھ روتے گڑگڑاتے اپنی خطائیں معاف کرا رہے ہیں یہ صرف عبادت خانہ ہی نہیں ہے، یہاں مجلسیں بھی استوار ہوتی ہیں، سب آپس میں ایک دوسرے سے ملتے اور اخوت اسلامی کے رشتہ کو مضبوط کرتے ہیں۔

ایک طرف یہ مناظر ہیں اور دوسری طرف قبۂ زین العابدین کے پاس ایک شخص خاموش بیٹھا ہوا ہے، اس کی صورت فقیروں جیسی ہے، کپڑے پھٹے ہوئے اور غریب الوطنی کے آثار پوری طرح نمایاں ہیں، وہ ہر چیز کو اچٹتی نظروں سے دیکھ رہا ہے، کبھی لوگوں کی طرف دیکھتا ہے تو کبھی مسجد کے نظارہ میں محو ہو جاتا ہے، وہ جامع اموی کے مضبوط در و دیوار اور اسکے سر بفلک مناروں سے اس کی تاریخ پڑھ رہا ہے، اسے مسجد کے جمال اور اس کے چمکدار

پتھروں میں خالد و ابو عبیدہ، ولید و عمر بن عبدالعزیز، اور نور الدین و صلاح الدین کے چہرے دکھائی دے رہے ہیں، وہ انھیں دیکھ دیکھ کر خوش ہو رہا ہے اور دل ہی دل میں اپنی عظمت کی ان ابدی یادگاروں پر فخر کرتا جا رہا ہے۔ کہ یکایک ایک دیہاتی باہر سے ایک سوال لے کر مسجد کے اندر داخل ہوتا ہے اور مفتیوں کے حلقہ میں پہونچ کر اپنا سوال پیش کر دیتا ہے۔ سوال شاید اہم ہے، مفتیان کرام کے پاس اس کا حل نہیں، پھر فقہا و محدثین کے حلقوں کا چکر لگاتا ہے اور وہاں سے بھی اس کو جواب نہیں ملتا آخر مایوس ہو کر واپسی کا ارادہ کر لیتا ہے۔

پردیسی "فقیر" یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا، اسے علماء و فقہا پر تعجب ہو رہا تھا، اسے کوئی نہیں جانتا تھا لیکن وہ علم کا بحر زخار تھا، یہ چیز اس پر شاق تھی کہ ایک شخص دین کی پیاس لے کر آئے اور پیاسا ہی لوٹ جائے، سائل کو بلایا اور کہا ... بھائی! ذرا ہمیں بھی اپنا سوال بتاؤ، شاید اللہ تعالیٰ کوئی جواب سجھا دے اور تمھارا مسئلہ حل ہو جائے۔
دیہاتی قہقہہ مار کر ہنس پڑا اور بلند آواز سے کہنے لگا ـــ "ذرا اس پگلے کو دیکھئے! جس مسئلے میں وقت کے بڑے بڑے مفتی اور فقیہ و محدث عاجز رہ گئے یہ اس کا جواب سُننے آیا ہے"۔

لوگ اس کی آواز پر بڑھے، کچھ لوگوں نے کہا۔ "چھوڑو بھی، اس سے کہاں اُلجھ گئے جاؤ اپنا کام کرو"۔ دوسروں نے کہا ـــ "بھائی حرج ہی کیا ہے ان کے سامنے بھی ذکر کر دو، ممکن ہے ان کے پاس اس کا صحیح جواب موجود ہو، البتہ مفتیان کرام سے اس کے بعد بھی استصواب ضرور کرا لینا"۔ ..... بات یہیں تک پہونچی تھی کہ مؤذن نے مسجد کے بلند مینار سے اللہ اکبر، اللہ اکبر کی صدا سے اذان شروع کر دی۔
لوگ خاموش ہو گئے، قرار و مدرسین کی آوازیں بند، ذاکرین کی صدائیں اور اہل دل کے گریئے رُک گئے وہ "نبوت" کی اس مقدس پکار کو بڑے اشتیاق سے اور کان لگا کر سنتے اور لبیک کہتے جا رہے ہیں جیسے مناروں کی یہ آواز انھیں آسمان سے آتی ہوئی معلوم ہو رہی ہے جس میں وحی کا رعب و جلال اور ایمان کا جمال ہے!

اذان ختم ہوئی، لوگ مل کر صفوں میں شانہ بشانہ کھڑے ہو گئے۔ "فقیر" بھی ساتھ کھڑا ہو گیا اور امام نے اللہ اکبر کہہ کر نماز شروع کر دی۔ اب یہ مجمع ایک دوسرے عالم میں ہے اور گویا دنیا کی ہر چیز اس کے لئے فنا ہو گئی ہے ـــ "اللہ اکبر" (اللہ سب سے بڑا ہے) کا عظیم کلمہ ان سے جھنجھوڑ جھنجھوڑ کر کہہ رہا ہے، ـــ "ہماری طرف اور صرف ہماری طرف دیکھو، دنیا کی طرف کیوں دیکھتے ہو، کیا تم اس کے دست نگر ہو؛ نہیں وہ تمہاری دست نگر ہے کیونکہ تم ہمارے ہو اور دنیا ہماری ملک اور محتاج!" ـــــ نماز ختم ہوئی، دیہاتی "فقیر" کے پاس اٹھ کر گیا اور پورے گنوارپن سے گویا ہوا "کیا تم سمجھتے ہو کہ تم میرا جواب دے سکو گے، کیا تم اپنی پہلی بات پر قائم ہو؟"

..... جی ہاں! میں اپنی بات پر پوری طرح قائم ہوں اور مجھے اللہ کی مدد پر پورا بھروسہ ہے" ـــ "فقیر" نے کہا ـــ سائل نے اپنا سوال رکھا اور "فقیر" نے کسی غور و تامل کے بغیر اس کا جواب دیا اور فوراً دروازہ سے باہر نکل گیا ـــ لوگوں نے دیہاتی کو گھیر لیا اور اس سے پوچھنا چاہا لیکن اس نے اس وقت تک ایک حرف بتانے سے انکار کر دیا جب تک وہ مفتیوں سے استصواب نہ کر لے، وہ گیا اور پھر لوٹ کر لوگوں سے کہنا شروع کیا، "اس فقیر کو تو آپ لوگوں نے دیکھ لیا ہے اس نے میرے سوال کا بالکل صحیح جواب دیا۔"

لوگ اس کا مذاق اڑانے لگے لیکن جب اس نے فقیر کا جواب سنایا تو لوگوں کی حیرت کی انتہا نہ رہی کسے گمان تھا کہ گدڑی میں لعل چھپا تھا، اب انھیں اس کے پانے کا شوق پیدا ہوا، حیرت ہے اس علم و فضل کے ساتھ یہ پراگندہ حالی یا اس پراگندہ حالی کے ساتھ یہ فضل و کمال! یہ فقیر کون ہے؟ افسوس ہم نے اس شخص کو نہیں پہچانا، یقیناً وہ کوئی صاحب کمال ہے، بیشک وہ اللہ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے، وہ ہمیں علم کی حقیقت، فقر کی بلندی اور تواضع کی عظمت دکھلانے آیا تھا ـــ چلو اسے تلاش کریں، پانے کی کوشش کریں، ـــ لوگ آپس میں ایک دوسرے سے کہنے لگے ـــ مگر وہ تو چلا گیا، کیا کوئی اس کا پتہ جانتا ہے؟

..... "جی ہاں! ـــ ایک شخص نے کہا ـــ ایک عرصہ تک میں نے دیکھا کہ وہ خانقاہ سمیساطیہ کے دروازہ پر بیٹھا رہتا اور خانقاہ کا حمام اور اس کی نالیاں صاف کیا کرتا

تھا۔ یہاں تک کہ اہل خانقاہ نے اسے اجازت دی اور اندر بلالیا۔ پھر ہم نے اسے جب بھی دیکھا نماز و ذکر میں مشغول ہی پایا"۔۔۔

لوگ خانقاہ میں پہونچے، "فقیر" وہاں موجود تھا، پوچھا: "آپ کون ہیں؟"

"..... میں ایک انسان ہوں ۔۔۔ فقیر نے جواب دیا۔

..... جی یہ تو ہم بھی جانتے ہیں، لیکن ہم آپ کو قسم دلاتے ہیں اور اللہ وحدہ لاشریک لہ کا واسطہ دے کر عرض کرتے ہیں، بتلائیے آپ کا نام کیا ہے؟"

..... "انا للہ وانا الیہ راجعون" افسوس! تم نے قسم دلادی ۔۔۔ مجھے ابو حامد الغزالی کہتے ہیں .... "حجۃ الاسلام"، "حجۃ الاسلام" کے نعرے لگنے لگے، لوگ زیارت و مصافحہ کے لئے بے اختیار بڑھے، دست بوسی کی اور آداب و سلام کے بعد کل کی حاضری کا وعدہ کرکے چلے گئے۔

(۳)

یہ ابو حامد الغزالی بغداد کے شیخ الاسلام تھے، عزت و جاہ کا کیا کہنا! مسلمانوں کے پیشوا اور مرجع خلائق تھے، اسلامی حکومت کا کوئی اہم دینی کام آپ کے مشورہ کے بغیر نہیں ہوتا تھا، خلیفۂ وقت بھی آپ کے حضور گھٹنے ٹیک دیتا، ہر وقت سیکڑوں طالب علم آپ کے درس میں شریک ہوتے اور درس و تدریس کا بازار گرم رہتا۔ علم و فضل میں ایک دنیا آپ سے مرعوب تھی، اس وقت کا کونسا ایسا رائج فن تھا جس پر آپ عبور نہ رکھتے ہوں، فقہ و تفسیر عقائد و کلام تو خیر دینی فنون تھے، دنیاوی فن "فلسفہ" جو اس وقت پورے عروج پر تھا اس پر انھیں اس درجہ عبور تھا اور اس میں وہ نکتے پیدا فرماتے تھے جو ارسطو کو بھی مشکل ہی سے نظر آتے اس فن پر توجہ کی تو کہیں سے کہیں پہونچا دیا، نظریں پھیریں تو پھر چولیں ہلا کر ہی دم لیا اور ساری عمارت کو اس طرح متزلزل کر دیا کہ پھر ہزار کوششوں کے بعد بھی اپنی پہلی حالت پر نہ آسکی۔ علم و فضل کے ساتھ عزت و شہرت اور جاہ و مال سے مالا مال تھے، لیکن ایک جوہر تھا جسے وہ اپنے اندر مفقود پاتے تھے، وہ تھا نورِ حق اور سکینتِ قلب! اور شاید وہ ان سب لوازم کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتا تھا، وہ جوہر تو فقر و سکنت، بے سر و سامانی اور اللہ کا

(باقی ص۴۹ پر)

آج دنیا سے نازِ مشیخت گیا

حضرت شاہ عبدالقادر رائپوریؒ کے انتقال پر

(مولانا محمد ثانی حسنی)

بہت افسوس ہے کہ یہ نظم گزشتہ شمارہ میں شریک ہونے سے رہ گئی ——— مرتب

آج دنیا سے نازِ مشیخت گیا — جس سے حاصل تھی دل کو سکینت گیا
راہِ احسان پر جو چلاتا رہا — آہ وہ خضرِ راہِ طریقت گیا
دین کے جس سے پائے جہاں نے نشان — مشعلِ راہِ دین و شریعت گیا
جس سے تقویٰ کا سیکھا تھا سب نے سبق — وہ سراپا یقین و خشیت گیا
جس نے ایثار میں زندگی کی بسر — پیکرِ صبر و ہمت عزیمت گیا
عمر بھر جس نے کی پیرویٔ رسولؐ — رہبرِ راہِ قرآن و سنت گیا
ذکر کی مجلسیں جس سے آباد تھیں — مجلسِ ذکر و تقویٰ کی زینت گیا
جس کی صحبت میں ملتا تھا دل کو جِلا — پاک دل خوش زباں نیک طینت گیا
جس کی خدمت میں جا کر کے پایا سکون — سادہ دل نیک خو خوش طبیعت گیا
فیض پاتے تھے جس ذات سے خاص و عام — جس کی اکسیر تھی نیک صحبت گیا
جس سے شاداب تھا باغِ عبدالرحیمؒ — لے کے وہ باغ کی ساری نکہت گیا
عبدِ قادرؒ جہاں دیدہ و ہوشمند — مسکراتا ہوا باغِ جنت گیا
جس کو شیخ المشائخ کہو تو بجا — وہ ہی قطبِ جہاں قطبِ ملت گیا
اس کے جانے سے اجڑا دلوں کا چمن — وائے قسمت سراپا محبت گیا
ڈھونڈتی ہے اسی کو ہماری نگاہ — اُف کہاں مونسِ رنج و کلفت گیا
"اللہ اللہ" ہمیں اب سکھلائے گا کون — ذکر کرنے کے وہ ساری لذت گیا
سانحہ ہے یہ سب کے لئے دل گداز — ایک ہیرا تھا وہ بیش قیمت گیا
تم نہ چھوڑو کسی حال ذکرِ خدا — وہ یہی کر کے سب کو وصیت گیا

دل گرفتہ ہو لیکن کرو صبر تم
تھی اسی میں خدا کی مشیت گیا

تاریخ وفات شیخ ربانی حضرت مولانا رائے پوری قدس سرہ

(از حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمی مدظلہ)

قضی الشیخ عبد القادر الیوم نحبہ وکان اجل العارفین واکرما
بکیت، وما یغنی البکاء، فقیل لی ومن ذا یرزء تم، قلت: "شیخاً معظماً"
۱۹۶۲ء

دیگر بزبان اردو

(از مولانا محمد ظفیل الرحمٰن صاحب نائب مفتی دار العلوم دیوبند)

کہاں جائیں کریں ہم ذکر کس سے اس مصیبت کا — کہ سایہ اٹھ چکا ہے سر سے اک شیخ طریقت کا
اٹھے افسوس اس عالم سے عبد القادر ثانی — امام اولیائے عصر یعنے شیخ ربانی
وہ جن کے فیض سے مردہ دلوں نے زندگی پائی — رہے ہیں جو ہمیشہ مظہر شان مسیحائی
وہ جو ممتاز تھے دنیا کے اندر استقامت میں — ریاضت میں ولایت میں کرامت میں ہدایت میں
خدا کا جن کے اوپر خاص اک انعام رہتا تھا — علوم معرفت کا قلب پر الہام رہتا تھا
جو تھے مسند نشین خاص دربار رحیمی کے — جہاں جلوے نظر آتے تھے فیضان کریمی کے
بزرگوں کی وراثت تھے، اکابر کی نشانی تھے — جو ذات حق سے باقی تھے، جو ذات حق میں فانی تھے
روانہ جانب عقبیٰ ہوئے وہ مرشد عالم — ہوئی روحانیت افسوس جس سے درہم و برہم

لکھی میں نے یہ تاریخ وفات قطب ربانی
گئے دار البقاء کو اب وہ عبد القادر ثانی
۸۲ ۱۳ ھ

سوانح حیات حضرت رائپوری رحمۃ اللہ علیہ مولانا سید ابو الحسن علی ندوی حضرت نور اللہ مرقدہ کی سوانح حیات مرتب فرما رہے ہیں جن حضرات کے پاس اس سلسلہ میں کار آمد مواد ہو براہ کرم وہ مولانا محترم کو ارسال فرما کر اس کام کی تکمیل میں حصہ لیں۔ "نعمانی"

ماہنامہ

الفرقان لکھنؤ

30 (5)

ہماری دعوت

لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ

اسی کلمہ پر اسلام کی بنیاد ہے، اور ہمارا ایمان ہے کہ یہی انسانیت کی نجات کا کلمہ ہے

لیکن یہ صرف ایک بول ہی نہیں ہے بلکہ ایک شہادت، ایک اصول اور ایک اہم فیصلہ اور عہد ہے

اس بات کا عہد کہ ہم صرف اللہ کی عبادت اور بندگی کریں گے، اور زندگی کے ہر شعبہ میں اسی کے بھیجے ہوئے

رسول حضرت محمد صلعم کی لائی ہوئی ہدایت اور شریعت کی پیروی کریں گے، اور اسی حال پر جئیں گے اور مریں گے

جو لوگ اس کلمہ پر ایمان لا چکے ہیں ان کا فرض ہے کہ زندگی اس عہد کے مطابق گزاریں اور اسی ایمانی

زندگی کو دنیا میں رواج دینے کی کوشش کریں، وہ اسی لیے پیدا ہوئے ہیں۔ ہم اسی کا

عہد کرتے ہیں، اسی کی دعوت دیتے ہیں، اور اسی پر جینا اور مرنا چاہتے ہیں

فاطر السموٰت والارض انت ولیی فی الدنیا والآخرة

توفنی مسلما والحقنی بالصالحین

ادارۂ الفرقان

مسئول

محمد منظور نعمانی

مرتب

عتیق الرحمٰن سنبھلی

چندہ
(ہند و پاک سے)
سالانہ: ---- ۶/-/-
ششماہی: ---- ۳/-/-
فی کاپی: ---- -/۶۰/-

چندہ
(دیگر ممالک سے)
سالانہ: ---- ۱۲ شلنگ
اعزازی چندہ
سالانہ: ---- ۱۵/-/-

جلد (۳۰) | بابت ماہ جمادی الاولیٰ ۱۳۸۲ھ مطابق نومبر ۱۹۶۲ء | شمارہ (۵)

اگر اس دائرے میں ⋯ سُرخ نشان ہے، تو

اس کا یہ مطلب ہے کہ آپ کی مدّتِ خریداری ختم ہوگئی ہے، براہِ کرم آئندہ کیلئے چندہ ارسال فرمائیں، یا خریداری کا ارادہ نہ ہو تو مطلع فرمائیں۔ چندہ یا کوئی دوسری اطلاع ۱۴ نومبر تک دفتر میں ضرور آجائے، ورنہ اگلا شمارہ بصیغۂ وی، پی ارسال ہوگا۔

پاکستان کے خریدار: — اپنا چندہ "سکریٹری اصلاح و تبلیغ آسٹریلین بلڈنگ لاہور" کو بھیجیں، اور منی آرڈر کی پہلی رسید ہمارے پاس فوراً بھیجدیں!

نمبر خریداری: — براہِ کرم خط و کتابت اور منی آرڈر کے کوپن پر اپنا خریداری نمبر ضرور لکھ دیا کیجئے۔

تاریخِ اشاعت: — "الفرقان" ہر انگریزی مہینہ کے پہلے ہفتہ میں روانہ کر دیا جاتا ہے اگر ۲۰ تاریخ تک بھی کسی صاحب کو نہ ملے تو فوراً مطلع فرمائیں اسکی اطلاع ۲۸ تاریخ کے اندر آجانی چاہئے، اسکے بعد رسالہ بھیجنے کی ذمہ داری دفتر پر نہ ہوگی۔

دفتر "الفرقان" کچہری روڈ لکھنؤ

(مولوی) محمد منظور نعمانی پرنٹر و پبلشر ایڈیٹر و پروپرائٹر نے تنویر پریس لکھنؤ میں چھپوا کر دفتر الفرقان کچہری روڈ لکھنؤ سے شائع کیا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نگاہِ اوّلیں

ہمارے دینی مدارس کا ماضی، اور حال و مستقبل :-

دارالعلوم دیوبند اور مظاہر علوم سہارنپور جیسی اپنی قدیمی دینی درسگاہوں کو ہم نے ہمیشہ "دینی قلعے" کہا، اور سمجھا ہے۔ اور یہ واقعہ ہے کہ اس صدی میں ہمارے اس ملک میں دین کی خدمت و حفاظت کا سب سے بڑا کام انہی اس کے ذریعہ انجام پایا ہے ——— دین کی جو خدمت جس شکل میں بھی اس دور میں کہیں ہوئی ہے یا اب ہو رہی ہے، اگر آپ اس کا شجرۂ نسب معلوم کریں گے تو اس کو بلا واسطہ یا بالواسطہ کسی دینی مدرسہ ہی کا فیض پائیں گے۔

تصنیف و تالیف، ارشاد و تبلیغ اور دینی خطابت و صحافت ان سارے ہی میدانوں میں جن جن شخصیتوں یا اداروں نے ہماری اس صدی میں دین کی کوئی واقعی خدمت ہمارے اس ملک میں کی ہے اُن میں سے ایک ایک کے بارے میں آپ تحقیق و تفتیش کریں تو یقیناً اسی نتیجہ پر پہنچیں گے کہ ان میں سے ہر ایک کا سلسلۂ نسب کسی نہ کسی درسگاہ سے ملا ہوا ہے اگر بالفرض اُسنے خود کسی دینی مدرسہ کا باقاعدہ طالب علم بن کر نہیں پڑھا ہے تو علمِ دین میں ایسے اساتذہ سے ضرور استفادہ کیا ہے جو ان مدرسوں ہی کی پیداوار تھے۔

پھر جب اس پہلو پر بھی غور کیا جاتا ہے کہ ان مدارس نے یہ سارا کام زمانہ اور فضا کی کس درجہ ناموافقت، احوالِ وقت کی کیسی ناسازگاری، مادی وسائل سے کتنی تہی دامنی اور کس قدر کسمپرسی کی حالت میں کیا، تو انکے اس کارنامہ کی عظمت سے دل اور بھی زیادہ متأثر ہوتا ہے۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ یہ جو کچھ ہوا اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور اُس کی نصرت و تائید سے ہوا، لیکن عالمِ ظاہر میں اُسکے کچھ اسباب بھی تھے، اور وہ ان مدارس کی کچھ خصوصیات تھیں، اور اللہ تعالیٰ کی غیبی نصرت و تائید بھی انہی سے وابستہ تھی ——— وہ خصوصیات ہماری نظر میں یہ تھیں :-

(۱) ان مدارس کے پہلے بانیوں نے (ان کی تربتوں پر اللہ کی رحمتیں نازل ہوں) ان کا مقصد صرف یہ قرار دیا تھا کہ ان میں تعلیم و تربیت کے ذریعے ایسے لوگ تیار کئے جائیں جو میراث نبوت (علم دین) کے حامل و امین ہوں، اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی آخرت کی فلاح اور دین کی بقا اور فروغ اُن کا مطمحِ نظر ہو، اور اپنی صلاحیت و استعداد کے مطابق دین اور علم دین کی

خدمت واشاعت ہی کو وہ اپنا نصب العین اور مشغلۂ حیات بنائیں ـــــــ ان مدارس کی فضا اور وہاں کی پوری زندگی ابتدائی دور میں اس مقصد سے پوری طرح ہم آہنگ تھی۔

(۲) اساتذہ اسی نیت اور اسی جذبے سے پڑھاتے تھے، اور اُنکی سیرت اور پوری زندگی انکی نیت کا مظہر ہوتی تھی، اور ان کا یہ ظاہری و باطنی حال حسب صلاحیت و استعداد طلبہ کی طرف بھی متعدی ہوتا تھا۔

(۳) ان مدارس میں یہ تعلیمی و تربیتی کام اُسی قسم کی یکسوئی کے ساتھ ہوتا تھا جس طرح کی یکسوئی کیساتھ خانقاہوں میں تزکیۂ نفس اور سیرت سازی کا کام ہوتا تھا، اسلئے اُس وقت کے طالبین علم باہر کی زہریلی ہواؤں سے بڑی حد تک محفوظ رہتے تھے، اُن کے لئے بس اُنکے باخدا اساتذہ اور اساتذہ کے اکابر و اساتذہ ہی آئیڈیل اور قابل تقلید نمونہ ہوتے تھے، اور اُنکے نقش قدم پر چلنا اور اُنکی صفات اپنے اندر پیدا کرنا ہی اُن کا مُنتہائے نظر ہوتا تھا۔

(۴) کتابی تعلیم کیساتھ اُنکی سیرتیں بھی ان مدرسوں میں ایک خاص سانچے میں ڈھلتی تھیں۔ وہ "عالم" ہونے کے علاوہ دین کے باوقار نمونے بھی ہوتے تھے، اور کم از کم اپنے حلقۂ واقفیت میں اُن کا ایک خاص دینی اور اخلاقی اثر ہوتا تھا۔

اِس طرح ان مدارس میں دین کے مخلص صاحب سیرت اور با اثر خادم تیار ہوتے رہتے تھے، اور مدرسوں کی طالب علمی سے فارغ ہونے کے بعد یہ حضرات اپنی اپنی صلاحیت و استعداد اور قابلیت و مناسبت کے مطابق خدمتِ دین کے کسی چھوٹے بڑے کام میں لگ جاتے تھے۔

ان میں سے بعض اپنے جذبۂ اخلاص، اپنی خاص صلاحیت، مقصد سے عاشقانہ شغف اور اُسکی راہ میں انتھک محنت و مشقت کی وجہ سے دین کا اتنا کام کرتے تھے جتنا آج کل بڑے بڑے اداروں سے نہیں ہو پاتا۔

ہمارے نزدیک ان مدارس کے ابتدائی دور کی یہ تھیں وہ خصوصیات جن کی وجہ سے حالات کی ناموافقت اور وسائل سے تہی دامنی کے باوجود انکے ذریعہ اتنا بڑا کام انجام پاسکا ـــــــ لیکن اس دنیا کے عام قانون و دستور کے مطابق کچھ مدت کے بعد ان خصوصیات میں انحطاط و اضمحلال آنا شروع ہوا ـــــــ اب سے قریباً ۴۰ سال پہلے جب میں ان مدرسوں میں ایک طالب علم کی حیثیت سے پڑھتا تھا، اُس وقت بھی ان خصوصیات میں کافی انحطاط آچکا تھا، اِسلئے خود میں نے ان مدارس کا وہ نقشہ نہیں دیکھا جس کا ذکر اوپر کیا گیا ہے، لیکن اپنے بعض اساتذہ کو اس کو یاد کر کر کے روتے ہوئے دیکھا ہے ـــــــ پھر بھی اتنے اثرات باقی تھے کہ جن میں کچھ بھی صلاحیت ہوتی تھی اُن میں آخرت کی فکر و طلب

دنیا کی فکر و طلب پر غالب رہتی تھی ——— اپنے لئے اپنے اساتذہ اور دینی اکابر ہی کو وہ آئیڈیل اور معیار و نمونہ سمجھتے تھے اور اُنکے نقش قدم پر چلنے اور اُن کی صفات اپنے اندر پیدا کرنے کو وہ اپنی سب سے بڑی کامیابی اور سرفرازی سمجھتے تھے۔

میرے زمانۂ طالب علمی میں، بلکہ اُس سے بھی کچھ پہلے یہ بیماری مدرسوں میں آچکی تھی کہ بعض طلبہ کسی یونیورسٹی کے شعبۂ السنہ مشرقیہ کا کوئی امتحان بھی نجی طور پر (بلکہ زیادہ تر مخفی طور پر) دیدیتے تھے تاکہ ایک دنیوی سند بھی انھیں مل جائے اور کسی اسکول یا کالج میں عربی یا فارسی کی معلّمی کی ملازمت کا قانونی استحقاق انھیں حاصل ہو جائے۔ لیکن ہمارے ان مدرسوں کی عام فضا میں اس کو بُری نگاہ سے دیکھا جاتا تھا، اور سمجھا جاتا تھا کہ یہ طالب علم "لائن بدلنے" کی تیاری کر رہا ہے ——— خود میرا یہ واقعہ ہے کہ دارالعلوم دیوبند کی طالب علمی سے پہلے جبکہ میں ایک چھوٹے مدرسہ میں متوسط درجہ کی کتابیں پڑھ رہا تھا، میرا ذہن اس طرف چلا، میں نے پنجاب یونیورسٹی کے "مولوی فاضل" کے امتحان کا ارادہ کیا، اُس وقت میرا اندازہ تھا کہ مجھے اس امتحان کیلئے کوئی الگ محنت بالکل نہیں کرنی پڑے گی، میں بغیر کسی خاص تیاری کے بڑی آسانی سے کامیابی حاصل کر لوں گا۔ میں نے ارادہ کر لیا اور منصوبہ بنا لیا، غالباً کسی ساتھی سے استاذ مرحوم (حضرت مولانا کریم بخش سنبھلی رحمۃ اللہ علیہ) کو پتہ ہو گیا، حضرت مرحوم نے (اللہ تعالیٰ اُن کے ساتھ اپنی رحمت کا خاص معاملہ فرمائے) ایک بعد نماز مغرب مجھے بڑی دردمندی سے سمجھایا، اور الحمدللہ میں نے اُسی وقت طے کر لیا کہ اب ایسا نہیں کروں گا، اور پھر ساری عمر اس کا وسوسہ بھی نہیں آیا۔

میں یہ عرض کر رہا تھا کہ اب سے قریباً ۴۰ سال پہلے میرے زمانۂ طالب علمی ہی میں بلکہ اس سے بھی کافی مدت پہلے ہمارے ان دینی مدارس کی دینی و رُوحانی خصوصیات میں بہت کچھ انحطاط آچکا تھا اور ظاہری و باطنی فساد لہروں سے یہ محفوظ نہیں تھے لیکن پھر بھی خیر کا بہت بڑا حصّہ باقی تھا ——— اپنے زمانۂ طالب علمی کا ایک واقعہ ذکر کرتا ہوں :-

میں دارالعلوم دیوبند میں دورۂ حدیث کے سال سے پہلے مشکوٰۃ شریف وغیرہ پڑھتا تھا، مشکوٰۃ شریف حضرت مولانا سراج احمد صاحب رشیدی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں ہو رہی تھی۔ ایک دن دوران سبق میں شہر سے کوئی جنازہ نماز کے لئے دارالعلوم میں آگیا۔ اطلاع ملنے پر وہاں کے دستور کے مطابق جنازہ کی نماز پڑھنے کیلئے سبق روک دیا گیا، اور مولاناؒ اور ہم سب نماز میں شرکت کرنے کیلئے اُٹھ کھڑے ہوئے۔ ہماری جماعت میں ۴۰، ۵۰ کے قریب طالب علم ہوں گے، اُن میں سے صرف ۵، ۶ وضو کرنے کیلئے مسجد کی طرف گئے، جن کو جاتا ہوا حضرت استاذؒ نے دیکھ لیا۔ نماز سے فارغ ہو کر ہم لوگ سبق پڑھنے کیلئے پھر درسگاہ میں آگئے ——— حضرت استاذؒ نے بڑے ہی غمگین لہجہ میں اور آنسو بہاتے ہوئے فرمایا کہ ——— اب ایسا وقت آگیا ہے کہ حدیث پاک کا سبق بھی ہمارے بعض طالب علم وضو کے بغیر پڑھتے ہیں

حضرت استاذؒ اس پر کافی دیر تک روتے رہے۔

بس اسی سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ اب سے ۴۰ سال پہلے تک بھی ہمارے ان مدارس میں کتنا خیر باقی تھا۔

لیکن اب حال کیا ہے؟ —— بیشک ان کی عمارتیں پہلے سے بہت زیادہ شاندار ہیں، جہاں دو چار سو طالب علم ہوتے تھے وہاں اب ہزار دو ہزار ہیں، پہلے جن کا سالانہ آمد و خرچ ہزاروں کا ہوتا تھا، اب اُن کا سالانہ بجٹ لاکھوں کا ہوتا ہے۔ لیکن ۴۰، ۵۰ سال کی اس مدت میں جس رفتار سے ظاہراً و رقالب یہ ترقیاں کی ہیں، افسوس ہے کہ اُس سے کئی گنی تیز رفتار سے اُن کے باطن اور رُوح میں فساد اور بگاڑ آیا ہے۔

دینی مدارس کی جن دینی و رُوحانی خصوصیات کا اوپر ذکر کیا گیا ہے، یہ واقعہ ہے کہ ان خصوصیات میں دارالعلوم دیوبند اور مظاہر علوم سہارنپور کا ایک خاص اور امتیازی مقام تھا، لیکن شیطنت اور شر و فساد کی کتنی بڑی مقدار اب ہمارے ان خاص الخاص "دینی قلعوں" میں بھی داخل ہو چکی ہے۔ اس کا اندازہ اُن اسٹرائکوں اور ان اسٹرائکوں میں کی جانے والی سخت رسواکن ان حرکتوں سے کیا جاسکتا ہے جو دارالعلوم دیوبند میں اب سے کچھ مدت پہلے اور مظاہر علوم سہارنپور میں اب سے چند ہی ہفتے پہلے وہاں کے طلبہ کی طرف سے ظہور میں آئیں۔

مظاہر علوم سہارنپور کا تازہ واقعہ خصوصیت کے ساتھ اسلئے زیادہ اہمیت رکھتا ہے کہ وہاں کے متعلق اس واقعہ کے ظہور سے پہلے کسی کو وہم و گمان بھی نہیں ہوسکتا تھا۔ خود مجھ سے اگر کوئی اس واقعہ سے پہلے کہتا کہ مظاہر علوم میں اس طرح کے واقعات کا خطرہ ہے تو میں اپنے علم و واقفیت کی بنا پر اسکے امکان سے بھی انکار کر دیتا۔ لیکن آہ! کہ واقعہ ہوا، اور طلبہ کی خاصی بڑی تعداد نے اس حد تک بے راہ روی، شر پسندی، مفسدانہ ذہنیت اور دین و شریعت کے حدود بلکہ آئینِ شرافت سے بھی آزادی کا مظاہرہ کیا، جس کے علم میں آنے کے بعد سے واقعہ یہ ہے کہ دل قابو میں نہیں ہے اور رُوح کراہ کے عرض کر رہی ہے:۔ يٰلَيْتَنِيْ مِتُّ قَبْلَ هٰذَا وَكُنْتُ نَسْيًا مَّنْسِيًّا۔

مظاہر علوم کے اس واقعہ کا انتہائی افسوسناک اور تکلیف دہ ایک پہلو یہ تھا کہ مدرسہ کے ذمہ داروں اور اپنے محترم اساتذہ و اکابر کے خلاف "جنگ" کرنے کیلئے انھوں نے اپنا لیڈر نہایت بدنام قسم کے شہر سہارنپور کے چند سیاسی پیشہ وروں کو بنایا تھا جن میں ایک صاحب غیر مسلم بھی تھے، بلکہ قیادت کی اصل باگ گویا انہی کے ہاتھ میں تھی۔

اس سے پہلے دارالعلوم دیوبند کے بعض طلبہ بھی اس "شرافت" اور "عقلمندی" کا تجربہ کرا چکے ہیں کہ جب اُن کی شرارتوں کی بناء پر مدرسہ سے ان کو خارج کیا گیا، تو انھوں نے بعض کھلے اسلام دشمن عناصر کی سرپرستی میں آکر

مدرسہ کے خلاف مقدمہ بازی شروع کردی ۔ ع

"وائے گر پس امروز بود فردائے"

یہ جو کچھ ہو رہا ہے اس کو صرف "اس زمانہ کے طلبہ کی بدطینتی" اور "دنیا میں تیزی سے بڑھنے والے شر و فساد کا ایک قدرتی اور ناگزیر اثر" کہہ کے اس کی ذمہ داریوں سے اپنے کو بری اور ہلکا کر لینا، اور اصلاح کے مسئلہ کو اس "معذرت" پر ختم کر دینا، یا خود اپنے نفس کا فریب ہے یا شیطان کا ——— یہ عاجز خود بھی بعض مدارس سے ایک درجہ کا ذمہ دارانہ تعلق رکھتا ہے اور میرا یہ احساس ہے اور میں اس کا اعتراف ایماندارانہ فریضہ سمجھتا ہوں کہ دینی مدارس کے موجودہ شر و فساد کی ذمہ داری سے ہم لوگ جو ان کے ذمہ دار ہیں بری نہیں ہیں ۔

میرے نزدیک فساد کی جڑ یہ ہے کہ ان مدارس کے معاملات میں مدت سے ہمارا یعنی ذمہ داران مدارس کا نقطۂ نظر بھی (شاید غیر شعوری طور پر) سراسر دنیادارانہ ہوتا جا رہا ہے ۔ اب ان دینی درسگاہوں کے اور اُن کے وابستگان کے اوّلی مسائل وہی ہو گئے ہیں جو دنیوی درسگاہوں کے بلکہ کارخانوں اور فیکٹریوں کے اور ان کے مزدوروں کے بھی ہیں ۔

اس عاجز کے نزدیک تو بس یہی ہے ہمارے مدارس کا اصل روگ اور علۃ العلل بس اگر کچھ کرنا ہو تو اس بیماری کا علاج کرنا چاہئے ۔ اس اجمال کی تفصیل انشاء اللہ آئندہ عرض کی جائے گی ۔

چین کا حملہ | ہمارے ملک کی شمالی مشرقی سرحد پر چینی فوجوں کے غاصبانہ حملہ نے ملک کے تمام باشندوں پر اپنی آزادی کی حفاظت اور دفاع کی بڑی بھاری ذمہ داری ڈال دی ہے، افسوس یہ ہے کہ ہماری حکومت اس صورت حال کے مقابلہ کے لئے تیار نہ تھی، اس لئے ابتدائی طور پر چینیوں کو آسانی سے کامیابی کا موقع مل گیا۔ مگر ہندوستان جیسے بڑے ملک پر چین اس کے باوجود آسانی سے قابو نہیں پا سکتا ہے، اتنی بڑی عام آبادی اگر ملک کی حفاظت کے لئے کمربستہ ہو جائے تو وہ اپنی فوجی کمتری کے باوجود اپنی آزادی کی حفاظت کر سکتی ہے ۔ اس سلسلہ میں مسلمانوں کو ملکی فرض کے علاوہ اس نقطۂ نظر سے بھی خاص طور پر سوچنا چاہئے کہ وہ جس دین و ملت کے پیرو ہیں اس کی کوئی گنجائش چین کے کمیونسٹ نظام میں نہیں ہے، کمیونزم کو اسلام سے جس درجہ کا بیر ہے ۔ اس کی شہادت روس اور چین میں اسلام اور مسلمانوں کے ساتھ سلوک سے ملتی ہے ۔ اس بنا پر ہندوستان کو چینیوں کی دست برد سے محفوظ رکھنا مسلمانوں کو سب سے زیادہ اپنا فرض محسوس کرنا چاہئے ۔ اور اُن تمام شکایات کو اس وقت پس پشت ڈال دینا چاہئے جو انھیں ہندوستان کی حکومت یا اکثریت سے رہی ہیں ۔

معارف الحدیث

مُسلسل

سُنّتیں اور نوافل :-

شب و روز میں پانچ نمازیں تو فرض کی گئی ہیں اور وہ گویا اسلام کا رکن رکین اور لازمۂ ایمان ہیں۔ ان کے علاوہ ان ہی کے آگے پیچھے اور دوسرے اوقات میں بھی کچھ رکعتیں پڑھنے کی ترغیب و تعلیم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہے۔ پھر ان میں سے جن کے لیے آپ نے تاکیدی الفاظ فرمائے یا دوسروں کو ترغیب دینے کے ساتھ جن کا آپ نے عملاً بہت زیادہ اہتمام فرمایا اُن کو عرفِ عام میں "سنت" کہا جاتا ہے اور ان کے ماسوا کو "نوافل" (نوافل کے اصل معنی زوائد کے ہیں اور حدیثوں میں فرض نمازوں کے علاوہ باقی سب نمازوں کو "نوافل" کہا گیا ہے) ______

پھر جن سنتوں یا نفلوں کو فرضوں سے پہلے پڑھنے کی تعلیم دی گئی ہے، بظاہر ان کی خاص حکمت اور مصلحت یہ ہے کہ فرض نماز جو اللہ تعالیٰ کے دربارِ عالی کی خاص الخاص حضوری ہے (اور اسی وجہ سے وہ اجتماعی طور پر اور مسجد میں ادا کی جاتی ہے) اس میں مشغول ہونے سے پہلے انفرادی طور پر دو چار رکعتیں پڑھ کے دل کو اس دربار سے آشنا اور مانوس کر لیا جائے اور ملاء اعلیٰ سے ایک قرب و مناسبت پیدا کر لی جائے ______ اور جن سنتوں یا نفلوں کو فرضوں کے بعد پڑھنے کی تعلیم دی گئی ہے اُن کی حکمت اور مصلحت بظاہر یہ معلوم ہوتی ہے کہ فرض نماز کی ادائیگی میں جو قصور رہ گیا ہو اس کا کچھ تدارک بعد والی ان سنتوں

اور نفلوں سے ہو جائے ——— (بطور جملہ معترضہ کے یہیں یہ بھی سمجھ لینا چاہیے کہ جن نمازوں سے پہلے یا بعد میں سنتیں یا نفلیں پڑھنے کی ترغیب نہیں دی گئی ہے یا صراحتہً منع کیا گیا ہو اس کی کوئی خاص حکمت اور مصلحت ہے جو انشاء اللہ اپنے موقع پر ذکر کی جائے گی)

فرضوں کے آگے یا پیچھے والے سنن و نوافل کے علاوہ جن نوافل کی مستقل حیثیت ہے مثلاً دن میں چاشت اور رات میں تہجد، یہ دراصل تقرب الی اللہ کے خاص طالبین کے لیے ترقی اور تخصص کا مخصوص نصاب ہے۔

اس مختصر تمہید کے بعد سنن و نوافل سے متعلق حدیثیں پڑھیے!

دن رات کی مؤکدہ سنتیں:—

عَنْ اُمِّ حَبِيْبَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلّٰى فِيْ يَوْمٍ وَّلَيْلَةٍ ثِنْتَيْ عَشْرَةَ رَكْعَةً بُنِيَ لَهٗ بَيْتٌ فِي الْجَنَّةِ اَرْبَعًا قَبْلَ الظُّهْرِ وَرَكْعَتَيْنِ بَعْدَهَا وَرَكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْمَغْرِبِ وَرَكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْعِشَاءِ وَرَكْعَتَيْنِ قَبْلَ صَلٰوةِ الْفَجْرِ۔

——— رواہ الترمذی

ام المومنین حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص دن رات میں بارہ رکعتیں (علاوہ فرض نمازوں کے) پڑھے اس کے لیے جنت میں ایک گھر تیار کیا جائے گا (ان بارہ کی تفصیل یہ ہے) چار ظہر سے پہلے، اور دو ظہر کے بعد اور دو مغرب کے بعد اور دو عشاء کے بعد اور دو فجر سے پہلے۔ (جامع ترمذی)

(حضرت ام حبیبہ کی یہ روایت صحیح مسلم میں بھی ہے لیکن اس میں رکعات کی تفصیل مذکور نہیں ہے)

(تشریح) اس حدیث میں ظہر سے پہلے چار رکعت سنت کا ذکر ہے۔ بالکل اسی مضمون کی ایک حدیث سنن نسائی وغیرہ میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے بھی مروی ہے۔ اور

صحیح مسلم میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہی کی روایت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل بھی یہی مروی ہے کہ "آپ ظہر سے پہلے گھر میں چار رکعت سنت پڑھتے تھے۔ اس کے بعد جاکر مسجد میں ظہر کی نماز پڑھاتے تھے پھر گھر میں تشریف لاکر دو رکعتیں پڑھتے تھے، اسی طرح مغرب کی نماز پڑھانے کے بعد گھر میں تشریف لاتے تھے اور دو رکعتیں پڑھتے تھے، پھر عشاء کی نماز پڑھانے کے بعد بھی گھر میں تشریف لاکر دو رکعتیں پڑھتے تھے۔ آخر میں فرماتی ہیں پھر جب صبح صادق ہو جاتی تو فجر سے پہلے دو رکعتیں پڑھتے تھے"۔ ـــــ لیکن بعض حدیثوں میں ظہر سے پہلے بجائے چار رکعت کے دو رکعت پڑھنے کا ذکر بھی ہے جیسا کہ آگے درج ہونے والی حدیث سے معلوم ہوگا۔

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ صَلَّيْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَكْعَتَيْنِ قَبْلَ الظُّهْرِ وَرَكْعَتَيْنِ بَعْدَهَا وَرَكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْمَغْرِبِ فِيْ بَيْتِهِ وَرَكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْعِشَاءِ فِيْ بَيْتِهِ قَالَ وَحَدَّثَتْنِيْ حَفْصَةُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُصَلِّيْ رَكْعَتَيْنِ خَفِيْفَتَيْنِ حِيْنَ يَطْلُعُ الْفَجْرُ ـــــ رواہ البخاری ومسلم

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دو رکعتیں پڑھی ہیں ظہر سے پہلے اور دو رکعتیں ظہر کے بعد، اور دو رکعتیں مغرب کے بعد آپ کے گھر میں، اور دو رکعتیں عشاء کے بعد آپ کے گھر میں، اور مجھ سے بیان کیا میری بہن ام المومنین حفصہ (رضی اللہ عنہا) نے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دو ہلکی ہلکی رکعتیں پڑھتے تھے، صبح صادق ہو جانے ـــــ (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

(تشریح) اس حدیث میں ظہر سے پہلے دو رکعت پڑھنے کا ذکر ہے۔ اس سلسلہ کی تمام حدیثوں کو سامنے رکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ظہر سے پہلے اکثر و بیشتر چار رکعت پڑھتے تھے، اور کبھی کبھی صرف دو بھی پڑھتے تھے۔ بہرحال دونوں ہی عمل آپ سے ثابت ہیں اور جس پر بھی عمل کیا جائے سنت ادا ہو جائے گی۔ اس ناچیز نے بعض

اہلِ علم کو دیکھا ہے کہ وہ ظہر سے پہلے اکثر و بیشتر چار رکعت سنت پڑھتے ہیں۔ لیکن اگر دیکھتے ہیں کہ جماعت کا وقت قریب ہے تو صرف دو پر اکتفا کرتے ہیں۔

مندرجۂ بالا ان حدیثوں میں جن ۱۲ رکعت یا ۱۰ رکعت سنتوں کا ذکر ہے چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عملاً ان کا زیادہ اہتمام فرماتے تھے اور ان میں سے بعض کے متعلق آپ نے خاص تاکید بھی فرمائی ہے اس لیے ان کو سنتِ مؤکدہ سمجھا گیا ہے۔ ان میں سب سے زیادہ تاکید آپ نے فجر کی سنتوں کے بارہ میں فرمائی ہے۔

فجر کی سنتوں کی خاص اہمیت اور فضیلت:-

عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَكْعَتَا الْفَجْرِ خَيْرٌ مِّنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيْهَا ـــــ رواہ مسلم

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، فجر کی دو رکعت سنت دنیا و مافیہا سے بہتر ہیں۔ (صحیح مسلم)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ آخرت میں فجر کی دو رکعت سنت کا جو ثواب ملنے والا ہے وہ "دنیا اور جو کچھ دنیا میں ہے" اُس سب سے زیادہ قیمتی اور کارآمد ہے، دنیا و مافیہا سب فانی ہے اور ثوابِ آخرت باقی غیر فانی ہے، اس حقیقت کا پورا انکشاف بلکہ مشاہدہ انشاء اللہ ہم سب کو آخرت میں ہو جائے گا۔

عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَدَعُوْهُمَا وَاِنْ طَرَدَتْكُمُ الْخَيْلُ ـــــ رواہ ابوداؤد

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ فجر کی دو رکعت سنت نہ چھوڑو اگرچہ حالت یہ ہو کہ گھوڑے تم کو دوڑا رہے ہوں۔ (مطلب یہ ہے کہ اگر تم سفر میں ہو اور گھوڑوں کی پشت پر تیزی سے منزلیں طے کر رہے ہو تب بھی فجر کی سنتیں نہ چھوڑو۔) (سنن ابی داؤد)

عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ لَمْ يَكُنِ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى شَيْءٍ مِنَ النَّوَافِلِ اَشَدَّ تَعَاهُدًا مِنْهُ عَلٰى رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ ــــــــــــ رواہ البخاری ومسلم

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سنتوں اور نفلوں میں سے کسی نماز کا بھی اتنا اہتمام نہیں فرماتے تھے جتنا کہ فجر سے پہلے کی دو رکعتوں کا فرماتے تھے۔ (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ لَّمْ يُصَلِّ رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ فَلْيُصَلِّهِمَا بَعْدَ مَا تَطْلُعُ الشَّمْسُ۔

ــــــــــــ رواہ الترمذی

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے فجر کی سنتیں نہ پڑھی ہوں اس کو چاہیے کہ وہ سورج نکلنے کے بعد ان کو پڑھے۔ (جامع ترمذی)

فجر کے علاوہ دوسرے اوقات کے سنن و نوافل کی فضیلت :-

عَنْ اَبِيْ اَيُّوْبَ الْاَنْصَارِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَرْبَعٌ قَبْلَ الظُّهْرِ لَيْسَ فِيْهِنَّ تَسْلِيْمٌ تُفْتَحُ لَهُنَّ اَبْوَابُ السَّمَاءِ ــــــــــــ رواہ ابوداؤد وابن ماجہ

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ظہر سے پہلے کی چار رکعتیں ــــ جن کے درمیان میں سلام نہ پھیرا جائے یعنی چار مسلسل پڑھی جائیں ــــ اُن کے لیے آسمان کے دروازے کھل جاتے ہیں۔ (سنن ابی داؤد وسنن ابن ماجہ)

عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ اِذَا لَمْ يُصَلِّ اَرْبَعًا قَبْلَ الظُّهْرِ صَلَّاهُنَّ بَعْدَهَا ــــــــ رواہ الترمذی

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم کا معمول تھا کہ ظہر سے پہلے کی چار رکعتیں جب آپ نے نہیں پڑھی ہوتی تھیں تو آپ اُن کو ظہر سے فارغ ہونے کے بعد پڑھتے تھے۔ (جامع ترمذی)

تشریح) ابن ماجہ کی روایت میں یہ تصریح ہے کہ ایسی صورت میں ظہر سے پہلے والی چار رکعتیں آپ بعد والی دو رکعتوں کے بعد پڑھتے تھے۔

عَنْ أُمِّ حَبِيبَةَ قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ حَافَظَ عَلَىٰ أَرْبَعِ رَكَعَاتٍ قَبْلَ الظُّهْرِ وَأَرْبَعٍ بَعْدَهَا حَرَّمَهُ اللهُ عَلَى النَّارِ ــــ (رواہ احمد والترمذی وابوداؤد والنسائی وابن ماجہ)

حضرت اُمّ حبیبہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو کوئی ظہر سے پہلے چار رکعتیں اور ظہر کے بعد چار رکعتیں برابر پڑھا کرے اللہ تعالیٰ اس کو دوزخ کی آگ پر حرام کر دے گا۔

(مسند احمد، جامع ترمذی، سنن ابی داؤد، سنن نسائی، سنن ابن ماجہ)

تشریح) بعض شارحین نے لکھا ہے کہ ظہر کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے چونکہ دو ہی رکعت پڑھنا زیادہ ثابت ہے (جیسا کہ حضرت عائشہ صدیقہ، حضرت عبداللہ بن عمر اور خود حضرت اُمّ حبیبہ (رضی اللہ عنہم) کی مندرجہ بالا حدیثوں سے معلوم ہو چکا ہے) اس لیے ظہر کے بعد موکدہ سنت تو صرف دو ہی رکعت ہے لہٰذا چار رکعت پڑھنے کی صورت یہ ہوگی کہ ان موکدہ دو رکعت کے علاوہ مزید دو رکعت نفل پڑھی جائیں۔

(فائدہ) ہمارے دیار میں ظہر کی دو سنتوں کے بعد مزید دو نفل پڑھنے کا کافی رواج ہے لیکن اکثر عوام ان نفلوں کو (بلکہ عام طور سے ہر وقت کے نوافل کو) بیٹھ کے پڑھتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ نوافل بیٹھ کے ہی پڑھنے چاہئیں، حالانکہ یہ سراسر غلط ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صریح حدیث ہے کہ بیٹھ کے نماز پڑھنے کا ثواب کھڑے ہو کے پڑھنے کے مقابلہ میں آدھا ملے گا۔

عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَحِمَ اللهُ امْرَأً صَلَّى قَبْلَ الْعَصْرِ أَرْبَعاً ــــ رواہ احمد والترمذی وابوداؤد

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا اللہ کی رحمت اس بندہ پر جو پڑھے عصر سے پہلے چار رکعتیں ۔

(مسند احمد، جامع ترمذی، سنن ابی داؤد)

(**تشریح**) عصر سے پہلے چار رکعت نفل کے بارہ میں یہ آپ کا ترغیبی ارشاد ہے اور اسی کے مطابق آپ کا عمل بھی روایت کیا گیا ہے اور کبھی کبھی عصر سے پہلے دو رکعت پڑھنا بھی آپ سے ثابت ہے۔

عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَمَّارِ بْنِ يَاسِرٍ قَالَ رَأَيْتُ عَمَّارَ بْنَ يَاسِرٍ يُصَلِّي بَعْدَ الْمَغْرِبِ سِتَّ رَكَعَاتٍ وَقَالَ رَأَيْتُ حَبِيبِي صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي بَعْدَ الْمَغْرِبِ سِتَّ رَكَعَاتٍ وَقَالَ مَنْ صَلَّى بَعْدَ الْمَغْرِبِ سِتَّ رَكَعَاتٍ غُفِرَتْ لَهُ ذُنُوبُهُ وَإِنْ كَانَتْ مِثْلَ زَبَدِ الْبَحْرِ ــــ رواه الطبرانی

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کے صاحبزادہ محمد بن عمار سے روایت ہو کہ میں نے اپنے والد ماجد عمار بن یاسر کو دیکھا کہ وہ مغرب کے بعد چھ رکعتیں پڑھتے تھے۔ اور بیان فرماتے تھے کہ میں نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ مغرب کے بعد چھ رکعتیں پڑھتے تھے اور فرماتے تھے کہ جو بندہ مغرب کے بعد چھ رکعت نماز پڑھے اس کے گناہ بخش دیے جائیں گے اگرچہ وہ کثرت میں سمندر کے کف کے برابر ہوں۔

(معاجم طبرانی)

(**تشریح**) مغرب کے بعد دو رکعت تو سنت موکدہ ہیں جن کا ذکر حضرت اُمِّ حبیبہ، حضرت عائشہ صدیقہ، اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم کی مندرجہ بالا حدیثوں میں آچکا ہے ان کے علاوہ چار رکعت نفل اور پڑھی جائیں تو چھ ہو جائیں گی اور بندہ گناہوں کی مغفرت کی اس بشارت کا مستحق ہو جائے گا جو اس حدیث میں دی گئی ہے۔

عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ مَا صَلَّى رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْعِشَاءَ قَطُّ فَدَخَلَ عَلَيَّ إِلَّا صَلَّى أَرْبَعَ رَكَعَاتٍ أَوْ سِتَّ رَكَعَاتٍ ــــــــ رواه ابوداؤد

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ کبھی ایسا نہیں ہوا کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عشار کی نماز پڑھ کے (آرام فرمانے کے لیے) میرے پاس تشریف لائے ہوں اور آپ نے چار رکعتیں یا چھ رکعتیں نہ پڑھی ہوں۔

(سنن ابی داؤد)

(تشریح) عشار کے بعد دو رکعت تو سنت موکدہ ہے جس کا ذکر حضرت اُمّ حبیبہ و حضرت عائشہ و حضرت ابن عمر وغیرہ کی مندرجہ بالا حدیثوں میں بھی گزر چکا ہے، بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عشار کے بعد اور آرام فرمانے سے پہلے اس دو رکعت سنت موکدہ کے علاوہ کبھی دو رکعت اور کبھی چار رکعت مزید نفل پڑھتے تھے۔ واللہ اعلم

وتر:-

عَنْ خَارِجَةَ بْنِ حُذَافَةَ قَالَ خَرَجَ عَلَيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَالَ اِنَّ اللّٰهَ اَمَدَّكُمْ بِصَلٰوةٍ هِيَ خَيْرٌ لَّكُمْ مِنْ حُمْرِ النَّعَمِ الْوِتْرُ جَعَلَهُ اللّٰهُ لَكُمْ فِيْمَا بَيْنَ صَلٰوةِ الْعِشَاءِ اِلٰى اَنْ يَطْلُعَ الْفَجْرُ۔

——— رواہ الترمذی وابوداؤد

حضرت خارجہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (کاشانۂ نبوت سے) باہر تشریف لائے اور ہم سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ایک اور نماز تمھیں مزید عطا فرمائی ہے، وہ تمھارے لیے سرخ اونٹوں سے بھی بہتر ہے (جن کو تم دنیا کی عزیز ترین دولت سمجھتے ہو) وہ نماز وتر ہے اللہ تعالیٰ نے اس کو تمھارے واسطے نماز عشار کے بعد سے طلوع صبح صادق تک مقرر کیا ہے (یعنی وہ اس وسیع وقت کے ہر حصہ میں پڑھی جا سکتی ہے)

(جامع ترمذی، سنن ابی داؤد)

عَنْ بُرَيْدَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ الْوِتْرُ حَقٌّ فَمَنْ لَّمْ يُوْتِرْ فَلَيْسَ مِنَّا الْوِتْرُ حَقٌّ فَمَنْ لَّمْ يُوْتِرْ فَلَيْسَ مِنَّا الْوِتْرُ حَقٌّ فَمَنْ لَّمْ يُوْتِرْ فَلَيْسَ مِنَّا ——— رواہ ابوداؤد

حضرت بریدہ اسلمی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خود سنا آپ نے فرمایا "نماز وتر حق ہے جو وتر ادا نہ کرے وہ ہم میں سے نہیں ہے، وتر حق ہے جو وتر ادا نہ کرے وہ ہم میں سے نہیں ہے، وتر حق ہے جو وتر ادا نہ کرے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔ (یہ بات آپ نے تین دفعہ ارشاد فرمائی)

(سنن ابی داؤد)

(تشریح) ظاہر ہے کہ وتر کے بارہ میں تشدید اور تہدید کے یہ آخری الفاظ ہیں، اسی قسم کی حدیثوں سے حضرت امام ابو حنیفہؒ نے یہ سمجھا ہے کہ وتر صرف سنت نہیں ہے بلکہ واجب ہے۔ یعنی اس کا درجہ فرض سے کم اور موکدہ سنتوں سے زیادہ ہے۔

عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ نَامَ عَنِ الْوِتْرِ اَوْ نَسِیَہٗ فَلْیُصَلِّ اِذَا ذَکَرَ اَوِ اسْتَیْقَظَ۔

——— رواہ الترمذی وابو داؤد وابن ماجۃ

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص وتر سے سوتا رہ جائے (یعنی نیند کی وجہ سے اس کی نماز وتر قضا ہو جائے) یا بھول جائے تو جب یاد آئے یا جب وہ جاگے تو اسی وقت پڑھ لے۔ (جامع ترمذی، سنن ابی داؤد، سنن ابن ماجہ)

عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِجْعَلُوْا اٰخِرَ صَلٰوتِکُمْ بِاللَّیْلِ وِتْرًا ——— رواہ مسلم

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، رات میں اپنی آخری نماز وتر کو بناؤ (یعنی رات کی نمازوں میں تمہاری آخری نماز وتر ہو) (صحیح مسلم)

عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ خَافَ اَنْ لَّا یَقُوْمَ مِنْ اٰخِرِ اللَّیْلِ فَلْیُوْتِرْ اَوَّلَہٗ وَمَنْ طَمِعَ اَنْ یَّقُوْمَ اٰخِرَہٗ فَلْیُوْتِرْ اٰخِرَ اللَّیْلِ فَاِنَّ صَلٰوۃَ اٰخِرِ اللَّیْلِ

مَشْهُوْدَةٌ وَذَالِكَ اَفْضَلُ۔ ـــــــ رواہ مسلم

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس کو یہ اندیشہ ہو کہ آخری رات میں وہ نہ اُٹھ سکے گا (یعنی سوتا رہ جائے گا) تو اس کو چاہیے کہ رات کے شروع ہی میں (یعنی عشاء کے ساتھ ہی) وتر پڑھ لے اور جس کو اس کی پوری امید ہو کہ وہ (تہجد کے لیے) آخر شب میں اٹھ جائے گا تو اس کو چاہیے کہ وہ آخر شب ہی میں (یعنی تہجد کے بعد) وتر پڑھے، اس لیے کہ اس وقت کی نماز میں ملائکۂ رحمت حاضر ہوتے ہیں اور وہ وقت بڑی فضیلت کا ہے۔ (صحیح مسلم)

تشریح) وتر کے بارہ میں عام حکم یہی ہے جو ان دو حدیثوں سے معلوم ہوا (یعنی یہ کہ نمازِ وتر رات کی سب نمازوں کے بعد میں اور آخر میں پڑھی جائے، یعنی نوافل کے بھی بعد، اور یہ کہ جس کسی کو اخیر شب میں اُٹھنے کے بارہ میں اعتماد ہو وہ وتر شروع رات میں نہ پڑھے بلکہ آخری شب میں تہجد کے ساتھ پڑھے اور جس کو یہ اعتماد نہ ہو وہ شروع رات ہی میں پڑھ لیا کرے ـــــ لیکن بعض صحابہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کے خاص حالات کی بنا پر شروع رات ہی میں وتر پڑھ لینے کی ہدایت فرمائی تھی، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بھی انھیں میں سے تھے، صحیح بخاری و صحیح مسلم میں ان کا یہ بیان موجود ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے جو چند خاص وصیتیں فرمائی تھیں اُن میں سے ایک یہ بھی تھی کہ "میں شروع رات ہی میں وتر پڑھ لیا کروں۔"

عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ اَبِیْ قَیْسٍ قَالَ سَاَلْتُ عَائِشَةَ بِكَمْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُوْتِرُ؟ قَالَتْ كَانَ يُوْتِرُ بِاَرْبَعٍ وَثَلٰثٍ وَسِتٍّ وَثَلٰثٍ وَثَمَانٍ وَثَلٰثٍ وَعَشْرٍ وَثَلٰثٍ وَلَمْ يَكُنْ يُوْتِرُ بِاَنْقَصَ مِنْ سَبْعٍ وَلَا بِاَكْثَرَ مِنْ ثَلٰثَ عَشَرَةَ

ـــــــ رواہ ابوداؤد

عبداللہ بن ابی قیس تابعی سے روایت ہے کہ میں نے ام المومنین حضرت

عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کتنی رکعت وتر پڑھتے تھے؟ انھوں نے فرمایا کہ چار اور تین، اور چھ اور تین، اور آٹھ اور تین، اور دس اور تین، اور سات رکعت سے کم اور تیرہ رکعت سے زیادہ وتر نہیں پڑھتے تھے۔ (سنن ابی داؤد)

(تشریح) بعض صحابۂ کرام تہجد اور وتر کے مجموعہ کو بھی وتر ہی کہا کرتے تھے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا طریقہ بھی یہی تھا، انھوں نے اس حدیث میں عبداللہ بن ابی قیس کے سوال کا جواب بھی اسی اصول پر دیا ہے۔ ان کا مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وتر کی تین رکعتوں سے پہلے تہجد کبھی صرف چار رکعت پڑھتے تھے کبھی چھ رکعت کبھی آٹھ رکعت اور کبھی دس رکعت، لیکن چار رکعت سے کم اور دس رکعت سے زیادہ تہجد پڑھنے کا آپ کا معمول نہیں تھا۔ اور تہجد کی ان رکعتوں کے بعد آپ وتر کی تین رکعتیں پڑھتے تھے۔

عَنْ عَبْدِ الْعَزِيْزِ بْنِ جُرَيْجٍ قَالَ سَأَلْنَا عَائِشَةَ بِأَيِّ شَيْءٍ كَانَ يُوْتِرُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟ قَالَتْ كَانَ يَقْرَءُ فِي الْأُوْلٰى بِسَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلٰى وَفِي الثَّانِيَةِ بِقُلْ يَا أَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ وَفِي الثَّالِثَةِ بِقُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ وَالْمُعَوِّذَتَيْنِ۔

رواہ الترمذی وابوداؤد

عبدالعزیز بن جریج تابعی بیان کرتے ہیں کہ ہم نے اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وتر میں کون کون سورتیں پڑھتے تھے؟ انھوں نے فرمایا کہ پہلی رکعت میں "سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلٰى" پڑھتے تھے اور دوسری رکعت میں "قُلْ يَا أَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ" اور تیسری رکعت میں "قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ" اور معوذتین (یعنی "قُلْ أَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ" اور "قُلْ أَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ")

(جامع ترمذی، سنن ابی داؤد)

(تشریح) وتر کی پہلی رکعت میں "سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلٰى" دوسری میں "قُلْ يَا

اَیُّھَا الْکٰفِرُوْنَ" اور تیسری رکعت میں "قُلْ ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ" پڑھنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت اُبی بن کعب اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے بھی روایت کیا ہے. لیکن ان دونوں حضرات نے تیسری رکعت میں "معوذتین" پڑھنے کا ذکر نہیں کیا، معلوم ہوتا ہے کہ کبھی آپ تیسری رکعت میں صرف سورۂ اخلاص پڑھتے تھے اور کبھی اسی کے ساتھ موذتین بھی. واللہ اعلم

عَنِ الْحَسَنِ بْنِ عَلِیٍّ قَالَ عَلَّمَنِیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَلِمَاتٍ اَقُوْلُھُنَّ فِیْ قُنُوْتِ الْوِتْرِ اَللّٰھُمَّ اھْدِنِیْ فِیْمَنْ ھَدَیْتَ وَعَافِنِیْ فِیْمَنْ عَافَیْتَ وَتَوَلَّنِیْ فِیْمَنْ تَوَلَّیْتَ وَبَارِکْ لِیْ فِیْمَا اَعْطَیْتَ وَقِنِیْ شَرَّ مَا قَضَیْتَ فَاِنَّکَ تَقْضِیْ وَلَا یُقْضٰی عَلَیْکَ اِنَّہٗ لَا یَذِلُّ مَنْ وَّالَیْتَ تَبَارَکْتَ رَبَّنَا وَتَعَالَیْتَ

——— رواہ الترمذی وابوداؤد والنسائی وابن ماجۃ والدارمی

حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چند کلمے تعلیم فرمائے جن کو میں قنوت وتر میں پڑھتا ہوں ——— اللّٰھم اھدنی فی من ھدیت الخ ——— اے اللہ جن بندوں کو تو ہدایت عطا فرمائے ان کے ساتھ مجھے بھی ہدایت دے اور جن کو تو عافیت (یعنی دنیا اور آخرت کی تمام بلاؤں سے سلامتی) عطا فرمائے ان کے ساتھ مجھے بھی عافیت دے اور میرا متولی اور کارساز بن جا ان بندوں کے ساتھ جن کا تو کارساز بنے اور مجھے برکت دے ان تمام چیزوں میں جو تو مجھے عطا فرمائے اور اپنے فیصلوں کے اثرات بد سے میری حفاظت فرما، تو ہی سارے فیصلے کرتا اور احکام جاری کرتا ہے اور تجھ پر کسی کا حکم نہیں چلتا، بلاشبہ جس سے تیری دوستی ہو وہ ذلیل و خوار نہیں (وہ ہر حال میں معزز و محترم ہے) تو برکت والا ہے اور تیری شان بلند ہے اے میرے مالک اور پروردگار! ———

(جامع ترمذی، سنن ابی داؤد، سنن نسائی، سنن ابن ماجہ، سنن دارمی)

(تشریح) اس قنوت کی بعض روایات میں "اِنَّہٗ لَا یَذِلُّ مَنْ وَّالَیْتَ" کے بعد "وَلَا یَعِزُّ مَنْ عَادَیْتَ" بھی روایت کیا گیا ہے جس کا مطلب ہے کہ جس سے تیری دشمنی ہو وہ کبھی

حال میں باعزت نہیں، ـــــ اور بعض روایات میں "تَبَارَكْتَ رَبَّنَا وَتَعَالَيْتَ" کے بعد "أَسْتَغْفِرُكَ وَأَتُوبُ إِلَيْكَ" بھی روایت کیا گیا ہے ـــــ یعنی اے میرے رب میں تجھ سے گناہوں کی مغفرت اور بخشش مانگتا ہوں اور تیری طرف رجوع کرتا ہوں، ـــــ اور بعض روایات میں توبہ اور استغفار کے اس کلمہ کے بعد اس درود کا بھی اضافہ ہے "وَصَلَّى اللهُ عَلَى النَّبِيِّ" (اور اللہ تعالیٰ رحمتیں نازل فرمائے اپنے نبی پاک پر) ـــــ

اکثر ائمہ اور علماء نے وتر میں پڑھنے کے لیے اسی قنوت کو اختیار فرمایا ہے، حنفیہ میں جو قنوت رائج ہے "اَللّٰهُمَّ إِنَّا نَسْتَعِينُكَ وَنَسْتَغْفِرُكَ الخ" اس کو امام ابن ابی شیبہ اور امام طحاوی وغیرہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ علامہ شامی نے بعض اکابر احناف سے نقل کیا ہے کہ بہتر یہ ہے کہ "اَللّٰهُمَّ إِنَّا نَسْتَعِينُكَ الخ" کے ساتھ حضرت حسن بن علیؓ والی یہ قنوت "اَللّٰهُمَّ اهْدِنِي فِيمَنْ هَدَيْتَ الخ" بھی پڑھی جائے۔

عَنْ عَلِيٍّ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقُولُ فِي آخِرِ وِتْرِهِ "اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِرِضَاكَ مِنْ سَخَطِكَ وَبِمُعَافَاتِكَ مِنْ عُقُوبَتِكَ وَأَعُوذُ بِكَ مِنْكَ لَا أُحْصِي ثَنَاءً عَلَيْكَ أَنْتَ كَمَا أَثْنَيْتَ عَلَى نَفْسِكَ ـــــ رواہ ابوداؤد والترمذی والنسائی وابن ماجہ

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے وتر کے آخر میں یہ دعا کیا کرتے تھے "اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِرِضَاكَ مِنْ سَخَطِكَ الخ" اے اللہ میں تیری ناراضی سے تیری رضامندی کی پناہ لیتا ہوں اور تیری سزا اور تیرے عذاب سے تیری عافیت بخشی کی پناہ لیتا ہوں اور تجھ سے تیری پناہ لیتا ہوں، مجھ سے تیری ثنا صفت کا حق ادا نہیں ہو سکتا، (بس یہی عرض کر سکتا ہوں کہ) تو ویسا ہی ہے جیسا کہ تو نے اپنی ثنا صفت بیان کی ہے۔

(سنن ابی داؤد، جامع ترمذی، سنن نسائی، سنن ابن ماجہ)

تشریح) سبحان اللہ کیا لطیف مضمون ہے اس دعا کا، حاصل پوری دعا کا یہ ہے کہ

اللہ کی ناراضی، اللہ کی سزا، اللہ کی پکڑ اور اس کے جلال سے کوئی جائے پناہ نہیں، بس اسی کی رحمت وعنایت اور اسی کی کریم ذات پناہ دے سکتی ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اس حدیث میں صرف اتنا مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا اپنے وتر کے آخر میں کرتے تھے۔ اس کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آپ تیسری رکعت میں قنوت کے طور پر یہ دعا کرتے تھے، اور بعض آئمہ اور علماء نے یہی سمجھا ہے، اور یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ وتر کے آخری قعدہ میں سلام سے پہلے یا سلام کے بعد آپ یہ دعا کرتے تھے، اور یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ وتر کے آخری سجدوں میں آپ یہ دعا کرتے تھے صحیح مسلم میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ایک دفعہ انھوں نے رات کی نماز کے سجدہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہی دعا کرتے ہوئے سنا تھا —— بہرحال ان سب ہی صورتوں کی گنجائش ہے۔ اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق دے۔

عَنْ اُبَیِّ بْنِ کَعْبٍ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا سَلَّمَ فِی الْوِتْرِ قَالَ سُبْحَانَ الْمَلِكِ الْقُدُّوْسِ۔

رواہ ابوداؤد والنسائی وزاد "ثلث مرات یطیل"

حضرت اُبَیّ بن کعب سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب وتر کا سلام پھیرتے تو کہتے تھے "سُبْحَانَ الْمَلِكِ الْقُدُّوْس"۔ (سنن ابی داؤد وسنن نسائی)

نسائی کی روایت میں یہ اضافہ بھی ہے کہ آپ یہ کلمہ تین دفعہ کہتے تھے اور اس کو طویل کرتے تھے (یعنی کھینچ کر پڑھتے تھے)

اور بعض روایات میں ہے کہ "وَیَرْفَعُ صَوْتَہٗ بِالثَّالِثَۃِ" یعنی آپ یہ کلمہ تیسری دفعہ بلند آواز سے کہتے تھے۔

وتر کے بعد کی دو رکعت :-

عَنْ اُمِّ سَلَمَۃَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ یُصَلِّیْ بَعْدَ الْوِتْرِ رَکْعَتَیْنِ —— رواہ الترمذی وزاد ابن ماجۃ خفیفتین وھو جالس

حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وتر کے بعد دو رکعتیں اور پڑھتے تھے۔ (جامع ترمذی)

اس حدیث کو ابن ماجہ نے بھی روایت کیا ہے اور اس میں یہ اضافہ ہے کہ آپ وتر کے بعد کی یہ دو رکعتیں ہلکی ہلکی اور بیٹھ کر پڑھتے تھے۔

(تشریح) وتر کے بعد دو رکعتیں بیٹھ کر پڑھنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت اُمّ سلمہ کے علاوہ حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ اور حضرت ابو امامہ رضؓ نے بھی روایت کیا ہو۔ انہی احادیث کی بنا پر بعض علماء وتر کے بعد کی ان دو رکعتوں کا بیٹھ کر پڑھنا ہی افضل سمجھتے ہیں۔

لیکن دوسرے حضرات فرماتے ہیں کہ اس بارہ میں عام اُمتیوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر قیاس نہیں کیا جا سکتا، صحیح مسلم میں حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ سے مروی ہے کہ انھوں نے ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بیٹھ کر نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تو دریافت کیا کہ مجھے تو کسی نے آپ کے حوالے سے یہ بتایا تھا کہ بیٹھ کر نماز پڑھنے والے کو کھڑے ہو کر پڑھنے والے سے آدھا ثواب ملتا ہے، اور آپ بیٹھ کر پڑھ رہے ہیں؟ آپ نے ارشاد فرمایا — ہاں مسئلہ یہی ہے (یعنی بیٹھ کر نماز پڑھنے کا ثواب کھڑے ہو کر پڑھنے کے مقابلہ میں آدھا ہوتا ہے) لیکن میں اس معاملہ میں تمہاری طرح نہیں ہوں، میرے ساتھ اللہ کا معاملہ استثنائی ہے یعنی مجھے بیٹھ کر پڑھنے کا بھی پورا ثواب ملتا ہے" — اس حدیث کی بنا پر اکثر علماء اس کے قائل ہیں کہ وتر کے بعد کی ان دو رکعتوں کے لیے کوئی الگ اُصول نہیں ہے۔ بلکہ وہی عام اصول اور قاعدہ ہے کہ بیٹھ کر پڑھنے کا ثواب کھڑے ہو کر پڑھنے کے مقابلہ میں آدھا ہوگا۔ واللہ اعلم

وتر کے بارہ میں یہ حدیث اوپر گزر چکی ہے کہ "وتر رات کی سب سے آخری نماز ہونی چاہیے۔" وتر کے بعد یہ دو رکعتیں پڑھنا اس حدیث کے خلاف نہیں ہوگا، کیونکہ یہ دو رکعتیں دراصل وتر ہی کی تابع ہیں ان کی کوئی مستقل حیثیت نہیں ہے۔

تجلیاتِ مجددِ الفِ ثانیؒ
مکتوبات کے آئینے میں

(مولانا نسیم احمد فریدی)

مکتوب (۴۳) مولانا محمد صالح کولابی کے نام۔ [اس بیان میں کہ محبوب، نظرِ محب میں بہرحال محبوب ہے چاہے وہ انعام فرمائے یا الم پہونچائے]

الحمد للہ وسلامٌ علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ ——— برادرم مولانا محمد صالح کو واضح ہو کہ ——— محبوب، نظرِ محب میں بلکہ حقیقت امر میں ہر وقت اور ہر حال میں محبوب ہی ہے ——— الم پہونچائے تب محبوب ہے، انعام فرمائے تب محبوب ہے ——— دولتِ محبت سے مشرف ہونے والے اکثر اہل اللہ کے نزدیک انعام کے وقت محبوب سے محبت زیادہ ہوتی ہے بمقابلہ وقتِ الم دہی کے ——— یا زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ دونوں وقت محبت مساوی ہوتی ہے ——— لیکن کچھ اہل اللہ ایسے ہیں جن کے نزدیک معاملہ برعکس ہے۔ یعنی محبوب کی الم دہی زیادہ محبت بخش ہے بمقابلہ اس کے انعام کے ——— اس دولتِ عظمیٰ کا مقدمہ انجیش حسنِ ظن ہے، محبوب کے ساتھ اس حد تک کہ اگر محبوب محب کے حلق پر چھری بھی چلادے اور اس کے ایک ایک عضو کو جدا کردے تو بھی محب اس میں اپنی بہتری اور بہبودی تصور کرے گا ——— جب اس حسنِ ظن کے حاصل ہوجانے کی وجہ سے محبوب کے

فعل کی کراہت نظرِ محب سے اُٹھ گئی تو محبتِ ذاتی کی دولت سے ..... مشرف ہوگیا، اور (اب) محبوب کے ایلام (الم دہی) میں اس کے انعام سے زیادہ لذت محسوس ہوگی ___ میں سمجھتا ہوں کہ یہ مقام مقامِ رضا سے بھی اونچا ہے۔ اس لیے کہ رضا نام ہے محبوب کی الم دہی سے کراہت دور کرنے کا، مگر اس مقام میں الم دہی سے لذت پاتا ہے۔ اس لیے کہ جتنی محبوب کی جانب سے سختی زیادہ ہوتی ہے محب کی خوشی و سرور میں اضافہ ہوتا ہے ...... اور جبکہ محبوب نظرِ محب میں بلکہ حقیقت میں ہر وقت اور ہر حال میں محبوب ہے تو یقیناً محبوب ہر وقت اور ہر حال میں محب کی نظر میں بلکہ واقعی طور پر محمود و ممدوح بھی ہوگا۔ اور محب ایلام و انعام ہر دو حال میں اس کا مدح گو اور ثنا خواں ہوگا .... شاید کہ حمد کو جو شکر پر تفضیلت ہے وہ اسی وجہ سے ہے کہ شکر میں انعامِ منعم پیشِ نظر ہوتا ہے جو کہ صفت بلکہ فعل کی طرف راجع ہے۔ اور حمد میں حسن و جمالِ محمود ملحوظ ہوتا ہے خواہ وہ حسن و جمال، ذاتی ہو یا وصفی ہو یا فعلی۔ اور چاہے وہ انعام (یعنی نعمت) کی شکل میں ہو یا ایلام (یعنی تکلیف و مصیبت) کی صورت میں ___ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو ایلام ہے وہ اس کے انعام ہی کی طرح حسن (یعنی خوب اور پسندیدہ) ہے ___ پس حمد زیادہ بلیغ ہوئی اور زیادہ جامع ہوئی تمام مراتبِ حسن و جمال کو اور خوشی و غمی دونوں حالتوں میں زیادہ پائدار ___ برخلاف شکر کے اس لیے کہ وہ اپنی کوتاہی کے ساتھ ساتھ جلد زائل ہو جانے والا اور انعام کے زائل ہو جانے پر ختم ہو جانے والا ہے ....

مکتوب ۳۶۔ خواجہ محمد تقی کے نام

[بحثِ امامت اور بیانِ حقیقتِ اہلسنت و جماعت میں ___ یہ ایک طویل مکتوبِ گرامی ہے۔ آخر اور درمیان سے کچھ حصہ چھوڑ کر بقیہ کا ترجمہ پیش کیا جا رہا ہے۔ تلخیص میں ربطِ مضمون کا لحاظ رکھا گیا ہے۔]

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ___ بعد الحمد والصلوٰۃ وتبلیغ الدعوات ___ اللہ والوں سے محبت اور اُن سے ربط و اُلفت، اُن کی باتوں کو سننے کی رغبت اور اُن کے طور و طریق کی طرف

میلان ، اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں سے ایک بڑی نعمت اور اس کی دی ہوئی بڑی دولت ہو۔ مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے "اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ" (انسان جس کے ساتھ محبت رکھتا ہے اس کے ساتھ ہے) پس درویشوں سے محبت رکھنے والا اُن کے ہی ساتھ ہے اور بزم قرب حق میں اُن کا طفیلی ہے ـــــــ سعادت اطوار خواجہ شرف الدین حسین نے بیان کیا ہے کہ مذکورۂ بالا صفات حمیدہ آپ کے اندر پائے جاتے ہیں۔ باوجود اس کے کہ آپ بہت سی بے فائدہ باتوں میں پھنسے ہوئے ہیں۔ ان اوصاف حمیدہ کی موجودگی پر اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیے ـــــــ آپ کی اصلاح و درستی ایک بڑی جماعت کی اصلاح و درستی کا سبب بن جائے گی اور آپ کی فلاح و کامیابی ایک بڑے گروہ کی فلاح و کامیابی کا باعث ہوگی ـــــــ خواجہ شرف الدین حسین نے یہ بھی بتایا کہ آپ میری باتوں سے واقف ہیں اور میرے علوم کو سننے کی (مزید) رغبت رکھتے ہیں۔ انھوں نے یہ بھی کہا کہ اگر میں آپ کو چند باتیں لکھوں تو بہتر ہوگا۔ ان کے التماس کے بموجب چند ضروری باتیں لکھی جارہی ہیں ـــــــ چونکہ اس زمانہ میں بحث امامت بہت چل رہی ہے اور ہر ایک اس میں اپنے ظن و تخمین سے باتیں کرتا ہے۔ ضرورتاً اس مبحث پر کچھ لکھا گیا ہے اور مذہب اہل سنت و جماعت نیز دیگر مذاہب مخالفین کی حقیقت بیان کی گئی ہے ـــــــ نجابت آثارا ! اہل سنت و جماعت کی علامات میں سے تفضیل شیخین (ابو بکرؓ و عمرؓ کو افضل امت سمجھنا) اور محبۃ الختنین (علیؓ و عثمانؓ سے محبت رکھنا) ہے۔ تفضیل شیخین جب محبت ختنین کے ساتھ جمع ہو تو یہ خصائص اہل سنت و جماعت میں سے ہے ـــ تفضیل شیخینؓ ، صحابہؓ و تابعینؒ کے اجماع سے ثابت ہوئی ہے۔ چنانچہ اکابر نے اس اجماع کو نقل کیا ہے۔ ان اکابر ائمہ میں امام شافعیؒ بھی ہیں ـــــــ اور ابو الحسن اشعریؒ فرماتے ہیں کہ ساری اُمت میں ابوبکرؓ و عمرؓ کی افضلیت قطعی ہے اور خود حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے بتواتر ثابت ہے کہ وہ اپنی خلافت کے زمانہ میں گروہ کثیر کے روبرو فرمایا کرتے تھے کہ ابوبکرؓ و عمرؓ اس اُمت میں سب سے بہتر ہیں۔ چنانچہ امام ذہبیؒ نے کہا ہے اور امام بخاریؒ نے روایت کیا ہے کہ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ بہترین مردم بعد از پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم ابوبکرؓ ہیں پھر عمرؓ ہیں، پھر ایک

حضرت علیؓ کے صاحبزادے محمد بن حنفیہؒ نے دریافت کیا، پھر آپ؟ فرمایا کہ میں تو مسلمانوں میں سے ایک مسلمان ہوں ـــــ بالجملہ، تفضیل شیخین راویوں کی کثرت کی بنا پر شہرت وتواتر کی حد تک پہونچ گئی ہے اس کا انکار کرنا یا جہالت کی وجہ سے ہے یا از راہِ تعصب ـــــ

ـــــ عبدالرزاق جو اکابر شیعہ میں سے ہیں جب انھوں نے مجالِ انکار نہ پائی تو (لاچار ہوکر) تفضیل شیخین کے قائل ہوگئے اور کہا کہ "جب حضرت علیؓ (خود) شیخینؓ کو اپنے اوپر فضیلت دے رہے ہیں تو میں بھی حضرت علیؓ کے قول کے مطابق شیخینؓ کو حضرت علیؓ پر فضیلت دیتا ہوں۔ اگر حضرت علیؓ فضیلت نہ دیتے تو میں بھی فضیلت نہ دیتا، یہ گناہ کی بات ہے کہ میں ایک طرف حضرت علیؓ کی محبت کا دعویٰ کروں اور دوسری طرف اُن کے قول کی مخالفت کروں" ـــــ اور چونکہ حضرت عثمانؓ وحضرت علیؓ کے زمانۂ خلافت میں فتنوں کا ظہور ہوا اور لوگوں کے احوال ومعاملات میں بہت سا اختلال واقع ہوا اس بنا پر کچھ لوگوں کے دلوں میں (اس وقت) بہت کچھ کدورت پیدا ہوگئی اور عداوت وکینہ نے غلبہ پالیا۔ اس وجہ سے "محبت ختنین" بھی از جملہ شرائط اہل سنت وجماعت شمار ہوئی تاکہ کوئی ناواقف اس راہ سے اصحابِ خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بدگمانی نہ کرے اور حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے جانشینوں کے ساتھ بغض وعداوت نہ پیدا کرے ـــــ پس محبتِ حضرت علیؓ شرطِ اہلِ سنت واقع ہوئی ـــــ جو ان سے محبت نہ کرے وہ اہلِ سنت وجماعت سے خارج ہے، اس کا نام خارجی ہے ـــــ اور جس نے محبت حضرت علیؓ میں غلو اور افراط کی سمت اختیار کی اور حدِ مناسب سے تجاوز کر گیا اور اصحابِ خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم کی بدگوئی اور ان کی شان میں گستاخی کے ساتھ زبان کشائی کی اس کا نام شیعہ ہوا۔ پس اہلِ سُنّت محبتِ علیؓ کی افراط وتفریط کے درمیان اعتدال پر ہیں افراط وتفریط کو روافض وخوارج نے اختیار کیا ہے۔ اور اس میں شک نہیں کہ حق وسط میں ہے اور افراط تفریط دونوں مذموم ہیں ـ چنانچہ امام احمد حنبلؒ نے حضرت علیؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہی سے فرمایا "اے علی تم کو عیسیٰ علیہ السلام سے مشابہت ہے۔ کہ یہود نے اُن سے دشمنی کی، حتیٰ کہ ان کی والدہ مریم صدیقہ پر بھی بہتان باندھا اور نصاریٰ نے

ان کی محبت و عظمت میں اتنا غلو کیا کہ ان کو اس مرتبے پر اتارا جس کے وہ ہرگز مستحق نہ تھے۔ یعنی اللہ کا بیٹا کہا ــــــ پھر حضرت علیؓ نے فرمایا کہ میرے معاملے میں بھی دو گروہ ہلاک ہو گئے ایک وہ جو میری محبت میں حد سے زیادہ آگے بڑھ گیا اور جو صفت میرے اندر نہیں ہے اس کو ثابت کرتا ہے، اور دوسرا وہ جو میرے ساتھ دشمنی رکھتا ہے اور دشمنی و عداوت کی وجہ سے مجھ پر بہتان تراشی کرتا ہے"............ وہ شخص جاہل و نادان ہے جو اہلِ سنتؒ جماعت کو محبانِ علیؓ میں سے نہیں جانتا اور محبت علیؓ کو شیعوں کے ساتھ مخصوص رکھتا ہے ــــ محبتِ جنابِ امیرؓ رفض نہیں ہے، خلفاءِ ثلثہ سے اظہار بیزاری رفض ہے اور اصحابِ کرام سے بے تعلق ہونا مذموم ہے ــــ امام شافعی فرماتے ہیں ؎

لو کان رفضاً حبُّ آلِ محمّدٍ　　فلیشہد الثقلان انّی رافضٗ

یعنی اگر حبِّ آلِ محمد رفض ہے (جیسا کہ بعض لوگ خیال کرتے ہیں) تو پھر زمین و آسمان گواہ رہیں کہ میں بھی اس رفض کا مرتکب ہوں۔ .... اس فقیر کے والد ماجد (مخدوم شیخ عبد الاحد فاروقیؒ) جو کہ علم ظاہری و باطنی کے عالم تھے اکثر اوقات محبت اہل بیت کی ترغیب دیا کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ اس محبت کو سلامتی خاتمہ میں بڑا دخل ہے، اس کا بہت خیال رکھا جائے۔ ان کے مرض موت میں فقیر حاضر تھا، جب ان کا آخری وقت ہوا اور اس عالم فانی کا شعور کم ہو گیا اس وقت فقیر نے ان کو یہ بات یاد دلائی اور محبتِ اہل بیت کا استفسار کیا، فرمایا کہ" میں محبتِ اہلِ بیت میں غرق ہوں" اس وقت اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا گیا۔ ــــ محبت اہلِ بیت تو سرمایۂ اہلِ سنت ہے، مخالفین اس حقیقت سے غافل اور اُن کی اعتدالی محبت سے ناواقف ہیں (مخالفین نے) جانبِ افراط کو اختیار کر لیا اور افراط کے علاوہ کو تفریط جان بیٹھے اور اس پر خارجی پن کا حکم لگا دیا.......... یہ نہ سوچا کہ افراط و تفریط کے درمیان ایک اور حد بھی ہے جس کو اعتدال کہتے ہیں جو مرکزِ حق اور جائے صدق ہے اور جو اہلِ سنت کو نصیب ہے .... یہ کس قسم کی محبت ہے کہ اس کا حاصل ہونا جانشینانِ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اور اصحاب کرامؓ سے بیزاری اور اُن پر لعن و طعن کرنے پر ہی موقوف ہے؟ ــــ اہلِ سنت کا گناہ اگر ہے تو یہ ہے کہ وہ محبت اہلِ بیت کے

ساتھ ساتھ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام اصحاب کرام کی تعظیم و توقیر بھی کرتے ہیں۔ ان میں سے کسی کو بھی باہمی تنازعات و اختلافات کے باوجود بدی کے ساتھ یاد نہیں کرتے اور ان کی یہ تعظیم و توقیر بھی صحبتِ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی بنا پر کرتے ہیں۔........

قرآن و احادیث اصحابِ کرامؓ ہی کی تبلیغ سے ہم تک پہونچے ہیں۔ اگر اصحابِ کرامؓ مجروح و مطعون ہوئے تو وہ دین بھی جو ان کے ذریعہ سے ہم تک پہونچا ہے مجروح و مطعون ہوجائے گا، نعوذ باللہ من ذلک .... محض اپنے گمان سے کسی بزرگ دین کو (خواہ مخواہ) دشمنِ علیؓ سمجھ لینا اور پھر اس کے حق میں لعن طعن کو جائز رکھنا انصاف سے دور ہے، یہ افراطِ محبت کے شگوفے ہیں ــــــ .... اگر فرض کرو کہ تقیہ حضرت علیؓ کے حق میں جائز بھی ہوجائے تو کیا کہیں گے حضرت علیؓ کے اُن اقوال کے بارے میں جو بطریقِ تواتر افضلیتِ شیخینؓ کے بارے میں اُن سے منقول ہیں۔ اور اسی طرح حضرت علیؓ کے وہ کلماتِ قدسیہ جو ان کی خلافت کے زمانہ میں خلفاء ثلثہ کی حقانیت کے اظہار میں ان کی زبانِ مبارک سے صادر ہوئے ہیں ــــــ تقیہ تو اتنا ہی کافی ہوتا کہ اپنی خلافت کے استحقاق کو چھپا لیتے اور خلفاء ثلثہ کی خلافت کا (نعوذ باللہ) باطل ہونا ظاہر نہ کرتے۔ لیکن حقانیتِ خلفاء ثلثہ کا اظہار اور بیانِ افضلیتِ شیخینؓ یہ تو ایک علیحدہ بات ہے جو ماورائے تقیہ ہے اور جس کو سچائی پر ہی محمول کیا جاسکتا ہے .....حضرت عائشہ صدیقہؓ جو کہ حبیبۂ حبیبِ ربّ العالمینؐ ہیں اور جو آخر وقت تک آپؐ کی مقبولہ اور منظورِ نظر رہیں اور حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے کل مدتِ مرض الموت اُن کے حجرے ہی میں گزاری اور اُن کی آغوشِ مبارک ہی میں آپؐ نے اپنی جانِ پاک جانِ آفریں کے سپرد کی اور پھر اُن ہی کے حجرے میں مدفون ہوئے۔ باوجود ان فضائل کے حضرت صدیقہؓ عالمہ اور مجتہدہ بھی تھیں اور حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے نصف دین (جو کہ عورتوں سے متعلق ہے) کا بیان ان کے حوالے کیا تھا، اصحابِ کرامؓ مشکلاتِ احکام میں اُن سے رجوع کرتے تھے اور مسائلِ مشکلہ کا حل ان سے پاتے تھے۔ ایسی صدیقہ مجتہدہ کو حضرت علیؓ سے ایک (اجتہادی) اختلاف کی بنا پر مطعون کرنا اور امورِ ناشائستہ اُن کی طرف منسوب کرنا

نہایت بیہودہ بات ہے اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے والے سے بعید ہے۔ حضرت علیؓ اگر داماد حضرت پیغمبر اور آپؐ کے چچا زاد بھائی تھے تو حضرت صدیقہؓ آپؐ کی زوجہ مطہرہ نیز آپؐ کی حبیبہ اور مقبولہ تھیں ...... اگر کوئی محبت علی کو مستقلاً اختیار کرتا ہے اور حبِ پیغمبر کو اس محبت میں کوئی دخل نہیں ہے تو ایسا شخص بحث سے خارج ہے، اور قابلِ مخاطبت نہیں ہے۔ ایسے شخص کی غرض تو دین کو باطل کرنا اور شریعت کو ویران کرنا ہے۔ وہ تو یہ چاہتا ہے کہ بغیر توسط حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم ایک راستہ اختیار کرے اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے بے تعلق ہو کر حضرت علیؓ کی طرف مائل و متوجہ ہو ...... حضرت علیؓ (یقیناً) ایسے شخص سے بیزار ہیں اور اس کے اس کردار سے ان کو (روحانی) صدمہ ہے۔

(در اصل) اصحاب پیغمبر اور خُسران و دامادان پیغمبرؐ سے دوستی و محبت رکھنا دوستی و محبت پیغمبر ہی کی وجہ سے ہے اور ان کی تعظیم و تکریم، حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم و تکریم ہی کی بنا پر ہے۔ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جس شخص نے اُن سے (صحابہؓ سے) محبت رکھی اُس نے میری محبت کی وجہ سے ان سے محبت رکھی"۔ ایسے ہی جو شخص ان حضرات کا دشمن ہے وہ بھی اپنے اندر دشمنی پیغمبر رکھنے کی وجہ سے اُن کا دشمن ہے۔ جیسا کہ آنحضرتؐ کا ارشاد ہے۔ "جس نے ان سے بغض رکھا اُس نے مجھ سے بغض رکھنے کی وجہ سے اُن سے بغض رکھا"۔ مطلب یہ ہے کہ جو محبت میرے اصحاب سے متعلق ہے وہ وہی محبت ہے جو مجھ سے متعلق ہے۔ ایسے ہی اُن سے جو بغض متعلق ہے وہ وہی بغض ہے جو مجھ سے متعلق ہے ...

...... اے مخاطب! بہت زیادہ پرہیز کر، اکابر دین پر طعن کرنے سے اور مقتدایان اسلام کی برائی کرنے سے۔ وہ اکابر دین جنھوں نے اپنی پوری طاقت کو صرف کیا ہے کلمۂ اسلام کو بلند کرنے اور سید الانام صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کی نصرت و حمایت میں، اور جنھوں نے اپنے مالوں کو خرچ کیا ہے تائید دین میں رات دن، خفیہ اور علانیہ اور جنھوں نے حبِ رسولؐ کی خاطر اپنے کنبے، برادری کو چھوڑا، اپنی اولاد و ازواج کو چھوڑا، اپنے وطنوں کو چھوڑا جنھوں نے اپنے گھر، اپنے بہتے چشمے اپنی کھیتیاں اپنے باغات اور نہریں یہ سب چیزیں چھوڑیں۔ جنھوں نے ذات رسول علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کو اپنی ذاتوں پر ترجیح دی، جنہوں نے محبت رسولؐ کو اپنی ذات کی محبت اور

اپنے اموال و اولاد کی محبت کے مقابلے میں ــــــ اختیار کیا ــــــ یہ وہ ہیں جو شرف صحبت سے مشرف ہیں اور صحبت رسول اقدس صلی اللہ علیہ وسلم میں رہ کر برکات نبوت سے بہرہ مند ہوئے، وحی ان کے سامنے آئی، جبرئیل علیہ السلام کی حاضری ان کی موجودگی میں ہوتی تھی اور انھوں نے اپنی آنکھوں سے خوارق و معجزات رسولؐ کو دیکھا ہے، یہاں تک کہ ان کا غیب شہادت اور ان کا علم عینی ہو گیا ــــــ اور ان کو یقین کی وہ دولت عطا ہوئی جو ان کے بعد کسی کو نہیں ملی، یہاں تک کہ دوسروں کا کوہِ اُحد کے برابر سونا خیرات کرنا اُن کے ایک مُد یا نصف مُد جَو کے اجر کے برابر بھی نہیں ہے ــــــ یہ وہ ہیں جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب پاک میں فرمایا ہے

"رَضِیَ اللّٰہُ عَنۡہُمۡ وَرَضُوۡا عَنۡہُ" — اللہ ان سے راضی ہے اور وہ اللہ سے خوش۔

دوسری جگہ انجیل کے حوالے سے فرمایا گیا ہے

وَمَثَلُهُمْ فِي الْإِنْجِيلِ كَزَرْعٍ أَخْرَجَ شَطْأَهُ فَآزَرَهُ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوَىٰ عَلَىٰ سُوقِهِ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ۔

اور انجیل میں ان اصحابؓ محمد (علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والسلام) کی مثال یوں بیان ہوئی ہے کہ ایک کھیتی کی طرح جس کا (کمزور اور نرم و نازک) انکھوا زمین سے برآمد ہوا، پھر اس کو طاقت و قوت ملی پھر وہ اپنی ساق (یعنی ڈنڈیوں) پر سیدھی قائم ہو گئی۔ پھر وہ مضبوط ہو گئی۔ کاشتکار اسے دیکھ دیکھ کے خوش ہوتے ہیں ــ تاکہ جلیں اُن سے دل کافروں کے۔

اللہ تعالیٰ نے صحابہؓ سے جلنے والوں کو "الکفّار" فرمایا ہے، پس صحابہؓ سے جلن اور کینہ اور غصہ سے اسی طرح پرہیز کرنا ضروری ہے جس طرح کفر سے پرہیز کیا جاتا ہے ــ اللہ تعالیٰ ہی توفیق دینے والا ہے۔

سلاطین وقت اور مشائخ چشت

محبوب الٰہی حضرت خواجہ نظام الدین کے اثرات صحبت و تربیت کی روشنی میں

(مولانا سید ابو الحسن علی ندوی)

[گزشتہ اشاعت میں تاریخ دعوت و عزیمت کی زیر طبع جلد سے حضرت محبوب الٰہی کے فیوض و بیعت و ارشاد کی کچھ جھلکیاں ہدیۂ ناظرین کی گئی تھیں۔ آج کی صحبت میں حضرت خواجہ کے اثراتِ صحبت و تربیت کا ایک خاص پہلو اسی کتاب سے پیش کیا جا رہا ہے۔

(مرتب)]

حضرت سلطان المشائخ نے اپنے خلفاء اور مریدین کی بڑے اہتمام اور توجہ سے تربیت فرمائی تھی، سلطان علاء الدین خلجی کے اُمراء و دربار اور ارکانِ سلطنت میں سے ایک بڑے عہدیدار خواجہ موید الدین تھے۔ اُن کو حضرت خواجہ سے تعلق پیدا ہو گیا اور یہ تعلق اتنا بڑھا کہ ان کی طبیعت "سرکار، دربار" سے اُچاٹ ہو گئی اور وہ حضرت خواجہ کی خدمت میں رہ پڑے۔ سلطان ان کا بڑا قدردان تھا، اور ان کی ضرورت محسوس کرتا تھا۔ اُس نے ایک صاحب .... کے ذریعہ حضرت خواجہ سے شکایت کی اور کہا کہ حضرت ہر ایک کو اپنا جیسا بنانا چاہتے ہیں۔ حضرت خواجہ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ اپنا جیسا کیا، اپنے سے بہتر،[1] ــــ حضرت خواجہ کی صحبت و تربیت سے صرف عبادت و ریاضت

---

[1] سیر الاولیاء صـ ۳۱۱

کا ذوق اور اپنی اصلاح و ترقی ہی کی فکر نہیں پیدا ہوتی تھی، بلکہ دعوت و تبلیغ کا جذبہ امر بالمعروف نہی عن المنکر کی ہمت اور حوصلہ، سلاطینِ وقت کے سامنے کلمۂ حق کہنے کی جرأت اور بے خوفی و شجاعت بھی پیدا ہوتی تھی، اور یہ خدا کے نام اور مردانِ خدا کی صحبت کا لازمی نتیجہ ہے، جس دل میں اللہ کا خوف سما جائے گا اس دل سے غیر اللہ کا خوف قدرتی طور پر نکل جائے گا، اور جو دل طمع دنیا سے آزاد ہو جائے گا اس پر کسی کا رعب اور اس کو کسی سے ہراس نہیں ہو سکتا جس پر خالق کی عظمت اور مخلوق کی صحیح حیثیت کا انکشاف ہو گیا، وہ سلاطین کے کرّ و فر، اُن کے درباروں کے تزک و احتشام اور ان کے غلاموں اور افسروں کی صف بندیوں اور "نگاہ بدوبرد" اور "دورباش" کو بچوں کا کھیل اور گڑیوں کے گھروندوں سے زیادہ وقعت نہیں دے سکتا، اور جاہ و جلال کی کسی نمائش کے موقع پر کلمۂ حق کہنے سے کبھی باز نہیں رہ سکتا، یہی توحید و تجرید کا طبعی نتیجہ، حقیقی تصوف کا خاصّہ اور مردانِ خدا اور درویشانِ کامل کا شیوہ ہے:۔

دارا و سکندر سے وہ مردِ فقیر اولیٰ ہو جس کی فقیری میں شانِ اسد اللّٰہی

آئینِ جواں مرداں حق گوئی و بیباکی اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

حضرت خواجہ کے تربیت یافتہ خدام و مریدین نے اس "اسد اللّٰہی" اور اس حق گوئی و بے باکی کے ایسے نمونے پیش کیے، جن کی نظیر ملنی آسان نہیں۔

سلاطینِ وقت کی بے رعبی اور حق گوئی کے چند نمونے

سلطان محمد تغلق کے شوکت و جبروت سے:

تاریخ کا ہر طالب علم واقف ہے، سلطان کا ایک مرتبہ ہانسی کے پاس سے گزر ہوا، وہاں سے چار کوس کے فاصلہ پر کسی مقام پر خیمۂ شاہی و خرگاہ نصب ہوا، سلطان نے مخلص الملک نظام الدین ندرباری کو جو اپنے ظلم و قساوت میں اس زمانہ میں مشہور تھا، ہانسی کے حصار کے معائنہ کے لیے بھیجا۔ وہ جب حضرت شیخ قطب الدین منورؒ (نبیرہ حضرت شیخ جمال الدین ہانسوی و خلیفہ سلطان المشائخ) کے مکان کے پاس پہونچا تو دریافت کیا کہ یہ مکان کس کا ہے؟ لوگوں نے کہا کہ شیخ قطب الدین منور کا جو حضرت سلطان المشائخ کے خلیفہ ہیں، کہا کیا عجیب

بات ہے کہ بادشاہ اس جوار میں آئے اور شیخ اس کے سلام کو حاضر نہ ہوں؟ مخلص الملک نے واپسی پر سب کیفیت عرض کی، اور یہ بھی کہا کہ سلطان المشائخ کے ہانسی میں ایک خلیفہ ہیں، جو جہاں پناہ کے سلام کے لیے حاضر نہیں ہوئے، بادشاہ کو یہ سن کر غصہ آیا، اسی وقت حسن سر برہنہ کو جو ایک بڑا معزز و ذی جاہ شخص تھا، شیخ قطب الدین کو لانے کے لیے بھیجا، حسن سر برہنہ جب مکان کے قریب پہونچا تو تنہا پیادہ پا شیخ کی دہلیز میں آکر عاجزانہ طریقہ پر بیٹھ گیا، شیخ نے بلایا، حسن نے جاکر عرض کیا کہ آپ کی بادشاہ کے یہاں طلبی ہے، فرمایا کہ اس میں مجھے کچھ اختیار ہے یا نہیں؟ اس نے کہا کہ مجھے فرمانِ سلطانی ہے کہ میں آپ کو بہرحال لے آؤں۔ شیخ نے فرمایا الحمدللہ کہ میں اپنے اختیار سے نہیں جا رہا ہوں، پھر گھر والوں کی طرف رخ کیا اور فرمایا کہ تم کو خدا کے سپرد کیا، یہ کہا اور مصلّٰی کاندھے پر ڈالا، لاٹھی ہاتھ میں لی اور پیادہ پا روانہ ہو گئے، حسن نے سواری کے لیے عرض کیا، فرمایا نہیں مجھ میں قوت ہے میں پیدل چل سکتا ہوں، جب ہنسی پہونچے تو سلطان کو خبر ہوئی، سلطان نے حکم دیا کہ دہلی چلیں، دہلی پہونچ کر دربار شاہی میں طلب کیا۔ شیخ نے فیروز شاہ سے جو اس زمانہ میں نائب باربک تھے کہا کہ ہم فقیر لوگ ہیں بادشاہوں کی مجلس کے آداب سے واقف نہیں، جیسا آپ کا مشورہ ہو دیا کیا جائے۔ فیروز نے جو فقیر دوست اور صحیح الاعتقاد شخص تھا کہا کہ لوگوں نے آپ کے متعلق بادشاہ کے کان بہت بھرے ہیں، اگر آپ کچھ تعظیم اور تواضع سے کام لیں تو بہتر ہے، ایوان شاہی کی دہلیز میں قدم رکھا تو اُمراء و ملوک اور نقیب و چاؤش دو رویہ کھڑے تھے، صاحبزادۂ نورالدین جو ہانسی سے ہمرکاب آئے تھے، کم عمر تھے، اور انھوں نے کبھی بادشاہوں کی بارگاہ دیکھی نہیں تھی ان پر ایک ہیبت سی طاری ہوئی، شیخ قطب الدین منوّر نے اُن سے پکار کر کہا "بابا نورالدین، العَظَمَۃُ وَالْکِبْرِیَاءُ لِلّٰہ" صاحبزادے کا بیان ہے کہ یہ سنتے ہی میرے اندر ایک قوت پیدا ہوئی، سارا رعب جاتا رہا، اور جو امراء و ملوک وہاں کھڑے تھے وہ مجھے بالکل بکریوں کی طرح معلوم ہونے لگے، جب سلطان کو یہ اندازہ ہوا کہ شیخ آرہے ہیں، تو وہ کھڑا ہو گیا اور کمان ہاتھ میں لے کر تیر اندازی میں مشغول ہو گیا۔ شیخ قریب آئے، تو اس نے خلافِ معمول تعظیم کی اور مصافحہ کیا، شیخ نے بہت مضبوطی سے بادشاہ کا ہاتھ پکڑا، بادشاہ نے کہا کہ میں آپ کے جوار میں پہونچا، آپ نے میری کوئی تربیت

نہ فرمائی اور اپنی ملاقات سے عزت نہ بخشی، شیخ نے فرمایا کہ یہ درویش اپنے کو اس کا اہل نہیں سمجھتا کہ بادشاہوں سے ملاقات کرے۔ ایک کونے میں پڑا ہوا بادشاہ اور اہلِ اسلام کی دعاگوئی میں مصروف ہے، اس کو معذور سمجھا جائے، بادشاہ بہت متاثر ہوا۔ اور اپنے بھائی فیروز شاہ سے کہا کہ شیخ کی جیسی مرضی ہو دیا کرو۔ شیخ منور نے فرمایا کہ مجھ فقیر کا مقصود و مطلوب یہی ہے کہ اپنے دادا اور باپ کے گوشۂ عافیت میں واپس جائے، فیروز شاہ نے اس کی تعمیل کی، شیخ کی واپسی کے بعد بادشاہ نے ایک امیر سے کہا کہ مجھے جن بزرگوں سے مصافحہ کرنے کا اتفاق ہوا ہے، جس نے مجھ سے ہاتھ ملایا، اس کے ہاتھ میں کپکپی تھی، لیکن شیخ منور نے اتنی مضبوطی سے مصافحہ کیا کہ ان پر ذرا اثر نہیں معلوم ہوتا تھا۔

بادشاہ نے فیروز شاہ اور مولانا ضیاء الدین برنی کو ایک لاکھ تنکے کے ساتھ شیخ منور کی خدمت میں بھیجا، شیخ نے فرمایا، نعوذ باللہ کہ یہ درویش ایک لاکھ تنکہ قبول کرے، انھوں نے واپس آکر سلطان سے عرض کیا۔ سلطان نے کہا اگر ایک لاکھ نہیں قبول کرتے تو پچاس ہزار پیش کرو، شیخ نے اس کو بھی قبول نہ کیا، سلطان نے فرمایا، اگر شیخ یہ بھی قبول نہ کریں گے تو خلقت مجھے کیا کہے گی، یہاں تک کہ بات دو ہزار تنکہ پہونچی، فیروز شاہ اور مولانا ضیاء الدین نے عرض کیا کہ اس سے کم کا ہم بادشاہ کے سامنے تذکرہ نہیں کر سکتے، شیخ نے فرمایا کہ سبحان اللہ درویش کو تو دو سیر چاول دال اور ایک دانگ کا گھی کافی ہے، وہ ان ہزاروں روپیوں کو کیا کرے گا۔ بڑی کوششوں اور حیلوں سے یہ کہہ کر کہ بادشاہ درپئے آزار ہو جائے گا آپ نے وہ دو ہزار تنکے قبول کیے، اور وہ بھی اپنے برادران طریقت اور اہلِ حاجت میں تقسیم کر کے ہانسی واپس آگئے[۵]

جس زمانہ میں سلطان محمد تغلق نے دہلی کی آبادی کو، دیوگیر منتقل ہو جانے کا حکم دیا اس زمانہ میں اس نے عزم کیا کہ ترکستان اور خراسان کو بھی اپنے قبضہ میں لائے اور چنگیز خاں کی اولاد کا قلع قمع کرے۔ اسی زمانہ میں حکم ہوا کہ دہلی و اطراف دہلی کے تمام صدور و اکابر حاضر ہوں، بڑے بڑے خیمے نصب کریں، ان خیموں میں منبر رکھے جائیں اور ان منبروں پر چڑھ کر حضرات علماء

---

[۵] سیر الاولیاء صفحہ ۲۵۳ تا صفحہ ۲۵۵۔

تقریریں کریں اور جہاد کی ترغیب دیں، اس روز حضرت خواجہ نظام الدین کے شاگرد رشید مولانا فخر الدین زرادی، مولانا شمس الدین یحییٰ اور شیخ نصیر الدین محمود کی بھی طلبی ہوئی، شیخ قطب الدین دبیر[1] حضرت سلطان المشائخ کے ایک راسخ الاعتقاد مرید اور مولانا فخر الدین زرادی کے شاگرد تھے۔

مولانا فخر الدین کو سب سے پہلے بارگاہ سلطانی میں لائے، مولانا کو سلطان کی ملاقات سے بہت اجتناب تھا، آپ نے فرمایا کہ میں اپنے سر کو اس شخص کے دربار میں کٹا ہوا اور پڑا ہوا دیکھتا ہوں، یعنی میں کلمہ حق کہنے سے باز نہیں رہوں گا اور یہ شخص مجھے معاف نہیں کرے گا، جب مولانا سراپردہ سلطانی میں داخل ہوئے، تو شیخ قطب الدین دبیر نے مولانا کی جوتیاں اٹھالیں اور خدمت گاروں کی طرح بغل میں لے کر کھڑے ہو گئے، سلطان نے ان سے کچھ نہیں کہا اور مولانا فخر الدین سے بات چیت میں مشغول ہو گئے، سلطان نے کہا کہ میرا خیال ہے کہ میں چنگیز خاں کی اولاد کا قلع قمع کردوں آپ اس کام میں ہمارا ساتھ دیں گے، مولانا نے فرمایا انشاء اللہ تعالیٰ، سلطان نے کہا کہ یہ شک کا کلمہ ہے، مولانا نے فرمایا کہ آئندہ بات کے متعلق ایسا ہی کہا جاتا ہے، سلطان نے یہ سن کر پیچ و تاب کھایا اور کہا کہ ہمیں کچھ نصیحت کیجئے، مولانا نے فرمایا کہ غصہ دباؤ، سلطان نے کہا کون سا غصہ، مولانا نے فرمایا غضب سبعی (درندوں والا غصہ) اس پر سلطان کو ایسا غصہ آیا کہ چہرے پر ظاہر ہو گیا مگر کچھ کہا نہیں، تو کہا کہ کھانا لاؤ، خاصۂ شاہی لگا، سلطان اور مولانا دونوں ایک ہی پلیٹ میں کھاتے تھے، مولانا ایسی ناگواری کے ساتھ کھانا کھا رہے تھے کہ معلوم ہوتا تھا کہ وہ سلطان کے ساتھ ہم پیالہ ہونا پسند نہیں کرتے، سلطان اور زیادہ اظہار تعلق کے لیے ہڈی سے گوشت نکال نکال کر مولانا کے سامنے رکھتا تھا، مولانا بڑی ناگواری کے ساتھ تھوڑا تھوڑا کھاتے تھے،

پھر دسترخوان بڑھا دیا گیا، اور سلطان نے مولانا کو رخصت کیا، رخصت کے وقت ایک ارنی پوشاک اور ایک روپیہ کی تھیلی پیش کی، لیکن اس سے پہلے کہ خلعت اور کیسہ مولانا کے ہاتھ میں آئے شیخ قطب الدین دبیر نے ہاتھ بڑھا کر ان کو لے لیا، اُن کے رخصت ہونے کے بعد سلطان نے شیخ قطب الدین دبیر سے کہا اے فریبی آدمی تو نے یہ کیا حرکت کی، پہلے فخر الدین کی جوتیاں

---

[1] دبیر کا معنی منشی یا سکریٹری کا سمجھنا چاہیے۔

اپنے بغل میں لیں، پھر اُن کی خلعت اور کیسہ سنبھال لیا اور اس کو میری تلوار سے بچا لیا اور بلا اپنے سر لے لی، شیخ قطب الدین دبیر نے کہا کہ مولانا فخرالدین میرے استاد اور میرے مرشد کے خلیفہ ہیں، میرے لیے مناسب تو یہ تھا کہ میں ان کی جوتیاں تعظیماً سر پر رکھتا، بغل میں لینا تو کوئی بڑی بات نہیں، اور یہ خلعت و کیسہ کیا بڑی چیز ہے۔ سلطان نے کہا کہ ان کفر آمیز عقیدوں کو چھوڑ دو، ورنہ میں قتل کر دوں گا۔ اخیر وقت تک جب مولانا فخرالدین زرادی کا ذکر سلطان کی مجلس میں آتا تو سلطان ہاتھ مل کر کہتا کہ افسوس فخرالدین میری خون آشام تلوار سے بچ گئے۔[۵]

اسلامی سلطنت کی رہنمائی و نگرانی

مشائخ چشت نے اگرچہ سلاطین وقت سے بے تعلق اور سرکار دربار سے دور رہنے کا فیصلہ کیا تھا اور اس کو اپنے اور اپنے پورے سلسلے کے لیے دائمی اصول بنا دیا تھا، لیکن وہ سلاطین وقت کی رہنمائی و نگرانی سے غافل نہیں تھے اور جب کبھی ان کو کسی صحیح مشورہ یا کسی بہتر انتخاب یا اپنا روحانی اثر استعمال کرنے کا موقع ملتا تو وہ اس زریں موقع کو کبھی ہاتھ سے نہ جانے دیتے، ہندوستان کی مرکزی سلطنت کے متعدد فرمانروا اور صوبوں کی خود مختار سلطنتوں کے متعدد حکمراں ان مشائخ چشت سے عقیدت و محبت کا تعلق رکھتے تھے، اور اس تعلق سے بہت سے مفاسد کا ازالہ، بہت سے منکرات کا سدِباب اور بہت سے احکامِ شریعت اور عدل گستری اور رعیت پروری کا رواج ہوا۔

ہندوستان کے سلاطین میں، سلطان فیروز تغلق کو اپنی حسنِ سیرت، نیک نفسی، رعیت پروری، رحم دلی، امن پسندی، رفاہِ عامہ، ازالۂ مظالم اور تبلیغ اسلام کے ذوق، مدارس کے قیام وغیرہ میں جو امتیازی خصوصیت حاصل تھی اس میں مشکل ہی سے ہندوستان کا کوئی دوسرا فرمانروا اس کا سہیم و شریک ہوگا۔ سراج عفیف کی تاریخ فیروز شاہی سے اس بادشاہ کے تعمیری کارناموں اور اس کے زمانہ کی خیر و برکت، امن و امان اور سرسبزی و شادابی کا کچھ اندازہ ہو سکتا ہے۔

تاریخ فرشتہ کا مصنف لکھتا ہے

---

[۵] سیر الاولیاء صفحہ ۲۷۱ و صفحہ ۲۷۲

او بادشاہے بود، فاضل و عادل وکریم ورحیم وحلیم در رعیت وسپاہی ازاو راضی بودند وہیچ کس در عہد او یارائے ظلم نہ داشت[1]۔

وہ ایک فاضل، منصف مزاج، شریف و مہربان، رحم دل و بردبار بادشاہ تھا رعیت اور فوج سب اس سے راضی تھی کسی کو اس کے عہد حکومت میں ظلم کرنے کی مجال نہ تھی۔

مصنف نے اس کے آئینِ حکومت کی تین بڑی خصوصیتیں لکھی ہیں۔ ۱۔ اس نے کسی مسلمان یا ذمی کی سیاست[2] وتعزیر نہیں کی۔ انعامات، عطیوں اور تالیفِ قلب کی وجہ سے لوگوں کو سیاست کی ضرورت ہی نہیں رہی۔ ۲۔ خراج ومحاصل کو رعایا کی استطاعت کے مطابق وصول کیا اضافے اور توفیر کو جو سلاطینِ ماضی کا دستور تھا موقوف کیا، رعایا کے بارہ میں کسی مفسدہ گر کی شکایت کی سماعت نہیں کی اس کی بدولت ملک آباد اور رعایا مرفہ الحال رہی۔ ۳۔ حکومت کے عہدوں اور علاقوں کی صوبہ داری پر دیندار وخدا ترس لوگوں کو مامور کیا۔ کسی فساد انگیز وبدنفس کو عہدہ نہیں دیا۔ النَّاس علیٰ دین ملوکھم کے اصول کے مطابق، حکام وامراء اور کارپردازانِ حکومت نے بھی اس کی پیروی کی[3]۔

لیکن بہت سے لوگوں کو یہ نہ معلوم ہوگا کہ فیروزشاہ کی تخت نشینی، اور اس کے انتخاب میں خواجہ نصیرالدین چراغ دہلی کا خاص ہاتھ[4] اور اس کی فیروزمندی اور کامیابیوں میں اُن کی دعاؤں اور توجہات کا بہت بڑا حصہ تھا۔ سراج عفیف لکھتے ہیں۔

چوں سلطان محمد دنبال طغی در ٹھٹھہ رفت خدمت شیخ نصیرالدین را برابر خود برد، چوں سلطان محمد در ٹھٹھہ نقل کرد وسلطان فیروزشاہ در دوبار شاہی نشست خدمت

جب سلطان محمد تغلق ٹھٹھہ ملک طغی کی بغاوت فرو کرنے کے لیے گیا ہوا تھا، حضرت شیخ نصیرالدین کو اپنے ساتھ لے گیا تھا۔ سلطان کا جب انتقال ہوا،

---

[1] تاریخ فرشتہ جلد اول ص۱۴۷ [2] تعزیر وتعذیب کے وہ نئے نئے طریقے جو سلاطین سابق نے ایجاد کیے تھے۔ [3] تاریخ فرشتہ جلد اول ص۱۵۱، [4] تاریخ فرشتہ ص۱۴۵ ج۱

شیخ نصیر الدین بر سلطان فیروز شاہ پیغام کردہ کہ بایں خلق عدل و انصاف خواہی کرد یا برائے ایں مشتے مسکیناں والیٔ دیگر از اللہ تبارک و تعالیٰ التماس کردہ آید، سلطان فیروز جواب فرستاد کہ بابندگانِ خدائے تعالیٰ حلم و رزم و اتفاق کنم، چوں خدمت شیخ ایں لفظ بشنید، بر سلطان فیروز جواب فرستاد اگر با خلق ایں چنیں خلق خواہی کرد ما ہم برائے تو از اللہ تبارک و تعالیٰ چہل سال ملک خواستہ ایم عاقبت ہم چناں شد سلطان فیروز تا چہل سال ملک راند۔[1]

اور سلطان فیروز شاہ دربارِ شاہی میں بیٹھا، حضرت شیخ نصیر الدین نے فیروز شاہ کو پیغام بھیجا کہ خدا کی اس مخلوق کے ساتھ تم عدل و انصاف کروگے یا میں ان غریبوں کے لیے اللہ سے کوئی دوسرا حاکم مانگوں، سلطان فیروز نے جواب دیا کہ "بابندگانِ خدائے تعالیٰ حلم و رزم و اتفاق کنم" جب حضرت شیخ نے یہ جواب سنا تو کہلوا بھیجا کہ اگر مخلوق کے ساتھ اسی طرح معاملہ کروگے تو میں نے اللہ تعالیٰ سے تمہارے لیے چالیس سال مانگ لیے ہیں، اور واقعہ بھی یہی ہوا کہ سلطان فیروز شاہ نے چالیس سال تک حکومت کی۔

سلطان محمد شاہ بہمنی (۷۵۹، ۷۷۶) کو تمام مشائخ دکن نے بادشاہ تسلیم کرلیا تھا اور اس کے ہاتھ پر حاضرانہ و غائبانہ بیعت کرلی، لیکن حضرت شیخ برہان الدین غریب کے خلیفہ و جانشین حضرت شیخ زین الدین (م ۸۰۱) نے اس بنا پر انکار کر دیا کہ بادشاہ شراب نوشی اور منہیات شرعیہ کا مرتکب ہے اور فرمایا :-

سزاوارِ پادشاہیٔ خلق کسے ہست کہ در حفظ شعائرِ ملّتِ محمدیؐ کوشیدہ سرّاً و علانیۃً "پیرامونِ مناہی"

خلقِ خدا پر حکومت کرنے کا اہل وہ شخص ہے جو شعائرِ اسلام کی حفاظت میں کوشش کرے اور خلوت و جلوت

---

[1] تاریخ فیروز شاہی ص ۲۸۔

نہ گردد۔ کسی حالت میں بھی ممنوعاتِ شرعی کے قریب نہ جائے۔

۷۳۹ھ میں جب سلطان دولت آباد میں فاتحانہ داخل ہوا تو حضرت شیخ کو پیغام بھیجا کہ یا آپ میرے دربار میں حاضر ہوں یا میری خلافت کی تحریر اپنے دستِ خاص کی میرے پاس بھیجیں، شیخ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ ایک مرتبہ کسی تقریب میں ایک عالم، ایک سید اور ایک ہجڑا کافروں کے ہاتھ پڑ گئے۔ انھوں نے یہ فیصلہ کیا کہ یہ تینوں بت خانے میں جائیں جو بت کا سجدہ کرے گا اس کی جان بخشی ہوگی اور جو انکار کرے گا وہ قتل کر دیا جائے گا۔

پہلے عالم کو لے گئے، انھوں نے قرآن کی رخصت پر عمل کیا[1] اور بت کا سجدہ کرکے اپنی جان بچالی سید نے عالم کی تقلید کی، جب ہجڑے کی باری آئی تو اس نے کہا کہ میری تمام زندگی ناشائستہ کاموں میں گذری، میں نہ عالم ہوں اور نہ سید کہ ان میں سے کسی فضیلت کی پناہ میں ایسا کام کروں، اس نے قتل ہوجانا منظور کرلیا اور بت کا سجدہ نہیں کیا، میرا قصہ بھی اسی ہجڑے کے قصہ سے مطابقت رکھتا ہے، میں تمھارے ہر قسم کے ظلم کو برداشت کروں گا لیکن نہ دربار میں حاضر ہوں گا اور نہ تمھارے ہاتھ پر بیعت کروں گا، بادشاہ کو سخت غصہ آیا اور شہر سے نکل جانے کا حکم دیا۔ شیخ نے جا نماز اپنی جائے نماز کاندھے پر ڈالی اور شیخ برہان الدین کے مقبرے میں جاکر ان کی قبر کے پائینتی اپنی لاٹھی گاڑ دی اور جائے نماز بچھا کر بیٹھ گئے اور کہا کہ اب کوئی مرد ہو تو مجھے اپنی جگہ سے ہلائے، بادشاہ نے جب شیخ کی یہ مضبوطی اور استقامت دیکھی تو پشیمان ہوا اور اپنے ہاتھ سے یہ مصرعہ کاغذ پر لکھ کر صدر شریعت کے ہاتھ بھیجا۔

من زاں تو ام تو زاں من باش

شیخ نے فرمایا کہ اگر سلطان محمد شاہ غازی، شریعت کے طور طریق کی حفاظت و ترویج کی کوشش کرے اور ممالک محروسہ سے شراب خانے یک قلم اٹھا دے، اپنے باپ کی سنت پر عمل کرے اور لوگوں کے سامنے شراب نہ پیئے اور قضاۃ و علماء و صدور کو حکم دے کہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر

---

[1] اِلَّا اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقٰىةً کی طرف اشارہ ہے۔

میں سعیِ بلیغ سے کام لیں تو فقیر زین الدین سے بڑھ کر بادشاہ کا کوئی دوسرا دوست و خیر خواہ نہ ہوگا۔
نیچے یہ شعر اپنے قلم مبارک سے تحریر فرمایا۔

تا من بزیم بجز نکوئی نہ کنم　　جز نیک دلی و نیک خوئی نہ کنم
آنہا کہ بجائے ما بدیہا کردند　　تا دست رسد بجز نکوئی نہ کنم

(جب تک جان میں جان ہے سوائے اچھائی، نیک دلی، اور نیک خوئی کے مجھ سے کچھ سرزد نہ ہوگا، جن لوگوں نے ہمارے ساتھ برائی کی، جب موقع ملے گا، ہم ان کے ساتھ سوائے بھلائی کے کچھ نہ کریں گے)۔ سلطان محمد شاہ اپنے نام کے ساتھ غازی کا خطاب دیکھ کر بہت خوش ہوا اور فرمان جاری کیا کہ القابِ شاہی کے ساتھ اس کا بھی اضافہ کیا جائے، قبل اس کے کہ سلطان کی حضرت شیخ سے ملاقات ہو سلطان نے مرہٹ واڑہ کی حکومت مسندِ عالی خان محمد کے حوالہ کی اور خود بدولت گلبرگہ پہونچا اور شراب کی دوکانوں کو اپنی پوری حکومت سے ختم کر کے شریعت کی ترویج و اشاعت میں اپنی کوشش مبذول کی، دکن کے چوروں و فسادیوں کو جو دور دور مشہور تھے اور جنہوں نے رہزنی کو اپنا شیوہ بنا لیا تھا ختم کرنے کا انتظام کیا۔ چھ سات مہینے کے اندر اندر ملک ان سے پاک ہوگیا۔ ایک روایت کے مطابق چھ مہینے کی مدت میں چوروں اور رہزنوں کے بیس ہزار سر کاٹ کر اطراف و جوانب سے گلبرگہ لائے گئے۔ سلطان اس عرصہ میں شیخ زین الدین سے برابر خط و کتابت کرتا رہا اور اخلاص و عقیدت کی راہ و رسم بڑھاتا رہا۔ شیخ نے بھی اس کی ہمت افزائی، قدر دانی اور ہدایات اور مشوروں سے دریغ نہیں کیا۔[۱]

چشتیوں کی بڑی بڑی خانقاہیں ہندوستان کے جن حصوں اور صوبوں میں قائم ہوئیں انھوں نے وہاں کی اسلامی حکومتوں اور سلاطینِ وقت کی رہنمائی اور اسلامی حکومت کی حفاظت و تقویت سے غفلت نہیں کی۔ بنگال کی مشہور عالم خانقاہ جو پنڈوہ میں تھی وہاں کی اسلامی حکومت کے لیے قوت، اور پشت پناہی کا ذریعہ تھی۔ جب وہاں سے اسلامی اقتدار ختم ہونے لگا تو ان درویشوں نے اس کی فکر کی اور اس کو دوبارہ بحال کرنے کی امکانی کوشش کی[۲] پروفیسر

---

[۱] تاریخ فرشتہ جلد اول از صفحہ ۵۶ تا ۵۶۵۔ طبع پونا ۱۸۳۲ء۔ [۲] تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو ریاض السلاطین تاریخ بنگالہ تصنیف غلام حسین سلیم صفحہ ۱۱۱ عنوان سلطنت راجہ کانسی زمیندار تا صفحہ ۱۱۳

خلیق احمد نظامی تاریخ مشائخ چشت میں لکھتے ہیں :-

"حضرت نور قطب عالم شیخ علاء الحق کے فرزند رشید تھے جس زمانہ میں وہ مسند ارشاد پر جلوہ افروز تھے، بنگال کی سیاست بڑے نازک دور سے گذر رہی تھی، راجہ گنسی (جو بطور یہ ضلع راج شاہی کا جاگیردار تھا) بنگال کے تخت پر قابض ہوگیا تھا، اور مسلمانوں کی قوت کا خاتمہ کرنے پر تلا ہوا تھا، حضرت نور قطب عالم نے براہ راست اور سید اشرف جہانگیر سمنانی کی وساطت سے سلطان ابراہیم شرقی کو، بنگال پر حملہ کرنے کی دعوت دی۔ سید اشرف جہانگیر کے مجموعۂ مکتوبات میں وہ دلچسپ خطوط خاص طور سے قابل مطالعہ ہیں جن میں اس سیاسی کشمکش کی تفصیل درج ہے۔ سید اشرف جہانگیر نے جو خط حضرت نور قطب عالم کے مکتوب کے جواب میں لکھا تھا وہ بنگال میں، صوفیائے کرام کے کارناموں پر کافی روشنی ڈالتا ہے[۱]"

ان چند واقعات سے، جو تاریخ کے وسیع انبار میں سے مشتے نمونہ از خروارے کے طور پر بغیر کسی تاریخی ترتیب کے جمع کر دیئے گئے، اندازہ ہوگا کہ مشائخ چشت کا تصوف محض عزلت و خلوت، نفس کشی اور ترک دنیا اور اقبال کے الفاظ میں "سرزیری اور گوسفندی و میشی" نہیں تھا۔ انھوں نے اپنے اپنے دور میں زمانے کے دھارے کو بدلنے اور حالات زمانہ سے پنجہ آزمائی کی بھی کوشش کی۔ جابر سلاطین کے روبرو کلمۂ حق کہنے، ان کے غلط رجحانات کا مقابلہ کرنے اور ان کو صلاح و مشورہ دینے سے کبھی پس و پیش نہیں کیا اور جب کبھی ان کے اولوالعزم مشائخ کو موقع ملا انھوں نے اصلاح و انقلاب کی کوششوں سے بھی دریغ نہیں کیا۔

---

[۱] تاریخ مشائخ چشت صـ ۲۰۲

سعود ناصر کشمکش

عتیق الرحمٰن سنبھلی

ممالک عربیہ کے باہمی اختلافات خصوصاً سعود ناصر کشمکش پچھلے چند مہینے میں اس حد کو پہنچ گئی تھی کہ اس کے بعد دو بدو جنگ کا مرحلہ ہی باقی تھا۔ بدقسمتی کہ یمن کی فوجی بغاوت نے اس جنگ کا میدان بھی اتنی جلدی فراہم کردیا کہ ہزار اندیشوں کے باوجود اس مرحلے کے اس قدر قریب ہونے کا گمان نہیں تھا۔

ستمبر کی آخری تاریخیں تھیں کہ ایک دن شاہ یمن (امام) کی حکومت کے خلاف فوجی بغاوت کی خبر آئی، جس کا پہلا قدم کامیاب رہا اور دارالسلطنت مع بعض دوسرے اہم شہروں کے پوری طرح باغیوں کے اقتدار میں آگیا۔ اسی کے ساتھ یہ خبر بھی تھی کہ امام محمد البدر اس بغاوت کے نتیجہ میں ہلاک ہوگئے ہیں، نیز یہ کہ متحدہ عرب جمہوریہ (مصر) نے بغاوت کا بہت پرجوش استقبال کیا ہے اور باغی صدر ناصر سے ربط ضبط پیدا کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ امام محمد البدر کی ہلاکت کی خبر سن کر اقوام متحدہ میں یمن کے نمائندے اور وارث سلطنت شہزادہ حسن یہ اعلان کرتے ہوئے کہ وہ امامت سنبھالنے اور بغاوت فرو کرنے کے لئے نیویارک سے یمن پہنچ رہے ہیں، یمن کے ہمسایہ ملک سعودی عرب کے ساحلی شہر جدہ میں جا رُکے۔ باغیوں سے صدر ناصر کی ہمدردی کی بنا پر شہزادہ حسن کو قدرتی طور پہ توقع ہونی چاہئے تھی کہ شاہ سعود کی ہمدردیاں اُن کے ساتھ ہوں گی، چنانچہ ایسا ہی نکلا اور سعودی عرب کی امداد و حمایت کا اعتماد حاصل کرکے باغیوں سے نبرد آزما ہونے کے لئے وہ یمن میں داخل ہوگئے اور وفادار قبائل و عناصر کو ساتھ لے کر باغیوں کے خلاف جنگ شروع کر دی، جو اس وقت تک شدت سے جاری ہے اور باغیوں کو اقرار کرنا پڑا ہے کہ ان کی جیسی مزاحمت ہو رہی ہے،

اُس کا انھیں ہرگز اندازہ نہ تھا۔

یہ ہے وہ صورتِ حال جس نے سعودی عرب اور مصر کو دو بدو جنگ کے میدان میں پہنچا دیا ہے۔ سعودی عرب کو اگرچہ اقرار نہیں ہے کہ اس کے آدمی بھی اس جنگ میں حصہ لے رہے ہیں اور نہ اس کا کوئی پکا ثبوت ہی ابتک ملا ہے، لیکن یمن کی فوجی حکومت نہ صرف سعودی عرب کو اس بات کا الزام ہی دے رہی ہے بلکہ سعودی مملکت پر حملہ آور ہونے کی دھمکیاں بھی اس الزام کے ساتھ دے رہی ہے۔ اور دوسری طرف مصر یمنی باغیوں کی کھلم کھلا اور بھرپور امداد بھی کر رہا ہے۔ تین ہزار چھتری باز فوجیوں کو بحر احمر کے ذریعہ روانہ کئے جانے کا اعلان بغاوت کے بعد خود قاہرہ سے کیا گیا تھا جن کے پہنچ جانے کی اطلاع بھی آ چکی ہے۔ اور آج جبکہ یہ سطریں لکھی جا رہی ہیں خود قاہرہ ہی کے اہم ترین نیم سرکاری اخبار سے یہ انکشاف ہوا ہے کہ جس وقت یمن میں بغاوت ہوئی ہے مصر کے پانچ ہزار چھتری باز فوج یمن کے راستہ میں تھی۔ ان باتوں کے ساتھ یہ بھی معلوم ہے کہ امام یمن کے معتوب جو لوگ مصر میں پناہ گزیں تھے وہ بغاوت کے بعد فوراً ہی نہ صرف یمن جا پہنچے ہیں بلکہ نئی حکومت میں شریک ہیں جن میں نائب وزیر اعظم کا نام خاص طور پر آ رہا ہے۔ ان سب واقعات سے یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ بغاوت مصر کی شہ پر اور اُسکی امداد کے بھروسے پر ہوئی ہے۔ بغاوت اگر سابق امام کے زمانہ میں ہوئی ہوتی تو اسکے اندر مصر کا ہاتھ اور امداد کارفرما ہونے کے متعلق خیال کیا جا سکتا تھا کہ اس کا مقصد امام یمن کو اس جرم کی سزا دے کر اپنا وقار بحال کرنا ہے کہ انھوں نے شام کی طرح متحدہ عرب جمہوریہ (مصر) سے یمن کے انضمام کے باوجود صدر ناصر کی قیادت سے توہین آمیز انحراف شروع کیا، جس کے نتیجے میں ناصر صاحب کو خود ہی یہ انضمام ختم کر دینا پڑا۔ لیکن یہ واقعہ چونکہ سابق امام کے انتقال اور اُس ولی عہد (محمد البدر) کی تخت نشینی کے بعد ہوا جس کی کوششوں سے یمن متحدہ عرب جمہوریہ میں مدغم ہوا تھا اور جس نے تخت نشین ہوتے ہی اپنے والد کی پالیسیوں کو بدلنے اور مصر سے بگڑے ہوئے تعلقات بحال کرنے کے عملی اقدامات شروع کر دیے تھے اور صدر ناصر نے بھی ان اقدامات پر اظہار اطمینان کرتے ہوئے امام محمد البدر کو یقین دلایا تھا کہ وہ اُن کے ترقیاتی پروگراموں میں مدد دیں گے ایسی صورت میں مصر کی طرف سے باغیوں کی سرپرستی بلکہ

بغاوت کی شہ میں اس کا ہاتھ ہونے کی اگر کوئی وجہ ہو سکتی ہے تو بظاہر صرف یہ کہ امام بدر سے اس کی توقع بہرحال نہیں ہو سکتی تھی کہ وہ صدر ناصر کے اشاروں پر چلیں گے لیکن بغاوت اگر مصر کی امداد کے بل پر کامیاب ہو گئی تو ظاہر ہے کہ نئی حکومت پوری طرح ان کے کنٹرول میں ہو گی اور یمن متحدہ عرب جمہوریہ کے ایک صوبہ کی طرح اُن کے ہاتھ میں ہوگا۔ اور جب یمن ان کے ہاتھ میں ہوگا تو سعود اس قدر قریبی زد میں آ جائیں گے کہ پھر اُن کا تختہ الٹ دینا کچھ مشکل نہیں رہے گا۔ اور جہاں یہ سخت جان حریف گرا اردن، شام اور عراق جیسے حریفوں پر خود ہی عاقبت روشن ہو جائے گا اور صدر ناصر کی قیادت میں پورے عرب کا انضمام خواب سے حقیقت بن جائے گا۔

باغیان یمن کی سرپرستی کے پیچھے جمال عبدالناصر کے یہ عزائم گویا بالکل بدیہی ہیں، اور ان سے سعود کو جتنی بھی تشویش ہو کم ہے۔ اس بنا پر خیال یہ ہے کہ وہ یمن کے وارثِ امامت کی ——بلکہ اب تو خود امام کی —— اس لئے کہ ان کی ہلاکت کی خبر غلط ثابت ہو گئی ہے، وہ کچھ زخمی ہو جانے کی وجہ سے بغرض علاج پوشیدہ رہے تھے اور اب سعودی عرب کے ایک اسپتال میں ظاہر ہو چکے ہیں۔ جہاں سے انھوں نے شہزادہ حسن کی سرکردگی میں اپنی نئی حکومت کی تشکیل کا اعلان بھی کر دیا ہے جس کے نام سے اب باغیوں کے خلاف جنگ ہو رہی ہے —— ہر ممکن امداد کریں گے۔ اور امام کی موجودگی کی بنا پر غالباً اس سے زیادہ کھل کر امداد کریں گے جتنی امداد کا الزام اس وقت تک انھیں دیا جا رہا ہے۔ (کیونکہ سعودی عرب اور امام کی حکومت کے درمیان فوجی تعاون کا معاہدہ پہلے سے موجود ہے) اور دوسری طرف مصر تو اپنی فوجوں، ٹینکوں اور ہوائی جہازوں کے ساتھ کھلے طور پر یمن میں موجود ہے ہی۔ اس بنا پر یمن کے میدان میں سعودی عرب اور مصر کی کھلی جنگ کا خطرہ بالکل سامنے ہے۔ شرق اردن جو سعودی عرب کا فوجی حلیف ہے اور یمن کے باغیوں کی طرف سے سعودی عرب ہی کی طرح مورد الزام ہے اُس نے کھل کر اعلان کر دیا ہے کہ امام بدر کی پہلی درخواست پر اُسکی فوجیں یمن پہنچ جائیں گی، سعودی عرب کی طرف سے ایسا اعلان ابتک شاید اس وجہ سے نہیں ہوا کہ وہاں وزارتی ردو بدل کی صورت پیش آ گئی۔ اس ردو بدل میں وزارت عظمیٰ کے اختیارات نائب وزیر امیر فیصل کو منتقل کئے جانے اور باختیار وزیر اعظم کا عہدہ اُن کو دیئے جانے سے یہ خیال پیدا ہو سکتا ہے کہ وہ شاید مصر سے ٹکراؤ پسند

نہ کریں اس لئے کہ اُن کے رجحانات مصر دوستی کے رہے ہیں لیکن اس سے زیادہ قرین قیاس بات یہ ہے کہ امیر فیصل امام بدر کی ناصر دوستی کا انجام دیکھ کر اس حقیقت سے چشم پوشی نہیں کر سکتے کہ جناب ناصر صرف دوستی نہیں کامل سپردگی چاہتے ہیں اس لئے کوئی بھی عرب حکمراں اُن سے دوستی کا دم بھر کے اس طرف سے مطمئن نہیں ہو سکتا کہ اگر وہ اسکی مملکت پر پورے قبضہ کا موقع پا گئے تو دوستی کی پیٹھ میں چھرا نہیں گھونپ دیں گے۔ اس بنا پر ہمارا خیال یہی ہے کہ فیصل کے اقتدار کے باوجود یمن کے موجودہ مسئلہ میں سعودی عرب کی پالیسی تبدیل نہیں ہوگی بلکہ وزارتی ردو بدل کا مقصد غالباً اندرونی استحکام ہوگا تاکہ یمن کے میدان میں زیادہ قوت سے زور آزمائی کی جا سکے۔

مقصدِ گفتگو اس رسہ کشی کا نتیجہ کس کے حق میں نکلے گا؟ ابھی کچھ کہا نہیں جا سکتا، البتہ اتنا ضرور کہا جا سکتا ہے کہ مصر کی جابکدستی اور روس کی بھی باغیوں سے دلچسپی نے سعودی عرب کی کامیابی کو بہت مشکل بنا دیا ہے۔ لیکن ہماری اس وقت کی گفتگو کا مقصد اس فوجی ٹکراؤ کے انجام پر قیاس آرائی نہیں ہے، ہمارا مقصد صرف یہ بتانا ہے کہ سعود، ناصر کشمکش میں اسلام کی رو سے نقطۂ نظر کیا ہونا چاہیئے۔ اور یہ بتانے کی ضرورت اس لئے ہے کہ اس معاملہ میں بڑی پریشاں خیالی پائی جاتی ہے، ہمارا ذہن اس معاملہ میں بالکل صاف ہونا چاہیئے تاکہ سعود ناصر کشمکش کا انجام کچھ بھی ہو ہمارا نقطۂ نظر اور ہماری موافقت و مخالفت کا معیار خالص اسلامی اور کتاب و سنت کے مطابق رہے۔ آج ہم اس کشمکش سے عملاً دور اور بے تعلق ہیں لیکن کل پتہ نہیں کہ ہم میں سے کس کو اسی طرح کی کشمکش سے عملی سابقہ ہو جائے اور فیصلہ کرنا پڑے کہ ہم اپنا وزن کدھر ڈالیں۔ اس لئے بہت دن سے ضرورت محسوس ہو رہی تھی کہ سعود ناصر کشمکش کو موضوع بحث بنایا جائے اور اب جبکہ یہ کشمکش اپنی انتہا کو پہنچ کر پوری دنیائے اسلام کے اندر ایک ذہنی کشمکش کا باعث بن گئی ہے ناگزیر ہو گیا کہ اس مسئلہ پر صاف صاف اظہار خیال کیا جائے۔

سعودی ملوکیت کا ایک پہلو شاہ سعود کی ملوکیت پر نظر کی جائے، اس ملوکیت کے جلو میں جو حالات پائے جاتے ہیں مثلاً شاہ کی مطلق العنانی

اور رعیت کی سرافگندگی، چاپلوسی اور غلامانہ ذہنیت جس کے ماتحت ہر شخص تحریر و تقریر میں بادشاہ کی "جلالت" کا ورد کرتا ہے یا کم از کم ایسا کرنا پڑتا ہے، شاہ کے بارے میں کچھ ذاتی قسم کی برتری کا عام احساس رعیت کے انداز میں پایا جاتا ہے یا کم از کم ایسے انداز کو اختیار کرنا پڑتا ہے۔ علیٰ ہذا ملک کی دولت میں شاہ کا خودمختارانہ تصرف جس سے وہ ایک طرف جس کسی کو جو کچھ چاہے دیکر مفت میں، فیاضی کی نیک نامی حاصل کرتا ہے، دوسری طرف جس قدر چاہے داد عیش دے سکتا ہے اور تیسری طرف اپنی ملوکیت کے استحکام اور سیاسی جوڑ توڑ کے لئے بے دریغ روپیہ بہا سکتا ہے۔ اور یہ سب سعودی ملوکیت میں واقعتہً ہوتا ہے۔ اسی طرح مثلاً ایک حقیقت یہ بھی ہے کہ ملک کی ترقی کے وہ کام جن سے آج کے زمانہ میں کوئی قوم دنیا کی قوموں سے آنکھ ملانے اور ہر لحاظ سے آزاد و خودمختار رہنے کے قابل ہوتی ہے، جیسے کہ عام تعلیم، ہر طرح کی تعلیم گاہیں، ضروریاتِ زندگی اور سامان جنگ کے کارخانے، زراعتی پیداوار بڑھانے کے ترقی یافتہ وسائل وغیرہ وغیرہ ان سب چیزوں کے لحاظ سے سعودی عرب بالکل خلاص ہے اور حد یہ ہے کہ تیل کے چشموں کی وہ زبردست معدنی دولت جس کی بنا پر سعودی عرب ایک مالدار مسلم ملک ہے اس دولت سے بھی وہ روپیہ بنانے تک سے قاصر ہے امریکن آئل کمپنیاں اس سے روپیہ بناتی ہے جس میں سے سعودی عرب کو صرف رائلٹی (حق ملکیت) ملتا ہے، چہ جائیکہ اس دولت کو روپیہ بنانے کے علاوہ اسکے اصل کام میں بھی لایا جاسکے۔

نفس ملوکیت کے علاوہ یہ تین اہم خرابیاں ہیں جو سعودی ملوکیت میں پائی جاتی ہیں۔ اور یہ سب اسلامی نقطۂ نظر سے فیصلہ کرنے میں قابل لحاظ ہیں۔ ملوکیت اور شاہی بجائے خود اسلام کے لئے ناقابل برداشت ہے، اسلام میں حکمرانی کا منصب صرف خلافت کا ہے جس میں خلیفہ کے تمام اختیارات کتاب و سنت کے تابع ہوتے ہیں۔ کوئی انسان خلیفہ بن جانے کی وجہ سے دوسروں سے بالاتر نہیں ہوجاتا، اپنی منصبی ذمہ داریاں ادا کرنے کے اختیارات کے علاوہ تمام حقوق میں وہ دوسرے مسلمانوں کی طرح ہوتا ہے۔ اُس کی ذات کے سامنے سر جھکانے، چاپلوسی کرنے اور اسکی عظمت و جلالت کا ورد کرنے کا نہ صرف

پر کوئی سوال نہیں بلکہ اسلام کسی بھی انسان کے لئے اس غلامانہ ذہنیت کو روا نہیں رکھتا،
پیغمبر اسلامؐ جو اپنے وقت میں خلافت کے اختیارات (قوت تنفیذ) کا مالک بھی تھا، اُس کا
عملی اُسوہ بھی اس معاملہ میں صاف طور پر موجود ہے۔ مدنی دور اقتدار میں ٹھیک فتح مکہ
کے وقت ایک غریب عورت سامنے آئی، آپ کی فاتحانہ اور حاکمانہ حیثیت کا تصور کر کے
اُس پر مرعوبیت طاری ہوگئی۔ آپنے فرمایا ——— اور قیامت تک کے لئے خلفاء اسلام
کو ان کی حیثیت جتادی ——— کہ

"ذرہ مت! میں قریش کی اُس غریب عورت کا لڑکا ہوں جو سوکھے گوشت پر
گزارا کرتی تھی"

خلفاء اربعہؓ اسی مقدس نقش قدم پر سَر کے بَل چلے اور اپنی عقیدت کیشی و اطاعت شعاری
سے اس قدر اس نقش نبی کو روشن کیا کہ اب یہ اسلامی تعلیمات کا وہ تابناک پہلو ہے جس پر بعد
کے سیکڑوں نام نہاد خلفاء نے اپنے انحراف اور نافرمانی کی گرد اُڑائی مگر اس گرد میں اسلام
کا یہ پہلو کبھی دب نہیں سکا، اور آج چودہ صدیاں گزر جانے کے بعد بھی اس سے انحراف
کرنے والے کو اسلام کے نقطۂ نظر سے غلط کار ہی ٹھہرایا جاتا ہے۔

اسی طرح مالیات کے اعتبار سے اسلام میں خلیفہ کی حیثیت مالک و مختار کی نہیں ہوتی۔
وہ صرف ایک امین، ایک وقف کا متولی اور مال یتیم کے ایک نگراں کی طرح ہوتا ہے کہ
اگر اپنے پاس کچھ نہیں ہے تو کسی مسلّم پیمانہ سے واجبی ضرورت کے بقدر اس میں سے لے لے
ورنہ اپنی ذات پر بھی اپنا ہی خرچ کرے۔ نہ مملکت کی دولت سے خلیفہ عیش کر سکتا ہے، نہ اُسکے
بل پر "فیاض" بن سکتا ہے۔ اور نہ ذاتی اقتدار کے لئے جوڑ توڑ کی خاطر اس میں ہاتھ لگانے
کا تصور کر سکتا ہے، بلکہ سرے سے اقتدار پرستی اور جوڑ توڑ کا تصور ہی اسکے حق میں گناہ
ہے۔ علیٰ ہذا مملکت کے وسائل سے اس کو مستحکم اور مضبوط بنانے کی تدابیر اختیار کرنا، ہر پہلو
سے اُسے اس مقام پر پہنچانا کہ اپنی عزت آزادی اور خودمختاری کی حفاظت کر سکے، اور
رعایا کی جو ساخت پرداخت اور انکے جو حقوق مملکت کے ذمہ ہوتے ہیں اُن کو ادا کرنے
کی جد و جہد کرنا یہ سب بھی قرآن و حدیث اور اُسوہ خلفاء کی روشنی میں اسلامی حکومت

کے اسی طرح فرائض ہیں جس طرح ایک جمہوری حکومت پر جمہوریت کے نقطۂ نظر سے یہ فرض عائد ہوتے ہیں۔

نتیجہ یہ نکلا کہ اِن چار باتوں کے پیش نظر جو سعودی ملوکیت میں پائی جاتی ہیں (یعنی ایک تو خود ملوکیت اور باقی تین اور موٹی موٹی خرابیوں کے پیش نظر) اسلامی نقطۂ نظر سے سعودی ملوکیت بالکل ناقابل برداشت ہے۔

صدر ناصر کی تصویر اس کے مقابلہ میں ہم جمال عبدالناصر پر نگاہ ڈالتے ہیں تو اُن کا پہلا کارنامہ یہ نظر آتا ہے کہ انھوں نے مصر کو نہ صرف بادشاہت سے نجات دلائی بلکہ اُن بیرونی دخل اندازیوں کو بھی ختم کر دیا جو بادشاہ کے ذریعہ مصر کے معاملات میں راہ پاتی تھیں، اس کے بعد دوسرا عظیم کارنامہ یہ نظر آتا ہے کہ نہر سویز جیسی اہم آبی شاہراہ کو بیرونی کمپنیوں کے قبضہ سے نکال کر نہ صرف مصر کے ذرائع آمدنی میں ایک زبردست اضافہ کیا بلکہ اسکی خود مختاری کا سکہ پوری دنیا پر جما دیا۔ پھر اسی سال میں فرانس اور برطانیہ نے غضبناک ہو کر جو حملہ کیا تو اس کا ایسے پامردی سے مقابلہ کر کے مصر کا وقار کہیں سے کہیں پہنچا دیا اور ایک مسلم ملک دنیا میں ایسا ہو گیا جس کی ہستی گنی جانے لگی۔ اِن خاص کارناموں کے علاوہ ملک کا استحکام، اُسکی ترقی اور عوام کی خوش حالی اُن کا مستقبل نصب العین ہے جس کے لئے وہ پورے انہماک کے ساتھ سرگرداں ہیں۔

یہ تصویر ہے صدر ناصر کی اور وہ تصویر ہے شاہ سعود کی؛ اور کوئی شبہہ نہیں کہ اسلامی نقطۂ نظر سے ان دو تصویروں میں سے کسی ایک کو پسند کرنے اور ایک کو ناپسند کرنے کا اگر سوال آئے گا تو دوسری تصویر پسند کی جائے گی، اور پہلی کو رد کر دیا جائے گا — لیکن واضح ہونا چاہیئے کہ انتخابی مقابلہ کے اصول سے یہ دونوں تصویریں نامکمل ہیں۔ پہلی تصویر سعودی ملوکیت کے صرف بدنما پہلو دکھاتی ہے اور دوسری تصویر میں ناصری صدارت کے فقط خوشنما پہلو سامنے آتے ہیں اور اسلامی معیار کے ماننے والے جو لوگ ناصر کے حق میں فیصلہ دیتے ہیں وہ دراصل یہی ناقص تصویریں اپنے سامنے رکھتے ہیں۔ لیکن یہ فیصلہ نامعتبر ہے جب تک ہم دونوں تصویروں کا ایک دوسرے رُخ سے موازنہ نہ کریں۔

صدر ناصر کا دوسرا رُخ صدر ناصر کی تصویر ایک دوسرا رُخ بھی رکھتی ہے اور وہ یہ ہے کہ صدر ناصر مصر کی مادی تعمیر کے ساتھ ساتھ اس کی ایک نئی ذہنی تشکیل بھی کر رہے ہیں، یہ تشکیل ہے الحادی ذہن کی تشکیل جس کے کئی عناصر ہیں:۔

۱۔ جاہلی وطنیت وطنی رشتہ کا احساس ایک فطری احساس ہے اور اسلام کسی فطری بات سے مانع نہیں ہوتا لیکن اسلام اس رشتے اور کسی بھی مادی رشتے کے لئے ایسے جذبات کا ایک لمحے کے لئے بھی روادار نہیں جن جذبات میں خود اسلام کے تقاضے دب جائیں۔ یا یوں کہہ لیجئے کہ حق و باطل اور نیک و بد کا امتیاز اٹھ جائے۔ ایسا وطنی جذبہ اسلام کی نظر میں سراسر ایک جاہلی جذبہ ہے جس کا فطرت سلیم سے کوئی تعلق نہیں اور جو انسان کو ہرگز اسلام کی صراط مستقیم پر قائم نہیں رہنے دے سکتا۔ بدقسمتی سے صدر ناصر اسی جاہلی وطنیت کے علمبردار ہیں جس کا نتیجہ ایک مثال کے طور پر یہ ہے کہ فرعون اور موسیٰ میں کوئی قابل لحاظ فرق ان کی نظر میں اس کے سوا نہیں کہ کس کا کیا درجہ دنیا میں بحیثیت ایک ملک کے مصر کا مقام ہے، عام اس سے کہ وہ کام کیسے ہیں۔ چنانچہ بحیثیت مصری کے فرعون اور موسیٰ معاذ اللہ دونوں برابر۔ فرعون چونکہ مصر کی مٹی اور نیل کے پانی سے پیدا ہوا تھا اس لئے وہ بھی اپنا تھا، اور فرعونی آثار اپنی قابل فخر تاریخی یادگار ہیں، اور موسیٰ بھی اپنے تھے اس لئے کہ اسی آب و گل سے ان کی بھی پیدائش ہوئی۔ "نَحْنُ اَبْنَاءُ الْفَرَاعِنَة" "ہم فرعونوں کی اولاد ہیں" جمال عبدالناصر کا یہ فخریہ جملہ اس قدر مشہور ہو چکا ہے کہ اب حوالہ کی ضرورت نہیں۔ اور فراعنہ کے مجسمے جو صدر ناصر کے دور میں مصری شاہراہوں پر نصب کئے گئے نیز اسٹیمپوں پر تصویریں جو اس دور میں ان فراعنہ کے نام سے منسوب کی گئیں وہ گویا پوری مصری قوم کو اس جذبۂ فخر پر اکسانے والی علامتیں ہیں "فموسیٰ نفسُهُ کان مصریًّا" ...... موسیٰ خود مصری تھے۔ یہ صدر ناصر کا وہ تازہ جملہ ہے جو ابھی مشہور نہیں ہو پایا ہے، یہ انھوں نے "سنڈے ٹائمز لندن" کے نمائندہ کو ابھی چند مہینے ہوئے اپنے حالات زندگی اور افکار و نظریات پر ایک کتابی سائز کا انٹرویو دیتے ہوئے اس کے اس سوال کے جواب میں ارشاد فرمایا تھا کہ آپ کی یہود سے عداوت کی وجہ کیا ہے؟ صدر ناصر نے فرمایا کہ مجھے یہود سے نہیں بلکہ ان کی عرب دشمن صیہونی تحریک سے عداوت ہے۔ ورنہ یہود سے مجھے کیا

عداوت ہوسکتی ہے۔" جبکہ ہمارے اور ان کے درمیان قومی لحاظ سے متعدد روابط رہے ہیں، مثلاً موسیٰ (جو یہود کے مقتدیٰ ہیں) خود مصری تھے۔"[۵] حضرت موسیٰ علیہ السّلام کو مصری بتانا یقیناً کوئی گناہ نہیں لیکن ایک مسلمان کے لئے تو (خواہ وہ مصری نژاد ہی کیوں نہ ہو) حضرت موسیٰ علیہ السّلام کی اصل قابلِ لحاظ حیثیت یہ ہے کہ وہ سلسلۂ انبیاء علیہم السّلام کی ایک جلیل القدر ہستی اور قرآن کی زبان میں "اُولُو الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلْ" تھے، لیکن یہاں ان کی اس اصل قابلِ لحاظ حیثیت کو بالکل نظر انداز کرکے صرف اتنا الاؤنس دیا جارہا ہے کہ وہ "مصری تھے" اور ان کے مقابلہ میں فراعنہ اپنی اصل کے اعتبار سے چونکہ زیادہ کھرے مصری تھے اور پھر ان کے کارناموں نے مصر کو مادّی عظمت بھی بخشی اس لئے وہ خود حضرت موسیٰ کی طرح صرف وطنی رشتہ دار ہی نہیں رہے بلکہ قابلِ فخر اسلاف بن گئے، جن میں وہ فرعونِ موسیٰ بھی شامل ہوتا ہے جس پر قرآن میں دنیا اور آخرت کی لعنتیں برسائی گئی ہیں، ـــــ یہی نہیں بلکہ اس وطنی زاویۂ نگاہ کا نتیجہ تو یہ بھی نکلتا ہے کہ معاذ اللہ موسیٰ علیہ السّلام کو مصری تو ضرور لیکن مجرم مصری قرار دیا جائے جس نے مصر کے نشانِ عظمت فرعون کو مع ساری شان و شوکت کے نیل میں لے جاکر ڈبو دیا اور مصر سے باہر جارہے۔ اور ٹھہریئے اس زاویۂ نگاہ سے پلٹ کر ذرا حجاز مقدس کی طرف بھی دیکھئے جس طرح محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حجازی تھے، خاک بر سر ابوجہل بھی تو حجازی مکی اور قریشی تھا اپنائیت کا یہ معیار کیا اس ابوجہل کو بھی اسی طرح اپنا نہیں ٹھہرا دیتا جس طرح محمد رسول اللہ کو اپنا کہا جائے ـــــ؟ یہ ہے جاہلی وطنیت کی وہ ایجاد آفرینی،........ جو کل کو کفر تک بھی پہنچا سکتی ہے جس کی داغ بیل صدر ناصر کھلے بندوں ڈال رہے ہیں۔ اور ناظرین الفرقان کو یاد ہوگا کہ ابوجہل و ابولہب بحیثیت صنادید عرب کے اظہار تعلق اور ان پر فخر جسے ہم اس زیر تعمیر الحادی ذہن کا منطقی نتیجہ بتا رہے ہیں کچھ دن ہوئے دنیائے عرب کے بعض ملحد اخبار نویس اس کا شوشہ چھوڑ بھی چکے ہیں، جس پر ہم نے نگاہ اولیں کے صفحات میں اس وقت لکھا تھا۔

۲۔ **عرب قومیت** وطنیت کا جاہلی جذبہ ابھارنے کے ساتھ ساتھ دوسرا اسلام سوز فتنہ "عرب قومیت" کا ابھارا جارہا ہے بلکہ اس کا تو دن رات ریڈیو، اخبارات اور لٹریچر کے ذریعہ

---

[۵] یہ انٹرویو ہم نے سنڈے ٹائمز میں بھی خود دیکھا تھا لیکن پڑھنے کیلئے نہیں مل سکا، بعد میں اس کو مصر کے نیم سرکاری اخبار روزنامہ الاہرام قاہرہ نے شائع کیا جس سے ہم نے صدر ناصر کے الفاظ عربی میں نقل کئے ہیں جسکے بعد یہ الفاظ مصدقہ ہو جاتے ہیں۔

صور پھونکا جا رہا ہے "قومیت عربیہ" کے سادہ اور معصوم سے معنیٰ بعض لوگ حسن ظن سے کام لیکر یہ سمجھ لیتے ہیں کہ یہ عرب اتحاد کی ایک تحریک ہے، عربوں کے افتراق نے ان کو بہت پسماندگی اور بڑی مصیبتوں میں ڈال دیا تھا، یورپین نیشنلزم ان کا خون چوستا رہا اور آج بھی وہ کھلے قبضہ کی شکل میں تو بہت کم لیکن طرح طرح سے استفادہ کی شکل میں ان کے بہت سے ملکوں پر مسلط ہے، عربوں کو اس صورت حال کے خلاف منظم کرنے اور متحدہ قوت سے اس کو ختم کرنے کے لئے عرب قومیت کا نعرہ لگایا گیا ہے ـــ بات اگر اتنی سی ہوتی تب بھی اگرچہ اسلامی نقطۂ نظر سے یہ کوئی اچھی بات نہ ہوتی۔ اس لئے کہ نیشنلزم قوموں کی سرگرمیوں کا ایک پورا فلسفہ ہے جو قدرتی طور پر وہی برگ وبار لاتا ہے جو مغربی نیشنلزم سے ظاہر ہوئے اور جس نے پوری دنیائے انسانیت کو کئی صدیوں بڑی مصیبت میں مبتلا رکھا اور افریقی ایشیائی ملکوں نے ان مصیبتوں کا خاص طور پر مزہ چکھا لہٰذا کوئی وجہ نہیں کہ عرب نیشنلزم صرف دفاعی بن کر رہ جائے اور اس میں وہی جارحیت نہ آئے جو مغربی نیشنلزم میں آئی تھی۔ تاہم اس پہلو کو نظر انداز کرکے یا اس کی طرف سے اطمینان دلائے جانے پر یقین کرکے عرب قومیت کے نعرے کو انگیز کیا جا سکتا تھا لیکن اس نعرہ میں تو صرف بیرونی سامراج سے انکار اور اپنی آزادی واستقلال کا جذبہ ہی نہیں قومی نخوت اور عربیت کے تقدس وعظمت کا وہ جاہلی احساس بھی ہے جسے اس بات کے ماننے سے بھی اِبا ہے کہ عرب اسلام سے پہلے اخلاقی، فکری اور تہذیبی وتمدنی اعتبار سے کسی گری ہوئی حالت میں تھے اسلام نے آکر انھیں اٹھایا اور ایک باعظمت قوم کے مرتبہ پر پہنچایا ـــ اسلام سے پہلے عربوں کی گری ہوئی حالت اور اس حالت سے نکالنے میں اسلام کا ان پر احسان دنیائے اسلام کے اندر ایک مسلّم بات تھی جس سے انکار کا خیال کبھی کسی مؤمن کے دل میں نہیں گزرا، خواہ عربی ہو یا عجمی، عم زاد رسولؐ جعفر طیارؓ سے بڑھ کر آج کا کون عربی نژاد ہے؟ نجاشی کے دربار میں ان کی تقریر کی کس کو خبر نہیں، کیا نقشہ انھوں نے اپنی قوم کی قبل اسلام کی زندگی کا کھینچا تھا اور کس طرح رسولؐ اسلام کو خراج عقیدت پیش کیا تھا کہ اس کے پیغام نے ہم کو انسانیت کی بلندیوں سے آشنا کیا؟ جعفر طیارؓ کی گواہی سے بھی بڑھ کر قرآن کی اُن آیات سے کون صاحب ایمان چشم پوشی کر سکتا ہے جو اس گواہی پر مہرِ تصدیق ثبت کرتی ہیں اور عربوں پر صاف صاف اسلام کا احسان جتاتی ہیں؟ لیکن جب سے

قومیت عربیہ کا صُور دنیائے عرب میں پھُونکا گیا ہے، جدید طبقہ تو جدید طبقہ، علمائے دین کے طبقہ میں بھی واقعہ کی اس تعبیر پر ناک بھوں چڑھانے والے پیدا ہوگئے ہیں۔ جدید طبقہ کے فضلاء تو حقیقت واقعہ کو صاف صاف اس قوم پرستانہ انداز سے مسخ کرکے اُلٹ کر بیان کرتے ہیں کہ اسلام عربوں کی قومی تاریخ کا ایک ارتقائی مرحلہ تھا، عرب اسلام سے پہلے بھی ہر لحاظ سے ایک باعظمت قوم تھے لیکن وقت کے ساتھ ساتھ جو ترقیاں ہوتی رہتی ہیں "اسلام" جادۂ ترقی پر اُن کا اسی قسم کا ایک قدم تھا جو اُس وقت کے مایۂ ناز عرب لیڈر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی قیادت میں طے ہوا اور یہ وہ قدم تھا جس نے ساری دنیا کو روشنی دکھائی۔ اس طرح خود اسلام بھی دنیا کے بہت بڑے حصہ پر قومیت عربیہ کا ایک احسان ہے۔ قدیم طبقہ کے فضلاء اس حد کو تو ابھی نہیں پہنچے ہیں کہ ایسا کھلا اُلٹ پھیر کرکے اسلام کو وحی الٰہی کے بجائے قومیت عربیہ کا عطیہ بتائیں لیکن ایک طرف تو وہ اس ملحدانہ تعبیر پر سکوت اختیار کرتے ہیں اور دوسری طرف اس بات پر سخت ناگواری دکھاتے ہیں کہ عربوں کی قبل اسلام کی حالت کو قومی پیمانہ پر پست کہا جائے۔ اور کچھ اس طرح کی باتیں کرتے ہیں جن سے ثابت ہو کہ عرب اپنے کسی اُٹھان کے لئے اسلام کے محتاج نہ تھے بلکہ اسلام پر اُن کا احسان ہے کہ اُن کی بدولت وہ دنیا میں پھیلا اور سربلند ہوا۔

یہ ہے "عرب قومیت" کے نعرہ کا وہ اسلام سوز رُخ جس پر لوگ نظر نہیں کرتے اور اس لئے نہیں کرتے کہ وہ مصر کے اخبارات و رسائل اور لٹریچر نہیں پڑھتے۔ بس اپنے طور پر حُسنِ ظن سے کام لے کر "عرب قومیت" کے سادہ اور معصوم سے معنیٰ لے لیتے ہیں۔ عرب اور دوسرے متأثر عرب ممالک کی صحافت پر اگر نظر پڑے تو معلوم ہو کہ کیا کیا گُل اس نعرے نے کھلا رکھے ہیں۔ قرآن نے قومی اور نسلی نخوتوں کے صنم پر ضرب لگاتے ہوئے عربوں کو اور تمام مسلمانوں کو نعرہ دیا تھا کہ :۔

اِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ (سورۂ منافقون)	"عزت صرف اللہ کے لئے، اُس کے رسولؐ کے لئے اور اُس کے ماننے والوں کے لئے ہے"

"عرب قومیت" کے لیڈر عربیت کے اسی نشۂ تقدس و عظمت کے ماتحت جس کی بنا پر انھیں اسلام اور وحیٔ الٰہی کے احسان اور برتری کا تصور بھی گراں گزرتا ہے، صرف عربیت ہی کو معیارِ عزت ٹھیرا کر "اَلْعِزَّۃُ لِلْعَرَبْ" کا نعرہ عربوں کی زبان پر چڑھا رہے ہیں۔ "قومیت عربیہ" کے ماننے والوں کا آج یہ محبوب شعار بن چکا ہے اور اُٹھتے بیٹھتے اُن کی زبان سے عرب قومیت کی تسبیح و تقدیس کا یہ جاہلی کلمہ سُننے میں آتا ہے۔

۳- مادّہ پرستانہ زاویۂ نظر

عربوں کو اسلام کا پڑھایا ہوا تمام سبق بھلا دینے کے لئے یہ دو باتیں ہی بہت کافی تھیں اور ان کے نتیجہ میں عربوں کی راہ خود ہی اسلام سے جُدا ہو جاتی۔ لیکن اس کام کو جس میں بہرحال کچھ دیر گزر جاتی جلد از جلد تکمیل تک پہنچا دینے والا ایک اور عنصر بھی صدر ناصر کے فلسفۂ انقلاب میں موجود ہے اور وہ ہے ملک کی تعمیرِ نَو میں اُن کا مادّہ پرستانہ زاویۂ نظر! دنیا میں مادّہ پرستی کا رجحان تو روحانیت کے مقابلہ میں ہمیشہ زیادہ رہا ہی ہے اور رُوح کے مقابلہ میں انسان اپنے جسم کے مطالبات ہی کی طرف بالعموم زیادہ جھکا رہا لیکن اشتراکی نظام سے پہلے مادّہ پرستی کو کبھی ایک باقاعدہ اور مکمل فلسفۂ زندگی کا درجہ نہیں ملا تھا۔ اس لحاظ سے اشتراکیت انسان کی مادّہ پرستی کا نقطۂ آخر اور اُس کا شاہکار ہے۔ صدر جمال عبدالناصر اپنے ملک اور پورے عالمِ عربی کی تعمیرِ نو کے لئے اسی اشتراکی نظام کے علمبردار ہیں۔ اسی سال مئی میں صدر ناصر نے "میثاقِ وطنی" کے نام سے مصر کی تعمیرِ نَو کا جو طویل و عریض عملی خاکہ بطور عہد و منشور قوم کے سامنے پیش کیا ہے اُس میں اس خاکے کے تین نشانے پوری صراحت کے ساتھ بتائے گئے۔ حریت، اشتراکیت اور وحدت۔ اس منشور کے بارے میں مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کا یہ قول سولہ آنے سچا ہے کہ "اگر اس میں سے عرب اور مصر کے نام جو بار بار آتے ہیں نکال دیئے جائیں تو ہر غیر مُسلم اشتراکی، نامذہبی ایشیائی یا افریقی قوم اور ریاست کے لئے قابلِ قبول ہو سکتا ہے۔" یہ پورا منشور اشتراکیت کے خالص مادّی فلسفۂ حیات کی ایک عربی تعبیر ہے، جس کی رُو سے انسانی زندگی کا تمام تر محور مادّی مسائل اور مادّی ترقیوں کی فکر ہے۔ حد یہ ہے کہ مصر کی موجودہ انقلابی جدّوجہد اور اُس کے مقاصد کے پس منظر کے طور پر مصری تاریخ کی جن باتوں کا حوالہ دیا گیا ہے اُن میں مصر کے دورِ اسلامی کے

دار کو بے تکلف وہ معنیٰ پہنائے گئے ہیں جن معنیٰ سے مصر کے فرعونی دور کو باعثِ فخر قرار دیا
گیا ہے. منشور کے تیسرے باب کے شروع ہی میں ہے.

"مصر شعوری طور پر —— اور غیر شعوری طور پر بھی —— ہمیشہ اپنے گرد وپیش
کے علاقوں سے اس طرح متأثر ہوتا اور انھیں متأثر کرتا رہا جیسا کہ ایک کُل اور
اُس کے جزو کے مابین ہوتا ہے۔ یہ ایک قطعی حقیقت ہے جو اُس فرعونی دور کی تاریخ
کے مُطالعہ سے ظاہر ہو جاتی ہے جو اوّلین مصری اور انسانی تہذیب کا بانی ہے"

اس کے بعد درمیانی دوروں کا تذکرہ کر کے اسلامی دور کے ذکر میں کہا گیا ہے :

" اور تاریخ کے اسلامی دور اور (حضرت) محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغام)
کی روشنی میں مصری قوم نے تہذیب اور انسانیت کے دفاع کا سب سے بڑا
کارنامہ انجام دیا"

پورے منشور میں جہاں تک یاد پڑتا ہے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے "پیغام کی روشنی"
کا کہیں اور ذکر نہیں ہے۔ اسلام کا نام بھی اگر آیا ہوگا تو محض یونہی ایک لفظ کی حد تک . گویا
اسلام کو یاد کرنے کے لحاظ سے یہ منشور کا واحد اہم ٹکڑا ہے. لیکن ذرا دیکھا جائے کہ اسلام اور پیغام محمدی
کی تعبیر کس انداز سے کی جا رہی ہے اور اُس کی قدر و قیمت کا پیمانہ منشور دینے والے کے ذہن میں
کیا ہے ؟ وہی " تہذیب " جس کی بنا کو دورِ فرعونی کا کارنامہ بتایا گیا اُسی " تہذیب " کے دفاع
کو حاصلِ اسلام اور حاصلِ رسالتِ محمدی قرار دیا جا رہا ہے۔ تہذیب اور تہذیبی قدروں کی خدمت
کو اسلام کا کارنامہ بتانا کوئی غلط بات نہیں ہے، لیکن ان الفاظ کے معنیٰ پیغامِ محمدی کی روشنی میں
ان سے بالکل جُدا ہیں جن معنیٰ میں فرعونی دور کو بانیٔ تہذیب کہا جا سکتا ہے. مگر اس بنیادی فرق
و تضاد کی طرف کوئی ادنیٰ اشارہ منشور کے الفاظ میں نہیں ملتا اور سیدھی سیدھی بات یہی سمجھ
میں آتی ہے کہ ایک تہذیبی تسلسل تھا جس کی ایک کڑی فرعونی تہذیب تھی اور درمیان کی ایک کڑی
اسلامی تہذیب !

یہ کاہے کا نتیجہ ہے اور کاہے کا نتیجہ ہو سکتا ہے ؟ صرف اس بات کا کہ ذہن تہذیب کے
صرف مادّی رُخ کو اہمیت دیتا ہے اس لئے اسلام کا کارنامہ بھی صرف اُس کے مادّی رُخوں

تک نظر آتا ہے۔ بس اسی سے منشور کا پورا مطالعہ کئے بغیر اور صدر ناصر کی عملی سرگرمیوں کا جائزہ لئے بغیر سمجھا جا سکتا ہے کہ صدر ناصر کس انتہا کا مادہ پرستانہ ذہن عربوں میں پیدا کر رہے ہیں۔

فیصلہ اب ہمارے سامنے ایک طرف صدر ناصر ہیں جن کے اُن قابلِ تحسین کارناموں کے ساتھ ساتھ (جو تصویر کے ایک رُخ کے طور پر شروع میں بیان کئے گئے) اُن کی ذہنی اور فکری سرگرمیوں کے یہ پہلو بھی ہیں جو مرکزِ اسلام، عرب کو مکمل طور سے الحاد کی راہ پر ڈال رہے ہیں۔

۱۔ وطنیت کا وہ جاہلی جذبہ عربوں میں پیدا کیا جا رہا ہے۔ جو اسلام کے معیارِ محبت و نفرت کو ایک طرف ڈال دیتا ہے۔ اور فرعون کے مرتبہ کو موسیٰؑ سے بڑھا دیتا ہے۔

۲۔ قومی اور نسلی خود پرستی کی وہ نخوت دماغوں میں بھری جا رہی ہے جو اور تو اور وحیٔ الٰہی کا شرمندۂ احسان ہونے میں بھی عار محسوس کرتی ہے اور اسلام کو خود اپنا ایک ارتقائی قدم اور عالمِ انسانی پر اپنا احسان بتاتی ہے۔ یا اصل حقیقت کا بہت لحاظ کرتی ہے تو اتنا کہنے سے پھر کر باز نہیں رہتی کہ دنیا میں عرب ہی اس قابل تھے کہ اُن کے ذریعہ اسلام کو اشاعت اور سربلندی مل سکی۔

۳۔ وہ مادہ پرستانہ ذہن پیدا کیا جا رہا ہے کہ اسلام بھی ایک سراسر مادی ارتقار کی تحریک بنا ہوا نظر آتا ہے۔

دوسری طرف شاہ سعود ہیں جن کی ملوکیت قابلِ نفرت، ملوکانہ عیش پرستیاں اور شاہ خرچیاں قابلِ نفرت، خزانۂ مملکت میں مطلق العنان تصرفات قابلِ نفرت، عوام اور حکام کے تعلق میں بندگی اور آقائی کا انداز قابلِ نفرت، اور وقت کے تقاضوں کے مطابق ترقیاتی کاموں سے لاپروائی اور اغیار کی احتیاج قابلِ مذمت! — لیکن غور کرنا چاہیے اور زمانہ کے نعروں میں بہے بغیر خالص اسلامی معیار کی ترازو سے تولنا چاہیے کہ ان دونوں برائیوں میں سے کون چیز بدتر ہے؟ اور اگر ان دونوں برائیوں میں سے ایک کو بہرحال عرب (مرکزِ اسلام) میں رہنا ہے تو اُس نقطۂ نظر سے نسبتاً کس کو بدرجۂ مجبوری گوارا کیا جا سکتا ہے؟

اسلام کا فیصلہ اس صورتِ حال کی روشنی میں اسلام کا فیصلہ معلوم کرنا کوئی ایسی مشکل بات نہیں

ایک طرف الحاد کی دعوت ہے اور دوسری طرف مجرد عصیان، نافرمانی اور تقصیر و کوتاہی۔ خواہ وہ بذاتِ خود کتنی ہی بڑی ہو اور اُس سے شریعت کے ایک پورے شعبہ کے احکام ہی کیوں نہ معطل ہو رہے ہوں ــــ لیکن لوگوں کے عقائد نہیں بگاڑے جاتے، اپنے اعمال اور اپنی روش کو حق بجانب دکھانے کے لئے اسلام کے تصور کو مسخ کرنے کی کوشش نہیں کی جاتی بلکہ اُن شعبوں کے علاوہ جن میں تقصیر اور نافرمانی ہے۔ زندگی کے دوسرے شعبوں کے اندر اسلام کے احکام کی پوری سرپرستی اور ہمت افزائی کی جاتی ہے۔ اسلام کا صحیح تصور لوگوں کے ذہن میں اگر باقی رہے گا تو حکمرانی کے شعبے سے یہ داغ دھبے مٹانے اور صحیح اسلامی شکل کو بروئے کار لانے کی توقع لوگوں سے کی جا سکتی ہے۔ لیکن جب اسلام سے پورا معاشرہ ہی مکمل فکری اطمینان کے ساتھ انحراف کر جائے تو پھر اسلام کی بقا کی کیا توقع کی جا سکتی ہے۔ اس بنا پر کم از کم اسلام تو اس کی حمایت نہیں کر سکتا کہ آزادی اور اشتراکی عدل و مساوات کی قیمت پر اُس کاروانِ الحاد کو لبیک کہا جائے جو اسلام کا قصہ ہی تمام کرنے آیا۔ اس سیلِ الحاد کے مقابلہ میں اسلام کے صحیح تصور اور اسلامی جذبات کی گنجائش رکھنے والے بلکہ بہت سے شعبوں میں اس پر عملہ آمد اور سرپرستی و ہمت افزائی کرنے والے ایک اقتدار کو گرانے کی کوشش کیجائے جو بدقسمتی سے بعض شعبوں میں اس تصور پر عمل پیرا نہیں ہے۔

گزشتہ دنوں مؤتمر اسلامی (مکہ مکرمہ) کے موقع پر جب ہندوستان کے مسلم پریس میں سعود ناصر کشمکش زیر بحث آگئی تھی تو ہفت روزہ ندائے ملت میں ایک مختصر نوٹ کے طور پر سعودی ملوکیت پر تنقید کے ساتھ ہم نے لکھا تھا کہ:۔

"اگر ہم اسلام کے حق میں موجودہ ملوکیت سے کسی بہتر شکل کی امید کریں تو ضرور موجودہ ملوکیت کو ہدف بنائیں گے لیکن موجودہ حالات میں ہم اس سے بہتر شکل کی کوئی امید نہیں پاتے بلکہ اور بدتر کا اندیشہ ہے اس لئے ہم اس کو غنیمت سمجھ کر انگیز کرنے پر مجبور ہیں"

اس نوٹ پر ایک اخبار نے جو اس بحث کا اہل نہیں تھا، اپنے ایک نوٹ میں ہمارے تنقیدی جملوں ہی کو استعمال کر کے پوچھا تھا کہ کیا آج اسلام کے حق میں یہی ہے کہ سعودی عرب میں ملوکیت کا وہ نظام قائم رہے جو انسانیت کے اُس شرف و عزت کے خلاف ہے جس سے اللہ نے ہر انسان کو معزز کیا ہے اور جس سے اسلام کے مزاج کو کوئی مناسبت نہیں؟ اور کیا آج اسلام کے حق میں یہی بات ہے کہ شاہ سعود مطلق العنانیت کے ساتھ لوگوں پر حکمراں ہیں؟ اور کیا آج اسلام کے حق میں یہی ہے کہ سعودی عرب کا خزانہ شاہ کے صرفِ خاص میں رہے؟

قریب قریب یہی الفاظ تھے لیکن جیسا کہ ہم نے عرض کیا وہ اخبار اس بحث کا اہل نہ تھا اس لئے اُس وقت اُس کو کوئی جواب دیا گیا لیکن یہ کج نظری اور کج بحثی اس مسئلہ میں بہت عام ہے اس لئے بطورِ مثال اُس اخبار کا ذکر کرکے ہم بہت صفائی سے کہنا چاہتے ہیں کہ ان باتوں کے اسلام کے حق میں ہونے کا تو کوئی سوال نہیں اور ایسے سوالات کرنا سراسر ناسمجھی یا کج فہمی کا ثبوت دینا ہے لیکن اس میں کوئی جھجک اور کوئی لاگ لپیٹ نہیں کہ ان باتوں کا گوارا کرنا اُس صورت میں بے شک اسلام کے حق میں ہے جب کہ سوال اس عملی بگاڑ کی جگہ پر اعتقادی بگاڑ کے آجانے کا ہو۔ اب یہ کوئی نہیں کہتا کہ یہ باتیں بجائے خود قابلِ برداشت ہیں لیکن اس عملی فساد کے مقابلہ میں اگر عملی الحاد آپڑے تو بغیر کسی شک و شبہ کے یہ عملی فساد قابلِ برداشت ہوگا! ہاں اگر شاہ سعود کی ملوکیت کا مقابلہ ناصری الحاد کے بجائے کسی اصلاحی تحریک اور اسلامی انقلاب کی دعوت سے ہو تو یقیناً فیصلہ اُس کی حمایت کا ہوگا اور پورا وزن اُس تحریک کے پلڑے میں ڈالا جائے گا۔

یاد رہے! شاہ سعود اور صدر ناصر کا شخصی حیثیت سے کوئی مسئلہ نہیں ہے مسئلہ بالکل اُصولی ہے جو اتفاق سے ان دو شخصیتوں کی کشمکش سے زیرِ بحث آگیا ہے:

"اللّٰھم ارنا الحق حقًا وارزقنا اتباعہ وارنا الباطل باطلاً وارزقنا اجتنابہ۔

اسلام کا نظام عقائد و اعمال؟
اسلام کی بنیاد کن چیزوں پر ہے؟ ــــ اور ــــ ان کی حقیقت کیا ہے؟
اسلامی زندگی کن امور سے عبارت ہے؟ ــــ اور ــــ انکی صورت و حقیقت کیا ہے؟
ان مجمل سوالات کا مفصّل جواب
آپ کو
مولانا محمد منظور نعمانی مدیر الفرقان کی تازہ کتاب
دین و شریعت
میں ملے گا
جس میں ضروری تفصیل کے ساتھ توحید، آخرت اور رسالت ــــ نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، اخلاق و معاملات، دین کی خدمت و نصرت، دعوت و جہاد، سیاست و حکومت اور احسان و تصوّف کے عنوانات پر ایسی محققانہ روشنی ڈالی گئی ہے کہ شکوک و شبہات کی ساری گرہیں کھل جاتی ہیں۔ غلط فہمیوں کا پردہ چاک ہو کر اصل حقیقت سامنے آجاتی ہے۔ اور دل و دماغ، عقل و وجدان اطمینان و سکون سے معمور ہو جاتے ہیں۔
جن عقائد میں غور و خوض بہت سوں کے لئے الحاد و تشکیک کا موجب ہوجاتا ہے ان کو ایسے سادہ انداز میں سمجھایا گیا ہے کہ متوسط درجہ کے ذہن کا آدمی بھی پڑھ کر پوری طرح مطمئن ہوجاتا ہے۔
یہ کتاب ان مسائل میں سلف صالحین کے مسلک پر پورا اطمینان بخشتی ہے، بشرطیکہ سلامتیٔ فکر بالکل رخصت نہ ہو چکی ہو۔
مولانا نعمانی کی دوسری کتابوں کی طرح اس کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ ذہنی اطمینان اور قلبی انشراح کے علاوہ یہ حلاوت ایمان اور ذوق عمل بھی پیدا کرتی ہے۔ جس کے بغیر دینی مباحث اور دین کی باتیں محض فلسفہ اور نرا ذہنی تعیش ہیں، جس کی اللہ کے یہاں کوئی قیمت نہیں۔
اوپر جو موٹے موٹے عنوانات درج کئے گئے ہیں انکے علاوہ ذیلی عنوانات کی تعداد دو سو کے قریب ہے۔
۳۰۰ کے قریب صفحات ــــ بہترین سفید کاغذ ــــ عمدہ جلد اور خوشنما گردپوش ــــ قیمت تین روپے
کتب خانۂ الفرقان کچہری روڈ لکھنؤ

ماہنامہ
الفرقان
لکھنؤ
ہماری دعوت
لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ
اسی کلمہ پر اسلام کی بنیاد ہے اور ہمارا ایمان ہے کہ یہی انسانیت کی نجات کا کلمہ ہے
لیکن یہ صرف ایک بول ہی نہیں ہے بلکہ ایک شہادت، ایک اصول اور ایک اہم فیصلہ ہے، وہ اس بات کا عہد ہے کہ ہم صرف اللہ کی عبادت اور بندگی کریں گے اور زندگی کے ہر شعبہ میں اس کی بھیجی ہوئی اور حضرت محمد صلعم کی لائی ہوئی ہدایت اور شریعت کی پیروی کریں گے اور اسی حال میں جئیں گے اور مریں گے
جو لوگ اس کلمہ پر ایمان لا چکے ہیں ان کا فرض ہے کہ زندگی اس عہد کے مطابق گزاریں اور اسی ایمانی زندگی کو دنیا میں رواج دینے کی کوشش کریں، وہ اسی لیے پیدا ہوئے ہیں۔ ہم اسی کا عہد کرتے ہیں، اسی کی دعوت دیتے ہیں اور اسی پر جینا اور مرنا چاہتے ہیں
فاطر السموات والارض انت ولی فی الدنیا والآخرۃ
توفنی مسلما والحقنی بالصالحین
ادارہ الفرقان
مسئول
محمد منظور نعمانی
مرتب
عتیق الرحمٰن سنبھلی

جلد (۳۰) بابتہ ماہ جمادی الاخریٰ ۱۳۸۲ھ مطابق دسمبر ۱۹۶۲ء شمارہ (۶)

اگر اس دائرے میں ○ سرخ نشان ہو تو

اس کا مطلب ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہو گئی ہے، براہ کرم آئندہ کے لئے چندہ ارسال فرمائیں یا خریداری کا ارادہ نہ ہو تو مطلع فرمائیں۔ چندہ یا کوئی دوسری اطلاع ۳۱ دسمبر تک دفتر میں ضرور آجائے ورنہ اگلا شمارہ بصیغہ وی، پی ارسال ہوگا۔

پاکستان کے خریدار: اپنا چندہ "سکریٹری اصلاح و تبلیغ آسٹریلین بلڈنگ لاہور" کو بھیجیں، اور منی آرڈر کی پہلی رسید ہمارے پاس فوراً بھیجدیں!

نمبر خریداری: براہ کرم خط و کتابت اور منی آرڈر کے کوپن پر اپنا خریداری نمبر ضرور لکھ دیا کیجئے۔

تاریخ اشاعت: "الفرقان" ہر انگریزی مہینہ کے پہلے ہفتہ میں روانہ کر دیا جاتا ہے، اگر ۲۰ تاریخ تک بھی کسی صاحب کو نہ ملے تو فوراً مطلع فرمائیں، اس کی اطلاع ۲۰ تاریخ کے اندر آجانی چاہئے، اسکے بعد رسالہ بھیجنے کی ذمہ داری دفتر پر نہ ہوگی۔

دفتر الفرقان کچہری روڈ لکھنؤ

(مولوی) محمد منظور نعمانی پرنٹر و پبلشر اڈیٹر و پروپرائٹر نے تنویر پریس لکھنؤ میں چھپوا کر دفتر الفرقان کچہری روڈ لکھنؤ سے شائع کیا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نگاہِ اوّلیں

ہمارے دینی مدارس کا ماضی اور حال و مستقبل :-

گزشتہ اشاعت کے انہی صفحات میں اسی عنوان کے تحت اپنے دینی مدارس کے ماضی و حال کے بارہ میں کچھ لکھا گیا تھا اور بتایا گیا تھا کہ ان کا حال ان کے ماضی سے کس قدر مختلف ہو چکا ہے اور ان میں کتنا فساد اور بگاڑ آچکا ہے۔

راقم سطور نے جہاں تک غور کیا ہے اس تغیر کے کئی اسباب ہیں لیکن ان میں سب سے بڑا اور بنیادی سبب یہ ہے کہ ان دینی درسگاہوں کا جو اصل مقصد تھا ـــــــــ یعنی دینی تعلیم و تربیت کے ذریعہ علوم نبوت کے حامل و امین، انبیاء و مرسلین کے نائب و وارث اور دین کے مخلص خادم و محافظ پیدا کرنا ـــــــــ وہ مدت سے آنکھوں سے اوجھل ہوتا جا رہا ہے اور ان کا موجودہ نظام یعنی انتظامی و تعلیمی ڈھانچہ جو اس مقصد کے لئے صرف وسیلہ اور ذریعہ کے طور پر اختیار کر لیا گیا تھا اور جس کی حیثیت روح اور حقیقت کے لئے زیادہ سے زیادہ بس قالب اور صورت کی تھی، اسی کو ہم نے گویا اصل مقصد بنا لیا ہے اور بس اسی کے بقاء و استحکام اور اسی میں توسیعات و ترقیات کے لئے ہم ساعی اور فکر مند ہیں اور اسی میں ترقی و اضافہ دیکھ دیکھ کے خود بھی خوش ہوتے ہیں اور روئدادوں اور رپورٹوں میں اسی ترقی اور اضافہ کے اعداد و شمار پیش کر کر کے ان درسگاہوں کے معاونوں اور ہمدردوں کو بھی یقین دلاتے رہتے ہیں کہ ہمارے یہ مدرسے خدا کے فضل سے برابر ترقی کر رہے ہیں، اور اچھی رفتار سے ترقی کر رہے ہیں۔

اصل مقصد سے اسی غفلت و بے اعتنائی اور خود اپنے ذہنوں کی اسی تبدیلی کا نتیجہ ہے کہ رُوح اور حقیقت کے لحاظ سے ہمارے ان مدارس میں جو غیر معمولی انحطاط مختلف اسباب و اثرات کے تحت مدتوں پہلے سے پیدا ہو چکا ہے اور نہایت تیز رفتاری سے بڑھ رہا ہے اس کا جیسا احساس اور دکھ اور اسکے علاج و انسداد کے لئے جیسی فکرمندی اور بے چینی ان کے ذمہ داروں کو ہونی چاہیئے تھی وہ ان میں نہیں ہے بلکہ واقعہ یہ ہے کہ اکثر و بیشتر کو تو اس کا احساس بھی نہیں ہے ؎

وائے ناکامی متاع کارواں جاتا رہا
کارواں کے دل سے احساس زیاں جاتا رہا

اس وقت صورت یہ ہے کہ ہمارے ان مدارس کے چلانے والوں کی ساری توجہات یا تو ان کے مالیات و انتظامات پر صرف ہوتی ہیں، یا مقررہ نصاب تعلیم کے کسی طرح پورا ہو جانے پر، لیکن طلبہ کی دینی تربیت و سیرت سازی، ان کے دلوں میں اصل مقصد کی لگن پیدا کرنے اور ان کے ظاہر و باطن کو مقصد کے مطابق ڈھالنے کا کام گویا بالکل ہی نظر انداز ہو گیا ہے، حالانکہ یہی چیز دراصل ان مدارس کے سارے کام اور نظام کی اصل روح تھی، لیکن اب اس سے اتنی غفلت برتی جا رہی ہے کہ بیچارے طلبہ کا تو ذکر ہی کیا، اساتذہ و معلمین کے انتخاب میں بھی یہ مقصد بطور معیار کے سامنے نہیں رکھا جاتا، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ اب ان کے مدرسین کی بڑی تعداد بھی اس مقصد سے بیگانہ اور خالی ہے بلکہ ان میں سے بہت سوں کی تو سیرت اور زندگی اس مقصد سے میل ہی نہیں کھا سکتی، وہ ان مدرسوں سے بس ایک معاشی مشغلہ کے طور پر وابستہ ہیں، اس صورت حال نے ہمارے اچھے اچھے مدارس کے ماحول کو قطعاً بے روح بلکہ خاصی حد تک مقصد کے منافی بنا دیا ہے اور وہ تعلیم دین کے "کارخانے" بنتے چلے جا رہے ہیں، طالب علموں میں شاذ و نادر ہی ایسے ہوتے ہیں جو اپنے گھروں سے اس مقصد کا شعور اور اس کی لگن لے کر آتے ہوں، عام طور سے ہمارے دینی مدارس جن طلبہ سے آباد ہیں ان کا حال یہ ہوتا ہے کہ وہ سوچ سمجھ کے اور دنیا کے مقابلہ میں دین اور آخرت کو ترجیح دے کر ہمارے ان مدرسوں میں علم دین حاصل کرنے کے لئے نہیں آتے بلکہ اپنے خاص خانگی یا خاندانی حالات کی مجبوری سے، ان مدارس میں داخل ہو جاتے ہیں یا داخل کر دیئے جاتے ہیں، جہاں

نہ صرف یہ کہ ان کو تعلیم کی کوئی فیس ادا نہیں کرنی پڑتی بلکہ ان کے کھانے کپڑے اور رہنے سہنے کا کفیل بھی مدرسہ ہو جاتا ہے، پڑھنے کے لئے کتابیں تک مدرسہ مہیا کرتا ہے ——— اگر مدارس کی فضا مقصد سے ہم آہنگ ہوتی اور طلبہ میں مقصد کا شعور اور اسکی لگن پیدا کرنے کا اہتمام ہوتا، اساتذہ پر مقصد کا رنگ غالب ہوتا تو یہ آنے والے طالب علم اپنی اپنی صلاحیت اور استعداد کے مطابق اس رنگ میں رنگتے چلے جاتے، اُن کے سامنے بطور نصب العین اور مقصد حیات کے یہ بات ہوتی کہ ہمیں دین اور علم دین کی خدمت ہی کے لئے مرنا جینا ہے اور ہم اسی کے لئے وقف ہیں، یہ بلند اور پاکیزہ نصب العین گندگیوں اور پستیوں میں گرنے سے خود انکی حفاظت کرتا اور تعلیم حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ ان کی سیرتیں بھی اس مقصد کے سانچہ میں ڈھلتی رہتیں۔

لیکن اب صورت بالکل اس کے برعکس ہے، جیسا کہ عرض کیا گیا اساتذہ کی بڑی تعداد خود اس مقصد سے بیگانہ ہے، اور مدارس کا ماحول بھی اس مقصد کا شعور اور جذبہ پیدا کرنے میں نہ صرف یہ کہ کوئی مدد نہیں دیتا بلکہ کسی حد تک غلط رجحانات اور دنیا پرستانہ جذبات پیدا ہونے کا ذریعہ بن جاتا ہے۔ پھر ان طلبہ کے سامنے کوئی اچھا دنیوی مستقبل بھی نہیں ہوتا اس طرح ہمارے مدرسوں میں زیادہ تر پڑھنے والوں کا حال یہ ہوتا ہے کہ نہ اُن کے سامنے کوئی اعلیٰ اور پاکیزہ دینی نصب العین ہوتا ہے نہ دنیوی مستقبل کے بارہ میں کوئی اچھی امید، انسانی نفسیات سے جس کو ذرا بھی واقفیت ہو وہ سمجھ سکتا ہے کہ ایسی صورت میں جو بھی بگاڑ پیدا ہو وہ خلاف توقع نہیں۔

بہرحال اس عاجز کے نزدیک مدارس کے سارے شر و فساد کی جڑ بنیادی یہ ہے کہ اصل مقصد فراموش کر دیا گیا ہے اور اس کے انتظامی و تعلیمی نظام کو جو صرف وسیلہ اور ذریعہ تھا مقصد کی جگہ دیدی گئی ہے، اس لئے اصلاح اس کے بغیر ممکن نہیں کہ اس صورت حال کو بدلا جائے اور اصل مقصد کو پھر سے ان مدارس کے نظام میں اس طرح جاری ساری کیا جائے جس طرح کسی زندہ انسان کے جسمانی نظام میں اور اسکے ایک ایک عضو میں اس کی روح جاری ساری رہتی ہے اور اس نقطۂ نظر سے اُن کے نظام کی پوری صفائی اور تجدید کی جائے

اور ان کا ماحول ایسا بنایا جائے جو خود بخود اصل مقصد کا شعور اور اس کی لگن پیدا کرے اور طلبہ کے ذہن و مزاج اور ان کی سیرتوں کو اسکے مطابق بنائے، اساتذہ کے انتخاب میں سب سے زیادہ اہمیت اسی معیار کو دی جائے اور جو لوگ اس لحاظ سے مناسب اور مفید نہ سمجھے جائیں ان سے کام نہ لیا جائے، اسی طرح انتظامی عملہ بھی ایسا ہو جو اس مقصد سے کچھ میل کھاتا ہو، طلبہ صرف وہ رکھے جائیں جو اس مقصد کو اپنا لیں اور اُن میں اسکی صلاحیت بھی محسوس ہو اگرچہ ان کی تعداد کم سے کم ہو ــــــ یہ صرف اصولی اشارات ہیں، تفصیلات عمل کے وقت طے کی جا سکتی ہیں۔

اس ناچیز کو اس کا پورا اندازہ ہے کہ بحالات موجودہ مدارس کے نظام کی صفائی اور تجدید کا یہ کام کتنا مشکل اور کٹھن ہے اور اس کو بروئے کار لانے کے لئے کتنی بڑی بڑی تبدیلیاں کرنی پڑیں گی جن کی امید دو چار مدرسوں سے بھی نہیں کی جا سکتی، لیکن میں عرض کرتا ہوں کہ اصلاح کا کوئی دوسرا آسان راستہ نہیں ہے، اگر ہمیں ان مدارس کو دینی تعلیم گاہوں کی حیثیت سے باقی رکھنا ہے اور ان سے وہ کام لینا ہے جس کے لئے ہمارے بزرگوں نے یہ قائم کئے تھے، تو ہمیں اس مشکل اور سخت مشکل کام کا فیصلہ کرنا ہی پڑے گا۔

راقم سطور کو پورا یقین ہے کہ اگر اس وقت عزم و ہمت سے کام لے کر یہ تجدیدی عمل نہیں کیا گیا اور سارا رویہ یہی رہا کہ جب کسی مدرسہ میں کوئی شورش برپا ہوئی تو کچھ سہولتیں و مراعات دے کے یا کچھ انتظامی اقدامات کر کے وقتی طور پر اس سے نمٹ لیا گیا تو خدانخواستہ مستقبل قریب ہی میں ان کے حالات اتنے ابتر ہو جائیں گے کہ پھر ان پر کوئی قابو نہیں پایا جا سکے گا، اس کے بعد جلد ہی وہ وقت آجائے گا جب مسلمانوں کا وہ مذہبی طبقہ جو ان مدارس کے وجود کو ایک دینی ضرورت اور بزرگوں کا متبرک ترکہ سمجھ کر ابتک ان کا بوجھ اٹھا رہا ہے اور لاکھوں کروڑوں کے ان کے اخراجات اپنے چندوں اور عطیوں سے پورے کر رہا ہے، وہ ان سے مایوس اور سخت بیزار ہو جائے گا، اُس وقت ان مدرسوں کے چلانے والوں کے سامنے ان کو باقی رکھنے اور چلانے کی ایک ہی صورت ہوگی وہ یہ کہ ان کے ناموں اور ان کے اوقاف کی رعایت سے ان میں برائے نام دینی تعلیم کا

کچھ سلسلہ باقی رکھتے ہوئے ان کو دنیوی تعلیم گاہیں بنا دیا جائے اور بس حکومت کی امداد سے ان کو چلایا جائے ــــــ اسی ہندوستان کے بعض بڑے اور مشہور تاریخی دینی مدرسے جن کا کسی وجہ سے یہ انجام ہو چکا ہے ہمارے سامنے ہیں ــــــ مستقبل کا علم تو اللہ تعالیٰ ہی کو ہے لیکن یہ ناچیز حالات کا رُخ دیکھتے ہوئے یقین کے ساتھ یہی سمجھ رہا ہے اور اسی لئے مدارس کے نظام کی صفائی اور تجدیدی والی تجویز پیش کر رہا ہے جو بلاشبہ بہت مشکل ہے لیکن کسی بڑی تباہی سے بچنے کے لئے اگر پہاڑوں اور خطرناک دریاؤں سے گزرنا ناگزیر ہو تو عزم و ہمت کے ساتھ اس کا فیصلہ کرنا چاہیے ــــــ اگر کسی ایک مدرسہ کے ذمہ دار اور ارباب بست و کشاد اس کا فیصلہ کر لیں تو کم از کم اپنے مدرسہ کی حد تک تو وہ کر ہی سکتے ہیں۔

(صفحہ ۳۴ کا بقیہ مضمون)

کچھ دوسرے لوگ ہیں جو دُنیا سے نفرت کرتے ہیں اور اُس کا حقارت کے ساتھ ذکر کرتے ہیں اور ہمیشہ اُس کی دشمنی میں رہتے ہیں، تیسری قسم اُن لوگوں کی ہے جن کو نہ دنیا سے محبت ہوتی ہے نہ نفرت اور وہ اُس کا ذکر محبت یا عداوت کے ساتھ نہیں کرتے۔ یہ قسم پہلی دونوں قسموں سے بہتر ہے۔ اس کے بعد آپ نے حکایت سنائی کہ ایک شخص حضرت رابعہ بصریؒ کے پاس آیا اور دنیا کی سخت مذمت کرنے لگا حضرت رابعہ بصریؒ نے اُس سے کہا کہ برائے مہربانی اب اس کے بعد نہ آئیے گا۔ آپ کو دنیا سے محبت معلوم ہوتی ہے اس لئے کہ آپ اُس کا ذکر بہت کرتے ہیں[۵]

---

۵ فوائد الفواد جلد ۱ صـ ۱۸۹

اعلان: گزشتہ ماہ (نومبر) کا الفرقان دفتر میں بالکل ختم ہو گیا ہے، اب کوئی صاحب طلب نہ فرمائیں۔ ـ منیجر

معارف الحدیث

(مسلسل)

قیامِ لیل، یا تہجُّد

تہجد کی فضیلت اور اہمیت :-

عشا اور فجر کے درمیان کوئی نماز فرض نہیں کی گئی ہے، اگر عشا اول وقت ہی میں پڑھ لی جائے یا کچھ دیر کر کے بھی پڑھی جائے تو فجر تک بہت بڑا وقت خالی رہ جاتا ہے، حالانکہ یہ وقت اس لحاظ سے نہایت قیمتی ہوتا ہے کہ فضا میں جیسا سکون رات کے سناٹے میں ہوتا ہے ایسا دوسرے کسی وقت میں نہیں ہوتا، اور اگر عشا کے بعد آدمی کچھ دیر کے لیے سو جائے اور آدھی رات گزرنے کے بعد کسی وقت اٹھ جائے (جو تہجد کا اصلی وقت ہے) تو پھر اس وقت جیسی یکسوئی اور دلجمعی کے ساتھ نماز نصیب ہو جاتی ہے وہ دوسرے وقت نصیب نہیں ہوتی، علاوہ ازیں اس وقت بستر چھوڑ کے نماز پڑھنا نفس کی ریاضت اور تربیت کا بھی خاص وسیلہ ہے۔ قرآن مجید میں بھی فرمایا گیا "اِنَّ نَاشِئَةَ اللَّيْلِ هِيَ اَشَدُّ وَطْأً وَّاَقْوَمُ قِيْلًا" (رات میں نماز کے لیے کھڑا ہونا نفس کو بہت زیادہ دبانے والا عمل ہے اور اس وقت زدعا یا قراءت میں) جو زبان سے نکلتا ہے وہ بالکل ٹھیک اور دل کے مطابق یعنی دل سے نکلتا ہے) ــــ دوسری جگہ قرآن مجید میں ایسے بندوں کی تعریف ان الفاظ میں کی گئی ہے۔ "تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّطَمَعًا" (ان کے پہلو اس وقت میں جو لوگوں کے

ہونے کا خاص وقت ہے) خوابگاہوں سے الگ رہتے ہیں وہ اس وقت اپنے پروردگار سے امید وبیم کے ساتھ دعائیں کرتے ہیں) آگے فرمایا گیا ہے کہ ان بندوں کے اس عمل کا جو انعام اور صلہ جنت میں ملنے والا ہے جس میں ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک کا پورا سامان ہے اس کو اللہ کے سوا کوئی بھی نہیں جانتا۔　(السجدہ)

اور قرآن مجید میں ایک موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تہجد کا حکم دینے کے ساتھ آپ کو "مقام محمود" کی امید دلائی گئی ہے، فرمایا گیا ہے "وَمِنَ اللَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهِ نَافِلَةً لَّكَ عَسَىٰ أَن يَبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُودًا ۝" (اور اے نبی آپ اس قرآن کے ساتھ تہجد پڑھیے (یعنی تہجد میں خوب قرآن پڑھا کیجیے) یہ حکم آپ کے لیے زائد اور مخصوص ہے، امید رکھنا چاہیے کہ آپ کو آپ کا رب "مقام محمود" پر فائز کرے گا")۔ —— "مقام محمود" عالم آخرت میں اور جنت میں بلند ترین مقام ہوگا۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ "مقام محمود" اور نماز تہجد میں کوئی خاص نسبت اور تعلق ہے، اس لیے جو امتی نماز تہجد سے شغف رکھیں گے انشاء اللہ "مقام محمود" میں کسی درجہ کی حضور کی رفاقت ان کو بھی نصیب ہوگی۔

احادیث صحیحہ سے معلوم ہوتا ہے کہ رات کے آخری حصہ میں اللہ تعالیٰ اپنے پورے لطف وکرم اور اپنی خاص شان رحمت کے ساتھ اپنے بندوں کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ اور جن بندوں کو ان باتوں کا کچھ احساس وشعور بخشا گیا ہے وہ اس مبارک وقت کی خاص برکات کو محسوس بھی کرتے ہیں۔ —— اس تمہید کے بعد اب قیام لیل اور تہجد سے متعلق حدیثیں پڑھیے!

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْزِلُ رَبُّنَا تَبَارَكَ وَتَعَالَىٰ كُلَّ لَيْلَةٍ إِلَى السَّمَاءِ الدُّنْيَا حِينَ يَبْقَىٰ ثُلُثُ اللَّيْلِ الْآخِرِ يَقُولُ مَنْ يَدْعُونِي فَأَسْتَجِيبَ لَهُ مَنْ يَسْأَلُنِي فَأُعْطِيَهُ مَنْ يَسْتَغْفِرُنِي فَأَغْفِرَ لَهُ۔

—— رواہ البخاری ومسلم

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ہمارا مالک اور رب تبارک وتعالیٰ ہر رات کو جس وقت آخری تہائی رات

باقی رہ جاتی ہے سماء دنیا کی طرف نزول فرماتا ہے اور ارشاد فرماتا ہے کون ہے جو مجھ سے دعا کرے اور میں اس کی دعا قبول کروں۔ کون ہے جو مجھ سے مانگے، میں اس کو عطا کروں۔ کون ہے جو مجھ سے مغفرت اور بخشش چاہے، میں اس کو بخش دوں۔ (صحیح بخاری و مسلم)

(تشریح) سماء دنیا کی طرف اللہ تعالیٰ کا نزول فرمانا جس کا اس حدیث میں ذکر ہے، اللہ تعالیٰ کی ایک صفت اور اس کا ایک فعل ہے جس کی حقیقت ہم نہیں جانتے۔ جس طرح ید اللہ، وجہ اللہ اور استوی علی العرش اور اس کے عام صفات و افعال کی حقیقت اور کیفیت بھی ہم نہیں جانتے، اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات و افعال کی حقیقت اور کیفیت کے علم سے اپنی عاجزی اور جہالت کا اقرار و اعتراف ہی علم ہے، ائمہ سلف کا طریقہ اور مسلک یہی رہا ہے کہ ان کے بارے میں اپنی نارسائی اور بے علمی کا اقرار کیا جائے اور ان کی حقیقت اور کیفیت کا علم دوسرے متشابہات کی طرح خدا کے سپرد کیا جائے اور مانا جائے کہ جو بھی حقیقت ہے وہ حق ہے — لیکن اس حدیث کا یہ پیغام بالکل واضح ہے کہ رات کے آخری تہائی حصہ میں اللہ تعالیٰ اپنی خاص شانِ رحمت کے ساتھ بندوں کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور خود ان کو دعا اور سوال اور استغفار کے لیے پکارتا ہے — جو بندے اس حقیقت پر یقین رکھتے ہیں اُن کے لیے اس وقت بستر پر سوتے رہنا اُس سے زیادہ مشکل ہوتا ہے جتنا دوسروں کے لیے اس وقت بستر چھوڑ کر کھڑا ہونا — اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے اس حقیقت کا ایسا یقین نصیب فرمائے جو اس وقت بےچین کر کے اللہ تعالیٰ کے دربار کی حاضری اور دعا و سوال و استغفار کے لیے کھڑا کر دیا کرے۔

عَنْ عَمْرِو بْنِ عَبَسَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَقْرَبُ مَا يَكُوْنُ الرَّبُّ مِنَ الْعَبْدِ فِيْ جَوْفِ اللَّيْلِ الْاٰخِرِ فَاِنِ اسْتَطَعْتَ اَنْ تَكُوْنَ مِمَّنْ يَذْكُرُ اللّٰهَ فِيْ تِلْكَ السَّاعَةِ فَكُنْ۔ ——— رواه الترمذی

حضرت عمرو بن عبسہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ بندہ سے سب سے زیادہ قریب رات کے آخری درمیانی حصہ میں ہوتا ہے، پس اگر تم سے ہو سکے کہ تم ان بندوں میں سے ہو جاؤ جو اس مبارک وقت میں اللہ کا ذکر کرتے ہیں تو تم ان میں ہو جاؤ۔ (جامع ترمذی)

(تشریح) اس حدیث میں آخری شب میں اللہ تعالیٰ کے ذکر کی ترغیب دی گئی ہے اور ذکر اگرچہ عام ہے لیکن نماز ذکر کی اعلیٰ اور مکمل ترین شکل ہے کیونکہ وہ دل، زبان اعضا سب کے ذکر کا مجموعہ ہے۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اَفْضَلُ الصَّلٰوةِ بَعْدَ الْمَفْرُوْضَةِ صَلٰوةٌ فِیْ جَوْفِ اللَّیْلِ۔

رواہ احمد

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا۔ آپ فرماتے تھے کہ فرض نماز کے بعد سب سے افضل درمیانی رات کی نماز ہے (یعنی تہجد) (مسند احمد)

عَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَلَیْکُمْ بِقِیَامِ اللَّیْلِ فَاِنَّهٗ دَاْبُ الصَّالِحِیْنَ قَبْلَکُمْ وَهُوَ قُرْبَةٌ لَکُمْ اِلٰی رَبِّکُمْ وَمَکْفَرَةٌ لِلسَّیِّئَاتِ وَمَنْهَاةٌ عَنِ الْاِثْمِ۔

رواہ الترمذی

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم ضرور پڑھا کرو تہجد، کیونکہ وہ تم سے پہلے صالحین کا طریقہ اور شعار رہا ہے اور قرب الٰہی کا خاص وسیلہ ہے اور وہ گناہوں کے برے اثرات کو مٹانے والی اور معاصی سے روکنے والی چیز ہے۔ (جامع ترمذی)

(تشریح) اس حدیث میں نماز تہجد کی چار خصوصیات ذکر فرمائی گئی ہیں۔ اول یہ کہ وہ دور قدیم سے اللہ کے نیک بندوں کا طریقہ اور شعار رہا ہے، دوسرے یہ کہ تقرب الٰہی کا خاص وسیلہ اور ذریعہ ہے، تیسرے اور چوتھے یہ کہ اس میں گناہوں کا کفارہ بن کر ان کے اثرات کو

مٹانے اور معاصی سے روکنے کی خاصیت ہے۔

حق یہ ہے کہ نماز تہجد عظیم ترین دولت ہے ـــــ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے بارہ میں منقول ہے کہ اُن کے وصال کے بعد بعض حضرات نے ان کو خواب میں دیکھا، تو پوچھا کہ کیا گزری اور آپ کے پروردگار نے آپکے ساتھ کیا معاملہ کیا؟ ـــــ جواب میں فرمایا "تاهت العبارات وفنيت الاشارات وما نفعنا الا ركعات صليناها فی جوف الليل" (یعنی حقائق و معارف کی جو اونچی اونچی باتیں ہم عبارات و اشارات میں کیا کرتے تھے وہ سب وہاں ہوا ہوگئیں اور بس وہ رکعتیں کام آئیں جو رات میں ہم پڑھا کرتے تھے۔)

عَنِ الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ قَالَ قَامَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتَّى تَوَرَّمَتْ قَدَمَاهُ فَقِيلَ لَهُ لِمَ تَصْنَعُ هٰذَا وَقَدْ غُفِرَ لَكَ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ قَالَ أَفَلَا أَكُونَ عَبْدًا شَكُورًا۔

ـــــ رواه البخاری ومسلم

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قدر قیام فرمایا (یعنی رات کو نماز تہجد اتنی طویل پڑھی) کہ آپ کے قدم مبارک متورم ہو گئے، تو آپ سے عرض کیا گیا کہ آپ ایسا کیوں کرتے ہیں جبکہ آپ کی اگلی پچھلی ساری تقصیریں معاف ہو گئی ہیں (اور اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اس کا اعلان فرما کے آپ کو اس بارے میں مطمئن بھی کر دیا ہے) آپ نے ارشاد فرمایا تو کیا میں (اس کے احسانِ عظیم کا) زیادہ شکر کرنے والا بندہ نہ بنوں، (اور اس شکر گزاری میں اس کی اور زیادہ عبادت نہ کروں)

(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باوجودیکہ آپ کو ہم گنہگاروں کی طرح عبادت و ریاضت کی زیادہ ضرورت نہ تھی اور باوجود اس کے کہ آپ کا چلنا پھرنا حتٰی کہ سونا بھی کارِ ثواب تھا لیکن پھر بھی آپ راتوں میں اتنی طویل نماز پڑھتے تھے کہ قدم مبارک متورم ہو جاتے تھے ـــــ

اس میں آپکے ہم جیسے راحت طلب نام لیواؤں اور نیابت رسول کے مدعیوں کے لیے بڑا سبق ہے۔

اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذنوب کی مغفرت کا ذکر ہے اور ذنب کے معنی عام طور سے گناہ کے لیے جاتے ہیں۔ اس لیے یہ سوال پیدا ہوجاتا ہے کہ جب عصمت انبیاء اہل حق کا مسلم عقیدہ ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذنوب کی مغفرت کا کیا مطلب ہے؟ اس کے جواب میں جو کچھ کہا گیا ہے اور کہا جاتا ہے اس میں سب سے زیادہ معقول اور دل لگتی بات اس عاجز کے نزدیک یہ ہے کہ آپ کے معصوم ہونے کا مطلب یہ ہے کہ آپ اُن برائیوں سے محفوظ ہیں جو معصیات اور منکرات کے قبیلہ سے ہیں اور جو اُمت کے حق میں بھی گناہ ہیں، لیکن ایسی باتیں ہر نبی سے اور آپ سے بھی صادر ہوسکتی ہیں جو اگرچہ معصیت اور گناہ نہ ہوں لیکن خلاف اولیٰ یا آپ کی شان عالی کے لحاظ سے نامناسب ہوں۔ جیسا کہ مثلاً شہد کی تحریم کا واقعہ یا عبداللہ بن اُم کلثوم سے ایک موقع پر بے اعتنائی برتنے کا واقعہ جس پر سورۂ تحریم اور سورۂ عَبَسَ میں آپ کو محبت کے خاص انداز میں تنبیہہ فرمائی گئی ـــــ بہرحال اس قسم کی معمولی لغزشیں حضرات انبیاء علیہم السلام سے بھی سرزد ہوجاتی ہیں اور اگرچہ یہ چیزیں معصیت اور گناہ کی حد میں نہیں آتیں لیکن ع "قربیاں را بیش بود حیرانی" کے اصول پر یہ حضرات اپنی ان معمولی لغزشوں سے اتنے رنجیدہ اور فکرمند ہوتے تھے کہ ہم عوام اپنے موٹے موٹے گناہوں سے بھی اتنے فکرمند نہیں ہوتے، پس قرآن و حدیث میں جہاں کہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا کسی بھی پیغمبر کے ذنوب کی مغفرت کا ذکر آتا ہے وہاں اسی قسم کی لغزشوں اور کوتاہیوں کی معافی مراد ہوتی ہے۔ ذنب کے لغوی معنی میں اتنی وسعت ہے کہ اس سے اس قسم کی لغزشیں اور کوتاہیاں بھی مراد ہوسکتی ہیں۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ علیه وَسَلَّمَ رَحِمَ اللّٰهُ رَجُلاً قَامَ مِنَ اللَّیْلِ فَصَلّٰی وَاَیْقَظَ امْرَاَتَهٗ فَصَلَّتْ فَاِنْ اَبَتْ نَضَحَ فِیْ وَجْهِهَا الْمَاءَ رَحِمَ اللّٰهُ اِمْرَاَةً قَامَتْ مِنَ اللَّیْلِ فَصَلَّتْ وَاَیْقَظَتْ زَوْجَهَا فَصَلّٰی فَاِنْ اَبٰی نَضَحَتْ فِیْ

وَجْهِهَا الْمَاءَ ــــــــــ رواہ ابوداؤد والنسائی

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کی رحمت اس بندہ پر جو رات کو اٹھا اور اس نے نماز تہجد پڑھی۔ اور اپنی بیوی کو بھی جگایا اور اس نے بھی نماز پڑھی، اور اگر (نیند کے غلبہ کی وجہ سے) وہ نہیں اٹھی تو اس کے منہ پر پانی کا ہلکا سا چھینٹا دے کر اس کو بیدار کر دیا ــ اور اسی طرح اللہ کی رحمت اس بندی پر جو رات کو نماز تہجد کے لیے اٹھی اور اس نے نماز ادا کی اور اپنے شوہر کو بھی جگایا، پھر اس نے بھی اٹھ کر نماز پڑھی اور اگر وہ نہ اٹھا تو اس کے منہ پر پانی کا ہلکا سا چھینٹا دے کر اٹھا دیا۔ (سنن ابی داؤد، سنن نسائی)

(تشریح) اس حدیث کو سمجھنے کے لیے یہ بات ملحوظ رہنی چاہیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جن صحابۂ کرام کے سامنے یہ بات فرمائی تھی وہ نماز تہجد کے بارے میں آپ کے ارشادات سن سن کر اور آپ کا حال دیکھ دیکھ کر یقین کے ساتھ جانتے تھے کہ اس میں بندہ کیا پاتا ہے اور اس سے محروم رہ جانا کتنا بڑا خسارہ ہے۔ فرقِ مراتب کے باوجود عام صحابۂ کرام اور صحابیات کا یہی حال تھا۔ اس لیے قدرتی طور پر ان میں سے ہر ایک اس دولت کا شائق اور حریص تھا، اس کے باوجود ایسا بھی ہو سکتا ہے، بلکہ ضرور ہوتا ہوگا کہ کسی رات کو ایک شوہر کی آنکھ وقت پر کھل گئی اور بیوی سوتی رہ گئی یا بیوی کی آنکھ کھل گئی اور شوہر سوتا رہ گیا اور پھر جاگنے والے نے سونے والے کو اٹھانا چاہا اور وہ اگر کسل اور نیند کے غلبہ کی وجہ سے اس وقت اٹھنے پر آمادہ نہ ہوا تو محبت و تعلق کے اعتماد پر منہ پر پانی کا ہلکا سا چھینٹا دے کر اٹھا دیا۔ ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں یہ طرز عمل کسی کشیدگی اور ناگواری کا باعث نہ ہوگا بلکہ انشاء اللہ باہمی محبت و مودت میں ترقی اور اضافہ کا سبب بنے گا ــ بہرحال اس حدیث کا تعلق ایسی ہی صورت حال سے ہے اور حضور کی ترغیب انہی خوش نصیب شوہروں اور بیویوں کے لیے ہے جو اس کے اہل ہوں اور وہ بذاتِ خود بھی اس عظیم نعمت نماز تہجد کے قدر شناس اور شائق ہوں۔

نمازِ تہجد کی قضا اور اس کا بدل :-

عَنْ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ نَامَ عَنْ حِزْبِہٖ اَوْ عَنْ شَیْئٍ مِّنْہُ فَقَرَأَہٗ فِیْمَا بَیْنَ صَلٰوۃِ الْفَجْرِ وَصَلٰوۃِ الظُّھْرِ کُتِبَ لَہٗ کَاَنَّمَا قَرَأَہٗ مِنَ اللَّیْلِ ——— رواہ مسلم

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص رات کو سو تا رہ گیا اپنے مقررہ وِردے یا اس کے کسی جز سے پھر اس نے اس کو پڑھ لیا نماز فجر اور نماز ظہر کے درمیان تو لکھا جائے گا اس کے حق میں جیسے کہ اس نے پڑھا ہے رات ہی میں۔ (صحیح مسلم)

تشریح (مطلب یہ ہے کہ جس شخص نے رات کے لیے اپنا کوئی ورد مقرر کر لیا ہو مثلاً یہ کہ میں اتنی رکعتیں پڑھا کروں گا اور اس میں قرآن مجید اتنا پڑھوں گا اور وہ کسی رات سوتا رہ جائے اور اس کا پورا ورد یا کوئی جز فوت ہو جائے تو اگر وہ اسی دن نماز ظہر سے پہلے پہلے اس کو پڑھ لے تو حق تعالیٰ اس کے لیے رات کے پڑھنے کے برابر ثواب عطا فرمائیں گے۔

عَنْ عَائِشَۃَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ اِذَا فَاتَتْہُ الصَّلٰوۃُ مِنَ اللَّیْلِ مِنْ وَّجَعٍ اَوْ غَیْرِہٖ صَلّٰی مِنَ النَّھَارِ ثِنْتَیْ عَشْرَۃَ رَکْعَۃً ——— رواہ مسلم

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جب بیماری وغیرہ کسی عذر کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز تہجد فوت ہو جاتی تو آپ دن کو اس کے بجائے بارہ رکعتیں پڑھتے تھے۔ (صحیح مسلم)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تہجد میں کتنی رکعتیں پڑھتے تھے :-

عَنْ عَائِشَۃَ قَالَتْ کَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یُصَلِّیْ مِنَ اللَّیْلِ ثَلَاثَ عَشْرَۃَ رَکْعَۃً مِّنْھَا الْوِتْرُ وَرَکْعَتَا الْفَجْرِ ——— رواہ مسلم

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات میں تیرہ رکعتیں پڑھتے تھے جن میں وتر اور سنت فجر کی دو رکعتیں بھی شامل ہوتی تھیں۔ (صحیح مسلم)

(تشریح) اس حدیث میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے تہجد کی رکعات کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جو معمول بتلایا ہے وہ آپ کا اکثری معمول تھا۔ ورنہ خود حضرت عائشہ ہی کی بعض دوسری روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ کبھی کبھی آپ اس سے کم بھی پڑھتے تھے۔

عَنْ مَسْرُوْقٍ قَالَ سَأَلْتُ عَائِشَةَ عَنْ صَلٰوةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِاللَّيْلِ فَقَالَتْ سَبْعٌ وَتِسْعٌ وَاِحْدٰى عَشْرَةَ رَكْعَةً سِوٰى رَكْعَتَيِ الْفَجْرِ ــــــ رواه البخاری

مسروق تابعی سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز تہجد کے بارے میں حضرت عائشہ صدیقہ سے دریافت کیا (کہ آپ کتنی رکعتیں پڑھتے تھے) تو انھوں نے فرمایا کہ سات اور نو اور گیارہ، سنت فجر کی دو رکعتوں کے سوا۔ (صحیح بخاری)

(تشریح) حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کے جواب کا مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تہجد میں کبھی صرف سات رکعتیں پڑھتے تھے (یعنی چار رکعت تہجد اور تین رکعت وتر) اور کبھی صرف نو (یعنی چھ رکعت تہجد اور تین رکعت وتر) اور کبھی گیارہ (آٹھ رکعت تہجد اور تین رکعت وتر) یہ تفصیل خود حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کی اس حدیث میں مذکور ہے جو وتر کے بیان میں سنن ابی داؤد کے حوالے سے نقل ہو چکی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تہجد کی بعض تفصیلات:-

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا قَامَ مِنَ اللَّيْلِ لِيُصَلِّيَ اِفْتَتَحَ صَلٰوتَهُ بِرَكْعَتَيْنِ خَفِيْفَتَيْنِ ــــــ رواه مسلم

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب رات کو نماز تہجد کے لیے کھڑے ہوتے تھے تو پہلے ہلکی ہلکی دو رکعتیں پڑھتے تھے۔ (صحیح مسلم)

(تشریح) بعض شارحین نے لکھا ہے کہ ایسا غالباً اس لیے کرتے تھے کہ پہلے ہلکی دو رکعتیں پڑھ کے طبیعت میں نشاط پیدا ہو جائے تو اس کے بعد طویل قرأت کے ساتھ نماز پڑھیں۔ واللہ اعلم

اور صحیح مسلم ہی میں حضرت ابوہریرہ کی روایت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بھی مروی ہے کہ

اذا قام احدکم من اللیل فلیفتتح الصلوٰۃ برکعتین خفیفتین۔	جب تم میں سے کوئی رات کو نماز کے لیے اٹھے تو پہلے ہلکی ہلکی دو رکعتیں پڑھ کے نماز شروع کرے۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ اَنَّهُ رَقَدَ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاسْتَيْقَظَ فَتَسَوَّكَ وَتَوَضَّأَ وَهُوَ يَقُوْلُ اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰيَاتٍ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ فَقَرَأَ هٰؤُلَاءِ الْاٰيَاتِ حَتّٰى خَتَمَ السُّوْرَةَ ثُمَّ قَامَ فَصَلّٰى رَكْعَتَيْنِ فَاَطَالَ فِيْهِمَا الْقِيَامَ وَالرُّكُوْعَ وَالسُّجُوْدَ ثُمَّ انْصَرَفَ فَنَامَ حَتّٰى نَفَخَ ثُمَّ فَعَلَ ذٰلِكَ ثَلٰثَ مَرَّاتٍ سِتَّ رَكَعَاتٍ كُلَّ ذٰلِكَ يَسْتَاكُ وَيَتَوَضَّأُ وَيَقْرَأُ هٰؤُلَاءِ الْاٰيَاتِ ثُمَّ اَوْتَرَ بِثَلَاثٍ فَاَذَّنَ الْمُؤَذِّنُ فَخَرَجَ اِلَى الصَّلٰوةِ وَهُوَ يَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ فِيْ قَلْبِيْ نُوْرًا وَّفِيْ لِسَانِيْ نُوْرًا وَّاجْعَلْ فِيْ سَمْعِيْ نُوْرًا وَّاجْعَلْ فِيْ بَصَرِيْ نُوْرًا وَّاجْعَلْ مِنْ خَلْفِيْ نُوْرًا وَّمِنْ اَمَامِيْ نُوْرًا وَّاجْعَلْ مِنْ فَوْقِيْ نُوْرًا وَّمِنْ تَحْتِيْ نُوْرًا اَللّٰهُمَّ اَعْطِنِيْ نُوْرًا ——— رواہ مسلم

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ ایک رات کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سوئے، پس (وقت آجانے پر تہجد کے لیے)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُٹھے اور آپ نے مسواک کی اور وضو فرمایا اور آپ اس وقت (سورۂ آل عمران کے آخر کی) یہ دعائیہ آیتیں تلاوت فرماتے تھے۔ "اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ...... (ختم سورت تک)، پھر آپ نماز کے لیے کھڑے ہوئے اور آپ نے دو رکعتیں پڑھیں جن میں قیام اور رکوع سجدہ بہت طویل کیا، پھر آپ بستر کی طرف واپس آئے اور (ذرا دیر کے لیے) سو گئے یہاں تک کہ آپ کا سانس آواز کے ساتھ چلنے لگا، اس کے بعد آپ نے تین دفعہ ایسا ہی کیا (یعنی تین دفعہ ایسا کیا کہ ذرا دیر سونے کے بعد اُٹھے مسواک کی، وضو فرمایا اور طویل قیام اور طویل رکوع سجود کے ساتھ دو رکعتیں پڑھیں) اس طرح آپ نے (پہلی دو رکعتوں کے علاوہ) چھ رکعتیں پڑھیں اور ہر دفعہ اُٹھ کر آپ مسواک کرتے اور وضو فرماتے تھے اور آل عمران کے آخر کی وہ آیتیں پڑھتے تھے، پھر آپ نے تین رکعت نماز وتر پڑھی، پھر موذن نے فجر کی اذان دی تو آپ نماز فجر کے لیے تشریف لے گئے اور اس وقت آپ یہ دُعا فرما رہے تھے ـــــ اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ فِیْ قَلْبِیْ نُوْرًا وَّفِیْ لِسَانِیْ نُوْرًا..... الخ (اے اللہ میرے دل میں نور پیدا فرما اور میری زبان میں نور پیدا فرما اور میری سمع و بصر میں نور پیدا فرما اور میرے پیچھے اور میرے آگے نور کر دے اور میرے اوپر اور میرے نیچے نور کر دے، اے اللہ مجھے نور عطا فرمائے۔ (صحیح مسلم)

(تشریح) حضرت عبداللہ بن عباس کی یہ حدیث صحیحین میں بھی اور دوسری کتابوں میں بھی کئی طریقوں سے روایت کی گئی ہے۔ اور بعض طرق میں اس سے زیادہ تفصیل ہے۔ نیز بیان اور ترتیب میں بھی کچھ فرق ہے، مثلاً یہ کہ دوسری روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ سورۂ آل عمران کی آخری آیتیں آپ نے سو کے اُٹھ کر وضو فرمانے سے پہلے پڑھیں۔ اسی طرح بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ دعا نوری (اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ فِیْ قَلْبِیْ نُوْرًا..... الخ) آپ نے اس دن صبح کی نماز میں کی تھی..... اسی طرح کا ایک فرق یہ ہے کہ دو دو رکعتیں پڑھ کے درمیان میں ذرا دیر کے لیے سو جانے کا ذکر جو اس روایت میں کیا گیا ہے دوسری روایات اس سے خالی ہیں۔ ـــــ اور یہ تو معلوم ہے کہ اس طرح ہر دو

رکعت کے بعد سونا حضور کی عام عادت مبارکہ نہیں تھی، اس رات آپ نے اتفاقاً ایسا کیا ہوگا۔
اس روایت میں دو خفیف رکعتیں شروع میں پڑھنے کا ذکر نہیں ہے، بظاہر ان کا ذکر راوی کے بیان سے رہ گیا۔ اور اس کا قرینہ یہ بھی ہے کہ اسی حدیث کی دوسری روایتوں میں صراحۃً تیرہ رکعت پڑھنے کا ذکر ہے، اور اس روایت کے مطابق کل رکعتیں صرف گیارہ ہوتی ہیں۔ ان دونوں بیانوں میں تطبیق اسی طرح دی جا سکتی ہے کہ یہ مان لیا جائے کہ اس کے راوی نے پہلی دو خفیف رکعتوں کا ذکر نہیں کیا ہے اور غالباً ان کو نماز تہجد سے خارج تحیۃ الوضو سمجھا ہے۔ واللہ اعلم۔
دُعاء نوری جو اس روایت میں ذکر کی گئی ہے اس میں صرف نو دعائیہ کلمے ہیں بعض دوسری روایات میں ان سے زیادہ کلمات نقل کیے گئے ہیں ــــ بڑی مبارک اور نورانی دعا ہے ــــ حاصل اس دعا کا یہ ہے کہ اے اللہ میرے قلب اور میرے قالب اور میری روح اور میرے جسم میں اور جسم کے ہر حصہ میں اور میری رگ رگ اور ریشہ ریشہ میں نور پیدا فرمادے اور مجھے از سرتا پا نور بنادے اور میرے گرد و پیش اور اوپر نیچے ہر طرف نور ہی نور کردے ــــ قرآن مجید کی آیت "اللہ نور السمٰوات والارض" کو پیش نظر رکھتے ہوئے اس دعا کا مقصد یہ ہوگا کہ میرا پورا وجود اور گرد و پیش بس آپ کے نور سے منور ہوجائے اور میرا ظاہر و باطن اور پورا ماحول بھی بس آپ کے رنگ میں رنگ جائے۔ صبغۃ اللہ ومن احسن من اللہ صبغۃ۔

عَنْ حُذَيْفَةَ اَنَّهُ رَأَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْ مِنَ اللَّيْلِ فَكَانَ يَقُوْلُ اللّٰهُ اَكْبَرُ ثَلٰثًا ذُو الْمَلَكُوْتِ وَالْجَبَرُوْتِ وَالْكِبْرِيَاءِ وَالْعَظَمَةِ ثُمَّ اسْتَفْتَحَ فَقَرَءَ الْبَقَرَةَ ثُمَّ رَكَعَ فَكَانَ رُكُوْعُهُ نَحْوًا مِّنْ قِيَامِهِ فَكَانَ يَقُوْلُ فِيْ رُكُوْعِهِ سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيْمِ ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ الرُّكُوْعِ فَكَانَ قِيَامُهُ نَحْوًا مِّنْ رُكُوْعِهِ يَقُوْلُ لِرَبِّيَ الْحَمْدُ ثُمَّ سَجَدَ فَكَانَ سُجُوْدُهُ نَحْوًا مِّنْ قِيَامِهِ فَكَانَ يَقُوْلُ فِيْ سُجُوْدِهِ سُبْحَانَ رَبِّيَ الْاَعْلٰى ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ السُّجُوْدِ

وَكَانَ يَقْعُدُ فِيْمَا بَيْنَ السَّجْدَتَيْنِ نَحْوًا مِنْ سُجُوْدِهٖ وَكَانَ يَقُوْلُ رَبِّ اغْفِرْلِيْ رَبِّ اغْفِرْلِيْ فَصَلّٰى اَرْبَعَ رَكْعَاتٍ قَرَأَ فِيْهِنَّ الْبَقَرَةَ وَ آلَ عِمْرَانَ وَالنِّسَاءَ وَالْمَائِدَةَ اَوِالْاَنْعَامَ شَكَّ شُعْبَةُ -

——————— رواہ ابوداؤد

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک رات تہجد کی نماز پڑھتے دیکھا، آپ نے نماز شروع کرتے ہوئے کہا "اللہ اکبر، اللہ اکبر، اللہ اکبر ذو الملکوت والجبروت والکبریاء والعظمۃ" (اللہ سب سے بڑا، اللہ سب سے بڑا، اللہ سب سے بڑا، بڑی بادشاہت والا، بڑے دبدبے والا، کبریائی اور عظمت والا) اس کے بعد آپ نے نماز شروع کی، پھر (سورۂ فاتحہ کے بعد) سورۂ بقرہ پڑھی، پھر رکوع کیا تو آپ کا رکوع قیام ہی کی طرح تھا (یعنی جس طرح قیام بہت طویل کیا کہ ایک رکعت میں پوری سورۂ بقرہ پڑھی اسی طرح اس نماز میں آپ نے رکوع بھی بہت طویل کیا) اور اس رکوع میں آپ کی زبان پر یہی کلمہ جاری تھا "سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيْمِ" پھر آپ نے رکوع سے سر اٹھایا تو رکوع ہی کی طرح بہت دیر تک کھڑے رہے اور اس قومہ میں آپ کی زبان پر یہ کلمہ تھا "لِرَبِّيَ الْحَمْدُ" (ساری حمد و ستائش بس میرے رب کے لیے ہے) اسکے بعد آپ نے سجدہ کیا تو آپ کا سجدہ قیام ہی کی طرح بہت طویل تھا اور آپ سجدہ میں کہتے تھے "سُبْحَانَ رَبِّيَ الْاَعْلٰى" پھر آپ نے سجدہ سے سر اٹھایا اور دونوں سجدوں کے درمیان آپ اپنے سجدہ کی طرح یعنی قریباً اس کے بقدر ہی بیٹھتے تھے اور اس درمیانی جلسہ میں کہا کرتے تھے "رَبِّ اغْفِرْلِيْ رَبِّ اغْفِرْلِيْ" (اے میرے رب میری مغفرت فرما، اے میرے مالک مجھے معاف کردے) آپ نے اس وقت چار رکعتیں پڑھیں جن میں سورۂ بقرہ، آل عمران، نساء اور مائدہ یا انعام پڑھیں ——— (امام ابوداؤد کے استاذ الاستاذ) شعبہ بن الحجاج کو اس میں شبہ ہوگیا ہے کہ ان کے استاذ عمرو بن مرۃ نے چوتھی رکعت میں سورۂ مائدہ پڑھنے کا ذکر کیا تھا یا سورۂ انعام

پڑھنے کا۔ (سنن ابی داؤد)

(تشریح) اس طرح طویل قرأت اور طویل رکوع و سجود کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تہجد پڑھنے کے واقعات حضرت حذیفہ کے علاوہ اور بھی متعدد صحابۂ کرام سے مروی ہیں چنانچہ حضرت عوف بن مالک اشجعی نے ایک رات کی آپ کی نماز تہجد کا ذکر کیا ہے جس میں آپ نے پہلی دو رکعتوں میں سورۂ بقرہ اور سورۂ آل عمران پڑھیں، اور اس کے بعد کی دو رکعتوں میں بھی اسی طرح دو بڑی بڑی سورتیں (غالباً النساء اور المائدہ) پڑھیں اور یہ ساری سورتیں اس طرح پڑھیں کہ جہاں رحمت کی کوئی آیت آجاتی تو اثناء قرأت ہی میں ٹھہر کر رحمت کی دعا کرتے اور جہاں عذاب کی آیت آجاتی وہاں اسی طرح اس سے پناہ مانگتے۔

واضح رہے کہ نماز تہجد میں اور اسی طرح دوسری نفل نمازوں میں قرأت کے درمیان ٹھہر کے دعا کرنا بالاتفاق جائز ہے۔

عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ قَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰى اَصْبَحَ بِآيَةٍ وَالْاٰيَةُ اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ـــــــ رواہ النسائی وابن ماجۃ

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک رات کی نماز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ہی آیت پڑھتے پڑھتے صبح کردی۔ اور وہ (سورۂ مائدہ کے آخری رکوع کی یہ آیت تھی "اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ۔ الآیۃ"۔ (سنن نسائی و سنن ابن ماجہ)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ ایک رات کو آپ نماز تہجد پڑھنے کے لیے کھڑے ہوئے تو کسی خاص حالت اور کیفیت میں اسی ایک آیت کو بار بار پڑھتے رہے یہاں تک کہ صبح ہوگئی "اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ" یہ آیت اللہ تعالیٰ کے ایک پرجلال سوال کے جواب میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی معذرت اور عاجزانہ گزارش کا ایک جز ہے ـــــ سورۂ مائدہ کے آخری رکوع میں بیان فرمایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن مسیحیوں پر حجت قائم کرنے کے لیے حضرت عیسیٰؑ سے سوال کریں گے کہ کیا تم نے اپنی اُمت

کہا تھا کہ اللہ کے علاوہ مجھے اور میری ماں مریم کو بھی معبود اور خدا بنا لینا؟ حضرت عیسیٰ اسکے جواب میں ایسی بات سے اپنی قطعی برأت ظاہر کریں گے اور عرض کریں گے کہ خداوندا آپ سے کوئی بات چھپی ہوئی نہیں ہے۔ آپ علام الغیوب ہیں۔ آپ کو معلوم ہے کہ میں نے ان کو توحید ہی کی دعوت و تعلیم دی تھی۔ ان میں یہ شرک دنیا سے میرے جانے کے بعد آیا ـــــ اس کے بعد یہ آیت ہے اور یہی حضرت عیسیٰ کے جواب کا آخری جزء ہے۔

ان تعذبهم فانهم عبادك وان تغفرلهم فانك انت العزيز الحكيم

(مائدہ۔ ع)

خداوندا اگر تو ان کو (ان کے سنگین جرم کی وجہ سے) عذاب میں ڈالے تو یہ سب تیرے بندے ہیں (تجھے عذاب دینے کا پورا حق ہے) اور اگر تو ان کو معاف کردے (تو یہ بھی تیرے بس میں ہے) بیشک تو غالب ہے حکمت والا ہے (تیرا جو فیصلہ بھی ہوگا وہ کسی کے دباؤ سے اور مجبوری سے نہیں ہوگا بلکہ اپنے ذاتی ارادے سے اور حکمت کے تقاضے سے ہوگا)

رات کی نماز میں صبح تک اسی ایک آیت کو پڑھتے رہنے کی وجہ بیان کرتے ہوئے بعض شارحین نے لکھا ہے کہ اس آیت پر پہونچ کے غالباً آپ کو اپنی امت کا خیال آگیا جسکے بارہ میں آپ پر یہ بات منکشف ہو چکی تھی کہ اگلی امتوں کی طرح اس میں بھی عقیدہ اور عمل کا بہت کچھ فساد آئے گا اور آپ اسی کی فکر میں عیسیٰ علیہ السلام کی یہ عاجزانہ اور دردمندانہ گزارش اللہ تعالیٰ کے حضور میں ہراتے رہے۔ واللہ اعلم۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ کَانَتْ قِرَاْءَةُ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بِاللَّیْلِ یَرْفَعُ طَوْرًا وَّیَخْفِضُ طَوْرًا ـــــ رواہ ابوداؤد

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کی نماز میں قرأت کبھی بلند آواز سے کرتے تھے اور کبھی آہستہ پست آواز سے۔

(سنن ابی داؤد)

عَنْ اَبِیْ قَتَادَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ لَیْلَةً فَاِذَا هُوَ بِاَبِیْ بَکْرٍ یُصَلِّیْ یَخْفِضُ مِنْ صَوْتِهٖ وَمَرَّ بِعُمَرَ وَهُوَ یُصَلِّیْ رَافِعًا صَوْتَهٗ قَالَ فَلَمَّا اجْتَمَعَا عِنْدَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ یَا اَبَا بَکْرٍ مَرَرْتُ بِكَ وَاَنْتَ تُصَلِّیْ تَخْفِضُ صَوْتَكَ قَالَ قَدْ اَسْمَعْتُ مَنْ نَاجَیْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَقَالَ لِعُمَرَ مَرَرْتُ بِكَ وَاَنْتَ تُصَلِّیْ رَافِعًا صَوْتَكَ فَقَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اُوْقِظُ الْوَسْنَانَ وَاَطْرُدُ الشَّیْطَانَ فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَا اَبَا بَکْرٍ اِرْفَعْ مِنْ صَوْتِكَ شَیْئًا وَقَالَ لِعُمَرَ اِخْفِضْ مِنْ صَوْتِكَ شَیْئًا ——— رواہ ابوداؤد

حضرت ابو قتادہ سے روایت ہے کہ ایک رات کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باہر نکلے تو ابوبکر کو دیکھا کہ وہ بالکل آہستہ آہستہ نماز پڑھ رہے ہیں اور عمر پر آپ کا گزر ہوا تو دیکھا کہ وہ خوب بلند آواز سے نماز پڑھ رہے ہیں، جب یہ دونوں حضرات (دوسرے کسی وقت) آپ کی خدمت میں ایک ساتھ حاضر ہوئے تو آپ نے ابوبکر سے فرمایا کہ میں رات تمہارے پاس سے گزرا تو دیکھا کہ تم بالکل آہستہ نماز پڑھ رہے تھے، انھوں نے عرض کیا کہ میں جس کے حضور میں عرض معروض کر رہا تھا بس اسکو میں نے سنا دیا اور اس نے میری سن لی (یعنی اللہ تعالیٰ نے) پھر اسی طرح آپ نے عمر سے فرمایا کہ تمہارے پاس سے میں گزرا تو تم خوب بلند آواز سے نماز پڑھ رہے تھے، انھوں نے عرض کیا یا رسول اللہ میں بلند آواز سے قرأت کر کے اونگھتے ہوؤں کو اٹھانا اور شیطان کو بھگانا چاہتا تھا ——— رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے ابوبکر تم کسی قدر اونچی آواز سے پڑھا کرو اور عمر سے فرمایا تم کسی قدر ہلکی آواز سے پڑھا کرو (سنن ابو داؤد)

(تشریح) عام حالات میں یہی مناسب ہے کہ تہجد کی نماز میں قرأت معتدل آواز سے ہو، نہ بالکل خفی ہو اور نہ بہت زیادہ جہر سے، مندرجۂ بالا حدیث کا منشا یہی ہے، لیکن اگر کسی وقت خاص وجہ سے آہستہ پڑھنا زیادہ مناسب ہو تو وہی بہتر ہوگا۔ اور اسکے برعکس کسی دوسرے وقت اگر بلند آواز سے پڑھنے میں کوئی مصلحت ہو تو اس وقت وہی افضل ہوگا۔

تجلیات مجدد الف ثانی مکتوبات کے آئینہ میں!

مترجمہ :۔ مولانا نسیم احمد فریدی امروہی

مکتوب (۳۷) مولانا عبد الحیٔ (جامع مکتوبات جلد ثانی) کے نام (فضائل کلمہ طیبہ کے بیان میں)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ لا الٰہ الا اللہ ـــــ غضبِ الٰہی کو فرو کرنے کے لئے اس کلمہ سے زیادہ کوئی چیز نافع نہیں ہے ـــ جب یہ کلمہ طیبہ اس غضبِ الٰہی کو فرو کر دیتا ہے جو کہ آتشِ دوزخ میں داخل کرنے کا سبب تھا تو پھر دوسرے غصّوں کو جو کہ اس سے کم درجہ ہیں بطریق اولیٰ دور کرے گا ـــ یہ کلمہ غضبِ الٰہی کو کیوں فرو نہ کرے جب کہ بندہ اس کو بار بار پڑھ کر اور ماسویٰ کی نفی کر کے سب چیزوں سے روگرداں ہوجاتا ہے اور اپنا قبلۂ توجہ معبودِ برحق کو بنالیتا ہے۔ غضبِ الٰہی کا سبب بندے کی وہ توجہات مختلفہ تھیں جن میں بندہ مبتلا ہوگیا تھا جب توجہات ماسویٰ سے ہٹ کر ایک مرکزِ اصلی پر آگئیں تو غضب بھی نہ رہا ـــ اس حقیقت کا مشاہدہ عالمِ مجاز میں کرسکتے ہو۔ مثلاً ایک آقا اپنے غلام سے ناراض ہو اور اس پر غصہ کرے اور غلام اپنے حُسنِ طبیعت کی مدد سے اپنی توجہ کو سب سے ہٹا کر آقا کی طرف کر دے اس وقت آقا کے دل میں خواہ مخواہ غلام کے لئے جذبۂ شفقت پیدا ہوگا اور غصہ و رنج دور ہوجائے گا ـــــ فقیر اس کلمہ طیبہ کو رحمتِ حق کے اُن ننانوے خزانوں کی کنجی محسوس کرتا اور سمجھتا ہے جن کو آخرت کے لئے ذخیرہ کیا گیا ہے ...... ظلماتِ کفر اور کدوراتِ شرک کو دور کرنے کے لئے اس کلمہ طیبہ سے زیادہ کوئی سفارشی نہیں ہے ـــــ جس کسی نے اس کلمے کی تصدیق کر کے ذرّہ ایمان بھی حاصل کیا ہوگا وہ اگرچہ (بعض) رسوم کفر اور (بعض) رذائلِ شرک میں (اپنی بدبختی کی وجہ سے کبھی) مبتلا ہوگیا ہو مگر امید ہے کہ اس کلمہ طیبہ کی سفارش سے (بالآخر) عذاب سے باہر آئے گا اور دوزخ میں ہمیشہ رہنے سے نجات پا جائے گا .... اس کلمہ کے (کچھ) فضائل سنو! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے :۔ "جس شخص نے (صدقِ دل سے) لا الٰہ الا اللہ

کہہ لیا وہ جنت میں داخل ہو گیا ۔ کوتاہ نظر لوگ تعجب کرتے ہیں کہ محض لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کہہ لینے
سے کس طرح جنت کا داخلہ میسر ہو جائے گا؟ درحقیقت وہ لوگ اس کلمہ طیبہ کی برکات سے واقف
نہیں ہیں ۔ اس فقیر کو محسوس ہوتا ہے کہ اگر تمام عالم کو بھی اس کلمہ طیبہ کے (صرف) ایک بار
کہنے کی وجہ سے بخش دیں اور بہشت میں داخل کر دیں تو گنجائش ہے ۔ فقیر کو یہ بھی ظاہر ہوتا ہے
کہ اس کلمۂ مقدسہ کی برکات اگر تمام عالم میں تقسیم کر دیں تو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے سب کو کافی ہوں
اور سب کو سیراب کر دیں ۔ پھر جب کہ اس کے ساتھ (اس کا دوسرا جزو) مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہ
بھی جمع ہو جائے تو اس وقت اس کی برکات کا کیا ٹھکانہ ہے .... ان دونوں کلموں
کا مجموعہ (لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہ) جامع کمالاتِ ولایت و نبوت اور ان دونوں
کمالات کی سعادتوں کا پیشوائے راہ ہے .... اے اللہ! ہمیں اس کلمہ طیبہ کی برکات سے
محروم نہ رکھنا ۔ ہم کو اس پر ثابت قدم رکھنا ۔ اس کی تصدیق پر ہی ہم کو موت دینا ۔ اس کی تصدیق
کرنے والوں کے ساتھ ہی ہمیں اٹھانا اور اس کلمے کی اور اس کلمے کے مبلغین علیہم الصلوات و
التسلیمات کی عزت و حرمت کے طفیل ہم کو جنت میں داخل کرنا .... اس کلمہ مقدسہ
کی عظمت کا ظہور پڑھنے والے کے درجات کے اعتبار سے ہوتا ہے ، جس قدر پڑھنے والے کا
درجہ زیادہ ہوگا اس کلمے کی عظمت کا ظہور بھی زیادہ ہوگا ، یَزِیْدُكَ وَجْهُهٗ حُسْنًا اِذَا
مَا زِدْتَهٗ نَظَرًا (جس قدر تو اس کے چہرے پر نظر زیادہ ڈالے گا اسی قدر اس کا چہرہ تیری
نظر میں اپنا حسن زیادہ کرے گا) ۔ دنیا کے اندر رہ کر ۔ معلوم نہیں کہ کوئی آرزو اس آرزو
سے زیادہ ہوگی ۔ کہ ایک گوشہ تنہائی میں بیٹھ کر اس کلمہ طیبہ کی تکرار سے محظوظ ہوا جائے لیکن کیا
کیا جائے تمام آرزوئیں میسر نہیں ہوتیں ۔ غفلت بھی ہوتی ہی ہے اور (حقوق کی ادائیگی کیلئے)
مخلوق سے اختلاط کے بغیر بھی کوئی چارہ نہیں ۔ رَبَّنَا اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا وَاغْفِرْ لَنَا اِنَّكَ عَلٰی
كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ وَسَلَامٌ عَلَى
الْمُرْسَلِيْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۔

مکتوب (۲۳۹) سید عبدالباقی سارنگپوری کے نام (فضیلت شیخین سے متعلق درمیانی حصہ)
...... افضلیت شیخین پر اجماع اہل سنت ہے ۔ بعد انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کوئی بشر

نہیں ہے جو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پر سبقت رکھتا ہو ـــ اس اُمت میں اسبق واقدم حضرت صدیق اکبرؓ ہیں۔ حضرت عمر فاروق اعظمؓ نے اُن کے توسل سے (اُن کے بعد) دولتِ افضلیت کا شرف پایا اور اُن ہی کے توسط سے وہ دوسروں سے افضل ہیں ـــ اسی بنا پر حضرت فاروق اعظمؓ کو خلیفۂ صدیق اکبرؓ کہتے تھے اور خطبے میں (جب تک اُن کا لقب امیر المومنین قرار نہ پایا) خلیفۂ رسول اللہ کے خلیفہ کی حیثیت سے یاد کئے جاتے تھے۔ اس میدان کے شہسوار حضرت صدیقؓ ہیں اور حضرت فاروقؓ اُن کے ردیف (پیچھے بیٹھنے والے) ہیں وہ ردیف بہت اچھا ہے جو شہسوار کے حقوق رفاقت ادا کرے اور اُس کے خاص اوصاف میں اُس کا شریک ہو........

مکتوب (۴۷) خواجہ محمد قاسم بدخشی کے نام (نصیحت و تنبیہ)

بسم اللہ الرحمن الرحیم ـــ بعد الحمد والصلوٰۃ وتبلیغ الدعوات ـــ اللہ کا شکر ہے کہ تمھارے کلام سے حرارتِ طلب مفہوم ہوتی ہے اور جمعیتِ قلب کی بُو آتی ہے۔ شاید کہ یہ بات قُربِ صحبت کے اثر سے ہو (کیونکہ تھوڑا سا ہی عرصہ ہوا ہے کہ تم مختصر سی صحبت اُٹھا چکے ہو) (مگر) تمھارے بے فائدہ مشغلوں نے تمھیں موقع نہیں دیا کہ تم ایک ہفتہ بھی یہاں رہتے ـــ تمھارے کل ایامِ صحبت معلوم نہیں کہ دس روز بھی ہیں یا نہیں ! خدا سے شرم کرنا چاہیئے کہ عمر کے ہزار دنوں میں سے ایک دن بھی خدا کے واسطے منتخب نہیں کرتے اور تعلقاتِ گوناگوں سے اپنے آپ کو نہیں چھڑاتے ـــ تمھارے اوپر حجت و دلیل قائم ہو چکی ہے اور تم خود بھی محسوس کرتے ہو کہ اس صحبت کی ایک ساعت ریاضت کی بہت سی

۱؎ یہ غالباً خواجہ محمد ہاشم کشمی رح کے صاحبزادے ہیں۔ جواہر ہاشمیہ میں خواجہ محمد ہاشم کشمی رح کی اولاد کا ذکر کرتے ہوئے تحریر ہے کہ ایک صاحبزادے خواجہ سید قاسم تھے اُن صاحبزادے کے متعلق ایک زمانہ تک برہان پور میں قیام کا پتہ چلتا ہے چنانچہ ایک دستاویز بدالعبد فقیر محمد قاسم بن خواجہ محمد ہاشم مرحوم بتاریخ ۸ ذی القعدہ ۱۰۶۹ھ تحریر دیکھی گئی۔ جواہر ہاشمیہ سے ہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ اپنے والد ماجد کے خلیفہ بھی تھے۔

چلہ کشی سے بہتر ہے اس کے باوجود تم (یہاں کی) صحبت سے گریزاں ہو اور بہانے بنا کر اپنے آپ کو یہاں سے دور رکھتے ہو۔ تمہارا جوہر استعداد نفیس ہے لیکن کیا فائدہ؟ جب قوت سے فعل میں نہیں آیا۔ تمہاری استعداد بلند ہے لیکن تمہاری ہمت پست ہے۔ بچوں کی طرح سے جو ہر ہائے نفیس کو چھوڑ کر حقیر ٹھیکریوں سے مانوس ہو گئے ہو۔

سے بوقت صبح شود ہمچو روز معلومت کہ باکہ باختۂ عشق در شب دیجور

اب بھی کچھ نہیں گیا ہے۔ اصل کی طرف توجہ لگائی جائے۔ بہترین بات تو صحبت یا جمعیت ہے۔ اگر یہ دولت میسر نہ ہو تو اپنے اوقات کو ذکر الٰہی میں جس کو تم نے ایک صاحب دولت سے حاصل کیا ہے مشغول رکھا جائے اور جو چیزیں ذکر کے منافی ہیں ان سے اجتناب کرنا چاہیے۔ حلال و حرام کا بہت خیال رکھا جائے۔ سستی میں اپنا وقت نہ گزاریں پانچ وقت کی نماز جماعت کے ساتھ پابندی کے ساتھ پڑھیں۔ تعدیل ارکان میں پوری کوشش کریں اور اس بات کا اہتمام کریں کہ اوقات مستحبہ میں نماز ادا ہو۔ رَبَّنَا أَتْمِمْ لَنَا نُورَنَا وَاغْفِرْ لَنَا إِنَّكَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ

مکتوب (۸۴) خواجہ محمد طالب بدخشی کے نام [تعزیت اور مقام رضا کی ترغیب میں]

الحمد للہ وسلامٌ علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ۔ خواجہ محمد طالب ہمیشہ مطلوب کے چاہنے والے رہیں۔ (اپنے فرزند) محمد صدیق کی خبر وفات تم نے تحریر کی تھی إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ۔ برادر عزیز! حضرت حق سبحانہ وتعالیٰ مومنوں کے نزدیک تمام چیزوں سے زیادہ عزیز و محبوب ہیں چاہے وہ اموال ہوں چاہے وہ جانیں ہوں۔ زندہ کرنا اور مارنا اللہ تعالیٰ ہی کا فعل ہے، دوسرے کو اس میں کوئی دخل نہیں۔ پس ناچار اللہ تعالیٰ کا فعل بھی عزیز تر اور محبوب تر ہوگا۔ (بلکہ) مناسب مقام تو یہ ہے کہ عاشق، محبوب کے فعل سے لذت یاب اور خوش ہو۔ صبر کی میں تم کو کیا تلقین کروں کیوں کہ اس تلقین سے کراہت کی طرف اشارہ ہوتا ہے (کہ تم اس فعل کو ناگوار سمجھتے ہو گے)۔ مقام رضا رغبت و سرور کی خبر دیتا ہے۔ لیکن (فعل محبوب سے) لذت پانا اور مزہ محسوس کرنا یہ ایک

ی دوسری ہے ؎

عشق آں شعلہ است کو چوں برفروخت

ہرچہ جز معشوق باقی جملہ سوخت

.... والسلام۔

مکتوب (۴۹) خواجہ گدا کے نام — [اس بیان میں کہ ماسویٰ سے فراموشی
ریقت کا پہلا قدم ہے]۔

نحمدہٗ ونُصلّی علیٰ نبیّہٖ ونُسلّم وعلیہ وآلہ الکرام — خواجہ محمد گدا سے جو نصیحت کی
ما رہی ہے وہ یہ ہے — کہ عقائد کی تصحیح اور احکام فقہیہ کی بجا آوری کے بعد ذکرِ الٰہی
ی مداومت رہے اُس طریقے پر کہ ہم سے سیکھا ہے — چاہیے کہ ذکر اس قدر غالب آ جائے
۔ غیر اللہ کو باطن میں باقی نہ چھوڑے اور غیر اللہ سے ہر قسم کا تعلق، قلب سے زائل کر دے
— اُس وقت قلب کو ماسویٰ سے فراموشی حاصل ہوگی اور وہ غیر اللہ کے دیکھنے اور
ا پہنچنے سے فارغ ہو جائے گا۔ پھر تو بہ تکلف بھی اشیاء کو (ماسویٰ کو) یاد دلائیں گے تب بھی
لب اُن کو یاد اور شناخت نہ کرے گا۔ ہمیشہ مطلوب حقیقی میں غرق رہے گا۔ جب معاملہ یہاں
ک پہنچے گا تو اس راہ کا ایک قدم اُس نے (سالک نے) طے کیا ہوگا۔ کوشش کریں کہ کم از
م اس ایک قدم میں ہی کوتاہی نہ ہو اور غیر اللہ کی "دید و دانش" میں گرفتار نہ رہیں ؎

گوئے توفیق و سعادت درمیاں افگندہ اند

کس بمیداں درنمی آید سواراں را چہ شد

(توفیق وسعادت کی گیند میدان میں ڈال دی گئی ہے بازی لے جانے کے لئے میدان میں
دئی شہسوار بھی نکل کر نہیں آتا، شہسواروں کو کیا ہو گیا ہے؟) .....

مکتوب (۵۰) مرزا شمس الدین کے نام [اس بیان میں کہ شریعت کی ایک
صورت ہے اور ایک حقیقت اور ابتداء سے انتہا تک شریعت کے بغیر چارہ نہیں]

الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ — شریعت کی ایک صورت ہے اور ایک حقیقت!
صورت شریعت یہ ہے کہ اللہ اور اُس کے رسول پر اور رسول خدا جو اللہ کی طرف سے شریعت

لائے ہیں اُس پر ایمان لانے کے بعد ــــ احکامِ شرعیہ بجالائے جائیں باوجود نفسِ امّارہ کی سرکشی کے جو اُس کی آفرینش میں رکھی ہوئی ہے ــــ اس مقام پر ایمان، صورتِ ایمان ہے، نماز، صورتِ نماز ہے اور روزہ، صورتِ روزہ ہے علیٰ ہذا القیاس تمام احکام شرعیہ۔ اس لئے کہ جب نفس ..... کفر و انکار پر ڈٹا ہوا ہے تو پھر حقیقتِ ایمان اور حقیقتِ اعمالِ صالحہ کیسے متصوّر ہو سکتی ہے ــــ یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کی بات ہے کہ محض صورتِ ایمان و اعمال کو قبول فرما کر اُس جنّت میں داخل ہونے کی بشارت دے دی جو اُس کا محلِ رضا ہے ــــ اور یہ بھی اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ ایمان کے اندر اُس نے (صرف) تصدیقِ قلبی پر اکتفا فرمایا ہے اور نفس کے ایقان کی تکلیف نہیں دی ہے ــــ ہاں جنّت کی بھی ایک صورت ہے اور ایک حقیقت۔ اصحابِ صورت، صورتِ جنّت سے بہرہ ور ہوں گے اور اربابِ حقیقت، حقیقتِ جنّت سے ــــ اصحابِ صورت اور اربابِ حقیقت ایک ہی قسم کے میوے کو استعمال کریں گے مگر صاحبِ صورت اس سے ایک قسم کی لذّت پائے گا اور صاحبِ حقیقت دوسری قسم کی ــــ ..... یہ صورتِ شریعت (بھی) بشرطِ استقامت فلاح و نجاتِ اُخروی کا سبب اور داخلۂ جنّت کا باعث ہے۔ جب صورتِ شریعت کو دُرست کر لیا ولایتِ عامّہ حاصل ہو گئی (جیسا کہ قرآن شریف میں ہے) واللّٰہ ولیُّ الذین آمنُوا ــــ (خدا اُن کا دوست ہے جو ایمان لائے) ــــ اس وقت اللہ کی عنایت سے سالک اس لائق ہو گیا کہ طریقت کے میدان میں قدم رکھے اور ولایتِ خاصہ میں داخل ہو، نیز نفس کو سرکشی سے آہستہ آہستہ اطمینان کی طرف کھینچے (نفسِ مطمئنہ بنائے) لیکن یہ ملحوظ رہے کہ ولایتِ خاصہ تک کی منزلوں کا طے کرنا بھی اعمالِ شریعت سے وابستہ ہے ــــ ذکرِ الٰہی جو اس راہِ طریقت کا اعلیٰ توشہ ہے وہ خود ماموراتِ شرعیہ میں سے ہے ــــ مناہیِ شرعیہ سے بچنا بھی ضروریاتِ دین سے ہے۔ خود ادائے فرائض بھی قربِ خداوندی کا باعث ہے ہی ــــ اور راہ بین و راہ نما پیر و مرشد (جو کہ وسیلہ ہے) کی تلاش بھی امورِ شرعی ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وابتغوا الیہ الوسیلۃ ــــ حاصلِ کلام یہ کہ شریعت کے بغیر چارۂ کار نہیں ہے چاہے صورتِ شریعت ہو چاہے حقیقتِ شریعت ــــ اس لئے کہ تمام کمالاتِ ولایت و نبوت کی جڑ احکامِ شرعیہ ہیں ــــ کمالاتِ ولایت، صورتِ شریعت کے نتائج ہیں اور کمالاتِ نبوت، حقیقتِ شریعت کے ثمرات ہیں .....

خواجہ نظام الدین اولیاؒ کے
بعض افادات و تحقیقات

(از مولانا سید ابو الحسن علی ندوی)

علمی پایہ حضرت خواجہ باطنی کمالات کے ساتھ علوم ظاہری میں بھی بلند پایہ رکھتے تھے، اپنے زمانہ کے تمام مروجہ علوم کو بلند ہمتی، محنت اور اہتمام سے پڑھا تھا، ان کے اساتذہ میں اس عہد کے نامور ترین فضلاء اور شیوخ ہیں، ادب اور علوم دینیات کی تعلیم انھوں نے مستوفی الممالک شمس الملک مولانا شمس الدین خوارزمی سے پائی تھی، حدیث کا درس مولانا کمال الدین زاہد محمد ابن احمد ماریکلی سے لیا جو صاحب مشارق الانوار، امام حسن ابن محمد الصنعانی کے شاگرد اور بیک واسطہ صاحب ہدایہ کے شاگرد تھے، کچھ کتابوں کو شیخ کبیر حضرت شیخ فرید الدین گنج شکر سے پڑھ کر علم میں مزید جلا حاصل کی، اگرچہ اپنی مناسبت فطری اور شیخ کی نسبت باطنی کے اثر سے روز بروز الفاظ کے مقابلہ میں معانی اور معانی کے مقابلہ میں حقائق و احوال اور "اسم" سے زیادہ "مسمیٰ" میں مشغولیت بڑھتی گئی، پھر بھی علم و ادب سے مناسبت اور علمی ذوق آخر تک قائم رہا، سیر الاولیاء میں ہے کہ مولانا رکن الدین چغر نے کشاف اور مفصل اور ان کے علاوہ بعض کتابیں حضرت سلطان المشائخ کی خاطر نقل کر کے خدمت میں پہنچائیں[1] یہ دونوں کتابیں مشہور معتزلی فاضل علامہ محمود جار اللہ زمخشری ( ) کی تصنیف ہیں، پہلی کتاب تفسیر میں اور دوسری نحو میں، اس سے بھی آپ کے علمی ذوق اور وسعت نظر کا اندازہ ہوتا ہے۔ ...... آپ کا

ادبی ذوق اتنا بلند اور پاکیزہ تھا کہ امیر خسرو جیسے سرآمد روزگار شاعر (جو اپنے طرز میں

---

[1] سیر الاولیاء، ص ۳۱۷

بے نظیر اور فارسی کے صفِ اول کے شعراء میں ہیں) کو شاعری میں مشورہ دیا اور رہنمائی فرمائی، سیر الاولیا میں ہے کہ ابتداء میں آپ جو غزل کہتے تھے اس کو حضرت سلطان المشائخ کی خدمت میں بہ نظر اصلاح پیش کرتے تھے، ایک روز حضرت نے ان سے فرمایا کہ صفاہانیوں کے طرز میں کہا کرو[1]

حدیث و فقہ پر نظر سلطان غیاث الدین کے دربار میں مسئلۂ سماع پر جو مجلسِ مناظرہ ہوئی تھی اس میں حضرت خواجہ نے مسئلہ پر جو تقریر اور اس کی تنقیح فرمائی اس سے بھی حضرت کے علمی مرتبہ اور وسعت نظر کا اندازہ ہوتا ہے، ہندوستان میں حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے عہد سے پہلے کتب صحاح متداول نہیں ہوئی تھیں اور صحیحین تک سے لوگ زیادہ مانوس اور آشنا نہیں تھے۔ حدیث میں مشارق الانوار اور مشکوٰۃ سرمایۂ علمی اور فن حدیث کا منتہا سمجھی جاتی تھی[2] بکثرت موضوع اور ضعیف احادیث صوفیوں کی زبان پر جاری اور بزرگوں کے ملفوظات مجالس میں بے تکلف منقول ہیں۔

نقدِ حدیث اور موضوعات کا علم علامہ محمد طاہر پٹنی سے پہلے یہاں نظر نہیں آتا، حضرت خواجہ کے ملفوظات اور سوانح سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ایسی بہت سی بے اصل روایات سے (جو زبان زد خلائق ہیں) استدلال نہیں فرماتے تھے، اور آپ کی اس پر نظر تھی کہ احادیث صحیحہ کا سب سے مستند مجموعہ صحیحین ہیں، فوائد الفواد میں ہے کہ کسی نے دریافت کیا کہ یہ حدیث کیسی ہے (التخی حبیب اللہ وان کان کافراً)، فرمایا کسی کا مقولہ ہے، ایک شخص نے عرض کیا کہ یہ اربعین (چہل حدیث) کی حدیث ہے فرمایا کہ جو کچھ صحیحین میں ہے وہ صحیح ہے[3]،

اہمیت علم اپنے مشائخ کرام کی طرح آپ کی نظر میں بھی علم کی بڑی اہمیت اور عظمت تھی اور اس کو سالکین اور ان لوگوں کے لئے جو ارشاد و تربیت کا کام کریں آپ بہت ضروری سمجھتے تھے،

بنگال کے ایک نہایت عالی استعداد نوجوان جو بعد میں اخی سراج الدین کے نام سے

[1] سیر الاولیاء ص ۳۰۱ [2] تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو الثقافۃ الاسلامیہ فی الہند کا باب حدیث

[3] فوائد الفواد ص ۱۱ . اس موقع پر اس کا اظہار نامناسب نہیں ہے کہ باوجود اس کے کہ آپ صحیحین کے مرتبہ سے واقف تھے لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ صحاح ستہ کے عام طور پر اور صحیحین کے خاص طور پر ہند میں متداول نہ ہونے کی وجہ سے آپ کو ان کا خصوصی اشتغال نہیں تھا (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

مشہور ہوئے اور جو پنڈوہ کی مشہور عالم چشتی خانقاہ کے بانی اور سرحلقہ ہیں، لکھنوتی سے بہ نیت ارادت دہلی آئے۔ حضرت خواجہ کے مرید ہوئے۔ آپ نے مولانا فخر الدین زرادی سے فرمایا کہ یہ جوان بڑی قابلیت رکھتا ہے اگر کچھ علم ظاہر بھی رکھتا ہوتا تو درویشی میں مستحکم ہوتا۔ یہ بات سن کر مولانا فخر الدین نے عرض کیا کہ اگر اجازت ہو تو میں اس کو کچھ عرصہ اپنی صحبت میں رکھ کر ضروری مسائل یاد کرا دوں۔ فرمایا کہ یہ آپ کی صحبت کا بڑا مستحق ہے مولانا فخر الدین اُن کو اپنے ساتھ لے گئے اور عرصہ قلیل میں علم سے مناسبت پیدا کرا دی۔ حضرت خواجہ کی وفات کے بعد بھی وہ تکمیل علم کے لئے کچھ عرصہ دہلی میں ٹھہرے رہے، پھر وطن واپس گئے اور مشرق و بنگالہ میں سلسلۂ چشتیہ نظامیہ کی اشاعت کا ذریعہ بنے[1]

بلند علوم و مضامین علم ظاہر و باطن کی اس جامعیت، اخلاص اور تفکر و مجاہدات کی بنا پر آپ کو اُن بلند اور صحیح علوم اور حقائق و معارف سے حصۂ وافر ملا جو اولیاء کاملین اور کبار مخلصین ہی کو ملا کرتا ہے اور جو صفائے باطن، طہارت اخلاق اور اخلاص کا لازمی نتیجہ ہے اور جس کو اہل تصوف علوم لدنیہ سے تعبیر کرتے ہیں۔ صاحب سیر الاولیاء لکھتے ہیں کہ کسی علم میں گفتگو ہوتی یا کوئی اشکال پیش آتا، آپ اپنے نور باطن سے اُن کا جواب شافی عطا فرماتے۔

---

[1] سیر العارفین وغیرہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳) اس کی وجہ سے ہندوستان میں بعض ایسے اعمال اور رسوم جاری تھیں جو حدیث صحیح کی اشاعت اور اُن کے اشتغال کے ساتھ ممکن نہ تھیں، مثلاً سجدۂ تعظیمی جو صریح و صحیح احادیث اور نصوص اور عہد نبوی کے عمل اور رواج کے خلاف ہے۔ مشائخ کبار کی مجالس میں اس کی مثالیں ملتی ہیں۔ اگر اس کی تعلیم مفرط از انحصار اور قدم بوسی سے تاویل نہ کی جائے تو ماننا پڑتا ہے کہ وہ سجدۂ تحیہ تھا، آپ اگرچہ اس کو پسند نہیں فرماتے تھے مگر اپنے شیخ کے یہاں کا معمول سمجھ کر اس تاویل کے ساتھ کہ سجدۂ عبادت نہیں ہے اس کی اجازت دیتے تھے۔ واضح ہو کہ احادیث صحیحہ کے علاوہ کتب فقہ میں بھی اس کی ممانعت ہے۔ بہرحال قول فیصل ہے کہ کل یوخذ فی قولہ ویترک الا صاحب ھذا القبر صلی اللہ علیہ وسلم ہر شخصیت کی کچھ باتیں قبول کی جائیں گی اور کچھ رد کی جاسکتی ہیں سوائے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے۔

اے لقائے تو جواب ہر سوال
مشکل از تو حل شود بے قیل وقال

—— آپ اُس مسئلہ پر ایسی بلیغ تقریر فرماتے کہ تمام حاضرین مجلس حیرت میں رہ جاتے اور ایک دوسرے سے کہتے کہ یہ کتابی جوابات نہیں ہیں یہ الہام ربانی اور علم لدنی کے فیوض ہیں۔ اسی بنا پر شہر کے چوٹی کے علماء جو تصوف کے منکر اور اہلِ تصوف کے مخالف مشہور تھے، حضرت خواجہ کے حلقہ بگوش اور اپنے علمی غرور اور زعم پر نادم ہوئے اور آپ کے خدام اور ارادت مندوں میں شامل ہو گئے[1]

علوم صحیحہ شرعیہ

اس علمی رسوخ، اتباع سنت اور استقامت علی الشریعت نے آپ کے ذہن کو ایسا سلیم اور مستقیم بنا دیا تھا کہ اہلِ تصوف میں جو باتیں عرصہ دراز سے ظاہر شریعت کے خلاف چلی ہوئی تھیں اور بہت جگہ اہلِ تصوف کا شعار بن گئی تھیں آپ اپنی سلامتی ذہن سے اُن کو قبول نہیں کرتے تھے اور آپ کا ذوق اور تحقیق اُن کے خلاف تھی۔

تصوف کے حلقوں میں بہت عرصہ سے اس خیال کا اظہار ہو رہا تھا کہ نبوت سے ولایت افضل اور اولیاء کو انبیاء پر فضیلت حاصل ہے اس لئے کہ ولایت عبارت ہے حضرت حق کے ساتھ مشغولیت اور ماسوا اللہ سے انقطاع سے، اور نبوت میں (دعوت و تبلیغ کی وجہ سے) مخلوق کے ساتھ مشغولی ہوتی ہے، پھر اُس میں اور کئی مذہب پیدا ہو گئے اور کسی نے یہ تاویل کی کہ انبیاء کی ولایت اُن کی نبوت سے افضل ہے لیکن آپ اس کو تسلیم نہیں کرتے۔ فوائد الفواد میں ہے کہ حضرت خواجہ نے فرمایا کہ یہ مذہب باطل ہے اس سبب سے کہ اگرچہ انبیاء مخلوق کے ساتھ مشغول ہوتے ہیں لیکن جس وقت وہ حق کے ساتھ مشغول ہوتے ہیں۔ اس مشغولیت کا قلیل سے قلیل زمانہ بھی اولیاء کے تمام اوقات پر فضیلت رکھتا ہے[2]

کسب حلال مانع راہِ خدا نہیں

تصوف کے متعلق عام طور پر یہ سمجھا اور مشہور کیا گیا ہے کہ تصوف تعطل اور بیکاری و بے عملی کا نام ہے اور ہر اشتغال وصول الی اللہ

---

[1] سیر الاولیاء صفحہ ۱۱۲ [2] فوائد الفواد صفحہ ۱۳ امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی نے اس تحریر پر اضافہ کیا کہ انبیاء علیہم السلام مشغولی بخلق کی حالت میں بھی اولیاء سے عین اُس وقت جب وہ حق کے ساتھ مشغول ہوتے ہیں، زیادہ متوجہ الی اللہ اور مشغول ہوتے ہیں آپ کی مشغولیت بخلق چونکہ حکم الٰہی سے ہوتی ہے اس لئے وہ عین مشغولیت بحق اور امر الٰہی کا امتثال ہوتی ہے

سے مانع اور راہ سلوک کا رہزن ہے، حضرت خواجہ، معرفت و تحقیق کے جس مقام پر فائز تھے اور وسائل و رسوم سے بلند ہو کر مقاصد اور لبِّ لباب پر جس طرح آپ کی نظر تھی، اس کا مقتضا یہ تھا کہ آپ اس مقام سے آگے بڑھ چکے تھے۔ اور فعلِ حلال و مشروع کی نورانیت اور اس کا ذریعۂ قرب ہونا، آپ کی نظر میں تھا حضرت خواجہ سید محمد گیسو دراز کے ملفوظات جوامع الکلم میں ہے کہ حضرت نظام الدین نے فرمایا

ہیچ کسے (چیزے) کہ حلال است مانع راہ خدائی نیست و قاطع سلوک نیست وگرنہ مشروع وحلال نبودے[1]	کوئی چیز جو حلال ہے راہ خدا کی مانع اور قاطع سلوک نہیں ورنہ مشروع و حلال نہ ہوتی،

قلب متوجہ الی اللہ کے بعد کوئی چیز مضر نہیں ایک مرتبہ ارشاد فرمایا، کہ خدا کی طرف متوجہ دل اور پاک نفس ہونا چاہیے، اس کے بعد جس کام[2] میں رہنا ہو رہو، تمہیں کوئی نقصان نہ ہوگا،[3]

ترک دنیا کی حقیقت ترک دنیا اور حقیقی زہد و درویشی کی حقیقت بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:۔

ترک دنیا آں نیست کہ کسے خود را برہنہ کند مثلاً لنگوتہ بندد و بنشیند ترکِ دنیا آں است کہ لباس بپوشد و طعام بخورد و آنچہ می رسد روا دارد و بجمع او میل نکند و خاطر را متعلق چیزے ندارد ترک دنیا است[4]۔	ترک دنیا کے معنی یہ نہیں ہیں کہ کوئی اپنے کو ننگا کر دے مثلاً لنگوٹہ باندھ کر کے بیٹھ جائے صحیح معنیٰ میں ترک دنیا یہ ہے کہ کپڑے پہنے، کھانا کھائے اور جو کچھ میسر آئے اس کو استعمال کرے، لیکن اس کے جمع کرنے کی طرف متوجہ نہ ہو اور اپنے دل کو کسی چیز میں الجھائے نہیں یہی ترک دنیا ہے۔

[1] جوامع الکلم صـ ۱۶۰

[2] یعنی مشروع وجوہ معاش اور ظاہری مشاغل وغیرہ۔

[3] سیر الاولیا صـ ۱۶۰

[4] فوائد الفواد صـ ۹

طاعتِ لازم و متعدی فرمایا طاعت کی دو قسمیں ہیں لازم اور متعدی۔ طاعت لازمی اُسے کہتے ہیں جس کی منفعت طاعت کرنے والے کو پہنچے جیسے نماز، روزہ، حج، اوراد و تسبیحات وغیرہ۔ طاعتِ متعدی وہ ہے جس کی منفعت اور راحت دوسرے کو پہنچے مثلاً دو مسلمانوں میں اتفاق کرادینا۔ شفقت، دوسرے کے ساتھ مہربانی، اس کو طاعت متعدی کہتے ہیں اور اس کا ثواب بعید د بے اندازہ ہے۔

طاعت لازمی کی قبولیت کے لئے بڑے اخلاص کی ضرورت ہے اور طاعت متعدی جس طرح بھی کرے گا ثواب ملے گا۔[۵]

کشف و کرامات حجابِ راہ ارشاد ہوا کہ اولیاء سے جو کچھ اظہار ہوتا ہے وہ اُن کی سکر و مستی کا نتیجہ ہے اس لئے کہ وہ اصحابِ سکر ہیں۔ اس کے برخلاف انبیاء اصحابِ صحو ہیں۔ سالک کے لئے کشف و کرامات حجابِ راہ ہیں۔ محبت سے استقامت پیدا ہوتی ہے۔[۶]

علوم انبیاء و اولیاء فرمایا کہ تین مرتبہ ہے۔ ایک مرتبہ کو طورِ حس کہنا چاہیئے، دوسرا طورِ عقل اور تیسرا طورِ قدس۔ طورِ حس میں مطعومات (کھانے پینے کی چیزیں) اشمومات (جن کی خوشبو محسوس ہوتی ہے) وغیرہ محسوسات معلوم ہوتی ہیں۔ اس کے بعد طورِ عقل ہے اس کا تعلق دو علموں سے ہے کسبی اور بدیہی۔ لیکن عالم قدس میں پہنچ کر عقل سے حاصل کئے ہوئے کسبی علوم بھی بدیہی معلوم ہونے لگتے ہیں۔ پھر فرمایا کہ بدیہی بھی علم قدس نہیں ہے کسبی کا کیا ذکر؟ وہ انبیاء و اولیاء کے علوم ہیں۔ اس کے بعد فرمایا کہ جس پر عالم قدس کا دروازہ کھلتا ہے اُس کی علامت کیا ہوسکتی ہے؟ جو شخص عالم عقل میں ہوتا ہے اور وہ کسی مسئلہ کو بدیہی یا کسبی علم سے حل کرتا ہے اور اس سے اُس کو ایک فرحت حاصل ہوتی ہے وہ عالم قدس میں راہ نہیں پاتا۔ اس درمیان میں کسی بزرگ کا واقعہ بیان کیا کہ وہ فرماتے تھے کہ غیب سے کچھ علوم اور واردات دل پر گزرتے ہیں انشاء اللہ اُن کو قلم بند کروں گا۔ اس کے بعد بہت کچھ لکھا پھر فرمایا کہ بہت کچھ لکھا گیا لیکن جو کچھ مقصود تھا وہ ضبطِ تحریر میں نہ آسکا۔[۷]

دنیا کی محبت اور عداوت ایک دن اس کا ذکر ہو رہا تھا کہ کسی کو دنیا کی محبت ہوتی ہے اور کسی کو اُس سے نفرت۔ فرمایا کہ تین طرح کے لوگ ہیں۔ کچھ لوگ ہیں جو دنیا کو دوست رکھتے ہیں اور دن رات اُس کی یاد اور فکر میں رہتے ہیں۔ ایسے لوگ بہت ہیں

(باقی صفحہ پر ملاحظہ ہو)

وارثین انبیاء علماء کرام کی خدمت میں

(حضرت مولانا عبدالباری ندوی)

حضرت مولانا عبدالباری صاحب ندوی مدظلہٗ کی ایک اہم اصلاحی تصنیف "نظام صلاح و اصلاح" ابھی حال میں "مجلس علمی کراچی" سے شائع ہوئی ہے، اس میں امت محمدیہ کے مختلف طبقات کا دینی و ایمانی نقطۂ نظر سے جائزہ لے کر صلاح و اصلاح کا پورا نظام و پروگرام قرآن مجید کی مختصر ترین سورۃ "والعصر" کی روشنی میں پیش کیا گیا ہے، مع مقدمہ کے قریباً ساڑھے تین سو صفحوں کی کتاب ہے۔

ایک مقام پر علماء امت خاص کر اہل مدارس کی خدمت میں کچھ عرض کیا گیا ہے، آج کل چونکہ بعض مدارس کے افسوسناک حالات کی وجہ سے مدارس کی اصلاح کا مسئلہ خاص طور سے اُن کے ذمہ داروں کے سامنے ہے اس لئے صرف وہی حصہ ذیل میں نقل کیا جا رہا ہے — نعمانی

سورۂ آل عمران کی مشہور و معروف آیت ہے کہ

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ط

(پ ۴)

"یہ امر نہایت ضروری ہے کہ تمہارے اندر ایک ایسی جماعت موجود رہے جو لوگوں کو خیر (یا بھلائی) کی طرف بلاتی اور معروف (یا نیک کاموں) کے کرنے کی

تاکید کرتی اور منکر (یا برے کاموں) سے روکتی رہے"

انبیاء علیہم السلام کا خاص منصبی فریضہ اور بعثت کا خصوصی مقصد و مشن

یہی دعوتِ خیر اور معروف و منکر کا امر و نہی حضرات انبیاء اور بنی الانبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کا خاص انبیائی و منصبی فریضہ اور ان کی بعثت کا خصوصی مقصد اور مشن تھا، اس میں وہ کامیابی و ناکامی کے نتائج سے قطع نظر کرکے بھی زندگی بھر لگے رہنے کے لئے مامور تھے۔ حضرت نوح علیہ السلام کو دیکھو کہ باوجود اور بظاہر اس انتہائی ناکامی و ہمت شکنی کے کہ لوگوں کو جتنا بلاتے ہیں اتنا ہی وہ بھاگتے ہیں (فَلَمْ يَزِدْهُمْ دُعَآءِيْٓ اِلَّا فِرَارًا) پھر بھی لگے سیکڑوں سال کی طویل عمر پاکر عمر بھر، دن رات بلانے (دعوت و تبلیغ) ہی میں رہے (دَعَوْتُ قَوْمِيْ لَيْلًا وَّنَهَارًا) یہی حال تمام حضرات انبیاء کا رہا کہ ان کی زندگی کا پیش نہاد نہ کھانا کمانا ہوتا ہے، نہ اہل و عیال نہ ملک و مال اور نہ نام نہاد سیاسیات و معاشیات کی کوئی دعوت و رعایت بلکہ اس کے بجائے تمام تر معادیات کی فلاح و خسران کے مدنظر ایمان و عمل صالح کی ایک ہی دعوت ہے جسکی طرف بلانے کی لگن ہے، تن من دھن سب کی بازی اسی پر لگ رہی ہے، اسی سلسلہ میں کسی کسی کو استثنائی طور پر دولت و حکومت بھی کسی خاص غیبی حکمت و نصرت کے تحت عطا ہوگئی، ورنہ زیادہ اور بہت تعداد ایسے ہی انبیاء علیہم السلام کی ہے جن کو جاہ و مال، دولت و سلطنت سے دور کا بھی کوئی لگاؤ نہیں ملتا، قال و حال، علم و عمل دونوں سے اپنی والی ساری جد و جہد بس پہنچانے ہی پہنچانے یا "رسالت و پیغام بری" کا فرض ادا کرنے ہی کی رہی، خواہ کوئی سُنے یا نہ سُنے، مانے نہ مانے۔ ایسے بھی گذرے ہیں جن کی دعوت و پیغام کو ماننے سننے والا ایک بھی معلوم نہیں۔

علماء کی خصوصی ذمہ داری اور ان کا امتیازی مقام

اسی دعوتِ خیر اور معروف و منکر کے امر و نہی کی انبیائی وراثت کے وارث براہِ راست امت کے علما ہوتے ہیں العلماء ورثۃ الانبیاء —— امام غزالیؒ نے ایک حدیث نقل فرمائی ہے کہ "درجۂ نبوت کے زیادہ سے زیادہ قریب اہل علم اور اہل جہاد ہوتے ہیں" اہل علم اس لئے کہ وہ رسولوں کی لائی ہوئی باتوں کی طرف لوگوں کی رہنمائی کرتے ہیں اور اہل جہاد اس لئے کہ

رسولوں کی لائی ہوئی چیزوں کو قائم کرنے کے لئے تلوار سے کوشش کرتے ہیں۔[۱] خصوصاً ختم نبوت کے بعد امت مسلمہ کے علماء اپنے کام و مقام کے لحاظ سے انبیاء ہی کی حیثیت رکھتے ہیں، علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل ـــــ بلکہ امام غزالیؒ ہی نے وَاِذْ اَخَذَ اللّٰہُ مِیْثَاقَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ (الآیۃ) کی ایک تفسیری حدیث نقل فرمائی ہے جس کی بناء پر علماء کی حیثیت انبیاء اور ان کے ورثاء کی کیا معنی خود براہ راست اللہ تعالیٰ سے انبیاء ہی کی طرح اسی میثاق و معاہدہ کی ہے کہ "جو کچھ علم انھوں نے حاصل کیا ہے اس کو چھپا کر نہ رکھیں گے بلکہ لوگوں کو اس کی تعلیم و تبلیغ کرتے رہیں گے۔"[۲]

مقصد و طریق کا فرق ملحوظ رکھنا ضروری ہے

ذاتی علم و ایمان و تقوے کے اعتبار سے انبیائی حیثیت و وراثت کا مقام رکھنے والے علماء کمیاب ہونے پر بھی نایاب بحمد اللہ اب بھی نہیں لیکن ایک بہت بڑی غلطی یا غلط فہمی خدا جانے کیسے راہ پا گئی ہے کہ دعوت خیر اور معروف و منکر کے امر و نہی کے اصل مقصد و خدمت کے بجائے، بہت زیادہ بلکہ کہنا چاہیئے سارا زور اس کے وسائل و مقدمات پر اس طرح لگایا جا رہا ہے کہ گویا وسائل ہی مقاصد ہیں۔

حضرات انبیاءؑ نہ مدرسے قائم کرنے تشریف لاتے تھے، نہ کتب خانے کھولنے نہ کتابیں لکھنے، نہ رسالے نکالنے، نہ انجمنیں اور جماعتیں بنانے، نہ جلسے اور تقریریں کرنے بلاشبہ ان چیزوں سے وسائل کا ـــــ بہ نظر وسائل و بقدر وسائل ـــــ کام لینا وتتبع مصالح و حالات کے لحاظ سے ضروری ہے۔ لیکن مرجع و منتہا تو ہر وسیلہ یا راستہ

---

[۱] اقرب الناس من درجۃ النبوۃ اھل العلم والجھاد اما اھل العلم فدلوا الناس علی ما جاءت بہ الرسل واما اھل الجھاد فجاھدوا باسیافھم علی ما جاءت بہ الرسل
(احیاء العلوم باب فضیلۃ العلم)

[۲] قال صلی اللہ علیہ وسلم ما اٰتی اللہ عالما علما الا واخذ علیہ من المیثاق ما اخذ علی النبیین ان یبینوہ للناس ولا یکتمونہ۔

کے ہر ہر قدم کا بالذات منزل مقصود ہی رہنا چاہیئے، اس منزل و مقصد ہی کے اوجھل ہو جانے کا نتیجہ ہو رہا ہے کہ مثلاً مدرسوں پر مدرسے قائم ہوتے چلے جا رہے ہیں، سیکڑوں ہزاروں کی تعداد ان سے فراغت کی سندیں لے لے کر نکلتی رہتی ہیں، با ایں ہمہ خال خال ہی

ان میں کسی کو اس کا شعور و احساس ہوتا ہو گا کہ یہ علم انھوں نے خود عمل کرنے اور نہ دوسروں کو علم و عمل کے اسی خیر کی طرف بلانے یا معروف و منکر کے امر و نہی کے لئے حاصل کیا ہے بڑا سبب اس کا وہی عام مغالطہ ہے کہ جس علم کا اصل مقصود خود عمل اور دوسروں کو دعوت عمل تھا وہ بطور "علم برائے علم" خود ہی مقصود و معبود بن کر رہ گیا ہے، علم بھی اس طرح کا کہ کتابوں کا ایک مقررہ نصاب پورا کرا کے ـــــــ خواہ کتابی استعداد بھی پوری نہ ہو ـــــــ جو بھی الٹا سیدھا امتحان پاس کر لے اس کو عالم دین ہونے کی سند تھما دی جاتی ہے۔ حد اس ضابطہ پرستی کی یہ ہے کہ بہتیرے اہل علم جو دین کی خدمت ان سندی و امتحانی عالموں سے ہزاروں درجہ بڑھ چڑھ کر کر رہے ہیں وہ بہتوں کی نظر میں عالم صرف اس لئے نہیں کہ نہ انھوں نے کسی دار العلوم کی سند حاصل کی نہ کہیں دستار بندی ہوئی!

قدم قدم پر بار بار حکیم الامتہ علیہ الرحمتہ کی حکیمانہ تحدیدات یاد آتی ہیں، جبتک دوران تعلیم میں ساتھ ہی ساتھ عمل کا بھی امتحان نہ ہو جائے محض کتابی امتحان و نتیجہ کی بنیاد پر سند عطا کر دینا خیانت تصور فرماتے تھے، کیونکہ یہ سند در اصل مقتدائے دین ہونے کی سند ہوتی ہے، لہٰذا علم کے ساتھ مقتدا کے عمل کا بھی معتدبہ درجہ تک امتحان و لحاظ لازم ہے، بلکہ مولوی کی تعریف ہی "عالم باعمل" فرمائی ہے، اور یہ تحدید کوئی "ایجاد بندہ" نہیں، ارشاد رسول ؐ کی محض تجدید و تذکیر ہی ہے، حضور ہی نے فرمایا ہے کہ آدمی اس وقت تک عالم نہیں جب تک اپنے علم پر عامل بھی نہ ہو ـــــــ لا یکون المرء عالماً حتی یکون بعلمہ عاملا

لہ احیاء العلوم باب ۶ جس میں علمائے آخرت اور علماء سوء کی علامات کا بیان ہے۔

—— ضرورت تھی کہ خالص دینی تعلیم گاہوں کے طلبا میں اس احساس و شعور کو برابر ابھارا اور جگایا جاتا رہتا کہ ان کا عمر بھر کا حقیقی کام و مقام وہی ہے جو حضرات انبیاء علیہم السلام کا تھا، اس سے نہ صرف حضرت نبی الانبیاء علیہ التسلیم والتحیۃ کے "اسوۂ حسنہ" کی اتباع کا ذوق و ولولہ پیدا ہوتا بلکہ صحیح ایمانی و اسلامی خودی و خودداری کی تربیت ہوتی —

ہمارے دینی کام بھی انبیائی روح سے محروم ہیں دینی مدارس پر کیا موقوف، دینی تصنیف و تالیف، تحریر و تقریر مجالس و مجامع سب کی حیثیت انبیائی وراثت و نیابت کی جگہ بالعموم دنیوی پیشوں کی طرح زیادہ سے زیادہ بس دینی پیشوں کی ہو کر رہ گئی ہے، جو وسائل بھی مقاصد کی روح سے خالی ہو جائیں بے جان پیشہ و رسم ہی بن کر رہ جاتے ہیں، نتیجہ ایک ہی ہے کہ ہمارے خالص دینی دار العلوموں کی بے جان مشینوں کے ڈھالے ہوئے علما بھی اکثر خالص دنیوی اسکولوں، کالجوں کے تعلیم یافتوں کی طرح اپنے علم دین سے بھی زیادہ تر دنیا ہی کے کسب و حصول کی راہیں تلاش کرنے میں لگ جاتے ہیں یا جو تھوڑے بہت دین ہی کے نام سے تقریری و تحریری علمی و تعلیمی بلکہ دعوت و اصلاح کی بالکلیہ انبیائی خدمات میں لگ بھی جاتے ہیں وہ بھی انبیائی روح و ارادہ سے دور ہی ہوتے ہیں۔

اچھے اچھے علما و مخلصین بھی آج غیر شعوری طور پر دنیا پرستانہ دعوتوں سے مرعوب ہیں انبیائی زندگی کا سب سے نمایاں پہلو خدا و آخرت پر غیر متزلزل ایمان و ایقان یا ان کا نہایت زندہ اور جاندار تعلق و تصور ہوتا ہے، زندگی کے ہر چھوٹے بڑے کام میں ان کی نظر تمام تر مخلوق کے بجائے خالق اور دنیا کے بجائے آخرت پر ہوتی ہے، یہی راز ہے کہ ان کی دعوت و اصلاح کا رخ براہ راست نہ معاشیات نہ سیاسیات کے کسی خاص نظریہ و نظام کی طرف ہوتا ہے، نہ کسی خاص تہذیب و تمدن یا ثقافت کے وہ داعی و مبلغ ہوتے ہیں کہ یہ درحقیقت ہر پھر کے دنیوی زندگی ہی کی دعوت و رعایت ہے، مگر اب ہمارے اچھے اچھے علم و اخلاص والے علما و صلحا تک

مغرب اور مغرب پرستوں کی ان دنیا پرستانہ دعوتوں سے غیر شعوری طور پر اتنا مسحور و مرعوب ہیں کہ ان کی تقریروں تحریروں میں ثقافت و انسانیت، سیاست ومعیشت کے ورد و تکرار کے مقابلہ میں خدا و آخرت کا ذکر نہ ہونے کے برابر ہوتا ہے اور جو کچھ ہوتا بھی ہے وہ اس طرح لپیٹ میں گویا (معاذ اللہ) شرما شرمی کہ دین بیزاروں کی نظر میں کہیں خدانخواستہ یہ "ملاازم" کے مجرم نہ ہو جائیں۔

ہمارے مخلصین و صادقین کی یہ کمزوری بھی دراصل دین بیزار مغرب کے سیاسی غلبہ و پروپیگنڈہ کی ساحری ہے کہ نادانستہ خالق کے مقابلے میں خلق اور آخرت کے مقابلہ میں دنیا ان کی نظروں میں کچھ اتنی سما گئی ہے کہ خدا و آخرت پس پشت پڑ جاتی ہے یا پھر اس حکمت و مصلحت میں ایسا غلو ہو جاتا ہے کہ یہ دنیا پرست اپنی دنیا ہی کی خاطر دین کی ضرورت کو کچھ تسلیم کریں۔ نیک نیتی کے ساتھ دنیا کے لالچیوں کے حق میں اس مصلحت کی مناسب رعایت قابل ملامت ہرگز نہیں، بشرطیکہ خدا و آخرت کے ذکر و تذکیر سے یہ مصلحت علانیہ طور پر مغلوب نہ نظر آئے۔ حضرات انبیاءؑ کی خاص شان یہی ہے کہ ان کی دعوت میں خدا و آخرت کے سوا بالذات کسی دوسری شئے کے مطلوب و مقصود ہونے کا شائبہ و شبہہ تک راہ نہیں پاتا، نہ ان کی نظر کسی اجر و صلہ کے لئے قطعاً غیر اللہ پر پڑتی ہے اور لَآ اَسْئَلُکُمْ عَلَیْہِ مَالًا اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلَی اللّٰہِ (۲۹-۲) کا جو بہ تکرار مختلف انبیاءؑ سے اعلان کرایا گیا ہے سچ پوچھئے تو ان کے اس قال کا قدم قدم پر ان کے حال میں تجربہ ہی ان کی نبوت کی سب سے بڑی شہادت ہوتی ہے کہ غیر معاند انسانی فطرت کے لئے اس کا رد کرنا آسان نہیں ہوتا۔

دینی مدارس میں قال سے بڑھ کر حال کی تربیت ضروری ہے

ہمارے دینی مدارس اور اداروں میں بھی جب تک قال کی تعلیم کے ساتھ اس سے بڑھ کر حال کی اس تربیت کا پورا اہتمام نہ ہوگا اس وقت تک نہ وہاں کا علم میراث انبیاء ہوگا، نہ وہاں سے وراثت انبیاء کا حق ادا کرنے والے علماء پیدا ہوں گے۔ نبوت کا وارث تو وہی علم ہے جو کتابوں سے کہیں زیادہ خود خدا کو جانتا اور اس کی ذات و صفات کا خالی

کتابی نہیں حالی علم رکھتا ہو جس کی پہچان ہی ہے کہ اس کے قلب پر اللہ تعالیٰ کی عظمت و خشیت اتنی غالب ہو کہ غیر اللہ سے امید و بیم اگر مفقود نہیں تو مغلوب یقیناً ہو، سرور انبیاءؐ (فداہ ابی و امی) کا ارشاد ہے کہ "میں تم سب سے زیادہ اللہ کو جاننے والا اور تم سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا ہوں ——— انا اعلمکم باللہ واخشاکم للہ ——— اسی حقیقت حال کا اظہار بلکہ خود اللہ ہی کے اس ارشاد کی ترجمانی ہے کہ اللہ سے ڈرنے کا حق تو بس اس کے جاننے والے بندے ہی ادا کرتے ہیں ——— (انما یخشی اللہ من عبادہ العلماء) ——— یعنی علم دین جس کی جان خدا کو جاننا پہچاننا ہی ہے وہ مرادف ہے، خدا سے ایسے تعلق کے جو زندگی کے سارے اعمال معاملات میں خالق کی خشیت کو مخلوق و دنیا کے ہر اجر و صلہ خوف و طمع پر غالب کر دے، اسی حدیث کی تفہیم میں حکیم الامت علیہ الرحمۃ نے ہماری نام نہاد دینی تعلیم و تعلم اور اس کے علماء کا کیسا حسرتناک حال بیان فرمایا ہے کہ

> "علم کو میراث انبیاءؑ کہا جاتا ہے، تو اب دیکھ لو کہ انبیاء کی میراث کونسا علم ہے۔ کیا انبیاء کا علم نعوذ باللہ ایسا ہی علم تھا جسمیں محض مسائل و اصطلاحات کا تلفظ ہو اور خشیت کا نام نہ ہو .... اب ہماری حالت یہ ہے کہ علم حاصل کرتے ہیں، پڑھنے پڑھانے میں مشغول ہوجاتے ہیں اور اسی کو مقصود سمجھتے ہیں ...... اس طرح تعلیم و تعلم کو مقصود سمجھ لینا حد سے تجاوز ہے"
>
> غرض مطلوب شرعی (یا دینی) علم وہی ہے جو اپنے اثر کے ساتھ ہو جیسے تلوار وہی مطلوب ہے جسمیں کاٹ ہو، ورنہ برائے نام تلوار ہوگی: ....
>
> اسی کو کہتے ہیں
>
> علم چہ بود آنکہ رہ بنمایدت ۔۔۔ زنگ گمراہی ز دل بزدایدت
>
> این ہوسہا از سرت بیروں کند ۔۔۔ خوف و خشیت در دلت افزوں کند
>
> تو ندانی جز یجوز و لا یجوز ۔۔۔ خود ندانی تو یجوزی یا عجوز

سعود ناصر کشمکش

از عتیق الرحمٰن سنبھلی

(۲)

عنوان بالا کے ساتھ گزشتہ اشاعت میں جو مضمون شائع ہوا تھا، اُس کا کوئی بقیہ نہیں رہ گیا تھا جو آج دوسری قسط میں پیش کیا جا رہا ہے بلکہ یہ "استدراک" کے قسم کی چیز ہے جس کی ضرورت کا احساس مضمون کی اشاعت کے بعد خود ہی ہوا تھا اور پھر قارئین الفرقان میں سے ایک صاحب کے خط نے اس احساس میں اور اضافہ کر دیا۔ وہ خط یہ تھا:۔

مکرمی بندہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

"ناصر کے متعلق جو مضمون آپ نے لکھا ہے اُس کو پڑھنے کے بعد آپ کو کچھ لکھنا تو لاحاصل ہی ہے لیکن شاید مندرجہ واقعات آپ نے اپنے ذہن میں گھسنے ہی نہیں دیئے یا ان سے آپ نے صرفِ نظر کیا ہے۔

(ا) جامعہ الازہر میں فنونِ لطیفہ کے شعبہ کا قیام اور عورتوں کا داخلہ۔

(ب) اخوان کے ساتھ سلوک۔ (حضرت علی میاں اس بارے میں آپ کا ذہن زیادہ صاف کر سکیں گے)۔

(ج) ذلیل قسم کی آمریت جس کی بناء پر شام کو مصر سے الگ ہونا پڑا۔

(د) آپ نے شاید اُس کے یہ بیانات نہیں پڑھے جس میں اُس نے اپنے

عوام کو "اے فرعون کے بیٹو!" کے لقب سے پکارا ہے۔

(ج) اور فرعون کے مجسموں کا سرکاری طور پر نصب کیا جانا۔

(ط) سرکاری طور پر امریکہ سے احتجاج کہ "Land of Pharaoh" (نام کی فلم میں) ہمارے آباؤ اجداد کی بے عزتی کی گئی ہے۔ اور یہ فلم اُسی فرعون کے متعلق تھی جس کو قرآن شریف میں ملعون کہا گیا ہے۔

اس کے بعد اب آپ جمال ناصر اور شاہ سعود کا تقابل دوبارہ کیجئے۔"

مجھے اپنے مضمون کے بارے میں یہ خیال تو اس خط سے پہلے بالکل نہیں تھا کہ کوئی صاحب اس سے میرے ذہن میں جمال عبدالناصر کے لئے نرمی اور شاہ سعود کے لئے مقابلۃً سختی محسوس کریں گے۔ بلکہ استدراکی قسط کی ضرورت کا احساس اس بنا پر تھا کہ ایک تو ناصری تصویر کا جہاں اچھا رُخ دکھایا گیا وہاں مقابلہ میں شاہ سعود کی تصویر کا اچھا رُخ نہ آنے کے درجہ میں رہا۔ دوسرے سعودی ملوکیت کے بُرے رُخ میں جو باتیں پیش کی گئی تھیں اُس میں کی بعض باتیں خود ناصری صدارت میں بھی پائی جاتی تھیں جو مذکور ہونے سے رہ گئیں۔ ان دونوں باتوں میں سے پہلی بات کسی بھول چوک کا نتیجہ نہ تھی بلکہ ارادہ ہی یہ تھا کہ سعود ناصر کشمکش میں جو لوگ ناصر کو ترجیح دیتے ہیں وہ جو باتیں شاہ سعود کی بُرائی اور جمال ناصر کی اچھائی میں پیش کرتے ہیں اُن سے جس حد تک اتفاق ممکن ہو اُسے اُن لوگوں کی پوری جذباتی ترجمانی کے ساتھ بیان کر دیا جائے اُس کے بعد بتایا جائے کہ جمال ناصر کی تصویر کا ایک اور رُخ بھی ہے جسے مقدمہ کی مسل میں شامل کرنے کے بعد اگر ایک لفظ بھی شاہ سعود کی حمایت میں نہ کہا جائے تب بھی اسلامی نقطۂ نظر سے جمال عبدالناصر کے مقابلہ میں شاہ سعود بہرحال قابل ترجیح رہتے ہیں ـــــ خواہ اس مقابلہ سے ہٹا کر اُن کے اور اُن کے نظام حکومت کے بارے میں کچھ بھی کہا جا سکے ـــــ بالفاظِ دیگر مضمون کا مقصد شاہ سعود کی تائید اور حمایت کرنا نہیں بلکہ صدر ناصر کی تصویر کا وہ رُخ دکھانا تھا جس کی وجہ سے اُن کی قیادت اپنی تمام خوبیوں کے باوجود اسلامی نقطۂ نظر سے ایک لمحہ کے لئے بھی قابلِ برداشت نہیں حتیٰ کہ اگر یہ سوال کیا جائے کہ اگر دو بُرائیوں میں سے ایک نا گزیر ہو تو ان میں سے صدر ناصر کی قیادت قابلِ برداشت ہوگی یا شاہ سعود کی ملوکیت؟ تب بھی اسلامی نقطۂ نظر کا فیصلہ یہی نظر آتا ہے کہ صدر ناصر کی قیادت اور اُن کے تسلط کو رد کر دیا

جائے گا اور اُس کے مقابلہ میں شاہ سعود (یا اُن کی جیسی کسی اور) ملوکیت کو اُس کی تمام واقعی برائیوں کے باوجود گوارا کر لیا جائے گا۔

اس نوعیت کے مضمون میں ظاہر ہے کہ مناسب یہی تھا کہ صدر ناصر کی جو خوبیاں زیادہ سے زیادہ بیان کی جاسکتی ہیں اُن سب کا تو جہاں تک ممکن ہوا عتراف کر لیا جائے اور اس کے برعکس سعودی ملوکیت کے اچھے پہلوؤں سے بالکل ہی صرفِ نظر کیا جائے تاکہ مسئلہ اس طرح کھُل کر سامنے آجائے کہ جو شخص شاہ سعود یا اُن جیسے کسی بادشاہ کے لئے ادنیٰ درجہ کا نرم گوشہ بھی اپنے دل میں نہ رکھتا ہو اور اُن کی ملوکیت میں مثبت طور پر کسی اچھائی کو بھی ماننے کا روادار نہ ہو وہ بھی اگر اسلام کو حکَم مانتا ہے تو یہ فیصلہ کرنے پر مجبور ہو جائے کہ ناصر کے مقابلہ میں سعود بہرحال غنیمت ہیں۔ اس طرح مضمون میں سعودی حکومت کی مثبت اچھائیوں سے صرفِ نظر کی روش دانستہ اختیار کی گئی تھی اور اس روش کا وہی فائدہ ہوا جو مطلوب تھا یعنی اسلام ہی کو اصل حکَم ماننے والے جو لوگ بھی ملوکیت سے ایک عام رواجی نفرت کے ماتحت جمال عبدالناصر کو (سو فی صدی تو نہیں مگر) مقابلۃً بہتر سمجھتے تھے اور یہ خیال رکھتے تھے کہ دین کا بھلا جمال ناصر کی قیادت میں نہ سہی لیکن دُنیاوی ترقی تو عربوں کو حاصل ہوگی اور دین بھی اس طرزِ حکومت سے اتنا بدنام تو بہرحال نہ ہوگا جتنا ملوکیت میں ہوتا ہے۔ وہ بھی مضمون کے اس انداز سے اس حقیقت پسندانہ فیصلہ پر مجبور ہوگئے کہ جمال عبدالناصر کی قیادت تو اس ملوکیت کے مقابلہ میں بھی گوارا کرنے کے قابل نہیں۔ ایسے تأثرات کی بہت اہم مثالیں میرے علم میں آئیں اور اس لئے اگر یہ سمجھوں تو شاید غلطی نہ کروں گا کہ جیسے لوگوں کو سامنے رکھ کر یہ مضمون لکھا گیا تھا وہ اگر کسی قطعی فیصلہ پر نہ بھی پہنچے ہوں گے تو کچھ سوچنے پر ضرور مجبور ہوئے ہوں گے اور ناصر نوازی کے جذبہ میں کچھ ڈھیلا پن ضرور آگیا ہوگا۔ اگر اتنا بھی ہوا تو میرے جیسے بے حقیقت قلم سے یہ بڑا کام ہے اور میں اس پر خدا کا شکر ادا کرتا ہوں۔

لیکن اس خیال کے باوجود کہ مضمون میں یہی روش مناسب تھی اور مطلوبہ فائدہ اسی سے حاصل ہو سکتا تھا مضمون کی اشاعت کے بعد ہی سے یہ خیال بھی ہوا کہ بہت سے لوگوں کے لئے مضمون کا یہ انداز قابلِ شکایت بھی ہو سکتا ہے اور وہ محسوس کر سکتے ہیں کہ اس میں شاہ کے ساتھ بڑی ناانصافی کی گئی ہے کہ اُن کی اور اُن کی حکومت کی کسی مثبت اچھائی کا ذکر نہ ہونے کے درجہ میں ہے جب کہ صدر ناصر کی تمام اُن خوبیوں کا بڑے اعتراف کے ساتھ ذکر ہے جو اُن کے مداح بیان کرتے ہیں چنانچہ اُسی وقت سے

ہمارا ارادہ تھا کہ آیندہ اشاعت میں اس قسم کی شکایت کو مناسب طور سے دُور کر دیا جائے گا۔ علیٰ ہٰذا صدر ناصر کی وہ باتیں جن سے اُن کا اور اُن کی حکومت کا کردار ملوکیت سے کچھ الگ نہیں رہتا ان باتوں کا ذکر چونکہ بالارادہ نہیں بلکہ بلا ارادہ رہ گیا تھا اور یہ مضمون کے مقصد کے لحاظ سے ایک محسوس کمی تھی اس لئے اس کی تلافی از خود ہی ضروری سمجھی گئی تھی اور اس کمی کو ناصر کے ساتھ کسی رعایت پر محمول کرنے کی شکایت نہ بھی ہوتی تب بھی اُس کا ازالہ کرنا ہی تھا۔ مگر اتفاق سے اور بالکل خلاف توقع ایک شکایت بھی موصول ہو گئی جو اوپر درج کی جا چکی ہے۔ اس لئے اب تو مسئلہ صرف ایک کمی کی تلافی کا نہیں بلکہ غلط فہمی کے ازالہ کا بھی بن گیا ہے اس لئے یہ کام اور ضروری ہو گیا۔ چنانچہ آج ان دونوں باتوں کے متعلق بقدر ضرورت کچھ عرض کرنا ہے۔

کچھ مراسلہ کے متعلق

صدر ناصر کے متعلق ہمارے مراسلہ نگار نے جن متعدد باتوں کی طرف ہمیں توجہ دلائی ہے اُن میں سے آخری نمبر کے سوا کوئی ایسی نہیں جو ہمارے لئے نیا انکشاف ہو بلکہ نمبر (ح) اور (د) تو ہمارے مضمون میں موجود ہے اور آخری نمبر (ط) بھی اگرچہ ایک مستقل اہمیت رکھتا ہے مگر اصل کے اعتبار سے نمبر (ح) اور (د) سے جُداگانہ کوئی چیز نہیں کہ اس پر مستقل کلام کیا جائے پس اس کا ہم اپنے اُس کلام میں جو "جاہلی وطنیت" کے عنوان سے کیا گیا تھا مراسلہ نگار کے شکریہ کے ساتھ اضافہ کرتے ہیں ۔۔۔ ان تین کے علاوہ نمبر ۱ اور ۲ (الف اور ب) میں جن باتوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اُن میں سے (ب) کے متعلق تو ہم مراسلہ نگار کو یہ بتانا ضروری سمجھتے ہیں کہ جب اخوان کو کچلا گیا تھا تو اُس وقت "الفرقان" کے اداریہ میں اس پر جیسا کچھ لکھا جا چکا ہے وہ اُردو میں تو شاید ہی کہیں اور لکھا گیا ہو اور جمال عبدالناصر کا یہ ستم آج تک ہمارے دل کا زخم ہے۔ لیکن اس درمیان میں ہماری معلومات میں کچھ ایسی باتیں آئیں جن سے ناصر کی سفاکی کے بارے میں ہمارے پر تو کوئی اثر اگرچہ نہیں پڑا لیکن یہ بات مشتبہ ہو گئی کہ اخوان کے ساتھ یہ سلوک دین دشمنی کا نتیجہ تھا بلکہ کچھ ایسا نظر آیا کہ اخوان کے ساتھ یہ سلوک خالص سیاسی ٹکراؤ کا نتیجہ تھا ظاہر ہے کہ اس اشتباہ کے بعد کم از کم میرے لئے اس کی گنجائش نہیں رہتی کہ اخوان کے ساتھ ناصر کے سفاکانہ سلوک کو خالص دینی نقطۂ نظر کی بحث میں لاؤں خصوصاً جبکہ میں نے اس کا التزام بھی کیا ہے کہ ناصر کے خلاف صرف وہی باتیں پیش کی جائیں جن میں واقعات اور حقائق کے اعتبار سے کلام کی گنجائش نہ ہو۔ باتیں تھوڑی کیوں نہ ہوں مگر اپنی جگہ اٹل اور ناقابلِ بحث ہوں لہٰذا یہ اس مضمون میں میرا نقطۂ نظر تھا اور اسی

کا تقاضا یہ بھی تھا کہ جزئیات کے بجائے اصولی باتیں لی جائیں اس لئے کہ جزئیات میں کلام کے بہت سے پہلو نکل آتے ہیں اور ان کا وہ وزن بھی نہیں ہوتا جو اصولی باتوں کا ہوتا ہے۔ مراسلہ کے عدد (الف) میں جامعہ ازہر کے بارے میں جو بات کہی گئی ہے وہ بھی میرے ذہن ہی میں نہیں بلکہ مولانا علی میاں مدظلہ کی ایک شائع شدہ تحریر کی شکل میں میرے سامنے موجود تھی۔ مگر میں نے اُس کو ایسی اور بہت سی جزئیات ہی میں شمار کیا جن سے جمال عبدالناصر کی فرد جرم کی فہرست طویل تو ضرور ہوتی ہے مگر ان کا ذکر میرے خاص التزام سے مطابقت نہیں رکھتا۔ بہرحال میں نے اس جزئیہ کو بھی اسی لئے نظر انداز کر دیا۔

امید ہے کہ اس وضاحت کے بعد جناب مراسلہ نگار کی یہ غلط فہمی دُور ہو جائے گی کہ میں نے جمال عبدالناصر کے ساتھ کوئی رعایت برتنے کے لئے بعض چیزوں سے چشم پوشی کی ہے۔ ویسے یہ بات میرے لئے بڑے تعجب کی ہے کہ اس مضمون کو پڑھنے کے بعد کسی شخص کے ذہن میں یہ بات پیدا کیسے ہوگئی کہ میرے اندر جمال عبدالناصر کے لئے کوئی نرمی ہے۔ بہرحال بہت سی باتیں بے وہم و گمان بھی پیش آجاتی ہیں۔

صدر ناصر کی آمریت مضمون میں صدر ناصر سے متعلق جو باتیں بلا ارادہ رہ گئی تھیں اُن سب کا عنوان "آمریت" کا لفظ بھی ہو سکتا ہے جو ہمارے مراسلہ نگار نے نمبر (ج) میں استعمال کیا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ بیچارے شاہ سعود تو اپنا لقب "ملک" اور "شاہ" رکھ کر مفت میں بدنامی سے زیادہ بدنامی مول لے رہے ہیں ورنہ صدر ناصر "شاہ شکنی" اور ترقی پسندی کا دعوے رکھتے ہوئے بھی بدنام شاہوں کی بہت سی خصوصیات میں کسی "شاہ" سے کم نہیں ہیں۔ اس حقیقت کو جاننے کے لئے اور کچھ نہیں صرف چند روز کے مصری اخبارات دیکھ لینا بالکل کافی ہوں گے خصوصاً اگر اخبارات کسی ایسے دن کے ہوں جس دن مصر میں کوئی قومی اور ملکی تقریب منائی گئی ہو تب تو بس اُسی ایک دن کے اخبارات سے معلوم ہو جائے گا کہ اہلِ ملک میں تملق اور چاپلوسی جو ملوکیت کا سب سے بڑا اور ننگِ انسانیت کہلائے جانے کے قابل فساد ہے، صدر ناصر کا ملک اُس میں گلے گلے ڈوبا ہوا ہے اور بلا مبالغہ تملق اور چاپلوسی کی خو کے اس آئینہ میں سعودی عرب کم از کم مصر کے مقابلہ میں تو بہت ہی ہارتا ہوا نظر آتا ہے۔ ہمارے ایک محترم (واقعی محترم) صدر ناصر کی تعریف میں حد سے زیادہ رطب اللسان اور شاہ سعود کے لئے ادنیٰ کلمۂ خیر کے روادار نہ تھے اور شاید اب بھی نہ ہوں گے ایک دن میرے دفتر

تشریف لانے والے تھے۔ اُس سے چند ہی روز پہلے اتفاق سے مصر کے فوجی انقلاب کی سالگرہ کے دن کے چند مصری اخبارات مجھے ایک دوست سے ملے تھے، میں نے انھیں اُس روز کے لئے رکھ لیا اور جب وہ تشریف لائے تو میں نے کہا آج میں آپ کو ایک چیز دکھاؤں گا۔ یہ کہہ کر میں نے وہ اخبارات اُن کے سامنے کھول کر رکھ دئیے کہ دیکھئے ہر صفحہ پر صدر جمال عبدالناصر کی چار چار پانچ پانچ تصویریں ہیں اور یہ مصر کے کاروباری طبقہ کی طرف سے دراصل اشتہارات ہیں جن میں ہر اشتہار کی بسم اللہ صدر ناصر کے لئے تبریک و تہنیت کے فدویانہ الفاظ سے ہوتی ہے اور یہ نذرانۂ عقیدت تصویر کی شکل میں قبلۂ عقیدت کو حاضر ناظر کر کے پیش کیا جا رہا ہے۔

میں نہیں جانتا کہ میرے اُن محترم کے خیالات میں کوئی فرق آیا یا نہیں لیکن وہ اس منظر کو نظر بھر کر دیکھ نہیں سکے اور موقع ہی نہ ملا کہ میں اس پر کچھ بات کر سکتا۔ بہر حال یہ واقعہ سُنانا مقصود نہیں تھا بلکہ صرف مصری صحافت کے اس پہلو کا ذکر مقصود تھا جس سے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہوتی ہے کہ صدر ناصر "جلالۃ الملک" اگرچہ نہیں کہلاتے مگر دوسرے الفاظ سے اُن کی جلالت و عظمت کی تسبیح خوانی مصری صحافتیں جسطرح ہوتی ہے اُس کے سامنے تو سعودی صحافت بھی گرد ہے۔ پھر آخر لفظ شاہ اور ملک ہی میں کیا کیڑے پڑے ہیں کہ ان باتوں کے لئے شاہ سعود پر تو اعتراض کیا جائے اور اس لفظ کے بغیر یہ باتیں ہوتی ہوں تو اُنھیں معاف کر دیا جائے۔

قصہ دراصل یہ ہے کہ سعود اگر "شاہ" اور "ملک" ہیں تو علی الاعلان ہیں اور ناصر صاحب "صدارت" کے جمہوریت نما لباس میں آمریت کی مسند پر متمکن ہیں۔ الفاظ کی بنیاد پر اگر کوئی دونوں میں فرق کرنا چاہے تو دوسری بات ہے ورنہ آمریت ملوکیت سے بھی بدتر ہو سکتی ہے اور جہاں تک اہل ملک میں تملق اور چاپلوسی کا سوال ہے وہ حقیقتاً مزاج بن گیا ہو یا لوگ اس طرح کے اظہار پر اپنے آپ کو مجبور پاتے ہوں۔ بہر حال اہل مصر کا حال اس معاملہ میں سعودی عرب والوں سے بھی بدتر نظر آتا ہے۔ اسی طرح صدر ناصر آمرانہ یا ملوکانہ مطلق العنانی کی تہمت سے بچنے کے لئے خزانۂ مملکت میں شاہ سعود کی طرح کھلے بندوں خود مختارانہ تصرف اگرچہ نہ کرتے ہوں ۔۔۔ اور جہاں تک اُمورِ خیر کا سوال ہے اُس کی تو توفیق ہی اُنھیں کیوں ہونے لگی جو اس مد میں کسی صرف کی ضرورت پیش آئے ۔۔۔ لیکن کون کہہ سکتا ہے کہ اقتدار کے جوڑ توڑ میں اُن کا ہاتھ رُکتا ہوگا، جس کی ضرورت اُنھیں اندرونِ ملک ہی نہیں ،

بیرون ملک بھی اس قدر پیش آتی ہے جس کا تصور بھی شاہ سعود بیچارے کو نہیں ہو سکتا ـــ اور کون ملک میں ایسا ہے جو صدر کا ہاتھ روکنے کی جرأت کر سکتا ہو گا؟ ـــ بہر حال ملوکیت کی یہ خاص وہ برائیاں ایسی ہیں جو بلا شبہہ سعودی ملوکیت سے زیادہ ناصری صدارت میں پائی جاتی ہیں۔ ذاتی شاہ خرچیاں اور عیش پرستیاں نہ سہی مگر صرف اس فرق سے صدر ناصر اور اُن کی حکومت کا کردار شاہ سعود اور اُن کی ملوکیت کے کردار سے اتنا الگ تو نہیں ہو جاتا کہ ایک پر زبان طعن دراز کی جائے اور دوسرے کو معاف رکھا جائے ـــ الفاظ پرستی کا یہ مزاج ہو تو ہو حقیقت پسندی کا مزاج بالکل نہیں۔

سعودی ملوکیت کا دوسرا رُخ

جہاں تک ملوکیت کا سوال ہے ہم اپنے مضمون میں بغیر کسی لاگ لپیٹ کے بہت صفائی کے ساتھ یہ ظاہر کر چکے ہیں کہ اس کے لئے ہمارے اندر کوئی نرمی نہیں اور اسلام کے اندر اُس کا کوئی جواز ہم نہیں پاتے تاہم یہ زندگی کے ایک شعبہ میں اسلام کی تعلیم اور اُس کے منشا سے ایک ایسا ہی انحراف ہے جیسے ملت کے مختلف طبقوں کے افراد مختلف شعبوں میں اسلام کی تعلیمات سے اپنی کمزوریوں کے باعث عملاً انحراف کرتے اور نافرمانی کے مرتکب ہوتے نظر آتے ہیں۔ یہ کوئی مکمل اسلام سے انحراف نہیں ہے کہ اس نظام سیاست کو اختیار کر لینے والے حکمراں کے لئے بھی اسلام میں کوئی گنجائش نہ رہے اور اُس کی کوئی خوبی اسلامی نقطۂ نظر سے قابل اعتنا ہی نہ رہے۔ پس سعود اگر بادشاہ بنے ہوئے ہیں تو یہ بہت سخت قابل اعتراض بات ہے لیکن شاہانہ مُطلق العنانی سے وہ اگر مملکت کا روپیہ ناپسندیدہ کاموں ہی میں اُٹھاتے تو اُن کو کوئی روک نہیں سکتا تھا اس لئے یہ بات قدر کی ہے کہ وہ اگر یہ روپیہ ایک ہاتھ سے غلط اور بیجا مصارف میں اُٹھاتے ہیں تو دوسرے ہاتھ سے نیک کاموں میں بھی بے تحاشہ اُٹھاتے ہیں اور بلا مبالغہ کہا جا سکتا ہے کہ اس وقت اُن کی طرح اُمورِ خیر میں بے دریغ روپیہ بہانے والا کوئی دوسرا مسلمان بادشاہ نہیں ہے۔ ابھی چند دن ہوئے ہیں ہندوستانی اخبارات میں شاہ کے خلاف نکلنے والے بعض مضامین کے جواب میں ایک ہندوستانی مقیم مکہ مکرمہ (سعد اللہ بہاری صاحب) کا طویل مضمون اخبار مدینہ بجنور میں نکلا ہے سعودی حکومت کے بارے میں اس سلسلہ کی بعض باتیں اُنھوں نے لکھی ہیں جو قابل نقل ہیں اور ہم سمجھتے ہیں کہ اُن سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔

سعد اللہ صاحب لکھتے ہیں ——— "کسی بھی مسلم ملک یا مسلم آبادی میں ارضی وسماوی مصیبت آئی تو سب سے پہلے معقول امداد شاہ سعود نے دی۔ ابھی حال میں ایران میں زلزلہ آیا تو شاہ سعود ہی پہلے مسلم فرماں روا تھے جنھوں نے پچاس ہزار ڈالر اور پورا طبی مشن دو ہوائی جہازوں میں بھر کر بھیجا۔ پاکستان میں سیلاب، طوفان، آتشزدگی کے ہر موقع پر سعودی عرب نے معاونت کرنے میں سبقت کی۔ ہندوستانی مسلمانوں کے تمام اداروں کو معقول یکمشت مدد دی۔ علی گڑھ یونیورسٹی کو دس لاکھ ریال میڈیکل کالج کھولنے کے لئے دیئے۔ کراچی میں پناہ گزینوں کے لئے پندرہ لاکھ دیئے۔ الجزائر کی جدوجہد آزادی میں سالانہ دس لاکھ ریال دیتے رہے۔ اس کے علاوہ شاہ سعود ہی پہلے وہ شخص ہیں جنھوں نے اپنے نمائندے کے ذریعے الجزائر کا مسئلہ اقوام متحدہ میں اٹھایا جب کہ خود الجزائریوں نے اپنی تحریک نہیں شروع کی تھی۔ آزادیٔ الجزائر کے اعلان کے بعد بھی شاہ سعود نے دس لاکھ اسٹرلنگ پونڈ دیئے ہیں۔ الجزائر کے سعودی عرب میں نمائندہ جناب عباس حسینی نے جدہ کے ایک بڑے جلسہ میں جو الجزائر کی فتح پر جشن منانے کے لئے منعقد ہوا تھا، یہ انکشاف کیا کہ جب ہم الجزائریوں نے آزادی کے لئے جدوجہد شروع کی تھی اُس وقت ہم لوگوں نے تمام اسلامی و عربی ممالک کے سربراہوں کو ٹٹولا کہ کوئی دعاؤں اور جذبات نیک کے علاوہ مادی مدد اسلحہ سے معاونت بھی کرنے کے لئے تیار ہے۔ آج ہم منت شناسی کے طور پر بتاتے ہیں کہ صرف شاہ سعود تھے جنھوں نے دس لاکھ پونڈ اسٹرلنگ نقد دیا اور اسلحہ خانہ میرے لئے کھول دیا گیا کہ حسب ضرورت اسلحہ ہم لے لیں چنانچہ پہلی کھیپ اسلحہ کی جو یونس کے راستے سے محاذ جنگ پر پہنچی ہے وہ سعودی عرب سے آئی تھی یہ بات مصلحت کے مطابق مخفی رکھی گئی اور آج میرے بیان کرنے سے پہلے کسی کو معلوم بھی نہیں تھی۔

سوئز پر سہ طرفہ حملہ کے موقع پر برطانیہ نے مصر کا محفوظ سرمایہ جس پر اُس کے زرِ مبادلہ کا دارومدار تھا منجمد کر دیا تھا۔ اس وقت شاہ سعود نے اپنے ملک کا پورا سرمایہ مصر کے تصرف میں دے دیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تین سال تک سعودی عرب مالی بحران میں مبتلا رہا۔

ریال کی قیمت گر گئی، تجارت ماند پڑ گئی۔"

(مدینہ بجنور ۲۸ر دسمبر ۱۹۶۲ء)

اسی طرح یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ ملوکیت اور اُس کے بعض عمومی لوازم کی کمزوری کے علاوہ جیسے شاہ اپنی کم علمی اور وہاں کے علماء کی کوتاہی سے شاید کوئی اہم بات سمجھتے بھی نہ ہوں) تمام مسلمان حکمرانوں میں دین کا لحاظ بظاہر سب سے زیادہ شاہ سعودی کو ہے اور اس سے بھی بڑی بات یہ ہے کہ عملاً اور بھی چاہے کتنی ہی کوتاہیاں اُن کے اندر ہوں مگر اسلام (اُسی قدیم کتاب و سُنّت والے اسلام) کی حلقہ بگوشی پر ان میں وہی علانیہ فخر ہے جو ایک راسخ العقیدہ مسلمان کی شان ہے۔ اسلام کے اظہار میں شرم اور جھجک وہ بالکل نہیں جانتے۔ چنانچہ کم از کم ہم ہندی مسلمان تو اُن کی یہ بات بھلا نہیں سکتے کہ ہندوستان کے دورہ پر وہ آئے تو تنہا وہی مسلمان حکمراں نکلے جنھوں نے گاندھی جی کی سمادھی پر جانے کے لازمی رواج کو توڑا۔ اور یہ باتیں صرف ذاتی نہیں بلکہ مملکت کا قانون ہی کتاب وسنّت پر مبنی ہے اور اس کے نتیجہ میں عدلیہ اور نظم ونسق کا حال خاص طور پر اتنا اطمینان بخش ہے کہ اس کا اعتراف سعودی ملوکیت کے بڑے سے بڑے مخالف کو بھی کرنا پڑتا ہے۔

بہر حال سعودی حکومت میں اسلامی نقطۂ نظر سے بعض خوبیاں بھی ہیں اور موجودہ زمانہ میں مسلمان حکومتوں کا حال دیکھتے ہوئے یہ خوبیاں بہت زیادہ قابلِ قدر ہو جاتی ہیں۔ اگرچہ ان چیزوں سے نہ ملوکیت جائز ہو جاتی ہے اور نہ اُس کے اُن لوازم کی قباحت گھٹ جاتی ہے جو اسلامی رُوح پر ہی نہیں عام انسانی روح پر بھی بیحد گراں ہیں اور ان سے اسلام کی بڑی بدنامی خاص طور پر اس لئے ہوتی ہے کہ سعودی حکومت اسلام کی دعویدار اور مرکزِ اسلام کی پاسبان ہے۔ ایسی حکومت کو کسی الحادی قیادت پر تو بہر حال ترجیح دی جائے گی مگر جو لوگ اس حکومت پر اثر انداز ہو سکتے ہیں اُن کا فرض ہے کہ وہ اس میں سے ملوکیت اور اُس کے خاص لوازم کا عنصر نکلوانے کی حکیمانہ سعی کریں۔ ہمارے خیال میں موجودہ سعودی حکومت کے بارے میں معاندانہ کے بجائے یہی خیر خواہانہ اور مصلحانہ طرزِ عمل ہر مسلمان کا ہونا چاہیئے۔

ساعتے با اولیاء

امام ابو عمرو عبدالرحمٰن اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ

(مولوی اقبال احمد الاعظمی)

امام اوزاعی دوسری صدی ہجری میں بلند پایہ فقیہ، محدث، اور بڑے صاحب ورع و تقویٰ بزرگ تھے، اللہ کا ذکر، قرآن مجید کی تلاوت، طالبین کو حدیث سنانا اور قرآن وسنت سے مسائل کا استنباط کرنا اور خلق اللہ کو بتانا ان کا ہر وقت کا مشغلہ تھا، اہل دنیا سے بے نیاز اور ان کے پاس آنے جانے سے پرہیز کرتے تھے، اور عباسی خلفا کے دور میں بنو امیہ کے خون کو جس طرح حلال اور سستا سمجھ لیا گیا تھا اس سے سخت بیزار تھے اور ہر ایسے موقع پر مسلمان کے خون کی حرمت کے سلسلہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثیں بیان کرتے تھے۔

ایک دن خلیفہ ابوجعفر منصور نے انھیں اپنے دربار میں طلب کیا، امام سمجھے کہ شاید اب میرا وقت قریب آگیا، لیکن بات دوسری تھی بہرحال دربار میں پہونچے، سلام کیا اور خود پوچھا کہ "امیر المومنین! آپ کیا چاہتے ہیں؟"

"میں آپ سے دین کی باتیں سیکھنا چاہتا ہوں"۔۔۔ منصور نے جواب دیا۔

"غور سے سنئے اور جو کچھ میں عرض کروں اسے ہرگز نہ بھولیے"۔۔۔ امام نے فرمایا۔

"میں کیسے بھول سکتا ہوں جبکہ آپ کو میں نے اسی غرض کے لئے تکلیف دی ہے ۔۔۔ منصور نے عرض کیا۔ امام بہت خوش ہوئے اور فرمایا کہ "مگر عمل بھی شرط ہے" اور پھر وعظ شروع فرمایا۔

"اے امیر المومنین: مجھ سے مکحول نے ابن بسر سے سن کر یہ حدیث بیان کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "جس بندہ کے پاس اللہ کی طرف سے اس کے دین

کے بارے میں کوئی نصیحت آئی اور اس نے اسے شکر کے ساتھ قبول کیا تو وہ اللہ کی طرف سے اس بندہ پر نعمت ہے اور اگر اس نے اللہ کی اس نعمت کی قدر نہیں کی تو وہی نعمت اس کے خلاف حجت بن گئی جس کی وجہ سے اس کے گناہ میں اور اس کے اوپر اللہ کی ناراضی میں اضافہ ہوتا رہے گا۔"

"اے امیر المومنین! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ" جو حاکم اپنی رعیت پر ظلم کرتا ہے اللہ تعالیٰ نے اس پر اپنی جنت حرام کر دی ہے"۔

"اے امیر المومنین! جس نے حق کو گوارا نہ کیا اس نے (گویا) خدا سے بیزاری کی بیشک اللہ حق مبین ہے"۔

"اے امیر المومنین! آپ پہلے تنہا اپنے نفس کے ذمہ دار اور جوابدہ تھے پھر آپ دوسرے انسانوں پر حاکم ہوئے، جنھیں سرخ و سیاہ کا فر اور مسلمان ہر طرح کے ہیں، اب آپ ان میں سے ہر ہر فرد کے ذمہ دار ہیں، اور ہر ایک شخص کا آپ کے عدل میں حصہ ہے، سوچئے کہ ــــ اس دن آپ کس حال میں ہوں گے۔ جب آپ کی رعیت کے سارے طبقے آپ کے پیچھے لگے ہوں گے اور ہر ایک آپ سے ظلم اور آپ کی سختیوں کا (جو اس کو آپ سے پہونچی ہیں) بدلہ آپ سے طلب کر رہا ہوگا؟"

"اے امیر المومنین! نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مومنین پر مہربان اور ان کے ہمدرد و غمخوار تھے، ان کے درمیان عدل قائم کرتے اور ان کی لغزشوں سے چشم پوشی فرماتے تھے، آپ ان کے اوپر دروازہ بند نہیں فرماتے تھے ان کے آرام سے خوش اور ان کی تکلیفوں سے رنجیدہ ہوتے تھے"۔

"ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک بدوی سے نادانستگی میں اذیت پہنچی اور آپ نے اس سے اس کا بدلہ لے لیا۔ حضرت جبرئیلؑ آپ کے پاس آئے اور عرض کیا: "اے محمد! اللہ تعالیٰ نے آپ کو جبار اور متکبر بنا کر نہیں بھیجا ہے"۔ آپ نے بدوی کو بلایا اور فرمایا کہ مجھ سے قصاص لو، وہ اس کے لئے آمادہ نہیں ہوا اور عرض کیا: "یا رسول اللہ میرے ماں باپ آپ پر قربان! میں نے آپ کو معاف کیا، میں تو ایسا اس وقت بھی

نہ کرتا جب میری جان پر بن آتی " ـــــــ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے دعائے خیر فرما کر رخصت کیا تھا۔

" اے امیر المومنین ! اگر ملک آپ سے پہلے خلیفہ کے ہاتھ میں باقی رہتا تو آپ کو نہ ملتا، ایسے ہی آپ کے لئے بھی باقی نہیں رہے گا جیسا کہ آپ سے پہلے لوگوں کے لئے باقی نہیں رہا "

امیر المومنین کیا آپ کو معلوم ہے کہ آپ کے دادا حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے اعمالنامہ سے متعلق اس آیت کے بارہ میں کیا کہا ہے ۔ " ما لھذا الکتاب لا یغادر صغیرۃ ولا کبیرۃ الا احصاھا " (کیسی ہے یہ کتاب جس نے نہ کوئی چھوٹی بات چھوڑی ہے نہ بڑی، سب ہی کو سمیٹ لیا ہے) حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ صغیرہ (چھوٹی چیز) میں تبسم جیسی چیزیں شامل ہیں اور کبیرہ (بڑی چیز) میں ضحک یعنی آواز سے ہنسنا جیسی چیزیں شامل ہیں ۔ پھر خیال فرمائیے کہ انسان جو کچھ ہاتھوں سے کرتا اور زبان سے کہتا ہے وہ اعمال نامہ میں کیسے درج نہ ہوگا ۔

" اے امیر المومنین ! حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر فرات کے کنارے ایک بکری کا بچہ بھی کھو کر مر جائے گا تو مجھے ڈر ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے بارہ میں بھی مجھ سے سوال کریں گے " ـــــــ سوچئے کیا اللہ تعالیٰ آپ سے اس شخص کے بارے میں سوال نہیں کریں گے، جو آپ کی حکومت میں رہ کر آپ کے عدل و انصاف سے محروم رہے گا ؟"

" امیر المومنین ! کیا آپ کو معلوم ہے کہ آپ کے دادا نے اس آیت کا کیا مطلب بیان فرمایا ہے " یاداؤد انا جعلناک خلیفۃ فی الارض فاحکم بین الناس بالحق ولا تتبع الھویٰ (اے داؤد ہم نے تجھے زمین میں (اپنا) خلیفہ بنایا، تو لوگوں کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کر اور نفس کی خواہش کی اتباع نہ کر ۔ انھوں نے فرمایا کہ آیت کا مقصد یہ ہے کہ اے داؤد جب فریقین تمھارے سامنے بیٹھیں اور ان میں کسی ایک کی طرف کسی وجہ سے تمھارے نفس کا میلان ہو تو تم اس کی بھی تمنا نہ کرو کہ کاش یہ شخص کامیاب ہو جاتا ۔ اگر تم ایسا کروگے تو ہم دفتر نبوت سے تمھارا نام مٹا دیں گے، پھر نہ تم ہمارے

خلیفہ رہوگے اور نہ تمھارے لئے کوئی عزت ہوگی۔— اے داؤد! ہم اپنے پیغمبروں کو اپنے بندوں کا نگراں بناکر بھیجتے ہیں......... کہ وہ زیادتی کرنے والوں کو دباتے اور کمزوروں کو ان کا حق دلاتے ہیں۔

"اے امیر المومنین! آپ پر ایک ایسی عظیم ذمہ داری ڈالی گئی ہے کہ اگر اس کو آسمان وزمین اور پہاڑوں پر پیش کیا جاتا تو وہ اس کا بوجھ اٹھانے سے انکار کر دیتے اور اگر ان پر ڈال دیا جاتا، تو وہ اس کی وجہ سے پھٹ جاتے....... حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انصار میں سے ایک صاحب کو صدقہ وصول کرنے کے لئے (کسی جگہ کا) عامل مقرر کیا، چند دنوں کے بعد دیکھا کہ وہ گھر ہی پر ہیں، دریافت فرمایا کہ "تمہیں اس کام سے کس چیز نے روکا؟ کیا تمہیں یہ معلوم نہیں کہ تمہارے لئے اس کام میں جہاد کرنے والوں کا اجر ہے؟" انصاری نے کہا کہ میں نے سنا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ (بندوں کے امور سے متعلق) ہر حاکم کو قیامت کے دن لاکر ایک ایسے پل پر کھڑا کیا جائے گا جس کے نیچے آگ ہوگی۔ وہ پل اس شخص کو ایک جھٹکا دے گا جس سے اس کے جسم کا جوڑ جوڑ الگ ہو جائے گا، پھر اسے اپنی حالت پر لوٹا دیا جائے گا۔ اور اس کا حساب ہوگا، اب اگر وہ شخص اچھا ہے تو اپنی اچھائی کی بنا پر نجات پائے گا اور اگر برا ہے تو پل پھٹ جائے گا اور اس شخص کو لئے جہنم میں گر جائے گا، پھر وہ اس آگ میں ستّر سال رہے گا"۔— حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ یہ حدیث تم نے کس سے سنی؟ انصاری نے کہا "حضرت ابوذر وحضرت سلمان (رضی اللہ عنہما) سے"۔ حضرت عمرؓ نے ان دونوں سے دریافت کیا۔ انھوں نے بتایا کہ "ہاں ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ حدیث سنی ہے"— حضرت عمرؓ چیخ اٹھے "واعمراہ! من یتولاھا بما فیھا" (ہائے عمر! تیرا کیا انجام ہونے والا ہے! کون ہے جو اس خلافت کی ذمہ داری اپنے اوپر لے.......)۔

خلیفہ ابو جعفر نے اپنا رومال اٹھاکر اپنے منہ پر رکھا اور دھاڑ مارکر رونے لگا، امام بھی رو پڑے، اور برابر فرماتے رہے۔ "اے امیر المومنین! آپ کے دادا حضرت

عباس (رضی اللہ عنہ) نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مکہ اور طائف کی امارت مانگی تو آپ نے فرمایا کہ: "اے عباس! اے نبی کے چچا! ایک زندہ نفس غیر محدود امارت سے بہتر ہے ...... — پھر فرمایا — اے عباس! اور اے صفیہ! نبی کی پھوپھی! میں تمہیں اللہ کی طرف سے کچھ بھی مستغنی نہیں کر سکتا، تم جان لو کہ تمہیں تمہارا ہی عمل کام آئیگا اور مجھے میرا عمل"

"اے امیر المومنین! سب سے سخت کام اللہ کے لئے حق پر قائم رہنا ہے اور سب سے بڑی نیکی اللہ کے نزدیک، تقویٰ ہے .... جو شخص اللہ کی اطاعت کے راستہ سے عزت طلب کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے بلند کرتے ہیں اور جو شخص اللہ کی معصیت کے راستہ سے عزت طلب کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے ذلیل کر دیتے اور گرا دیتے ہیں"۔

"یہ میری نصیحت ہے ———— والسلام علیک"

محمد بن مصعب کا بیان ہے کہ جب امام رخصت ہونے لگے، تو خلیفہ ابو جعفر منصور نے کچھ نذرانہ پیش کرنا چاہا، امام نے اس کے لینے سے انکار کر دیا۔ اور فرمایا کہ "مجھے اس کی ضرورت نہیں، میں اپنی نصیحت کو ساری دنیا کے خزانوں کے عوض بھی نہیں بیچ سکتا"۔

نوحۂ فراق ! بر وصالِ قطبِ عالم حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ

(از حضرت آزاد فتحپوری)

اے پیکرِ ناز و کج کلاہے
داریم امیدِ یک نگاہے
اے آنکہ توئی امید گاہے
خواہیم بدامنت پناہے
اے جانِ حریم کعبۂ دل
اے نورِ ضیائے قبلہ گاہے
داری چو دوائے دردمنداں
چوں کرو گریۂ پا نہ راہے
عالم ہمہ تیرہ و رنگا ہے
بے نورشد ند مہر و ماہے
گل ہست نہ لالہ رخ کشیدہ
نسریں نہ بہ سبزۂ راہے
برگشتہ زیاسمیں صنوبر
نرگس نگہ کرد از گیاہے
بیگانہ شود چمن ز سبزہ
اے وائے بحرف رسم و راہے

شد باغ و بہار بے تو ویراں
دیدم گل و گلستاں تباہے
شبنم بگریست بر نشیمن
شعلہ کشید بسوز آہے
حالاتِ زبونِ چشم خود بیں
اے دوست بیا بجا لقاہے
تا چند شوم خراب و بدنام
تا کے بجراحتِ گناہے
از منزلِ خویش ناشنایم
و شنیم بجز باز ا راہے
در دل کہ گداز را نہ یابم
در دیدہ نہ حسنِ جلوہ گاہے
چشم کہ نہ تر شود نہ نمناک
قلبم کہ نہ سوزشے نہ آہے
حالِ دل را ز من چہ پرسی
حالِ دل را ز من تباہے

ایامِ فراق چند در چند
وصلت نہ نصیب گاہے گاہے
ہستیم غلامِ بارگاہت
شاہا بنواز یک نگاہے
حالِ منِ خستہ را میانداز
حاضر شدہ ام ببارگاہے
اقلیم ولایتِ تو آباد
اورنگِ تو شد جہاں پناہے
رویت کہ نثار ماہ و انجم
نقشِ قدمت چراغِ راہے
جنت کہ کشد ترا در آغوش
فردوس برین قیام گاہے
پرسی نہ اگر بروزِ محشر
دیگر کہ شناخت روسیاہے
آزاد کجا پناہ گیرد
تا چند شوی بجواب گاہے

ALFURQAN (Regd. No. A-353) LUCKNOW

ماہنامہ الفرقان لکھنؤ

ہماری دعوت

لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ

اسی کلمہ پر اسلام کی بنیاد ہے اور ہمارا ایمان ہے کہ یہی انسانیت کی نجات کا کلمہ ہے

لیکن یہ صرف ایک بول ہی نہیں ہے بلکہ ایک شہادت، ایک اصول اور ایک اہم فیصلہ و معاہدہ ہے

اس بات کا کہ ہم صرف اللہ کی عبادت و بندگی کریں گے اور زندگی کے ہر شعبہ میں اس کے نبی

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی ہدایت و شریعت کی پیروی کریں گے، اسی پر جئیں گے اور مریں گے

جو لوگ اس کلمہ پر ایمان لا چکے ہیں ان کا فرض ہے کہ زندگی اس عہد کے مطابق گزاریں اور اسی ایمانی

زندگی کو دنیا میں رواج دینے کی کوشش کریں، وہ اسی لیے پیدا ہوئے ہیں۔ ہم اسی کا

مسلک [illegible] اسی کی دعوت دیتے ہیں اور اسی پر جینا اور مرنا چاہتے ہیں

[illegible]

[illegible]

ادارہ الفرقان

مسئول
محمد منظور نعمانی

مرتب
عتیق الرحمن سنبھلی

چندہ
(ہند و پاک سے)
سالانہ ۶/-
ششماہی ۳/-
فی کاپی .... -/۶۰

ماہنامہ
الفرقان لکھنؤ

چندہ
(دیگر ممالک سے)
سالانہ .... ۱۲ شلنگ
اعزازی چندہ
سالانہ ۱۵/-

جلد ۳۰	بابتہ ماہ رجب المرجب ۱۳۸۲ھ مطابق جنوری ۱۹۶۳ء	شمارہ ۷

نمبر شمار	مضامین	مضامین نگار	صفحات
۱	نگاہ اولیں	محمد منظور نعمانی	۲
۲	معارف الحدیث	" "	۹
۳	تجلیات مجدد الف ثانیؒ	" "	۲۵
۴	مکتوبات حضرت خواجہ شرف الدین یحییٰ منیریؒ	مولانا سید ابو الحسن علی ندوی	۳۲
۵	... اس طرح اللہ نے مجھے اسلام تک پہونچا دیا	مریم جمیلہ	۳۹
۶	ساعتے با اولیاء	....	۴۴

اگر اس دائرہ میں ⵈ سرخ نشان ہے تو

اس کا مطلب ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہوگئی ہے، براہ کرم آئندہ کے لیے چندہ ارسال فرمائیں، یا خریداری کا ارادہ نہ ہو تو مطلع فرمائیں، چندہ یا کوئی دوسری اطلاع ۲۱ جنوری تک دفتر میں ضرور آجائے ورنہ اگلا شمارہ بصیغۂ وی۔پی ارسال ہوگا۔

پاکستان کے خریدار۔ اپنا چندہ سکریٹری اصلاح و تبلیغ آسٹریلین بلڈنگ لاہور کو بھیجیں، اور منی آرڈر کی رسید ہمارے پاس فوراً بھیجدیں۔

نمبر خریداری، براہ کرم خط و کتابت اور منی آرڈر کے کوپن پر اپنا خریداری نمبر ضرور لکھ دیا کیجیے۔

تاریخ اشاعت: الفرقان ہر انگریزی مہینہ کے پہلے ہفتہ میں روانہ کر دیا جاتا ہے اگر ۱۰ تاریخ تک بھی کسی صاحب کو نہ ملے تو فوراً مطلع فرمائیں اسکی اطلاع ۲۰ تاریخ کے اندر آجانی چاہیئے۔ اسکے بعد رسالہ بھیجنے کی ذمہ داری دفتر پر نہ ہوگی۔

دفتر الفرقان، کچہری روڈ، لکھنؤ

مولوی محمد منظور نعمانی پرنٹر پبلشر ایڈیٹر و پروپرائٹر نے تنویر پریس لکھنؤ میں چھپوا کر دفتر الفرقان کچہری روڈ لکھنؤ سے شائع کیا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نگاہِ اوّلیں

ہمارے دینی مدارس :-

اسی دسمبر کی ۱۶؍ تاریخ کو "ندوۃ العلماء لکھنؤ" کی مجلس انتظامیہ کا جلسہ تھا، دستور اور رواج کے مطابق اس کے موجودہ ناظم رفیق محترم مولانا سید ابو الحسن علی ندوی نے سب سے پہلے ارکان مجلس کے سامنے ایک مختصر رپورٹ پڑھی، جس میں مجلس کے گزشتہ اجلاس (منعقدہ جون [illegible]) کے بعد سے اس وقت تک کے ندوۃ العلماء اور اس کے دار العلوم کے حالات اور کارگزاری کا اجمالی تذکرہ کیا گیا تھا ——— موصوف نے اس میں دار العلوم ندوۃ العلماء اور عام دینی مدارس کے اُن حالات اور مسائل پر بھی اپنی فکر مندی کا اظہار فرمایا تھا جن کے بارے میں الفرقان کی گزشتہ دو اشاعتوں کے انہی صفحات میں کچھ لکھا جا چکا ہے اور جو بلاشبہ نہ صرف دینی مدارس کا بلکہ اس وقت ملت اسلامیہ کا اہم مسئلہ ہے ——— پہلے ہم ناظرین الفرقان کے سامنے مولانا کی رپورٹ کا وہ حصہ بجنسہ پیش کرتے ہیں۔

موصوف نے گزشتہ ڈیڑھ سال کی ندوۃ العلماء کی بعض خوش کن مالی فتوحات اور تعمیری ترقیات کا تذکرہ کرنے کے بعد رپورٹ میں کہا ہے :۔

"حضرات ! ندوۃ العلماء کے جس دینی و ملی کام میں ہماری آپ کی رفاقت ہے اور آپ نے اس کے کارکنوں اور خاص طور پر اس ناچیز کو جو عظیم ذمہ داری سپرد فرمائی ہے اور جس اعتماد کا اظہار کیا ہے اس کا تقاضا ہے کہ جس طرح اس اہم ادارہ اور تحریک کے روشن پہلوؤں اور قابل مسرت گوشوں کو آپ کے علم و اطلاع میں لایا

جائے اسی طرح وہ پہلو اور حقائق بھی پیش کیے جائیں جو ہم سب کے لیے تشویش کا باعث اور غور و فکر کے طالب ہیں۔ اس سلسلہ میں میں دو چیزوں کا آپ کے سامنے ذکر کر کے اپنی فکرمندی میں شریک کرنا چاہتا ہوں۔ ع

انیس جمع ہیں احباب درد دل کہہ لے

(۱) زمانہ کے معاشی مسائل اور ماحول کے اخلاقی و اجتماعی اثرات، اس کے ساتھ دینی درسگاہوں میں دینی ماحول کی کمزوری اور بہت سے دوسرے عوامل اور اسباب نے طلبہ میں ایسا ذہنی انتشار اپنے معاشی مسئلہ اور مستقبل کی طرف سے فکرمندی اور ایک ایسی بے مقصدیت پیدا کر دی ہے کہ طلبہ میں دینی تعلیم اور علوم دینیہ کی عظمت، تقدس و افادیت پر وہ یقین و اعتماد، اس سے وہ روحانی اور ذہنی وابستگی اور وہ جذبۂ ایثار و قربانی باقی نہیں رہا جو اس پورے تعلیمی نظام کی روح اور اس کا سرمایہ اور تمام خارجی اثرات اور فتنوں کے مقابلہ میں پشت پناہ تھا۔ ہمارے طلبہ کی ایک تعداد سرے سے کوئی مقصد نہیں رکھتی، وہ اپنے والدین اور سرپرستوں کے فیصلہ سے مدرسہ میں آتی ہے، اس میں وہ اُمنگ اور جذبہ نہیں ہوتا جو ایک ایسے طالب علم میں ہونا چاہیے جو شعور و احساس کے ساتھ اور اپنے ذاتی ذوق و شوق سے کسی تعلیم گاہ میں آتا ہے، ایک تعداد دارالعلوم کی تعلیم کو دوسری تعلیمی و معاشی ترقیات کے لیے ذریعہ بنانا چاہتی ہے یعنی ہندستان ہی کی کسی دوسری یونیورسٹی یا بلادِ عربیہ کے کسی جامعہ میں داخل ہونے کے لیے اس سے ایک عبوری مرحلہ یا پل کا کام لینا چاہتی ہے، یہ دونوں عنصر ہمارے لیے بڑی تشویش کا باعث ہیں۔ یہ بامقصد اور اپنی منفرد شخصیت رکھنے والا عظیم ادارہ ہرگز اس لیے قائم نہیں ہوا تھا کہ وہ کسی ایسے دوسرے ادارہ کے لیے جو اس سے مقصدی اتفاق نہ رکھتا ہو بیچ کی کڑی کا کام دے، ہمارے ادارہ کے بلند نظر بانیوں نے یہ ادارہ ہرگز اس مقصد سے قائم نہیں کیا تھا کہ وہ مشرقی امتحانات میں سہولت، ملازمتوں کے لیے بہتر مواقع اور دوسری جامعات کے لیے بہتر طالب علم

فراہم کرے۔ دینی تعلیم کے سلسلہ میں جو اخلاص، اپنی درسگاہ سے جو شغف اور اس کے انتساب پر جو فخر ہونا چاہئیے اس میں شدید کمی ہے۔ اور یہ جہاں بہت کچھ زمانہ کے عام حالات و تغیرات کا نتیجہ ہے کوئی شبہ نہیں کہ ہم سب لوگوں کی کمزوری اور بے تاثیری کو بھی اس میں دخل ہے، یہ صورت حال میں سمجھتا ہوں کہ تمام دینی مدارس کے لئے تشویش اور فکر و تردد کا باعث ہے۔ یہ ایک ایسا اہم مسئلہ ہے جس پر جلد سے جلد غور کرنے اور اسکو دور کرنے کیلئے بڑی ذہانت حقیقت پسندی، قوت فیصلہ اور جرأت کی ضرورت ہے۔ بہتر ہوگا کہ اس مسئلہ کو وسیع پیمانہ پر حل کرنے کی کوشش کی جائے اور تمام دینی مدارس کے ارباب حل و عقد اس صورت حال کا دیانت داری اور جرأت مندی سے صحیح جائزہ لے کر اس کو حل کریں، دینی مدارس کے حدود کے اندر اس وقت جو ذہنی بے چینی، اخلاقی انتشار اور علمی انحطاط پایا جاتا ہے اور جو بعض اوقات طلبہ کی غلط تنظیمات اور اسٹرائکوں کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے اسکی اصلاح اور ازالہ کی یہی شکل ہے کہ اسکی حقیقی جڑ دل کو ذہن اور سیرت کی گہرائیوں سے نکالا جائے اور اخلاص، دینی تعلیم کی عظمت و افادیت پر یقین و اعتماد، اپنے مستقبل کے بارہ میں ایثار و قربانی کے جذبہ کے ساتھ اطمینان پیدا کرنے کی کوشش کی جائے [۱]......"

یہ واقعہ ہے کہ اس وقت ہمارے دینی مدارس کا یہ سب سے اہم مسئلہ ہے اور جیسا کہ مولانا نے کہا ہے، اس مسئلہ سے نمٹنے کے لئے بڑی ذہانت، بڑی حقیقت پسندی، قوت فیصلہ اور غیر معمولی جرأت کی ضرورت ہے ــــــــ جہاں تک ہم نے غور کیا ہے اور جیسا کہ ہم پہلے عرض بھی کر چکے ہیں ان مدارس کے اس سارے بگاڑ کی جڑ بنیاد یہ ہے کہ ان کا جو اصل مقصد تھا (یعنی دینی تعلیم و تربیت کے ذریعہ علوم نبوت کے حامل و امین، انبیاء و مرسلین کے نائب و وارث اور دین کے مخلص خادم و محافظ پیدا کرنا) وہ بہت مدت پہلے سے نظر انداز ہو گیا ہے اور اسکے

---

[۱] مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نے اسکے آگے اپنی رپورٹ میں دوسرا مسئلہ علمی و تعلیمی انحطاط اور اچھے ماہرین فن اساتذہ کی قلت و نایابی کا ذکر کیا تھا، لیکن یہاں چونکہ اس وقت اس مسئلہ پر بحث کرنا مقصود نہیں ہے اس لئے رپورٹ کا وہ حصہ نقل کرنے سے چھوڑ دیا گیا ہے۔"

بجائے اُن کے موجودہ نظام کا چلانا اور نصابی کتابیں پڑھانا ہی اصل مقصد بن گیا ہے، اسلئے اصلاح کی پہلی شرط یہ ہے کہ مدارس کے بارہ میں اپنے نقطۂ نظر کو صحیح کیا جائے، اور مقصد اور اسکے بنیادی تقاضوں کو معیار بنا کر ان کے پورے نظام کی مکمل تجدید کی جائے۔

اس وقت صورت یہ ہے کہ ہمارے اِن مدارس کے منتظمین اور اساتذہ و مدرسین میں بھی خاصی تعداد ایسوں کی ہے جن کے دلوں میں اصل مقصد کے بارے میں کوئی جذبہ، کوئی لگن اور کوئی دلچسپی نہیں ہے بلکہ شاید ان کو اس کا شعور و احساس بھی نہیں ہے، مدارس سے ان کا تعلق بس ایک معاشی شغل کا ہے، وہ اپنے فرائض وحقوق اور دیگر متعلقہ مسائل کے بارہ میں ایک تنخواہ یاب ملازم اور اجیر ہی کی حیثیت سے سوچتے ہیں، یہ بات کہ ایک نائب رسول عالم دین اور عالم گر ہونے کی حیثیت سے اِن کا نصب العین کیا ہونا چاہیئے، ان میں کیا صفات اور کیسے جذبات ہونے چاہئیں اور ان کی زندگی اور سیرت کیسی ہونی چاہیئے، اسکی فکر ان کو نہ اپنے بارہ میں ہوتی ہے نہ اپنے طلبہ کے بارہ میں، اور ہمارے مدارس کی بدقسمتی کی یہ آخری حد نہیں ہے، اس سے آگے بعض وہ چیزیں بھی ہیں جو اس سے زیادہ افسوسناک ہیں، مدارس کے ذمہ دار حضرات جو ان سطروں کے اصل مخاطب ہیں وہ خود پوری طرح واقف ہیں۔

اسی طرح طلبہ میں بھی بہت بڑی تعداد بلکہ اب تو اکثریت ایسوں کی ہوتی ہے جن کے ذہن دینی تعلیم کے اصل مقصد اور دینی مدارس کے نصب العین کے شعور و احساس سے بالکل خالی ہوتے ہیں، وہ یا تو اپنے سرپرستوں کے فیصلہ سے یا اپنے ذاتی ارادہ سے صرف اس لئے ان مدرسوں میں آتے ہیں کہ اسکے سوا زندگی کی کوئی لائن ان کے سامنے نہیں ہوتی اور یہ مدرسے اُن کے لئے اُن کی حیثیت کے لحاظ سے اچھے خاصے اقامت خانے اور پرورش خانے بھی ہوتے ہیں، مدرسہ کے مطبخ سے ان کو دونوں وقت بغیر ایک پیسہ خرچ کئے اُس معیار کا کھانا ملتا ہے جو اُن میں سے بہت سوں کو اپنے گھروں پر بھی فراہم نہیں ہوتا، مدرسہ ان کو پڑھنے کے لئے مفت کتابیں بھی دیتا ہے اور ان میں سے بہت سوں کو کپڑا، جوتا وغیرہ بھی، اور اوپر کے ضروری اخراجات کے لئے کچھ نقد وظیفہ بھی، اسی لئے ان کی ایک تعداد اس وقت تک مدرسہ سے جانا نہیں چاہتی جب تک کہ ان کے لئے کوئی ٹھکانا اور کوئی معاشی

ذریعہ یعنی کسی مدرسہ یا مکتب کی ملازمت وغیرہ فراہم نہ ہو جائے (اور اکثر بڑے مدارس مختلف عنوانوں سے ان کو اسکی سہولت بھی دیتے ہیں کہ وہ چاہیں تو تفسیر و حدیث سے فراغت کے بعد بھی مزید ایک دو سال تک مدرسہ میں طالب علمانہ حیثیت سے مقیم رہیں) ــــــ اگر مدارس کے عام اساتذہ و معلمین اور وہاں کے مجموعی ماحول پر مقصد کا رنگ غالب ہوتا اور اسکے مطابق طلبہ کے بھی ذہن و سیرت کی تربیت و تعمیر کا کما حقہ انتظام و اہتمام ہوتا تو ان طلبہ کا ذہن و مزاج بھی اسکے مطابق بن جاتا اور یہ اسی رنگ میں رنگ جاتے لیکن اکثر اساتذہ و معلمین اور مدارس کے ماحول میں جو افسوسناک خلا اور کمی اس لحاظ سے ہے اس کا یہ نتیجہ ہے کہ طلبہ مقصد سے جیسے بیگانہ مدارس میں آتے ہیں برسوں وہاں رہنے اور پڑھنے کے باوجود ویسے ہی بیگانہ رہتے ہیں۔ اور "خانہ خالی را دیو میگیرد" کے فطری قانون کے مطابق شیطان ان کو آسانی سے اپنے راستہ پر لگا لیتا ہے، پھر وہ تفسیر و حدیث کی اونچی سے اونچی اور مقدس کتابیں پڑھنے کے باوجود وہ سب کچھ کرتے ہیں جو ایک جاہل عامی کر سکتا ہے۔

دراصل قرآن و حدیث اور علوم دین کے صرف پڑھنے پڑھانے سے آدمی ان کے رنگ میں نہیں رنگ جاتا اگر ایسا ہوتا تو سارے مستشرقین جنھوں نے ہمارے ان علوم کے پڑھنے پڑھانے اور ان کا عمیق و وسیع مطالعہ کرنے میں عمریں کھپائی ہیں اس رنگ میں رنگے ہوتے حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ انھوں نے چونکہ ان علوم کو ہدایت لینے اور ان کا اتباع کرنے کی نیت سے نہیں پڑھا اور اپنے علم و عمل کو ان کا تابع نہیں بنایا اسلئے اس پڑھنے پڑھانے اور عمر بھر ان کا مطالعہ کرنے سے وہ اللہ سے اور اسکے نازل کئے ہوئے دین سے قریب تو کیا ہوتے شاید اور زیادہ دور ہوئے ــــــ آج ہمارے مدارس میں تفسیر و حدیث پڑھنے والے طلبہ، خالص دنیوی کالجوں یونیورسٹیوں میں پڑھنے والے دین و اخلاق سے آزاد طالب علموں، بلکہ کارخانوں اور ملوں کے جاہل مزدوروں کی پست ترین سطح پر اتر کر اپنی نہایت بدسیرتی اور آوارہ مزاجی اور مدارس کے منتظمین اور اکابر و اساتذہ تک کے مقابلہ میں بغاوت و سرکشی کے جو شرمناک مظاہرے کرتے ہیں یہ صرف اسی کا نتیجہ ہے کہ ان کا دینی کتابیں پڑھنا

نہ صحیح نیت اور صحیح غرض سے ہے اور نہ یقین اور اتباع کے ساتھ ہے، اور مدتوں سے خود مدارس کے اساتذہ میں اس کا اہتمام نہیں رہا، ان کے اچھے عنصر میں بھی جو کچھ فکر و اہتمام باقی ہے وہ صرف کتابیں پڑھا دینے کا ہے ـــــ بے شک اس میں مستثنیات بھی ہیں اور وہ مبارک شخصیتیں اپنی ذاتی حیثیت سے منارۂ نور ہیں اور جو کچھ خیر ہمارے مدارس میں باقی ہے، بظاہر انہی کے دم سے باقی ہے لیکن ان کا انفرادی و شخصی وجود اور ان کی فکرمندی فضا کی عمومی خرابی کا تدارک نہیں کرتی اور نہیں کر سکتی علاوہ ازیں اب وہ بھی بظاہر سحر کے ٹمٹماتے چراغ ہیں، کل کو جب یہ بھی ہم میں نہیں رہیں گے تو مدارس کا یہ بگاڑ جو اب کھل کے سامنے آچکا ہے اتنی تیز رفتاری سے ترقی کرے گا کہ اُن کے اس ظاہری نظام اور ڈھانچہ کے خاتمہ میں بھی خدانخواستہ زیادہ دیر نہیں لگے گی ـــــ یہ سنت اللہ ہے اور اس دنیا کا بھی یہ عام قانون ہے کہ جو چیز اپنے مقصد کو پورا کرنے کے قابل نہیں رہتی وہ ختم کردی جاتی ہے اور کوئی اس کا بوجھ اٹھانا نہیں چاہتا۔

اس وقت جن حضرات کے کاندھوں پر دینی مدارس کی ذمہ داری کا بوجھ ہے، ان سب کی خاصکر دارالعلوم دیوبند، مظاہر العلوم سہارنپور، اور دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ جیسے بڑے مدارس کے ذمہ دار حضرات سے ہماری دردمندانہ گزارش ہے کہ ان کے لئے اس بارہ میں سنجیدگی سے سوچنے اور عزم و ہمت کے ساتھ اصلاحی قدم اٹھانے کا یہ آخری وقت ہے۔ ع گر کردن است چارۂ مجنوں کنوں کنید۔

اللہ تعالیٰ اس کام کے لئے آپ حضرات کے سینے کھولے اور آپ کو عزم و ہمت دے تو اس سلسلہ میں سب سے پہلے کرنے کا کام یہی ہے کہ ان مدارس کی فضا کو ایسا بنایا جائے کہ سارا تعلیمی اور تدریسی کام محسوس طور پر اصل مقصد کے لئے ہو، خصوصاً قرآن و حدیث کی تعلیم یقین اور عمل کی فکر و کوشش کے ساتھ ہو، اساتذہ صرف وہی ہوں جن کا خود بھی کسی نہ کسی درجہ میں یہی حال اور یہی رنگ ہو، طلبہ اُن کے حال و قال میں مقصد کی روح دیکھیں اور محسوس کریں۔ جن طلبہ سے ایک مناسب مدت تک تجربہ کے بعد اس لحاظ سے مایوسی ہو اور اُن کا مزاج ورویہ اس نقطۂ نظر سے ٹھیک نہ ہو، اُن کو جواب دیدیا جائے اور مدرسہ میں قیام اور تعلیم جاری رکھنے کی اجازت نہ دی جائے ـــــ ہمارے مدارس میں طلبہ کی تعداد بڑھانے کے لئے رطب و یابس کی بھرتی کا جو رجحان کچھ عرصہ سے پیدا ہو گیا ہے موجودہ حالات میں یہ بہت خطرناک اور بہت سے فتنوں کی جڑ ہے، اس کو فوراً ختم ہونا چاہیے۔

بلکہ طلبا کے لینے اور رکھنے میں ان کی دینی اور اخلاقی حالت کے علاوہ ذہنی صلاحیت اور علمی مناسبت کا لحاظ بھی ضروری ہے، آج ہمارے مدرسوں میں بہت سے ایسے طلبہ کو بھی تفسیر و حدیث کی انتہائی کتابیں پڑھا کر فارغ التحصیل بنایا جاتا ہے اور رواج یا ضابطہ کے مطابق ان کو فراغت و فضیلت کی سند بھی دی جاتی ہے جو بیچارے عبارت بھی صحیح نہیں پڑھ سکتے، اگر پہلے اس معاملہ میں کسی وجہ سے نرمی یا چشم پوشی کی جاتی تھی تو اب ہمارے اس زمانہ میں تو اس کا قطعاً کوئی جواز نہیں، اسی طرح سیرت اور ضروری درجہ کے صلاح و تقوے کے وجود و عدم سے صرف نظر کر کے کسی فارغ التحصیل کو سند دینے کا ایسی حالت میں کیا جواز ہے، جب کہ آنکھیں دیکھ رہی ہیں کہ ان میں کیسے کیسے بدنام کن عناصر موجود ہیں۔

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نے اپنی رپورٹ میں مدارس کے تعلیمی انحطاط اور علمی زوال، اور اس کے نتیجہ میں اچھے اساتذہ کی قلت و نایابی کے مسئلہ پر بھی گفتگو کی تھی اور بلاشبہ یہ بھی بہت اہم مسئلہ ہے لیکن ہمارے نزدیک چونکہ اس کا حل بھی اسی پر موقوف ہے کہ ان میں مقصد کی نئی روح پھونکی جائے اور اس نقطۂ نظر سے ان کے موجودہ نظام کی تجدید کی جائے اس لئے ہم نے تعلیمی زوال و انحطاط کے اس مسئلہ کی اہمیت کو پوری طرح محسوس کرنے کے باوجود ابھی اس سے تعرض نہیں کیا ہے۔

معارف الحدیث

(مسلسل)

چاشت یا اشراق کے نوافل

جس طرح عشاء کے بعد سے لے کر طلوعِ فجر تک کے طویل وقفہ میں کوئی نماز فرض نہیں کی گئی ہے لیکن اس درمیان میں تہجد کی کچھ رکعتیں پڑھنے کی ترغیب دی گئی ہے، اسی طرح فجر سے لے کر ظہر تک کے طویل وقفہ میں بھی کوئی نماز فرض نہیں کی گئی ہے۔ مگر اس درمیان میں "صلوٰۃ الضحیٰ" کے عنوان سے کم سے کم دو اور زیادہ جتنی ہو سکیں نفلی رکعتیں پڑھنے کی ترغیب دی گئی ہے۔ اگر یہ رکعتیں طلوعِ آفتاب کے تھوڑی ہی دیر کے بعد پڑھی جائیں تو ان کو اشراق کہا جاتا ہے اور دن اچھی طرح چڑھنے کے بعد اگر پڑھی جائیں تو ان کو چاشت کہا جاتا ہے ــــــــ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے ان کی حکمت بیان کرتے ہوئے جو کچھ لکھا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ

دن (جو اہلِ عرب کے نزدیک صبح سے یعنی فجر کے وقت سے شروع ہو جاتا ہے اور جو چار چوتھائیوں میں تقسیم ہے، جن کو چار پہر کہتے ہیں) حکمتِ الٰہی کا تقاضا ہوا کہ دن کے ان چار پہروں میں سے کوئی پہر بھی نماز سے خالی نہ رہے، اس لیے پہلے پہر کے شروع میں نمازِ فجر فرض کی گئی اور تیسرے اور چوتھے پہر میں ظہر و عصر اور دوسرا پہر جو عوام الناس کی معاشی مشغولیتوں کی رعایت سے فرض نماز سے

نمالی رکھا گیا تھا اس میں نفل اور مستحب کے طور پر یہ "صلوٰۃ الضحٰی" (نماز چاشت) مقرر کر دی گئی۔ اور اس کے فضائل و برکات بیان کر کے اس کی ترغیب دی گئی کہ جو بندگانِ خدا اپنے مشاغل سے وقت نکال کر اس وقت میں چند رکعتیں پڑھ سکیں وہ یہ سعادت حاصل کریں۔ — پھر یہ صلوٰۃ ضحٰی کم سے کم دو رکعت ہے اور اس سے زیادہ نفع بخش چار رکعت اور اس سے بھی افضل آٹھ رکعت۔"

(حجۃ اللہ البالغہ)

اس تمہید کے بعد صلوٰۃ ضحٰی سے متعلق چند حدیثیں ذیل میں پڑھی جائیں۔

عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یُصْبِحُ عَلٰی کُلِّ سُلَامٰی مِنْ اَحَدِکُمْ صَدَقَۃٌ فَکُلُّ تَسْبِیْحَۃٍ صَدَقَۃٌ وَکُلُّ تَحْمِیْدَۃٍ صَدَقَۃٌ وَکُلُّ تَھْلِیْلَۃٍ صَدَقَۃٌ وَکُلُّ تَکْبِیْرَۃٍ صَدَقَۃٌ وَاَمْرٌ بِالْمَعْرُوْفِ صَدَقَۃٌ وَنَھْیٌ عَنِ الْمُنْکَرِ صَدَقَۃٌ وَیُجْزِئُ مِنْ ذَالِکَ رَکْعَتَانِ یَرْکَعُھُمَا مِنَ الضُّحٰی ——— رواہ مسلم

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے ہر شخص کے جوڑ جوڑ پر صبح کو صدقہ ہے۔ (یعنی صبح کو جب آدمی اس حالت میں اٹھتا ہے کہ اس کے ہاتھ پاؤں وغیرہ اعضاء اور ان کا ہر جوڑ صحیح سلامت ہے تو اللہ کی اس نعمت کے شکریہ میں ہر جوڑ کی طرف سے اسکو صدقہ یعنی کوئی نیکی اور ثواب کا کام کرنا چاہیے اور ایسے کاموں کی فہرست بہت وسیع ہے) پس ایک دفعہ سُبْحَانَ اللّٰہ کہنا بھی صدقہ ہے۔ اور اَلْحَمْدُ لِلّٰہ کہنا بھی صدقہ ہے، اور لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کہنا بھی صدقہ ہے اور اَللّٰہُ اَکْبَرُ کہنا بھی صدقہ ہے اور اَمْرٌ بِالْمَعْرُوْف اور نَھْیٌ عَنِ الْمُنْکَر بھی صدقہ ہے۔ اور اس شکر کی ادائیگی کے لیے دو رکعتیں کافی ہیں جو آدمی چاشت کے وقت پڑھے۔

(صحیح مسلم)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ آدمی کو اپنے ہر جوڑ کی طرف سے شکرانہ کا جو صدقہ ہر روز صبح کو

ادا کرنا چاہیے، چاشت کی دو رکعتیں پڑھنے سے وہ پوری طرح ادا ہو جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس مختصر شکرانہ کو اس کے ہر جوڑ کی طرف سے قبول فرما لیتا ہے۔ اور غالباً اس کی وجہ یہ بھی ہے کہ نماز ایسی عبادت ہے جس میں انسان کے سارے اعضاء اور اس کے تمام جوڑ اور اس کا ظاہر و باطن سب ہی شریک رہتے ہیں۔ واللہ اعلم

عَنْ اَبِی الدَّرْدَاءِ وَاَبِیْ ذَرٍّ قَالَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَنِ اللّٰہِ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی اَنَّہٗ قَالَ یَا ابْنَ اٰدَمَ اِرْکَعْ لِیْ اَرْبَعَ رَکَعَاتٍ مِنْ اَوَّلِ النَّہَارِ اَکْفِکَ اٰخِرَہٗ۔

رواہ الترمذی

حضرت ابو الدرداء اور ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے نقل کیا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اے فرزند آدم! تو دن کے ابتدائی حصہ میں چار رکعتیں میرے لیے پڑھا کر میں دن کے آخری حصہ تک تجھے کفایت کروں گا۔ (جامع ترمذی)

(تشریح) اللہ کا جو بندہ رب کریم کے اس وعدہ پر یقین رکھتے ہوئے صبح یعنی اشراق یا چاشت کے وقت پورے اخلاص کے ساتھ چار رکعتیں اللہ تعالیٰ کے لیے پڑھے گا، انشاء اللہ اس حدیث قدسی کے مطابق وہ ضرور دیکھے گا کہ مالک الملک دن بھر کے اس کے مسائل کو کس طرح حل فرماتا ہے۔

عَنْ مُعَاذَةَ قَالَتْ سَأَلْتُ عَائِشَۃَ کَمْ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یُصَلِّیْ صَلٰوۃَ الضُّحٰی؟ قَالَتْ اَرْبَعَ رَکَعَاتٍ وَیَزِیْدُ مَاشَاءَ اللّٰہُ ـــــــ رواہ مسلم

معاذہ عدویہ بیان کرتی ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چاشت کی نماز کے رکعت پڑھا کرتے تھے؟ انھوں نے فرمایا کہ چار رکعتیں، اور اس سے زیادہ جتنی اللہ چاہتا۔ (صحیح مسلم)

(تشریح) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب چاشت کی نماز پڑھتے تھے تو اکثر چار رکعت پڑھتے تھے اور کبھی کبھی اس سے زیادہ بھی پڑھتے تھے۔ لیکن خود حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا معمول آٹھ رکعت پڑھنے کا تھا اور ان کو یہ رکعتیں اتنی محبوب تھیں کہ فرماتی تھیں "لَوْ نُشِرَ لِيْ اَبَوَايَ مَا تَرَكْتُهَا" (اگر میرے والدین ماجدین پھر سے دنیا میں بھیج دیے جائیں تو ان کی زیارت و ملاقات کی پُرمسرت مشغولیت میں بھی میں ان رکعتوں کو نہیں چھوڑوں گی)

عَنْ اُمِّ هَانِئٍ قَالَتْ اِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ بَيْتَهَا يَوْمَ فَتْحِ مَكَّةَ فَاغْتَسَلَ وَصَلّٰى ثَمَانِيَ رَكَعَاتٍ فَلَمْ اَرَ صَلٰوةً قَطُّ اَخَفَّ مِنْهَا غَيْرَ اَنَّهٗ يُتِمُّ الرُّكُوْعَ وَالسُّجُوْدَ وَقَالَتْ فِيْ رِوَايَةٍ اُخْرٰى وَذَالِكَ ضُحًى ــــ (رواه البخاری ومسلم)

حضرت اُمِّ ہانی بنت ابی طالب رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ کے دن اُن کے گھر تشریف لائے اور وہاں آپ نے غسل فرمایا اور آٹھ رکعتیں پڑھیں، (اور ایسی ہلکی اور مختصر پڑھیں کہ) میں نے کوئی نماز اس سے زیادہ ہلکی نہیں دیکھی، لیکن آپ رکوع سجدہ پوری طرح کرتے تھے ــــ اور اسی حدیث کی ایک دوسری روایت میں ہے کہ یہ وقت چاشت کا تھا۔　　(صحیح بخاری وصحیح مسلم)

عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ حَافَظَ عَلٰى شُفْعَةِ الضُّحٰى غُفِرَتْ لَهٗ ذُنُوْبُهٗ وَاِنْ كَانَتْ مِثْلَ زَبَدِ الْبَحْرِ ــــ رواه احمد والترمذی وابن ماجه

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے دوگانۂ چاشت کا اہتمام کیا اس کے سارے گناہ بخش دیے جائیں گے۔ اگرچہ وہ کثرت میں سمندر کے جھاگوں کے برابر ہوں۔

(مسند احمد، جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ)

(تشریح) عبادات یا دوسرے اعمالِ صالحہ کی برکت سے گناہوں کی بخشش کے بارے میں جو وضاحت پہلے کئی بار کی جا چکی ہے وہ یہاں بھی ملحوظ رہنی چاہیے۔

عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ أَوْصَانِيْ خَلِيْلِيْ بِثَلَاثٍ بِصِيَامِ ثَلٰثَةِ أَيَّامٍ مِنْ كُلِّ شَهْرٍ وَرَكْعَتَيِ الضُّحٰى وَأَنْ أُوْتِرَ قَبْلَ أَنْ أَرْقُدَ

رواہ مسلم

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میرے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے تین باتوں کی خاص وصیت فرمائی ہے، ایک ہر مہینے تین دن کے روزے، اور چاشت کی دو رکعتیں اور تیسرے یہ کہ میں سونے سے پہلے ہی وتر پڑھ لیا کروں۔ (صحیح مسلم)

عَنْ أَبِيْ سَعِيْدٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي الضُّحٰى حَتّٰى نَقُوْلَ لَا يَدَعُهَا وَيَدَعُهَا حَتّٰى نَقُوْلَ لَا يُصَلِّيْهَا۔

رواہ الترمذی

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (کبھی کبھی) چاشت کی نماز (اتنے اہتمام اور پابندی سے) پڑھتے تھے کہ ہم کہتے تھے کہ اب غالباً آپ کبھی نہیں چھوڑیں گے (اور برابر پڑھا ہی کریں گے) اور (کبھی کبھی) اس کو (اس طرح) چھوڑ دیتے تھے کہ ہم کہتے تھے کہ اب (غالباً) آپ اس کو نہیں پڑھیں گے۔ (جامع ترمذی)

(تشریح) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نماز چاشت نہ پڑھنے کی وجہ ہی بیان کرتے ہوئے ایک موقع پر فرمایا تھا کہ — رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بسا اوقات ایسے اعمال بھی ترک فرما دیتے تھے جن کا کرنا آپ کو بہت محبوب ہوتا تھا، اس خطرہ کی وجہ سے کہ آپ کو پابندی سے کرتا دیکھ کر آپ کی تقلید اور پیروی میں عام مسلمان بھی اس کو پابندی سے کرنے لگیں تو اس کی فرضیت کا حکم نہ آجائے"۔ الغرض اشراق اور چاشت جیسے نوافل بسا اوقات آپ اس مصلحت سے ترک

کردیتے تھے، اور ایسے مقصد سے ترک کرنے والے کو ترک کرنے کے زمانے میں بھی عمل کا ثواب برابر ملتا رہتا ہے، اور ظاہر ہے کہ یہ مصلحت صرف آپ سے مخصوص تھی کسی دوسرے کا یہ مقام نہیں ہے۔

وہ نوافل جن کا تعلق خاص حالات سے ہے:-

فرض نمازوں سے پہلے یا بعد میں پڑھے جانے والے نوافل اور اسی طرح تہجد اور اشراق وچاشت یہ سب وہ ہیں جن کے اوقات معین ہیں، لیکن کچھ نوافل وہ ہیں جن کا تعلق خاص اوقات سے نہیں بلکہ خاص حالات سے ہے، جیسے دوگانۂ وضو، جس کو عرفِ عام میں تحیۃ الوضو کہتے ہیں یا تحیۃ المسجد، اسی طرح صلوٰۃ حاجت، صلوٰۃ توبہ اور نماز استخارہ وغیرہ، ظاہر ہے کہ ان میں سے کسی کا بھی کوئی وقت معین نہیں ہے۔ بلکہ جس وقت بھی وہ حالات یا ضروریات پیش آئیں جن سے ان نوافل کا تعلق ہے یہ اسی وقت پڑھے جاتے ہیں ـــــ ان میں سے تحیۃ الوضو سے متعلق حدیثیں وضو کے بیان میں ذکر کی جاچکی ہیں، اسی طرح تحیۃ المسجد سے متعلق احادیث بھی "مساجد کی اہمیت وفضیلت" کے بیان میں مذکور ہو چکی ہیں ـــــ ان کے علاوہ اس نوع کے باقی نوافل سے متعلق حدیثیں ذیل میں پڑھیے!

صلوٰۃ استغفار:-

عَنْ عَلِيٍّ قَالَ حَدَّثَنِي اَبُوْ بَكْرٍ وَّصَدَقَ اَبُوْ بَكْرٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَا مِنْ رَجُلٍ يُذْنِبُ ذَنْبًا ثُمَّ يَقُوْمُ فَيَتَطَهَّرُ ثُمَّ يُصَلِّيْ ثُمَّ يَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ اِلَّا غَفَرَ اللّٰهُ لَهٗ ثُمَّ قَرَءَ وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْا اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ.

ـــــــــــــ رواہ الترمذی

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مجھ سے ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا جو بلاشبہ صادق و صدیق ہیں، کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا آپ فرماتے تھے جس شخص سے کوئی گناہ ہو جائے پھر وہ اُٹھ کر وضو کرے، پھر نماز پڑھے پھر اللہ سے مغفرت اور معافی طلب کرے تو اللہ تعالیٰ اس کو معاف فرما ہی دیتا ہے اس کے بعد آپ نے قرآن مجید کی یہ آیت تلاوت فرمائی ـــ "وَالَّذِينَ إِذَا فَعَلُوا فَاحِشَةً أَوْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ ..... الآیۃ" (جامع ترمذی)

تشریح) یہ آیت جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گناہوں کی مغفرت کے سلسلے میں اس موقع پر تلاوت فرمائی سورۂ آل عمران کی ہے۔ اور اللہ کے اُن متقی بندوں کا ذکر ہے جن کے لیے جنت خاص طور سے تیار کی گئی ہے۔ اس کے بعد یہ آیت ہے۔

وَالَّذِينَ إِذَا فَعَلُوا فَاحِشَةً أَوْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللَّهَ فَاسْتَغْفَرُوا لِذُنُوبِهِمْ، وَمَنْ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ إِلَّا اللَّهُ وَلَمْ يُصِرُّوا عَلَىٰ مَا فَعَلُوا وَهُمْ يَعْلَمُونَ ۝ أُولَٰئِكَ جَزَاؤُهُمْ مَغْفِرَةٌ مِنْ رَبِّهِمْ وَجَنَّاتٌ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا، وَنِعْمَ أَجْرُ الْعَامِلِينَ ۝

(آل عمران۔ ع ۱۴)

اور وہ بندے (جن کا حال یہ ہے) کہ جب ان سے کوئی گندہ گناہ ہو جاتا ہے یا کوئی برا کام کر کے وہ اپنے اوپر ظلم کر بیٹھتے ہیں تو جلد ہی انھیں اللہ یاد آجاتا ہے اور وہ اس سے اپنے گناہوں کی مغفرت اور معافی کے طالب ہوتے ہیں ـــ اور اللہ کے سوا کون ہے گناہوں کا معاف کرنے والا ـــ ـــ اور وہ دیدہ و دانستہ اپنے کیے پر اصرار نہیں کرتے، ایسے لوگوں کی جزا بخشش اور معافی ہے اُن کے رب کی طرف سے اور بہشتی باغات جن کے نیچے نہریں جاری ہیں وہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے، کیا اچھا بدلہ ہے عمل کرنے والوں کا۔

اس آیت میں اُن گنہگار بندوں کے لیے مغفرت اور جنت کی بشارت ہے جنھوں نے معصیت کو عادت اور پیشہ نہیں بنا لیا ہے بلکہ ان کا حال یہ ہے کہ جب ان سے کوئی بڑا یا چھوٹا گناہ ہو جاتا ہے تو وہ اس پر نادم ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو کر اُس سے مغفرت اور معافی کے طالب ہوتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں یہ بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مغفرت اور معافی حاصل کرنے کا بہترین اور پیٹنٹ طریقہ یہ ہے کہ بندہ وضو کر کے پہلے دو رکعت نماز پڑھے اس کے بعد اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی بخشش اور معافی طلب کرے، اگر وہ ایسا کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کی بخشش کا فیصلہ فرما ہی دے گا۔

صلوٰۃ الحاجۃ :-

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ اَبِيْ اَوْفٰى قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ كَانَتْ لَهٗ حَاجَةٌ اِلَى اللّٰهِ اَوْ اِلٰى اَحَدٍ مِّنْ بَنِيْ اٰدَمَ فَلْيَتَوَضَّأْ فَلْيُحْسِنِ الْوُضُوْءَ ثُمَّ لِيُصَلِّ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ لِيُثْنِ عَلَى اللّٰهِ تَعَالٰى وَلْيُصَلِّ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ لِيَقُلْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ الْحَلِيْمُ الْكَرِيْمُ سُبْحَانَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ اَسْئَلُكَ مُوْجِبَاتِ رَحْمَتِكَ وَعَزَائِمَ مَغْفِرَتِكَ وَالْغَنِيْمَةَ مِنْ كُلِّ بِرٍّ وَّالسَّلَامَةَ مِنْ كُلِّ اِثْمٍ لَا تَدَعْ لِيْ ذَنْبًا اِلَّا غَفَرْتَهٗ وَلَا هَمًّا اِلَّا فَرَّجْتَهٗ وَلَا حَاجَةً هِيَ لَكَ رِضًا اِلَّا قَضَيْتَهَا يَا اَرْحَمَ الرّٰحِمِيْنَ۔

——— رواہ الترمذی وابن ماجۃ

حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص کو کوئی حاجت اور ضرورت ہو اللہ تعالیٰ سے متعلق یا کسی آدمی سے متعلق (یعنی خواہ وہ حاجت ایسی ہو جس کا تعلق براہ راست اللہ تعالیٰ ہی سے ہو، کسی بندہ سے اس کا واسطہ ہی نہ ہو، یا ایسا معاملہ ہو کہ بظاہر اُس کا

تعلق کسی بندہ سے ہو، بہر صورت) اس کو چاہیے کہ وہ وضو کرے اور خوب اچھا وضو کرے، اس کے بعد دو رکعت نماز پڑھے، اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی کچھ حمد و ثنا کرے اور اس کے نبی (علیہ السلام) پر درود پڑھے، پھر اللہ کے حضور میں اس طرح عرض کرے لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ الْحَلِيْمُ الْكَرِيْمُ..... الخ (اللہ کے سوا کوئی مالک و معبود نہیں، وہ بڑے علم والا اور بڑا کریم ہے، پاک اور مقدس ہے وہ اللہ جو عرش عظیم کا بھی رب اور مالک ہے، ساری حمد و ستائش اس اللہ کے لیے جو سارے جہانوں کا رب ہے۔ اے اللہ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اُن اعمال اور اُن اخلاق و احوال کا جو تیری رحمت کا موجب اور وسیلہ اور تیری مغفرت اور بخشش کا پکا ذریعہ بنیں اور تجھ سے طالب ہوں ہر نیکی سے فائدہ اٹھانے اور حصہ لینے کا اور ہر گناہ اور معصیت سے سلامتی اور حفاظت کا۔ خداوندا! میرے سارے ہی گناہ بخش دے اور میری ہر فکر اور پریشانی دور کر دے۔ اور میری ہر حاجت جس سے تو راضی ہو اس کو پورا فرما دے۔ اے ارحم الراحمین، سب مہربانوں سے بڑے مہربان!!

(جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ)

(تشریح) یہ ایک حقیقت ہے جس میں کسی مومن کے لیے شک و شبہ کی گنجائش نہیں کہ مخلوقات کی ساری حاجتیں اور ضرورتیں اللہ کے اور صرف اللہ ہی کے ہاتھ میں ہیں، اور بظاہر جو کام بندوں کے ہاتھوں سے ہوتے دکھائی دیتے ہیں در اصل وہ بھی اللہ ہی کے ہاتھ میں ہیں اور اسی کے حکم سے انجام پاتے ہیں اور صلوٰۃ حاجت کا جو طریقہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں تعلیم فرمایا ہے وہ اللہ تعالیٰ سے اپنی حاجتیں پوری کرانے کا بہترین اور مؤثر ترین طریقہ ہے۔ اور جن بندوں کو ان ایمانی حقیقتوں پر یقین نصیب ہے اُن کا یہی تجربہ ہے اور انھوں نے "صلوٰۃ حاجت" کو خزانۂ الٰہیہ کی کنجی پایا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں اُن حاجتوں کے لیے بھی صلوٰۃ حاجت تعلیم فرمائی ہے جن کا تعلق بظاہر کسی بندہ سے ہو، اس کا ایک خاص فائدہ یہ بھی ہے کہ جب بندہ اپنی ایسی حاجات کے لیے بھی صلوٰۃ حاجت پڑھ کر اللہ تعالیٰ سے اس طرح دعا کرے گا تو

اس کا یہ عقیدہ اور یقین اور زیادہ مستحکم ہو جائے گا کہ کام کرنے اور بنانے والا در اصل وہ بندہ نہیں ہے، نہ اس کے کچھ اختیار میں ہے بلکہ سب کچھ اللہ تعالیٰ ہی کے ہاتھ میں ہے اور وہ بندہ اللہ تعالیٰ کا صرف آلہ کار ہے۔ اس کے بعد جب وہ کسی بندہ کے ہاتھ سے کام ہوتا ہوا بھی دیکھے گا تو اس کے توحیدی عقیدہ میں کوئی فرق نہیں آئے گا۔

عَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا حَزَبَهُ أَمْرٌ صَلّٰى ـــــــ رواه ابوداؤد

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مستقل معمول اور دستور تھا کہ جب کوئی فکر آپ کو لاحق ہوتی اور کوئی اہم معاملہ پیش آتا تو آپ نماز میں مشغول ہو جاتے۔ (سنن ابی داؤد)

تشریح) قرآن مجید میں بھی فرمایا گیا ہے "اِسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ" (مشکلات اور مہمات میں) ہمت و برداشت اور نماز کے ذریعہ اللہ کی مدد حاصل کرو) اس خداوندی تعلیم و ہدایت کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ معمول تھا کہ ہر مشکل اور ہر مہم میں اللہ تعالیٰ کی مدد حاصل کرنے کے لیے آپ نماز میں مشغول ہو جاتے تھے اور امت کو اس کا تفصیلی طریقہ آپ نے وہ تعلیم فرمایا جو حضرت عبداللہ بن ابی اوفی والی اوپر کی حدیث میں مذکور ہوا۔

صلوٰۃ استخارہ :-

زندگی میں بسا اوقات ایسے مواقع آتے ہیں کہ آدمی ایک کام کرنا چاہتا ہے لیکن اس کو پورا اطمینان اور اعتماد نہیں ہے کہ اس کا انجام بہتر ہی ہوگا۔ ایسے موقعوں کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز استخارہ تعلیم فرمائی۔

عَنْ جَابِرٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُعَلِّمُنَا الْإِسْتِخَارَةَ فِي الْأُمُوْرِ كَمَا يُعَلِّمُنَا السُّوْرَةَ مِنَ الْقُرْآنِ يَقُوْلُ إِذَا هَمَّ أَحَدُكُمْ بِالْأَمْرِ فَلْيَرْكَعْ رَكْعَتَيْنِ مِنْ غَيْرِ الْفَرِيْضَةِ ثُمَّ لِيَقُلْ ـــ اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَسْتَخِيْرُكَ بِعِلْمِكَ وَ

أَسْتَقْدِرُكَ بِقُدْرَتِكَ وَأَسْئَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ الْعَظِيْمِ فَإِنَّكَ تَقْدِرُ وَلَا أَقْدِرُ وَتَعْلَمُ وَلَا أَعْلَمُ وَأَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ اَللّٰهُمَّ إِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ أَنَّ هٰذَا الْأَمْرَ خَيْرٌ لِّي فِي دِيْنِي وَمَعَاشِي وَعَاقِبَةِ أَمْرِي أَوْ قَالَ فِي عَاجِلِ أَمْرِي وَآجِلِهِ فَاقْدِرْهُ لِي وَيَسِّرْهُ لِي ثُمَّ بَارِكْ لِي فِيْهِ وَإِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ أَنَّ هٰذَا الْأَمْرَ شَرٌّ لِّي فِي دِيْنِي وَمَعَاشِي وَعَاقِبَةِ أَمْرِي أَوْ قَالَ فِي عَاجِلِ أَمْرِي وَآجِلِهِ فَاصْرِفْهُ عَنِّي وَاصْرِفْنِي عَنْهُ وَاقْدِرْ لِيَ الْخَيْرَ حَيْثُ كَانَ ثُمَّ أَرْضِنِي بِهٖ قَالَ وَيُسَمِّي حَاجَتَهٗ ———— (رواہ البخاری)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم کو اپنے معاملات میں استخارہ کرنے کا طریقہ اسی اہتمام سے سکھاتے تھے جس اہتمام سے قرآن مجید کی سورتوں کی تعلیم فرماتے تھے ———— آپ ہم کو بتاتے تھے کہ جب تم میں سے کوئی شخص کسی کام کا ارادہ کرے (اور اس کے انجام کے بارے میں اطمینان نہ ہو تو اس کو اس طرح استخارہ کرنا چاہیے) پہلے وہ دو رکعت نفل پڑھے اس کے بعد اللہ تعالیٰ کے حضور میں اس طرح عرض کرے ———— اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْتَخِيْرُكَ بِعِلْمِكَ وَأَسْتَقْدِرُكَ بِقُدْرَتِكَ...... الخ (اے میرے اللہ! میں تجھ سے تیری صفت علم کے وسیلہ سے خیر اور بھلائی کی رہنمائی چاہتا ہوں اور تیری صفت قدرت کے ذریعہ تجھ سے قدرت کا طالب ہوں اور تیرے عظیم فضل کی بھیک مانگتا ہوں کیونکہ تو قادر مطلق ہے اور میں بالکل عاجز ہوں، اور تو علیم کل ہے اور میں حقائق سے بالکل ناواقف ہوں، اور تو سارے غیبوں سے بھی باخبر ہے، پس اے میرے اللہ اگر تیرے علم میں یہ کام میرے لیے بہتر ہو میرے دین، میری دنیا اور میری آخرت کے لحاظ سے تو اس کو میرے لیے مقدر کر دے اور آسان بھی فرما دے اور پھر اس میں میرے لیے برکت بھی دے، اور اگر تیرے علم میں یہ کام میرے لیے برا ہے (اور اس کا نتیجہ خراب نکلنے والا ہے) میرے

دین، میری دنیا اور میری آخرت کے لحاظ سے تو اس کام کو مجھ سے الگ رکھ اور مجھے اس سے روک دے اور میرے لیے خیر اور بھلائی کو مقدر فرمادے، وہ جہاں اور جس کام میں ہو، پھر مجھے اس خیر والے کام کے ساتھ راضی اور مطمئن کردے۔ ـــــ راوی کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ جس کام کے بارے میں استخارہ کرنے کی ضرورت ہو استخارہ کی دعا کرتے ہوئے صراحۃً اس کا نام لے　　(صحیح بخاری)

(تشریح) جیسا کہ اس دعا کے مضمون سے ظاہر ہے استخارہ کی حقیقت اور اس کی روح یہ ہے کہ بندہ اپنی عاجزی اور بے علمی کا احساس و اعتراف کرتے ہوئے اپنے علیم کل اور قادر مطلق مالک سے رہنمائی اور مدد چاہتا ہے اور اپنے معاملہ کو اس کے حوالہ کر دیتا ہے، کہ جو اس کے نزدیک بہتر ہو بس وہی کر دے۔ اس طرح گویا وہ اپنے مقصد کو اللہ کی مرضی میں فنا کر دیتا ہے، اور جب اس کی یہ دعا دل سے ہو جیسے کہ ہونا چاہیے تو ہو نہیں سکتا کہ اللہ تعالیٰ اپنے اس بندہ کی رہنمائی اور مدد نہ فرمائے۔ حدیث میں اس کا کوئی اشارہ نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رہنمائی بندہ کو کس طرح حاصل ہوگی، لیکن اللہ کے بندوں کا تجربہ ہے کہ یہ رہنمائی بسا اوقات خواب وغیرہ میں کسی غیبی اشارہ کے ذریعہ بھی ہوتی ہے، اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ آپ سے آپ اس کام کے کرنے کا جذبہ اور داعیہ دل میں بڑھ جاتا ہے، یا اس کے برعکس اس کی طرف سے دل بالکل ہٹ جاتا ہے، ایسی صورت میں ان دونوں کیفیتوں کو منجانب اللہ اور دعا کا نتیجہ سمجھنا چاہیے۔ اور اگر استخارہ کے بعد تذبذب کی کیفیت رہے تو استخارہ بار بار کیا جائے، اور جب تک کسی طرف رجحان نہ ہو جائے اقدام نہ کیا جائے ـــ

بہر حال یہ صلوٰۃ استغفار، صلوٰۃ حاجت اور صلوٰۃ استخارہ عظیم نعمتیں ہیں جو اس امت کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ ملی ہیں، اللہ تعالیٰ ہم کو ان سے فائدہ اٹھانے کی توفیق دے۔

صلوٰۃ التسبیح

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ لِلْعَبَّاسِ

بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ يَا عَبَّاسُ يَا عَمَّاهُ أَلَا أُعْطِيكَ أَلَا أَمْنَحُكَ أَلَا أُخْبِرُكَ أَلَا أَفْعَلُ بِكَ عَشْرَ خِصَالٍ إِذَا أَنْتَ فَعَلْتَ ذَالِكَ غَفَرَ اللّٰهُ لَكَ ذَنْبَكَ أَوَّلَهُ وَآخِرَهُ قَدِيمَهُ وَحَدِيثَهُ خَطَأَهُ وَعَمْدَهُ صَغِيرَهُ وَكَبِيرَهُ سِرَّهُ وَعَلَانِيَتَهُ أَنْ تُصَلِّيَ أَرْبَعَ رَكَعَاتٍ تَقْرَءُ فِي كُلِّ رَكْعَةٍ فَاتِحَةَ الْكِتَابِ وَسُورَةً فَإِذَا فَرَغْتَ مِنَ الْقِرَاءَةِ فِي أَوَّلِ رَكْعَةٍ وَأَنْتَ قَائِمٌ قُلْتَ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ أَكْبَرُ خَمْسَ عَشَرَةَ مَرَّةً ثُمَّ تَرْكَعُ فَتَقُولُهَا وَأَنْتَ رَاكِعٌ عَشْرًا ثُمَّ تَرْفَعُ رَأْسَكَ مِنَ الرُّكُوعِ فَتَقُولُهَا عَشْرًا ثُمَّ تَهْوِي سَاجِدًا فَتَقُولُهَا وَأَنْتَ سَاجِدٌ عَشْرًا ثُمَّ تَرْفَعُ رَأْسَكَ مِنَ السُّجُودِ فَتَقُولُهَا عَشْرًا ثُمَّ تَسْجُدُ فَتَقُولُهَا عَشْرًا ثُمَّ تَرْفَعُ رَأْسَكَ فَتَقُولُهَا عَشْرًا فَذَالِكَ خَمْسٌ وَسَبْعُونَ فِي كُلِّ رَكْعَةٍ تَفْعَلُ ذَالِكَ فِي أَرْبَعِ رَكَعَاتٍ إِنِ اسْتَطَعْتَ أَنْ تُصَلِّيَهَا فِي كُلِّ يَوْمٍ مَرَّةً فَافْعَلْ فَإِنْ لَمْ تَفْعَلْ فَفِي كُلِّ جُمُعَةٍ مَرَّةً فَإِنْ لَمْ تَفْعَلْ فَفِي كُلِّ سَنَةٍ مَرَّةً فَإِنْ لَمْ تَفْعَلْ فَفِي عُمُرِكَ مَرَّةً ــــ

رواہ ابوداؤد وابن ماجہ والبیہقی فی الدعوات الکبیر۔ وروی الترمذی عن ابی رافع نحوہ۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن اپنے چچا حضرت عباس بن عبدالمطلب سے فرمایا، اے عباس اے میرے محترم چچا! کیا میں آپ کی خدمت میں ایک گرانقدر عطیہ اور ایک قیمتی تحفہ پیش کروں، کیا میں آپ کو ایک خاص بات بتاؤں، کیا میں آپ کے دس کام اور آپ کی دس خدمتیں کروں (یعنی آپ کو ایک ایسا عمل بتاؤں جس سے آپ کو دس عظیم الشان منفعتیں حاصل ہوں، وہ ایسا عمل ہے کہ) جب آپ اس کو کریں گے تو اللہ تعالیٰ آپ کے سارے گناہ معاف فرمائے گا۔ اگلے بھی اور پچھلے بھی، پرانے بھی اور نئے بھی، بھول چوک سے ہونے والے بھی اور دانستہ

ہونے والے بھی، صغیرہ بھی اور کبیرہ بھی، ڈھکے چھپے بھی اور علانیہ ہونے والے بھی (وہ عمل صلوٰۃ التسبیح ہے اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ) آپ چار رکعت نماز پڑھیں اور ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ اور دوسری کوئی صورت پڑھیں، پھر جب آپ پہلی رکعت میں قرأت سے فارغ ہو جائیں تو قیام ہی کی حالت میں پندرہ دفعہ کہیں "سُبْحَانَ اللّٰہِ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ وَلَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ" پھر اس کے بعد رکوع کریں اور رکوع میں بھی یہی کلمہ دس دفعہ پڑھیں۔ پھر رکوع سے اٹھ کر قومہ میں بھی یہی کلمہ دس دفعہ کہیں، پھر سجدہ میں چلے جائیں اور اس میں بھی یہ کلمہ دس دفعہ کہیں، پھر سجدہ سے اٹھ کر جلسہ میں یہی کلمہ دس دفعہ کہیں، پھر دوسرے سجدہ میں بھی یہی کلمہ دس دفعہ کہیں، پھر دوسرے سجدہ کے بعد بھی (کھڑے ہونے سے پہلے) یہ کلمہ دس دفعہ کہیں۔ چاروں رکعتیں اسی طرح پڑھیں اور اس ترتیب سے ہر رکعت میں یہ کلمہ پچھتر دفعہ کہیں ——— (میرے چچا) اگر آپ سے ہو سکے تو روزانہ یہ نماز پڑھا کریں اور اگر روزانہ نہ پڑھ سکیں تو ہر جمعہ کے دن پڑھ لیا کریں اور اگر آپ یہ بھی نہ کر سکیں تو سال میں ایک دفعہ پڑھ لیا کریں اور اگر یہ بھی نہ ہو سکے تو کم از کم زندگی میں ایک دفعہ پڑھ ہی لیں۔"

(سنن ابی داؤد، سنن ابن ماجہ، دعوات کبیر للبیہقی)

(تشریح) کتب حدیث میں صلوٰۃ التسبیح کی تعلیم و تلقین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے متعدد صحابۂ کرام سے روایت کی گئی ہے ——— امام ترمذی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم اور آزاد کردہ غلام حضرت ابو رافع کی روایت اپنی سند سے نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ ان کے علاوہ حضرت عبداللہ بن عباس اور عبداللہ بن عمرو اور فضل بن عباس نے بھی اس کو روایت کیا ہے۔ حافظ ابن حجر نے اپنی کتاب "الخصال المکفرۃ" میں ابن الجوزی کا رد کرتے ہوئے[1] "صلوٰۃ التسبیح" کی روایات اور ان کی سندی حیثیت پر تفصیل سے کلام کیا ہے اور ان

[1] علامہ ابن الجوزی جن کا تشدد احادیث کے بارہ میں مشہور و معروف ہے اور جو بہت سی ایسی حدیثوں کو بھی موضوع کہہ دیتے ہیں جو دوسرے محدثین کے نزدیک ثابت ہیں، انھوں نے "صلوٰۃ التسبیح کی ترغیب و تلقین والی اس حدیث کو موضوع کہا ہے۔ حافظ ابن حجر نے اپنی کتاب "الخصال المکفرۃ" میں خاصی تفصیل سے اس کا رد کیا ہے۔"

کی بحث کا حاصل یہ ہے کہ یہ حدیث کم از کم "حسن" یعنی صحت کے لحاظ سے دوم درجہ کی ضرور ہے۔ اور بعض تابعین اور تبع تابعین حضرات سے (جن میں عبداللہ بن مبارک جیسے جلیل القدر امام بھی شامل ہیں) صلوٰۃ التسبیح کا پڑھنا اور اس کی فضیلت بیان کر کے لوگوں کو اس کی ترغیب دینا بھی ثابت ہے اور یہ اس کا واضح ثبوت ہے کہ ان حضرات کے نزدیک بھی "صلوٰۃ التسبیح" کی تلقین اور ترغیب کی حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت تھی۔ اور زمانہ مابعد میں تو یہ صلوٰۃ التسبیح اکثر صالحین اُمت کا معمول رہا ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہؒ نے اس نماز کے بارے میں ایک خاص نکتہ لکھا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نمازوں میں (خاص کر نفلی نمازوں میں) بہت سے اذکار اور دعائیں ثابت ہیں، اللہ کے جو بندے ان اذکار اور دعاؤں پر ایسے قابو یافتہ نہیں ہیں کہ اپنی نمازوں میں ان کو پوری طرح شامل کر سکیں اور اس وجہ سے ان اذکار و دعوات والی کامل ترین نماز سے وہ بے نصیب رہتے ہیں اُن کے لیے یہی صلوٰۃ التسبیح اس کامل ترین نماز کے قائم مقام ہو جاتی ہے کیونکہ اس میں اللہ کے ذکر اور تسبیح و تحمید کی بہت بڑی مقدار شامل کر دی گئی ہے۔ اور چونکہ ایک ہی کلمہ بار بار پڑھا جاتا ہے اس لیے عوام کے لیے بھی اس نماز کا پڑھنا مشکل نہیں ہے۔

صلوٰۃ التسبیح کا جو طریقہ اور اس کی جو ترتیب امام ترمذی وغیرہ نے حضرت عبداللہ بن مبارک سے روایت کی ہے اس میں دوسری عام نمازوں کی طرح قرأت سے پہلے ثنا یعنی "سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ" الخ اور رکوع میں "سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيْم" اور سجدہ میں "سُبْحَانَ رَبِّيَ الْاَعْلٰى" پڑھنے کا بھی ذکر ہے، اور ہر رکعت کے قیام میں قرأت سے پہلے کلمہ "سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ" پندرہ دفعہ اور قرأت کے بعد رکوع میں جانے سے پہلے یہی کلمہ دس دفعہ پڑھنے کا بھی ذکر ہے اس طرح ہر رکعت کے قیام میں یہ کلمہ پچیس دفعہ ہو جائے گا اور اس طریقہ میں دوسرے سجدہ کے بعد یہ کلمہ کسی رکعت میں بھی نہیں پڑھا جائے گا۔ اس طرح اس طریقہ کی ہر رکعت میں بھی اس کلمہ کی مجموعی تعداد پچھتر اور چاروں رکعتوں کی مجموعی تعداد تین سو ہی ہو گی ——— بہرحال صلوٰۃ التسبیح کے یہ دونوں ہی طریقے منقول اور معمول ہیں، پڑھنے والے کے لیے گنجائش ہے جس طرح چاہے پڑھے۔

صلوٰۃ التسبیح کی تاثیر اور برکت

نماز کے ذریعہ گناہوں کے معاف ہونے اور معصیات کے گندے اثرات کے زائل ہونے کا ذکر تو اصولی طور پر قرآن مجید میں بھی فرمایا گیا ہے: اَقِمِ الصَّلٰوۃَ طَرَفَیِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ اللَّیْلِ اِنَّ الْحَسَنٰتِ یُذْهِبْنَ السَّیِّاٰتِ (ہود ع ۱۰) لیکن اس تاثیر میں "صلوٰۃ التسبیح" کا جو خاص مقام اور درجہ ہے وہ حضرت عبداللہ بن عباس کی مندرجہ بالا حدیث میں پوری صراحت کے ساتھ ذکر کر دیا گیا ہے۔ یعنی یہ اس کی برکت سے بندہ کے اگلے، پچھلے، پرانے، نئے، دانستہ، نادانستہ، صغیرہ کبیرہ، پوشیدہ، علانیہ، سارے ہی گناہ اللہ تعالیٰ معاف فرما دیتا ہے۔ اور سنن ابی داؤد کی ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ایک صحابی (عبداللہ بن عمرؓ) کو صلوٰۃ التسبیح کی تلقین کرنے کے بعد ان سے فرمایا۔

فَاِنَّكَ لَوْ كُنْتَ اَعْظَمَ اَهْلِ	تم اگر بالفرض دنیا کے سب سے بڑے
الْاَرْضِ ذَنْبًا غُفِرَ لَكَ بِذٰلِكَ	گنہگار ہو گے تو بھی اس کی برکت سے
	اللہ تعالیٰ تمھاری مغفرت فرمادے گا۔

اللہ تعالیٰ محرومی سے حفاظت فرمائے اور اپنے اُن خوش نصیب بندوں میں سے کردے جو رحمت و مغفرت کے ایسے اعلانات کو سن کر اُن سے فائدہ اٹھاتے اور ان کا حق ادا کرتے ہیں۔

تجلیات مجدد الف ثانیؒ

مکتوبات کے آئینے میں

مکتوب (۵۴) [مشائخ عصر میں سے ایک صاحب کے نام اُن کے ایک سوال کے جواب میں]

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ۔ آپ نے اپنی اس حالت کا علاج دریافت کیا ہے کہ جب میں عبادت و ریاضت میں مشغول ہوتا ہوں تو نفس میں یہ احساس اور غرور پیدا ہوتا ہے کہ میں بہت ہی نیک اور بڑا عبادت گزار ہوں اور جب مجھ سے کوئی حرکت خلافِ شرع سرزد ہو جاتی ہے تو مجھ میں خاکساری و لاچاری کا احساس پیدا ہوتا ہے۔

مکرما! دوسری صورت میں خاکساری و لاچاری کا جو احساس پیدا ہوتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے اور اس ندامت کا نتیجہ ہے جو توبہ کا ایک شعبہ ہے اگر معاذ اللہ خلافِ شرع کام کے بعد ندامت بھی پیدا نہ ہو اور گناہ کے بعد بھی نفس خوش اور مگن رہے تو یہ گناہ پر اصرار ہے۔ اور صغیرہ پر اصرار کبیرہ تک پہونچا دیتا ہے اور کبیرہ پر اصرار تو کفر کی دہلیز ہے۔ بہرحال گناہ ہو جانے کے بعد ذلت و خواری کا جو احساس پیدا ہوتا ہے یہ نعمت الٰہی ہے اس کا شکر ادا کرنا چاہیے۔ تاکہ اس کیفیت میں اور ترقی و اضافہ ہو اور وہ گناہ کے ارتکاب سے باز رکھے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ "لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ" (اگر تم میری نعمتوں کا شکر ادا کروگے تو میں اور زیادہ نعمتوں سے تم کو نوازوں گا)

اور پہلی حالت جو آپ نے لکھی ہے (کہ عبادت و ریاضت کرنے سے غرور اور بالاتری کا احساس پیدا ہوتا ہے) یہ دراصل عُجب کی کیفیت ہے اور یہ سم قاتل اور مہلک مرض ہے جو اعمالِ صالحہ کو اس طرح نیست و نابود کر دیتا ہے جس طرح آگ لکڑی کو جلا کر راکھ کر دیتی ہے۔
اور اس بیماری کا بنیادی سبب یہ ہوتا ہے کہ آدمی اپنی عبادت وغیرہ اعمالِ صالحہ کو بہت اچھا اور قیمتی سمجھتا ہے اور اس کا علاج اس کے برخلاف رویہ اختیار کرنا ہے اور وہ یہ کہ آدمی اپنے اعمالِ حسنہ کو بدگمانی کی نظر سے دیکھے اور اُن کے اندر جو خرابیاں اور برائیاں چھپی ہوئی ہیں اُن پر نظر جائے، پھر وہ محسوس کرے گا کہ اس کے وہ اعمال قابلِ قبول ہی نہیں ہیں اور وہ خود بھی مقبولوں میں نہیں ہے، بلکہ مردودوں میں سے ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے

"بہت سے لوگ ہیں کہ وہ قرآن پڑھتے ہیں اور قرآن اُن پر لعنت کرتا ہے۔"

اور ایک دوسری حدیث میں ہے

"کتنے ہی روزہ رکھنے والے ہیں جن کا حال یہ ہے کہ ان کے روزہ کا حاصل بھوک پیاس کے سوا کچھ بھی نہیں اور کتنے ہی تہجد گزار ہیں جن کے تہجد کی حقیقت اور اس کا انجام بے خوابی اور بیداری کے علاوہ کچھ بھی نہیں۔"

کسی کو اس فریب میں مبتلا نہ ہونا چاہیے کہ اس کے اعمالِ حسنہ خرابی سے خالی ہیں، — ذرا بھی غور و توجہ سے اگر وہ دیکھے گا تو اللہ تعالیٰ کی توفیق سے اپنے اعمالِ حسنہ میں ساری خرابیاں دیکھ لے گا اور حسن و خوبی کی بو بھی ان میں محسوس نہ کرے گا۔ کیا عُجب اور کہاں کا احساسِ بالاتری بلکہ اپنے ان اعمال کی چھپی ہوئی خرابیوں اور کوتاہیوں کے احساس سے وہ شرمندہ اور دل شکستہ ہوگا اور یہی چیز اس کے اعمال کی قیمت عنداللہ بڑھا دے گی اور ان کو قابلِ قبول بنا دے گی، بس اس کی کوشش کریں کہ اپنے اعمال کی چھپی ہوئی خرابیوں اور کوتاہیوں کو دیکھنے اور محسوس کرنے کی عادت ہو جائے — اس کے بغیر کچھ حاصل نہیں ——— اللہ کے جن بندوں کو یہ بات پوری طرح نصیب ہو جاتی ہے وہ ایسا محسوس کرنے لگتے ہیں کہ ان کی نیکیوں کا لکھنے والا داہنی طرف کا فرشتہ بالکل معطل اور بے کار بیٹھا ہے اور ان کے نامۂ اعمال میں ایک نیکی بھی نہیں لکھی جا رہی ہے اور گناہوں کا لکھنے والا بائیں جانب کا فرشتہ برابر لکھنے میں مشغول ہے اور ہر عمل

سراسر قصور اور گناہ ہے اور وہ فرشتہ ہر عمل کو گناہوں کے خانہ میں لکھتا ہے ـــــ جب عارف اس سرحد پہ پہونچ جاتا ہے تو کیا بتایا جائے کہ رب کریم کی طرف سے اس کے ساتھ کیا معاملہ ہوتا ہے ع۔

قلم اینجا رسید و سر بشکست (یہاں پہونچ کے قلم ٹوٹ گیا آگے کچھ لکھنے کے قابل نہیں رہا۔)

مکتوب ۵۵۔ صاحبزادگان گرامی قدر خواجہ محمد سعیدؒ و خواجہ محمد معصوم کے نام۔

(اس بیان میں کہ دراصل قرآن مجید ہی تمام احکام شرعیہ کا اصل ماخذ ہے، پھر اس ضمن میں اجتہاد اور الہام کے بارے میں خاص تحقیقات اور ائمہ مجتہدین میں سے امام اعظم ابوحنیفہ اور ان کی فقہ کا امتیاز ـــــ)

الحمد للّٰہ وسلامٌ علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ۔

قرآن مجید تمام احکام شرعیہ کو جامع اور ان پر حاوی ہے ...... البتہ شریعت کے بعض احکام وہ ہیں جو قرآن مجید کے عبارۃ النص یا اشارۃ النص یا اقتضاء النص سے سمجھے جاتے ہیں اور اس وجہ سے تمام عربی داں کسی حد تک ان کو سمجھ سکتے ہیں، اور بعض احکام وہ ہیں جو اجتہاد اور استنباط کی راہ سے سمجھ میں آتے ہیں، قرآن مجید سے ان احکام کا فہم و استنباط صرف ائمہ مجتہدین کا حصہ ہے ......

اور ایک تیسری قسم احکام کی اور بھی ہے اور وہ وہ احکام ہیں جنکو (قرآن مجید سے) کوئی انسان اپنی ذاتی یا اجتہادی صلاحیت سے خود نہیں سمجھ سکتا جب تک کہ قرآن مجید کا نازل کرنے والا حق تعالیٰ خود نہ بتلائے اور یہ صرف پیغمبروں کا حصہ ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شریعت کے جو احکام تعلیم فرمائے ہیں ان کی نوعیت یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی خاص تفہیم سے آپ نے ان کو خود قرآن مجید سے سمجھا ہے اور اپنی طرف سے بیان فرمایا ہے، اسی لیے ان احکام کو حدیث اور سنت کی طرف منسوب کیا جاتا ہے، کیونکہ یہ امت کو بظاہر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث

اور سنت ہی سے معلوم ہوتے ہیں۔ اگرچہ ان کا اصل ماخذ بھی قرآن مجید ہی ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی مخصوص تعلیم اور تفہیم سے ان احکام کو قرآن ہی سے سمجھا ہے ....

(اس کے بعد حضرات انبیاء علیہم السلام اور حضرات مجتہدین کرام کے اجتہاد کے بارے میں ایک نہایت دقیق اور تفصیلی بحث فرمانے کے بعد اور یہ بتلانے کے بعد کہ بعض اوقات کامل مجتہد کے اجتہاد کی بنیاد اتنی دقیق اور غامض ہوتی ہے کہ عام اہل علم اور بہت سے اصحاب اجتہاد کے لیے بھی اس کا سمجھنا مشکل ہوتا ہے، فرماتے ہیں) حضرت عیسیٰ علیہ السلام اخیر زمانہ میں جب نزول فرما ہوں گے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت و سنت ہی کا اتباع کریں گے اور اجتہادی مسائل میں مجتہدین کی طرح اجتہاد سے بھی کام لیں گے، اور بعید نہیں ہے کہ بہت سے ظاہر بیں علماء ان کے اجتہاد کی بنیاد اور ماخذ کے دقیق ہونے کی وجہ سے ان سے اتفاق نہ کریں، جیسا کہ امام اعظم ابو حنیفہؒ کے ساتھ ہوا ہے کہ ورع و تقویٰ اور سنت نبویؐ کے کامل اتباع کی برکت سے وہ اجتہاد و استنباط کے اس مقام عالی پر فائز ہوئے جہاں دوسرے نہیں پہونچ سکے، بلکہ دوسروں کو اس کا سمجھنا بھی مشکل ہو گیا۔ اور اسی وجہ سے بہت سے لوگوں نے ان کو کتاب و سنت کا مخالف جانا، اور ان کا اور اُن کے خاص تلامذہ کا نام ہی "اصحاب رائے" رکھ دیا۔ یہ سب کچھ اس لیے ہوا کہ ان کی بالغ نظری اور ان کی فقیہانہ فراست و درایت کے مقام کو نہیں سمجھا جا سکا۔ حضرت امام شافعیؒ نے ان کے اجتہاد و تفقہ کی گہرائی اور باریکی کو کسی درجہ میں سمجھا تو اعتراف کیا، اور کہا "الفقہاء کلہم عیال ابی حنیفہ" (سارے فقہاء اور مجتہدین امام ابو حنیفہ کے آل و عیال ہیں) افسوس ہے ان لوگوں کی جسارت بے جا پر جو اپنے قصور نظر کی وجہ سے دوسروں میں قصور دیکھتے ہیں۔

قاصرے گر کند ایں قافلہ را طعن قصور — حاشَ للہ کہ برآرم بزباں ایں گلہ را

ہمہ شیران جہاں بستۂ ایں سلسلہ اند — روبہ از حیلہ چساں بگسلد ایں سلسلہ را

اور حضرت عیسیٰ روح اللہ اور امام اعظم ابو حنیفہ کے طریقۂ اجتہاد میں جو مناسبت اور یکسانی ہے، غالباً اسی کی وجہ سے ایسا ہو گا (جیسا کہ خواجہ محمد پارسا نے "فصول ستہ" میں لکھا ہے کہ

حضرت عیسیٰ علیہ السلام جب آخیر زمانہ میں نازل ہوں گے تو ان کا عمل مسلک حنفی کے مطابق ہوگا یعنی ان کا اجتہاد امام ممدوح کے اجتہاد کے موافق ہوگا۔ یہ بات نہیں کہ وہ مذہب حنفی کی تقلید پیروی کریں گے، ان کا مقام اس سے بہت بلند ہے کہ امت کے کسی عالم اور مجتہد کی تقلید فرمائیں ــــــ بلا شائبہ تعصب اور بغیر کسی بناوٹ کے کہا جاتا ہے کہ اس مذہب حنفی کی نورانیت نظر کشفی میں ایک عظیم دریا کی طرح نظر آتی ہے، اور دوسرے مجتہدین کے مذاہب تالابوں اور چھوٹی نہروں کی شکل میں دکھائی دیتے ہیں۔ ساری دنیا کے مسلمانوں کا سواد اعظم فقہ حنفی کی پیروی کرتا ہے۔ علاوہ ازیں یہ سلک اصول و فروع میں دوسرے تمام مسلکوں کے مقابلہ میں ایک خاص امتیاز رکھتا ہے ...... عجیب معاملہ ہے امام ابوحنیفہ کا قدم حدیث وسنت کی پیروی میں سب سے آگے ہے۔ یہاں تک کہ وہ مرسل حدیثوں کو مسند حدیثوں کی طرح واجب الاتباع سمجھتے ہیں اور اپنی رائے اور قیاس کے مقابلہ میں مقدم رکھتے ہیں، اسی طرح صحابۂ کرام کے اقوال اور فتاوی کو اپنی رائے کے مقابلہ میں مقدم اور واجب الاتباع مانتے ہیں، دوسرے حضرات کا طریقہ یہ نہیں ہے، اس کے باوجود مخالفین ان کو "صاحب رائے" کہتے ہیں۔ اور ایسے الفاظ سے ان کو یاد کرتے ہیں جو حد ادب سے نکل جاتے ہیں۔ .... حق سبحانہ تعالیٰ ان کو توفیق دے کہ دین کے اس امام اور پیشوا کے ساتھ وہ اپنے رویّہ کو صحیح کریں۔ اور اپنی تیز کلامیوں سے اسلام کے سواد اعظم کو ایذا نہ پہونچائیں۔ ...... افسوس! کچھ لوگ جو خود کمال علمی سے محروم ہیں چند حدیثیں یاد کرکے اور شریعت کے احکام کو انھیں میں منحصر سمجھ کر اپنے کو ہمہ داں سمجھنے لگے ہیں۔ اور جو کچھ خود نہیں جانتے ہیں اپنے کو اس کی نفی اور انکار کا حقدار سمجھتے ہیں۔

چو آں کرمے کہ در سنگے نہان است زمین و آسمان او ہمان است

افسوس ہے ان کے بے جا تعصب پر اور ان کی حقیقت ناشناس نگاہ پر ..... لیکن مذہب حنفی کے بارے میں اپنے اس یقین و اطمینان اور عملاً اس کے التزام کے باوجود مجھے حضرت امام شافعیؒ سے ذاتی محبت ہے اور میرے دل میں ان کی بڑی عظمت ہے اور اسی لیے بعض نفلی اعمال میں میں ان کے مسلک کی پیروی کرتا ہوں، لیکن کیا کروں کہ دوسرے حضرات

کو ان کی کمالِ عظمت اور کمالِ تقویٰ کے باوجود امام اعظم ابوحنیفہ کے سامنے بچوں کے رنگ میں دیکھتا ہوں (در رنگِ طفلاں مے یابم) والامر الی اللہ سبحانہ......

اس طویل تمہید کے بعد اب ہم اصل بات کی طرف آتے ہیں........ یہ بات تو معلوم اور ثابت ہو چکی کہ احکامِ شرعیہ کے ثبوت میں اعتبار بس کتاب و سنت اور مجتہدین کے قیاس اور اجماعِ اُمت کا ہے۔ ان چار دلائلِ شرعیہ کے بعد کوئی پانچویں دلیل نہیں ہے جس سے کوئی حکمِ شرعی ثابت کیا جا سکے۔ مقربینِ بارگاہِ خداوندی کا الہام اور اہلِ قلوب کا کشف ایسی چیز نہیں ہے جس سے کسی چیز کی حلت و حرمت یا اس کا فرض یا سنت ہونا ثابت کیا جا سکے خواصِ اولیاء اللہ کو مجتہدین کی تقلید اسی طرح ضروری ہے جس طرح عام مسلمانوں کو، کشف و الہام کی وجہ سے وہ مجتہدین کی تقلید کے دائرہ سے باہر نہیں جا سکتے۔ ذوالنون مصری، بایزید بسطامی اور جنید و شبلی، اجتہادی اور فقہی احکام میں زید، عمر، بکر، خالد وغیرہ، عام مسلمانوں کی طرح مجتہدین کی تقلید کے پابند ہیں، عام مسلمانوں کے مقابلہ میں ان اکابر کی فضیلت دوسری باتوں میں ہے۔ یہ اصحابِ کشف و مشاہدہ ہیں۔ تجلیات اور ظہورات ان کا خاص حصہ ہیں، ان کا حال یہ ہے کہ محبوبِ حقیقی جل جلالہٗ کی محبت سے سرشار ہو کر یہ اس کے ماسوا سے کٹ گئے ہیں اور غیر کی دید و دانش سے آزاد ہو گئے ہیں، اُسی سے واصل ہیں اور وہی اور صرف وہی ان کو حاصل ہے۔ دنیا میں رہ کر دنیا سے بے تعلق ہیں اور خود اپنے کو بھی بھلا دیا ہے۔ جیتے ہیں تو بس اس کے لیے جیتے ہیں اور مرتے ہیں تو بس اس کے لیے مرتے ہیں..... ان کا الہام صحیح ہوتا ہے اور ان کو ایک طرح کا شرفِ ہم کلامی حاصل ہوتا ہے، ان کے خواص اور اکابر کے قلوب میں اللہ تعالیٰ خاص معارف و اسرار براہِ راست القا فرماتا ہے اور معارف اور اسرار کے اس خاص دائرہ میں یہ اپنے الہام کی اسی طرح پیروی کرتے ہیں جس طرح مجتہد اپنے اجتہاد کی پیروی کرتا ہے....... بہرحال اولیاءِ عارفین کے یہ علوم و معارف اللہ تعالیٰ کا خاص انعام ہیں۔ جن سے حق تعالیٰ اپنے ان خاص بندوں کو نوازتا ہے، اگرچہ یہ بھی احکامِ شرعیہ کی پیروی کے ثمرات ہوتے ہیں، اور جس طرح درخت کے بغیر پھل کی توقع کرنا بے وقوفی کی بات ہے، اسی طرح شریعت کی پیروی کے بغیر معارف اور اسرارِ الٰہی کی تمنا

کرنا بھی سراسر بے عقلی اور حقیقت ناشناسی ہے، بہرحال جو شریعت کی پیروی نہیں کرتا وہ معرفت سے بے نصیب ہے، اور اگر کوئی چیز معرفت کے قبیل کی محسوس کرتا ہے تو وہ معرفت نہیں استدراج ہے جو جوگیوں اور سادھوؤں کو بھی حاصل ہو جاتا ہے" کل حقیقة ردته الشریعة فھو زندقة والحاد"........ بہرحال یہ ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات اور افعال کے بارہ میں خاصانِ خدا کے قلوب پر کچھ ایسے معارف اور اسرار و حقائق وارد ہوں جن سے شریعت ساکت ہو، یا اپنے ذاتی حرکات و سکنات کے بارہ میں وہ اللہ تعالیٰ کا اذن یا غیر اذن، مرضی یا نامرضی محسوس کریں، (ان باتوں کا چونکہ احکام شرعیہ سے تصادم نہیں ہوتا اس لیے) یہ حضرات اپنے ذاتی رویہ میں اپنے ان الہامی معارف اور وجدان کی پیروی کرتے ہیں اور اس طرح ان حضرات کی عام حرکات و سکنات بجائے خواہشِ نفس کے اللہ تعالیٰ کی مرضی اور اس کے اذن و حکم سے وابستہ ہو جاتی ہیں........ اسی سے ان بزرگوں کی بلند مقامی کو سمجھا جا سکتا ہے......

مکتوبات حضرت خواجہ شرف الدین یحییٰ منیریؒ

رفیق محترم مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی زیر طبع تالیف "تاریخ دعوت و عزیمت جلد سوم" میں ہندوستان کے دو بزرگوں کی دینی خدمات اور ان کے ایمان افروز حالات کا تفصیل سے تذکرہ کیا گیا ہے، ایک محبوب الٰہی خواجہ نظام الدین اولیاءؒ اور دوسرے مخدوم الملک خواجہ شرف الدین یحییٰ منیری بہاریؒ، حضرت محبوب الٰہی سے متعلق حصہ کے بعض اجزاء الفرقان کی گزشتہ ۳-۴ اشاعتوں میں ناظرین الفرقان کی خدمت میں پیش کیے جاتے رہے ہیں، آج دوسرے حصہ کے وہ چند صفحات نذر ناظرین کیے جا رہے ہیں جن میں حضرت مخدوم الملک بہاریؒ کے مجموعہ مکتوبات کا تعارف کرایا گیا ہے۔ حضرت مخدوم الملک کے مقام اور کام کو جاننے اور سمجھنے کا سب سے بڑا ذریعہ ان کے نورانی مکاتیب ہی ہیں جن کی سطر سطر سے ایمان و یقین اور علم و معرفت کا نور پھوٹتا محسوس ہوتا ہے ——— نعمانی

حضرت خواجہ کے مکتوبات اور ان کا علمی و ادبی پایہ

حضرت مخدومؒ کی زندہ یادگار اور ان کے علوم و کمالات کا آئینہ ان کے مکتوبات کا وہ نادر مجموعہ ہے جو نہ صرف اس عصر کی تصنیفات میں بلکہ معارف و حقائق کے پورے اسلامی ذخیرے میں خاص امتیاز رکھتا ہے، علم کی گہرائی، تحقیقات کی ندرت، مشکلات کی عقدہ کشائی، ذاتی تجربات، اذواق صحیحہ، مجتہدانہ علم و نظر، کتاب و سنت کے صحیح و عمیق فہم، مقام نبوت کی رفعت و عظمت کے بیان، شریعت کی حمایت اور وجد انگیز نکات، اور شرحی لطائف کے اعتبار سے (ہمارے محدود علم میں) پورے اسلامی کتب خانہ میں حضرت مخدوم کے مکاتیب اور مکتوبات امام ربانی کی نظیر نظر نہیں آتی، ان مکاتیب کے مطالعہ سے

اندازہ ہوتا ہے کہ اُمتِ محمدیہ کے محققین و عارفین کے علم و فکر کی رسائی کن بلندیوں تک ہو، اور انھوں نے معرفتِ الہٰی، ایمان و یقین، مشاہدہ و ادراک، تصفیۂ قلب و تزکیۂ نفس، روح کی لطافت و ذکاوت، اخلاق کی باریکیوں اور نفس انسانی کی کمزوریوں اور غلطیوں کے دریافت میں کہاں تک ترقیات و فتوحات حاصل کیں اور ان کی ذکاوت اور قوتِ فکریہ کے طائر بلند پرواز نے کن کن بلند شاخوں پر اپنا نشیمن بنایا اور کن کن فضاؤں میں پرواز کی۔

علوم و معارف کے علاوہ یہ مکاتیب زورِ قلم، قوتِ بیانی اور حسنِ انشار کا بھی اعلیٰ نمونہ ہیں اور ان کے بہت سے ٹکڑے اس قابل ہیں کہ دنیا کے بہترین ادبی نمونوں میں شامل اورادب عالی میں شمار کیے جائیں۔ دنیا کی اکثر زبانوں اور علم و ادب کے بارے میں یہ زیادتی کی گئی ہو کہ صرف ان شخصیتوں کو ادیب، صاحب اسلوب اور انشار پرداز تسلیم کیا گیا ہے اور انھیں کی تحریر اور نتائج فکر کو ادب کے نمونہ کی حیثیت سے پیش کیا گیا ہے جنھوں نے ادب اور انشار کو ایک پیشہ یا ذریعۂ اظہار کمال کے طور پر انتخاب کیا یا جو قدیم زمانہ میں سرکار دربار سے متعلق تھے اور کوئی تحریری خدمت ان کے سپرد تھی۔ یا جنھوں نے انشار میں صناعی اور تکلف سے کام لیا۔ اس کا نتیجہ ہے کہ عربی ادب کی تاریخ میں انشا پرداز صاحب اسلوب کی حیثیت سے ہمیشہ عبد الحمید الکاتب، ابو اسحاق الصابی، ابن العمید، صاحب ابن عباد، ابو بکر خوارزمی، ابو القاسم حریری، اور قاضی فاضل کا نام لیا جاتا ہے۔ حالانکہ ان کی تحریروں کا بڑا حصہ مصنوعی زندگی اور روح سے محروم اور تاثیر سے خالی ہے۔ ان کے مقابلہ میں امام غزالی، ابن جوزی، ابن شداد، شیخ محی الدین بن عربی، ابو حیان توحیدی، ابن قیم، ابن خلدون کہیں بڑھ کر انشا پرداز کہلانے کے مستحق ہیں اور ان کی تصنیفات میں صحیح اور طاقتور انشار، خیالات و جذبات کے اظہار اور انسانی تاثرات و احساسات کی تصویر کے نہایت دلکش اور دلآویز نمونے ہیں لیکن ان بے گناہوں کا گناہ یہ ہے کہ انھوں نے کبھی ادب و انشار کو اپنا مستقل پیشہ یا اظہار کمال کا ذریعہ نہیں بنایا اور ان کی اکثر تحریروں کا موضوع دینی یا علمی ہے۔

دلچسپ اور عبرت انگیز بات یہ ہے کہ ایک ہی مصنف دو کتابیں لکھتا ہے، ایک تو سراسر تکلف اور تصنع سے بھری ہوئی ہوتی ہے اور دوسری سادہ اور بے تکلف، اس کے

زمانہ کی سوسائٹی اور ادبی حلقے پہلی تصنیف کی داد تحسین کی صداؤں سے گونج جاتے ہیں اور شاید وہ مصنف خود بھی اس کتاب کو حاصل زندگی اور سرمایۂ نازش و افتخار سمجھتا ہے لیکن حقیقت پسند زمانہ اور انقلاب روزگار اپنا صحیح فیصلہ صادر کرتا ہے، پرتکلف تصنیف کتب خانوں کی زینت ہو کر رہ جاتی ہے، اور دوسری کتاب کو بقائے دوام کا خلعت عطا ہوتا ہے اور وہ گلشنِ بے خزاں کی طرح سدا بہار بن جاتی ہے، ابن جوزی کی مایۂ ناز تصنیف جس کا انھوں نے نہایت فخر کے ساتھ "المدھش" (حیرت میں ڈال دینے والی کتاب) نام رکھا تھا پردۂ خفا میں ہے۔ لیکن ان کی بے تکلف کتاب "صید الخاطر" جس میں انھوں نے نہایت سادہ طریقے پر اپنی زندگی کے تجربات اور روزمرہ کے تاثرات قلمبند کیے تھے اور جس کو شاید وہ خاطر میں بھی نہ لاتے ہوں، آج مقبولِ عام اور ادب کے طالبعلموں کا مرکز توجہ بنی ہوئی ہے۔

ہندوستان کے فارسی ادب کی تاریخ کا جائزہ لیجئے تو یہاں کے ادب و انشاء پر ظہوری ابوالفضل اور نعمت خانِ عالی چھائے ہوئے نظر آتے ہیں۔ حالانکہ اگر انشاء کے لیے جذبات و حقائق کے مؤثر اظہار کو معیار قرار دیا جائے تو ان کی تحریروں کا بڑا حصہ جن میں لفاظی، صنائع و بدائع اور لفظی رعایتوں کا زور ہے، اپنی قیمت کھو دیتا ہے اور بہت تھوڑا حصہ ادب و انشاء کے معیار پر پورا اترتا ہے۔ ان کے مقابلہ میں ایسی بہت سی تصنیفات لائقِ اعتنا ٹھہرتی ہیں جن کو عام طور پر مؤرخینِ ادب اور خوگرِ تقلید ناقدین نے ہمیشہ نظر انداز کیا، حضرت شیخ شرف الدین یحییٰ منیری اور حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد فاروقی کے مکتوبات کا بڑا حصہ، عالمگیر کے رقعات شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ازالۃ الخفا اور شاہ عبدالعزیز صاحب کی تحفۂ اثنا عشریہ کے بہت سے ٹکڑے فارسی ادب اور انشاء کا کامیاب نمونہ ہیں، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہر زبان میں ادب کا جو دائرہ کسی پیش رو نے کھینچ دیا اس کے حدود اربعہ سے باہر نکلنے دوسرے علوم و فنون کے ذخیرے کو کھنگالنے اور نئے ادبی شاہکاروں کے دریافت کرنے کی دردسری عام طور پر گوارا نہیں کی گئی اور اسی طرح صدیوں تک ان ادبی جواہرات پر خاک پڑی رہی۔

ادب و انشاء کے سلسلے میں عام مورخ و نقاد اکثر اس حقیقت کو نظر انداز کر دیتے ہیں کہ تحریر کی قوت کلام کی تاثیر اور قبول عام و بقائے دوام کے لیے سب سے زیادہ معاون عنصر

لکھنے والے کی اندرونی کیفیات، اس کا یقین، دلی جذبہ، کسی حقیقت کے اظہار کے لیے اس کی بے چینی اور بے قراری ہے، ایسے کسی شخص کو جو اس اندرونی کیفیت سے سرشار اور اس کو دوسروں میں پیدا کرنے کے لیے مضطرب و بے قرار ہو، جب قدرت کی طرف سے ذوقِ سلیم بھی عطا ہو، الفاظ و اسالیب بیان پر ضروری حد تک قدرت بھی حاصل ہو اور اس کی تحریر میں علم و ادب، عقل و استدلال اور حسنِ بیان کے ساتھ سوز دروں اور خونِ جگر بھی شامل ہو تو اس کی تحریر میں ایسا اثر اور ایسا زور پیدا ہو جاتا ہے کہ وہ اپنے زمانہ میں ہزاروں دلوں کو زخمی کرتی ہے اور سینکڑوں برس گزر جانے کے بعد اس کی تازگی و زندگی اور اس کی تاثیر و قوتِ تسخیر قائم رہتی ہے۔

تحریر و تقریر کو مؤثر و کامیاب بنانے کے لیے جتنی صفات اور صلاحیتیں اور بلاغت کے اصول و قوانین ضروری ہیں ناقدینِ ادب نے ان سب کا تفصیلی جائزہ لیا ہے اور ہر عہد میں ان پر بحث ہوتی رہی ہے، لیکن بہت کم لوگوں کو اس کا احساس ہوا ہے کہ ان صفات اور صلاحیتوں میں ایک بڑا مؤثر اور ناقابلِ فراموش عنصر یا عامل صاحبِ کلام کا اخلاص اور دردمندی ہے، ادب اور انشاء کے ذخیرہ کا اگر ایک نئے اور زیادہ حقیقت پسندانہ اور گہرے نقطۂ نظر سے جائزہ لیا جائے تو اس کو دو قسموں پر تقسیم کرنا بے جا نہ ہوگا۔ ایک وہ تحریریں یا اظہارِ خیال جو اندرونی تقاضے اور داعیہ اور کسی طاقتور عقیدت یا یقین کے ماتحت وجود میں آئیں اور ان سے مقصود کسی فرمائش یا حکم کی تعمیل، کوئی دنیاوی منفعت یا کسی صاحبِ اقتدار یا صاحبِ ثروت انسان کی رضامندی نہیں تھی بلکہ وہ خود اپنے ضمیر یا عقیدہ کے فرمان کی تعمیل تھی، جس میں اہلِ حکومت اور اہلِ ثروت کے فرمان سے زیادہ قوت ہوتی ہے، اور جس سے سرتابی کرنا کسی صاحبِ ضمیر انسان کے بس میں نہیں ہے۔

دوسری قسم وہ ہے جو کسی فرمائش کی تعمیل یا کسی دنیاوی منفعت کے حصول یا کسی بالاتر انسان کے حکم کی تعمیل میں ہو، ادب کی ان دونوں قسموں میں زمین و آسمان کا فرق ملے گا۔ پہلا ادب "ہر کہ از دل خیزد بر دل ریزد" کا مصداق ہے۔ وہ طویل عرصہ تک زندہ رہتا ہے، اس کی خصوصیت یہ ہے کہ اگر اس کا موضوع دینی و اخلاقی ہے تو اس کا قلب اور اخلاق پر گہرا اور انقلاب انگیز اثر پڑتا ہے۔ ہزاروں آدمیوں کے دل میں اسکے پڑھنے سے

اصلاح کا جذبہ پیدا ہوتا ہے، اس کے برخلاف دوسری قسم کا ادب داد و تحسین اور عارضی سرور و خوش وقتی کے سوا روح اور قلب پر اپنا کوئی دیرپا اثر نہیں چھوڑتا، اس کی زندگی اور عمر محدود و مختصر ہوتی ہے۔ پہلے ادب میں بے ساختگی اور بے تکلفی ہوتی ہے، دوسرے ادب میں صنعت اور اہتمام، ادب کی بارگاہ میں بے ادبی نہ ہو تو ان دونوں قسموں میں وہی فرق ہے جو ایک تمثیلی حکایت میں بیان کیا گیا ہے کہ "کسی نے شکاری کتے سے پوچھا کہ ہرن بھاگنے میں تم سے کیوں بڑھ جاتا ہے اور تم اس کو کیوں نہیں پکڑ لیتے؟" اس نے جواب دیا "اس لیے کہ وہ اپنے لیے دوڑتا ہے اور میں اپنے آقا کے لیے۔"

ناقدینِ ادب نے وقت، ماحول، فضا اور طبیعت کے فراغ کو ادب و شاعری کے لیے بہت زیادہ سازگار و معاون عنصر تسلیم کیا ہے اور بہت سے ادیبوں اور شاعروں نے اس کا اظہار کیا ہے کہ لب جو، کنارِ دریا، گوشۂ چمن، فصلِ بہار، نسیم سحر، صبح کا سہانا وقت، ان کی شاعری اور ان کے ادب کے لیے محرک بن جاتا ہے۔ اور ان میں بہت سے لوگ ایسے مقام کی تلاش اور ایسے وقت کے انتظار میں رہتے ہیں۔ اس طرح یہ حقیقت تسلیم کر لی گئی کہ روح کی لطافت اور دماغ کا سکون ادبیات کے لیے بہت معاون ہے، بعض اہلِ دل کے کلام میں جو غیر معمولی حلاوت اور قوت ہے وہ ان کی روح کی لطافت اور قلب کی پاکیزگی اور اندرونی کیفیت و سرمستی کا نتیجہ ہے اور اس کے لیے وہ کسی خارجی مدد اور مقام اور وقت کے محتاج نہیں ہوتے، ان کی خوشی و سرمستی کا سرچشمہ اور ان کی دولت کا خزانہ ان کے دل میں ہوتا ہے۔ خواجہ میر دردؔ نے جو خود صاحبِ دل اور صاحبِ درد تھے اس پورے گروہ کی ترجمانی شعر میں کی ہے۔

جائیے کس واسطے اے دردؔ میخانے کے بیچ
کچھ عجب مستی ہے اپنے دل کے پیمانے کے بیچ

غرض اس باطنی کیفیت، یقین و مشاہدہ، دعوت کے غلبہ، اہلِ عصر و اہلِ تعلق کو حقائق سے آگاہ کرنے اور منزلِ مقصود پر پہونچانے کے جذبہ، اخلاص و دردمندی، روح کی لطافت اور قلب کی پاکیزگی، اور اس سب کے ساتھ ذوقِ سلیم اور زبان پر قدرت نے

حضرت شیخ شرف الدین کو ایک بلند ادبی مقام عطا کیا ہے اور انھوں نے اپنے خیالات و جذبات کے اظہار کے لیے ایک مستقل اسلوب پیدا کر لیا ہے جو انھیں کے ساتھ مخصوص ہے، ان کے مکتوبات نہ صرف فارسی ادبیات بلکہ اسلامی ادبیات میں ایک خاص مقام رکھتے ہیں اور معارف و حقائق، دعوت و اصلاح کے وسیع ذخیرہ میں کم چیزیں ایسی ہوں گی جو اپنی ادبیت اور قوت و تاثیر میں ان کی نظیر ہوں۔

مضامین کا ماخذ

حضرت شیخ شرف الدین یحییٰ منیری کے مکتوبات کے مطالعہ سے پڑھنے والے کو صاف احساس ہوتا ہے کہ یہ بلند علوم، یہ نادر نکات اور تحقیقات لکھنے والے کی صرف ذہانت، وفور علم اور غور و مطالعہ کا نتیجہ نہیں، بلکہ یہ اس کے ذاتی تجربات اور اس کے ذوق و یقین کا نتیجہ ہیں۔ خدا کے علوئے بارگاہ، شانِ بے نیازی، اس کی دادرسی و کبریائی، جلال و جمال، مومن کے خوف و رجاء، عارفین و واصلین کی بارگاہ کے ناز و گداز، سرور و اندوہ، دریائے رحمت کی طغیانی، توبہ و انابت الی اللہ کی ضرورت پر جو لکھا گیا ہے صاف معلوم ہوتا ہے کہ کوئی محرم راز و آشنائے حقیقت لکھ رہا ہے اسی طرح مرتبۂ انسانیت کی رفعت و بلندی، قلب انسان کی عظمت و وسعت، محبت کی قدر و قیمت، انسان کی بلند پروازی، دور رسی، مشکل پسندی، اور عنقا طلبی، علو ہمت اور قوتِ طلب کے متعلق جو طاقتور مکتوبات لکھے گئے ہیں وہ اعلیٰ ترین تحریرات میں شامل ہونے کے قابل ہیں۔ نفس کے مغالطوں، شیطان کے فریب، اخلاق رذیلہ اور سلوک کی گھاٹیوں کے متعلق جو کچھ ارشاد ہوا ہے وہ سب طویل تجربے، وسیع علم اور عملی واقفیت پر مبنی ہے۔ اہلِ طریقت کی جن غلطیوں پر متنبہ کیا گیا ہے اور شریعت کی ضرورت، تکالیف شرعیہ کے ہمیشہ باقی رہنے، نبوت کی ولایت پر ترجیح اور مقام نبوت کی عظمت کے متعلق جو کچھ تحریر ہوا ہے اس کی قدر و قیمت اور افادیت کا اندازہ لگانے کے لیے اس عصر اور ماحول کا جاننا ضروری ہے جس میں یہ مکتوبات لکھے گئے ہیں، ہم یہاں مختلف عنوانات کے ماتحت ان مکتوبات کے کچھ نمونے اور اقتباسات پیش کریں گے، جو لوگ تفصیل اور استیعاب کے خواہشمند ہیں وہ اصل کی طرف رجوع کریں۔

مکتوبات کے مجموعے اور ان کے مکتوب الیہ

مکتوبات کا سب سے مشہور اور متداول مجموعہ وہ ہے جو قاضی شمس الدین حاکم قصبۂ جوسہ کے نام کے مکاتیب کا مجموعہ ہے۔ اس مجموعہ میں سو مکاتیب ہیں، کہیں "مکتوبات حضرت شیخ شرف الدین یحییٰ منیری قدس سرہ" کے نام سے چھپا ہے اور کہیں "سہ صدی مکتوبات" کے نام سے، اس کے مرتب حضرت مخدوم کے معتمد خاص شیخ زین بدر عربی ہیں وہ اس مجموعہ کے مقدمہ میں لکھتے ہیں:-

"بندہ ضعیف زین بدر عربی کہتا ہے کہ قاضی شمس الدین حاکم قصبۂ جوسہ نے جو حضرت کے ایک مرید ہیں بار بار اس مضمون کے عریضے ارسال خدمت کیے کہ یہ غریب موانع کی بنا پر حضرت مخدوم کی مجلس میں حاضری اور شرف صحبت سے جو علوم و معارف کے حصول کا ذریعہ ہے محروم ہے اور حضرت مخدوم سے دور ایک دوسرے مقام پر پڑا ہوا ہے، اس کی درخواست ہے کہ علم سلوک کے ہر باب میں بندہ کے فہم و استعداد کے مطابق کچھ حیز تحریر میں لے آیا جائے تاکہ یہ دور افتادہ اس سے استفادہ کر سکے۔"

یہ درخواست جو بڑے اخلاص و الحاح سے کی گئی تھی منظور ہوئی اور حضرت مخدوم نے مراتب و مقامات سالکین اور احوال و معاملات مریدین کے سلسلے میں بقدر ضرورت کچھ قلمبند فرمادیا اور اس طرح توبہ واردات، توحید و معرفت، عشق و محبت، گردش دروش، کشش و کوشش، بندگی و عبودیت، تجرید و تفرید، سلامتی و ملامتی، پیری و مریدی کے بہت سے ضروری اور مفید مضامین و ہدایات، سلف کی حکایات اور ان کے احوال و اعمال کا بہت سا ذخیرہ تحریر میں آگیا، یہ خطوط ۷۴۷ھ کے مختلف مہینوں میں بہار سے قصبۂ جوسہ بھیجے جاتے رہے۔ خدام و حاضرین خانقاہ نے ان مکتوبات کی نقل رکھ لی اور ان کو مرتب کرلیا تاکہ اصحاب توفیق، طالبین صادق اور بعد میں آنے والوں کے کام آئیں ؎

قاضی سر نشانۂ شد خود جہانیاں — سرمایہ ہا بر ند ہمہ زیں نقود غیب
یا رب ازیں نقود سرہ و نقی بہ بخش — ما را کہ قلب و ناسرہ ہستیم پر ز عیب

(از مضمون صفحہ ۱۸)

.....اِس طرح اللہ نے مجھے اسلام تک پہونچایا

ایک خط کے جواب میں

از: مریم جمیلہ ـــــ ترجمہ ـــــ اقبال احمد الاعظمی

عزیزی! تم نے اپنے آخری مکتوب میں اپنے اس تعجب کا اظہار کیا ہے کہ میں اس غیر مناسب اور لادینی کے ماحول میں رہ کر اسلام تک کیونکر پہونچ سکی؟ اس لئے گذارش ہے کہ:-

"میں امریکی ہوں لیکن میرا سلسلۂ نسب چوتھی پشت پر جرمنی کے ایک یہودی خاندان سے ملتا ہے، میرا گھرانہ دین سے یکسر نا آشنا! میں نے خود امریکہ کے سرکاری اسکولوں میں خالص لادینی تعلیم پائی، لیکن چونکہ نسبی تعلق کی بنا پر میرے والدین یہ چاہتے تھے کہ یہودیت سے میرا کچھ نام کا تعلق باقی رہے اس لئے وہ ہر اتوار کو دو گھنٹے کے لئے ایک مدرسہ میں دینی تعلیم حاصل کرنے کیلئے بھیجتے تھے، وہاں جلد ہی مجھے عرب اور یہود کے باہم تاریخی تعلق کے موضوع سے بہت دلچسپی ہوگئی، میں حضرت سیدنا ابراہیم، سیدنا اسماعیل اور حضرت اسحاق (علیہم السلام) کے حالات بہت خوش ہو ہو کر پڑھتی، اور پھر زیادہ دن نہیں گذرے کہ مجھے یہود سے نسلی اور مذہبی تعلق کے باوجود ان کی بہ نسبت عرب کے حالات سے زیادہ دلچسپی ہوگئی اور اس کی وجہ یہ تھی کہ اگرچہ یہود بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد اور سامی الاصل ہیں، لیکن یورپینوں سے ملنے کے بعد ان کی تمام نسلی خصوصیات ضائع ہوگئیں اور اب ان میں سامیت کا کوئی اثر باقی نہیں رہا، برخلاف ان کے عرب ہیں کہ انھوں نے اپنی سامی خصوصیات اور ذاتی امتیازات کی پوری حفاظت کی۔ اسی طرح یہودی تاریخ کے پڑھنے کے وقت

ضمنی طور پر مجھے عربی تاریخ کے مطالعہ کا بھی اتفاق ہوا، اس وقت مجھے معلوم ہوا کہ وہ عرب کے مسلمان حکمراں ہی تھے جن کے زمانۂ اقتدار میں یہودی تہذیب کو پنپنے اور آسمان ترقی پر پہونچنے کا موقع ملا، چنانچہ یہود کی مذہبی زبان "عبرانی" کا سب سے اچھا شعری کلام اسپین کی مسلمان حکومت میں لکھا گیا، قاہرہ میں مسلمان بادشاہ صلاح الدین ایوبی کا سب سے پہلا سرجن مشہور یہودی ڈاکٹر میمونائڈز (MAIMONIDES) تھا اور جس وقت یورپ میں یہودیوں کے لئے زمین تنگ کر دی گئی تھی اور پورا مسیحی یورپ ان کے خون سے ہولی کھیل رہا تھا، اسپین اور دوسرے اسلامی ممالک میں انھیں اپنی تہذیب کو ترقی دینے کی پوری اجازت اور معاشرہ میں ان کے لئے کوئی اجنبیت اور اجنبیت نہیں تھی۔

میری عمر جب بارہ سال کی ہوئی تو عرب سے میری دلچسپی اتنی بڑھ گئی کہ میں ان کے متعلق صرف پڑھنے ہی پر اکتفا نہ کر سکی بلکہ میں ان سے دلی طور پر اس طرح مل گئی جیسے کہ میں اپنے آپ کو عربی محسوس کرنے لگی ہوں، ــــ عربی شعر، عربی نغمہ، عربی لباس، عربی کھانا، غرض ہر عربی چیز سے مجھے محبت ہو گئی ــــ

یہ اس وقت کی بات ہے جب میں نے کسی عرب کو نہیں دیکھا تھا اور نہ اب تک اپنے شہر سے باہر مجھے کہیں سفر ہی کا اتفاق ہوا تھا، چنانچہ میرے والدین میرے اس تعلق پر سخت برہم ہوئے وہ مجھے دیوانی سمجھنے لگے، اور میرے متعلق یہ بات وہ بار بار کہتے کہ "اگر کبھی کسی عربی سے اس کی ملاقات ہو جائے یا کسی عربی ملک کو یہ دیکھ لے گی تو اس کا سارا وہم خود بخود دور ہو جائے گا ــــ وہ مجھے نفرت دلانے کے لئے یہ بھی کہتے کہ عرب وہ شریر ترین قوم ہے جس نے یہود کی دشمنی میں نازیوں کی موافقت کی تھی ــــ اور حقیقت یہ ہے کہ جہاں تک علم و مطالعہ کا تعلق ہے، میں نے خود ابتک عربوں کے سلسلہ میں جو کچھ پڑھا یا سنا تھا اس کا بڑا حصہ وہ تھا جو ان کی بہت ہی بھیانک تصویر سامنے لاتا تھا، لیکن میری طبیعت ان تمام باتوں سے انکار کرتی تھی اور میں اندر سے بالکل مطمئن تھی اور میں نے عزم مصمم کر لیا تھا کہ دلائل سے ان کو غلط ثابت کر دوں گی۔

پھر عربوں کے خلاف یورپ اور امریکہ کی مشترک ریشہ دوانیاں تو مجھے آزردہ کر رہی

رہی تھیں لیکن میرے اس جذبہ کو سب سے زیادہ ٹھیس اس وقت پہونچی جب میں نے بعض عربوں کو دیکھا کہ وہ فرنگیت کے تاثر سے وہی عمل کرنے لگے ہیں جو ان سے پہلے یہود کر چکے ہیں، وہ وہ اپنے ذاتی امتیازات کو چھوڑتے جا رہے ہیں اور عربی زندگی کے مقابلہ میں مغربی زندگی، عربی نغمہ کے مقابلہ میں مغرب کی کلاسکی موسیقی، عرب کے خوبصورت و ممتاز عربی لباس کے مقابلہ میں مغربی لباس کو ترجیح دینے لگے ہیں اور اپنے ملکوں کو بالکل مغربی لائنوں پر لے جانا چاہتے ہیں ـــــ میں اس سے بہت متاثر تھی لیکن اس وقت تو میرے اشتعال کی انتہا نہ رہی جب میں نے دیکھا کہ بعض عرب اپنے کو عربی ظاہر کرنے سے بھی شرمانے لگے ہیں، اس وقت اگرچہ میری عمر بارہ سال سے متجاوز نہیں تھی لیکن میں تڑپ گئی اور میں نے طے کر لیا کہ مجھے اس راستہ میں کچھ کرنا ہے ـــــ میری جوانی کا زمانہ عرب کے ساتھ اسی تعلق میں گذرا اور مجھے اس درمیان میں کسی حد تک اسلام سے بھی واقفیت ہو گئی تھی لیکن فی الحقیقت اس وقت تک مجھے کسی چیز پر ایمان نہیں تھا بلکہ تقلیدی مذاہب کا مذاق اڑانے میں مجھے لذت محسوس ہوتی تھی۔

رفتہ رفتہ جب میرے دل میں یہ سوال اٹھنے لگا کہ عرب کی عظمت کا اصل راز کیا ہے تو ۱۰ سال کی عمر میں پہلی بار میں نے قرآن پڑھنا شروع کیا، اور اتفاق سے قرآن کا جو ترجمہ میرے ہاتھ لگا وہ اسلام دشمن مصنف جارج سیل (George Sale) کا کیا ہوا تھا، میں اس سے قرآن بالکل نہ سمجھ سکی اور مجھے وہ ایک نہایت غیر مربوط کلام اور منتشر و پراگندہ تحریف شدہ انجیلی قصوں کا مجموعہ معلوم ہوا، لیکن اس غلط ترجمہ کے باوجود ـــــ دراصل یہ کہ اس وقت اس کے غلط ہونے کا مجھے علم بھی نہیں تھا اور نہ کوئی دوسرا ترجمہ ہی میرے پاس تھا جس سے مجھے یہ حقیقت معلوم ہوتی ـــــ قرآن نے غیر محسوس طریقہ پر مجھے اس درجہ مسحور کیا کہ میں اسکے چھوڑنے پر بالکل قادر ہی نہ ہو سکی، اور اس کے بعد مارماڈیوک پکتھال کا ترجمۂ قرآن (جس کے متعلق میری رائے یہ ہے کہ انگریزی زبان میں اس جیسا ترجمہ ہی نہیں ہوا) شائع ہوا اور پھر یہی میرا مونس اور دمساز بن گیا ـــــ میں تین سال اسے مستقل پڑھتی رہی اور اتنی بار پڑھا کہ اس سے میرا تعلق مضبوط ہو گیا، اور

اسلام دشمنی کا وہ جذبہ جو پہلے باوقات اسلام کے سلسلہ میں کچھ پڑھنے سے مانع ہوتا تھا اب باقی نہیں رہا، اب اسلام کے متعلق جو چیز بھی مل جاتی، میں اسے بڑے شوق سے پڑھنے لگی اور جب مجھے کبھی کچھ فرصت ہوتی میں قدیم اسلامی کتابوں کے ترجمے کو ترجیح دیتی تھی، یہاں تک کہ مجھے یقین ہوگیا کہ اسلام ہی وہ دین ہے جس نے عرب اور زندگی کی گمنام اور پسماندہ قوم کو ایک عظیم امت بنایا ان کو جو کچھ مقام حاصل ہوا وہ سب صدقہ ہے نبی عربی (محمد) صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن مجید کا۔ (ان کا دین) اسلام اپنے اندر ایمان و یقین کے ساتھ ساتھ ایک مکمل نظام حیات رکھتا ہے۔

میری پیدائش ایک ایسے آزاد اور غیر دیندار گھرانے میں ہوئی تھی، جہاں تقلیدی دین کا نام بھی تمسخر کے ساتھ لیا جاتا تھا لیکن اسکے باوجود یہودیت کی طرف میرا خاصا میلان تھا اور میرے خیال میں توریت کے خدائی احکام قرآن سے بڑی حد تک مطابق ہیں اور صحیح یہودیت اسلام سے مسیحیت کی بہ نسبت زیادہ قریب ہے لیکن یہودیت کی ناکامی اور اس کی سب سے بڑی کمزوری اس کا قومی رنگ اختیار کرلینا ہے، یہودی پیشوا اپنے تئیں یہ سمجھتے ہیں کہ وہی ساری دنیا کے پیشوا اور اللہ کے واحد محبوب ہیں وہ یہودیت میں آنے والوں کا خیر مقدم بھی نہیں کرتے، اور یہی وجہ ہے کہ یہودیت صحیح معنی میں عالمی مذہب کی شکل نہیں اختیار کرسکی ــــ میں یقین کے ساتھ یہ بات کہہ سکتی ہوں کہ یہودیوں کا بڑائی اور پیشوائی کا یہی غرور تھا جس نے انھیں نبی عربی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب پر آمادہ کیا ــ یہود مدینہ اپنے کو عربوں سے بلند مرتبہ سمجھتے تھے اور ان پر غلبہ کے خواہاں تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے تکبر کو توڑا اور ایک عربی کو اپنی رسالت کے لئے منتخب فرمالیا ــــ

غرض یہودیت کا عالمی رنگ سے خالی ہونا اور اس کے ساتھ "صہیونیت" کی دوسری برائیاں، یہ وہ اسباب تھے جن کی وجہ سے یہودیت سے میرا رشتہ بالکل منقطع ہوگیا۔ اور مسیحیت تو مجھے کبھی بھائی ہی نہیں، اسکے الوہیت مسیح، تثلیث اور تعمید کے عقائد کو میں بہت ناپسند کرتی تھی، مزید یہ کہ جب کبھی میں اس پر غور کرتی تو آپ سے آپ

یہودیوں اور مسلمانوں کے خلاف مسیحیوں کے بے پایاں مظالم، واقعۂ اندلس، صلیبی جنگیں اور مغربی سامراج، ان سب چیزوں کا نقشہ میری نظروں میں ابھر جاتا جو میرے لئے سخت نفرت کا باعث ہوتا تھا۔ جہانتک بدھ ازم یا ہندو دھرم کا تعلق ہے تو اگرچہ بہت سے مغربی علماء انھیں پسندیدگی کی نظروں سے دیکھتے ہیں لیکن میں انھیں بالکل نہ سمجھ سکی اس لئے اب صرف اسلام ہی ایک ایسا بے داغ دین میرے سامنے رہ گیا جو موجودہ اہل مغرب اور ان کے اسلاف کی تمام مخالفانہ کوششوں کے باوجود بھی اپنی بے غبار حالت میں محفوظ ہے، میں حضرت محمد رسول اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کی زندگیوں میں اخلاق و ایمان اور عمل کی وہ غیر معمولی مثالیں پاتی ہوں جن کی کہیں نظیر نہیں مل سکتی اور آج کے اس عہد لادینی میں بھی بہت سے مسلمان ان صفات کے پوری طرح حامل نظر آتے ہیں، ہم دیکھتے ہیں کہ اگر ایک طرف بہت سے سرپھرے عیسائی اور یہودی دین الٰہی کو مٹانے کی پوری کوشش کر رہے ہیں تو دوسری طرف مسلمانوں میں اکثریت ایسے لوگوں کی ہے جو اپنے خدائی دین کو مضبوطی سے پکڑے ہوئے ہیں اور اس کی حفاظت کے لئے کمربستہ ہیں اور ایک عام مسلمان کی زندگی میں اسلام کا اتنا اثر معلوم ہوتا ہے کہ دوسرے مذاہب کے پیروؤں میں اس کا عشر عشیر بھی نہیں نظر آتا ــــــــ بے شک اسلامی معاشرہ کو بھی روگ لگا ہے لیکن وہ جس حال میں بھی ہے زندہ ہے اور اسکے برخلاف دوسرے مذاہب ہیں کہ سوسائٹی پر ان کا کوئی اثر نہیں اور اس لحاظ سے وہ بالکل مردہ ہو چکے ہیں ــــــــ اس لئے اب صرف اسلام ہی تنہا وہ زندہ جامع اور مکمل دین ہے جو زندگی کو اس کے مقصد اصلی پر گامزن کر سکتا ہے اور وہی اس قابل ہے کہ مغربی نظریات کو شکست دے سکے .... یہ ہے میرے ایمان کا مختصر قصہ! مجھے امید ہے کہ اتنی سی بات تمھارے یہ سمجھ لینے کے لئے کافی ہو گی کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے کس طرح اسلام تک پہونچا دیا" ــــــــ

(والسلام)

ساعتے با اولیا

خلیفۂ وقت حضرت فضیل بن عیاض کی بارگاہ میں

ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ خلیفہ ہارون رشید حج کے لئے گیا ہوا تھا، ساتھ میں وزیر فضل بن الربیع بھی تھا منیٰ میں دونوں کا خیمہ الگ الگ لگایا گیا، وزیر دن بھر تو خلیفہ کے ساتھ ساتھ رہا لیکن جب رات کو سونے کا وقت آیا تو بادشاہ کے آرام کا انتظام کر کے اپنے خیمہ میں چلا آیا اور خود بھی سو گیا، آدھی رات ہوئی تو کسی نے اس کے خیمہ کا دروازہ کھٹکھٹایا، وزیر بیدار ہو گیا اور پوچھا "کون ہے؟"۔

جواب ملا "امیر المومنین"!۔

وزیر گھبرایا ہوا نکلا اور امیر المومنین کو دروازہ پر کھڑا دیکھ کر عرض کیا!

"امیر المومنین! حضور نے خود کیوں تکلیف فرمائی؟ اطلاع فرما دی ہوتی، بندہ خود حاضر خدمت ہوتا"۔

ہارون رشید نے کہا، اچھا یہ سب چھوڑو اور بات سنو، ——— بات یہ ہے کہ میرے دل میں ایک ایسی بات آگئی ہے کہ کوئی بڑا عالم ہی اسے دور کر سکتا ہے، اس لئے غور کر کے کوئی ایسا شخص بتاؤ جس سے میں وہ بات دریافت کر سکوں"۔

فضل نے عرض کیا "حضور یہاں مکہ کے عالم اور حرم کے محدث حضرت سفیان بن عیینۃ الہلالی موجود ہیں"۔

——— کہا "مجھے وہاں لے چلو"۔

فضل بن الربیع (وزیر) کا بیان ہے کہ ـــــ ہم لوگ حضرت سفیان کے خیمہ کے پاس گئے، اور میں نے دروازہ کھٹکھٹایا، اندر سے آواز آئی "کون ہے؟" میں نے عرض کیا "امیرالمومنین تشریف لائے ہیں"

حضرت سفیان یہ سنتے ہی باہر تشریف لائے اور امیرالمومنین سے مخاطب ہوکر فرمایا، "امیرالمومنین! آپ کسی کو بھیج دیئے ہوتے، آپ کو خود تکلیف فرمانے کی کیا ضرورت تھی؟"

امیرالمومنین نے کہا، حضرت بات ہی کچھ ایسی تھی کہ میں خود آنے پر مجبور تھا، اس کے بعد تھوڑی دیر تک ان سے گفتگو کی اور پھر پوچھا "حضرت آپ کے ذمہ کسی کا قرض تو نہیں ہو میری خواہش ہے کہ میں اسے ادا کر دوں"

حضرت سفیان نے فرمایا" ہاں میرے اوپر قرض ہے"

فضل کہتا ہے کہ ـــــ امیرالمومنین کے حکم سے میں نے ان کا قرض ادا کر دیا، پھر ہم دونوں وہاں سے چلے آئے، ـــــ راستہ میں امیرالمومنین نے مجھ سے فرمایا کہ "بھائی یہاں تو مجھے تسلی ہوئی نہیں، کہیں اور لے چلو" ـــــ اس کے بعد ہم دونوں شیخ عبدالرزاق صنعانی کے پاس گئے، اور وہاں بھی بالکل یہی صورت پیش آئی تو اب کی بار میں نے شیخ حرم اور امام طریقت حضرت فضیل بن عیاض کا نام لیا، ـــــ

جب ہم دونوں ان کے خیمہ کے پاس پہونچے تو وہ نماز میں مشغول تھے اور بلند آواز سے قرات فرما رہے تھے، ہم تھوڑی دیر ٹھہر گئے اور جب نماز ختم ہوئی تو میں نے دروازہ کھٹکھٹایا، اندر سے آواز آئی "کون ہے؟"

میں نے عرض کیا" امیرالمومنین تشریف لائے ہیں"

حضرت فضیل بن عیاض نے فرمایا:۔" امیرالمومنین کا میرے یہاں کیا کام" ـــــ

پھر دروازہ کھولا اور باہر نکل کر امیرالمومنین سے مخاطب ہوکر فرمایا:۔

"آپ کس لئے آئے ہیں؟ خود بھی آپ نے تکلیف اٹھائی اور آپ کی خاطر ان حضرات (ساتھیوں) نے بھی تکلیف برداشت کی حالانکہ اگر آپ ان سے چاہیں کہ وہ آپ کے گناہ کا ایک معمولی حصہ بھی اپنے ذمہ لے لیں تو یہ ہرگز ایسا نہیں کر سکیں گے، اور آج جو شخص آپ سے

سب سے زیادہ محبت کرتا ہے وہی آپ سے زیادہ دور بھاگے گا۔"

اسے سن کر ہارون کا دل بڑی تیزی سے دھڑکنے لگا، شیخ اسکے بعد تھوڑی دیر خاموش رہے، پھر فرمایا کہ:۔

"آپ اور آپکے یہ احباب تو اس حکومت کو بہت بڑی نعمت سمجھتے ہیں لیکن جب امیرالمومنین حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کو خلافت سپرد کی گئی تو انھوں نے حضرت سالم بن عبداللہ محمد بن کعب قرظی، اور رجاء بن حیوٰۃ رحمہم اللہ کو بلایا اور ان لوگوں سے کہا کہ:۔

"میرے اوپر یہ آزمائش ڈال دی گئی ہے، آپ لوگ مجھے مشورہ دیجئے کہ مجھے اس سلسلہ میں کیا کرنا چاہیئے؟"

حضرت سالم بن عبداللہ نے فرمایا کہ:۔

"اگر آپ اللہ کے عذاب سے بچنا چاہتے ہیں تو آپکے لئے ضروری ہے کہ آپ مسلمانوں میں جو بڑا ہو اس کو اپنا باپ، جو اوسط درجہ کا ہو اسے اپنا بھائی اور جو چھوٹا ہو اسے اپنا بیٹا سمجھیں اور پھر اسی کے مطابق اپنے باپ کے ساتھ حسن سلوک، بھائی کے ساتھ رحم و مہربانی اور بیٹے کے ساتھ پیار کریں۔"

حضرت رجاء بن حیوٰۃ نے فرمایا کہ:۔

"اگر آپ اللہ کے عذاب سے نجات چاہتے ہیں تو آپ کو چاہیئے کہ مسلمانوں کے لئے وہ پسند کریں جو آپ اپنے لئے پسند کرتے ہیں اور مسلمانوں کے لئے اس چیز کو ناپسند کریں جو اپنی ذات کے لئے ناپسند کرتے ہیں۔ اور پھر جب بھی آپ کی آنکھ بند ہو جائے انشاءاللہ کوئی اندیشہ نہیں! ——

حضرت فضیل نے اتنا بیان کرنے کے بعد فرمایا کہ:۔

"میں بھی آپ سے یہی دونوں باتیں کہتا ہوں۔"

ہارون یہ سن کر اتنا رویا کہ اس پر غشی طاری ہوگئی —— وزیر کا بیان ہے کہ میں نے شیخ سے عرض کیا کہ: —— "حضرت! آپ امیرالمومنین پر رحم فرمائیے۔" شیخ نے فرمایا۔ "ربیع کے بیٹے! تو نے اور تیرے ساتھیوں نے اسے مار ڈالا اور مجھ سے تو رحم کی درخواست

کرتا ہے؟ ـــــ پھر ہارون کو افاقہ ہوا اور حضرت فضیل سے کہا کہ :- " اور فرمائیے !"
حضرت فضیل نے فرمایا :- اے امیر المومنین ! مجھے یہ بات پہونچی ہے کہ عمر بن عبد العزیزؒ کے ایک عامل نے ان سے کم خوابی کی شکایت کی، حضرتؒ نے اس کے پاس لکھا کہ :-
" میرے بھائی ! اہل دوزخ کی بے خوابی اور اس میں ان کے ہمیشہ جلتے رہنے کے عذاب کو یاد کرو، یہ ذکر نیند اور بیداری ہر حالت میں تمھیں اپنے پروردگار کی طرف کھینچ لے جائے گا اور خبردار ! اس راستہ سے قدم نہ ہٹے ورنہ پھر تم سے کوئی خیر کی امید نہ کی جا سکے گی "
عامل نے خلیفہ کا خط پڑھا اور میلوں کی مسافت طے کر کے حضرت عمر بن عبد العزیز کی خدمت میں آیا اور عرض کیا کہ :-
" امیر المومنین ! آپ کا خط میرے دل پر تیر کی طرح لگا اور میں نے اب یہ بات سمجھی کہ " حکومت ہرگز ایسی چیز نہیں ہے کہ کوئی شخص خود اسے قبول کرے الا یہ کہ اللہ تعالیٰ کسی پر ڈال دے اور وہ مجبور ہو جائے "
ـــــ اے امیر المومنین ! نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباسؓ نے آپ سے امارت طلب کی، تو آپ نے فرمایا کہ :-
" اے عباس ! ایک زندہ نفس لامحدود امارتوں سے بہتر ہے ...... امارت قیامت کے دن حسرت اور ندامت ہے، اس لئے اگر آپ اس سے باز رہ سکیں تو بہتر ہے "
ـــــ اے امیر المومنین ! اے خوبصورت چہرہ والے ! تم سے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس مخلوق کے بارے میں سوال کرے گا، اس لئے اگر تم اس چہرہ کو آگ سے محفوظ رہ سکتے ہو تو ایسا ضرور کرو، ـــــ اور خبردار اپنی کسی رعایا پر ظلم نہ کرو، حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے " من اصبح غاشا لرعیتہ لم یرح رائحۃ الجنۃ " ـــــ
ہارون رشید اپنے کو قابو میں نہ رکھ سکا اور رونے لگا اور پھر حضرت فضیل سے عرض کیا " حضرت آپ پر کوئی قرض تو نہیں ہے ؟ " ـــــ
حضرت فضیل نے فرمایا :- " ہاں ! قرض ہے، میرے پروردگار کا ! وہ مجھ سے اس کا محاسبہ فرمائے گا، پس میری ہلاکت ہے اگر اس نے مجھ سے مناقشہ فرمایا، ہلاکت ہے اگر مجھ سے

کچھ پوچھ لیا اور ہلاکت ہے اگر اس نے میری دلیل الہام نہ فرمائی"۔

ہارون نے کہا کہ:۔ "میری مراد بندوں کے قرض سے ہے"۔

—— فرمایا کہ:۔ نہیں! مجھے میرے رب نے اس کا حکم نہیں دیا، اس نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں اسکے وعدے کو پورا کروں اور اسکے حکموں کی اطاعت کروں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے" وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون ۔ ما ارید منھم من رزق وما ارید ان یطعمون، ان اللہ ھو الرزاق ذو القوۃ المتین ——

صفحہ ۳۸ کا بقیہ

ایک دوسرا مختصر مجموعہ مکتوبات جوابی کے نام سے علاحدہ شائع ہوا ہے اور سہ صدی مکتوبات (شائع کردہ کتب خانۂ اسلامی پنجاب لاہور) کے مجموعہ میں بھی شامل ہے، یہ اُن مکتوبات کا باقی ماندہ حصہ ہے جو شیخ مظفر کے نام انکے عرائض کے جواب میں لکھے گئے۔ اور ان میں زیادہ تر راہِ سلوک میں پیش آنے والی مشکلات کا حل اور اس راہ کی ترقیات و کیفیات کا بیان ہے۔ اور ان سے شیخ مظفر کے علو استعداد، انعامات الٰہیہ کا اندازہ ہوتا ہے۔ شیخ مظفر نے وصیت کی تھی کہ یہ مکاتیب انھیں کے ساتھ دفن کر دیے جائیں اتفاقاً کچھ مکاتیب پر بعض خدام کی نظر پڑ گئی اور انھوں نے اس کی نقل لے لی۔ یہ مجموعہ "مکتوباتِ جوابی" کے نام سے موسوم ہے۔ اس مجموعہ میں ۲۸ مکتوبات ہیں۔

مکتوبات کا ایک تیسرا مجموعہ دو صدی ہے جس میں ایک سو پندرہ مکتوبات ہیں اور مختلف اشخاص کے نام ہیں، یہ مکتوبات جمادی الاولیٰ ۷۶۹ھ کے درمیان لکھے گئے ہیں۔ خاص خاص مکتوب الیہم کے نام یہ ہیں:۔

شیخ عمر ساکن قصبہ انگلی، قاضی شمس الدین، قاضی زاہد، مولانا کمال الدین سنتوسی مولانا صدر الدین، مولانا ضیاء الدین، مولانا محمود سنگانی، شیخ محمد ظفر آبادی المعروف بدیوانہ، ملک الامراء ملک مفرح، مولانا نظام الدین، داور ملک داماد سلطان محمد، مولانا نصیر الدین، امین خاں، ملک خضر، شیخ قطب الدین، شیخ سلیمان، سلطان الشرق وغیرہ وغیرہ۔

فہرست کتب

کتب خانہ الفرقان لکھنؤ

قواعد و شرائط:

(۱) اپنا پتہ ہمیشہ صاف اُردو میں لکھئے، اور اگر ہو سکے تو انگریزی میں بھی لکھ دیجئے۔

(۲) اگر آپ ایک دو روپئے کی کتابیں منگوائیں گے تو محصول ڈاک کا بار بہت زیادہ پڑ جائے گا، اور اگر زیادہ منگوائیں گے تو محصول کا بوجھ اُسی حساب سے کم ہو جائے گا اور آپ نفع میں رہیں گے۔

(۳) اگر کتابیں زیادہ ہوں گی تو ہم آپ کی مزید کفایت کے خیال سے ریلوے کے ذریعہ بھیجنا پسند کریں گے، اس لئے آپ زیادہ کتابوں کا آرڈر دیتے وقت اپنا ریلوے اسٹیشن ضرور لکھئے، اور اُردو کے ساتھ انگریزی حروف میں بھی لکھئے۔

(۴) پہلی مرتبہ آرڈر دینے کی صورت میں کم و بیش بیس رُپئے کے آرڈر پر کچھ رقم پیشگی بھیجئے۔

(۵) پارسل کھول کر اگر آپ کو کوئی بات قابلِ شکایت نظر آئے تو براہِ کرم بدگمانی نہ کیجئے۔ ہمیں لکھئے ہم آپ کی شکایت کی مناسب تلافی کرنا اپنا فرض سمجھیں گے۔ اور اگر کوئی کتاب زائد پہونچ جائے یا بل کم ہو تو ہمیں مطلع کرنا آپ کا اخلاقی فرض ہوگا۔

پاکستانی احباب کیلئے مخصوص ہدایات

(۱) اگر آپ کو ہماری مطبوعات منگوانی ہوں تو ان کی قیمت اِس فہرست میں دیکھ لیجئے، پھر اُس قیمت پر فی روپیہ دو آنہ کے حساب سے محصول بُک پوسٹ اور ۸ رجسٹری فیس فی پیکٹ کا اضافہ کر کے کُل رقم بذریعہ منی آرڈر "ناظم ادارہ اصلاح و تبلیغ آسٹریلین بلڈنگ لاہور" کے نام روانہ کر دیجئے اور ڈاکخانہ کی ابتدائی رسید ہم کو بھیج دیجئے۔ یہاں سے کتابیں رجسٹرڈ آپ کو روانہ کرا دی جائیں گی۔

(۲) اگر دوسرے اداروں کی مطبوعات درکار ہوں تو ترسیل زر کا پتہ ہم سے دریافت کیجئے۔

(۳) یاد رکھئے کہ ایک بنڈل میں مختلف کتابوں کے چند نسخے تو ہندوستان سے جا سکتے ہیں لیکن ایک کتاب کے ۲ نسخے سے زیادہ نہیں جا سکتے۔

کتب خانۂ الفرقان لکھنؤ کی مطبوعات
نماز کی حقیقت
از:۔ مولانا محمد منظور نعمانی
نماز کے متعلق کتاب و سنت کے لطیف اشارات اور ائمۂ دین و معرفت خصوصاً حضرت امام غزالیؒ حضرت مجدد الف ثانیؒ حضرت شاہ ولی اللہؒ کے عارفانہ افادات کا عطر کھینچ کر اس رسالہ کی صورت میں پیش کر دیا گیا ہے۔ کاغذ اعلیٰ۔ کتابت و طباعت معیاری
قیمت :۔
اِسلام کیا ہے؟
از:۔ مولانا محمد منظور نعمانی
اُردو اور ہندی دونوں زبانوں میں
اس کتاب کے دیکھنے والوں کا عام احساس یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو کوئی خاص مقبولیت و تاثیر عطا فرمائی ہے بس اللہ ہی جانتا ہے کہ اس کے کتنے بندوں اور بندیوں پر اس کتاب کا اثر پڑا ہے۔ اسلام کے متعلق ضروری واقفیت حاصل کرنے کے لئے ہی نہیں بلکہ کامل مسلمان اور اللہ کا ولی بننے کے لئے بھی اس کا مطالعہ اور عمل انشاء اللہ کافی ہے — کتابت و طباعت اعلیٰ اور معیاری
کلمۂ طیبہ کی حقیقت
از:۔ مولانا محمد منظور نعمانی
اِس رسالہ میں اسلام کے کلمۂ دعوت لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی تشریح پوری تحقیق کیساتھ ایسے دلنشیں اور مؤثر انداز میں کی گئی ہے کہ سطر سطر کے مطالعہ سے نور یقین میں اضافہ ہوتا ہے اور عقل اور جذبات اور دل و دماغ یکساں طور پر متاثر ہوتے ہیں۔ قیمت :۔ -/۳۷
مجلد خوبصورت ڈسٹ کور۔ قیمت ۔ اُردو =/۲ — ہندی =/۳
معارف الحدیث
از مولانا منظور نعمانی
یعنی احادیث نبویؐ کا ایک جدید مجموعہ مع ترجمہ و تشریح
جو دورِ حاضر کے مسلمانوں کی ذہنی و فکری حالت کو سامنے رکھ کر مرتب کیا گیا ہے
احادیث نبویؐ کی جو اصل غرض و غایت اور روح ہے — یعنی اصلاح و ہدایت اور تزکیہ و تربیت —
مؤلف نے پوری کوشش کی ہے کہ یہی غایت و روح اِس کتاب کی بھی رہے اور ارشادات نبویؐ کے جو اثرات صحابۂ کرامؓ پر پڑتے تھے ان کا کوئی عکس اس کتاب کے ناظرین پر بھی پڑے۔ اسی کے ساتھ ہر حدیث سے متعلق سوالات کے علمی اور تحقیقی جوابات عام فہم انداز میں —
ابھی تک دو جلدیں تیار ہوئی ہیں پہلی جلد میں استاذ محدثین حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمی کا ایک بسیط محققانہ مقدمہ "حجیت حدیث" پر ہے، اور دوسری جلد کا مقدمہ مولانا سید ابو الحسن علی ندوی کے قلم سے "ضرورت حدیث" پر۔ ہر مقدمہ بجائے خود ایک نایاب شے ہے۔ جلد اول غیر مجلد -/۴/- مجلد -/۵/-
جلد دوم غیر مجلد -/۵۰/۴ - مجلد -/۵۰/۵
برکات رمضان
از:۔ مولانا محمد منظور نعمانی
اسلام کے اہم رکن "صوم رمضان" اور ماہِ رمضان اور اسکے خاص اعمال و وظائف تراویح و اعتکاف وغیرہ کے فضائل و برکات اور ان کی روحانی تاثیرات کا نہایت مؤثر اور شوق انگیز بیان متعلقہ احادیث کی ایسی تشریح جس سے دل بھی متاثر ہو اور دماغ بھی مطمئن۔ قیمت -/۷۵/-
انیس نسواں
از محترمہ بیگم سید صغیر حسین صاحب
مسلمان خواتین خاصکر تعلیم یافتہ بہنوں میں دین کی طرف سے جو بے فکری اور آخرت کی طرف سے جو غفلت تیزی سے بڑھ رہی ہے اس کے علاج اور انسداد کے لئے ایک محترم بہن نے یہ رسالہ لکھا ہے۔ شروع میں مولانا نعمانی کے قلم سے پیش لفظ ہے۔
(زیر طبع)
ملنے کا پتہ:۔ کتبخانہ الفرقان کچہری روڈ لکھنؤ

کتب خانۂ الفرقان لکھنؤ کی مطبوعات
قرآن ــ آپ سے کیا کہتا ہے؟
از ـ مولانا محمد منظور نعمانی
قرآن پاک نے نوعِ انسانی کو جن چیزوں کی طرف خاص طور سے دعوت دی ہے یہ کتاب قرآن پاک کی اس دعوت یکا کی ترجمان ہے ۔ ۳۲ ابواب میں متعلقہ قرآنی آیات کو نہایت مؤثر اور روح پرور تشریحات کیساتھ جمع کیا گیا ہے ۔
مجلد ۔/۔/۴
دین و شریعت
از:۔ مولانا محمد منظور نعمانی
یہ "اسلام کیا ہے؟" سے اونچی سطح کی کتاب ہے جس میں توحید، آخرت اور رسالت، نماز، روزہ اور زکوٰۃ و حج اخلاق و معاملات، دعوت و جہاد، سیاست و حکومت اور احسان و تصوف کے مباحث پر ایسی محققانہ روشنی ڈالی گئی ہے کہ دل و دماغ اور عقل و وجدان ایمان و اطمینان سے معمور ہو جاتے ہیں ۔ بڑے بڑے اربابِ نظر نے اس کو اسلام پر ایک تشفی بخش اور جامع و مانع کتاب قرار دیا ہے ۔
کتابت و طباعت معیاری ۔ قیمت مجلد ۔/۔/۳
دین و شریعت کا انگریزی اڈیشن بھی تیار ہو گیا ہے ۔ قیمت مجلد ۔/۵۰/۴
آپ حج کیسے کریں؟
حج و زیارت کے موضوع پر اب تک اردو میں بیشمار کتابیں شائع ہو چکی ہیں لیکن یہ کتاب اپنی اس خصوصیت میں سب ہی ممتاز و منفرد ہے کہ حج کے احکام اور اس کا پورا طریقہ بہت آسان اور دلنشین طریقہ پر بتاتی ہے اور ذوق و شوق اور عشق کا وہ جذبہ بھی پیدا کرتی ہے جو حج کی روح اور جان ہے قیمت
مجلد ۔/۔/۲
ہندوستان کا سب سے پہلا
سفرنامۂ حجاز
مکتبۂ الفرقان حجاج کی ضرورتوں کے پیش نظر دو بہترین کتابیں پیش کر چکا ہے جن کا تعارف اسی صفحے میں موجود ہے ـــــ یہ سفرنامہ اس سلسلہ کی تیسری پیشکش ہے۔
ـــــ آج سے ایک سو اسی برس پہلے حضرت شاہ ولی اللہؒ کے شاگرد، ایک فاضل اور اہلِ دل بزرگ مولانا حاجی رفیع الدین صاحب مرادآبادیؒ نے حرمین شریفین کا سفر بڑے ہی عاشقانہ انداز میں کیا تھا۔ سوا دو سال کے اس پورے سفرِ عشق کی مکمل روداد قلم بند کر کے انھوں نے یادگار چھوڑی تھی۔ تاریخی اعتبار سے یہ غالباً ہندوستان یا کم از کم شمالی ہندوستان کا سب سے پہلا سفرنامہ ہے۔ صاحبِ سفرنامہ کے وسیع علمی ذوق کی بنا پر اس عہد کے ہند و حجاز کے بہت ہی نادر معلومات اسکے اندر آگئے ہیں اور سفرِ حجاز کی ایمانی کیفیات کا تو یہ عجیب و غریب ہی مرقع ہے۔ مولانا نسیم احمد فریدی ہم سب کے شکریہ کے مستحق ہیں کہ انھوں نے اس چھپے ہوئے علمی اور دینی خزانہ کو فارسی سے اردو میں منتقل کر کے اس کو شائع ہونے کا موقع بہم پہنچایا۔
شاہ اسمٰعیل شہید
اور
اہلِ بدعت کے الزامات
ان الزامات کا نہایت تشفی بخش جواب مولانا نعمانی کے معرکہ آرا قلم سے۔
قیمت ۔/۱۵۰/۱
آسان حج
اسے آسان زبان میں آپ حج کیسے کریں کا مکمل خلاصہ سمجھئے۔
کم تعلیم یافتہ حضرات کیلئے اپنے موضوع پر بہترین کتاب ہے
قیمت:۔ ۔/۱۵۰/۔
ملنے کا پتہ ـ کتبخانۂ الفرقان کچہری روڈ لکھنؤ

کتب خانۂ الفرقان لکھنؤ کی مطبوعات

تذکرہ مجددِ الفِ ثانیؒ مُجددِ الف ثانی نمبرِ الفرقان کا کتابی اڈیشن

شیخ احمد سرہندیؒ کا وہ خاص کارنامہ جس کی وجہ سے آپ کو "مجددِ الفِ ثانیؒ" کا عظیم لقب اُمّت سے ملا اِس کارنامہ کو پورے تین سو سال کے بعد الفرقان کے مجدد الف ثانی نمبر ۱۳۵۷ھ نے طشت از بام کیا تھا —— یہ نمبر لوگوں کو آجتک یاد ہے اسی کے اہم مضامین "تذکرۂ مجددِ الف ثانیؒ" کے نام سے از سرِ نو شائع کئے گئے ہیں۔

ہندوستان کے موجودہ حالات میں شیخ احمد سرہندیؒ کے حالات کا مطالعہ بڑی گرانقدر روشنی بخشتا ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ شیخ مجددؒ کا دورِ تجدید شاید اب تک جاری ہے۔ قیمت :- ۲/-/-

مکتوباتِ خواجہ محمد معصوم سرہندیؒ

:- جس ہستی نے سنبھالا اور سلطنتِ مغلیہ میں آپ کے ڈالے ہوئے دینی رُخ کو پایۂ تکمیل تک پہونچایا، وہ ہیں آپ کے صاحبزادے خواجہ محمد معصومؒ۔ آپ کے مکتوبات بھی آپ کے والد ماجد کے شہرۂ آفاق مکتوبات کی طرح عظیم مسلمانہ کاوشوں اور عرفانی علوم و حقائق کے آئینہ دار، اور فصاحت و بلاغت کا بحرِ ذخار ہیں۔ اصل زبان فارسی ہے۔ فارسی کے اِس خزانہ کو مولانا نسیم احمد فریدی نے تلخیص و انتخاب کے ساتھ اُردو میں منتقل کیا ہے اور اصل زبان کی آب و تاب کو بڑی حد تک برقرار رکھا ہے۔ قیمت :- ۲/-/-

(حضرت مجددؒ کی مسندِ اصلاح و ہدایت کو آپ کے بعد)

حضرت مولانا محمد الیاسؒ اور اُنکی دینی دعوت

تالیف مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

اِس کتاب میں مولانا مرحومؒ کے ذاتی حالات اور سوانح کے علاوہ اُن کی مشہور دینی و اصلاحی دعوت کو بھی تفصیل سے پیش کیا گیا ہے جو بلاشبہ اِس دَور کی نہایت وسیع اور گہری دینی و اصلاحی تحریک ہے —— شروع میں حضرت علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ کا مبسوط مقدمہ ہے۔ قیمت ۲/۵۰/- مجلد ۳/-/-

ملفوظات حضرت مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ

مرتبہ مولانا محمد منظور نعمانی

آج مولانا مرحوم اس دنیا میں نہیں ہیں لیکن اگر کوئی اُنھیں جاننا اور ان کی باتیں اور ہدایتیں سُننا چاہے تو حضرت مرحوم کے اِس مجموعۂ ملفوظات کا مطالعہ کرلے جو دین کے حقائق اور معارف کا عجیب و غریب گنجینہ ہے اِس سے یہ بھی اندازہ ہو جائے گا کہ تفقہ فی الدین اور معرفت و یقین میں مولانا کا مقام کتنا بلند تھا۔ قیمت :- ۱/۵۰/-

صحیفۂ ہمام بن منبہؒ :-
حدیث کے مشہور راوی حضرت ابوہریرہؓ کی روایت کردہ احادیث کا ایک مجموعہ جو اُن کے براہِ راست شاگرد نے مدون کیا تھا۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے ایڈٹ کرکے مع ترجمہ شائع کیا ہے۔ انمول تاریخی تحفہ ہے قیمت -/۵۰/۳

ترجمان السنہ :-
از۔ حضرت مولانا بدرِ عالم صاحب میرٹھی۔ (مقیم مدینہ طیبہ)
یہ احادیث کا ایک جدید مجموعہ ہے تعلیم یافتہ مسلمان کو خواہ وہ جدید تعلیم کا حامل ہو یا قدیم تعلیم کا، اس کے مطالعہ سے محروم نہیں رہنا چاہئے۔ اب تک تین جلدیں شائع ہوئی ہیں۔ جلد اول -/-/۱۰ دوم -/-/۹ - سوم -/۵۰/۱۰ (مجلد میں فی جلد -/-/۲ کا اضافہ)

علم الحدیث :-
از مولانا عبد اللہ العمادی۔ باوجود مختصر ہونے کے اپنے موضوع پر نہایت مفید کتاب ہے جس میں حدیث کے بارے میں پیدا ہونے والے شبہات کا جواب بھی مل جاتا ہے۔
قیمت -/۲۵/۱

کتابت حدیث :-
مولفہ مولانا سید منت اللہ شاہ صاحب رحمانی۔ اس کتاب میں حدیثوں کی تدوین و ترتیب پر نہایت سلیس زبان میں بحث کی گئی ہے۔
قیمت مجلد -/۲۵/۱

تدوین حدیث :-
از مولانا سید مناظر احسن گیلانیؒ
تدوین حدیث کی نہایت مفصل اور محققانہ تاریخ جس کے مطالعہ کے بعد اس میں کوئی شبہ باقی نہیں رہتا کہ احادیث کا جو ذخیرہ ہم تک پہونچا ہے وہ اس درجہ اطمینان بخش طریقے پر پہونچا ہے کہ اس سے زیادہ اطمینان بخش طریقہ عالم امکان میں نہیں۔ قیمت مجلد -/۵۰/۶

تاریخ و سیرت

النبی الخاتم :-
سیرت نبوی پر مولانا گیلانیؒ کی قابل دید کتاب۔ قیمت -/۵۰/۳

اسلام (آغاز و ارتقا)
مرتبہ حضرت مولانا محمد عاشق الٰہی صاحب
اس کتاب میں ہادیِ عالم پیغمبر اسلام حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ مبارک کو تحقیق و احتیاط کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔ اور تفصیلی حالات نہایت شیریں زبان میں لکھے گئے ہیں۔ قیمت -/-/۶

رحمت عالمؐ :- مدارس اور اسکولوں کے طلباء کے لئے سیرت پر ایک لاجواب کتاب، علامہ سید سلیمان ندوی کے قلم سے
قیمت: -/۷۵/۱

اصح السیر :- مولانا عبد الرؤف دانا پوری کی نہایت مستند و معتبر سیرت نبوی۔ قیمت -/-/۱۰

مقالات سیرت :-
از۔ ڈاکٹر محمد آصف قدوائی ایم اے (پی ایچ ڈی)
یہ سیرت نبوی پر آٹھ گرانقدر مقالوں کا مجموعہ ہے۔ جن کو مولانا سید ابو الحسن علی ندوی نے اپنے مقدمہ میں دل کھول کر داد تحسین پیش کی ہے مجلد -/۵۰/۲

عہد نبوی کے میدان جنگ
جس میں غزوات نبوی پر فنِ حرب (جنگی سائنس) کے نقطۂ نظر سے روشنی ڈالی گئی ہیں۔ متعدد جنگی میدانوں کے نقشے بھی شامل کتاب ہیں۔ از ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب
قیمت -/۵۰/۱

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مکتوبات و معاہدات
یعنی شاہانِ عالم، عرب کے حکمرانوں و قبائلی سرداروں سے آپ کی سیاسی خط و کتابت اور معاہدات۔
از سید محبوب رضوی
قیمت -/۲۵/۲

صدیق اکبرؓ :-
از۔ مولانا سعید احمد صاحب اکبرآبادی صدر شعبۂ دینیات مسلم یونیورسٹی (علی گڑھ)
مولانا شبلی کے الفاروق کے بعد اردو زبان میں سیرت صدیق اکبرؓ کا جو خلا محسوس ہوتا تھا مولانا اکبرآبادی کی اس کتاب نے اس کو کما حقہ پُر کر دیا ہے۔ قیمت -/-/۷

حضرت عمرؓ کے سرکاری خطوط
اسلامی تاریخ کا ایک نادر و نایاب اور ایک بیش بہا دستاویز۔ جسے ایک ریسرچ اسکالر نے بڑی محنت سے ترتیب دیا ہے۔ ۱۴۳ سے اوپر خطوط ایک حصہ میں خالص اردو اور دوسرے حصے میں عربی متن۔ ہر قیمت پر خریدنے کے لائق۔ قیمت مجلد -/-/۱۲
غیر مجلد -/-/۱۱

حضرت ابوبکرؓ کے سرکاری خطوط
حضرت عمرؓ کے سرکاری خطوط کے بعد اسی مرتب کی دوسری قابل قدر پیشکش اسی طرز پہ قیمت مجلد -/-/۸

امام ابو حنیفہؒ کی سیاسی زندگی
از مولانا گیلانیؒ قیمت مجلد -/-/۷

امام ابو حنیفہؒ اور ان کی تدوین قانون اسلامی
از ڈاکٹر حمید اللہ۔ قیمت -/۳۷/۱

تاریخ دعوت و عزیمت
مولانا سید ابو الحسن علی ندوی کی مشہور کتاب جو مجددین و مصلحین امت کے تذکروں پر مشتمل ہے
جلد اول پہلی صدی ہجری سے ساتویں صدی تک، جلد دوم آٹھویں صدی کے جلیل القدر مجدد امام ابن تیمیہؒ نیز ان کے تلامذہ کی خدمات و حالات کے بیان میں
قیمت علی الترتیب
-/-/۶ و -/۵۰/۶

ملنے کا پتہ: کتب خانہ الفرقان - کچہری روڈ - لکھنؤ

مولانا گیلانی کی خوردبندیوں کا افسانہ
(مولانا گیلانی) مجلد -/۵۰/۱

اشاعتِ اسلام:-
تذکرہ حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب
آفتابِ اسلام کب اور کن حالات میں
طلوع ہوا، اسکی سنہری کرنیں کس طرح
پھیلتی اور سارے عالم پر ضیا پاشی
کرتی چلی گئیں، اور کس طرح انھوں نے
ساری دنیا کو اپنے نور سے روشن و منور
کردیا، نہایت تفصیل کیساتھ اس کتاب
میں قلمبند کردیا گیا ہے ۔ قیمت
غیر مجلد -/-/۶ مجلد -/-/۷

ہندوستان میں مسلمانوں کا نظامِ تعلیم و تربیت
مصنفہ حضرت مولانا مناظر احسن گیلانی
نہایت مفصل و مدلل بحث - قیمت
جلد دوم -/-/۴

العلم والعلماء:- مترجمہ
مولانا عبد الرزاق صاحب ملیح آبادی
علامہ ابن عبد البر کی شہرۂ آفاق تصنیف
"جامع بیان العلم وفضلہ"
کا نہایت حسین انداز میں ترجمہ۔
قیمت غیر مجلد -/۵۰/۴ مجلد -/۵۰/۵

اسلام کا اقتصادی نظام
(مولفہ مولانا حفظ الرحمن صاحب)
غیر مجلد -/-/۶ مجلد -/-/۷

اسلام میں غلامی کی حقیقت
مولفہ مولانا سعید احمد اکبر آبادی [illegible]
مجلد -/-/۶ غیر مجلد -/-/۵

وحی الٰہی - (مولفہ مولانا سعید احمد)
مجلد -/-/۴ غیر مجلد -/۲۵/۳

متفرق کتابیں

اسلامی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر
(از مولانا سید ابو الحسن علی ندوی)
اپنے موضوع پر قابلِ دید کتاب ہے۔
قیمت -/۵۰/۴

اسلام اینڈ دی ورلڈ
اسی کتاب کا انگریزی اڈیشن
(مطبوعہ لاہور)
قیمت -/-/۴

مسلمانوں کا عروج وزوال
(از مولانا سعید احمد صاحب اکبر آبادی)
قیمت - مجلد -/-/۵
غیر مجلد -/-/۴

عروج وزوال کا الٰہی نظام
عروج وزوال کے ٹھوس فطری
اصولوں کی وضاحت پر نہایت
عمدہ کتاب
(از مولانا محمد تقی امینی)
قیمت مجلد -/-/۳

حسنِ معاشرت	-/۶۲/-
فضائلِ دعا	-/۷۵/-
دعائیں (از مولانا [illegible])	-/۵۰/-

التکشف عن مہمات التصوف
تصوف وسلوک کے موضوع پر حضرت
تھانویؒ کے افادات کا مجموعہ۔
قیمت ۱۰/۷۵

تعلیم الدین	-/۷۵/۱
اصلاح الرسوم مع صفائی معاملات	
قیمت	-/۷۵/۱

حیات المسلمین	-/۷۵/۱
بہشتی زیور اختری مکمل	-/۵۰/۱۳
تجدیدِ دین (کامل)	-/-/۵
تجدیدِ تصوف وسلوک	-/-/۵
تجدیدِ تعلیم و تبلیغ	-/-/۴
تجدیدِ معاشیات	-/-/۵
مجموعۂ تبلیغی نصاب	-/۵۰/۷
حکایاتِ صحابہؓ	-/-/۲
فضائلِ صدقات ۲ جلد	-/۵۰/۷
فضائلِ رمضان	-/۶۲/-
فضائلِ نماز	-/۸۱/-
چھ باتیں	-/۳۷/-
مرنے کے بعد کیا ہوگا؟ (کامل)	-/۵۰/۲
امت مسلمہ کی مائیں	-/۵۰/۱
رسول اللہؐ کی صاحبزادیاں	-/-/۱
مسلم خواتین کیلئے بیس سبق	-/-/۱
چالیس سبق	-/۲۵/-
فضائلِ ذکر	-/۶۲/۲
فضائلِ قرآن	-/۷۵/-
فضائلِ تبلیغ	-/۳۱/-
فضائلِ حج	-/۵۰/۳
ارکانِ اسلام	-/۵۰/۱
رفیقِ حج	-/۵۰/۳
مسنون اور مقبول دعائیں	-/۵۰/-
اہم دینی دعوت	-/۳۷/-
فضائلِ حج	-/۵۰/۳
معلم الحجاج مجلد	-/-/۴
رفیقِ حج	-/۵۰/۱
حج کا مسنون طریقہ	-/۲۵/۱
سفرِ حجاز (از مولانا دریابادی)	-/-/۵
گلہائے حرم (مجموعۂ نعت)	-/۵۰/۳

تمرین الدروس اول	-/۳۷/-
〃 دوم -/۳۷/- سوم	-/۲۵/-
قرآن مجید کی پہلی کتاب	-/۳۷/۱
〃 〃 دوسری 〃	-/۷۵/۱
〃 〃 تیسری 〃	-/۵۰/۲
تفہیم الدروس - اول	-/۲۵/-
دوم -/-/۱ سوم	-/۲۵/۱
اچھا قاعدہ	-/۱۹/-
اللہ کے رسولؐ	-/۴۴/-
حضرت ابوبکرؓ	-/۴۴/-
حضرت عمرؓ	-/۴۴/-
حضرت عثمانؓ	-/۴۴/-
حضرت علیؓ	-/۴۴/-
اچھی باتیں (۶ حصے کامل)	-/۹۰/۲
[illegible] قصے	-/۳۷/-
حضرت خدیجہؓ	-/۵۰/-
حضرت سودہؓ	-/۲۵/-
آسان فقہ	-/۴۴/-
رسولِ عربی	-/۱۲/۱
خلافتِ راشدہ اول	-/-/۱
〃 〃 دوم	-/-/۱
سراپائے رسولؐ	-/-/۱
ہمارے نبیؐ کے صحابہؓ	-/-/۱
رحمانی قاعدہ (عربی)	-/۳۷/-
〃 〃 (اردو)	-/۳۷/-
مفتاح القرآن (اول)	-/۳۷/-
〃 〃 (دوم)	-/۳۷/-
〃 〃 (سوم)	-/۷۵/-
〃 〃 (چہارم)	-/۲۵/۱
〃 〃 (پنجم)	-/۶۰/۱
معلم القرآن	-/۲۵/۱

دُنیا میں
سب سے بڑا روحانی انقلاب
پیغمبر خدا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ برپا ہوا تھا
جو لوگ اُردو زبان کے ذریعہ
اُس تعلیم و ہدایت سے واقف ہونا اور فائدہ اٹھانا چاہیں جس نے یہ انقلاب برپا کیا تھا
ہم انکی خدمت میں مولانا محمد منظور نعمانی مدیر الفرقان لکھنؤ کی تالیف
معارف الحدیث
اعتماد اور یقین ـ کے ساتھ پیش کرتے ہیں
اردو ترجمہ و تشریح کے ساتھ یہ حدیث نبوی کا ایک جدید مجموعہ ہے جو دورِ حاضر کے مسلمانوں کی ذہنی و فکری سطح کو پیش نظر رکھ کر مرتب کیا گیا ہے۔ اس کتاب کی یہ خصوصیت قابل ذکر ہے کہ مصنف کی خاص کوشش پوری کتاب میں یہ رہی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کے جو اثرات صحابہ کرام کے قلوب پر پڑتے تھے اِس کتاب کے ناظرین کے دلوں پر بھی وہی اثرات کسی درجہ میں پڑیں ـ (دو جلدیں شائع ہو چکی ہیں)
جلد اوّل ـ جس میں ایمان و آخرت سے متعلق ۳۰۰ حدیثوں کی تشریح کی گئی ہے۔ قیمت مجلد غیر مجلد
جلد دوم ـ جس میں تزکیۂ روح اور اصلاح اخلاق سے متعلق ۲۶۰ حدیثوں کی تشریح کی گئی ہے جنکے متعلق وثوق سے کہا جا سکتا ہے کہ قرآن مجید کے بعد تزکیۂ نفس اصلاح قلب اور تربیت اخلاق کا کوئی مؤثر نصاب سلوک آج دنیا کے اسلامی ادب میں موجود نہیں۔ قیمت
ملنے کا پتہ کتب خانہ الفرقان کچہری روڈ لکھنؤ

ماہنامہ الفرقان لکھنؤ

ہماری دعوت

لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ

اسی کلمہ پر اسلام کی بنیاد ہے اور ہمارا ایمان ہے کہ یہی انسانیت کی نجات کا کلمہ ہے
لیکن یہ صرف ایک بول ہی نہیں ہے بلکہ ایک شہادت، ایک اصول اور ایک اہم فیصلہ ہے، وہ اس
بات کا عہد ہے کہ ہم صرف اللہ کی عبادت اور بندگی کریں گے اور زندگی کے ہر شعبہ میں اس کی بھیجی ہوئی
حضرت محمد صلعم کی لائی ہوئی ہدایت اور شریعت کی پیروی کریں گے اور اسی حال میں جئیں گے اور مریں گے
جو لوگ اس کلمہ پر ایمان لا چکے ہیں ان کا فرض ہے کہ زندگی اس عہد کے مطابق گزاریں اور اسی ایمانی
زندگی کو دنیا میں رواج دینے کی کوشش کریں، وہ اسی لیے پیدا ہوئے ہیں۔ ہم اسی کا
عہد کرتے ہیں، اسی کی دعوت دیتے ہیں اور اسی پر جینا اور مرنا چاہتے ہیں
فاطر السموات والارض انت ولیی فی الدنیا والآخرۃ
توفنی مسلما والحقنی بالصالحین

ادارۃ الفرقان

مدیر مسئول
محمد منظور نعمانی

مرتب
عتیق الرحمٰن سنبھلی

چندہ
(دیگر ممالک سے)
سالانہ ...... ۱۲ شلنگ
اعزازی چندہ
سالانہ ۱۵/-

ماہنامہ الفرقان لکھنؤ

چندہ
(ہند و پاک سے)
سالانہ ۶/-
ششماہی ۳/-
فی کاپی ...... -/۶۰

جلد (۳۰) | بابتہ ماہ شعبان ۱۳۸۲ھ مطابق فروری ۱۹۶۳ء | شمارہ (۸)

اعلان الفرقان کا آئندہ شمارہ رمضان اور شوال کا مشترک شمارہ ہوگا اس لئے آئندہ ماہ پرچہ کا ناغہ ہوگا۔ یہ مشترک شمارہ ان شاء اللہ ۱۵ اپریل کو شائع ہوگا۔

اگر اس دائرہ میں ◯ سرخ نشان ہے تو

اس کا مطلب ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہوگئی ہے، براہ کرم آئندہ کے لئے چندہ ارسال فرمائیں، یا خریداری کا ارادہ نہ ہو تو مطلع فرمائیں، چندہ یا کوئی اطلاع ۲۰ فروری تک دفتر میں ضرور آجائے ورنہ اگلا شمارہ بصیغۂ وی پی ارسال ہوگا۔

پاکستان کے خریدار:- اپنا چندہ "سکریٹری اصلاح و تبلیغ آسٹریلین بلڈنگ لاہور" کو بھیجیں اور منی آرڈر کی پہلی رسید ہمارے پاس فوراً بھیجدیں۔

نمبر خریداری:- براہ کرم خط و کتابت اور منی آرڈر کے کوپن پر اپنا خریداری نمبر ضرور لکھ دیا کیجئے۔

تاریخ اشاعت:- الفرقان ہر انگریزی مہینہ کے پہلے ہفتہ میں روانہ کر دیا جاتا ہے اگر ۲۰ تاریخ تک بھی کسی صاحب کو نہ ملے تو فوراً مطلع فرمائیں اس کی اطلاع ۲۰ تاریخ تک آجانی چاہیئے۔ اس کے بعد رسالہ بھیجنے کی ذمہ داری دفتر پر نہ ہوگی۔

دفتر الفرقان، کچہری روڈ، لکھنؤ

(مولوی) محمد منظور نعمانی پرنٹر و پبلشر و ایڈیٹر و پروپرائٹر نے تنویر پریس لکھنؤ میں چھپوا کر دفتر الفرقان کچہری روڈ لکھنؤ سے شائع کیا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نِگاہِ اوّلیں

یَا بَاغِیَ الْخَیْرِ اَقْبِلْ وَیَا بَاغِیَ الشَّرِّ اَقْصِرْ!

اے نیکی کے طالب اور متلاشی قدم بڑھا کے آ اور اے بدی اور معصیت کے شائق آگے نہ بڑھ رک جا!

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان مبارک کی برکات اور خصوصیات بیان کرتے ہوئے ایک موقع پر فرمایا کہ اس مبارک مہینہ کی ہر رات میں اللہ کا منادی ندا لگاتا ہے ـــــ "یا باغی الخیر اقبل ویا باغی الشر اقصر!"[1]

جس کے پاس اعلیٰ قسم کی دوربین ہو وہ سیکڑوں میل تک دیکھ لیتا ہے جب کہ اُس کے بغیر وہ دو میل تک بھی نہیں دیکھ سکتا، اور جس کے پاس دور تک کی آوازیں سننے کا سامان ہو وہ ہزاروں میل کی آوازیں سُن لیتا ہے جبکہ اسکے بغیر وہ دیوار کے پیچھے کی آواز بھی نہیں سُن سکتا ـــــ اسی طرح اللہ تعالیٰ انبیاء علیہم السلام کو اور کبھی کبھی اپنے بعض دوسرے خاص بندوں کو بھی ملأ اعلیٰ اور عالم غیب کی وہ آوازیں سنوا دیتا ہے جن کو عام لوگ نہیں سنتے اور نہیں سُن سکتے ـــ

بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطلاع برحق ہے ہمارے وہ کان نہیں جن سے ہم ملأ اعلیٰ کی آوازیں سُن سکیں لیکن اللہ تعالیٰ نے جن کو سنانا چاہا انھوں نے رمضان مبارک کی راتوں میں منادی غیب کی یہ ندا سُنی ـــــ یَا بَاغِیَ الْخَیْرِ اَقْبِلْ وَیَا بَاغِیَ الشَّرِّ اَقْصِرْ!

---

[1] رواہ الترمذی وابن ماجہ۔

اور ظاہر ہے کہ نوائے غیب کے سننے والوں اور رمضان مبارک کی آسمانی برکتوں اور روحانی لذتوں کے شناساؤں اور تجربہ کاروں میں سب سے بلند مقام اس اطلاع کے دینے والے سید الانبیاء والمرسلین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا ہے، اسی لئے آپ کا یہ حال تھا کہ رمضان مبارک کے آتے ہی حق تعالیٰ کی طرف اور امورِ خیر کی طرف آپ کی توجہ بہت زیادہ بڑھ جاتی، گویا رمضان کا مہینہ آپ کی روحِ مبارک کے لئے "موسمِ بہار" ہوتا۔ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے:۔

كان رسول الله صلى الله عليه وسلم اجود الناس بالخير وكان اجود ما يكون فى رمضان (رواه البخاری ومسلم)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوں تو ہمیشہ ہی اور اپنی فطرت و مزاج کے لحاظ سے لوگوں کے لئے سراپا جود تھے لیکن بالخصوص رمضان مبارک میں یہ صفت بہت ہی بڑھ جاتی تھی۔

رمضان مبارک کے دنوں میں آپ روزے رکھتے اور تلاوتِ قرآن اور اسی طرح کے دوسرے اعمال و اشغال میں مشغول رہتے اور رات کا بڑا حصہ اللہ تعالیٰ کے حضور قیام وقعود اور رکوع و سجود میں گزارتے، اللہ کے بندوں کے ساتھ احسان، ان کی ہمدردی و غمخواری اور ان کی خدمت و خبرگیری کی طرف بھی آپ کی توجہ اس مہینہ میں بہت بڑھ جاتی ——— کبھی کبھی توجہ الی اللہ اور عبادت کا انہماک اتنا بڑھ جاتا کہ رمضان کی راتوں میں بھی کچھ نہ کھاتے کچھ نہ پیتے اور اسی طرح بے کھائے پئے مسلسل اور متواتر روزوں پر روزے رکھے جاتے۔ جس کو شریعت کی اصطلاح میں "صوم وصال" کہتے ہیں ——— اور سوائے اس "صوم وصال" کے (جس کی دوسروں کو اجازت نہیں تھی)

لے یہ "صوم وصال" آپ کے خصائص میں سے ہے دوسروں کو اس کی اجازت نہیں ہے، صحیح بخاری و صحیح مسلم وغیرہ میں مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح روزے رکھتے دیکھ کر بعض صحابہ کرام نے بھی ایسا کرنا شروع کر دیا تھا جب آپ کو اس کی اطلاع ہوئی تو آپ نے اُن کو اس سے منع فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ اس معاملہ میں کسی کو میری تقلید نہیں کرنی چاہیئے، اللہ تعالیٰ کا میرے ساتھ ایک خاص معاملہ ہے مجھے بے کھائے پئے اُس کی طرف سے غذا مل جاتی ہے تم میں کون ایسا ہے جس کے روح و قلب کو عالمِ غیب سے وہ غذا ملتی ہو (ایكم مثلی انی ابيت يطعمنی ربی ويسقينی صحيحين)

آپ اس مہینہ میں صحابہ کرام کو بھی تمام امورِ خیر عبادت، ذکر و تلاوت، دعا و استغفار خصوصاً راتوں کے قیام اور بندگان خدا پر صدقہ و احسان وغیرہ کی خاص طور سے ترغیب دیتے اور ہدایت فرماتے۔ اس سلسلہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعدد خطبے کتب حدیث میں محفوظ ہیں ــــــ یہ سارے خطبے دراصل منادیٔ غیب کی ندا "یَا بَاغِیَ الْخَیْرِ اَقْبِلْ" کی شرح اور توضیح ہیں ــــــ اسی طرح رمضان مبارک میں معصیات اور منکرات و مکروہات سے روکنے کے لئے آپ خاص طور سے تنبیہات فرماتے تھے، اس سلسلہ میں مختلف موقعوں پر آپ نے جو کچھ ارشاد فرمایا وہ سب دراصل اس ندائے غیب کے دوسرے جز "یَا بَاغِیَ الشَّرِّ اَقْصِرْ" کی تفصیل و تشریح ہے ــــــ اب جبکہ ہماری زندگیوں میں ایک دفعہ پھر رمضان مبارک آیا ہے آیئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس سلسلہ کے ترغیبی و ترہیبی خطبات و ارشادات کی آج پھر یاد تازہ کرلیں ــــــ آپ کے یہ خطبات و ارشادات صرف صحابہ کرام ہی کے لئے نہیں تھے بلکہ قیامت تک آنے والے اہل ایمان کے لئے تھے ــــــ پہلے ایک مختصر مگر جامع خطاب پڑھیئے!

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ ایک دفعہ جب رمضان المبارک آیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم لوگوں سے ارشاد فرمایا:۔

" اتاکم رمضان، شهر برکة	لوگو! ماہ رمضان آگیا، یہ بڑی برکت والا
یغشاکم الله۔ فیه فینزل الرحمة	مہینہ ہے، اللہ تعالیٰ اس میں اپنے خاص
ویحط الخطایا ویستجیب فیه	فضل و کرم سے تمہاری طرف متوجہ ہوتا ہے
الدعاء ینظر الله تعالیٰ الیٰ	اپنی خاص رحمتیں نازل فرماتا ہے خطائیں
تنافسکم فیه ویباهی بکم	معاف کرتا ہے، دعائیں قبول فرماتا ہے
ملٰئکته فاروا الله من انفسکم	اور اس مہینہ میں طاعات و حسنات اور
خیرا فان الشقی من حرم فیه	عبادات کی طرف تمہاری رغبت اور
رحمة الله عز وجل	مسابقت کو دیکھتا ہے اور مسرت و مفاخرت
(رواہ الطبرانی)	کے ساتھ اپنے فرشتوں کو بھی دکھاتا ہے

پس اے لوگو! ان مبارک دنوں میں اللہ
پاک کو اپنی نیکیاں ہی دکھاؤ (یعنی عبادات
وحسنات کثرت سے کرو) بلاشبہ وہ شخص بڑا
بدبخت ہے جو رحمتوں کے اس مہینہ میں بھی
اللہ کی رحمت سے محروم رہے۔

اور اس مبارک مہینہ میں قولی وعملی معصیات ومکروہات سے بچنے اور پرہیز کرنے کی تاکید فرماتے ہوئے ایک موقع پر آپ نے فرمایا:۔

من لم یدع قول الزور والعمل بہ فلیس للہ حاجۃ ان یدع طعامہ وشرابہ
(رواہ البخاری)

جو شخص روزہ کی حالت میں جھوٹ اور بیہودہ باتوں اور غلط اور بیہودہ اعمال سے پرہیز نہ کرے تو اللہ کو اس کے بھوکے اور پیاسے رہنے کی کچھ پرواہ نہیں۔

ایک دوسرے موقع پر ارشاد فرمایا:۔

اذا کان یوم صوم احدکم فلا یرفث ولا یصخب فان سابہ احد او قاتلہ فلیقل انی صائم۔
(رواہ البخاری ومسلم)

جب تم میں سے کسی کے روزے کا دن ہو تو اسے چاہیئے کہ وہ کوئی بیہودہ حرکت اور بیہودہ بات نہ کرے اور غصہ اور تیزی میں دوسرے بھی نہ بولے اور اگر کوئی دوسرا آدمی اس کے خلاف گالی بازی کرے اور لڑنا چاہے تو کہہ دے کہ میں روزے سے ہوں۔

اور جو لوگ روزے کی حالت میں بھی خرافات اور معصیات سے پرہیز اور احتیاط نہ کریں ان کے بارے میں آپ نے فرمایا:۔

رب صائم لیس لہ من صیامہ الا الجوع ورب قائم لیس لہ من قیامہ

کتنے ہی روزہ دار ہیں کہ ان کے روزوں کا حاصل بھوک پیاس کے سوا کچھ نہیں اور کتنے ہی شب زندہ دار ہیں جن کی

الا السھر۔ راتوں کی نمازوں کا حاصل اور نتیجہ رات کے جاگنے اور نیند خراب کرنے کے سوا کچھ نہیں۔ (رواہ الدارمی)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان ارشادات کو سامنے رکھ کر سوچئے کہ ان میں ہمارے لئے کیا ہدایت اور ہم سے کیا مطالبہ ہے ——— یہ مبارک مہینہ خاص طور سے تطہیر اور تزکیہ کا مہینہ ہے گناہوں سے توبہ اور استغفار کا مہینہ ہے، اللہ سے مانگنے اور اس کے حضور میں رونے ... اپنے کو جنت اور اللہ تعالیٰ کی خاص رضا و رحمت کا مستحق بنا لینے کا مہینہ ہے۔

... رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا واقعہ یہی ہے کہ جو کوئی اس ماہ رحمت میں بھی اللہ کی رحمت و مغفرت کے فیصلے سے محروم رہا وہ بڑا ہی بے نصیب اور بدبخت ہے فَاِنَّ الشَّقِيَّ مَنْ حُرِمَ فِيْهِ رَحْمَةَ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ۔

يَا بَاغِيَ الْخَيْرِ اَقْبِلْ وَيَا بَاغِيَ الشَّرِّ اَقْصِرْ

معارف الحدیث

(مسلسل)

خاص اجتماعی نمازیں جو اُمّتِ مسلمہ کا شعار ہیں

جُمعہ وعِیدَین

دن رات کی پانچوں فرض نمازیں جن کے باجماعت پڑھنے کا حکم ہے اور ان کے علاوہ وہ سنن و نوافل جو انفرادی طور پر ہی پڑھے جاتے ہیں ان سب کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات اور معمولات سابق میں ذکر کیے جا چکے، ان کے علاوہ چند نمازیں اور ہیں جو صرف اجتماعی طور پر ہی ادا کی جاتی ہیں اور وہ اپنی مخصوص نوعیت اور امتیازی شان کی وجہ سے اس اُمّت کا گویا شعار ہیں۔ ان میں سے ایک نماز جمعہ ہے جو ہفتہ وار ہے، اور عید الفطر و عید الاضحیٰ کی نمازیں ہیں جو سال میں ایک دفعہ ادا کی جاتی ہیں ——— فرائض پنجگانہ کے جماعت سے ادا کرنے میں جو مصالح اور منافع ہیں (جن کا ذکر اپنے موقع پر کیا جا چکا ہے) وہ سب کے سب وسیع تر پیمانے پر جمعہ اور عیدین کی نمازوں سے بھی حاصل ہوتے ہیں اور ان کے علاوہ کچھ اور حکمتیں اور مصلحتیں بھی ہیں جو صرف ان ہفتہ وار اور سالانہ اجتماعی نمازوں ہی سے وابستہ ہیں، پہلے نماز جمعہ کے بارے میں چند اشارات کیے جاتے ہیں امید ہے کہ اس باب کی احادیث کا مقصد و منشا سمجھنے میں ان شاء اللہ ان اشارات سے

ناظرین کو خاص رہنمائی حاصل ہوگی۔

روزانہ پانچوں وقت کی جماعت میں ایک محدود حلقہ یعنی ایک محلہ ہی کے مسلمان جمع ہو سکتے ہیں اس لیے ہفتہ میں ایک دن ایسا رکھ دیا گیا جس میں پورے شہر اور مختلف محلوں کے مسلمان ایک خاص نماز کے لیے شہر کی ایک بڑی مسجد میں جمع ہو جایا کریں اور ایسے اجتماع کے لیے ظہر ہی کا وقت زیادہ موزوں ہو سکتا تھا اس لیے وہی وقت رکھا گیا اور ظہر کی چار رکعت کے بجائے جمعہ کی نماز صرف دو رکعت رکھی گئی، اور اس اجتماع کو تعلیمی و تربیتی لحاظ سے زیادہ مفید اور مُؤثر بنانے کے لیے تخفیف شدہ دو رکعتوں کے بجائے خطبہ لازمی کر دیا گیا ——— اور اس کے لیے جمعہ ہی کا دن اس واسطے مقرر کیا گیا کہ ہفتہ کے سات دنوں میں سے وہی دن زیادہ باعظمت اور بابرکت ہے ——— جس طرح روزانہ اخیر شب کی گھڑیوں میں اللہ تعالیٰ کی رحمت و عنایت بندوں کی طرف زیادہ متوجہ ہوتی ہے اور جس طرح سال کی راتوں میں سے ایک رات (شب قدر) خاص الخاص درجہ میں برکتوں اور رحمتوں والی ہے، اسی طرح ہفتہ کے سات دنوں میں سے جمعہ کا دن اللہ تعالیٰ کے خاص الطاف و عنایات کا دن ہے اور اسی لیے اس میں بڑے بڑے اہم واقعات اللہ تعالیٰ کی طرف سے واقع ہوئے ہیں اور واقع ہونے والے ہیں (جیسا کہ آگے درج ہونے والی حدیثوں سے معلوم ہوگا) بہرحال جمعہ کی انہی خصوصیات کی وجہ سے اس اہم اور شاندار ہفتہ وار اجتماعی نماز کے لیے جمعہ کا دن مقرر کیا گیا ——— اور اس میں شرکت و حاضری کی سخت تاکید کی گئی، اور نماز سے پہلے غسل کرنے، اچھے صاف ستھرے کپڑے پہننے اور میسر ہو تو خوشبو بھی لگانے کی ترغیب بلکہ ایک درجہ میں تاکید کی گئی تاکہ مسلمانوں کا یہ مقدس

لہ شریعت میں جمعہ کی جو خاص نوعیت رکھی گئی ہے اور عہد نبوی اور دور صحابہ و تابعین میں بلکہ اس کے بھی کافی بعد تک اُمت کا جو طرز عمل جمعہ کے بارہ میں تھا اس سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ ایک شہر اور ایک بستی میں جمعہ حتی الامکان ایک ہی جگہ ہونا چاہیئے ہاں اگر ایسی کوئی مسجد موجود نہ ہو جس میں شہر اور بستی کے سارے نمازی آسکیں تو پھر حسب ضرورت شہر کی اور بھی مناسب مسجدوں کو نماز جمعہ کے لیے تجویز کیا جا سکتا ہے۔ لیکن اس میں بھی اس کا لحاظ رکھنا ضروری ہے کہ شہر کے ایک حلقہ میں جمعہ ایک ہی مسجد میں ہو۔ یہ طریقہ کہ محلہ کی تمام مسجدوں میں الگ الگ جمعہ ہو یقیناً شریعت کے مقصد و منشاء کے خلاف ہے۔"

ہفتہ واری اجتماع توجہ الی اللہ اور ذکر و دعا کی باطنی و روحانی برکات کے علاوہ ظاہری حیثیت سے بھی پاکیزہ، خوش منظر، بارونق اور پُربہار ہو اور مجمع کو ملائکہ کے پاک و صاف مجمع کے ساتھ زیادہ سے زیادہ مشابہت اور مناسبت ہو۔

اس تمہید کے بعد جمعہ اور نماز جمعہ کے متعلق احادیث ذیل میں پڑھیے!

جمعہ کے دن کی عظمت و فضیلت :-

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ خَیْرُ یَوْمٍ طَلَعَتْ عَلَیْهِ الشَّمْسُ یَوْمُ الْجُمُعَةِ فِیْهِ خُلِقَ اٰدَمُ وَفِیْهِ اُدْخِلَ الْجَنَّةَ وَفِیْهِ اُخْرِجَ مِنْهَا وَلَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ اِلَّا فِیْ یَوْمِ الْجُمُعَةِ ——— رواہ مسلم

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان سارے دنوں میں جن میں کہ آفتاب نکلتا ہے (یعنی ہفتہ کے ساتوں دنوں میں) سب سے بہتر اور برتر جمعہ کا دن ہے جمعہ ہی کے دن آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا اور جمعہ ہی کے دن وہ جنت میں داخل کیے گئے، اور جمعہ ہی کے دن وہ جنت سے باہر کر کے اس دنیا میں بھیجے گئے (جہاں ان سے نسل انسانی کا سلسلہ شروع ہوا) اور قیامت بھی خاص جمعہ ہی کے دن قائم ہوگی۔

(صحیح مسلم)

جمعہ کے دن کا خصوصی وظیفہ درود شریف :-

عَنْ اَوْسِ بْنِ اَوْسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ مِنْ اَفْضَلِ اَیَّامِكُمْ یَوْمُ الْجُمُعَةِ فِیْهِ خُلِقَ اٰدَمُ وَفِیْهِ قُبِضَ وَفِیْهِ النَّفْخَةُ وَفِیْهِ الصَّعْقَةُ فَاَکْثِرُوْا عَلَیَّ مِنَ الصَّلٰوةِ فِیْهِ فَاِنَّ صَلٰوتَکُمْ مَعْرُوْضَةٌ عَلَیَّ قَالُوْا یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ

وَكَيْفَ تُعْرَضُ صَلَوٰتُنَا عَلَيْكَ وَقَدْ اَرِمْتَ؟ قَالَ يَقُوْلُوْنَ بَلِيْتَ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ عَلَى الْاَرْضِ اَجْسَادَ الْاَنْبِيَاءِ۔ رواہ ابوداؤد والنسائی وابن ماجۃ والدارمی والبیہقی فی الدعوات الکبیر۔

حضرت اوس بن اوس ثقفی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جمعہ کا دن افضل ترین دنوں میں سے ہے، اسی میں آدم علیہ السلام کی تخلیق ہوئی، اسی میں ان کی وفات ہوئی، اسی میں قیامت کا صور پھونکا جائے گا اور اسی میں موت اور فنا کی بیہوشی اور بے ہوشی ساری مخلوقات پر طاری ہوگی، — لہذا تم لوگ جمعہ کے دن مجھ پر درود کی کثرت کیا کرو، کیونکہ تمہارا درود مجھ پر پیش ہوتا ہے اور پیش ہوتا رہے گا۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ کے وفات فرما جانے کے بعد ہمارا درود آپ پر کیسے پیش ہوگا، آپ کا جسد اطہر تو قبر میں ریزہ ریزہ ہو چکا ہوگا؟ — آپ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے پیغمبروں کے جسموں کو زمین پر حرام کر دیا ہے (یعنی موت کے بعد بھی ان کے اجسام قبروں میں بالکل صحیح سالم رہتے ہیں زمین ان میں کوئی تغیر پیدا نہیں کر سکتی)

(سنن ابی داؤد، سنن نسائی، سنن ابن ماجہ، مسند دارمی، دعوات کبیر للبیہقی)

(**تشریح**) اوپر والی حضرت ابوہریرہ کی حدیث کی طرح حضرت اوس بن اوس کی اس حدیث میں بھی جمعہ کے دن میں واقع ہونے والے اہم اور غیر معمولی واقعات کا ذکر کر کے جمعہ کی اہمیت و فضیلت بیان کی گئی ہے اور مزید یہ فرمایا گیا ہے کہ اس مبارک اور محترم دن میں درود زیادہ پڑھنا چاہیے، گویا جس طرح رمضان مبارک کا خاص وظیفہ تلاوت قرآن پاک ہے اور اس کو رمضان مبارک سے خاص مناسبت ہے اور جس طرح سفر حج کا خاص وظیفہ تلبیہ (لَبَّيْكَ اللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ الخ) ہے، اسی طرح جمعہ کے مبارک دن کا خاص وظیفہ اس حدیث کی رو سے درود شریف ہے، جمعہ کے دن خصوصیت سے اس کی کثرت کرنی چاہیے۔

وفات کے بعد آپ پر درود کی پیشی اور مسئلہ حیات انبیاء

درود شریف کی کثرت کا حکم دیتے ہوئے اس حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کا انتظام ہو گا

امت کا درود میرے پاس پہونچایا جاتا اور میرے سامنے پیش کیا جاتا ہے اور یہ انتظام اس دنیا سے میرے جانے کے بعد بھی اسی طرح قائم رہے گا (بعض دوسری حدیثوں میں یہ بھی ذکر ہے کہ درود آپ کے پاس فرشتے پہونچاتے ہیں) ـــــ اس پر بعض صحابۂ کرام کے دل میں یہ سوال پیدا ہوا کہ اس وقت تو جبکہ آپ اس دنیا میں رونق افروز ہیں آپ کے پاس ملائکہ کا آنا اور درود وغیرہ پہونچانا اور پیش کرنا معلوم ہے اور سمجھ میں آتا ہے، لیکن آپ کی وفات کے بعد جب آپ قبر میں دفن کر دیے جائیں گے اور عام طبعی قانون کے مطابق آپ کا جسم مبارک زمین کے اثر سے ریزہ ریزہ ہو جائے گا تو پھر درود شریف آپ کی خدمت میں کیسے پیش کیا جا سکے گا؟ انھوں نے یہ سوال آپ کی خدمت میں عرض کیا، آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے خاص حکم سے پیغمبروں کے اجسام اُن کی وفات کے بعد قبروں میں جوں کے توں محفوظ رہتے ہیں، زمین اُن پر اپنا عام طبعی عمل نہیں کر سکتی یعنی جس طرح دنیا میں خاص تدبیروں اور دواؤں سے مرنے کے بعد بھی اجسام کو محفوظ کیا جا سکتا ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اپنی خاص قدرت اور خاص حکم سے پیغمبروں کی وفات کے بعد ان کے جسموں کو ہمیشہ کے لیے قبروں میں محفوظ کر دیا ہے اور وہاں ان کو ایک خاص قسم کی حیات حاصل ہے گی (جو اُس عالم کے قوانین کے مطابق ہوگی) اس لیے درود کے پہونچنے اور پیش کیے جانے کا سلسلہ اسی طرح جاری رہے گا۔

جمعہ کے دن حصولِ قبولیت کی ایک خاص گھڑی:-

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ فِي الْجُمُعَةِ لَسَاعَةً لَا يُوَافِقُهَا عَبْدٌ مُسْلِمٌ يَسْأَلُ اللّٰهَ فِيهَا خَيْرًا إِلَّا أَعْطَاهُ إِيَّاهُ ـــــ رواہ البخاری و مسلم

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جمعہ کے دن میں ایک گھڑی ایسی ہوتی ہے کہ اگر کسی مسلمان بندہ کو حسنِ اتفاق سے خاص اس گھڑی میں خیر اور بھلائی کی کوئی چیز اللہ تعالیٰ سے مانگنے کی توفیق مل جائے تو اللہ تعالیٰ اس کو عطا ہی فرما دیتا ہے۔　　(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ جس طرح پورے سال میں رحمت و قبولیت کی ایک خاص رات (شبِ قدر) رکھی گئی ہے جس میں کسی بندہ کو اگر توبہ و استغفار اور دعا نصیب ہو جائے تو اس کی بڑی خوش نصیبی ہے اور اللہ تعالیٰ سے قبولیت کی خاص توقع ہے، اسی طرح ہر ہفتہ میں بھی جمعہ کے دن رحمت و قبولیت کی ایک خاص گھڑی ہوتی ہے اگر اس میں بندہ کو اللہ تعالیٰ سے دُعا کرنا اور مانگنا نصیب ہو جائے تو اللہ تعالیٰ کے کرم سے قبولیت ہی کی امید ہے ــــــ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عبد اللہ بن سلامؓ اور کعب احبار دونوں سے نقل کیا ہے کہ جمعہ کے دن کی اس ساعتِ اجابت کا ذکر تورات میں بھی ہے ــ اور معلوم ہے کہ یہ دونوں حضرات تورات اور کتبِ سابقہ کے بہت بڑے عالم تھے۔

جمعہ کے دن کی اس ساعتِ اجابت کے وقت کی تعیین و تخصیص میں شارحین حدیث نے بہت سے اقوال نقل کیے ہیں۔ ان میں سے دو ایسے ہیں جن کا صراحۃً یا اشارۃً بعض احادیث میں بھی ذکر ہے صرف وہی یہاں ذکر کیے جاتے ہیں۔

ایک یہ کہ جس وقت امام خطبہ کے لیے ممبر پر جائے اس وقت سے لے کر نماز کے ختم ہونے تک جو وقت ہوتا ہے بس یہی وہ ساعتِ اجابت ہے۔ اس کا حاصل یہ ہوا کہ خطبہ اور نماز کا وقت ہی قبولیتِ دعا کا خاص وقت ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ وہ ساعت عصر کے بعد سے لے کر غروبِ آفتاب تک کا وقفہ ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے حجۃ اللہ البالغہ میں یہ دونوں قول ذکر فرما کر اپنا خیال یہ ظاہر فرمایا ہے کہ ان دونوں باتوں کا مقصد بھی حتمی تعیین نہیں ہے بلکہ منشا صرف یہ ہے کہ خطبہ اور نماز کا وقت چونکہ بندگانِ خدا کی توجہ الی اللہ اور عبادت و دعا کا خاص وقت ہے اس لیے اس کی امید کی جاسکتی ہے کہ وہ ساعت اسی وقت میں ہو ــــ اور اسی طرح چونکہ عصر کے بعد سے غروب تک کا وقت نزولِ قضا کا وقت ہے اور وہ پورے دن کا گویا نچوڑ ہے اس لیے اس وقت بھی توقع کی جاسکتی ہے کہ وہ ساعت غالباً اس مبارک وقفہ میں ہو۔

بعض حضرات نے لکھا ہے کہ جمعہ کی دن کی اس خاص ساعت کو اسی طرح اور اسی

مصلحت سے مبہم رکھا گیا ہے جس طرح اور جس مصلحت سے شب قدر کو مبہم رکھا گیا ہے پھر جس طرح رمضان مبارک ... اخیرہ کی طاق راتوں اور خاص کر ستائیسویں شب کی طرف شب قدر کے بارے میں کچھ اشارات بعض حدیثوں میں کیے گئے ہیں اسی طرح جمعہ کے دن کی اس ساعت اجابت کے لیے نماز و خطبہ کے وقت اور عصر سے مغرب تک کے وقفہ کے لیے بھی احادیث میں اشارات کیے گئے ہیں تاکہ اللہ کے بندے کم از کم ان دو وقتوں میں توجہ الی اللہ اور دعا کا خصوصیت سے اہتمام کریں۔

اس ناچیز نے اپنے بعض اکابر کو دیکھا ہے کہ وہ جمعہ کے دن ان دونوں وقتوں میں لوگوں سے ملنا جلنا اور بات چیت کرنا پسند نہیں کرتے بلکہ نماز یا ذکر و دعا اور توجہ الی اللہ ہی میں مصروف رہنا چاہتے ہیں۔

نماز جمعہ کی فرضیت اور خاص اہمیت:۔

عَنْ طَارِقِ بْنِ شِهَابٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْجُمُعَةُ حَقٌّ وَاجِبٌ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ فِيْ جَمَاعَةٍ اِلَّا عَلٰى اَرْبَعَةٍ عَبْدٍ مَمْلُوْكٍ اَوِ امْرَاَةٍ اَوْ صَبِيٍّ اَوْ مَرِيْضٍ۔

(رواہ ابو داؤد)

طارق بن شہاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جمعہ کی نماز جماعت کے ساتھ ادا کرنا ہر مسلمان پر لازم و واجب ہے۔ (اس وجوب سے چار قسم کے آدمی مستثنیٰ ہیں، ایک غلام جو بیچارہ کسی کا مملوک ہو، دوسرے عورت، تیسرے لڑکا جو ابھی بالغ نہ ہوا ہو، چوتھے بیمار۔

(سنن ابی داؤد)

عَنِ ابْنِ عُمَرَ وَاَبِيْ هُرَيْرَةَ اَنَّهُمَا قَالَا سَمِعْنَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى اَعْوَادِ مِنْبَرِهٖ لَيَنْتَهِيَنَّ اَقْوَامٌ عَنْ وَدْعِهِمُ الْجُمُعَاتِ اَوْ لَيَخْتِمَنَّ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ ثُمَّ لَيَكُوْنُنَّ مِنَ الْغٰفِلِيْنَ۔

(رواہ مسلم)

حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت ابوہریرہ دونوں سے روایت ہے کہ ہم نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ برسر منبر فرما رہے تھے کہ جمعہ چھوڑنے والے لوگ یا تو اپنی اس حرکت سے باز آئیں یا یہ ہوگا کہ ان کے اس گناہ کی سزا میں اللہ تعالیٰ ان کے دلوں پر مہر لگا دے گا پھر وہ غافلوں ہی میں سے ہو جائیں گے (اور اصلاح کی توفیق سے محروم کر دیئے جائیں گے۔) (صحیح مسلم)

عَنْ اَبِی الْجَعْدِ الضَّمْرِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ تَرَكَ ثَلٰثَ جُمَعٍ تَهَاوُنًا بِهَا طَبَعَ اللّٰہُ عَلٰی قَلْبِہٖ۔

رواہ ابوداؤد والترمذی والنسائی وابن ماجہ والدارمی ورواہ مالک عن صفوان بن سلیم و احمد عن ابی قتادہ۔

ابوالجعد ضمری سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو آدمی بلا عذر تین جمعے تساہل و سہل انگاری کی وجہ سے چھوڑ دے گا اللہ تعالیٰ اس کے دل پر مہر لگا دے گا (پھر وہ نیک عمل کی توفیق سے محروم ہی رہے گا۔)

(سنن ابی داؤد، جامع ترمذی، سنن نسائی، سنن ابن ماجہ، مسند دارمی ——— اور یہی حدیث امام مالکؒ نے موطا میں صفوان بن سلیمؓ سے، اور امام احمدؒ نے اپنے مسند میں حضرت ابوقتادہ سے بھی روایت کی ہے)

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ تَرَكَ الْجُمُعَةَ مِنْ غَیْرِ ضَرُوْرَةٍ كُتِبَ مُنَافِقًا فِیْ كِتَابٍ لَا یُمْحٰی وَلَا یُبَدَّلُ وَفِیْ بَعْضِ الرِّوَایَاتِ ثَلٰثًا ——— رواہ الشافعی

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص بغیر کسی مجبوری کے جمعہ کی نماز چھوڑے گا وہ اللہ کے اس دفتر میں جس میں کوئی رد و بدل نہیں ہو سکتا منافق لکھا جائے گا ——— (اور بعض روایات میں تین دفعہ چھوڑنے کا ذکر ہے) (مسند شافعی)

(تشریح) ان حدیثوں میں جمعہ کی جو غیر معمولی اہمیت بیان کی گئی ہے اور اس کے ترک پر

جو وعیدیں سنائی گئی ہیں وہ کسی توضیح اور تشریح کی محتاج نہیں ہیں، اللہ تعالیٰ اُن سب معصیات و منکرات سے بچنے کی توفیق دے جن کے نتیجہ میں بندہ اللہ تعالیٰ کی نظرِ کرم سے گر جاتا ہے اور اس کے دل پر مہر لگا دی جاتی ہے۔ اللّٰھُمَّ احفظنا!

نمازِ جمعہ کا اہتمام اور اس کے آداب:-

عَنْ سَلْمَانَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا یَغْتَسِلُ رَجُلٌ یَوْمَ الْجُمُعَۃِ وَیَتَطَھَّرُ مَا اسْتَطَاعَ مِنْ طُھْرٍ وَیَدَّھِنُ مِنْ دُھْنِہٖ اَوْ یَمَسُّ مِنْ طِیْبِ بَیْتِہٖ ثُمَّ یَخْرُجُ فَلَا یُفَرِّقُ بَیْنَ اثْنَیْنِ ثُمَّ یُصَلِّیْ مَا کُتِبَ لَہٗ ثُمَّ یُنْصِتُ اِذَا تَکَلَّمَ الْاِمَامُ اِلَّا غُفِرَلَہٗ مَا بَیْنَہٗ وَبَیْنَ الْجُمُعَۃِ الْاُخْرٰی ـــــ رواہ البخاری

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو آدمی جمعہ کے دن غسل کرے اور جہاں تک ہو سکے صفائی پاکیزگی کا اہتمام کرے اور جو تیل خوشبو اس کے گھر ہو وہ لگائے پھر وہ گھر سے نماز کے لیے جائے اور مسجد میں پہونچ کر اس کی احتیاط کرے کہ جو دو آدمی پہلے سے ساتھ بیٹھے ہوں اُن کے بیچ میں نہ بیٹھے، پھر جو نماز یعنی سنن و نوافل کی جتنی رکعتیں اس کے لیے مقدر ہوں وہ پڑھے، پھر جب امام خطبہ دے تو توجہ اور خاموشی کے ساتھ اس کو سنے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس جمعہ اور دوسرے جمعہ کے درمیان کی اس کی ساری خطائیں ضرور معاف کر دی جائیں گی۔ (صحیح بخاری)

عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ وَاَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنِ اغْتَسَلَ یَوْمَ الْجُمُعَۃِ وَلَبِسَ مِنْ اَحْسَنِ ثِیَابِہٖ وَمَسَّ مِنْ طِیْبٍ اِنْ کَانَ عِنْدَہٗ ثُمَّ اَتَی الْجُمُعَۃَ فَلَمْ یَتَخَطَّ اَعْنَاقَ النَّاسِ ثُمَّ صَلّٰی مَا کَتَبَ اللّٰہُ لَہٗ ثُمَّ اَنْصَتَ اِذَا خَرَجَ اِمَامُہٗ حَتّٰی یَفْرُغَ مِنْ صَلٰوتِہٖ کَانَتْ کَفَّارَۃً لِّمَا بَیْنَھَا وَبَیْنَ

الْجُمُعَةِ الَّتِي قَبْلَهَا ـــــــــــــــ رواہ ابوداؤد

حضرت ابوسعید خدری اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہما دونوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس نے جمعہ کے دن غسل کیا اور جو اچھے کپڑے اسے میسر تھے وہ پہنے اور خوشبو اگر اس کے پاس تھی تو وہ بھی لگائی پھر وہ نماز جمعہ کے لیے حاضر ہوا اور اس کی احتیاط کی کہ پہلے سے بیٹھے ہوئے لوگوں کی گردنوں کے اوپر سے پھلانگتا ہوا نہیں گیا پھر سنتوں اور نفلوں کی جتنی رکعتوں کی اللہ تعالیٰ نے توفیق دی وہ پڑھیں، پھر جب امام خطبہ دینے کے لیے آیا تو ادب اور خاموشی سے اس کی طرف متوجہ ہو کر خطبہ سُنا، یہاں تک کہ نماز پڑھ کر فارغ ہوا تو اس بندہ کی یہ نماز اس جمعہ اور اس سے پہلے والے جمعہ کے درمیان کے گناہوں خطاؤں کے لیے کفارہ ہو جائے گی۔ (سنن ابی داؤد)

(تشریح) شریعت میں غسل جمعہ کا جو درجہ ہے اور اس کا جو خاص مقصد و منشا ہے اس کا بیان تفصیل کے ساتھ "مسنون یا مستحب غسل" کے زیر عنوان پہلے کیا جا چکا ہے۔ مندرجہ بالا دونوں حدیثوں میں غسل کے علاوہ چند اور اعمال کا بھی ذکر ہے۔ بقدر امکان ہر قسم کی پاکیزگی اور صفائی کا اہتمام، اچھے لباس کا اہتمام، خوشبو کا استعمال، مسجد میں ہر اس چیز سے احتیاط اور اجتناب جس سے لوگوں کو ایذا پہنچنے اور باہمی تعلقات خراب ہونے کا اندیشہ ہو، جیسے پہلے سے ساتھ بیٹھے ہوئے دو آدمیوں کے بیچ میں گھس کے بیٹھنا یا لوگوں کے اوپر سے پھلانگ کے جانا وغیرہ، پھر وہاں حسب توفیق نوافل پڑھنا اور خطبہ کے وقت ادب اور توجہ کے ساتھ اس کو سننا، پھر نماز پڑھنا ـــــ جمعہ کی جو نماز اس اہتمام اور آداب کے ساتھ پڑھی جائے اس کو ان دونوں حدیثوں میں پورے ہفتہ کے گناہوں کا کفارہ اور بخشش و معافی کا وسیلہ فرمایا گیا ہے۔ ـــــ یوں بھی غور کر کے سمجھا جا سکتا ہے کہ یہ سب اعمال جب صحیح ذہن کے ساتھ کیے جائیں گے تو ان بندوں کے دلوں اور ان کی روحوں کی کیا کیفیات ہوں گی اور ان کی زندگی پر اس نماز کے کیا اثرات پڑیں گے اور پھر اللہ تعالیٰ کی رحمت اور شان مغفرت کا ان کے ساتھ کیا معاملہ ہوگا۔

عَنْ عُبَيْدِ بْنِ السَّبَّاقِ مُرْسَلاً قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي جُمُعَةٍ مِنَ الْجُمَعِ يَا مَعْشَرَ الْمُسْلِمِيْنَ إِنَّ هٰذَا يَوْمٌ جَعَلَهُ اللّٰهُ عِيْداً فَاغْتَسِلُوْا وَمَنْ كَانَ عِنْدَهٗ طِيْبٌ فَلَا يَضُرُّهٗ أَنْ يَمَسَّ مِنْهُ وَعَلَيْكُمْ بِالسِّوَاكِ ۔۔۔۔ رواه مالک ورواه ابن ماجہ وهو عن ابن عباس متصلاً

عبید بن السباق تابعی سے مرسلاً روایت ہے کہ ایک جمعہ کو خطاب فرماتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، مسلمانو! اللہ تعالیٰ نے جمعہ کے اس دن کو عید بنایا ہے لہذا اس دن غسل کیا کرو اور جس کے پاس خوشبو ہو اس کے لیے کوئی حرج نہیں ہے کہ وہ خوشبو لگائے۔ اور مسواک اس دن ضرور کیا کرو۔ (موطا امام مالک۔ وسنن ابن ماجہ۔ اور ابن ماجہ نے اس حدیث کو بروایت عبد اللہ بن عباس متصلاً روایت کیا ہے)

جمعہ کے دن خط بنوانا اور ناخن ترشوانا:۔

عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُقَلِّمُ أَظْفَارَهٗ وَيَقُصُّ شَارِبَهٗ يَوْمَ الْجُمُعَةِ قَبْلَ أَنْ يَخْرُجَ إِلَى الصَّلٰوةِ۔

۔۔۔۔۔۔۔۔ رواه البزار والطبرانی فی الاوسط

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے دن نماز کو جانے سے پہلے اپنے ناخن اور اپنی لبیں تراشا کرتے تھے[1]۔

(مسند بزار ومعجم اوسط للطبرانی)

جمعہ کے لیے اچھے کپڑوں کا اہتمام:۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ السَّلَامِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ

سلہ واضح رہے کہ محدثین کو اس روایت کی صحت میں کلام ہے لیکن سلمان فارسی کی جو روایت ابھی اوپر صحیح بخاری کے حوالے سے گزر چکی ہے اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعہ کے دن کیلئے طہارت اور پاکیزگی کی جس طرح ترغیب دی ہے اسکی وسعت میں یہ چیزیں بھی آسکتی ہیں۔

وَسَلَّمَ مَا عَلٰى اَحَدِكُمْ اِنْ وَجَدَ اَنْ يَّتَّخِذَ ثَوْبَيْنِ لِيَوْمِ الْجُمُعَةِ سِوٰى ثَوْبَيْ مِهْنَتِهٖ ——— رواه ابن ماجة ورواه مالك عن يحيى بن سعيد

حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے کسی کے لیے اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے کہ اگر اس کو وسعت ہو تو وہ روزمرّہ کے کام کاج کے وقت پہنے جانے والے کپڑوں کے علاوہ جمعہ کے دن کے لیے کپڑوں کا ایک خاص جوڑا بنا کے رکھ لے۔ (سنن ابن ماجہ)

(تشریح) روزمرّہ پہنے جانے والے کپڑوں کے ماسوا کوئی خاص جوڑا بنا کے رکھنے میں شبہ ہو سکتا تھا کہ شاید یہ شان فقر و زہد کے خلاف اور ناپسندیدہ ہو، اس حدیث میں دراصل اسی شبہ کو زائل کیا گیا ہے اور آپ کا مطلب یہ ہے کہ جمعہ جیسے دینی اجتماع کے لیے مسلمانوں کی ہفتہ وار عید ہو چونکہ حسب استطاعت اچھا کپڑا پہننا اللہ تعالیٰ کو پسند ہے اس لیے اس کے واسطے خاص جوڑا بنا کے رکھنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

طبرانی نے معجم صغیر اور اوسط میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک خاص جوڑا تھا جو آپ جمعہ کے دن پہنا کرتے تھے اور جب آپ نماز سے فارغ ہو کر تشریف لاتے تھے تو ہم اس کو تہہ کر کے رکھ دیتے تھے اور پھر وہ اگلے جمعہ ہی کو نکلتا تھا۔" ——— لیکن محدثین کے اصول پر اس روایت کی سند میں کچھ ضعف ہے۔[۱]

جمعہ کے لیے اول وقت جانے کی فضیلت:-

عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا كَانَ يَوْمُ الْجُمُعَةِ وَقَفَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ عَلٰى بَابِ الْمَسْجِدِ يَكْتُبُوْنَ الْاَوَّلَ فَالْاَوَّلَ وَمَثَلُ الْمُهَجِّرِ كَمَثَلِ الَّذِيْ يُهْدِيْ بُدْنَةً ثُمَّ كَالَّذِيْ يُهْدِيْ بَقَرَةً ثُمَّ كَبْشًا ثُمَّ دَجَاجَةً ثُمَّ بَيْضَةً فَاِذَا

---

[۱] جمع الفوائد مع تعلیقات اعذب الموارد صفحہ ۴۶ ج ۱

خَرَجَ الْاِمَامُ طَوَوْا صُحُفَهُمْ وَيَسْتَمِعُوْنَ الذِّكْرَ ـــــ رواہ البخاری ومسلم

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب جمعہ کا دن ہوتا ہے تو فرشتے مسجد کے دروازہ پر کھڑے ہوجاتے ہیں اور شروع میں آنے والوں کے نام یکے بعد دیگرے لکھتے ہیں، اور اول وقت دوپہر میں آنے والے کی مثال اس شخص کی سی ہے جو اللہ کے حضور میں اونٹ کی قربانی پیش کرتا ہے پھر اس کے بعد دوم نمبر پر آنے والے کی مثال اس شخص کی سی ہے جو گائے پیش کرتا ہو پھر اس کے بعد آنے والے کی مثال مینڈھا پیش کرنے والے کی، اس کے بعد مرغی پیش کرنے والے کی اس کے بعد انڈا پیش کرنے والے کی، پھر جب امام خطبہ کے لیے منبر کی طرف جاتا ہے تو یہ فرشتے اپنے لکھنے کے دفتر لپیٹ لیتے ہیں اور خطبہ سننے میں شریک ہوجاتے ہیں۔ (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

(تشریح) حدیث کا اصل مقصد و مدعا جمعہ کے لیے اول وقت جانے کی ترغیب ہے اور آگے پیچھے آنے والوں کے ثواب اور درجات کے فرق کو آپ نے مختلف درجہ کی قربانیوں کی مثال دے کر سمجھانا چاہا ہے۔

نماز جمعہ اور خطبہ کے بارہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول:-

عَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اشْتَدَّ الْبَرْدُ بَكَّرَ بِالصَّلٰوةِ وَاِذَا اشْتَدَّ الْحَرُّ اَبْرَدَ بِالصَّلٰوةِ يَعْنِي الْجُمُعَةَ

ـــــ رواہ البخاری

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ جب سردی زیادہ ہوتی تو نماز جمعہ شروع وقت ہی میں پڑھ لیتے اور جب موسم زیادہ گرم ہوتا تو ٹھنڈے وقت یعنی گرمی کی شدت کم ہونے پر پڑھتے۔ (صحیح بخاری)

عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ كَانَتْ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

خُطْبَتَانِ يَجْلِسُ بَيْنَهُمَا يَقْرَءُ الْقُرْآنَ وَيُذَكِّرُ النَّاسَ فَكَانَتْ صَلٰوتُهٗ قَصْدًا وَخُطْبَتُهٗ قَصْدًا ۔ رواہ مسلم

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دو خطبے دیا کرتے تھے اور دونوں کے درمیان (تھوڑی دیر کے لیے) بیٹھتے تھے۔ آپ ان خطبوں میں قرآن مجید کی آیات بھی پڑھتے تھے اور لوگوں کو نصیحت بھی فرماتے تھے۔ آپ کی نماز بھی درمیانی ہوتی تھی اور اسی طرح آپ کا خطبہ بھی۔
(صحیح مسلم)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ آپ کے خطبہ اور نماز میں نہ بہت طول ہوتا تھا نہ بہت زیادہ اختصار، بلکہ دونوں کی مقدار معتدل اور متوسط ہوتی تھی۔ قرأت کے بیان میں وہ حدیثیں پہلے گزر چکی ہیں جن میں بتلایا گیا ہے کہ جمعہ کی نماز میں آپ اکثر کون کون سورتیں پڑھتے تھے۔

عَنْ جَابِرٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا خَطَبَ احْمَرَّتْ عَيْنَاهُ وَعَلَا صَوْتُهٗ وَاشْتَدَّ غَضَبُهٗ حَتّٰى كَأَنَّهٗ مُنْذِرُ جَيْشٍ يَقُوْلُ صَبَّحَكُمْ وَمَسَّاكُمْ وَيَقُوْلُ بُعِثْتُ أَنَا وَالسَّاعَةُ كَهَاتَيْنِ وَيَقْرِنُ بَيْنَ إِصْبَعَيْهِ السَّبَّابَةِ وَالْوُسْطٰى۔ رواہ مسلم

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب خطبہ دیتے تھے تو آپ کی آنکھیں سرخ ہو جاتی تھیں، آواز بلند ہو جاتی تھی اور سخت غصہ اور جلال کی کیفیت پیدا ہو جاتی تھی۔ یہاں تک کہ آپ کی حالت اس شخص کی سی ہو جاتی تھی جو دشمن کے لشکر کو خود دیکھ کر آیا ہو اور اپنی قوم کو بچاؤ پر آمادہ کرنے کے لیے اس سے کہتا ہو کہ دشمن کا لشکر قریب ہی آ پہونچا ہے (اپنی پوری تباہ کاریوں کے ساتھ) بس صبح شام تم پر آ پڑنے والا ہے — آپ یہ بھی فرماتے تھے کہ میری بعثت اور قیامت کی آمد ان دو انگلیوں کی طرح (قریب ہی قریب) ہیں اور آپ (تفہیم اور تمثیل کے لیے) اپنی دو انگلیوں یعنی کلمہ والی اور اس کے برابر کی بیچ والی انگلی کو ملا دیتے تھے۔ (صحیح مسلم)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ آپ کا خطبہ پر جوش اور پر جلال خطبہ ہوتا تھا، اور آپ کا حال، قال کے بالکل مطابق ہوتا تھا خصوصیت کے ساتھ آپ خطبہ میں قیامت کے قرب اور اس کی ہولناکیوں کا ذکر بکثرت فرماتے تھے اور کلمہ والی انگلی اور اس کے بیچ والی انگلی کو باہم ملا کر فرمایا کرتے تھے کہ جس طرح یہ دونوں قریب قریب ہیں اسی طرح سمجھو کہ میری بعثت کے بعد قیامت بھی قریب ہی ہے، اب درمیان میں کوئی اور نبی بھی آنے والا نہیں ہے، میرے ہی دور میں قیامت آنے والی ہے اس لیے اس کی تیاری کرو۔

نماز جمعہ سے پہلے اور بعد کی سنتیں:-

عَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَرْكَعُ قَبْلَ الْجُمُعَةِ اَرْبَعاً وَّبَعْدَهَا اَرْبَعاً ــــــ رواہ الطبرانی فی الکبیر

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ سے پہلے چار رکعت پڑھتے تھے اور جمعہ کے بعد چار رکعت[1]۔

(معجم کبیر طبرانی)

عَنْ جابر بن عبد اللهِ قَالَ جاء سليك الغطفاني يوم الْجُمُعَة وَرَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَاعِدٌ عَلَى المنبر فقعد سليك قَبْلَ اَنْ يُصَلِّيَ فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اركعت رَكعتين قَالَ لَا قَالَ قُمْ فَارْكَعْهُمَا ــــــ رواہ مسلم

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سلیک غطفانی

---

[1] حضرت ابن عباسؓ کی یہ حدیث "مجمع الزوائد" میں کبیر طبرانی ہی کے حوالے سے نقل کی گئی ہے اور اس کا اظہار کر دیا گیا ہے کہ اس کی سند میں ضعف ہے۔ لیکن اس کے ذیل "اعذب الموارد" میں ہے کہ یہ حدیث ایک دوسرے طریق سے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے اور اس کے اسناد میں یہ ضعف نہیں ہے بلکہ عراقی نے اس کی سند کو جید کہا ہے۔ ۱۲

ایک دفعہ جمعہ کے دن ایسے وقت مسجد میں آئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر بیٹھ گئے تھے (یعنی خطبہ شروع کرنے کے لیے منبر پر تشریف لے جا چکے تھے اور ابھی بیٹھے ہوئے تھے) سُلیک تو اسی حالت میں آکر بیٹھ گئے قبل اس کے کہ نماز پڑھتے (یعنی انھوں نے مسجد میں داخل ہو کر نماز نہیں پڑھی بلکہ یہ دیکھ کر کہ حضورؐ خطبہ کے لیے منبر پر جا چکے ہیں یا خود بھی بیٹھ گئے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کیا تم نے دو رکعتیں پڑھی ہیں؟ انھوں نے عرض کیا کہ نہیں، آپ نے فرمایا اٹھو اور پہلے دو رکعتیں پڑھو! (صحیح مسلم)

تشریح) اس حدیث کی بنا پر امام شافعیؒ اور امام احمدؒ اور بعض دوسرے ائمہ کا مسلک ہے کہ نماز جمعہ کے لیے جو شخص مسجد میں آئے اس کے لیے اس دن تحیۃ المسجد واجب ہے اور اگر بالفرض امام خطبہ شروع کر چکا ہو جب بھی یہ آنے والا دو رکعت تحیۃ المسجد پڑھے، لیکن امام ابوحنیفہ اور امام مالک اور سفیان ثوری وغیرہ اکثر ائمہ ان احادیث کی بنا پر جن میں خطبہ کے وقت خاموش رہنے اور توجہ کے ساتھ اس کو سننے کی تاکید کی گئی ہے اور ترغیب دی گئی ہے اور اسی کے مطابق اکثر صحابہ واکابر تابعین کے عمل اور فتوے کی بنا پر خطبہ کے وقت نماز پڑھنے کی اجازت نہیں دیتے اور سلیک غطفانی کے اس واقعہ کی مختلف توجیہات فرماتے ہیں۔

اس مسئلہ میں دونوں طرف کے دلائل بہت وزنی ہیں[1]۔ اس لیے احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ جمعہ کے دن مسجد میں ایسے وقت پہونچ جائے کہ خطبہ سے پہلے کم از کم دو رکعتیں ضرور پڑھ لے۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا صَلّٰی اَحَدُکُمُ الْجُمُعَةَ فَلْیُصَلِّ بَعْدَهَا اَرْبَعاً ـــــ رواہ مسلم

---

[1] حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے فتح الملہم شرح صحیح مسلم میں اس مسئلہ سے متعلق فریقین کا نقطۂ نظر اور ان کے دلائل پوری تفصیل سے ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے" والانصاف ان الصدر لم ینشرح للترجیح احد الجانبین الی الآن ولعل اللہ یحدث بعد ذالک امراً۔

تجلیاتِ مجدد الفِ ثانیؒ
مکتوبات کے آئینے میں

ترجمہ از ———— مولانا نسیم احمد فریدی امروہی

مکتوب (۵۷)۔ ملا غازی کے نام ——[(۱) ذکر اللہ اور درود شریف میں سے کون کس وقت افضل ہے۔ (۲) کوئی کمال دعوت و تبلیغ کے مرتبہ کو نہیں پہونچتا۔]

کچھ عرصے سے حضرت خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھنے کا اشتغال رکھتا تھا، اور انواع و اقسام کے درود پڑھتا تھا اور نتائج و ثمرات بھی اس پر مرتب پاتا تھا نیز اسرار ولایت خاصہ محمدیہ کی جانب راہ یاب ہوتا تھا ——— جب کچھ مدت اس عمل پر گزری اتفاقاً اس عمل کے التزام میں سستی رونما ہوئی اور اس اشتغال کی توفیق زائل ہوگئی اور صرف اُن درودوں پر اکتفا کیا جو نماز میں معین ہیں ——— اب یہی اچھا معلوم ہوتا تھا کہ تسبیح و تقدیس اور تہلیل میں مشغول رہوں۔ دل میں کہتا تھا کہ اس امر میں کوئی حکمت ضرور ہوگی دیکھو کیا بات ظاہر کرتے ہیں۔ بالآخر اللہ تعالیٰ کی عنایت سے معلوم ہوا کہ اس وقت ذکر کرنا درود پڑھنے سے بہتر ہے، درود بھیجنے والے کے لیے بھی اور جس ذاتِ گرامی پر درود بھیجا جاتا ہے اس کے لیے بھی ——— دو وجہ سے ایک وجہ تو یہ ہے کہ حدیث قدسی میں آیا ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ "جس شخص کو میرا ذکر سوال و درخواست سے باز رکھے میں اس کو اُن لوگوں سے بہتر اور زیادہ تر دیتا ہوں جو مجھ سے سوال کرتے ہیں" ——— دوسری وجہ یہ ہے کہ ذکر، حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم ہی سے ماخوذ ہے۔ ذکر کا ثواب جس طرح، ذاکر کو ملتا ہے آنسرور صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اس ثواب کے مثل ملتا ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی جمعہ کی نماز پڑھے تو چاہیے کہ اس کے بعد چار رکعت اور پڑھے۔ (صحیح مسلم)

عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عُمَرَ قَالَ کَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا یُصَلِّیْ بَعْدَ الْجُمُعَۃِ حَتّٰی یَنْصَرِفَ فَیُصَلِّیْ رَکْعَتَیْنِ فِیْ بَیْتِہٖ ۔

رواہ البخاری و مسلم

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز جمعہ کے بعد کوئی نماز نہیں پڑھتے تھے یہاں تک کہ مسجد سے گھر تشریف لے آتے پھر گھر ہی میں دو رکعتیں پڑھتے تھے۔

(صحیح بخاری و مسلم)

(تشریح) کتب حدیث میں نماز جمعہ کے بعد کی سنتوں کے بارہ میں جو روایات ہیں ان میں دو رکعت کا بھی ذکر ہے، چار کا بھی، اور چھ کا بھی، امام ترمذی نے خود حضرت عبداللہ بن عمر کے بارہ میں نقل کیا ہے کہ وہ جمعہ کے بعد دو رکعت اور اس کے بعد چار رکعت گویا کل چھ رکعت بھی پڑھتے تھے۔

اس لیے ائمہ مجتہدین کے رجحانات بھی اس بارہ میں مختلف ہیں، بعض حضرات دو رکعت کو ترجیح دیتے ہیں، بعض چار کو اور بعض چھ کو۔

جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے —— "جس شخص نے کسی طریقۂ نیک کی بنیاد رکھی پس اس کو اس کا ثواب ملتا ہے اور ساتھ ہی ساتھ جو شخص بھی اس نیک طریقے پر عمل کرے گا اس کا ثواب بھی" —— اسی طرح ہر عمل نیک جو کسی امتی سے وجود میں آتا ہے اس کا اجر جس طرح عامل کو ملتا ہے پیغمبر کو بھی جو اس عمل کے مقرر کرنے والے ہیں، اسی قدر اجر ملتا ہے بغیر اس کے کہ عمل کرنے والے کے اجر میں کوئی کمی واقع ہو —— اور اس کی بھی کوئی ضرورت نہیں ہے کہ عمل نیک کرنے والا پیغمبر (کو ثواب پہونچانے) کی نیت سے عمل کرے۔ اس لیے کہ یہ اجر کا دینا محض عطائے حق ہے۔ عمل کرنے والے کا اس میں کوئی دخل نہیں ہے۔ البتہ اگر عمل کرنے والا پیغمبر کی نیت بھی کرلے گا تو یہ امر خود عامل کے اجر و ثواب کی زیادتی کا باعث ہوگا اور یہ زیادتی اجر و ثواب بھی پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف رجوع کرے گی —— ذلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء واللہ ذو الفضل العظیم —— اس میں شک نہیں کہ ذکر سے مقصود اصلی یاد حق ہے اور اجر کا طلب کرنا اس کے ضمن میں ہے اور درود شریف سے مقصود اصلی طلب حاجت ہے اور ان دونوں باتوں میں بڑا فرق ہے —— پس وہ فیوض و برکات جو راہ ذکر سے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو پہونچتے ہیں ان فیوض و برکات کے مقابلے میں کئی درجے زیادہ ہوں گے جو از راہ درود ان کو پہونچتے ہیں —— یہ بھی جان لینا چاہیے کہ ہر ذکر یہ رتبہ نہیں رکھتا۔ جو ذکر، لائق قبول ہے وہی اس خصوصیت کے ساتھ مخصوص ہے۔ اگر ایسا ذکر نہیں ہے تو درود ہی کو اس پر فضیلت ہوگی۔ اور درود ہی سے وصول برکات کی زیادہ توقع ہوگی —— ہاں ایسا ذکر جس کو طالب کسی شیخ کامل سے حاصل کرے اور شرائط طریقہ کے ساتھ اس پر مداومت کرے وہ درود سے افضل ہے..... اسی لیے مشائخ طریقت نے مبتدی کے لیے سوائے ذکر کرنے کے کچھ تجویز نہیں کیا ہے اور اس کے حق میں فرائض (واجب) اور سنن کو کافی سمجھا ہے اور امور نافلہ سے منع کیا ہے۔

اس بیان سے واضح ہوا کہ امت کا کوئی فرد ایسا نہیں ہے جو اپنے پیغمبر سے مساوات پیدا کر سکے اگرچہ وہ فرد، کمالات میں بڑے درجہ پر ہی کیوں نہ ہو۔ اس لیے کہ یہ کمالات جو اس کو حاصل ہوئے ہیں شریعت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت ہی

کے ذریعے حاصل ہوئے ہیں، پس یہ تمام کمالات جو اس فرد کو حاصل ہیں پیغمبر کے لیے بھی ثابت ہوں گے ۔۔۔ دوسرے متبعین کے کمالات اور کمالات مخصوصہ پیغمبرؐ کے ساتھ ساتھ اسی طرح وہ فرد کامل کسی اور پیغمبر کے رتبے کو بھی نہیں پہونچ سکتا اگرچہ اس پیغمبر کی کسی ایک شخص نے بھی متابعت نہ کی ہو اور اس کی دعوت کو کسی نے بھی قبول نہ کیا ہو ۔۔۔

ہر پیغمبر اصل میں صاحب دعوت ہے اور تبلیغ شریعت پر مامور ۔۔۔ اُمتیوں کا انکار اس کی دعوت و تبلیغ میں کوئی نقصان نہیں پیدا کرتا ۔۔۔ اور یہ بات بھی اچھی طرح روشن ہے کہ کوئی کمال، دعوت و تبلیغ کے مرتبے کو نہیں پہونچتا ۔۔۔ اس لیے کہ اللہ کے بندوں میں وہ بندہ اللہ کو زیادہ محبوب ہے جو بندوں کی دوستی اللہ سے اور اللہ کی دوستی بندوں سے کرادے۔ ظاہر ہے کہ یہ کام داعی و مبلغ ہی کا ہے ۔۔۔ تم نے سنا ہوگا کہ حدیث میں آیا ہے کہ قیامت کے دن علماء کی روشنائی، شہداء فی سبیل اللہ کے خون کے ساتھ وزن کریں گے اور علماء کی سیاہی روشنائی کا پلہ، شہداء کے خون کے پلہ سے بھاری ہوگا ۔۔۔ اُمت کو یہ دولت دعوت و تبلیغ بالاصالۃ میسّر نہیں ہے، جو کچھ بھی دعوت و تبلیغ ان کے پاس ہے وہ پیغمبرؐ کے طفیل میں ضمنی طور پر ہے۔ اصل اصل ہوتا ہے اور فرع اصل سے نکلتی ہے ۔۔۔ اس مقام سے اس اُمت کے اندر دعوت و تبلیغ کا کام کرنے والوں کی فضیلت سمجھنی چاہیے ۔۔۔ دعوت و تبلیغ کے مختلف درجات ہیں اور داعیان و مبلغان کے درجات میں بھی فرق ہے ۔۔۔ علماء کا وظیفہ خاص احکام ظاہر کی تبلیغ ہے۔ صوفیہ احکام باطن کا اہتمام کرتے ہیں ۔۔۔ اور جو عالم بھی ہو اور صوفی بھی وہ تو اکسیر کا حکم رکھتا ہے اور وہی ظاہر و باطن کی دعوت و تبلیغ کے شایان شان ہے اور در حقیقت) یہی نائب و وارث پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم ہے ۔۔۔

علماء کی ایک جماعت اس اُمت کے مُحدّثین کو، جو کہ تبلیغ احادیث نبوی کرتے ہیں اس اُمت میں افضل سمجھتی ہے ۔۔۔ اگر ان کو مطلقاً افضل سمجھتے ہیں تو اس میں تردد ہے اور اگر (فقط) مُبلغانِ ظاہر احکام کے مقابلے میں اُن کو افضل سمجھتے ہیں تو اس کی گنجائش ہے ۔۔۔ مطلق افضلیت تو اس جامع، مبلغ کے لیے ہے کہ جو تبلیغ

ظاہر بھی کرے اور تبلیغ باطن بھی (یعنی) ظاہر و باطن دونوں کی دعوت دے ——
.... اس ظاہر ہرچند عمدہ اور مدارِ نجات ہے نیز کثیر البرکۃ اور عموم المنفعۃ ہے،
لیکن ظاہر کا کمال باطن سے وابستہ ہے، ظاہر بغیر باطن کے ناتمام ہے اور باطن بے ظاہر
کے بدانجام ہے —— اور جو شخص باطن کو ظاہر کے ساتھ جمع کر لے وہ اکسیر اعظم ہے۔
رَبَّنَا اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا وَاغْفِرْ لَنَا اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ —— والسلام
علیٰ من اتبع الہدیٰ ——

مکتوب (۶۰) - محمد تقی کے نام —— [اس بیان میں کہ غیر اہم باتوں سے باز رہ کر ضروریات دین میں مشغول رہنا چاہیے]

الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ —— تمہارے خط کے
مطالعے سے مشرف ہوا۔ جو دلائل تم نے درج کیے ہیں اُن سے فرحت فراواں پہونچی۔
بس اتنا ہی اعتقاد بحثِ امامت میں کافی ہے اور موافق اہل سنت وجماعت ہے ——
مخدوما! بحثِ امامت فروعِ دین سے ہے، اُصولِ شریعت میں سے نہیں ہے۔ ضروریات
دوسرے ہیں کہ جو اعتقاد و عمل کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں۔ علم کلام اور علم فقہ، اعتقاد و عمل
کے بیان کے متکفل ہیں —— ضروریاتِ دین کو چھوڑ کر فضولیات و زوائد میں مشغول ہونا اپنی
عمر کو لایعنی و غیر ضروری کاموں میں صرف کرنا ہے —— حدیث میں آیا ہے ——
"بندے کا لایعنی و غیر ضروری میں مشغول ہونا اللہ تعالیٰ سے اُس کے اعراض کی علامت ہے۔"
اگر بحثِ امامت ضروریاتِ دین اور اُصولِ شریعت سے ہوتی جیسا کہ شیعہ گمان کرتے ہیں
تو ضروری تھا کہ حضرت حق سبحانہٗ وتعالیٰ کتابِ مجید میں خلیفہ کا تعین و تقرر فرما دیتا اور حضرت
پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم بھی خلافت کا حکم کسی ایک کے متعلق صراحۃً فرماتے اور کسی کو تصریح
کے ساتھ خلیفہ بنا دیتے —— چونکہ کتاب و سنت میں اس امر کا اہتمام مفہوم نہیں ہوتا
اس لیے معلوم ہوا کہ بحثِ امامت غیر ضروری و زوائد بحث ہے جو اُصولِ دین سے نہیں ہے
—— کوئی فضولی ہی ہوگا جو فضولیات و زوائد میں مشغول رہے —— دین کی اتنی ضروریات
سامنے ہیں کہ غیر ضروری باتوں کی نوبت ہی نہیں آسکتی —— سب سے پہلے تصحیح عقائد کے

بغیر چارہ کار نہیں ہے جس کا تعلق اللہ تعالیٰ کے ذات وصفات اور اس کے افعال سے بھی ہے ـــــ اور یہ اعتقاد رکھنا چاہیے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم جو کچھ اللہ تعالیٰ کے پاس سے لائے ہیں اور دین کی جو باتیں یقین و تواتر سے معلوم ہوئی ہیں، مثلاً حشر و نشر، عذاب و ثواب اُخروی دائمی اور وہ تمام باتیں جو شارع علیہ السلام سے سُنی گئی ہیں ـــــ سب حق ہیں اُن میں عدم وجود اور تخلف کا کوئی احتمال نہیں ہے ـــــ اگر یہ اعتقاد نہ ہوگا نجات نہ ہوگی ـــــ علاوہ ازیں احکام فقہیہ کی ادائیگی کے بغیر چارہ نہیں اور ادائے فرائض و واجبات بلکہ ادائے سنن و مستحبات کے بغیر کوئی راستہ نہیں ـــــ شریعت کی حلال اور حرام کی ہوئی چیزوں کو ملحوظ رکھنا چاہیے اور حدود شریعت میں احتیاط برتنی چاہیے، تاکہ عذاب آخرت سے چھٹکارا نصیب ہو ـــــ جب اعتقاد و عمل درست کرلے گا تب کہیں طریق صوفیہ کی نوبت آئے گی اور کمالات ولایت کا امیدوار بن سکے گا ـــــ بحث امامت ضروریات دین کے مقابلے میں بالکل معمولی چیز ہے ـــــ زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ چونکہ مخالفین اہل سنت نے اس بحث میں حد سے تجاوز کیا ہے اور اصحاب خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم پر طعن و تشنیع کرتے ہیں لہذا ضرورۃً کی بنا پر اُن مخالفین کے رد میں طویل طویل تحریرات لکھی گئی ہیں۔ اس لیے کہ دین متین سے فساد کو دور کرنا یہ بھی ضروریات دین میں سے ہے۔

والسلام۔

مکتوب (۶۱) ـــــ مولانا احمد برکی مرحوم کی تعزیت اور اُن کے متوسلین کو نصیحت۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم ـــــ بعد الحمد والصلوٰۃ و تبلیغ الدعوات ـــــ مغفرت پناہ مولانا احمد علیہ الرحمۃ کی تعزیت کرتے ہوئے لکھتا ہوں ـــــ مولانا کا وجود شریف اس وقت میں مسلمانوں کے لیے حق کی نشانیوں میں سے ایک نشانی اور اللہ تعالیٰ کی رحمتوں میں سے ایک رحمت تھا ـــــ اے اللہ اُن کے غم کے اجر سے ہمیں محروم نہ کرنا اور ہمیں اُن کے بعد آزمائش میں مبتلا نہ کرنا ـــــ دوستوں سے امید ہے کہ گزرے ہوؤں کی (بذریعہ ایصال ثواب) امداد و اعانت کریں گے۔ اور سب سے یہی سُوال ہے ـــــ نیز تمام

محبوں اور مخلصوں کو لازم ہے کہ مرحوم کے فرزندوں اور متعلقین کی خدمت گاری اور دلجوئی کریں اور اس بات کی کوشش کریں کہ مرحوم کے فرزند تعلیم یافتہ ہو کر علوم شرعیہ سے مزین ہو جائیں۔ مرحوم کے احسانات کا معاوضہ اُن کے فرزندوں پر احسان کی صورت میں دیں۔ ھل جزاء الاحسان الا الاحسان (احسان کا بدلہ احسان ہی ہے) ـــــ مرحوم کے طور طریقے کی رعایت اور اُن کے جیسے احوال و اوقات کا لحاظ رکھیں ـــــ "طریقۂ ذکر" اور "حلقۂ مشغولی" میں کوتاہی واقع نہ ہونے پائے ـــــ سب اہل طریق جمع ہو کر بیٹھیں...... تاکہ اثر صحبت ظاہر ہو ـــــ فقیر نے اس سے پہلے یوں ہی اتفاقیہ طور پر لکھا تھا کہ اگر مولانا (احمد برکی) کوئی سفر اختیار کریں تو اس وقت شیخ حسن کو اُن کا قائم مقام بنا دیا جائے، قضاء و قدر کے نزدیک اُس سفر سے سفر آخرت مراد تھا ـــــ اس وقت بھی بار بار غور کرنے کے بعد شیخ حسن ہی کو ان کی جانشینی کے لیے مناسب سمجھتا ہوں، یہ بات بعض دوستوں پر گراں نہ گزرے کیونکہ یہ ہمارے اور اُن کے اختیار کی بات نہیں ہے ـــــ اس معاملے میں فرمانبرداری لازم ہے۔ شیخ حسن کا طور و طریقہ مولانا کے طور طریقہ سے بہت زیادہ مناسبت رکھتا ہے ـــــ آخر میں مولانا نے جو ایک نسبت خاص ہماری جانب سے اخذ کی تھی شیخ حسن کو اُس نسبت میں شرکت حاصل ہے ـــــ "یارانِ دیگر" اس حقیقت سے قلیل النصیب ہیں ـــــ

.... حاصل کلام یہ ہے کہ دوستوں کو چاہیے کہ شیخ حسن کو قائم مقام بنانے میں پس و پیش نہ کریں اُن کو ہی "سر حلقہ" جان کر اپنے کام میں مشغول ہوں۔ اخوی خواجہ اویس میری اس تجویز جانشینی کو دوستوں کے ذہن نشین کر کے حلقۂ مشغولی کی جانب رہنمائی کریں ـــــ اور وہ شیخ حسن کو بھی اس کی ترغیب دیں ـــــ شیخ حسن کو بھی چاہیے کہ اپنے پیر بھائیوں کا خیال خاطر رکھیں اور حقوق برادری اچھی طرح ادا کریں ـــــ مطالعہ کتب فقہ کو نہ چھوڑیں اور شریعت کے احکام کی اشاعت کریں ـــــ متابعت سنت مطہرہ کی ترغیب دیں، بدعت سے ڈرائیں اور طریق التجا و تضرع و زاری کو ہاتھ سے نہ دیں ـــــ ایسا نہ ہو کہ اقران و اماثل پر تقدم و ریاست حاصل ہو جانے سے نفس امّارہ اُن کو جائے ہلاکت میں ڈال دے اور خراب و ابتر کر دے ـــــ ہر وقت اپنے کو قاصر و ناقص جانیں اور طالب کمال رہیں ـــــ نفس کے

شیطان جو زبردست دشمن گھات میں لگے ہوئے ہیں، ایسا نہ ہو کہ وہ راہ سے بے راہ اور خائب و خاسر کر دیں ؎

ہمہ اندر زمن بتو این است   کہ تو طفلی و خانہ رنگین است

ہندوستان تم لوگوں سے دور ہے سال میں صرف ایک قافلہ آتا ہے اور خیر خبر لاتا اور جاتا ہے۔ اپنے حالات کو لکھتے رہیں۔ اگر ہم تک نہ پہونچیں تو حالات کے لکھنے سے تو غافل رہیں ____ میاں شیخ یوسف ہم سے نزدیک ہیں ____ ایک مدت تک سرہند رہے اور بہت فوائد حاصل کیے اور حقیقت فنا سے اطلاع پائی ____ واپس آنے کے وعدے پر اپنے گھر گئے ہیں مستعد اور صادق الاخلاص آدمی ہیں ____ اللہ تعالیٰ ہی توفیق خیر دینے والا ہے ____ ____ چونکہ تم لوگ دور پڑے ہوئے ہو اس لیے نصیحت میں مبالغہ کیا گیا ہے ____ ہوشیار رہو اور ریاست وسرداری کو وبال جان سمجھو ____ ترساں ولرزاں رہو ____ ایسا نہ کہ ریاست وسرداری میں لذت محسوس ہونے لگے اور وہ ہلاکت ابدی تک پہونچا دے ____

رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَاِسْرَافَنَا فِیْ اَمْرِنَا وَثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَی الْقَوْمِ الْکٰفِرِیْنَ ____ سُبْحَانَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّۃِ عَمَّا یَصِفُوْنَ وَسَلٰمٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ____

مکتوب (۶۲) ـ خانخاناں کے نام ـ

[اس بیان میں کہ انسان مدنی الطبع پیدا ہوا ہے اور تمدن و معاشرت میں اپنے بنی نوع کا محتاج ہے اور خوبیٔ انسان احتیاج ہی میں ہے۔]

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ   اللہ تعالیٰ سے آپ کے لیے ترقیات صوری ومعنوی کی درخواست کرتا ہوں اس لیے کہ آپ کی خیریت وصلاح مسلمانوں کے جم غفیر کی جمعیت ورفاہیت کو شامل ہے اور آپ کے لیے دعا کرنا گویا تمام مسلمانوں کے لیے دعا کرنا ہے ____ اللہ تعالیٰ آپ کو ان تمام باتوں سے محفوظ رکھے جو آپ کے شایان شان نہیں ہیں بحرمۃ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم ____ چونکہ آپ کو اکابر سلسلۂ نقشبندیہ سے محبت وارادت اور اخلاص کے ساتھ تعلق ہے اس لیے آپ کے درد سر کا باعث

ہو رہا ہوں ـــــ مخدوما مکرما! اہلِ سلسلۂ نقشبندیہ اس ہندوستان میں نو وارد کی حیثیت رکھتے ہیں اور چونکہ اس ملک میں بدعت کا رواج ہے اس لیے ان کو اس سلسلے کے اکابر کے ساتھ ـــــ جو کہ سنت کے پابند ہیں ـــــ مناسبت کم ہے ـــــ یہی وجہ ہے کہ خود سلسلۂ نقشبندیہ کے بعض لوگوں نے اپنی کوتاہیٔ نظر کے باعث اپنے طریقے میں بدعتیں اختیار کر لی ہیں اور بدعت کا ارتکاب کر کے لوگوں کے دلوں کو اپنی جانب مائل کیا ہے وہ اس عمل کو اپنے گمان میں اس طریقے کی تکمیل سمجھتے ہیں۔ حاشا وکلا (یہ گمان ان کا صحیح نہیں ہے) درحقیقت یہ جماعت اس طریقے کی تخریب کے درپے ہے اور یہ لوگ اس طریقے کے اکابر کی حقیقتِ معاملہ سے آگاہ نہیں ہیں ـــــ اللہ تعالیٰ انھیں سیدھے راستے پر چلائے ـــــ چونکہ اس سلسلۂ نقشبندیہ کے متوسل اس ملک میں قلیل الوجود ہیں اس لیے اس سلسلے کے مریدوں اور محبوں پر اس طریقے کے خلفاء اور طلباء کی امداد و اعانت ضروری ہے ـــــ کیونکہ آدمی مدنی الطبع پیدا کیا گیا ہے اور وہ تمدن و معاشرت میں اپنے بنی نوع کا محتاج ہے ـــــ اللہ تعالیٰ (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے) فرماتا ہے۔ "اے نبی آپ کے لیے اللہ کافی ہے اور وہ لوگ کافی ہیں جو مسلمانوں میں آپ کی اتباع کرتے ہیں" جب کہ مومنین کو مہماتِ خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم کی کفایت کے اندر دخل ہے تو پھر دوسروں کے لیے کیا مضائقہ ہے ـــــ اس وقت تک اکثر رؤسا، درویشی سے عدمِ احتیاج مراد لیتے ہیں ایسا ہرگز نہیں، احتیاج تو انسان کی ذاتی چیز ہے بلکہ تمام ممکنات کی ذاتی ہے ـــــ انسان کی خوبی ہی احتیاج میں ہے اور اس میں "ذُلّ و بندگی" اسی راہ سے پیدا ہوتی ہے ـــــ اگر فرض کیجے انسان سے احتیاج زائل ہو جائے اور وہ استغنا پیدا کر لے تو سوائے عصیان و سرکشی اور طغیان و نافرمانی کے اس کو کچھ اور حاصل نہ ہو گا ـــــ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ـــــ "بیشک انسان اُس وقت گردن کشی کرتا ہے جبکہ وہ اپنے آپ کو مستغنی دیکھتا ہے" زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ جو فقراء گرفتاریٔ ماسوا سے آزاد ہیں وہ اسباب کی جو احتیاج رکھتے ہیں اسے مسبب الاسباب کے سامنے پیش کرتے ہیں اور فراخیٔ دولت کو اللہ تعالیٰ کے خوانِ نعمت ہی سے سمجھتے ہیں ـــــ اللہ تعالیٰ ہی کو معطی و مانع تصور کرتے ہیں ـــــ اور

چونکہ اسباب کو کارکنانِ قضا و قدر نے حکمتوں اور مصلحتوں کی بنا پر درمیان میں رکھا ہے اور حُسن و قبح کو اسباب سے منسوب کیا ہے اس لیے یہ درویش بھی شکر و شکایت کو اسباب کی طرف راجع کرتے ہیں اور نیک و بد کو ظاہری اسباب سے ہی جانتے ہیں۔ اگر اسباب کو دخل نہ دیں تو ایک کارخانۂ عظیم (یعنی کارخانۂ شریعت و احکام شریعت اور ثواب و عذاب وغیرہ) کو باطل قرار دے دیں گے۔ "اے پروردگار تو نے وجودِ اسباب کو بے فائدہ پیدا نہیں کیا" —— (بلکہ ان اسباب کی پیدائش میں بڑی بڑی حکمتیں اور مصلحتیں ہیں جو حدِ بیان میں نہیں آسکتیں)۔

شریعت و سیادت پناہ، حقائق و معارف آگاہ، میر محمد نعمان کا وجود شریف آپ کے علاقے میں بہت غنیمت ہے اور ان کی دعا و توجہ اکسیر کا حکم رکھتی ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ ان کی توجہات کے برکات و فیوض آپ کی حکومت و ریاست کے لیے دست و پا ہیں —— میں ان کو حضور و غیبت میں آپ کا ممد و معاون پاتا ہوں —— ایک سال سے زیادہ ہوا کہ انھوں نے آپ کی خوبیوں کو ظاہر کیا تھا اور فقیر سے جو آپ کو مناسبت ہے اس کا تذکرہ کیا تھا اور یہ بھی لکھا تھا کہ اس علاقے کی صوبیداری دوسرے کے سپرد کر دی گئی ہے توجہ اور دعا کی ضرورت ہے" —— فقیر نے جب اُن کے اس مکتوب کا مطالعہ کیا تو اس بارے میں توجہ حاصل ہوئی اور آپ کو اس وقت رفیع القدر پایا اسی وقت ایک شخص اس طرف جارہا تھا جواب میں یہ عبارت لکھ دی تھی کہ خانخاناں درنظر، رفیع القدری درآید (خانخاناں نظرِ کشفی میں رفیع القدر دکھائی دیتے ہیں) و الامر عند اللہ سبحانہٗ —— والسلام۔

مکتوب ۶۳ ۔ نور محمد انبالوی کے نام —— [ایک استفسار کا جواب]

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔ بعد الحمد و الصلوٰۃ و تبلیغ الدعوات —— جو مکتوب روانہ کیا تھا پہونچا —— دریافت کیا تھا کہ پیر کے زندہ اور موجود ہونے کے باوجود اگر کوئی طالب کسی دوسرے شیخ کے پاس جائے اور ان سے طلب حق کرے تو یہ جائز ہے یا نہیں؟

—— جاننا چاہیے کہ مقصودِ اصلی، حق تعالیٰ ہے اور پیر (محض) ایک وسیلہ ہے جناب قدس تک پہونچنے کا —— اگر کوئی طالب اپنی راہ یابی دوسرے شخص کے پاس دیکھتا ہے

اور اس کی صحبت میں رہ کر حق تعالیٰ کی طرف اپنے دل کو متوجہ پاتا ہے تو جائز ہے کہ اپنے پیر کی حیات ہی میں بغیر اس کی اجازت کے اس دوسرے شخص کے پاس جائے اور اس سے طلب ہدایت کرے لیکن یہ ضرور چاہیے کہ پیر اول سے انکار نہ کرے اور اچھائی کے ساتھ اس کو یاد کرے (غرضکہ دوسرے شیخ سے ہدایت حاصل کرنا جائز ہے) علی الخصوص اس زمانے میں کہ پیری و مریدی ایک رسم وعادت سے زیادہ نہیں رہی ہے اور اکثر پیران وقت جو خود اپنی خبر نہیں رکھتے اور ایمان وکفر کی امتیازی حدود قائم نہیں کرسکتے وہ خداوند کریم سے کیا خبردار ہوں گے اور مرید کو کیا راہ راست دکھائیں گے؟ — ۵

آنکہ از خویشتن چو نیست جنیں کے خبر دارد از چناں و چنیں

اس مرید پر افسوس ہے کہ ایسے (ناقص) پیر پر اعتماد کرکے بیٹھا رہے اور دوسرے کی طرف رجوع کرکے راہِ خدا معلوم نہ کرے — یہ شیطانی وسواس ہیں جو پیر ناقص کے زندہ ہونے کے باعث، طالب کو راہِ حق سے باز رکھتے ہیں — جس جگہ بھی رُشد و جمعیت دل میسر ہو بے تامل وہاں رجوع کرنا چاہیے اور وسواس شیطانی سے پناہ ڈھونڈھنی چاہیے —

مکتوب (۶۴) - محمد مومن ولد خواجہ علی خاں مرحوم کے نام — [نصیحت]

بسم اللہ الرحمن الرحیم — اللہ تعالیٰ تم کو نامناسب باتوں سے محفوظ رکھے — (حدیث شریف میں ہے) الدنیا سجن المومن دُنیا مومن کا قید خانہ ہے — قید خانہ کے مناسب حال تو درد والم اور اندوہ ومصیبت ہی ہیں — احوال دل کی رنگ برنگی سے دل تنگ اور امیدوں کے حاصل نہ ہونے کے باعث ملول نہ ہوں — قرآن مجید میں ارشاد فرمایا گیا ہے فَاِنَّ مع العُسرِ یُسراً اِنَّ مع العسر یُسرا۔ (بے شک دشواری سے متصل آسانی ہے البتہ دشواری سے متصل آسانی ہے) دیکھو اس جگہ ایک تنگی و دشواری کے ساتھ دو آسانیاں ملادی گئی ہیں شاید ان سے فراخیٔ دُنیا اور فراخیٔ آخرت مراد ہو۔ ع با کریماں کارہا دشوار نیست — باقی احوال اس طرف کے یا دست کہ میر سید عبدالباقی زبانی کہیں گے...... والسلام —

مکتوب (۶۵) ۔ مولانا محمد ہاشم کے نام ——— [نصیحت]

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ——— بعد الحمد والصلوٰۃ و تبلیغ الدعوات ——— اس عرصہ میں کوئی معتد بہ خبر، احوال باطن سے متعلق تم نے نہیں لکھی جو باعث فرحت ہوتی ——— (سُنو) امورِ دنیا محض بے فائدہ ہیں، دنیا اور مافیہا اس لائق نہیں کہ احوالِ آخرت کی یاد کو چھوڑ کر لغویات میں مشغولیت ہو ——— ہر چند تمھاری نیت بخیر ہو لیکن بزرگوں کا) یہ مقولہ تم نے سنا ہوگا، حسنات الابرار سیئات المقربین (نیکو کاروں کی (بعض) نیکیاں مقربین کے حق میں سیئات ہوتی ہیں) ——— بہرحال احوال باطن کی جانب (خاص طور پر) متوجہ رہیں اور ضمنی و ثانوی درجے کی چیزوں کو ان کے درجے ہی پر رکھیں۔..... اللہ کا شکر ہے کہ یہاں کے فقراء ہر چند کہ رزقِ معین نہیں رکھتے لیکن بے سعی و کوشش، بفراغت ووسعت گزار رہے ہیں۔ قدر کافی سے زیادہ پہونچ رہا ہے۔ نیا روز اور نئی روزی ہمارے لیے نقدِ وقت ہے۔ باقی حالات بھی لائقِ حمد ہیں ——— اس مہینے وبا نے رجوع کیا تھا جس کسی کی موت مقدر تھی وہ مرگیا اب وہ وبا برطرف ہوگئی ہے۔ تمام نعمتوں پر اللہ تعالیٰ کی حمد اور اس کا شکر ہے۔ والسّلام۔

مکتوب (۶۶) ۔ خانخاناں کے نام ——— [توبہ، رجوع الی اللہ اور تقویٰ کے بیان میں]

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ——— الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ ——— چونکہ ہم نے عمر گرامی کو معاصی و تقصیرات اور بیہودہ گوئیوں میں گزارا ہے اس لیے اچھا معلوم ہوتا ہے کہ توبہ اور انابت کی بات کی جائے اور ورع و تقویٰ کا تذکرہ کیا جائے ——— اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ——— "اے ایمان والو! رجوع کرو تم سب اللہ تعالیٰ کی طرف شاید کہ تم فلاح پا جاؤ" ——— دوسری جگہ فرماتا ہے ——— "اے ایمان والو! رجوع کرو تم اللہ کی طرف رجوعِ خالص، امید ہے تمھارے پروردگار سے کہ وہ تمھارے جُرم معاف کردے اور تم کو داخل کردے ایسے باغوں میں جن کے نیچے نہریں بہتی

ہیں۔" ـــــ ایک جگہ فرماتا ہے ـــــ "چھوڑ دو علانیہ اور پوشیدہ گناہوں کو ـــــ پس گناہوں سے توبہ کرنا ضروری ہے اور ہر ایک کے حق میں فرضِ عین ہے ـــــ افرادِ انسان میں سے کوئی فرد توبہ سے مستغنی نہیں ہے ـــــ حتیٰ کہ انبیاء علیہم السلام بھی (باوجود معصوم ہونے کے) توبہ سے مستغنی نہیں ـــــ (چنانچہ) حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ـــــ "میں ہر روز ستر مرتبہ استغفار کرتا ہوں" ـــــ (آگے توبہ کی تفصیل ہے) اگر معاصی حقوق اللہ سے تعلق رکھتے ہیں اور حقوق العباد سے متعلق نہیں ہیں۔ جیسے زنا، شراب پینا، گانا سننا، قرآن مجید کا بغیر وضو کے چھونا، یا کسی بدعت کا عقیدہ رکھنا، ان چیزوں سے توبہ، اللہ تعالیٰ سے ندامت و استغفار تحسّر و عذر خواہی کے ساتھ ہوگی ـــــ اگر فرائض میں سے کوئی فرض چھوڑا ہے تو توبہ کے ساتھ اس فرض کا ادا کرنا بھی ضروری ہے ـــــ اور اگر معاصی کا تعلق حقوق العباد سے ہے تو توبہ کی صورت یہ ہوگی کہ ان حقوق کو واپس کیا جائے یا ان کو معاف کرایا جائے اور ان لوگوں کے ساتھ احسان کیا جائے اور ان کے لیے دُعائے خیر کی جائے ـــــ اگر صاحبِ مال اور وہ شخص جس کی ہتکِ عزت کی ہے مرگیا ہے پس اس کے لیے استغفار و صدقہ کیا جائے اور (اگر اس کے وارث موجود ہوں) تو مال اُس کی اولاد اور اس کے ورثہ کو واپس کیا جائے ـــــ اور اگر اس کے وارثوں کا پتہ نہیں ہے تو مال اور ارتکابِ قصور کے بقدر فقراء و مساکین پر صدقہ کرے اور نیت صاحبِ مال کی اور اس شخص کی کرلے جس کو بلا وجہ تکلیف پہونچائی تھی ـــــ حضرت علی کرّم اللہ وجہہ سے مروی ہے کہ میں نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سُنا ہے ـــــ اور وہ اپنے قول میں یقیناً سچے ہیں ـــــ وہ فرماتے تھے کہ فرمایا سرکارِ دو عالم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جس بندے نے کوئی گناہ کیا ہو پھر وہ کھڑا ہو پس وضو کرے اور نماز پڑھے اور اللہ سے اپنے گناہوں کی طلبِ معافی کرے تو اللہ تعالیٰ اس کو معاف فرما ہی دیتا ہے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے "جس شخص نے کوئی گناہ کیا یا کوئی برا کام کرکے اپنے اوپر ظلم کیا پھر استغفار کیا تو وہ اللہ تعالیٰ کو غفور و رحیم پائے گا" ـــــ ایک دوسری حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "جس کسی نے کوئی گناہ کیا پھر اس گناہ پر

نادم ہوا پس یہ ندامت اس گناہ کا کفارہ ہے" ——— ایک حدیث میں ہے "جس کسی نے کوئی گناہ کیا پھر اللہ تعالیٰ سے معافی طلب کی اور توبہ کی اس کے بعد پھر گناہ کا اعادہ کیا اور استغفار کیا، پھر تیسری مرتبہ بھی ایسا ہی کیا تو چوتھی بار وہ شخص کذابین میں لکھا جائے گا (کہ بار بار جھوٹی توبہ کرکے توڑ دیتا ہے) حدیث شریف میں ہے کہ ——— ہلاک ہوگئے وہ لوگ جو کہتے ہیں کہ ہم عنقریب توبہ کرلیں گے (اور وہ خواہ مخواہ توبہ میں تاخیر کرتے ہیں)

——— لقمان حکیمؒ نے اپنے بیٹے کو وصیت کی تھی ——— "اے پیارے بیٹے توبہ میں کل کی تاخیر نہ کرنا اس لیے کہ موت تجھ کو اچانک آکر گھیر لے گی" (تھوڑی سی مہلت بھی نہ دے گی)

حضرت مجاہد تابعیؒ نے فرمایا ہے "جس کسی نے ہر صبح و شام توبہ نہ کی وہ ظالموں میں سے ہے" حضرت عبداللہ بن مبارکؒ نے فرمایا ہے کہ "ایک کوڑی جو حرام طریقے پر حاصل کی تھی اس کا واپس کرنا اس سے سو گنا صدقہ کرنے سے بہتر ہے ——— یہ بھی کہا گیا ہے کہ ایک درہم کا چھٹا حصہ (جو غلط طریقے سے حاصل ہوا ہو) واپس کر دینا اللہ تعالیٰ کے نزدیک چھ سو مقبول حجوں سے بہتر ہے ——— "اے اللہ ہم نے اپنے نفسوں پر ظلم کیا ہے اگر تو ہم کو نہ بخشے گا اور ہم پر رحم نہ فرمائے گا تو ہم نقصان اٹھانے والوں میں سے ہوجائیں گے" ———

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ——— اے میرے بندے تو ان فرائض کو ادا کر جن کو میں نے فرض کیا ہے ایسی صورت میں تو تمام لوگوں میں زیادہ عابد ہوجائے گا۔ اور جن باتوں سے میں نے منع کیا ہے اُن سے باز رہ تمام لوگوں میں تو زیادہ متقی ہوجائے گا اور جو میں نے تجھے عطا کیا ہے اس پر قناعت کر تمام لوگوں میں تو زیادہ غنی ہوجائے گا"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ارشاد فرمایا ——— "اے ابوہریرہ تو پرہیزگار ہوجا ایسی صورت میں تو تمام لوگوں میں بہترین عبادت گزار ہوجائے گا" ———

حضرت حسن بصریؒ نے فرمایا ہے ——— "ایک ذرہ برابر تقویٰ، ہزار مثقال وزن کے روزے اور نماز سے بہتر ہے" ——— حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے ——— "کل بروز قیامت اللہ تعالیٰ کے ہم نشین زہد و تقویٰ والے ہوں گے" ———

حضرت موسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کو اللہ تعالیٰ نے وحی بھیجی کہ مجھ سے

نہیں نزدیک ہوئے نزدیک ہونے والے (کسی عمل کے ذریعے) جو پرہیزگاری و تقویٰ کی مانند ہو" ___ (یعنی تقویٰ ہی قرب خداوندی کا سب سے بڑا ذریعہ ہے) بعض علمائے ربانی نے فرمایا ہے کہ تقویٰ تمام و کمال کو اس وقت تک نہیں پہونچتا جب تک ان دس چیزوں کو اپنے اوپر لازم نہ کر لے اور اُن پر عمل نہ کرے ___

(۱) غیبت سے زبان کو محفوظ رکھنا (۲) بدگمانی سے پرہیز (۳) تمسخر سے پرہیز (۴) حرام سے نظر کو پوشیدہ رکھنا (۵) راست گوئی (۶) اللہ تعالیٰ کے احسانات کو پہچاننا تاکہ خودبینی میں مبتلا نہ ہوجائے (۷) اپنے مال کو راہِ حق میں صرف کرے نہ کہ راہِ باطل میں (۸) اپنی بڑائی اور اونچائی کا طالب نہ ہو (۹) نمازہائے پنجگانہ کی ادائی پر مداومت (۱۰) طریقۂ اہل سنت و جماعت پر استقامت ___

اے اللہ تو ہمارے نور کو مکمل کردے اور ہمیں بخشدے تو ہر چیز پر قادر ہے ___

مخدوما و مکرما! اگر توبہ تمام گناہوں سے میسر ہو اور تمام حرام اور مشتبہ چیزوں سے پرہیز ہو تو یہ ایک بڑی نعمت اور اعلیٰ دولت ہے ___ ورنہ بعض گناہوں سے توبہ اور کچھ محرمات سے پرہیز یہ بھی غنیمت درجے میں ہے ___ ممکن ہے کہ بعض گناہوں سے توبہ کے برکات و انوار، دوسرے اجزا میں بھی اثر کرجائیں اور تمام گناہوں سے توبہ و پرہیزگاری کی توفیق میسر ہوجائے ___ جس کسی چیز کو بتمام و کمال حاصل نہ کیا جاسکتا ہو اس کو بالکلیہ بھی نہیں چھوڑ دینا چاہیے ___ اے اللہ! ہم کو اپنی مرضیات کی توفیق عطا فرما اور ہم کو اپنے دین اور اپنی اطاعت پر ثابت قدم رکھ، بصدقۂ سیدالمرسلین صلی اللہ علیہ وسلم۔

ہندوستان میں سلسلۂ چشتیہ کے فیوض و برکات

زیر طبع دعوت و عزیمت جلد سوم کے حصہ اوّل (تذکرۂ حضرت خواجہ محبوب الٰہی قدس سرہ) کے آخری صفحات، جن میں اُس زوال و انحطاط کا بھی ذکر کیا گیا ہے جو بالآخر اس سلسلہ پر طاری ہوا۔

اشاعت اسلام سلسلۂ چشتیہ کی بنیاد ہندوستان میں پہلے ہی دن سے اشاعت و تبلیغ اسلام پر پڑی تھی اور اسکے عالی مرتبت بانی حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کے ہاتھ پر اس کثرت سے لوگ مسلمان ہوئے کہ تاریخ کے اس اندھیرے میں ان کا اندازہ لگانا مشکل ہے عام طور پر تسلیم کیا جاتا ہے کہ ہندوستان میں مسلمانوں کی تعداد کی یہ کثرت بہت کچھ حضرت خواجہ کی کوششوں اور روحانیت کی رہین منت ہے، ان میں سے ایک بڑی تعداد حضرت خواجہ کی روحانی قوت، اشراقی کمال اور عند اللہ مقبولیت کے واقعات سے مسلمان ہوئی۔ اس وقت تک ہندوستان جوگ و اشراقیت کا ایک بڑا مرکز تھا یہاں کے بہت سے فقیر و سنیاسی اشراقی اور قلبی قوت میں بڑا کمال رکھتے تھے، ریاضات شاقہ اور مختلف مشقوں سے انھوں نے کشف و تصرف کی بڑی قوت بڑھا رکھی تھی، ان میں بہت سے لوگ اس نو وارد مسلمان فقیر کے امتحان اور اس کو زک دینے کے لئے اسکے پاس آئے لیکن ان کو بہت جلد معلوم ہوگیا کہ یہ غریب الوطن درویش اُن سے اپنی قلبی قوت اور اشراقیت میں بڑھا ہوا ہے اور ساحرین فرعون کی طرح اُن کو یہ اندازہ ہوگیا کہ اس کے کمالات اور قوتوں کا منبع اور سرچشمہ کچھ اور ہے، اسی کے ساتھ ان کے اخلاق کی پاکیزگی صاف ستھری زاہدانہ اور بے طمع زندگی، ایمان و یقین کی قوت، خلق خدا کے ساتھ ہمدردی، اور بلا تفریق مذہب و ملت انسان سے محبت اور انسانیت کا احترام دیکھ کر مخالفین بھی معتقد اور

دشمن بھی دوست ہو گئے، تذکرہ و تصوف کی کتابوں میں اس سلسلہ میں جوگیوں و سنیاسیوں کے ساتھ مقابلہ اور حضرت خواجہ کی اشراقی قوت اور کشف و تصرفات کے جو واقعات کثرت کے ساتھ نقل کئے گئے ہیں، اگرچہ ان کو تاریخی سند سے اور قدیم تر معاصر ماخذ کے ذریعہ ثابت کرنا مشکل ہے، لیکن ہندوستان کے اس وقت کے ذوق و رجحان اور اجمیر کی دینی و روحانی مرکزیت کو دیکھتے ہوئے یہ واقعات خلاف قیاس نہیں، دراصل جس چیز نے حضرت خواجہ کا گرویدہ اور اسلام کا حلقہ بگوش بنایا وہ تنہا ان کی قلبی قوت نہ تھی، بلکہ ان کی روحانیت اخلاص و اخلاق اور ان کا وہ طرز زندگی تھا جس کا ہندوستان کے اہل فن اور عوام نے اس سے پہلے کبھی تجربہ نہیں کیا تھا۔

خواجہ بزرگ کے اہل سلسلہ میں سے، حضرت خواجہ فریدالدین گنج شکرؒ کی کوششوں اور توجہات کو اشاعت اسلام کے سلسلہ میں خاص اہمیت حاصل ہے، ان کی مجالس اور خانقاہ میں ہر مذہب و ملت کے آدمی، اور ہر طبقہ کے لوگ آتے تھے، حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء فرماتے ہیں:-

بخدمت شیخ الاسلام فریدالدین از ہر جنس	حضرت خواجہ فریدالدینؒ کی خدمت میں ہر
درویش وغیرآں بر سیدہ[1]	صنف و نوع کے لوگ درویش وغیر درویش پہنچتے تھے

حضرت خواجہ کو اللہ تعالیٰ نے جو عالی استعداد، قلبی قوت عطا فرمائی تھی اسکے پیش نظر یہ بعید نہیں کہ اشاعت اسلام میں وہ بھی معین ہوئی ہو، اور نو مسلموں کی بہت بڑی تعداد، انکی روحانیت اور کشف و کرامات دیکھ کر مسلمان ہوئی ہو، پنجاب اور پاک پٹن کے اطراف میں بہت سی مسلمان برادریاں اور خاندان اپنے اسلاف کے قبول اسلام کو، حضرت خواجہ کی توجہ اور تبلیغ کا نتیجہ سمجھتے ہیں، اور اپنی نسبت ان کی طرف کرتے ہیں، پروفیسر آرنلڈ اپنی کتاب (PREACHING OF ISLAM) میں لکھتا ہے:-

پنجاب کے مغربی صوبوں کے باشندوں نے خواجہ بہاء الحق ملتانی اور بابا فرید پاک پٹنی کی تعلیم و تلقین سے اسلام قبول کیا، یہ دونوں بزرگ تیرھویں صدی عیسوی

---

[1] فوائد الفواد ص۸

کے قریب خاتمہ اور چودھویں صدی عیسوی کے شروع میں گزرے ہیں، بابا فرید گنج شکر
کا تذکرہ جس مصنف نے لکھا ہے اس نے تحریر کیا ہے کہ سولہ قوموں کو انھوں نے تعلیم
وتلقین سے مشرف با اسلام کیا، لیکن افسوس ہے اس مصنف نے ان قوموں کے مسلمان
ہونے کا مفصل حال نہیں لکھا۔[۵۱]

حضرت خواجہ نظام الدینؒ کو اہل ہند میں اشاعت اسلام سے بڑی دلچسپی تھی، لیکن وہ یہ سمجھتے تھے
کہ محض تقریر اور کہنے سے کسی شخص کا اپنے قدیم عقیدہ سے ہٹنا اور نئے دین کو قبول کر لینا، بالخصوص ہندو
قوم کا جو اپنی پختگی، قدامت پرستی، اور ذات پات اور چھوت چھات کی پابندی میں خاص امتیاز
رکھتی ہے، محض حسن تقریر اور وعظ و نصیحت سے مسلمان کر لینا آسان نہیں، اس کے لئے اُن کے
نزدیک مؤثر طویل صحبت کی ضرورت تھی۔

فوائد الفواد میں ہے کہ ایک غلام جو مسلمان تھا حضرت کی مجلس مبارک میں حاضر ہوا اور
اپنے ایک ہندو دوست کو اپنے ساتھ لایا اور کہا کہ یہ میرا بھائی ہے، حضرت خواجہ نے اس
غلام سے فرمایا کہ تمھارا یہ بھائی کچھ اسلام کی طرف بھی میلان رکھتا ہے؟ غلام نے عرض کیا کہ
اس کو حضرت کے قدموں میں اسی لئے لایا ہوں کہ آپ کی نظر کیمیا اثر کی برکت سے یہ مسلمان
ہو جائے، یہ سن کر حضرت خواجہ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے، فرمایا کہ کسی کے کہنے سننے سے اس
قوم کا دل نہیں پھرتا، ہاں اگر اس کو کسی نیک بندے کی صحبت میسر آ جائے تو امید ہوتی ہے
کہ اس کی صحبت کی برکت سے وہ مسلمان ہو جائے۔[۵۲]

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اس پچاس برس کے عرصہ میں جس میں حضرت خواجہ نظام الدینؒ
دہلی جیسے مرکزی مقام میں مسند ہدایت و ارشاد پر متمکن رہے اور ان کی خانقاہ کا دروازہ
ہر انسان کے لئے کھلا رہا، یہ وہ زمانہ تھا جب ہندوستان کے دور دراز گوشوں سے مختلف
ضرورتوں اور تقریبوں سے لاکھوں کی تعداد میں غیر مسلم دہلی آتے تھے اور اپنی قومی خوش
اعتقادی کی بنا پر حضرت خواجہ کی زیارت کو بھی حاضر ہوتے تھے، بڑی تعداد میں لوگ

---

۵۱ دعوت اسلام ترجمہ مولوی عنایت اللہ دہلوی ص ۲۹۰   ۵۲ فوائد الفواد ص ۱۸۲

مسلمان ہوئے۔ میوات کا علاقہ، جو حضرت خواجہ کے مرکز غیاث پور سے جانب جنوب متصلاً واقع ہے اور جہاں کے رہنے والوں کی رہزنی اور شورہ پشتی کی وجہ سے کچھ عرصہ پہلے سلطان ناصر الدین محمود کے زمانہ میں شہر پناہ دہلی کے دروازے بر شام ہی سے بند ہو جاتے تھے اور جن کی کئی بار غیاث الدین بلبن کو تادیب کرنی پڑی، حضرت خواجہ کے فیوض و برکات اور ان کی تعلیم و تربیت کے اثرات سے ضرور مستفید ہوا ہوگا، اور عجب نہیں کہ اتنی بڑی تعداد میں میواتی انھیں کے زمانہ میں مسلمان ہوئے ہوں۔

چشتی خانقاہوں نے اپنے اپنے حلقۂ اثر میں بالواسطہ اور بلا واسطہ گرد و پیش کی غیر مسلم آبادیوں کو اپنے اخلاق، روحانیت اور مساوات و اخوت سے، جس کی فضا ان خانقاہوں میں قائم تھی ضرور متاثر کیا اور ان قوموں کو جو کشف و کرامت اور روحانیت سے خاص طور پر متاثر ہوتی ہیں اسلام میں داخل کرنے کا ذریعہ بنے، پنڈوہ کی چشتی خانقاہ اور احمد آباد اور گلبرگہ کے چشتی مشائخ کے اثر سے، غیر مسلموں کی ایک بڑی تعداد کا مسلمان ہونا بالکل قرین قیاس ہے، گیارھویں صدی میں سلسلۂ چشتیہ کے مجدد حضرت شاہ کلیم اللہ جہاں آبادی کو اشاعت اسلام کا بڑا اہتمام تھا، انھوں نے اپنے خلیفہ و جانشین نظام الدین اورنگ آبادی کو جو خطوط لکھے ہیں ان میں جابجا اسکی تاکید و ہدایت ہے، ان کے مطالعہ سے ان کی اس مسئلہ میں بے چینی اور فکر کا اندازہ ہوتا ہے، ایک مکتوب میں لکھتے ہیں :-

در آں کوشید کہ صورت اسلام وسیع گردد و ذاکراں کثیر [1]	اس کی کوشش کرو کہ اسلام کا دائرہ وسیع اور اسکے حلقہ بگوش کثیر ہوں۔

پروفیسر خلیق احمد نظامی لکھتے ہیں :-

شیخ نظام الدین صاحبؒ کی تبلیغی کوششوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ بہت سے ہندو گرویدہ اسلام ہو گئے، بعض اپنے رشتہ داروں کے ڈر سے، مسلمان ہونے کا اظہار نہیں کرتے تھے، لیکن دل سے مسلمان ہو چکے تھے، شاہ کلیم اللہ صاحب ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں،

---

[1] مکتوبات کلیمی، مکتوب نمبر ۷، صفحہ ۶

"ودیگر مردم بود بہیہ دیا رام وہندوہائے دیگر بسیار در ربقۂ اسلام درآمدہ اند، اما با مردم قبیلہ پوشیدہ می مانند"

ساتھ ہی ساتھ اس چیز کو بھی پسند نہیں کرتے تھے کہ کوئی شخص مسلمان ہونے کے بعد اپنے مسلمان ہونے کو مخفی رکھے، مبادا بعدِ موت اس کے ساتھ وہ معاملہ کیا جائے جو غیر مسلموں کے ساتھ کیا جاتا ہے۔

"برادر من اہتمام نماید کہ آہستہ آہستہ ایں امرِ جلیل از بطون بظہور انجامد کہ موت در عقب است، مبادا احکام اسلام بعد از رحلت بجا نیارند و مسلمان حقیقت را بسوزانند دیا رام اگر خطے می نویسد خطے نوشتہ خواہد شد"[1]

افسوس ہے کہ کسی نے مشائخ ہندوستان اور بالخصوص سلسلۂ چشتیہ کے مشائخ کی تبلیغی کوششوں کی تاریخ اور روداد، مرتب کرنے کی زحمت گوارا نہیں کی، لیکن تمام مورخین کے نزدیک ہندوستان میں اشاعتِ اسلام کا سب سے بڑا ذریعہ صوفیائے کرام و فقرائے اسلام ہیں، اور ظاہر ہے کہ ان سلاسل تصوف میں سلسلۂ چشتیہ اور اس کے مشائخ کو اولیت اور اہمیت حاصل ہے اور اس کام میں ان کا حصہ تنہا سب سے زیادہ ہے۔

خدمت و اشاعتِ علم | حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ اور ان کے خلفاء اور اہل سلسلہ کو علم کی تحصیل و تکمیل کا جتنا اہتمام تھا اس کا اندازہ حضرت خواجہ فریدالدین کے مقولہ اور خود حضرت خواجہ نظام الدینؒ کے شیخ سراج الدین عثمان اودی (اخی سراج) بانی خانقاہ پنڈوہ کے ساتھ رویہ سے ہو سکتا ہے کہ انھوں نے ان کو اس وقت تک اجازت نہیں دی جب تک کہ انھوں نے علم کی تحصیل و تکمیل نہیں کر لی، اس کا نتیجہ یہ تھا کہ رشد و ارشاد اور درس و تدریس اور علم کی اشاعت و ترویج دونوں اس سلسلہ کی تاریخ میں ساتھ ساتھ چلتے رہے، اور یہ رفاقت دورِ انحطاط تک قائم رہی، حضرت خواجہ کے ایک خلیفہ اجل مولانا شمس الدین یحییٰ تھے، جو اس عصر کے بہت سے علماء اور اساتذہ کے استاد تھے، شیخ نصیر الدین چراغ

---

[1] مکتوب ۱۲۱ صد ۱۴۱

دہلی کا مشہور شعر ہے ؎

سألتُ العلم من احیاک حقا
فقال العلم شمس الدین یحییٰ

میں نے علم سے پوچھا کہ تجھیں حقیقی حیات کس نے بخشی، اُس نے مولٰنا
شمس الدین یحییٰ کا نام لیا۔

شیخ نصیر الدین چراغ دہلی کے مخصوص ارادتمندوں و مسترشدین میں قاضی عبد المقتدر
کندی (م ۷۹۱ھ) اُن کے شاگرد رشید شیخ احمد تھانیسری (م ۸۲۰ھ) اور مولانا خواجگی کالپوی
(م ۸۱۷ھ) ہندوستان کے نامور ترین علما واستاذ الاساتذہ وجددین علم میں سے ہیں، قاضی
عبد المقتدر اور مولانا خواجگی کے شاگرد رشید شیخ شہاب الدین احمد ابن عمر دولت آبادی (م ۸۴۹ھ)
فخر ہندوستان اور نادرۂ روزگار تھے اور ملک العلما قاضی شہاب الدین کے نام سے ہندوستان
کی علمی تاریخ میں زندۂ جاوید ہیں فقہ حنفی میں ان کی کتاب بدائع الصنائع ممتاز اور منتخب کتابوں
میں اور بعض حیثیات سے اہل فن کے نزدیک بے مثال ہے۔ اُن کی شرح کافیہ (جو شرح ہندی
کے نام سے عرب و عجم میں مشہور رہی) کے محشیوں میں علامہ گازرونی اور میر غیاث الدین منصور
شیرازی جیسی بلند شخصیتیں ہیں، یہ شیخ شہاب الدین ملک العلما وہی ہیں جن کی علالت کے موقع
پر سلطان ابراہیم شرقی نے پانی کا پیالہ بھر کر اُن پر سے تصدق کیا اور دعا کی کہ ملک العلما میری
سلطنت کی آبرو ہیں، اگر اُن کی موت مقدر رہی ہے تو اُن کے بجائے مجھے قبول کر لیا جائے۔

اسی سلسلہ کے ایک عالم جلیل مولانا جمال الاولیا چشتی کوروی (م ۱۰۴۷ھ) ہیں جن کے
نامور شاگردوں میں مولانا لطف اللہ کوروی، سید محمد ترمذی کالپوی، شیخ محمد رشید جونپوری اور
شیخ یٰسین بنارسی جیسے علما کبار و شیوخ عصر تھے، مولانا لطف اللہ کوروی کے شاگرد ہندوستان
کے مشہور عالم مولانا احمد امیٹھوی عرف ملا جیون، قاضی علیم اللہ گجندوی اور مولانا علی اصغر قنوجی تھے
جنھوں نے درس و تدریس کا ہنگامہ گرم رکھا، اور بڑے بڑے نامور عالم و مدرس اُن کے حلقۂ درس
سے تیار ہو کر نکلے ٹیلہ والی مسجد کا شہرۂ آفاق دار العلوم جس کے مسند نشین حضرت شاہ پیر محمد لکھنوی
(م ۱۰۸۵ھ) تھے اسی سلسلہ سے تعلیمی و روحانی نسبت رکھتا تھا، خود درس نظامی (جس کی

یری مسلّم ہے) کے بانی ملّا نظام الدین (م ۱۱۶۱ھ) اور ان کے نامور جانشین اور اہل خاندان
لسا سے نسبت روحانی رکھتے تھے، اس کے علاوہ عام طور پر بھی مشائخ چشت کا علمی، ادبی
، تبحر اور علمی شغف ایک تاریخی حقیقت ہے جو حضرت نور قطب عالم حضرت جہانگیر اشرف
نی، حضرت شاہ کلیم اللہ جہان آبادی کے مکتوبات اور پنڈوہ، گلبرگہ، مانک پور، سلون
ہ کی خانقاہوں کی علمی سرگرمیوں اور دلچسپیوں سے عیاں ہے۔

تمۂ کلام اور ایک تلخ حقیقت

قبل اسکے کہ سلسلۂ چشتیہ کی تاریخ کا یہ صفحۂ زرین ختم کیا جائے ایک تلخ حقیقت کی طرح اس کا اظہار ضروری ہے کہ زمانہ کے مرور و انقلاب کے ساتھ، اس سلسلہ اور اسکے بانیان کرام اور
ات عظام کی خصوصیتوں میں انحطاط و زوال رونما ہوا، تصوف و روحانیت کی تاریخ
نی ہے کہ ہر سلسلہ کا آغاز جذب قوی سے ہوا، پھر اس نے سلوک اور آخر میں رسوم کی شکل اختیار
، یہاں بھی جس سلسلہ کا آغاز عشق، درد و محبت، زہد و ایثار، فقر و استغنا و ریاضات و
رات اور دعوت و تبلیغ سے ہوا تھا اس میں بتدریج ایسی تبدیلی ہوئی کہ آخر میں اس کے
م کے تین نمایاں عناصر ترکیبی رہ گئے۔ ۱۔ وحدت الوجود کے عقیدہ میں غلو، اسکی اشاعت
نہماک اور اسکے باریک و دقیق مضامین کا اعلان و تذکرہ۔ ۲۔ محافل سماع کی کثرت
مرو رقص کا زور۔ ۳۔ اعراس کا اہتمام اور اُن کی رونق و گرم بازاری جو شرعی حدود و قیود
بے نیاز ہے۔ وہ اعمال و رسوم اور عقائد جن کی اصلاح کے لئے دین خالص کے یہ اولوا العزم
ں ایران و ترکستان کے دور دراز مقامات سے آئے تھے، خانقاہوں کا ایسا دستور العمل
گئے کہ غیر مسلم آبادی کے لئے یہ ایک معمہ اور سوال بن گیا کہ اسلام اور دوسرے مذاہب
، (جن کی اصلاح کے لئے یہ مبلغین اسلام بحر و بر طے کر کے تشریف لائے تھے) عملاً کیا فرق
، توحید کے لفظ کا استعمال اور دعوت بس توحید وجودی کے معنی میں محدود ہو کر رہ گئی،
ت اور اتباع شریعت جس پر ان مشائخ نے اتنا زور دیا تھا، "اہل ظاہر" کا شعار اور
حقیقت ناشناسوں" کی علامت بن کر رہ گیا، شریعت و طریقت دو الگ الگ کوچے
لیم کئے گئے جن میں نہ صرف مغائرت تھی بلکہ تضاد، مزامیر و آلات سماع جن کی مشائخ متقدمین

نے اتنی شدت سے مخالفت کی تھی، داخلِ طریق بن گئے، دردِ عشق کی جنس جو طریقہ چشتیہ کا سرمایہ تھا اس بازار میں ایسی نایاب ہوئی کہ طالب صادق کو حسرت سے کہتے ہوئے سُنا گیا کہ

وہ جو بیچتے تھے دوائے دل، وہ دکان اپنی بڑھا گئے

فقر جو اس طریق کا فخر تھا، شانِ امیری اور شکوہ خسروی سے تبدیل ہوگیا۔

اس سب سے بڑھ کر انقلاب اور تاریخ کا سانحہ یہ ہے کہ جن بندگانِ خدا کا مقصدِ حیات ہی خدا کے سب بندوں کا سر دنیا کے تمام آستانوں سے اٹھا کر خدائے واحد کے آستانہ پر جھکانا اور "ماسویٰ" میں اٹکے ہوئے اور پھنسے ہوئے دلوں کو نکال کر ایک خدا سے اٹکانا تھا، اور جن کی دعوت اور زندگی انبیاء علیہم السلام کی زندگی کی تصویر اور ان آیات کی تفسیر تھی۔

مَاکَانَ لِبَشَرٍ اَنْ یُّؤْتِیَہُ	کسی بشر سے یہ بات نہیں ہو سکتی کہ اللہ تعالیٰ
اللّٰہُ الْکِتَابَ وَالْحُکْمَ	تو اس کو کتاب اور دین کی فہم اور نبوت عطا
وَالنُّبُوَّۃَ ثُمَّ یَقُوْلَ لِلنَّاسِ	فرمائے اور پھر وہ لوگوں سے کہنے لگے کہ میرے
کُوْنُوْا عِبَادًا لِّیْ مِنْ دُوْنِ	بندے بن جاؤ خدا تعالیٰ کی توحید کو چھوڑ کر
اللّٰہِ وَلٰکِنْ کُوْنُوْا رَبَّانِیِّیْنَ	لیکن وہ یہ کہے گا کہ تم لوگ اللہ والے بن جاؤ
بِمَا کُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْکِتَابَ	بوجہ اسکے کہ تم کتاب الٰہی اوروں کو بھی سکھلاتے
وَبِمَا کُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ	ہو اور بوجہ اسکے کہ خود بھی اسکو پڑھتے ہو
وَلَا یَاْمُرَکُمْ اَنْ تَتَّخِذُوا	اور نہ وہ یہ بات تبلا دے گا کہ تم فرشتوں
الْمَلٰٓئِکَۃَ وَالنَّبِیِّیْنَ اَرْبَابًا	کو اور نبیوں کو رب قرار دے لو بھلا وہ
اَیَاْمُرُکُمْ بِالْکُفْرِ بَعْدَ اِذْ اَنْتُمْ	تم کو کفر کی بات تبلا دے گا بعد اس کے کہ
مُّسْلِمُوْنَ۔ (آل عمران ۸۰)	تم مسلمان ہو۔

انقلاب زمانہ سے خود اُن کی ذات مطلوب و مقصود اور خود اُن کا آستانہ مسجود و معبود بن گیا۔

استقبالِ ماہِ صیام

(اختر زندانی)

ہم گنہگاروں کو تھا آمد کا تیری انتظار
تیری آمد ہے دلیلِ رحمتِ پروردگار

یاد آتے تھے ہمیں اکثر ترے لیل و نہار
روز کرتے تھے ترا ماہِ مبارک انتظار

آ سکونِ قلبِ مسلم مظہرِ قرآن آ
آ کہ تو ہے عظمتِ اسلام کا آئینہ دار

آ کہ ہم بےچین تھے بیتاب تھے تیرے لیے
چشمِ زاہد منتظر تھی قلبِ مومن بیقرار

تجھ میں پنہاں ہیں ہلالِ عید کی رعنائیاں
آ کہ تیرے دیکھنے کو تھیں یہ آنکھیں بیقرار

شکر ہے آیا تو لے کر رحمتِ حق کا پیام
دل میں ذوقِ دید تھا اور آنکھ وقفِ انتظار

تیری برکت سے ہمیں قربِ خدا حاصل ہوا
دھل گیا آنے سے تیرے دل کا سب گرد و غبار

ہے کلیدِ بابِ رحمت باعثِ برکت ہے تو
تو نے آ کر کر دیا رازِ عبادت آشکار

لذتِ افطار بھی حاصل ہے لطفِ سحر بھی
نعمتیں آیا ہے لے کر اپنے دامن میں ہزار

لیلۃ القدر آئی تیرے ساتھ لے ماہِ صیام
اس مبارک رات کی عظمت کا ہے کوئی شمار

مشک و عنبر سے بھی ہے بہتر تری بوئے دہن
کس قدر محبوب ہے خالق کو تو اے روزہ دار

ہو مبارک تجھ کو تسبیح و سجود و اعتکاف
مرحبا مردِ مسلماں مرحبا اے روزہ دار

زرد چہرہ خشک لب آنکھوں سے تقویٰ آشکار
کوئی دیکھے خوئے صبر و ضبط شانِ روزہ دار

شکر و تسلیم و رضا کر لیں جو ہم بھی اختیار
کیوں نہ ہو جائے ہمیں دنیا و عقبیٰ سازگار

اے خدا توفیق دے ہم بھی کریں تیری ثنا
قادرِ مطلق ہے تو تیرا کرم ہے بے شمار

دل سے جو نکلے دعا وہ کیوں نہ ہو جائے قبول
بندۂ عاجز پکارے جب تجھے بے اختیار

کیوں نہ ہو ان پر ترا بارانِ رحمت اے خدا
ہوں غم عصیاں سے یہ بندے جو تیرے اشکبار

کیوں نہ ہو جائے تری رحمت کا ان پر بھی کرم
ہیں گنہگارانِ امت آج تجھ سے شرمسار

قبلہ رو ہم بھی تو ہو جائیں بصد عجز و ادب
عابدوں کے ساتھ شاید بخش دے پروردگار

سر جھکا دیں اس طرح اس بارگاہِ خاص میں
سجدۂ اخلاص سے ہو جائے رحمت بے قرار

ہو کرم اختر پہ بھی صدقہ رسولِ پاک کا
اے خدا یہ بھی تری رحمت کا ہے امیدوار

سلسلۂ تجدید دین کی چار کتابیں

(از حضرت مولانا عبدالباری صاحب ندوی مدظلہ)

ہم نے جہل و جہالت، نفس و نفسانیت کی بدولت دین کی بہت سی سچی پکی باتوں کو بھول بھلا کر اور ان میں بدینی کی باتیں ملا کر ان پر عمل چھوڑ کر دین کی دینی ہی نہیں دنیوی بھی ہر طرح کی بھلائیوں اور کامیابیوں سے اپنے کو محروم کر لیا ہو

ان کتابوں میں از سر نو پورے دین کو کھری کھری صاف ستھری صورت میں پیش کیا گیا ہو کہ اسی پر نہ صرف آخرت کی نجات کا قطعی وعدہ ہو بلکہ دنیا کی بھی انفرادی و اجتماعی، معاشی و سیاسی تمام پریشانیوں سے نجات کی بھی اکیلی راہ ہے۔

(۱) تجدید دین کامل (معروف بہ جامع المجددین) میں خصوصیت کے ساتھ ظاہری اعتبار سے دین و دنیا کی انفرادی صلاح و اصلاح پر بحث ہے (۲) تجدید تصوف میں باطنی یا اخلاقی پر (۳) تجدید تعلیم و تبلیغ میں اجتماعی یا سماجی پر ــــ اور (۴) تجدید معاشیات میں معاشی یا رزقی پر۔

قیمت تیسری کی تئے رہے۔ باقی سب کی پانچ پانچ، مجلد گرد پوش، پورے سٹ پر

چاروں کے خریدار کو مصارف روانگی کی رعایت ہوگی۔

اعتذار اور اعلان

افسوس ہے کہ گزشتہ شمارہ کی طرح الفرقان کا یہ شمارہ بھی ۴۸ صفحات پر نکل رہا ہے انشاء اللہ آئندہ کی دو اشاعتوں میں یہ کمی پوری کردی جائے گی۔ آئندہ اشاعت کے بارے میں ایک ضروری اعلان صفحہ اول پر درج ہے۔ اس کو غور سے ملاحظہ فرمالیجئے گا۔ - مینجر۔

دنیا میں

سب سے بڑا روحانی انقلاب

پیغمبر خدا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ برپا ہوا تھا

جو لوگ اردو زبان کے ذریعہ

اُس تعلیم و ہدایت سے واقف ہونا اور فائدہ اٹھانا چاہیں جس سے یہ انقلاب برپا کیا گیا تھا

ہم انکی خدمت میں مولانا محمد منظور نعمانی مدیر الفرقان لکھنؤ کی تالیف

معارف الحدیث

اعتماد اور یقین کے ساتھ پیش کرتے ہیں

اردو ترجمہ و تشریح کے ساتھ یہ حدیث نبوی کا ایک جدید مجموعہ ہے جو دورِ حاضر کے مسلمانوں کی ذہنی و فکری سطح کو پیش نظر رکھ کر مرتب کیا گیا ہے اس کتاب کی یہ خصوصیت قابل ذکر ہے کہ مصنف کی خاص کوشش پوری کتاب میں یہ رہی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کے جو اثرات صحابہ کرام کے قلوب پر پڑتے تھے اس کتاب کے ناظرین کے دلوں پر بھی وہی اثرات کسی درجہ میں پڑیں — (دو جلدیں شائع ہو چکی ہیں)

جلد اول — جس میں ایمان اور آخرت سے متعلق [illegible] حدیثوں کی تشریح کی گئی ہے۔ قیمت مجلد [illegible] غیر مجلد [illegible]

جلد دوم — جس میں ترکیہ نفس اور اصلاح اخلاق سے متعلق [illegible] حدیثوں کی تشریح کی گئی ہے جس کے متعلق وثوق سے کہا جا سکتا ہے کہ قرآن مجید کے بعد تزکیہ نفس اصلاح قلب اور تربیت اخلاق کا کوئی مؤثر وسیلہ اس سے بہتر نہیں ہو سکتا کہ اصلاحی ادب میں یہ سب سے بہترین ہے۔ قیمت مجلد [illegible] غیر مجلد [illegible]

ماہنامہ

الفرقان

لکھنؤ

ہماری دعوت

لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ

ادارۂ الفرقان

مسئول

محمد منظور نعمانی

مرتب

عتیق الرحمٰن سنبھلی

چندہ (ہند و پاک سے)
سالانہ ۶/-/-
ششماہی ۳/-/-
فی کاپی .... -/۶۰/-

ماہنامہ الفرقان لکھنؤ

اس شمارے کی قیمت:- ایک روپیہ بیس نئے پیسے ۱/۲۰

چندہ (دیگر ممالک سے)
سالانہ .... ۱۲ شلنگ
اعزازی چندہ
سالانہ ۱۵/-/-

جلد (۳۰) بابت ماہ رمضان، شوال، ذیقعدہ ۱۳۸۲ھ مطابق مارچ، اپریل ۱۹۶۳ء شمارہ ۹، ۱۰، ۱۱

اگر اس دائرے میں ( ) سرخ نشان ہے تو

اس کا مطلب ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہو گئی ہے براہ کرم آئندہ کیلئے چندہ ارسال فرمائیں یا خریداری کا ارادہ نہ ہو تو مطلع فرمائیں چندہ یا کوئی دوسری اطلاع ۳۰ اپریل تک دفتر میں ضرور آجائے ورنہ اگلا شمارہ بصیغۂ وی، پی ارسال ہوگا۔

پاکستان کے خریدار:- اپنا چندہ "سکریٹری اصلاح و تبلیغ آسٹریلین بلڈنگ لاہور" کو بھیجیں۔ اور منی آرڈر کی رسید ہمارے پاس فوراً بھیجدیں۔

نمبر خریداری:- براہ کرم خط و کتابت اور منی آرڈر کے کوپن پر اپنا خریداری نمبر ضرور لکھ دیا کیجئے۔

تاریخ اشاعت:- الفرقان ہر انگریزی مہینہ کے پہلے ہفتہ میں روانہ کیا جاتا ہے۔ اگر ۳۰ تاریخ تک بھی کسی صاحب کو نہ ملے تو فوراً مطلع فرمائیں۔ اس کی اطلاع ۳۰ تاریخ کے اندر آجانی چاہیے۔ اس کے بعد رسالہ بھیجنے کی ذمہ داری دفتر پر نہ ہوگی۔

دفتر الفرقان، کچہری روڈ لکھنؤ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نگاہِ اوّلیں

دیکھو مجھے جو دیدۂ عبرت نگاہ ہو

"اسلام میں دین اور سیاست دو الگ الگ چیزیں نہیں" ـــــ "دین کو سیاست سے الگ رکھ کر اقامتِ دین کا فریضہ ادا نہیں ہو سکتا"! ـــــ ان فقروں میں صداقت ہے جس سے انکار نہیں کیا جا سکتا اور نہ امت میں من حیث المجموع یہ صداقت کبھی مشتبہ رہی لیکن یہ صداقت بس اتنی ہے کہ اسلام زندگی کے دوسرے شعبوں کی طرح کسی قوم کے اجتماعی نظام (ریاست و حکومت) کے لیے بھی احکام و قوانین رکھتا ہے اور کوئی قوم پوری طرح مسلمان ہونے کے تقاضوں سے اس وقت تک عہدہ برآ نہیں ہو سکتی جب تک کہ وہ اپنے اجتماعی نظام کو بھی دین کے تابع نہ کر دے، بس یہ ہے ان فقروں کی دینی صداقت! ـــــ رہی آج کی وہ اصطلاحی سیاست جو اصل منصب سیاست (ریاستی اقتدار) تک پہونچنے کی جدوجہد سے عبارت ہے اور جس کا جمہوری ملکوں میں ایک خاص راستہ اور ضابطہ مقرر ہے اس میں شرکت کو دین کا تقاضا قرار دینے کے لیے اگر مذکورۂ بالا قسم کے فقرے بولے جائیں تو اس پر "کلمۃ حق ارید بھا الباطل" کا اطلاق اگرچہ نہ کیا جا سکے تاہم یہ ایک "کلمۂ حق" کا غلط استعمال ضرور ہے۔

آج کل کی اصطلاحی سیاست (یا انتخابی سیاست) کے ذریعہ اقامتِ دین کا ایک تجربہ مملکتِ خداداد پاکستان میں ہو رہا ہے۔ اور اب یہ تجربہ ایک ایسے مقام پر پہونچ گیا ہے جہاں سے دین کے ہر دردمند پر یہ بات عیاں ہو جانی چاہیے کہ سیاست کا یہ کوچہ دین کے لیے جیسا

قاتل اور عیار رہزن ہے شاید ہی کوئی اور راہ ایسی ہو۔ اس میں سلامتی کے ساتھ دین کا گزر شاید ممکن ہی نہیں اور یہاں کی آب و ہوا دین کو راس آسکتی ہی نہیں۔

پاکستان میں تحریک اقامت دین کے سربراہ مولانا ابوالاعلیٰ مودودی کا لٹریچر جن لوگوں نے پڑھا ہے اور اُن کی جماعت کی خصوصیات سے جو لوگ واقف ہیں وہ چاہے مخالف ہوں یا موافق کبھی سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ مولانا اور ان کی جماعت کے اہتمام میں غلاف کعبہ کی گشتی نمائش کا وہ واقعہ بھی پیش آسکتا ہے جو اسی گزشتہ مارچ کے مہینے میں پاکستان کے اندر بڑی دھوم دھام سے پیش آیا۔ ہمیں مولانا اور اُن کی جماعت کے مزاج سے جو کچھ واقفیت تھی' اور جس میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہ تھی، اس کی بنا پر اس سلسلہ کی اولین خبر سے ہی ہمیں بڑا اچنبھا ہوا تھا جو غلاف کعبہ کی تیاری کے افتتاح کی تقریب کے عنوان سے آئی تھی۔ خیر خبر آئی اور اتنے تواتر کے ساتھ، خود جماعت کے اخبارات میں آئی کہ ہمیں یقین ہی کرلینا پڑا۔ اور پھر یہ سلسلہ درجہ بدرجہ مختلف صورتیں اختیار کرتا گیا حتیٰ کہ پھر پاکستان بھر میں اسپشل ٹرینوں کے ذریعہ غلاف کے مختلف ٹکڑوں کی گشتی نمائش کی اور اس کے بعد شاہی مسجد لاہور سے ہوائی اڈہ کے لیے اس کے الوداعی جلوس کی وہ خبر آئیں جن کی تفصیلات نے ہوش اڑا دیئے۔ خود جماعت اسلامی کے اخبارات سے چند سطروں میں اس سلسلہ کی کچھ تفصیل ملاحظہ ہو۔

(۱) ایک اسپشل ٹرین کے منتظمین میں سے ایک صاحب لکھتے ہیں:۔

"۱۷ مارچ کو سوا نو بجے غلاف کعبۃ اللہ زاد اللہ عظمتہٗ اور اس کے ناچیز خدام کو لے کر "غلاف کعبہ اسپشل ٹرین" زائرین کے نعرہائے تکبیر کے درمیان روانہ ہوئی۔ راہ میں سادھوکے مرید کے وغیرہ جن اسٹیشنوں پر گاڑی کو رکنا نہیں تھا، لیکن ہزاروں آنکھیں متحیر و متجسس گاڑی کو تک رہی تھیں۔ لائن مرمت کی وجہ سے چند منٹ کے لیے ان پیاسی نگاہوں کی تسکین کا انتظام اللہ نے کر دیا۔ کاموں کے گاڑی کے دونوں طرف عورتوں اور مرد زائرین کا جم غفیر منتظر تھا۔ اسی طرح گجرانوالہ وزیر آباد، سیالکوٹ میں علی الترتیب محتاط اندازے تقریباً دس لاکھ افراد زیارت

سے مشرف ہوئے۔ لوگ دور دراز فاصلوں۔ دیہات سے سفر کر کے آئے۔ اور عقیدت بھرے دلوں، محبت سے پُرنم آنکھوں سے غلافِ کعبہ کو الوداع کہتے رہے۔ زیارت کے بعد گاڑی سے چمٹے ہوئے اس کے ساتھ آنکھیں اور رخسار ملتے ہوئے زائرین میں سے حرکت کر کے اپنا راستہ نکالنا مشکل ہو جاتا تھا جس طرح دامن تھام کر بلکتے ہوئے ننھے بچوں کے ہاتھوں سے دامن جھٹک کر عازمِ سفر ہونا کسی بزرگ کے لیے مشکل ہو جائے۔ عورتیں اپنے دوپٹے، تسبیحیں، رومال، ٹوپیاں، پگڑیاں غلافِ مقدس کے ساتھ مس کر کے چومنے کے لیے بیتاب تھے، پھولوں کے ہار، گلدستے، عطر کی شیشیاں غلاف کے لیے لاتے رہے، اگر ہماری ذمہ داری کا احساس مانع نہ ہوتا کہ اس پاکیزہ متاعِ بے بہا کو ہر قسم کے ہاتھوں سے ملوث نہ کیا جائے تو ہر ایک فرد اس عزیز ترین مرکزِ عقیدت کو اپنی آنکھوں اور سر سے لگانے کے لیے دیوانہ وار لپک رہا تھا۔“ شہاب لاہور، غلاف کعبہ نمبر

(۲) جماعتِ اسلامی پاکستان کے مشہور و معروف رکن مولانا نصر اللہ خاں عزیز سہ روزہ ایشیا کے اداریہ میں رقمطراز ہیں:۔

”آج کل مغربی پاکستان کے ریلوے اسٹیشنوں پر دو اسپیشل ٹرینیں غلافِ کعبہ کی زیارت کرا رہی ہیں۔ ایک ٹرین لاہور سے پشاور کی طرف منزل بہ منزل رواں دواں ہے۔ دوسری خاص ٹرین اوکاڑہ، منٹگمری کی جانب تشنگانِ دیدارِ غلاف کو سیراب کر رہی ہے۔ ہر اسٹیشن پر عوام کے ذوق و شوق اور عقیدت و محبت کا عجیب عالم ہے۔ چھوٹے چھوٹے اسٹیشنوں پر لاکھوں کا ہجوم ہوتا ہے۔ مرد عورتیں بچے بوڑھے جسے دیکھئے بس ایک نظر دیکھ لینے کی سعادت حاصل کر لینے کو بیتاب ہے۔ جن مقامات پر پروگرام کے مطابق گاڑیوں کو نہیں ٹھہرنا ہوتا ہے وہاں بھی ہزاروں مرد عورتیں محض اس خیال سے جمع ہو جاتے ہیں کہ شاید ایک جھلک دیکھنا نصیب ہو جائے بعض مقامات پر تو لوگ پٹریوں پر لیٹ گئے اور مجبوراً گاڑی کو ٹھہرنا پڑا۔ ایسے ہی بعض مقامات سے جب گاڑی بغیر ٹھہرے ہجوم کے دیدۂ امید کو ترساتی ہوئی

گزر گئی تو کتنی ہی آنکھیں اشکِ حسرت سے بھر گئیں۔ خواتین غلافِ کعبہ پر پھول اور پیسے
نچھاور کرتی ہیں۔ بڑے بڑے افسر اور معززین عقیدت سے اس کے حضور دست بستہ
کھڑے ہوتے ہیں۔ چونکہ غلافِ کعبہ کو چھونے اور چومنے کی اجازت نہیں ہو اسلیے
بعض مقامات پر لوگوں نے فرطِ عقیدت میں ٹرین ہی کو بوسہ دینا شروع کر دیا۔"

(ایشیا - ۲۰ مارچ ۱۹۶۳ء)

کیا مولانا مودودی صاحب، جنہوں نے حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ جیسے مجدد سنت
اور ماحیٔ شرک و بدعت پر تصوف کے جرم میں یہ ریمارک کرنے سے نہیں چھوڑا کہ انہوں نے (عظیم
تجدیدی دعوت اور اصلاحی کارناموں کے باوجود) اُمت کو پھر وہی غذا دیدی جس سے سخت پرہیز
کرانے کی ضرورت تھی[1] انہیں اور ان کے متبعین کو یہ بتائے جانے کی ضرورت ہے کہ انہوں نے
"شعائر اللہ کی تعظیم" کے نام پر غلافِ کعبہ کے یہ جلوس نکالکر اور (بقول ایک معاصر کے) "علموں اور
اور تعزیوں کی طرح" اس کے ٹکڑے شہر شہر گھماکر اور عوام کو زیارت و اظہارِ عقیدت کی صلائے عام
دے کر کیسی مفسدہ انگیز غذا ان غریبوں کو بہم پہنچائی ہے اور کس درجہ تقویت کا سامان اُن کی
اس مریضانہ ذہنیت کے لئے کیا ہے جو انہیں مزاروں پر سجدے کراتی ہے اور ہر فرضی یا واقعی
متبرک شی کے ساتھ مشرکانہ اظہارِ عقیدت کو ان کے تخیل میں دین اور ذریعۂ نجات بنا دیتی ہے؟

کیا یہ جو کچھ اظہارِ عقیدت زائرینِ غلافِ کعبہ کی طرف سے ہوا دین کے کسی حقیقت شناس
اور ملت کے کسی سنجیدہ فکر اور باشعور حلقہ کی طرف سے سراہے جانے کی چیز ہے؟ اور سب کو چھوڑیئے
جماعت اسلامی نے اپنے لٹریچر کے ذریعہ دین کا جو تصور پیدا کیا ہے اس کی رو سے کبھی سوچا بھی
جاسکتا تھا کہ خود یہ جماعت مع اپنے داعی اول کے دینداری کے ان سطحی بلکہ قابلِ اصلاح مظاہر (ولی
پر دینی تحسین و توقیر کے محاباڈونگرے بھی برساسکتی ہے؟ لیکن جماعت کا ترجمان ایشیا زائرین
غلاف کی عقیدت ریزیوں کے اس والہانہ تذکرہ کے بعد جس کا اقتباس اوپر گزرا کس قدر وجد میں
آکر لکھتا ہے۔

"اللہ اکبر! کیا جذبہ ہے۔ کیسی بے پناہ عقیدت ہے۔ کس
قدر نیازمندی ہے۔ عقل حیران ہے کہ یہ وہی مسلمان ہیں جو عام

---

[1] ادکا کال

زندگی میں دین سے بیگانہ اور غافل نظر آتے ہیں۔ جو بسا اوقات
فرائض بھی ادا نہیں کرتے۔ جو خطا کار و گنہگار ہیں۔ آج انہیں کیا
ہو گیا ہے ان کے ننھے ننھے دلوں میں اسلام سے عقیدت کا اتنا
زبردست جذبہ کہاں پوشیدہ تھا جو آج اچانک طوفان بن کر
نمودار ہوا ہے۔"

مولانا نصر اللہ خاں عزیز کی عقل اس پر حیران ہے کہ اتنا زبردست جذبہ عقیدت کہاں پوشیدہ تھا۔ اور یہاں عقل اس پر حیران ہے کہ یہ اتنی بے پناہ "تری" کا سمندر کس طرف کو دبا ہوا تھا جو جماعت اسلامی کے سارے لٹریچر اور اس کی بیس سالہ تاریخ کی تمام خشکی کو آن واحد میں بہا کر لے گیا۔ ع ناطقہ سر بگریباں کہ اسے کیا کہیئے ــــ اور کیا نام اس اظہارِ حیرت کو دیجئے۔

ہندوستان اور پاکستان کا وہ کون ذی شعور باشندہ ہے جو پہلے سے حتمی پیشگوئی نہ کر کے دے سکتا ہو کہ غلاف کعبہ کی زیارت اور اس کی گشتی نمائش کا اعلان اگر کہیں کیا جائے گا تو مسلمان مرد، عورت بچے، بوڑھے ٹوٹ پڑیں گے۔ غلاف کعبہ کا نام تو بہت بڑا ہے یہاں تو وہ مخلوق رہتی ہے جو کہیں کسی "موئے شریف" کی زیارت کا اعلان سن پائے تو تل دھرنے کو جگہ نہ رہنے دے لیکن جماعت اسلامی کے ترجمان بزرگوار غلاف کعبہ کے لئے اہلِ پاکستان کا جوش عقیدت دیکھ کر ایسا اظہارِ حیرت فرما رہے ہیں جیسے مریخ کی کوئی مخلوق ابھی ابھی اس سرزمین پر نازل ہوئی ہو۔

جماعت اسلامی اور اس کے ارکان و عمائدین اسی سرزمین میں پلے بڑھے ہیں مسلمان عوام کی خوش عقیدگی یا ضعیف الاعتقادی کے ایسے مناظر چھوٹے بڑے پیمانے پر دن رات انہی دیکھنے میں آتے رہے ہوں گے۔ لیکن ایسے مناظر سے یہ امید افزا تاثر انہیں کبھی پہلے نہ ہوا ہو گا۔ کہ ع ــ ذرا نم ہو تو یہ مٹی بہت زرخیز ہے ساقی

ــــ مگر غلاف کعبہ کے ساتھ مسلمانوں کے اسی معاملہ نے، جسے ...... دوسرے موقعوں پر دیکھ کر وہ ناک بھوں نہ چڑھاتے ہوں گے تو ان مسلمانوں پر ترس ضرور کھاتے ہوں گے، کوئی ایسا سرِ حقیقت روشن کیا کہ دل دماغ کی کایا ہی پلٹ گئی اور فکر و نظر کے زاویئے تمام تر خوش عقیدگی کے اس سانچے میں ڈھل گئے کہ ان مناظر میں مسلمانوں کی اسلام پسندی کی علامت اور اس امر کا اعلان

نظر آنے لگا کہ وہ خالص اسلامی زندگی بسر کرنا چاہتے ہیں چنانچہ اسی تحریر میں ارشاد ہے کہ

"غلاف کعبہ سے بے پناہ عقیدت اس بات کی علامت ہے
کہ یہ قوم اسلام کے سوا کسی اور نظامِ اخلاق و آئین کو پسند نہیں
کرتی۔ لہٰذا اس کے اس جذبے کا تقاضا ہے کہ اس کو ایسا ماحول
مہیا کیا جائے کہ جو اس کے حسب حال ہو ایسا نظامِ آئین دیا جائے
کہ جس کے اصولوں کو وہ شعائر اللہ کی طرح مقدس خیال کرے۔
جس کا احترام وہ اس غیر فانی جذبے کے تحت کرے جس کا مظاہرہ
غلاف کعبہ کی زیارت کے سلسلے میں ہو چکا ہے اگر ایسا کیا جائے تو
پاکستان کے خالص اسلامی مملکت بننے میں کوئی دشواری پیش نہ
آئے گی۔ علامہ اقبال مرحوم کو قوم کے مزاج کی اس کیفیت کا کتنا
واضح شعور تھا۔ فرماتے ہیں ؎

نہیں ہے نا امید اقبال اپنی کشت ویراں سے
ذرا نم ہو تو یہ مٹی بڑی زرخیز ہے ساقی

قوم نے غلاف کعبہ کی زیارت میں جس ذوق و شوق کا مظاہرہ کیا ہے
وہ جہاں اس کی اسلام پسندی کی زبردست علامت ہے وہیں اس
امر کا بھی اعلان ہے کہ وہ اسلامی زندگی بسر کرنا چاہتی ہے اور اس
کے سوا کسی اور طرزِ زندگی کو دل سے پسند نہیں کرتی۔

اسی طرح ۸ مارچ کے "ایشیا" میں ایڈیٹر صاحب کے علاوہ ایک دوسرے صاحب لکھتے ہیں

"زائرات و زائرین میں صرف "مذہبی" طبقہ ہی نہ تھا بلکہ اعلیٰ
تعلیم یافتہ، ماڈرن طبقہ بھی کثرت سے تھا۔ اس طبقہ کی کئی خواتین
جب زیارت کے لئے شامیانے میں سے گزریں تو آنکھوں سے بے تحاشا
آنسو بہتے دیکھ کر حیرت ہوئی تھی۔ خدا جانے کتنے باغی دل ہتھیار
ڈال کر تائب و مسلم ہو چکے ہوں گے۔ ایک انسان کے دل کی کائنات

کا اندازہ دوسرا انسان کیا کر سکتا ہے۔

یہ جتنے ایمان افروز "نکتے" بالواسطہ طریقہ پر یہ سمجھانے کے لئے بیان ہو رہے ہیں کہ غلافِ کعبہ کی "گرگشتی" نمائش اور اس کے جلوس جلسوں سے بڑے غیر معمولی اور عظیم الشان دینی فوائد رونما ہوئے اور اقامت دین کی مہم کو زبردست تقویت اس کے ذریعہ مل گئی۔ ہو سکتا ہے یہ نکتے بجا ارشاد ہوئے ہوں۔ مگر ہمیں تو صرف ایک بات سے مطلب ہے کہ غلافِ کعبہ کے سلسلہ میں جماعت اسلامی پاکستان اور اس کے امیر و بانی مولانا مودودی صاحب نے جو کچھ کیا، کیا وہ ان کی دعوت، ان کے لٹریچر اور ان کے پیش کردہ تصور دین سے جوڑ کھاتا ہے؟ کوئی واقف نہیں کہہ سکتا کہ ہاں اس کا کوئی جوڑ ہے، اور کوئی نہیں کہہ سکتا کہ جماعت اسلامی کو عقیدۃً ایسی خوش عقیدگیوں سے لگاؤ ہے! بلا ریب وہ وہابیوں سے بڑھکر وہابی ہیں اس حد تک وہابی کہ دیوبند کی وہابیت بھی ان کی وہابیت کی تاب نہیں لا سکی، اور اصلاً جماعت اسلامی اور بزرگانِ دیوبند کے تمام اختلافات کی جڑ یہیں تھی۔ پھر یہ کیا ہے، اور یہ انہونی کیسے ہوئی؟

ہمارے اس مضمون کی تمہید شاید آپ بھول چکے ہوں، ذرا دیکھئے کہ اس سوال کا جواب اس میں تو کہیں نہیں مل رہا؟

ہمارے اس اشارہ پر مولانا نصر اللہ خاں عزیز جیسے ترجمانانِ جماعت اسلامی، جو جماعت اسلامی کے بارے میں ذرا بھی خلاف مرضی اظہار خیال کرنے والے کی زبان گدی سے کھینچ لینے کا ارادہ رکھتے ہیں، جو کچھ برہمی نہ دکھائیں تھوڑا ہوگا، لیکن عبرت کے اس موقع پر اشارہ کرنا ہی ہوگا۔ اور ان ارباب "تیر و نشتر" کی تمام جراحتوں کا خطرہ مول لیکر کہنا ہوگا کہ یہ لیلائے سیاست سے رسم و راہ کی برکتوں کے سوا کچھ نہیں۔ ــہ

اس نقشِ پا کے سجدے نے کیا کیا کیا ذلیل

کوچۂ رقیب میں بھی سر کے بل گیا!

معارف الحدیث

(مسلسل)

نماز جنازہ اور اس کے قبل و بعد

محدثین کا عام دستور ہے کہ وہ کتاب الصلوٰۃ کے آخر میں کتاب الجنائز کے تحت موت، مرض الموت بلکہ مطلق مرض و دیگر مصائب و بلیات اور ان حوادث کے وقت کے طرز عمل، پھر غسل میت، تجہیز و تکفین، نماز جنازہ، دفن، تعزیت، یہاں تک کہ زیارت قبور ان سب ہی امور کے متعلق حدیثیں درج کرتے ہیں۔ اس دستور کی پیروی میں یہاں بھی ان تمام امور سے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات اور معمولات اسی طرح ذکر کیے جائیں گے ——— ان حدیثوں سے جو کچھ معلوم ہو گا اس کا حاصل اور خلاصہ یہ ہے کہ موت چونکہ یقیناً آنے والی ہے، اور اس کا کوئی وقت معلوم نہیں ہے اس لیے مسلمان کو چاہیے کہ کسی وقت بھی اس سے غافل نہ ہو، ہمیشہ اس کو یاد رکھے اور آخرت کے اس سفر کی تیاری کرتا رہے ——— خصوصاً جب بیمار ہو تو اپنی دینی و ایمانی حالت کو درست کرنے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ اپنے تعلق کو صحیح کرنے کی زیادہ فکر کرے، دوسرے بھائی اس کی خدمت و ہمدردی اور اس کا غم ہلکا کرنے اور جی بہلانے کی کوشش کریں، اللہ کا نام اور کلام پڑھ کر اس پر دم اور اس کی صحت و شفا کے لیے دعا کریں اور اس کے سامنے اجر و ثواب کی باتیں اور اللہ تعالیٰ کی شان رحمت کے خوش آیند تذکرے کریں،

خصوصاً جب محسوس ہو کہ مریض بظاہر اچھا ہونے والا نہیں ہے اور سفر آخرت قریب ہے تو اسکے دل کو اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ کرنے کی اور کلمۂ ایمان کی یاد دہانی کی مناسب طریقہ پر کوشش کریں، پھر جب موت وارد ہو جائے تو اس کے اقارب صبر سے کام لیں، طبعی اور فطری رنج و غم کے باوجود موت کو اللہ تعالیٰ کا فیصلہ سمجھ کر وفادار بندہ کی طرح اس کے سامنے سر تسلیم خم کر دیں اور اس کے کرم سے اس صدمہ پر اجر و ثواب کی امید رکھیں اور اس کی دعائیں کریں ـــــ پھر میت کو غسل دیا جائے، اس کو اچھے صاف ستھرے کپڑوں میں کفنایا جائے اور خوشبو کا استعمال کیا جائے، پھر اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے جس میں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا اور تسبیح و تقدیس ہو، اس کی عظمت و کبریائی کا اعتراف و اقرار ہو۔ اللہ کے نبی و رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے دعائے رحمت ہو جن سے اس میت کو اور نماز پڑھنے والوں کو ہدایت ملی، اس سب کے بعد مرنے والے بھائی کے لیے اللہ تعالےٰ سے بخشش اور رحم و کرم کی دعا اور التجا ہو۔ پھر پورے اعزاز و احترام کے ساتھ اس کو اس زمین کے سپرد کر دیا جائے اور اس کی گود میں دے دیا جائے جس کے اجزاء سے اس کا جسم بنا اور پلا تھا، اور جو ایک طرح سے گویا اس کی ماں تھی۔ پھر لوگ زبانی اور عملی طور پر میت کے اقارب اور گھر والوں کی غمخواری اور ہمدردی کریں۔ اور ان کی تسلی تشفی اور غم ہلکا کرنے کی کوشش کریں۔

ان میں سے ہر بات کی حکمت اور مصلحت بالکل ظاہر ہے اور یہ واقعہ اور تجربہ ہے کہ مرض و موت اور دوسری مصیبتوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ان ہدایات پر عمل کرنے سے قلب و روح کو بڑا سکون نصیب ہوتا ہے، اور اس سلسلہ کی آپ کی ہر تعلیم و ہدایت دل کے زخم کا مرہم اور صدمہ کی دوا بن جاتی ہے، اور موت تو لقاء الٰہی کا وسیلہ ہونے کی حیثیت سے محبوب و مطلوب ہو جاتی ہے ـــــ یہ تو ان ہدایات کے دنیوی اور نقد برکات ہیں اور آخرت میں انشاءاللہ وہ سب سامنے آنے والا ہے جس کا ذکر آگے آنے والی حدیثوں میں کیا گیا ہے۔

اس تمہید کے بعد اس سلسلہ کی حدیثیں پڑھیے!

موت کی یاد اور اس کا شوق :-

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَکْثِرُوْا ذِکْرَ هَاذِمِ اللَّذَّاتِ اَلْمَوْتِ ـــــ رواہ الترمذی والنسائی وابن ماجہ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، لوگو موت کو یاد کرو اور یاد رکھو جو دنیا کی لذتوں کو ختم کر دینے والی ہے۔　　(جامع ترمذی، سنن نسائی، سنن ابن ماجہ)

عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عُمَرَ قَالَ اَخَذَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بِمَنْکِبِیْ فَقَالَ کُنْ فِی الدُّنْیَا کَاَنَّكَ غَرِیْبٌ اَوْ عَابِرُ سَبِیْلٍ، وَکَانَ ابْنُ عُمَرَ یَقُوْلُ اِذَا اَمْسَیْتَ فَلَا تَنْتَظِرِ الصَّبَاحَ وَاِذَا اَصْبَحْتَ فَلَا تَنْتَظِرِ الْمَسَاءَ وَخُذْ مِنْ صِحَّتِكَ لِمَرَضِكَ وَمِنْ حَیٰوتِكَ لِمَوْتِكَ ـــــ رواہ البخاری

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ میرا مونڈھا پکڑا اور مجھ سے فرمایا، دنیا میں اس طرح رہ جیسے کہ تو پردیسی اور راستہ چلتا مسافر ہے (اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس ہدایت و تعلیم کا اثر تھا کہ اپنے نفس کو یا دوسروں کو بھی مخاطب کر کے) ابن عمر نصیحت فرمایا کرتے تھے کہ جب شام آئے تو صبح کا انتظار نہ کر (معلوم نہیں کہ صبح تک تو رہے گا یا نہیں) اور جب صبح ہو تو شام کا انتظار نہ کر (نہیں معلوم کہ شام تک تو زندہ رہے گا یا نہیں) اور تندرستی کی حالت میں بیماری کے لیے اور زندگی میں موت کے لیے کچھ کمائی کر لے۔　　(صحیح بخاری)

عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اَحَبَّ لِقَاءَ اللّٰہِ اَحَبَّ اللّٰہُ لِقَاءَهٗ وَمَنْ کَرِهَ لِقَاءَ اللّٰہِ کَرِهَ اللّٰہُ لِقَاءَهٗ ـــــ رواہ البخاری ومسلم

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس کو اللہ سے ملنا اور اس کے حضور حاضر ہونا محبوب ہو اللہ کو اس سے ملنا محبوب ہے۔ اور جس کو اللہ سے ملنا ناگوار ہو اللہ کو اس سے ملنا ناگوار ہے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(**تشریح**) حضرت عبادہ بن صامت کی اسی روایت میں آگے یہ ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ بات ارشاد فرمائی تو ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا یا ازواج مطہرات میں سے کسی اور نے عرض کیا کہ حضرت ہمارا حال تو یہ ہے کہ "اِنَّا لَنَكْرَهُ الْمَوْتَ" (ہم موت سے گھبراتے ہیں اور موت ہم کو محبوب اور گوارا نہیں ہے) آپ نے اس کے جواب میں جو کچھ فرمایا اس کا حاصل یہ ہے کہ میرا مطلب یہ نہیں کہ آدمی کو خود موت محبوب ہونی چاہیے، موت کا محبوب نہ ہونا تو ایک طبعی اور فطری سی بات ہو۔ بلکہ میرا مطلب یہ ہے کہ موت کے بعد اللہ تعالیٰ کی جو رضا اور اس کا جو فضل و کرم مومن پر ہونے والا ہے جو موت کے وقت اس پر منکشف کر دیا جاتا ہے وہ آدمی کو محبوب اور اس کا شوق ہونا چاہیے۔ اور جب بندہ کا یہ حال ہو اللہ تعالیٰ اس سے محبت کرتا ہو اور اُس سے ملنا اللہ تعالیٰ کو محبوب ہوتا ہے۔ اور اس کے برعکس جو بندہ اپنی بداعمالی اور بدبختی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے غضب اور عذاب کا مستحق ہوتا ہے، موت کے وقت اس کے اس بُرے انجام پر اس کو مطلع کر دیا جاتا ہو اس لیے وہ اللہ کے حضور میں جانا نہیں چاہتا اور اس کو اپنے حق میں سخت مصیبت سمجھتا ہے تو ایسے شخص سے اللہ تعالیٰ بھی ملنا نہیں چاہتا اور اُس سے نفرت کرتا ہے ——— رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس تشریح کی بنا پر "لقاء اللہ" سے مراد یہاں موت نہیں ہے بلکہ موت کے بعد اللہ تعالیٰ کا جو معاملہ بندہ کے ساتھ ہونے والا ہے وہ مراد ہے۔ چنانچہ اسی مضمون کی جو حدیث خود حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے اس کے آخر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ تصریح ہے کہ "وَالْمَوْتُ قَبْلَ لِقَاءِ اللهِ" (یعنی موت لقاء اللہ سے پہلے ہے)

حضرت شاہ ولی اللہ رح نے اس حدیث کی شرح میں فرمایا ہے کہ جب اس دنیا سے دوسرے عالم کی طرف منتقل ہونے کا وقت بالکل قریب آ جاتا ہے تو بہیمیت اور مادیت کے غلیظ پردے چاک ہونے لگتے ہیں۔ اور روح کے لیے عالم ملکوت کا ظہور ہونے لگتا ہے۔ اس وقت عالم غیب اور عالم آخرت کی وہ حقیقتیں گویا مشاہدہ میں آنے لگتی ہیں جن کی اطلاع انبیاء علیہم السلام نے دی ہے اس وقت اس صاحب ایمان بندہ کی روح جس نے ہمیشہ بہیمی تقاضوں کو دبایا اور ملکی صفات کو غالب کرنے کی کوشش کی، اللہ تعالیٰ کی عنایات اور اس کے لطف و کرم کے نقشوں کا مشاہدہ کر کے اس کی مشتاق ہو جاتی ہے اور اس کا داعیہ اور شوق یہ ہوتا ہے کہ جلد سے جلد وہ اسی عالم میں اور اللہ تعالیٰ کے آغوش رحمت میں پہونچ جائے۔ اور اس کے برعکس جو منکر یا خدا فراموش اور نفس پرست بندہ ہمیشہ اپنے بہیمی تقاضوں میں غرق اور دنیوی لذتوں میں مست رہا اس کی روح موت کے وقت جب اپنے مستقبل کے مہیب نقشے دیکھتی ہے تو کسی طرح دنیا سے نکلنا نہیں چاہتی، شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ انھیں دونوں حالتوں کو "اَحَبَّ لِقَاءَ اللّٰہِ" اور "کَرِہَ لِقَاءَ اللّٰہِ" سے تعبیر کیا گیا ہے، اور آگے "اَحَبَّ اللّٰہُ لِقَاءَہٗ" اور "کَرِہَ اللّٰہُ لِقَاءَہٗ" کا مطلب بس اللہ تعالیٰ کی رضا اور ناراضی اور انعام اور غضب اور ثواب و عذاب ہے۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ تُحْفَۃُ الْمُؤْمِنِ الْمَوْتُ ــــــ رواہ البیہقی فی شعب الایمان

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مومن کا تحفہ موت ہے۔ (شعب الایمان للبیہقی)

(تشریح) جیسا کہ اوپر ذکر کیا جا چکا موت طبعی طور پر کسی کے لیے بھی خوش گوار نہیں ہوتی، لیکن اللہ کے جن بندوں کو ایمان و یقین کی دولت نصیب ہے وہ موت کے بعد اللہ تعالیٰ کے انعامات اور قرب خصوصی اور لذت دیدار پر نظر رکھتے ہوئے عقلی طور پر موت کے مشتاق ہوتے ہیں۔ بالکل اس طرح جس طرح کہ آنکھ میں نشتر لگوانا طبعی طور پر کسی کو بھی مرغوب اور گوارا نہیں ہو سکتا، لیکن اس امید پر کہ آپریشن سے آنکھ

میں روشنی آجائے گی عقلی طور پر وہ محبوب و مطلوب ہوتا ہے اور ڈاکٹر کو فیس دے کر نشتر آنکھ میں لگوایا جاتا ہے۔ بس فرق اتنا ہے کہ آپریشن کے نتیجہ میں آنکھ کا روشن ہو جانا قطعی اور یقینی نہیں ہے، آپریشن ناکامیاب بھی ہو جاتا ہے، لیکن صاحب ایمان و یقین بندہ کے لیے اللہ تعالیٰ کے انعامات اور اس کا قرب اور لذت دیدار بالکل یقینی ہے، اسی لحاظ سے اصحاب ایمان و یقین کے لیے موت محبوب ترین تحفہ ہے۔ سمجھنے کے لیے بلا تشبیہ اسکی دوسری ایک مثال یہ ہے کہ ہر لڑکی کے لیے شادی اور ماں باپ کے گھر سے رخصت ہو کر شوہر کے ہاں جانا اس حیثیت سے بڑے رنج اور صدمہ کی بات ہوتی ہے کہ ماں باپ کی شفقت اور گھر کا ماحول اس سے چھوٹ جائے گا اور اس کی آئندہ زندگی ایک نئے گھر اور نئے خاندان میں گزرے گی۔ لیکن شادی سے مستقبل کے بارے میں جو خاص توقعات ہوتی ہیں جن کے لیے شادی کی جاتی ہے اُن کی وجہ سے بلاشبہ شادی کا شوق اور ارمان بھی ہوتا ہے۔ بس اسی طرح اللہ تعالیٰ کے ساتھ صحیح ایمانی تعلق رکھنے والے بندوں کا معاملہ ہے موت کے بعد اللہ تعالیٰ کی جن الطاف و عنایات اور جس قرب خصوصی کی ان کو توقع ہوتی ہے اسی کی وجہ سے ان کو موت کا اشتیاق اور ارمان ہوتا ہے۔

موت کی تمنّا اور دعا کرنے کی ممانعت:۔

بہت سے لوگ دنیا کی تنگیوں اور پریشانیوں سے گھبرا کر موت کی آرزو اور دعا کرنے لگتے ہیں، یہ بڑی بے دانشی، کم ہمتی اور بے صبری کی بات اور ایمان کی کمزوری کی علامت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَا یَتَمَنّٰی اَحَدُکُمُ الْمَوْتَ اِمَّا مُحْسِناً فَلَعَلَّهٗ اَنْ یَّزْدَادَ خَیْراً وَ اِمَّا مُسِیْئاً فَلَعَلَّهٗ اَنْ یَّسْتَعْتِبَ ——— رواہ البخاری

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی موت کی تمنا نہ کرے، اگر وہ نیکوکار ہے تو امید ہے کہ

جب تک وہ زندہ رہے گا نیکیوں کے اس کے ذخیرہ میں اضافہ ہوتا رہے گا اور
اگر اس کے اعمال خراب ہیں تو ہو سکتا ہے کہ آئندہ زندگی میں وہ توبہ وغیرہ کے
ذریعہ اللہ تعالیٰ کو راضی کر لے۔ (صحیح بخاری)

(تشریح) صحیح بخاری میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کے الفاظ یہی ہیں جو اوپر درج کیے گئے ہیں لیکن صحیح مسلم کی روایت میں خفیف سا لفظی فرق ہے اور اس میں موت کی تمنا کے ساتھ اس کی دعا کرنے سے بھی منع فرمایا گیا ہے۔

عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَتَمَنَّيَنَّ
اَحَدُكُمُ الْمَوْتَ مِنْ ضُرٍّ اَصَابَهٗ فَاِنْ كَانَ لَابُدَّ فَاعِلًا
فَلْيَقُلْ اَللّٰهُمَّ اَحْيِنِىْ مَا كَانَتِ الْحَيٰوةُ خَيْرًا لِّىْ وَتَوَفَّنِىْ
اِذَا كَانَتِ الْوَفَاةُ خَيْرًا لِّىْ ـــــــ رواہ البخاری ومسلم

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کوئی کسی دکھ اور تکلیف کی وجہ سے موت کی تمنا (اور دعا) نہ کرے اگر (اندر کے داعیہ سے) بالکل ہی لاچار ہو، تو یوں دعا کرے کہ اے اللہ میرے لیے جب تک زندگی بہتر ہو اس وقت تک مجھے زندہ رکھ اور جب میرے لیے موت بہتر ہو اس وقت تو مجھے دنیا سے اٹھا لے۔
(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

بیماری بھی مومن کے لیے رحمت اور گناہوں کا کفارہ:-

جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے موت کے متعلق بتلایا کہ وہ فنا اور نیست ہو جانا نہیں ہے بلکہ ایک دوسری زندگی کا آغاز اور ایک دوسرے عالم کی طرف منتقل ہو جانا ہے جو اللہ کے ایمان والے بندوں کے لیے نہایت ہی خوشگوار ہوگا، اور اس لحاظ سے وہ موت مومن کا تحفہ ہے، اسی طرح آپ نے بتایا کہ بیماری بھی صرف دکھ اور مصیبت نہیں ہے بلکہ ایک پہلو سے وہ رحمت ہے اور اس سے گناہوں کی صفائی ہوتی ہے، اور

اللہ کے سعادت مند بندوں کو چاہیئے کہ بیماری اور دوسری تکلیفوں اور مصیبتوں کو خدائی تنبیہ سمجھتے ہوئے اپنی اصلاح کی فکر اور کوشش میں لگ جائیں ـــــ ذیل کی حدیثوں میں یہی تعلیم اور ہدایت دی گئی ہے۔

عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا یُصِیْبُ الْمُسْلِمَ مِنْ نَصَبٍ وَّلَا وَصَبٍ وَّلَا هَمٍّ وَّلَا حُزْنٍ وَّلَا اَذًی وَّلَا غَمٍّ حَتَّی الشَّوْکَةِ یُشَاکُهَا اِلَّا کَفَّرَ اللّٰہُ بِهَا مِنْ خَطَایَاہُ ـــــ رواہ البخاری ومسلم

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ مرد مومن کو جو بھی دکھ، اور جو بھی بیماری اور جو بھی پریشانی اور جو بھی رنج و غم اور جو بھی اذیت پہونچتی ہے، یہاں تک کہ کانٹا بھی اگر اس کے لگتا ہے تو اللہ تعالیٰ ان چیزوں کے ذریعہ اس کے گناہوں کی صفائی کردیتا ہے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ مُسْلِمٍ یُصِیْبُهٗ اَذًی مِنْ مَرَضٍ فَمَا سِوَاہُ اِلَّا حَطَّ اللّٰہُ تَعَالٰی بِهٖ سَیِّاٰتِهٖ کَمَا تَحُطُّ الشَّجَرَةُ وَرَقَهَا۔

ـــــ رواہ البخاری ومسلم

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کسی مرد مومن کو جو بھی تکلیف پہونچتی ہے مرض سے یا اس کے علاوہ، اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ اس کے گناہوں کو اس طرح جھاڑ دیتا ہے جس طرح خزاں رسیدہ درخت اپنے پتے جھاڑ دیتا ہے۔

(صحیح بخاری، صحیح مسلم)

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا یَزَالُ الْبَلَاءُ بِالْمُؤْمِنِ اَوِ الْمُؤْمِنَةِ فِیْ نَفْسِهٖ وَ

مَالِہٖ وَوَلَدِہٖ حَتّٰی یَلْقَی اللّٰہَ تَعَالٰی وَمَا عَلَیْہِ مِنْ خَطِیْئَۃٍ۔

رواہ الترمذی

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کے بعض ایمان والے بندوں یا ایمان والی بندیوں پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے مصائب اور حوادث آتے رہتے ہیں، کبھی اس کی جان پر، کبھی اس کے مال پر، کبھی اس کی اولاد پر (اور اس کے نتیجہ میں اس کے گناہ جھڑتے رہتے ہیں) یہاں تک کہ مرنے کے بعد وہ اللہ کے حضور میں اس حال میں پہونچتا ہے کہ اس کا ایک گناہ بھی باقی نہیں ہوتا۔ (جامع ترمذی)

عَنْ مُحَمَّدِ ابْنِ خَالِدِ السُّلَمِیِّ عَنْ اَبِیْہِ عَنْ جَدِّہٖ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ الْعَبْدَ اِذَا سَبَقَتْ لَہٗ مِنَ اللّٰہِ مَنْزِلَۃٌ لَمْ یَبْلُغْہَا بِعَمَلِہٖ اِبْتَلَاہُ اللّٰہُ فِیْ جَسَدِہٖ اَوْ فِیْ مَالِہٖ اَوْ فِیْ وَلَدِہٖ ثُمَّ صَبَّرَہٗ عَلٰی ذٰلِکَ حَتّٰی یُبْلِغَہُ الْمَنْزِلَۃَ الَّتِیْ سَبَقَتْ لَہٗ مِنَ اللّٰہِ۔

رواہ احمد وابوداؤد

محمد ابن خالد سُلمیؒ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں اور وہ ان کے دادا سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کسی بندۂ مومن کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسا بلند مقام طے ہوجاتا ہے جس کو وہ اپنے عمل سے نہیں پاسکتا۔ تو اللہ تعالیٰ اس کو کسی جسمانی یا مالی تکلیف میں یا اولاد کی طرف سے کسی صدمہ اور پریشانی میں مبتلا کردیتا ہے۔ پھر اس کو صبر کی توفیق دے دیتا ہے۔ یہاں تک کہ (ان مصائب و تکالیف اور ان پر صبر کرنے کی وجہ سے) اس بلند مقام پر پہونچا دیتا ہے جو اس کے لیے پہلے سے طے ہوچکا تھا۔

(مسند احمد، سنن ابی داؤد)

تشریح) اللہ تعالیٰ مالک الملک اور احکم الحاکمین ہے، وہ اگر چاہے تو بغیر

کسی عمل اور استحقاق کے بھی اپنے کسی بندہ کو بلند سے بلند درجہ عطا فرما سکتا ہے۔ لیکن اس کی حکمت اور صفتِ عدالت کا تقاضا یہ ہے کہ جو بندے اپنے اعمال و احوال کی وجہ سے جس درجہ کے مستحق ہوں ان کو اسی درجہ پر رکھا جائے، اس لیے اللہ تعالیٰ کا یہ دستور اور معاملہ ہے کہ جب وہ کسی بندہ کے لیے اس کی کوئی ادا پسند کرکے یا خود اس کی یا اس کے حق میں کسی دوسرے بندہ کی دعا قبول کرکے اس کو ایسا بلند درجہ عطا فرمانے کا فیصلہ کرتا ہے جس کا وہ اپنے اعمال کی وجہ سے مستحق نہیں ہوتا تو اعمال کی اس کمی کو مصائب و حوادث اور صبر کی توفیق سے پورا کر دیتا ہے۔ واللہ اعلم۔

عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوَدُّ اَهْلُ الْعَافِيَةِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ حِيْنَ يُعْطٰى اَهْلُ الْبَلَاءِ الثَّوَابَ لَوْ اَنَّ جُلُوْدَهُمْ كَانَتْ قُرِضَتْ فِي الدُّنْيَا بِالْمَقَارِيْضِ ——— رواہ الترمذی

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن جب ان بندوں کو جو دنیا میں مبتلائے مصائب رہے ان مصائب کے عوض اجر و ثواب دیا جائے گا تو وہ لوگ جو دنیا میں ہمیشہ آرام و چین سے رہے حسرت کریں گے کہ کاش دنیا میں ہماری کھالیں قینچیوں سے کاٹی گئی ہوتیں۔ (جامع ترمذی)

عَنْ عَامِرِ الرَّامِ قَالَ ذَكَرَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْاَسْقَامَ فَقَالَ اِنَّ الْمُؤْمِنَ اِذَا اَصَابَهُ السَّقَمُ ثُمَّ عَافَاهُ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ مِنْهُ كَانَ كَفَّارَةً لِمَا مَضٰى مِنْ ذُنُوْبِهِ وَمَوْعِظَةً لَهُ فِيْمَا يَسْتَقْبِلُ وَاِنَّ الْمُنَافِقَ اِذَا مَرِضَ ثُمَّ اُعْفِيَ كَانَ كَالْبَعِيْرِ عَقَلَهُ اَهْلُهُ ثُمَّ اَرْسَلُوْهُ فَلَمْ يَدْرِ لِمَ عَقَلُوْهُ وَلِمَ اَرْسَلُوْهُ ——— رواہ ابوداؤد

عامر رامی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے ایک دفعہ بیماریوں کے سلسلہ میں کچھ ارشاد فرمایا (یعنی بیماری کی حکمتیں اور اس میں جو خیر کا پہلو ہے اس کا تذکرہ فرمایا) اس سلسلہ میں آپ نے فرمایا کہ جب مرد مومن بیماری میں مبتلا ہوتا ہے پھر اللہ تعالیٰ اس کو صحت و عافیت دیتا ہے تو یہ بیماری اس کے پچھلے گناہوں کا کفارہ ہو جاتی ہے اور مستقبل کے لیے نصیحۃ تنبیہ کا کام کرتی ہے اور (خدا و آخرت سے غافل و بے پرواہ) منافق آدمی جب بیمار پڑتا ہے اور اس کے بعد اچھا ہو جاتا ہے (تو وہ اس سے کوئی سبق نہیں لیتا اور کوئی نفع نہیں اٹھاتا) اس کی مثال اُس اونٹ کی سی ہے جس کو اُس کے مالک نے باندھ دیا۔ پھر کھول دیا، لیکن اس کو کوئی احساس نہیں کہ کیوں اس کو باندھا اور کیوں کھولا۔ (سنن ابی داؤد)

(تشریح) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان سب ارشادات کا خاص سبق اور پیغام یہی ہے کہ بیماریوں اور دوسری تکلیفوں اور پریشانیوں کو (جو اس دنیوی زندگی کا گویا لازمہ ہیں) صرف مصیبت اور اللہ تعالیٰ کے غضب اور قہر کا ظہور ہی نہ سمجھنا چاہیے، اللہ سے صحیح تعلق رکھنے والے بندوں کے لیے ان میں بھی بڑا خیر اور رحمت کا بڑا سامان ہے، ان کے ذریعہ گناہوں کی صفائی اور تطہیر ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ کی خاص عنایات اور بلند درجات کا استحقاق حاصل ہوتا ہے، اعمال کی کمی کسر پوری ہوتی ہے اور ان کے ذریعہ سعادت مند بندوں کی تربیت ہوتی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس تعلیم کی یہ کتنی عظیم برکت ہے کہ جن بندوں کو ان حقیقتوں کا یقین ہے وہ بڑی سے بڑی بیماری اور مصیبت کو بھی اللہ تعالیٰ کی عنایت و رحمت ہی کی ایک صورت سمجھتے ہیں، اپنے جن بندوں کو اللہ تعالیٰ نے یہ دولت نصیب فرمائی ہے بس وہی جانتے ہیں کہ یہ کتنی عظیم نعمت ہے اور اس سے بیماری اور مصیبت کے حال میں بھی دل اور روح کو کتنی تقویت حاصل ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق اور محبت میں کتنی ترقی اور کس قدر اضافہ ہوتا ہے۔

بیماری میں زمانۂ تندرستی کے اعمال کا ثواب:-

عَنْ اَبِیْ مُوْسیٰ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا مَرِضَ الْعَبْدُ اَوْ سَافَرَ کُتِبَ لَہٗ بِمِثْلِ مَا کَانَ یَعْمَلُ مُقِیْمًا صَحِیْحًا ــــــــــ رواہ البخاری

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب کوئی بندہ بیمار ہو یا سفر میں جائے (اور اس بیماری یا سفر کی وجہ سے اپنے عبادت وغیرہ کے معمولات پورا کرنے سے مجبور رہ جائے) تو اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کے اعمال اسی طرح لکھے جاتے ہیں جس طرح وہ صحت و تندرستی کی حالت میں اور زمانۂ اقامت میں کیا کرتا تھا۔ (صحیح بخاری)

(تشریح) یہ بھی اللہ تعالیٰ کا خاص لطف و کرم اور فضل و احسان ہے کہ اگر آدمی بیماری یا سفر جیسی کسی مجبوری سے اپنے ذکر و عبادت وغیرہ کے معمولات پورے نہ کر سکے تو اللہ تعالیٰ اس کے اعمال نامہ میں اپنے حکم سے وہ معمولات لکھواتا ہے جو یہ بندہ تندرستی اور اقامت کی حالت میں کیا کرتا تھا۔ اَللّٰھُمَّ لَکَ الْحَمْدُ وَلَکَ الشُّکْرُ لَا نُحْصِیْ ثَنَاءً عَلَیْکَ۔

مریض کی عیادت اور تسلی و ہمدردی:-

مریض کی عیادت و تسلی اور اس کی خدمت و ہمدردی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اونچے درجہ کا نیک عمل اور ایک طرح کی مقبول ترین عبادت تبلایا ہے اور مختلف طریقوں سے اس کی ترغیب دی ہے، خود آپ کا دستور اور معمول بھی تھا کہ مریضوں کی عیادت کے لیے تشریف لے جاتے، اُن سے ایسی باتیں کرتے جن سے ان کو تسلی ہوتی اور ان کا غم ہلکا ہوتا، اللہ کا نام اور اس کا کلام پڑھ کر ان پر دم بھی فرماتے اور دوسروں کو بھی اس کی تلقین فرماتے۔

عَنْ اَبِیْ مُوْسیٰ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَطْعِمُوا الْجَائِعَ وَعُوْدُوْا الْمَرِیْضَ وَفُکُّوا الْعَانِیَ ــــــ رواہ البخاری

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، بھوکوں کو کھانا کھلاؤ، بیماروں کی عیادت کرو اور جو لوگ ناحق قید کر دیے گئے ہوں ان کی رہائی کی کوشش کرو۔ (صحیح بخاری)

عَنْ ثَوْبَانَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ الْمُسْلِمَ اِذَا عَادَ اَخَاہُ الْمُسْلِمَ لَمْ یَزَلْ فِیْ خُرْفَۃِ الْجَنَّۃِ حَتّٰی یَرْجِعَ ــــــ رواہ مسلم

حضرت ثوبانؓ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بندۂ مومن جب اپنے صاحبِ ایمان بندہ کی عیادت کرتا ہے تو واپس آنے تک وہ گویا جنت کے باغ میں ہوتا ہے۔

(صحیح مسلم)

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ عَادَ مَرِیْضاً نَادٰی مُنَادٍ مِنَ السَّمَاءِ طِبْتَ وَطَابَ مَمْشَاکَ وَتَبَوَّأْتَ مِنَ الْجَنَّۃِ مَنْزِلاً ــــــ رواہ ابن ماجہ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب بندہ نے کسی مریض کی عیادت کی تو اللہ کا منادی آسمان سے پکارتا ہے کہ تو مبارک، اور عیادت کے لیے تیرا چلنا مبارک، اور تو نے یہ عمل کر کے جنت میں اپنا گھر بنالیا۔ (سنن ابن ماجہ)

عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا دَخَلْتُمْ عَلَی الْمَرِیْضِ فَنَفِّسُوْا لَہٗ فِیْ اَجَلِہٖ فَاِنَّ ذٰلِکَ لَا یَرُدُّ شَیْئاً وَیُطَیِّبُ بِنَفْسِہٖ۔

ــــــ رواہ الترمذی و ابن ماجہ

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم کسی مریض کے پاس جاؤ تو اس کی عمر کے بارہ میں اس کے دل کو خوش کرو (یعنی اس کی عمر اور زندگی کے بارہ میں خوش کن اور اطمینان بخش باتیں کرو، مثلاً یہ کہ تمہاری حالت بہتر ہے انشاء اللہ تم جلد ہی تندرست ہو جاؤ گے) اس طرح کی باتیں کسی ہونے والی چیز کو روک تو نہ سکیں گی (جو ہونے والا ہے وہی ہوگا) لیکن اس سے اس کا دل خوش ہوگا (اور یہی عیادت کا مقصد ہے) (جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ)

عَنْ أَنَسٍ قَالَ كَانَ غُلَامٌ يَهُودِيٌّ يَخْدُمُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَمَرِضَ فَأَتَاهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعُودُهُ فَقَعَدَ عِنْدَ رَأْسِهِ فَقَالَ لَهُ أَسْلِمْ فَنَظَرَ إِلَى أَبِيهِ وَهُوَ عِنْدَهُ فَقَالَ أَطِعْ أَبَا الْقَاسِمِ فَأَسْلَمَ فَخَرَجَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ يَقُولُ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي أَنْقَذَهُ مِنَ النَّارِ ——— (رواہ البخاری)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک یہودی لڑکا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کیا کرتا تھا، وہ مریض ہوگیا تو آپ اس کی عیادت کے لیے اس کے پاس تشریف لے گئے اور اس کے سرہانے بیٹھ گئے اور اس سے فرمایا تو اللہ کا دین اسلام قبول کر لے اس نے اپنے والد کی طرف دیکھا جو وہیں موجود تھے، اُس نے لڑکے سے کہا کہ تو ابو القاسم (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بات مان لے۔ اس لڑکے نے اسلام قبول کر لیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے اور فرماتے تھے "حمد اس اللہ کی جس نے اس لڑکے کو جہنم سے نکال لیا۔" (صحیح بخاری)

(تشریح) اس حدیث سے ایک بات یہ معلوم ہوئی کہ بعض غیر مسلم بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خادمانہ تعلق رکھتے تھے، دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ آپ

غیر مسلموں کی بھی عیادت فرماتے تھے۔ تیسری بات یہ بھی معلوم ہوئی کہ جن غیر مسلموں کو آپ سے کچھ قریب ہونے کا موقع ملتا تھا وہ آپ سے اتنے متاثر ہوتے تھے کہ اپنی اولاد کے لیے اسلام قبول کرنا بہتر اور بھلائی کا وسیلہ سمجھتے تھے۔

مریض پر دم اور اس کے لیے دعاءِ صحت:۔

عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا اشْتَكٰى مِنَّا إِنْسَانٌ مَسَحَهٗ بِيَمِيْنِهٖ ثُمَّ قَالَ أَذْهِبِ الْبَاسَ رَبَّ النَّاسِ وَاشْفِ أَنْتَ الشَّافِيْ لَا شِفَاءَ إِلَّا شِفَاءُكَ شِفَاءً لَا يُغَادِرُ سَقَمًا ——— رواہ البخاری و مسلم

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب ہم میں سے کوئی آدمی بیمار ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنا داہنا ہاتھ اس کے جسم پر پھیرتے اور یہ دعا پڑھتے أَذْهِبِ الْبَاسَ رَبَّ النَّاسِ الخ (اے سب آدمیوں کے پروردگار اس بندے کی تکلیف دور فرمادے اور شفا عطا فرمادے، تو ہی شفا دینے والا ہے، بس تیری ہی شفا شفا ہے، ایسی کامل شفا عطا فرما جو بیماری بالکل نہ چھوڑے۔) (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

عَنْ عُثْمَانَ ابْنِ أَبِي الْعَاصِ أَنَّهٗ شَكٰى إِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَجَعًا يَجِدُهٗ فِيْ جَسَدِهٖ فَقَالَ لَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ضَعْ يَدَكَ عَلَى الَّذِيْ يَأْلَمُ مِنْ جَسَدِكَ وَقُلْ بِسْمِ اللّٰهِ ثَلٰثًا وَقُلْ سَبْعَ مَرَّاتٍ أَعُوْذُ بِعِزَّةِ اللّٰهِ وَقُدْرَتِهٖ مِنْ شَرِّ مَا أَجِدُ وَأُحَاذِرُ قَالَ فَفَعَلْتُ فَأَذْهَبَ اللّٰهُ مَا كَانَ بِيْ۔ ——— رواہ مسلم

حضرت عثمان ابن ابی العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے درد کی شکایت کی جو ان کے جسم کے کسی حصہ میں

تھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا تم اس جگہ پر اپنا ہاتھ رکھو جہاں تکلیف ہے اور تین دفعہ کہو "بسم اللہ" اور سات مرتبہ کہو "اَعُوْذُ بِعِزَّةِ اللّٰهِ وَقُدْرَتِهٖ مِنْ شَرِّ مَا اَجِدُ وَاُحَاذِرُ" (میں پناہ لیتا ہوں اللہ تعالیٰ کی عظمت اور اس کی قدرت کی اس تکلیف کے شر سے جو میں پا رہا ہوں اور جس کا مجھے خطرہ ہے) کہتے ہیں کہ میں نے ایسا ہی کیا تو اللہ تعالیٰ نے میری وہ تکلیف دور فرمادی۔ (صحیح مسلم)

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُعَوِّذُ الْحَسَنَ وَالْحُسَيْنَ اُعِيْذُكُمَا بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّةِ مِنْ كُلِّ شَيْطَانٍ وَهَامَّةٍ وَمِنْ كُلِّ عَيْنٍ لَامَّةٍ وَيَقُوْلُ اِنَّ اَبَاكُمَا كَانَ يُعَوِّذُ بِهِمَا اِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ ـــــــ رواہ البخاری

حضرت عبداللہ ابن عباس سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا پڑھ کے حسن و حسین (رضی اللہ عنہما) کو اللہ کی پناہ میں دیتے تھے۔

اُعِيْذُكُمَا بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّةِ	میں تمھیں پناہ دیتا ہوں اللہ کے
مِنْ كُلِّ شَيْطَانٍ وَّهَامَّةٍ وَّ	کلمات تامہ کی ہر شیطان کے شر سے اور
مِنْ كُلِّ عَيْنٍ لَامَّةٍ۔	ہر زہریلے جانور سے اور اثر ڈالنے والی آنکھ سے۔

تشریح) "کلمات تامہ" سے مراد یا تو اللہ کے احکام ہیں یا اس کی نازل کی ہوئی کتابیں ہیں۔ بہرحال آپ حضرت حسن و حسین (رضی اللہ عنہما) پر بطور تعویذ اور دم کے یہ دعا پڑھا کرتے تھے اور اس طرح ان کے لیے اللہ سے پناہ اور حفاظت مانگتے تھے۔

عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اشْتَكٰى نَفَثَ عَلٰى نَفْسِهٖ بِالْمُعَوِّذَاتِ وَمَسَحَ عَنْهُ بِيَدِهٖ فَلَمَّا اشْتَكٰى وَجَعَهُ الَّذِيْ تُوُفِّيَ فِيْهِ كُنْتُ اَنْفُثُ عَلَيْهِ بِالْمُعَوِّذَاتِ الَّتِيْ كَانَ يَنْفُثُ وَاَمْسَحُ بِيَدِ النَّبِيِّ

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ــــــــــــ رواہ البخاری ومسلم

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب خود بیمار ہوتے تو معوذات پڑھ کر اپنے اوپر دم فرمایا کرتے اور خود اپنا دست مبارک اپنے جسم پر پھیرتے۔ پھر جب آپ کو وہ بیماری لاحق ہوئی جس میں آپ نے وفات پائی تو میں وہی معوذات پڑھ کر آپ پر دم کرتی جن کو پڑھ کر آپ دم کیا کرتے تھے اور آپ کا دست مبارک آپ کے جسم پر پھیرتی۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) اس حدیث میں "معوذات" سے مراد بظاہر سورۂ "قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ" اور "قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ النَّاسِ" ہیں۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ وہ دعائیں مراد ہوں جن میں اللہ سے پناہ طلب کی جاتی ہے۔ اور جو آپ بیماروں پر پڑھ کر اکثر دم کیا کرتے تھے۔ اس طرح کی بعض دعائیں اوپر بعض حدیثوں میں بھی آچکی ہیں اور باقی انشاء اللہ اپنے موقع پر کتاب الدعوات میں مذکور ہوں گی۔

جب موت کے آثار ظاہر ہونے لگیں تو کیا کریں:۔

عَنْ أَبِيْ سَعِيْدٍ وَأَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَقِّنُوْا مَوْتَاكُمْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ ــــــــ رواہ مسلم

حضرت ابو سعید خدری اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مرنے والوں کو کلمہ لا الٰہ الا اللہ کی تلقین کرو۔ (صحیح مسلم)

(تشریح) اس حدیث میں مرنے والوں سے مراد وہ لوگ ہیں جن پر موت کے آثار ظاہر ہونے لگیں۔ اس وقت ان کے سامنے کلمۂ لا الٰہ الا اللہ پڑھا جائے یہی تلقین کا مطلب ہے تاکہ اس وقت ان کا ذہن اللہ تعالیٰ کی توحید کی طرف متوجہ ہو جائے اور اگر زبان ساتھ دے سکے تو اس وقت اس کلمہ کو پڑھ کر اپنا ایمان تازہ کرلیں اور اسی حال میں دنیا سے

رخصت ہو جائیں۔ علما کرام نے تصریح کی ہے کہ اس وقت اس مریض سے کلمہ پڑھنے کو نہ کہا جائے نہ معلوم اس وقت اس بیچارے کے منہ سے کیا نکل جائے، بلکہ اس کے سامنے بس کلمہ پڑھا جائے۔

عَنْ مُعَاذِ ابْنِ جَبَلٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ كَانَ آخِرُ كَلَامِهٖ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ دَخَلَ الْجَنَّةَ۔ رواہ ابوداؤد

حضرت معاذ ابن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص کا آخری کلام لاالٰہ الا اللہ ہو وہ جنت میں جائے گا۔ (سنن ابوداؤد)

عَنْ مَعْقِلِ بْنِ يَسَارٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِقْرَءُوْا سُوْرَةَ يٰسٓ عَلٰى مَوْتَاكُمْ۔

رواہ احمد وابوداؤد وابن ماجہ

حضرت معقل ابن یسار رضی اللہ عنہ سے روایت ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم اپنے مرنے والوں پر سورہ یٰسٓ پڑھا کرو۔

(مسند احمد، سنن ابوداؤد، سنن ابن ماجہ)

(تشریح) یہاں بھی مرنے والوں سے مراد وہی لوگ ہیں جن پر موت کے آثار ظاہر ہوگئے ہوں۔ اللہ ہی جانتا ہے کہ اس حکم کی خاص حکمت اور مصلحت کیا ہو، البتہ اتنی بات ظاہر ہے کہ یہ سورت دین وایمان سے متعلق بڑے اہم مضامین پر مشتمل ہے اور موت کے بعد جو کچھ ہونے والا ہے اس میں اس کا بڑا موثر اور تفصیلی بیان ہے۔ اور خاصکر اس کی آخری آیت (فَسُبْحٰنَ الَّذِيْ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ وَّاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ) موت کے وقت کے لیے بہت ہی موزوں اور مناسب ہے۔

عَنْ جَابِرٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَبْلَ مَوْتِهٖ بِثَلَاثَةِ اَيَّامٍ يَقُوْلُ لَا يَمُوْتَنَّ اَحَدُكُمْ اِلَّا وَهُوَ يُحْسِنُ الظَّنَّ بِاللّٰهِ ــــ رواہ مسلم

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کی وفات کے تین ہی دن پہلے سنا۔ تم میں سے ہر ایک کو چاہیے کہ اس کو ایسی حالت میں موت آئے کہ اس کو اللہ کے ساتھ اچھا گمان ہو۔ (صحیح مسلم)

(تشریح) اللہ پر ایمان اور اس کی معرفت کا تقاضا یہ ہے کہ بندہ کو اللہ کا خوف بھی ہو اور اس سے رحمت کی امید بھی، لیکن خاصکر اخیر وقت میں رحمت کی امید غالب ہونی چاہیے۔ مریض اس کی خود بھی کوشش کرے اور اس کے تیماردار، عیادت کرنے والے بھی اس وقت ایسی ہی باتیں کریں جس سے اس کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ اچھا گمان اور رحم و کرم کی امید پیدا ہو۔

مرنے کے بعد کیا کیا جائے :-

عَنْ اُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ دَخَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى اَبِيْ سَلَمَةَ وَقَدْ شَقَّ بَصَرُهٗ فَاَغْمَضَهٗ ثُمَّ قَالَ اِنَّ الرُّوْحَ اِذَا قُبِضَ تَبِعَهُ الْبَصَرُ فَضَجَّ نَاسٌ مِنْ اَهْلِهٖ فَقَالَ لَا تَدْعُوْا عَلٰى اَنْفُسِكُمْ اِلَّا بِخَيْرٍ فَاِنَّ الْمَلٰئِكَةَ يُؤَمِّنُوْنَ عَلٰى مَا تَقُوْلُوْنَ ثُمَّ قَالَ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِاَبِيْ سَلَمَةَ وَارْفَعْ دَرَجَتَهٗ فِي الْمَهْدِيِّيْنَ وَاخْلُفْهُ فِيْ عَقِبِهٖ فِي الْغَابِرِيْنَ وَاغْفِرْ لَنَا وَلَهٗ يَا رَبَّ الْعَالَمِيْنَ وَافْسَحْ لَهٗ فِيْ قَبْرِهٖ وَنَوِّرْ لَهٗ فِيْهِ ۔

رواہ مسلم

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ (ان کے شوہر ابو سلمہ کی وفات کے وقت) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے، ان کی آنکھیں کھلی رہ گئی تھیں، آپ نے ان کو بند کر دیا اور فرمایا کہ جب روح جسم سے نکال لی جاتی ہے تو بینائی بھی اس کے ساتھ چلی جاتی ہے (اس لیے موت کے بعد

آنکھوں کو بند ہی کر دینا چاہیے (آپ کی یہ بات سن کر) ان کے گھر کے آدمی چلا چلا کر رونے لگے (اور اس رنج اور صدمہ کی حالت میں ان کی زبان سے ایسی باتیں نکلنے لگیں جو خود ان لوگوں کے حق میں بد دعا تھیں) تو آپ نے فرمایا، لوگو اپنے حق میں خیر اور بھلائی کی دعا کرو، اس لیے کہ تم جو کچھ کہہ رہے ہو ملائکہ اس پر آمین کہتے ہیں. پھر آپ نے خود اس طرح دعا فرمائی. "اے اللہ ابو سلمہ کی مغفرت فرما اور اپنے ہدایت یاب بندوں میں ان کا درجہ بلند فرما اور اس کے بجائے تو ہی سرپرستی اور نگرانی فرما اس کے پس ماندگان کی، اور رب العالمین بخشدے ہم کو اور اس کو اور اس کی قبر کو وسیع اور منور فرما۔ (صحیح مسلم)

عَنْ اُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ مُسْلِمٍ تُصِیْبُہٗ مُصِیْبَةٌ فَیَقُوْلُ مَا اَمَرَہُ اللّٰہُ بِہٖ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ اَللّٰھُمَّ اْجُرْنِیْ فِیْ مُصِیْبَتِیْ وَاخْلُفْ لِیْ خَیْرًا مِنْھَا اِلَّا اَخْلَفَ اللّٰہُ لَہٗ خَیْرًا مِنْھَا فَلَمَّا مَاتَ اَبُوْ سَلَمَةَ قُلْتُ اَیُّ الْمُسْلِمِیْنَ خَیْرٌ مِنْ اَبِیْ سَلَمَةَ اَوَّلُ بَیْتٍ ھَاجَرَ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ثُمَّ اِنِّیْ قُلْتُھَا فَاَخْلَفَ اللّٰہُ لِیْ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ——— رواہ مسلم

حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس صاحب ایمان پر کوئی مصیبت آئے (اور کوئی چیز فوت ہو جائے) اور وہ اسوقت اللہ تعالیٰ سے وہ عرض کرے جو عرض کرنے کا حکم ہے یعنی "اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ اَللّٰھُمَّ اْجُرْنِیْ فِیْ مُصِیْبَتِیْ وَاخْلُفْ لِیْ خَیْرًا مِنْھَا" (ہم اللہ ہی کے ہیں اور اللہ ہی کی طرف ہم سب لوٹ کر جانے والے ہیں اے اللہ مجھے میری اس مصیبت میں اجر عطا فرما اور جو چیز مجھ سے لے لی گئی ہے) اس کے بجائے اس سے بہتر مجھے عطا فرما)، تو اللہ تعالیٰ اس چیز کے بجائے اس سے بہتر ضرور عطا فرمائے گا. (ام سلمہ کہتی ہیں کہ) جب میرے پہلے شوہر ابو سلمہ کا انتقال ہوا تو میں نے اپنے جی میں سوچا کہ میرے شوہر مرحوم

ابوسلمہ سے اچھا کون ہو سکتا ہے۔ وہ سب سے پہلے مسلمان تھے جنھوں نے گھر بار کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہجرت کی، (لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کے مطابق) میں نے ان کی وفات کے بعد اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ کہا اور دعا کی "اَللّٰھُمَّ اَجِرْنِیْ فِیْ مُصِیْبَتِیْ الخ" تو اللہ تعالیٰ نے ابوسلمہ کی جگہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے نصیب فرمائے۔

(صحیح مسلم)

عَنْ حُصَیْنِ ابْنِ وَحْوَحٍ اَنَّ طَلْحَۃَ ابْنَ الْبَرَاءِ مَرِضَ فَاَتَاہُ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَعُوْدُہٗ فَقَالَ اِنِّیْ لَا اُرٰی طَلْحَۃَ اِلَّا قَدْ حَدَثَ بِہٖ الْمَوْتُ فَاٰذِنُوْنِیْ بِہٖ وَعَجِّلُوْا فَاِنَّہٗ لَا یَنْبَغِیْ لِجِیْفَۃِ مسلم اَنْ تُحْبَسَ بَیْنَ ظَهْرَانَیْ اَھْلِہٖ۔

رواہ ابوداؤد

حصین ابن وحوح رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ طلحہ ابن براء بیمار ہوئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کی عیادت کے لیے تشریف لائے (ان کی نازک حالت دیکھ کر) آپؐ نے دوسرے آدمیوں سے [illegible] محسوس کرتا ہوں کہ ان کی موت کا وقت آ ہی گیا ہے (اگر [illegible]) تو مجھے خبر کی جائے اور (ان کی تجہیز وتکفین میں) جلدی [illegible] کیوں کہ کسی مسلمان کی میت کے لیے مناسب نہیں ہے کہ وہ گھر والوں کے بیچ میں دیر تک رہے۔ (سنن ابی داؤد)

(تشریح) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ موت کے بعد میت کی تجہیز وتکفین اور دفن میں جلدی کی جائے۔

میت پر گریہ وبکا اور نوحہ وماتم:-

کسی کی موت پر اس کے اقارب اور اعزہ ومتعلقین کا رنجیدہ وغمگین ہونا اور ان کے

نتیجہ میں آنکھوں سے آنسو بہنا اور اسی طرح بے اختیار گریہ کے دوسرے آثار کا ظاہر ہونا
بالکل فطری بات ہے اور اس بات کی علامت ہے کہ اس آدمی کے دل میں محبت اور در
مندی کا جذبہ موجود ہے جو انسانیت کا ایک قیمتی اور محمود عنصر ہے اس لیے شریعت نے اس
پابندی نہیں عاید کی، بلکہ ایک درجہ میں اس کی تحسین اور قدر افزائی کی ہے۔ لیکن نوحہ
ماتم اور ارادی و اختیاری طور پر رونے پیٹنے کی سخت ممانعت فرمائی گئی ہے، اولاً تو
لیے کہ یہ مقام عبدیت اور رضا بالقضا کے بالکل خلاف ہے، دوسرے اس لیے کہ اللہ تعا
نے انسان کو عقل و فہم کی جو بیش بہا نعمت عطا فرمائی ہے اور حوادث کو انگیز کرنے کی
خاص صلاحیت بخشی ہے، نوحہ و ماتم اور رونا پیٹنا اس نعمت خداوندی کا گویا کفران ہے
نیز اس سے اپنے اور دوسروں کے رنج و غم میں اضافہ ہوتا ہے اور فکر و عمل کی قوت کم از
اس وقت مفلوج اور معطل ہو جاتی ہے۔ علاوہ ازیں نوحہ و ماتم اور رونا پیٹنا میت کے لیے
باعث تکلیف ہوتا ہے۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ اِشْتَكٰى سَعْدُ بْنُ عُبَادَةَ شَكْوٰى لَهٗ فَاَتَاهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعُوْدُهٗ مَعَ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ وَسَعْدِ بْنِ اَبِيْ وَقَّاصٍ وَعَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ فَلَمَّا دَخَلَ عَلَيْهِ وَجَدَهٗ فِيْ غَاشِيَةٍ فَقَالَ قَدْ قُضِيَ؟ قَالُوْا لَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَبَكَى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا رَاَى الْقَوْمُ بُكَاءَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَكَوْا فَقَالَ اَلَا تَسْمَعُوْنَ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُعَذِّبُ بِدَمْعِ الْعَيْنِ وَلَا بِحُزْنِ الْقَلْبِ وَلٰكِنْ يُعَذِّبُ بِهٰذَا وَاَشَارَ اِلٰى لِسَانِهٖ اَوْ يَرْحَمُ وَاِنَّ الْمَيِّتَ لَيُعَذَّبُ بِبُكَاءِ اَهْلِهٖ عَلَيْهِ

رواہ البخاری و مسلم

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سعد بن عبادہ ایک دفعہ
مریض ہوئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عبد الرحمن بن عوف، سعد بن ابی وقاص اور
عبد اللہ بن مسعود کو ساتھ لیے ہوئے ان کی عیادت کے لیے آئے۔ آپ جب اندر تشریف

لائے تو ان کو آپ نے "غاشیہ" میں یعنی بڑی سخت حالت میں دیکھا (یا یہ کہ آپ نے اُن کو اس حال میں دیکھا کہ ان کے گرد آدمیوں کی بھیڑ لگی ہوئی ہے) تو آپ نے فرمایا "ختم ہو چکے" (یہ بات آپ نے یا تو ان کی حالت سے مایوس ہو کر اپنے اندازہ سے فرمائی یا بطور استفہام کے ان لوگوں سے آپ نے دریافت کیا.........

... جو وہاں پہلے سے موجود تھے) اُن لوگوں نے عرض کیا نہیں حضرت! ابھی ختم تو نہیں ہوئے ہیں، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو (اُن کی وہ حالت دیکھ کر) رونا آگیا جب اور لوگوں نے آپ پر گریہ کے آثار دیکھے تو وہ بھی رونے لگے آپ نے ارشاد فرمایا ـــــ لوگو! اچھی طرح سُن لو اور سمجھ لو! اللہ تعالیٰ آنکھ کے آنسو اور دل کے رنج و غم پر تو سزا نہیں دیتا (کیونکہ اس پر بندہ کا اختیار اور قابو نہیں ہے، اور زبان کی طرف اشارہ کر کے آپ نے فرمایا) لیکن اس زبان کی (غلط روی پر، یعنی زبان سے نوحہ و ماتم کرنے پر) سزا بھی دیتا ہے اور (انا للہ پڑھنے پر اور دعا و استغفار کرنے پر) رحمت بھی فرماتا ہے۔ اور یہ بھی حقیقت ہے کہ میت کے گھر والوں کے رونے پیٹنے کی وجہ سے اس کو عذاب ہوتا ہے۔

(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(تشریح) اس حدیث کا اصل پیغام تو یہی ہے کہ کسی کے مرنے پر نوحہ و ماتم نہ کیا جائے یہ چیز اللہ کے غضب اور عذاب کا باعث ہے، بلکہ انا للہ اور دعا و استغفار کے ایسے کلمے پڑھے جائیں اور ایسی باتیں کی جائیں جو اللہ کی رحمت اور اس کے فضل و کرم کا وسیلہ بنیں ـــــ اس حدیث میں گھر والوں کے رونے پیٹنے کی وجہ سے میت کو عذاب ہونے کا بھی ذکر ہے، یہ مضمون رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت ابن عمر کے علاوہ ان کے والد ماجد حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ اور بعض دوسرے صحابۂ کرام نے بھی روایت کیا ہے۔ لیکن حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور ان کے ساتھ حضرت عبداللہ بن عباس بھی اس سے انکار فرماتے ہیں۔

صحیح بخاری اور صحیح مسلم ہی میں حضرت عائشہ صدیقہ کا یہ بیان مروی ہے کہ جب اُن کے

سامنے حضرت عمر اور اُن کے صاحبزادہ حضرت ابن عمر کی حدیث اس سلسلہ میں نقل کی گئی تھی تو انھوں نے فرمایا کہ یہ دونوں حضرات بلاشبہ صادق ہیں لیکن اس معاملہ میں یا تو ان کو سہو ہوا، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات سننے یا سمجھنے میں ان کو غلطی ہوئی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات نہیں فرمائی تھی ـــــ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس بارہ میں قرآن مجید کی آیت "لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی" سے بھی استدلال کیا ہے۔ وہ فرماتی ہیں کہ اس آیت میں یہ قاعدہ اور اصول بیان کیا گیا ہے کہ کسی آدمی کے گناہ کی سزا دوسرے کو نہیں دی جائے گی، پھر یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ روویں گھر والے اور اس کی سزا دیجائے بیچارے مرنے والے کو ـــــ لیکن حضرت عمر اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے جس طرح یہ مضمون رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل فرمایا ہے اُس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ نہ انھیں بھول چوک ہوئی ہے اور نہ غلط فہمی، دوسری طرف حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کا استدلال بھی وزنی ہے اس لیے شارحین حدیث نے دونوں باتوں میں تطبیق کرنے کی کوشش کی ہے اور اس کے لیے توجیہ کے مختلف طریقے اختیار کیے ہیں، ان میں سے ایک جو زیادہ معروف اور سہل الفہم بھی ہے یہ ہے کہ حضرت عمر و ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیثوں کا تعلق اس صورت سے ہے جبکہ گھر والوں کے رونے میں مرنے والے کے قصور اور غفلت کو بھی کچھ دخل ہو، مثلاً یہ کہ وہ خود رونے اور نوحہ و ماتم کرنے کی وصیت کر گیا ہو جیسا کہ عربوں میں اس کا رواج تھا، یا کم سے کم یہ کہ گھر والوں کو رونے پیٹنے سے اس نے کبھی منع نہ کیا ہو۔ خود امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح بخاری میں یہی توجیہ کر کے تطبیق کی کوشش کی ہے۔

ایک دوسری توجیہہ یہ بھی کی گئی ہے کہ جب میت کے گھر والے اس پر نوحہ و ماتم کرتے ہیں اور جاہلانہ رواج کے مطابق اس مرنے والے کے "کارنامے" بیان کر کے اس کو آسمان پر چڑھاتے ہیں تو فرشتے میت سے کہتے ہیں "کیوں جناب آپ ایسے ہی تھے؟" یہ بات بعض حدیثوں میں بھی ذکر کی گئی ہے ـــــ یہاں اس سلسلہ میں بس اتنا ہی لکھنا مناسب سمجھا گیا جو حضرات اہل علم اس سے زیادہ تفصیل چاہیں وہ فتح الملہم شرح صحیح مسلم کی طرف رجوع فرمائیں۔ اس میں اس مسئلہ پر بہت سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔

ملحوظ رہے کہ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ جن کی سخت بیماری کا اس حدیث میں ذکر ہے، اس بیماری سے صحت یاب ہو گئے تھے۔ ان کی وفات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ایک روایت کے مطابق عہدِ صدیقی میں اور دوسری روایت کے مطابق عہدِ فاروقی میں ہوئی۔

عَنْ اَبِیْ بُرْدَۃَ قَالَ اُغْمِیَ عَلٰی اَبِیْ مُوْسٰی فَاَقْبَلَتِ امْرَأَتُہٗ اُمُّ عَبْدِ اللّٰہِ تَصِیْحُ بِرَنَّۃٍ ثُمَّ اَفَاقَ فَقَالَ اَلَمْ تَعْلَمِیْ وَکَانَ یُحَدِّثُھَا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اَنَا بَرِیْءٌ مِمَّنْ حَلَقَ وَصَلَقَ وَخَرَقَ ——— رواہ البخاری ومسلم واللفظ لمسلم

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے صاحبزادہ ابو بردہ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ بیمار پڑے اور (ان) پر غشی کی کیفیت طاری ہو گئی تو ان کی بیوی اُمّ عبد اللہ بلند آواز سے اور لَے کے ساتھ رونے لگیں، پھر ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کو افاقہ ہو گیا اور ہوش آگیا تو انھوں نے (اپنی ان بیوی سے) فرمایا، کیا تمہیں یہ معلوم نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو کوئی (موت اور غمی کے موقعہ پر) سر منڈائے یا چلائے یا کپڑے پھاڑے (اور جاہلیت کے ان طریقوں سے اظہار غم و ماتم کرے) تو میں اس سے بری اور بے تعلق ہوں۔
——— ابو بردہ کہتے ہیں کہ ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ یہ حدیث اپنی بیوی کو سنایا بھی کرتے تھے۔
(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَیْسَ مِنَّا مَنْ ضَرَبَ الْخُدُوْدَ وَشَقَّ الْجُیُوْبَ وَدَعٰی بِدَعْوَی الْجَاھِلِیَّۃِ ——— رواہ البخاری

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو کوئی (غمی اور موت کے موقع پر) اپنے رخساروں پر تمانچے مارے اور منھ پیٹے اور گریبان پھاڑے اور اہل جاہلیت کے طریقہ پر واویلا کرے

وہ ہم میں سے نہیں (یعنی وہ ہمارے طریقہ پر نہیں ہے)
(صحیح بخاری وصحیح مسلم)

آنکھ کے آنسو اور دل کا صدمہ:-

عَنْ اَنَسٍ قَالَ دَخَلْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى اَبِيْ سَيْفٍ الْقَيْنِ وَكَانَ ظِئْرًا لِاِبْرَاهِيْمَ فَاَخَذَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَبَّلَهٗ وَشَمَّهٗ ثُمَّ دَخَلْنَا عَلَيْهِ بَعْدَ ذٰلِكَ وَاِبْرَاهِيْمُ يَجُوْدُ بِنَفْسِهٖ فَجَعَلَتْ عَيْنَا رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَذْرِفَانِ فَقَالَ لَهٗ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ عَوْفٍ وَاَنْتَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ؟ فَقَالَ يَا ابْنَ عَوْفٍ اِنَّهَا رَحْمَةٌ ثُمَّ اَتْبَعَهَا بِاُخْرٰى فَقَالَ اِنَّ الْعَيْنَ تَدْمَعُ وَالْقَلْبَ يَحْزَنُ وَلَا نَقُوْلُ اِلَّا مَا يَرْضٰى رَبُّنَا وَاِنَّا بِفِرَاقِكَ يَا اِبْرَاهِيْمُ لَمَحْزُوْنُوْنَ ——— رواہ البخاری ومسلم

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں ابو سیف آہنگر کے گھر گئے، یہ ابو سیف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرزند ابراہیم (علیہ وعلی ابیہ السلام) کی دایہ اور مرضعہ (خولہ بنت المنذر) کے شوہر تھے (اور ابراہیم اس وقت کے رواج کے مطابق اپنی دایہ کے گھر ہی رہتے تھے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صاحبزادہ ابراہیم کو اٹھالیا اور چوما اور (ان کے رخسار پر) ناک رکھی (جیسا کہ بچوں کو پیار کرتے وقت کیا جاتا ہی) اس کے بعد پھر ایک دفعہ (ان صاحبزادہ ابراہیم کی آخری بیماری میں) ہم وہاں گئے اس وقت ابراہیم جان دے رہے تھے (یعنی ان کا بالکل آخری وقت تھا) ان کی اس حالت کو دیکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے، عبدالرحمن بن عوف (جو ناواقفی سے سمجھتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

اس قسم کی چیزوں سے متاثر نہیں ہو سکتے، تعجب سے) انہوں نے کہا یا رسول اللہ آپ کی بھی یہ حالت! آپ نے فرمایا اے ابن عوف یہ (کوئی بری بات اور بری حالت نہیں بلکہ یہ) شفقت اور دردمندی ہے، پھر دوبارہ آپ کی آنکھوں سے آنسو بہے، تو آپ نے فرمایا: "آنکھ آنسو بہاتی ہے اور دل مغموم ہے اور زبان سے ہم وہی کہیں گے جو اللہ کو پسند ہو (یعنی اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن) اور اے ابراہیم تمہاری جدائی کا ہمیں صدمہ ہے۔

(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(**تشریح**) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قلب مبارک رنج و غم والے حوادث سے رنجیدہ و غمگین ہوتا تھا اور ایسی حالت میں آپ کی آنکھوں سے آنسو بھی بہتے تھے، اور بلاشبہ یہی انسانیت کا کمال ہے کہ خوشی اور مسرت والی باتوں سے مسرت ہو اور رنج و غم کے موجبات سے رنج و غم ہو، اگر کسی کا یہ حال نہ ہو تو یہ اس کا نقص ہے کمال نہیں ہے ——— امام ربانی شیخ احمد فاروقی مجدد الف ثانیؒ نے اپنے ایک مکتوب میں لکھا ہے کہ ایک زمانہ میں میرے دل کی یہ حالت ہو گئی تھی کہ اسباب مسرت سے مجھے مسرت نہیں ہوتی تھی اور موجبات غم سے غم نہیں ہوتا تھا، میں اس زمانہ میں سنت نبویؐ کے اتباع کی نیت سے ایسے مواقع پر مسرت اور رنج و غم کو بہ تکلیف اپنے پر طاری کیا کرتا تھا، اس کے بعد خدا کے فضل سے وہ کیفیت زائل ہو گئی اور اب میرا یہ حال ہے کہ رنج و غم پہنچانے والے حوادث سے مجھے طبعی رنج و غم ہوتا ہے اور اسی طرح خوشی اور مسرت والی باتوں سے مجھے طبعی خوشی اور مسرت ہوتی ہے۔

مصیبت زدہ کی تعزیت اور ہمدردی:۔

موت یا ایسے ہی کسی اور شدید حادثہ کے وقت مصیبت زدہ کو تسلی دینا اور اس کے ساتھ اظہار ہمدردی اور اس کا غم ہلکا کرنے کی کوشش کرنا بلاشبہ مکارم اخلاق میں سے ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی اس کا اہتمام فرماتے تھے اور دوسروں کو اس کی ہدایت

اور ترغیب بھی دیتے تھے۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ عَزّٰی مُصَابًا فَلَہٗ مِثْلُ اَجْرِہٖ۔

رواہ الترمذی و ابن ماجۃ

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے کسی مصیبت زدہ کی تعزیت کی تو اس کے لیے مصیبت زدہ کا سا ہی اجر ہے (جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ)

اہلِ میت کے لیے کھانے کا اہتمام:-

میت کے گھر والے تازہ صدمہ کی وجہ سے ایسے حال میں نہیں ہوتے کہ کھانے وغیرہ کا اہتمام کر سکیں، اس لیے ان کے ساتھ ہمدردی کا ایک تقاضا یہ بھی ہے کہ اس دن ان کے کھانے کا اہتمام دوسرے اعزہ اور تعلق والے کریں۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ جَعْفَرٍ قَالَ لَمَّا جَاءَ نَعْیُ جَعْفَرٍ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِصْنَعُوْا لِاٰلِ جَعْفَرٍ طَعَامًا فَقَدْ اَتَاھُمْ مَا یَشْغَلُھُمْ

رواہ الترمذی وابوداؤد وابن ماجۃ

حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب ان کے والد ماجد حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر آئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جعفر کے گھر والوں کے لیے کھانا تیار کیا جائے، وہ اس اطلاع کی وجہ سے ایسے حال میں ہیں کہ کھانے وغیرہ کی طرف توجہ نہ کر سکیں گے۔ (جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ)

موت پر صبر اور اس کا اجر:-

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

يَقُولُ اللّٰهُ مَا لِعَبْدِيْ الْمُؤْمِنِ جَزَاءٌ إِذَا قَبَضْتُ صَفِيَّهُ مِنْ أَهْلِ الدُّنْيَا ثُمَّ احْتَسَبَهُ إِلَّا الْجَنَّةَ ——— رواہ البخاری

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اپنے ایمان والے بندے (یا بندی) کے کسی پیارے کو جب میں اٹھا لوں پھر وہ ثواب کی امید میں صبر کرے تو میرے پاس اس کے لیے جنت کے سوا کوئی معاوضہ نہیں ہے۔

(صحیح بخاری)

عَنْ اَبِيْ مُوسَى الْاَشْعَرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا مَاتَ وَلَدُ الْعَبْدِ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى لِمَلَائِكَتِهِ قَبَضْتُمْ وَلَدَ عَبْدِيْ فَيَقُوْلُوْنَ نَعَمْ فَيَقُوْلُ قَبَضْتُمْ ثَمَرَةَ فُؤَادِهِ فَيَقُوْلُوْنَ نَعَمْ فَيَقُوْلُ مَاذَا قَالَ عَبْدِيْ فَيَقُوْلُوْنَ حَمِدَكَ وَاسْتَرْجَعَ فَيَقُوْلُ اللّٰهُ اِبْنُوْا لِعَبْدِيْ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ وَسَمُّوْهُ بَيْتَ الْحَمْدِ ——— رواہ احمد والترمذی

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب اللہ کے کسی بندہ کا بچہ انتقال کر جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ روح قبض کرنے والے فرشتوں سے فرماتا ہے۔ تم نے میرے بندہ کے بچہ کی روح قبض کی؟ وہ عرض کرتے ہیں جی ہاں، پھر فرماتا ہے کہ تم نے اس کے دل کا پھل اس سے لے لیا؟ وہ عرض کرتے ہیں جی ہاں، پھر فرماتا ہے کہ اس بندہ نے اس حادثہ پر کیا کہا (اور اپنا کیا تاثر ظاہر کیا؟) فرشتے عرض کرتے ہیں کہ اس بندہ نے آپ کی حمد کی آپ کا شکر کیا، اور "اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ" پڑھا (یعنی ہم سب اللہ ہی کے ہیں اور اللہ ہی کی طرف لوٹ کے جانے والے ہیں)، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ (میرے اس صابرانہ رویہ پر) اس کے لیے جنت میں ایک عالیشان گھر بناؤ اور اس کا

تام بیت الحمد رکھو۔ (مسند احمد، جامع ترمذی)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک تعزیت نامہ اور صبر کی تلقین :-

عَنْ مُعَاذٍ اَنَّهٗ مَاتَ لَهُ ابْنٌ فَكَتَبَ اِلَيْهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ التَّعْزِيَةَ۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ. مِنْ مُحَمَّدٍ رَسُوْلِ اللّٰهِ اِلٰى مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ سَلَامٌ عَلَيْكَ فَاِنِّيْ اَحْمَدُ اِلَيْكَ اللّٰهَ الَّذِيْ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اَمَّا بَعْدُ فَاَعْظَمَ اللّٰهُ لَكَ الْاَجْرَ وَاَلْهَمَكَ الصَّبْرَ وَرَزَقَنَا وَاِيَّاكَ الشُّكْرَ فَاِنَّ اَنْفُسَنَا وَاَمْوَالَنَا وَاَهْلَنَا مِنْ مَوَاهِبِ اللّٰهِ الْهَنِيْئَةِ وَعَوَارِيْهِ الْمُسْتَوْدَعَةِ مَتَّعَكَ اللّٰهُ بِهٖ فِيْ غِبْطَةٍ وَسُرُوْرٍ وَقَبَضَهٗ مِنْكَ بِاَجْرٍ كَبِيْرٍ اَلصَّلٰوةُ وَالرَّحْمَةُ وَالْهُدٰى اِنِ احْتَسَبْتَهٗ فَاصْبِرْ وَلَا يُحْبِطْ جَزَعُكَ اَجْرَكَ فَتَنْدَمَ وَاعْلَمْ اَنَّ الْجَزَعَ لَا يَرُدُّ مَيِّتًا وَّلَا يَدْفَعُ حُزْنًا وَّمَا هُوَ نَازِلٌ فَكَاَنْ قَدْ وَالسَّلَامُ۔

—— رواہ الطبرانی فی الکبیر والاوسط

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ان کے ایک لڑکے کا انتقال ہو گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو یہ تعزیت نامہ لکھوایا:

بسم اللہ الرحمن الرحیم —— اللہ کے رسول محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف سے معاذ بن جبل کے نام۔ میں پہلے تم سے اللہ کی حمد بیان کرتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں، (بعد ازاں) دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ تم کو اس صدمہ پر اجر عظیم دے، اور تمہارے دل کو صبر عطا فرمائے اور ہم کو اور تم کو نعمتوں پر شکر کی توفیق دے۔ حقیقت یہ ہے کہ ہماری جانیں اور ہمارے مال اور ہمارے اہل و عیال یہ سب اللہ تعالیٰ کے مبارک عطیے ہیں اور اس کی

سپرد کی ہوئی امانتیں ہیں (اس اصول کے مطابق تمہارا لڑکا بھی تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی امانت تھا) اللہ تعالیٰ نے جب تک چاہا خوشی اور عیش کے ساتھ تم کو اس سے نفع اٹھانے اور جی بہلانے کا موقع دیا اور جب اس کی مشیت ہوئی اپنی اس امانت کو تم سے واپس لے لیا۔ وہ تم کو اس کا بڑا اجر دینے والا ہے، اللہ کی خاص نوازش اور اس کی رحمت اور اس کی طرف سے ہدایت (کی تم کو بشارت ہے) اگر تم نے ثواب اور رضاء الٰہی کی نیت سے صبر کیا ———— پس اے معاذ صبر کرو اور ایسا نہ ہو کہ جزع و فزع تمہارے قیمتی اجر کو غارت کر دے اور پھر تمہیں ندامت ہو (کہ صدمہ بھی پہونچا اور اجر سے بھی محروم رہے) اور یقین رکھو کہ جزع و فزع سے کوئی مرنے والا واپس نہیں آتا اور نہ اس سے رنج و غم دور ہوتا ہے اور اللہ کی طرف سے جو حکم اترتا ہے وہ ہو کر رہنے والا ہے بلکہ یقیناً ہو چکا ہے۔ والسلام۔

(معجم کبیر و معجم اوسط للطبرانی)

(تشریح) قرآن مجید میں مصائب پر صبر کرنے والے بندوں کو تین چیزوں کی بشارت دی گئی ہے " أُولَٰئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوَاتٌ مِّن رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ ۖ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُونَ ۝ (ان پر اللہ تعالیٰ کی خاص نوازش اور عنایت ہوگی اور وہ رحمت سے نوازے جائیں گے اور وہ ہدایت یاب ہوں گے) ———— رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس تعزیت نامہ میں اسی قرآنی بشارت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے کہ اے معاذ اگر تم نے ثواب اور رضائے الٰہی کی نیت سے اس صدمہ پر صبر کیا تو تمہارے لیے اللہ کی خاص نوازش اور اس کی رحمت اور ہدایت کی بشارت ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس مبارک تعزیت نامہ میں ہر اس صاحب ایمان بندہ کے لیے تعزیت و نصیحت اور تسلی و تشفی کا پورا سامان ہے جس کو کوئی صدمہ پہونچے، کاش اپنی مصیبتوں میں ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ان ایمان افروز

اور سکون بخش تعزیت سے سکون حاصل کریں اور صبر و شکر کو اپنا شعار بنا کر دُنیا و آخرت میں اللہ تعالیٰ کی خاص عنایت اور رحمت و ہدایت سے بہرہ اندوز ہوں۔

تجلیات مجدد الف ثانیؒ

مکتوبات کے آئینے میں

(ترجمہ از ——— مولانا نسیم احمد فریدی امروہی)

مکتوب (۶۷) - خانجہاں کے نام ——

[یہ ایک تفصیلی مکتوب گرامی ہے جس میں عقائد اہل سنت و جماعت اور ارکان اسلام کو بیان فرمایا گیا ہے۔]

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ الحمد للہ و سلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ ——— آپ کا مکتوب گرامی جو از روئے کرم و التفات روانہ کیا تھا پہونچا ——— خدا کا شکر ہے کہ اس پُر از اشتباہ زمانے میں بھی سعادت مند اغنیاء کو اپنے حُسنِ فطرت کی بنا پر (بظاہر) کوئی مناسبت نہ ہونے کے باوجود، فقراء سے نیازمندی کا تعلق ہے اور اس گروہ سے عقیدت ہے ——— یہ بھی بڑی نعمت ہے کہ گوناگوں تعلقاتِ دنیاوی اس دولت (عقیدت) کے حصول میں مانع نہیں ہوئے اور پراگندگیٔ توجہ نے درویشوں کی محبت سے باز نہیں رکھا ——— اس نعمتِ عظمیٰ کا شکر بجالانا اور امیدوارِ خیر و فلاح رہنا چاہیئے ——— حدیثِ نبوی میں ہے اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ (انسان جس سے محبت کرتا ہے اسی کے ساتھ ہے)

سعادت و نجابت آثارا! آدمی کو اس کے بغیر چارہ نہیں کہ وہ اپنے عقائد کی تصحیح فرقۂ ناجیہ اہل سنت و جماعت کے بموجب کرے جو کہ سوادِ اعظم اور بڑی

جماعت ہے ــــ تاکہ فلاح و نجاتِ اُخروی کی امید ہو سکے ــــ اعتقادات کی ناپاکی یعنی معتقدات اہلِ سنت و جماعت کے برخلاف عقائد ہونا زہر قاتل ہے، ایسا زہر قاتل جو کہ موت ابدی اور عذاب سرمدی تک پہونچاتا ہے ــــ عمل میں سستی و کاہلی ہو تو امید مغفرت ہو بھی سکتی ہے لیکن اعتقاد کی خرابی اور کمزوری گنجائشِ مغفرت نہیں رکھتی۔
ــــ (قرآن مجید میں ہے) اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَكَ بِهٖ وَیَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ یَّشَآءُ (بیشک اللہ تعالیٰ معاف نہیں کرتا اس جرمِ عظیم کو کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک کیا جائے اور اس کے علاوہ معاف کر دیتا ہے جس کو چاہتا ہے)
اہلِ سنت و جماعت کے معتقدات، اختصار کے ساتھ لکھے جاتے ہیں ان کے مطابق تصحیح عقاید کر لینا چاہیے۔ اور حضرت حق سبحانہ تعالیٰ سے تضرع و زاری کے ساتھ اس دولت پر استقامت کی درخواست کرنا چاہیے۔

جاننا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذاتِ قدیم کے ساتھ موجود ہے اور تمام اشیاء اللہ تعالیٰ کی ایجاد سے موجود ہوئی ہیں اور اسی کی تخلیق سے عدم سے وجود میں آئی ہیں اللہ تعالیٰ قدیم و ازلی ہے اور تمام چیزیں حادث اور نو پیدا ہیں ــــ جو ذات قدیم و ازلی ہے وہی باقی و ابدی ہے اور جو چیزیں حادث اور نئی پیدا شدہ ہیں وہ فانی اور نیست ہونے والی ہیں۔ معرضِ زوال میں ہیں ــــ اللہ تعالیٰ یگانہ ہے اپنا کوئی شریک نہیں رکھتا۔ نہ وجوب وجود میں اور نہ استحقاقِ عبادت میں ــــ اللہ تعالیٰ کے سوا نہ کسی کے لیے واجب الوجود ہونا مناسبِ شان ہے اور نہ اس کے سوا کسی کا مستحقِ عبادت ہونا لائق و سزاوار ہے ــــ اللہ تعالیٰ کی تمام صفات صفاتِ کاملہ ہیں۔ منجملہ صفات خداوندی کے یہ صفات بھی ہیں۔ حیات، علم، قدرت، ارادت، سمع، بصر، کلام، تکوین ــــ یہ سب صفات قدامت و ازلیت کے ساتھ متصف ہیں اور حق تعالیٰ کی ذات کے ساتھ قائم ہیں ــــ .... اللہ تعالیٰ جواہر، اجسام اور اعراض کی صفات و لوازم سے منزہ ہے۔ زمان، مکان اور جہت کی بھی حضرت حق تعالیٰ کی شان میں گنجائش نہیں ہے کیونکہ یہ سب چیزیں اس کی مخلوق ہیں ــــ

.... اللہ تعالیٰ نہ تو جسم جسمانی ہے، نہ جوہر و عرض، نہ محدود و متناہی ہے، نہ طویل و عریض، نہ دراز و کوتاہ ہے نہ فراخ و تنگ ــــــ بلکہ وہ واسع ہے ایسی وسعت کے ساتھ جو ہمارے فہم میں نہیں آسکتی، وہ محیط ہے اس احاطہ کے ساتھ جس کو ہم سمجھ نہیں سکتے ــــــ وہ قریب ہے ایسے قرب کے ساتھ جو ہماری عقل میں نہیں آسکتا ــــــ اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے اور یہ ساتھ ہونا وہ نہیں ہے جو عام طور پر متعارف ہو ــــــ بس ہم تو ایمان لائیں کہ اللہ واسع ہے، محیط ہے، قریب ہے اور ہمارے ساتھ ہے۔ مگر ہم ان صفات کی کیفیت کو نہیں جانتے ہیں کہ کیا ہیں؟.........

اللہ تعالیٰ کسی چیز سے متحد نہیں اور نہ کوئی چیز اس سے متحد ــــــ نیز کوئی چیز نہ اس کی ذات میں حلول کرتی ہے اور نہ وہ کسی چیز میں حلول کرتا ہے ــــــ ذاتِ حق تعالیٰ کا جُزء جُزء ہونا محال ہے اور اس کی ذات میں ترکیب و تحلیل بھی ناممکن ہے ــــــ اللہ تعالیٰ کا کوئی مثل و کفو نہیں ہوا اور نہ اُس کے زن و فرزند ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی ذات اور ہر ہر صفت، بیچون و بیچگونہ، بے مشابہ و بے نمونہ ہے ــــــ ہم تو اتنا جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ موجود ہے اور اُن اسماء و صفات کاملہ کے ساتھ متصف ہے جن کے ساتھ اس نے خود اپنی ذات کی تعریف فرمائی ہے ــــــ جو کچھ ہمارے فہم و ادراک میں آتا ہے اور جو کچھ ہمارے عقل و تصور میں سماتا ہے اللہ تعالیٰ اس سے منزہ ہے اور بلند ہو ــــــ جیسا کہ بیان کیا جا چکا ــــــ لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ (نظریں اس کا احاطہ نہیں کرسکتیں) ؎

دور بینانِ بارگاہِ الست
بیش ازیں پے نبردہ اند کہ ہست

یہ بھی جاننا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء صفاتی توقیفی ہیں، یعنی صاحبِ شرع سے سماع پر موقوف ہیں۔ شرع میں جس نام کا اطلاق، حضرت حق سبحانہٗ پر کرنا آیا ہے اس کا اطلاق کیا جائے اور جو نہیں آیا اس کا اطلاق نہیں کرنا چاہیے۔ اگرچہ اس نام میں معنی کمال پڑے ہوئے کیوں نہ ہوں ــــــ مثلاً اللہ تعالیٰ پر جواد کا اطلاق کیا جا سکتا ہے کیونکہ یہ نام آیا ہے، مگر اللہ تعالیٰ کو سخی نہیں کہنا چاہیے اس لیے کہ شرع میں اللہ تعالیٰ

کی یہ صفت نہیں آئی ــــ

قرآن مجید، کلام خداوندی ہے جس کو حرف و صوت کے لباس میں لاکر ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمایا گیا ہے اور اس کے ذریعہ بندوں کو امر و نہی فرمائی گئی ہے ــــ جس طرح ہم اپنے کلام نفسی کو تالو اور زبان کے ذریعہ حرف و صوت کے لباس میں لاکر ظاہر کرتے ہیں اور اپنے مقاصد پوشیدہ کو میدان اظہار میں لاتے ہیں اسی طرح حضرت حق سبحانہ نے اپنے کلام نفسی کو بغیر تالو اور زبان کے توسط کے محض اپنی قدرت کاملہ سے حرف و صوت کا لباس عطا فرماکر بندوں کے لیے بھیجا ہے ــــ اور اوامر و نواہی کو حرف و صوت کے ضمن میں لاکر منصۂ ظہور پر جلوہ گر کیا ہے......

ایسے ہی دوسری کتب اور صحیفے جو پہلے انبیاء پر نازل فرمائے ہیں وہ سب بھی کلام حق ہیں ــــ جو کچھ قرآن میں ہے اور پہلی کتب و صحف میں مندرج ہے وہ سب احکام خداوندی ہیں جن کا ہر وقت کے مناسب بندوں کو مکلف فرمایا گیا ہے ــــ

مومنوں کا حضرت حق سبحانہ کو بہشت میں بے جہت، بے مقابلہ اور بے کیف و بے احاطہ دیکھنا حق ہے۔ ہم اس دیدار اُخروی پر ایمان لائیں اور اس کی کیفیت میں مشغول نہ ہوں، اس لیے کہ دیدار خداوندی 'بیچوں' ہے اور اس دنیا میں اس کی حقیقت دنیا والوں پر ظاہر نہیں ہو سکتی .... اللہ تعالیٰ جس طرح اپنے بندوں کا خالق ہے۔ اُن کے افعال کا بھی خالق ہے ــ خیر ہو یا شر سب اُسی کی قدرت و مشیت سے ہے۔ لیکن وہ خیر سے راضی ہے اور شر سے راضی نہیں، اگرچہ خیر و شر دونوں اُسی کی مشیت کے ماتحت ہیں ــــ مگر اتنی بات ملحوظ رہے کہ تنہا شر کی نسبت، حق تعالیٰ کی طرف نہ کی جائے اس میں بے ادبی ہے۔ اُس کو فقط خالق الشر کہنا نہ چاہیے بلکہ خالق الخیر والشر کہا جائے ــــ......... معتزلہ، دوئی کے درپے ہو کر خالق افعال بندے کو جانتے ہیں اور خیر و شر کی نسبت (از روئے خلق و پیدائش) بندے کی طرف کرتے ہیں۔ شرع اور عقل دونوں معتزلہ کو اس عقیدے میں کاذب قرار دیتے ہیں ــــ البتہ حقانی علماء بندے کی قدرت کو اس کے فعل میں دخیل ملنتے ہیں

اور بندے میں کسب ثابت کرتے ہیں ــــ اس لیے کہ رعشہ دار آدمی کی حرکت میں اور ایک با اختیار کی حرکت میں واضح فرق ہے ۔ یہی فرق گرفت اور مواخذہ کا سبب بنتا ہے اور ثواب و عقاب کا اثبات کرتا ہے ــــ اکثر لوگ بندے کے قدرت و اختیار میں تردد رکھتے ہیں اور بندے کو محض مضطر و عاجز جانتے ہیں ۔ انھوں نے مُرادِ علماء کو نہیں سمجھا ہے ۔ بندے میں قدرت و اختیار کا ثابت کرنا یہ معنیٰ نہیں رکھتا کہ بندہ جو چاہے وہ کرلے اور جو نہ چاہے وہ نہ کرے ۔ یہ تو بندگی کی حقیقت سے دور ہے بلکہ بندے میں قدرت و اختیار کے یہ معنیٰ ہیں کہ وہ جن امور کا مکلف ہے اس سے عہدہ برا ہو سکے ــــ مثلاً نمازِ پنجوقتہ ادا کر سکے ، چالیسواں حصہ زکوٰۃ دے سکے ، بارہ مہینے میں ایک ماہ روزہ رکھ سکے ، تمام عمر میں ایک مرتبہ بشرطِ زاد و راحلہ حج کر سکے ــــ اسی طرح باقی احکامِ شرعیہ ہیں کہ حضرت حق سبحانہ و تعالیٰ نے کمال مہربانی سے بندے کے ضعف کو دیکھتے ہوئے سہولت و آسانی کر دی ہے ۔ خود فرماتا ہے ۔ یُرِیْدُ اللّٰہُ بِکُمُ الْیُسْرَ وَلَا یُرِیْدُ بِکُمُ الْعُسْرَ (اللہ تعالیٰ تمھارے حق میں آسانی چاہتا ہے دشواری نہیں چاہتا ہے) ۔ نیز فرماتا ہے یُرِیْدُ اللّٰہُ اَنْ یُّخَفِّفَ عَنْکُمْ وَخُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِیْفًا ــ (اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ تم سے تکلیفاتِ شاقہ کی گرانی میں تخفیف کر دے اور انسان ضعیف پیدا کیا گیا ہے) ....

انبیاء علیہم السلام ، مخلوق کی طرف اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے ہیں تاکہ وہ اُن کو حق کی دعوت دیں اور گمراہی سے بچا کر سیدھے راستے پر لے آئیں ۔ جو اُن کی دعوت قبول کرے اُس کو بہشت کی بشارت دی ہے اور جو ان کی دعوت کو رد کرے اس کے لیے عذاب دوزخ کی وعید ہے ــــ جو کچھ انبیاء علیہم السلام نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے تبلیغ کی ہے اور جو جو اطلاع دی ہے وہ سب حق اور سچ ہے اس میں خلاف کا شائبہ بھی نہیں ہے اور خاتم انبیاء حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں ، اُن کا دین تمام ادیان کا ناسخ ہے ۔ ان کی کتاب (قرآن) ، تمام پہلی کتابوں کے مقابلے میں بہترین کتاب ہے ، کوئی دین ان کی شریعت کا ناسخ نہ ہوگا ۔ قیامت تک اُن کا دین رہے گا ۔ حضرت

عیسیٰ علیہ السلام جب (قرب قیامت میں) آسمان سے اُتریں گے آپ ہی کی شریعت پر عمل کریں گے........

جو کچھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے احوالِ آخرت بیان فرمائے ہیں سب حق ہیں، مثلاً عذابِ گور، فشارِ قبر، سوالِ منکر و نکیر، فنائے عالم، آسمانوں کا پھٹنا، ستاروں کا بکھرنا، زمین اور پہاڑوں کا اٹھا لینا اور اُن کا پارہ پارہ ہو جانا، حشر و نشر، جسم میں اعادۂ روح، زلزلۂ قیامت، قیامت کی دہشت ناکی، حسابِ اعمال، اعضاء کی گواہی اعمال پر، نامہ ہائے حسنات و سیئات کا دائیں بائیں اُڑنا، میزان کا قائم ہونا تاکہ اس میں حسنات و سیئات کا وزن کریں اور اچھائی برائی کی کمی و زیادتی معلوم کریں، اگر پلۂ حسنات بھاری ہوا تو علامت نجات ہے، اگر اس میں ہلکا پن ظاہر ہوا تو علامت نقصان و خسران ہے۔

اللہ تعالیٰ کی اجازت سے گنہگار بندوں کیلئے شفاعتِ انبیاء اولاً بالذات اور شفاعتِ صلحا ثانیاً و بالتبع ثابت ہے ـــــ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے ـــــ "میری شفاعت میری اُمت کے گنہگاروں کے لیے ثابت ہے"۔

پُلِ صراط بھی حق و ثابت ہے جس کو پشتِ دوزخ پر رکھیں گے اور مومنین اس کو پار کر کے بہشت میں جائیں گے اور کافر اس پر لغزش کھا کر دوزخ میں گریں گے۔ بہشت جو کہ مومنین کو نعمتیں پہونچانے کے لیے تیار کی گئی ہے اور دوزخ جو کہ کافروں کو عذاب دینے کے لیے بنائی گئی ہے، یہ دونوں ٹھکانے مخلوق ہیں یہ ہمیشہ باقی رہیں گے فنا نہ ہوں گے، حساب کتاب کے بعد جب مومنین بہشت میں جائیں گے تو ہمیشہ ہمیشہ بہشت میں رہیں گے، بہشت سے باہر نہیں آئیں گے ـــــ ایسے ہی کفار جب دوزخ میں داخل ہوں گے ہمیشہ دوزخ ہی میں رہیں گے اور دائمی عذاب میں مبتلا ہوں گے، اُن کے عذاب میں تخفیف نہ ہوگی ـــــ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ـــــ لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنظَرُونَ ـــــ نہ تو کفار کے عذاب میں تخفیف کی جائے گی اور نہ اُن کو مہلت دی جائے گی) جس کسی کے دل میں ذرہ برابر بھی ایمان ہوگا اس کو اگر گناہوں کی کثرت کی وجہ سے دوزخ میں بھیجیں گے تو بقدر عصیان عذاب دے کر

بالآخر اس کو دوزخ سے نکال لیں گے، نیز گنہگار مومن کے چہرے کو کفار کے چہروں کی طرح سیاہ نہ کریں گے اور حرمت ایمان کی وجہ سے گنہگار مومن کی گردن میں کفار کی طرح طوق اور ہاتھ پاؤں میں زنجیر نہ ڈالیں گے۔

ملائکہ خداوند کریم کے مکرّم بندے ہیں وہ خدا کے حکم کی نافرمانی نہیں کرتے جس کام کا اُن کو حکم دیا گیا ہے اس کو وہ انجام دیتے ہیں، زن و شوہر ہونے سے وہ پاک ہیں، توالد و تناسل ان کے حق میں معدوم ہے۔۔۔ بعض فرشتوں کو اللہ تعالیٰ نے پیغام رسانی کے لیے منتخب اور تبلیغ وحی کے کام سے مشرف کیا ہے۔ انبیاء علیہم السلام کی (اکثر) کتابوں اور صحیفوں کو لانے والے بھی ملائکہ ہیں، اس لیے کہ یہ خطا اور خلل سے محفوظ اور شیطان کے مکر و حیلہ سے معصوم ہیں۔۔۔ ملائکہ نے حق سبحانہ سے انبیاءؑ کو جو کچھ پہونچایا وہ سچ اور صحیح ہے اس میں احتمال و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں ۔۔۔ ملائکہ عظمت و جلالِ باری تعالیٰ سے ترساں و لرزاں رہتے ہیں اور اس کے حکم کے خلاف کوئی کام نہیں کرتے ۔۔۔

ایمان نام ہے اقرار لسانی اور تصدیق قلبی کا اُن باتوں کی جو تواتر و یقین کے ساتھ اجمالاً اور تفصیلاً ہم تک پہونچی ہیں ۔۔۔ اعمال، نفسِ ایمان سے خارج ہیں لیکن ایمان میں کمال بڑھاتے اور حُسن پیدا کرتے ہیں.........

مومن، ارتکابِ معاصی سے اگرچہ کبائر ہی کیوں نہ ہوں ایمان سے باہر نہیں ہوتا...

اگر مومن عاصی، غرغرۂ موت سے پہلے توبہ کر لے تو نجاتِ عظیم کی امید ہے اس لیے کہ قبولِ توبہ کا وعدہ ہے ۔۔۔ اگر وہ توبہ سے مشرف نہ ہوا تو اس کا معاملہ خدائے تعالیٰ کے سپرد ہے اگر چاہے تو معاف کر کے بہشت میں بھیج دے اور اگر چاہے تو آگ سے یا کسی اور طریقے سے بقدر معصیت، عذاب کرے ۔۔۔ لیکن آخر کار اس کی نجات ہوگی اور اس کا انجام بہشت میں داخل ہونا ہے، اس لیے کہ آخرت میں رحمتِ خداوندی سے محروم ہونا اہلِ کفر کے ساتھ مخصوص ہے۔ جو بھی ذرہ برابر ایمان رکھتا ہے وہ امیدوارِ رحمت ہے ۔۔۔ معصیت کی بنا پر اگر ابتدا میں رحمت کو نہ پہونچے گا تو آخر میں اللہ کی عنایت سے ہم آغوشِ رحمت ہو ہی جائے گا ۔۔۔

بحث خلافت و امامت ، اہلِ سنت کے نزدیک اگرچہ اصولِ دین سے نہیں لیکن چونکہ فرقۂ شیعہ نے اس بارے میں غلو کیا ہے اور افراط و تفریط سے کام لیا ہے اس لیے بضرورت، علماءِ اہلِ حق رضی اللہ عنہم نے اس مبحث کو علم کلام سے ملحق کر دیا ہے ، اور حقیقت حال کو بیان فرمایا ہے ــــــ

امامِ برحق اور خلیفۂ مطلق حضرت خاتم الرسل صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں ، پھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ، بعد ازاں حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ ، اس کے بعد حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ــــــ ان خلفاءِ راشدین کی افضلیت ترتیبِ خلافت کے مطابق ہے ــــــ افضلیت حضراتِ شیخینؓ باجماعِ صحابہ و تابعین ثابت ہوئی ہے .... حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ سے افضل ہیں ــــــ علماءِ اہلِ سنت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو علم و اجتہاد میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا پر فضیلت دیتے ہیں ۔ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہٗ 'غنیۃ الطالبین' میں حضرت عائشہ کو مطلقاً حضرت فاطمہؓ پر فضیلت دیتے ہیں اور فقیر کا عقیدہ یہ ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ علم و اجتہاد میں سبقت رکھتی ہیں اور حضرت فاطمہ زہرا ، زہد و تقویٰ اور انقطاع میں فضیلت رکھتی ہیں ، اسی بنا پر حضرت فاطمہ کو بتول کہتے تھے ، بتول انقطاع کے معنیٰ میں مبالغہ کا صیغہ ہے ــــــ حضرت عائشہ صدیقہ ، مرجع فتاوائے صحابہ تھیں ، کسی علمی مسئلہ میں کوئی مشکل اصحاب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو پیش نہیں آتی تھی مگر اس کا حل حضرت عائشہؓ کے پاس ہوتا تھا ــــــ محاربات و منازعات جو صحابہ کرام علیہم الرضوان کے درمیان ہوئے ہیں ، مثل جنگ جمل اور محاربہ صفین کے ان کو اچھے معانی کی طرف پھیرنا اور ہواو تعصب سے دور رکھنا چاہیے ....

تمام اصحاب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم کرنا اور سب کو اچھائی سے یاد کرنا چاہیے ۔ اور ان میں سے کسی ایک کے حق میں بھی بدگمان نہیں ہونا چاہیے ۔ ان کی منازعت کو دوسروں کی مصالحت سے بہتر قرار دینا چاہیے ۔ طریق فلاح و نجات یہی ہے ۔ اس لیے کہ اصحاب کرامؓ سے دوستی رکھنا ، دوستی پیغمبرؐ کی ہی وجہ سے ہے ــــــ صحابہؓ سے بغض رکھنا بغض پیغمبرؐ تک

کھینچ کر لے جائے گا ـــــ ایک بزرگ فرماتے ہیں جس نے اصحابِ رسول اللہؐ کی تعظیم و توقیر نہیں کی وہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان ہی نہیں لایا ـــــ

علاماتِ قیامت، جن کی مخبرِ صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی ہے سب حق ہیں ان میں احتمال تخلف نہیں، مثلاً برخلافِ عادت آفتاب کا مغرب کی طرف سے طلوع ہونا، ظہور مہدی علیہ الرضوان، نزولِ حضرت عیسیٰ روح اللہ علیہ السلام، خروجِ دجّال، ظہورِ یاجوج و ماجوج، خروجِ دابۃ الارض، ظہورِ دُخان .... اور آخری علامت آگ جو عدن سے اُٹھے گی ـــــ ایک جماعت (مہدویہ) اپنی نادانی سے یہ گمان کرتی ہے کہ اہلِ ہند میں سے جس شخص نے دعوائے مہدویت کیا تھا وہی مہدی موعود ہوا ہے۔ پس ان کے گمان میں مہدی موعود آ چکے اور آ کر فوت بھی ہو چکے ہیں۔ وہ بتاتے ہیں کہ اُن کی قبر فَرہ میں ہے ـــــ (لیکن) وہ صحیح احادیث جو بحدِ شہرت بلکہ معنیٰ کے لحاظ سے حدِ تواتر کو پہونچی ہوئی ہیں اس طائفۂ مہدویہ کی تکذیب کر رہی ہیں، اس لیے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے احادیث میں مہدی موعود کی جو علامات بیان فرمائی ہیں وہ اس شخص میں نہیں پائی جاتیں جس کی مہدویت کا اعتقاد اس جماعت کو ہے ـــــ .... آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "دُنیا ختم نہیں ہوگی تاوقتیکہ اللہ تعالیٰ ایک شخص کو میرے اہلِ بیت میں سے نہ بھیجے۔ اس کا نام میرے نام پر ہوگا اور اس کے والد کا نام میرے والد کے نام پر ہوگا۔ وہ شخص زمین کو عدل و انصاف سے اس طرح بھر دے گا جس طرح وہ جور و ظلم سے پُر ہو گئی تھی" ـــــ .... حضرت عیسیٰ علیہ السلام، حضرت مہدیؓ کے زمانے ہی میں نزول فرمائیں گے اور وہ قتالِ دجّال میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی موافقت کریں گے ـــــ .... شیخ ابنِ حجر مکیؒ نے علاماتِ مہدیٔ منتظر کے بیان میں ایک رسالہ لکھا ہے۔ اُس میں مہدی کی دو سو علامات لکھی ہیں ـــــ نہایت نادانی کی بات ہے کہ باوجود مہدیٔ موعود کے بارے میں واضح بیان موجود ہونے کے ایک گروہ گمراہی میں پڑ گیا ـــــ اللہ تعالیٰ اُن کو سیدھا راستہ نصیب فرمائے ـــــ

حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے ـــــ "بنی اسرائیل میں

اکہتر فرقے ہوگئے تھے وہ سب ناری ہیں سوائے ایک فرقے کے ــــ قریب ہے کہ میری امت تہتر فرقوں میں متفرق ہوجائے ان میں سوائے ایک فرقہ ناجیہ کے باقی سب ناری ہوں گے۔ صحابہ نے دریافت کیا کہ وہ فرقہ ناجیہ کون سا ہوگا؟ فرمایا وہ لوگ جو میرے اور میرے اصحابؓ کے طریقے پر ہوں گے ــــ اور وہ فرقہ ناجیہ گروہ اہلسنت وجماعت ہے اس لیے کہ وہی آنسرور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کی متابعت کا التزام کرنے والے ہیں ــــ اے اللہ ہمیں اہل سنت وجماعت کے عقائد پر ثابت قدم رکھنا اور اُن کے زمرے میں موت دینا اور ان کے ہی گروہ میں محشور کرنا، اے اللہ ہمیں ہدایت دینے کے بعد ہمارے قلوب کو ٹیڑھا نہ کر دینا اور ہمیں اپنی رحمت سے نوازنا، تو بڑا ہی بخشش کرنے والا ہے ــــ

بعد از تصحیح عقائد ــــ اوامر کی تعمیل اور نواہی شرعیہ سے پرہیز ضروری ہے اور اس کا تعلق عمل سے ہے ــــ پنجوقتہ نماز سستی کیے بغیر، تعدیل ارکان اور جماعت کے ساتھ ادا کرنا چاہیے، کیونکہ نماز کفر و ایمان کے درمیان فرق کرنے والی چیز ہے۔ ــــ اور جب طریقۂ مسنونہ پر نماز ادا کرنا میسر ہوجائے تو سمجھو کہ اسلام کی مضبوط رسی ہاتھ میں آگئی کیونکہ نماز اصل دوئم ہے، اصل سوئم، ادائے زکوٰۃ ہے۔ اصل چہارم، ماہ رمضان کے روزے ہیں، اصل پنجم، حج بیت اللہ ہے ــــ اصل اول ایمان سے تعلق رکھتی ہے اور باقی چاروں اصول اعمال سے تعلق رکھتے ہیں ــــ تمام عبادات میں جامع ترین اور فاضل ترین نماز ہے ــــ قیامت کے روز حساب کی ابتدا نماز سے ہوگی، اگر نماز درست نکلی تو دوسری باتوں کا حساب بھی اللہ تعالیٰ کی عنایت سے بسہولت نمٹ جائے گا ــــ

حتی الامکان ممنوعات شرعیہ سے اجتناب و پرہیز کرنا چاہیے اور اللہ تعالیٰ کی نامرضیات کو زہر قاتل سمجھنا چاہیے، اپنی تقصیرات پیش نظر رہیں اور تقصیرات کے ارتکاب سے خجل و منفعل ہونا چاہیے، ندامت و حسرت کرنا چاہیے، طریق بندگی یہی ہے جس کو ہم نے ذکر کیا ــــ اللہ سبحانہ وتعالیٰ توفیق دینے والا ہے ــــ جو شخص بے محابہ

مولائے حقیقی کے خلاف مرضی، عمل کرتا ہے اور اس پر نادم بھی نہیں ہوتا، وہ متکبر اور سرکش ہے۔ اس کے اصرار و سرکشی سے اندیشہ ہے کہ وہ حلقۂ اسلام سے باہر آکر دائرۂ اعداء میں داخل نہ ہو جائے ـــــ رَبَّنَا اٰتِنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً وَّهَيِّئْ لَنَا مِنْ اَمْرِنَا رَشَدًا ؕ ـــــ

جس دولت و نعمت سے حضرت حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے آپ کو ممتاز کیا ہے اور دوسرے لوگ اُس دولت سے غافل ہیں، بلکہ قریب ہو کہ آپ بھی اس دولت کو نہ پائیں، وہ یہ ہے کہ بادشاہِ وقت (جہانگیر) ہفت پشت سے مسلمان ہے ساتھ ہی ساتھ اہلِ سنت اور حنفی ہے۔ (آپ کی بات کو سنتا ہے اور قبول کرتا ہے) ـــــ

اگرچہ چند سال سے اس زمانے میں جو کہ قریب قیامت کا اور زمانۂ نبوت سے بُعد کا زمانہ ہے ـــــ بعض طلبائے علوم نے لالچ کی بنا پر جو کہ خبثِ باطن کا نتیجہ ہوتی ہے ـــــ اُمراء و سلاطین سے تقرب ڈھونڈھ کر اُن کی خوشامد کرنا شروع کر دی۔ دینِ متین میں طرح طرح کے شکوک و شبہات ڈال دیئے اور بیوقوفوں کو راہِ مستقیم سے ہٹا دیا ـــــ یہ بادشاہِ عظیم الشان جب کہ آپ کی بات اچھی طرح سنتا اور اس کو قبول کرتا ہے تو کتنی اعلیٰ درجہ کی بات ہوگی کہ صراحتاً یا اشارۃً کلمۂ حق یعنی کلمۂ اسلام کو موافق معتقدات اہلِ سنت و جماعت، بادشاہِ وقت کے کانوں میں ڈال دیں اور جتنی گنجائش بھی نکلے اہلِ حق کی باتوں کو بادشاہ کے سامنے پیش کریں بلکہ اس بات کے منتظر رہیں کہ کوئی نہ کوئی صورت ایسی نکلے جس کی بنا پر سخن مذہب درمیان میں آجائے ـــــ تاکہ اسلام کی حقانیت کا اظہار اور کفر و کافری کے باطل ہونے کا بیان ہو سکے ـــــ کفر خود ایک کھلا ہوا باطل ہے، کوئی عاقل اس کو پسند نہیں کرتا، اس کے باطل ہونے کو بلا تامل ظاہر کرنا اور کفار کے معبودانِ باطل کی بے توقف نفی کرنا چاہیے ـــــ خدائے برحق بے شبہ خالق سمٰوٰت ہے ـــــ کسی نے سنا ہے کہ کفار کے معبودانِ باطل نے کبھی ایک مچھر بھی پیدا کیا ہو اگرچہ وہ سب جمع ہو جائیں ـــــ پھر ان بتوں پر مکھی نفی کرے اور آزار پہونچائے تو یہ اپنی حفاظت نہیں کر سکتے چہ جائیکہ دوسروں کی محافظت

کریں ـــــ کافر شاید اپنے اس کمزور پہلو کو پیش نظر رکھ کر ہی یہ کہتے ہیں کہ ہمارے یہ معبود تو بس نزد حق تعالیٰ ہمارے سفارشی ہوں گے اور ہم کو خداوند کریم سے قریب کر دیں گے ـــــ یہ لوگ بے عقل ہیں انھوں نے کہاں سے یہ جان لیا کہ ان پتھروں کو مجال سفارش ہوگی اور اللہ تعالیٰ شرکار کی سفارش کو جو کہ درحقیقت دشمنانِ دین ہیں اپنے دشمنوں کے پوجنے والوں کے حق میں قبول کرے گا ـــ یہ شرک کا معاملہ تو ایسا ہے جیسا کہ کچھ باغی جو سلطان کی اطاعت سے نکل جائیں اور بیوقوفوں کی ایک جماعت ان باغیوں کی امداد کرنے لگے یہ گمان کرتے ہوئے کہ یہ باغی کسی وقت میں سلطان کے پاس ہمارے سفارشی ہوں گے اور ان کے وسیلہ سے ہم سلطان کا تقرب حاصل کر سکیں گے ـــــ کتنے بیوقوف ہیں یہ لوگ کہ باغیوں کی خدمت کر رہے ہیں اور ان باغیوں کی سفارش سے اپنے لیے معافی طلب کر رہے ہیں اور تقرب ڈھونڈھ رہے ہیں ـــــ یہ لوگ سلطانِ برحق کی خدمت کیوں نہیں کرتے؟ اور باغیوں کا سر کیوں نہیں کچلتے تاکہ اہل قرب اور اہلِ حق میں سے ہو جائیں اور امن و امان میں رہیں ـــــ یہ بے عقل لوگ ایک پتھر کو لے کر اس کو خود تراشتے ہیں پھر سالہا سال اس کی پرستش کرتے ہیں اور اس سے توقعات وابستہ رکھتے ہیں ـــــ حاصلِ کلام یہ ہے کہ دینِ کفار تو ظاہری البطلان ہے اور مسلمانوں میں سے جو کوئی راہ حق اور طریق مستقیم سے دور جا پڑا ہے وہ اہلِ ہوا و بدعت ہے ـــــ طریق مستقیم (صرف) طریق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہے .... پس وہ مسلک و مذہب جو بعد زمانہ آنحضرت اور بعد زمانہ خلفاء راشدین علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات (طریقۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف) نمودار ہوا۔ وہ اعتبار سے ساقط ہے، اور شایانِ اعتبار نہیں ـــ اس دولتِ عظمیٰ کا شکر بجالانا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کمالِ کرم و فضل سے ہم کو فرقۂ ناجیہ میں داخل فرمایا اور وہ اہلِ سنت و جماعت ہیں ـــــ ہم کو ہوا و بدعت والوں کے فرقوں میں سے نہیں بنایا۔ اور ان کے اعتقاداتِ فاسدہ میں مبتلا نہیں فرمایا ـــ اور ہم کو اس جماعت (معتزلہ) میں نہیں بنایا جو کہ بندے کو اللہ تعالیٰ کی خاص الخاص صفت (خلاقی) میں شریک کرتے ہیں، بندے کو اپنے افعال کا خالق کہتے ہیں، دیدارِ آخرت

کے منکر ہیں جو کہ (در اصل) سرمایۂ کونین ہے ـــــ اور وہ واجب تعالیٰ سے وجود صفات کاملہ کی نفی کرتے ہیں ـــــ نیز اُن دو گروہوں (خوارج و روافض) سے بھی ہم کو نہیں بنایا جو کہ خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کرامؓ سے رنج و کینہ اور اکابرین دین سے بدگمانی رکھتے ہیں اور ان بزرگان دین (صحابہؓ) کو ایک دوسرے کا دشمن خیال کرتے اور اُن پر آپس میں بغض و کینہ رکھنے کی تہمت لگاتے ہیں...... اللہ تعالیٰ ان گروہوں کو توفیقِ خیر دے اور صراطِ مستقیم دکھائے ـــــ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے اُس جماعت سے بھی ہم کو نہیں بنایا جو حق تعالیٰ کے لیے جہت و مکان ثابت کرتے ہیں اس کو جسم و جسمانی سمجھتے ہیں اور واجب قدیم میں حدوث و امکان کی علامات ثابت کرتے ہیں ـــــ اب میں پھر وہی بات کہتا ہوں کہ آپ کو معلوم ہے کہ سلطان کی حیثیت روح کی ہے اور تمام لوگ مانند جسم کے ہوتے ہیں، اگر روح صالح ہے جسم و بدن بھی صالح ہے، اگر روح فاسد ہے تو بدن بھی فاسد ہے۔ پس اصلاح سلطان کی کوشش کرنا تمام بنی آدم کی اصلاح کی کوشش کرنا ہے، اور اصلاح کلمۂ اسلام کے اظہار میں مضمر ہے، جس طرح بھی اور جس وقت بھی مناسب ہو ـــــ اور اس کے ساتھ ساتھ معتقدات اہلِ سنت و جماعت بھی کبھی کبھی سلطان کے گوش گزار کرنا ضروری ہیں اور مخالفین کا رد کرنا بھی چاہیے۔ اگر یہ دولت میسر ہوئی تو سمجھو کہ انبیاء علیہم السلام کی وراثتِ عظمیٰ حاصل ہو گئی ـــــ آپ کو یہ دولت مفت میں حاصل ہے۔ اس دولت کی قدر پہچاننی چاہیے........ ـــــ واللہ سبحانہ الموفق ـــــ

رائے پور کے شب و روز

(مولانا سید ابوالحسن علی ندوی)

شیخ المشائخ حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائپوری رح کی

زیر طبع سوانح حیات کا چھٹا باب

کہ بر دو نیز د شاہاں زمن گدا پیامے — کہ بکوئے مے فروشاں دو ہزار جم بجامے

شدہ ام خراب و بدنام وہنوز امید وارم — کہ ز بد خلاص یابم بدعائے نیک نامے

(خواجہ حافظ رح)

انسانیت کی صحت گاہیں جنھوں نے ہندوستان میں فقر و تصوّف کی تاریخ پڑھی ہے یا کبھی اس مقصد و ذوق کے ساتھ اس ملک میں سفر کیا ہے وہ جانتے ہیں کہ جس طرح شیر شاہ سوری نے اپنی تاریخی شاہراہ پر دو رویہ تھوڑے تھوڑے فاصلہ سے کارواں سرائیں تعمیر کی تھیں جہاں مسافر قیام کرتے، خوراک، حفاظت اور آرام کی جگہ پاتے اور راہ کی خستگی و ماندگی دور کر کے تازہ دم ہو کر اپنا سفر شروع کرتے، اسی طرح فیاض دل اور فیاض روح درویشوں اور انسانیت کے چارہ سازوں نے زندگی کے تھکے ہارے مسافروں اور مادیت کے تقاضوں اور مطالبوں سے پامال کئے ہوئے انسانوں کے لئے جن کو اپنے دل کی زندگی دم توڑتی اور روح کا شعلہ بجھتا نظر آتا تھا، ایسی پناہ گاہیں اور کارواں سرائیں تعمیر کی تھیں جہاں کچھ دن ٹھہر کر دل کے چراغ کی لو نیا روغن اور روشنی پاتی، افسردہ قویٰ میں تازگی اور روح میں جلا پیدا ہوتی، غفلت اور معاصی کے مقابلہ کرنے اور اسلام کے پل صراط پر احتیاط و ثبات کے ساتھ چلنے کا عزم اور قوت پیدا ہوتی، قوی الارادہ اور صاحب عزیمت لوگوں کی ہمت و قوت دیکھ کر اپنے کمزور ارادہ میں قوت، اور اپنی ضعیف و مذبذب طبیعت میں ہمت محسوس ہوتی، فرائض کے پابند، سنن و آداب کے پابند بنتے، غافل ذاکر، نمازوں میں سستی کرنے والے شب بیدار بن جاتے، اسباب کے پرستار اور مادیت کے گرفتار جو مستقبل کے خوف

اور فقر و فاقہ کے ڈر سے ہمیشہ لرزاں و ترساں رہتے اور تدبیر و وسائل کو رازق حقیقی سمجھتے وہ ایک "درویش خدامست" کے توکل و تبتل کا منظر اور اللہ تعالیٰ کی مسبب الاسبابی کا تماشہ دیکھ کر توکل کے مفہوم سے آشنا اور یقین کی دولت سے بہرہ یاب ہوتے،

دہلی، نواح دہلی اور دوآبہ میں متعدد ایسی خانقاہیں اور روحانی تربیت کے مرکز تھے جو پوری یکسوئی کے ساتھ اپنے کام میں مشغول تھے، دہلی کی شہرۂ آفاق خانقاہوں کے دور انقلاب کے بعد اخیر دور میں گنگوہ اور تھانہ بھون کے روحانی و تربیتی مرکز مرجع خاص و عام بنے ہوئے تھے، پھر جب ان پر بھی دور انقلاب آیا اور سنت اللہ کے مطابق رشد و ہدایت کی یہ شمعیں بھی (اپنے مشائخ کی وفات کے بعد) خاموش ہوگئیں تو اسی سلسلۂ روحانی کی ایک کڑی رائے پور کی خانقاہ نہ صرف اس نواح بلکہ صوبہ جات متحدہ سے لے کر پنجاب تک کا روحانی و تربیتی مرکز بن گئی، ملک میں بڑے بڑے انقلاب آئے، بڑے بڑے سیاسی طوفان اٹھے اور آندھیاں چلیں، ملک تقسیم ہوا، لیکن ان تیز و تند ہواؤں میں بھی یہ چراغ جلتا رہا، نہ رائے پور میں ذکر اللہ کی سرگرمی میں کوئی فرق آیا اور نہ یہاں کی دعوت اور موضوع میں کوئی تبدیلی ہوئی۔

رائے پور کی خانقاہ رائے پور کی بستی[1] اور خانقاہ کے درمیان نہر حائل ہے، بستی سے جانب غرب نہر کے کنارے کچھ فاصلہ پر وہ کوٹھی ہے جس میں حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوری قدس اللہ سرہ العزیز کا قیام تھا، اس سے جانب غرب مسجد اور مدرسہ کی پختہ عمارت ہے، حضرت شاہ عبدالرحیم صاحبؒ کی حیات تک یہی خانقاہ اور اسی کے گرد و پیش طالبین خدا کا قیام تھا، جب حضرت مولانا عبدالقادر صاحبؒ کے لئے چودھری محمد صدیق صاحب نے اپنے باغ میں جو مسجد

---

[1] رائے پور شہر سہارنپور سے بجانب شمال ۲۲ میل پر واقع ہے، سہارنپور سے چکروتہ کو جو پختہ سڑک جاتی ہے اس کے ۱۰، ۱۱ میل پر گنگوہ پور کے پل سے جانب شمال ۴ میل پر رائے پور کی بستی آتی ہے، یہ راجپوت مسلمانوں اور مسلمان شرفا کی بستی ہے، نوابزادہ لیاقت علی خاں کا ننہال یہیں تھا، حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب قدس اللہ سرہ بھی یہیں کے نواسے تھے، اور اپنے وطن تیگری (انبالہ) سے آپ یہاں منتقل ہوگئے تھے اور اسی کو آپ کے روحانی فیوض کا مرکز اور مدفون بننے کا شرف حاصل ہوا۔

سے مغربی جانب واقع ہے، نئی قیام گاہ تعمیر کرا دی تو نئی خانقاہ وہیں منتقل ہو گئی[1] اس کے سامنے چند چھپر ڈال دیئے گئے مسافروں کی کثرت کی وجہ سے چارپائیوں کا خاص اہتمام کیا گیا، حضرت کی ہمیشہ تاکید ہوا کرتی تھی کہ رات کو لوگ چارپائیوں ہی پر آرام کریں اور نوافل بھی حتی الامکان کسی بلند جگہ پر پڑھیں، جانب شمال ٹین کا ایک لمبا سائبان تھا اور ایک بڑا دالان اور برآمدہ، اس طرح کثیر تعداد کے لئے رہائش اور بقدر ضرورت آسائش کا سامان تھا، گرمیوں میں چھپروں میں رات بڑی ٹھنڈی اور خوشگوار ہوتی، پہاڑ کے دامن اور جمنا کے کنارے پر ہونے کی وجہ سے بڑی ٹھنڈی ہوا آتی، خصوصاً شمالی ہوا بڑی خنک اور لطیف ہوتی، جاڑوں میں بستروں اور لحافوں کا خاصا ذخیرہ تھا جو ایسے مسافروں اور طالبین کے کام آتا جو اپنا بستر نہ لاتے،

عرصہ تک گنگوہ پور کے پل سے رائے پور کی خانقاہ تک کسی سواری کا انتظام نہیں تھا، طالبین و زائرین عام طور پر نہر کی پٹری پر ۲ میل کی مسافت پیادہ پا طے کرتے، بالکل آخر زمانہ میں بہٹ سے (جو سہارنپور سے ۱۶ میل اور رائے پور سے ۹ میل کے فاصلہ پر واقع ہے اور ایک مرکزی مقام ہے) رکشے مل جاتے اور خاص اہتمام سے کار بھی آجاتی، ایک زمانہ میں سہارنپور سے بہٹ تک بھی آنے کے لئے تانگہ کے علاوہ کوئی سواری نہ تھی، بعد میں سہارنپور سے بکثرت لاریاں چلنے لگیں جو بہٹ یا گنگوہ پور کے پل پر اتار دیتیں، سواریوں کی دشواری و نایابی اور سواریوں کی کثرت و سہولت کے ہر دور میں طالبین صادق دور دور کی مسافت طے کر کے ذوق و شوق سے آتے اور ایک ایک وقت میں (ذکر و تربیت کی نیت سے طویل قیام کرنے والوں اور مقیمین خانقاہ کے علاوہ) مہمانوں کی بڑی تعداد ہوتی،

رائے پور کا نظام الاوقات نظام الاوقات یہ تھا کہ رات کے پچھلے حصہ میں بالعموم سب ہی جاگ جاتے اور طہارت و وضو سے فارغ ہو کر نوافل میں مشغول ہو جاتے، بعض لوگ مسجد چلے جاتے، اکثر وہیں چٹائیوں اور چارپائیوں پر نوافل ادا کرتے، پھر ذکر جہر میں یا مراقبہ میں

[1] وفات سے قریباً ڈیڑھ ایک سال پیشتر پھر آپ کا قیام حضرت کی سابقہ کوٹھی میں ہو گیا اور مقیمین خانقاہ کی بڑی تعداد اس کے آس پاس مقیم ہو گئی، حضرت دس روپیہ ماہوار کے حساب سے اس کا کرایہ مدرسہ کو ادا فرماتے تھے۔

مشغول ہو جاتے، اس وقت رات کے اس سناٹے اور جنگل کی اس خاموش فضا میں خانقاہ اللہ کے نام کی صداؤں اور ذکر کی آوازوں سے گونج جاتی، اور حسب استعداد و توفیق لوگ اس فضا سے مکیف ہوتے اور سرور و مستی کی ایک عام کیفیت ہوتی، اس وقت ہر ایک آزاد اور اپنے حال میں مشغول ہوتا کوئی کسی سے تعرض نہ کرتا۔

صبح صادق کے طلوع کے ساتھ ہی مسجد میں اذان ہو جاتی، اذان و جماعت کے مابین (جو اچھا خاصا وقت ہوتا) چائے آجاتی، خانقاہ کے ناظم مطبخ حاجی ظفرالدین صاحب (جن کا غس پوش مکان یا جھونپڑا خانقاہ ہی میں جانب جنوب واقع ہے) ایسے سویرے وقت میں محض اپنے مختصر گھرانے کی مدد سے چائے کا انتظام کر لیتے اور سب کو فارغ کر دیتے۔ حضرت بھی جب تک چائے نوش فرماتے تھے اسی وقت چائے سے فارغ ہو جاتے بعد میں چائے کے بجائے دودھ دوا وغیرہ کا معمول اسی وقت پورا ہو جاتا، آخیر زمانہ کے تین چار سال مستثنیٰ کر کے حضرت ہمیشہ نماز کے لئے مسجد جاتے، اکثر خدام اور حاضرین خانقاہ ساتھ ہوتے، نماز سے فارغ ہو کر (جب تک آپ میں قوت تھی) پابندی کے ساتھ سیر کو تشریف لے جاتے، بالعموم نہر کی پٹری پر گنڈیور کی طرف اور دھونی تک (جو دو میل کے قریب ہے) تشریف لے جاتے، مجموعی طور پر ۴ میل کی سیر ہو جاتی، ایک عرصہ تک خصوصی مہمانوں کو حضرت یہاں تک پہونچانے بھی تشریف لاتے، کبھی میدان میں اس رو کے کنارے جو خانقاہ کے محاذی مشرق سے مغرب کو گئی ہے، تشریف لے جاتے، اس سیر میں بالعموم مجمع نہ ہوتا، شروع میں تنہا تشریف لے جاتے، بعد میں جب کسی قدر ضعف [illegible] تھا ایک دو خادم ساتھ ہوتے اور کوئی ایسے صاحب جو اپنا کوئی حال یا کیفیات سنانا چاہتے یا جن کو جلد رخصت ہونا ہوتا اس میں ہمیشہ معمول قرآن پڑھنے کا رہا۔

واپسی پر ابتدا میں مزار پر کچھ دیر بیٹھتے، بعد میں یہ معمول جاتا رہا تھا، کچھ دیر موسم کے مطابق باہر تشریف رکھتے پھر اندر تشریف لے جاتے، کوئی موسم ہو اور مہمان کم ہوں یا زیادہ، اچانک اسی وقت آگئے ہوں یا پہلے سے ٹھہرے ہوں ۱/۲-۱۰ بجے، ۱۱ بجے کھانا آجاتا، بالعموم وہی وقت باہر کے لوگوں کے آنے کا ہوتا تھا اور پہلے سے کوئی نہیں جانتا تھا کہ کتنے مہمان آرہے ہیں، بلا توقف و انتظار دسترخوان لگا دیا جاتا، کھانا عموماً نہایت سادہ اور بالعموم دال روٹی ہوتی، جب تک حضرت کی

صحت اجازت دیتی رہی مہمانوں کے ساتھ ہی کھانا تناول فرماتے تھے، اخیر زمانہ میں خاص مہمانوں کی رعایت سے حضرت کے مخصوص خدام راؤ عطاء الرحمٰن خاں اور حاجی فضل الرحمٰن خاں اپنا اپنا کھانا بھی لے آتے تھے اور مہمانوں کے ساتھ کھاتے تھے،

دوپہر کے کھانے کے بعد کچھ دیر نشست ہوتی اس کا بھی کوئی خاص موضوع مقرر نہیں تھا، کبھی بزرگوں کے تذکرے ہوتے، کبھی کوئی اور مضمون، ۱۲ بجے کے قریب آرام فرماتے، لوگ بھی آرام کرتے ظہر کی اذان سے پیشتر یا اذان پر (حسب ضرورت و معمول) لوگ اٹھ جاتے اور مسجد میں جا کر نماز پڑھتے، نماز ظہر کے بعد حضرت تخلیہ میں چلے جاتے، سفر حضر یہ قدیم و دائمی معمول تھا صرف رائپور میں کوٹھی کے قیام کے آخری ایام میں اس کی پابندی نہیں رہی تھی، اس تخلیہ میں حضرت کا کیا معمول تھا؟ مراقبہ میں مشغول رہتے یا تلاوت و نوافل میں اس کا تعین نہیں ہو سکا، عام طور پر صلوٰۃ التسبیح یا ذکر جہر کا معمول تھا، اس تخلیہ کا بڑا اہتمام والتزام تھا، عصر کی نماز سے کچھ پیشتر باہر تشریف لاتے، بعض مرتبہ باہر تشریف لانے سے پہلے کسی کو اگر خصوصی گفتگو کرنی ہوتی یا عرض حال کرنا ہوتا تو اندر طلب فرما لیتے، ابتدا میں خدام کا بیان ہے کہ چہرۂ مبارک پر ایسا جلال اور مستی کی کیفیت ہوتی کہ نظر رو برو کرنا مشکل ہوتا، اس وقفہ میں خاص مہمانوں اور علماء و خواص کی پذیرائی بھی فرماتے اور ان کی طرف خصوصی التفات فرماتے، اسی اثناء میں چائے اور اخبار آجاتے، بعض حضرات اخبار کی اہم خبریں پڑھ کر سناتے، یہ کام اخیر زمانہ میں حاجی فضل الرحمٰن خاں کے سپرد تھا وہ خبروں پر پہلے سرخی سے نشان لگا لیتے، بعض بعض اہم مضامین بھی پڑھ کر سنائے جاتے، حضرت کبھی کبھی کچھ ارشاد بھی فرماتے، اخبارات کا انتظار رہتا، اور پابندی سے وہ پڑھے جاتے، بعض زمانہ میں یہ سلسلہ عصر کے بعد رہتا، عصر کی نماز کے لئے مسجد جاتے، فارغ ہو کر مغرب تک موسم کے تغیرات کے مطابق کمرہ کے اندر یا باہر صحن میں عام نشست ہوتی، اسی موقعہ پر بستی کے حضرات اور گاؤں کے لوگ اور مقیمین خانقاہ جو اپنے کاموں میں مشغول ہوتے تھے آجاتے تھے، اخیر کے ۴، ۵ سال چھوڑ کر (جس میں اس وقت پابندی سے کتاب سنائی جاتی تھی) اس مجلس کا کوئی مقرر و خاص موضوع نہ تھا موسم، سیاسیات، حالات واقعات بزرگان دین کے تذکرے، کوئی استفسار کیا جائے تو اس کا جواب، غرض ہر طرح کی مباح و جائز گفتگو ہوتی، اس مجلس میں حضرت شیخ الحدیث

مولانا محمد زکریا صاحب (جو اکثر تشریف لایا کرتے اور کئی کئی دن قیام فرماتے) تشریف رکھتے تو اسکا کیف، رونق اور شگفتگی دوبالا ہو جاتی، حضرت (جب فرش پر نشست ہوتی) تو اپنے برابر ان کیلئے مسند رکھواتے، چارپائیوں پر نشست ہوتی تو اپنے برابر کی چارپائی پر فرش کروا کے اور تکیہ رکھوا کر بٹھاتے، کوئی استفسار ہوتا تو اکثر اس کا جواب شیخ پر محوّل فرماتے اور فرماتے کہ حضرت کیا ارشاد ہے؟ ان دونوں حضرات کی موجودگی کے زمانہ کی یہ محفلیں چشم فلک کو عرصہ تک یاد رہیں گی،

غروب کے ٹھیک وقت کا اور گھڑی کو اس کے مطابق صحیح کرنے کا بڑا اہتمام تھا، اس کے لئے کئی اصحاب کھلے میدان میں سورج کے غروب ہونے کو دیکھنے کے لئے جاتے اور آکر صحیح صحیح وقت بتلاتے،

مغرب کے بعد اہلِ خانقاہ نوافل و ذکر میں مشغول ہو جاتے، مغرب کے بعد کا یہ وقت زیادہ تر ان طالبین و سالکین کے لئے مخصوص تھا جن کو اپنے ذکر و سلوک کے سلسلہ میں کچھ دریافت کرنا یا اپنی کسی خاص کیفیت و حالت کو عرض کرنا ہوتا، بالعموم ایسے حضرات پہلے سے عرض کر کے وقت مقرر کروا لیتے، اس وقت کسی دوسرے کی آمد پسند نہیں فرماتے تھے، نہایت شفقت و کرم کے ساتھ حال دریافت فرماتے بڑی توجہ سے بات سنتے اور بڑے اہتمام سے اس کا جواب دیتے اور رہنمائی فرماتے، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ یہ یہاں کے قیام و اہتمام کا خاص موضوع اور حضرت کی مبارک زندگی کا خاص مقصد ہے اسی وقت میں اکثر لوگ بیعت و توبہ سے بھی مشرف ہوتے،

عشاء کی اذان اوّل وقت ہو جاتی، معذوری اور ضعف کے زمانہ میں اس کا اہتمام اور بھی بڑھ گیا تھا، عشا کا وقت ہوتے ہی اذان ہو جاتی، آخیر زمانہ میں اذان و جماعت میں بہت کم فصل ہوتا، نماز کے بعد ہی کھانا آجاتا، معذوری کے آخیر زمانہ میں حضرت نماز مغرب کے بعد ہی کھانے سے فارغ ہو جاتے، عام مقیمین خانقاہ اور مہمان عشا کے بعد متصل کھانا کھاتے، کھانے کے بعد جلد سونے کا عام اہتمام اور کوشش ہوتی تاکہ رات کو اٹھنے میں آسانی ہو،

حضرتؒ کا نظام الاوقات بیان کرتے ہوئے حضرت کے ایک خاص متوسل لکھتے ہیں :-

"میں بیس پچیس مرتبہ خانقاہ شریف میں حاضر ہوا، زیادہ سے زیادہ ایک مرتبہ ۲۵ دن کے قریب وہاں رہا۔ حضرتؒ کا پروگرام حسب ذیل تھا۔

رات کو تقریباً دو بجے اٹھتے تھے، تہجد، ذکر نفی، اثبات، مراقبہ وغیرہ میں فجر تک مشغول رہتے تھے، فجر کی سنتیں خانقاہ شریف میں پڑھ کر مسجد تشریف لے جاتے تھے، وہاں فرض فجر پڑھ کر سیر کے لئے (۲ میل، ڈیڑھ میل جانا، ڈیڑھ میل واپسی) نہر جمن غربی کے کنارے کنارے تشریف لے جاتے تھے، واپسی پر وضو کر کے پھر ذکر و مراقبہ وغیرہ میں مصروف رہتے، حتیٰ کہ تقریباً ۱۰½ بج جاتے، پھر باہر تشریف لاتے تقریباً ۱۱½ بجے تک عوام سے فراغت ہوتی، تقریباً ۱۲ بجے حضرت آرام فرماتے اور ڈیڑھ دو بجے کے قریب بعد دوپہر حضرت پھر اٹھ بیٹھتے، استنجا، طہارت، وضو سے فارغ ہو کر ظہر کی سنتیں خانقاہ شریف میں پڑھتے اور فرض ظہر مسجد میں ادا کر کے واپس تشریف لاتے اور پھر ذکر و مراقبہ میں مصروف ہو جاتے، بعض خدام نے حضرت کے کمرہ کے باہر کان لگا کر سنا تو حضرت کو نفی اثبات کا ذکر آہستہ آواز سے کرتے ہوئے سنا، اگرچہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے ایک دفعہ فرمایا تھا کہ ذکر لسانی صرف ایک ذریعہ ہے، مقصود نہیں ہے، مقصود محض یاد ہے، اگر یاد نصیب ہو جائے تو ذکر لسانی چھڑا دیا جاتا ہے، لیکن ایک دفعہ یہ بھی فرمایا تھا کہ بقا کے بعد بھی ترقی عبادات سے ہی ہے یعنی قرآن پاک کا پڑھنا، ذکر الٰہی کرنا، اس سے ہی ترقی ہے، خاموش بیٹھنے اور محض تدبر سے نہیں، غرضیکہ حضرتؒ عصر کے وقت تک اسی طرح مصروف رہتے، عصر کی نماز کے بعد عام مجلس ہوتی، حضرتؒ عموماً خاموش رہتے لیکن جب کوئی سوال کرتا تو اس کا جواب مفصل اور مکمل بسط سے عنایت فرماتے جس سے سامعین کی اور سائل کی مکمل تسلی ہو جاتی، مجھے ایک بھی واقعہ ایسا یاد نہیں جس میں کسی سائل نے سوال کیا ہو اور حضرتؒ کے جواب سے اس کی یا دیگر سامعین کی تسلی نہ ہوئی ہو، مغرب کی نماز کے بعد عشا تک کا وقت ان سالکین کے لئے مخصوص تھا جو علیحدگی میں کچھ عرض کرنا چاہیں، عشاء کے بعد کھانا تناول فرما کر حضرت آرام فرماتے تھے اور تقریباً ۴، ۵ گھنٹے آرام کے بعد اٹھ بیٹھتے تھے، حضرتؒ کے دربار کا رنگ بالکل ایسا ہی تھا جیسا کہ چھوٹے پیمانہ پر انبیاء کرام علیہم السلام کا رنگ ہے، علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل، والی حدیث صاف چسپاں ہوتی تھی، زہد و توکل، اخلاص، بات بات سے عیاں تھی، کوئی چاہے کتنا ہی امیر ہو حضرتؒ کے دربار میں بچھی ہوئی چارپائیوں کے سرہانے کی طرف نہیں بیٹھ سکتا تھا، امراء پائنتی کی طرف ہی بیٹھتے تھے اور علماء کرام کے لئے سرہانے کی طرف مخصوص تھی،[1]

---

[1] مضمون ماسٹر منظور محمد صاحب ایم۔ اے

کتابوں کی خواندگی کا سلسلہ

رائے پور کی خانقاہ کی ایک بڑی خصوصیت جو باہر کے آنے جانے والے کو محسوس ہوتی اور جو حضرت کے ایک خاص ذوق اور تقاضائے قلبی کا نتیجہ تھا، مجلس عام میں ان مفید و منتخب دینی کتابوں اور مواعظ پڑھنے کا سلسلہ تھا جو زندگی کے آخری برسوں میں حضرت کے یہاں کا ایک ضروری معمول اور ایک وظیفہ اور خانقاہ کی زندگی کا نصاب سا بن گیا تھا، اس پابندی تسلسل اور اہتمام کے ساتھ کسی خانقاہ یا دینی مرکز میں کتابوں کے سننے اور پڑھے جانے کا رواج نہیں دیکھا۔

کئی برس سے یہ معمول ہو گیا تھا کہ عصر کی مجلس میں (جو خانقاہ اور حضرت کے یہاں کی سب سے بڑی، عمومی اور وسیع مجلس ہوتی تھی) کوئی ایک قابلِ اعتماد منتخب دینی کتاب پڑھ کر سنائی جاتی۔ سردی گرمی، تندرستی، بیماری، کسی معزز و ممتاز مہمان یا کسی جلیل القدر عالم کی آمد کے موقعہ پر بھی اس میں تخلف نہ ہوتا، جو کتابیں اس مجلس میں زیادہ تر پڑھی گئیں وہ حسب ذیل ہیں:-

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کی تصنیفات عام طور پر، خصوصیت کے ساتھ خصائل نبوی اور کتب فضائل بار بار اور مکرر سہ کرر پڑھی گئیں، حضرت نے کئی بار فرمایا کہ ان کتابوں میں بڑی نورانیت ہے۔

واقدی کی فتوح الشام کا ترجمہ، تاریخ دعوت و عزیمت کا پہلا حصہ بار بار اور دوسرا حصہ ایک دو بار، اور تذکرہ مولانا فضل رحمٰن صاحب گنج مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ کئی بار پڑھا گیا، سیرت سید احمد شہیدؒ بھی (مطبوعہ و قلمی) لاہور و لائل پور کے قیام میں پڑھی گئی، قاضی محمد سلیمان صاحب منصور پوری کی مقبول کتاب سیرۃ رحمۃ للعالمین کے تینوں حصے بڑے ذوق اور توجہ سے سنے اور پسندیدگی کا اظہار فرمایا۔

شیخ کی کتابوں کے علاوہ سب سے زیادہ جو کتابیں پڑھی گئیں وہ دو تھیں، مکتوبات حضرت خواجہ محمد معصوم تلخیص و ترجمہ مولانا نسیم احمد صاحب فریدی (مطبوعہ مکتبہ الفرقان لکھنؤ) اور حضرت سیدنا عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے مواعظ ترجمہ مولانا عاشق الٰہی صاحب میرٹھی، اول الذکر کتاب بار بار رائے پور میں مولانا عبدالمنان صاحب[1] نے سنائی اور آخر الذکر مسلسل مہینوں رائے پور

[1] حضرت کے خادم خاص دوا، غذا، ڈاک کے مہتمم اور سفروں کے رفیق خاص، تقریباً ۱۹ سال حضرت کی خدمت میں رہے اور اسی خدمت کے لئے ہندوستان کی شہریت اختیار کی، گوجرانوالہ پنجاب کے رہنے والے اور مدرسہ مظاہر العلوم

اور لاہور کے آخری قیام اور مرض وفات میں آزاد صاحب[1] نے پڑھی، اور حضرت نے بارہا بڑے جوش کے ساتھ اس پر اپنے تاثر کا اظہار فرمایا، اس کی تصدیق فرمائی اور لوگوں کو متوجہ کیا اور آپ پر رقت طاری ہوئی،

ان کتابوں کے علاوہ ذہن کے متعلق کہنا مشکل ہے کہ کتنے بار پڑھی گئیں) دارالمصنفین اعظم گڑھ اور ندوۃ المصنفین دہلی کی تاریخ وسیر کی کتابیں، سیر صحابہ کے مختلف مجموعے، مولانا محمد منظور نعمانی کی کتابیں جو ردِّ اہل بدعت اور مسلک دیوبندی کے دفاع میں ہیں، بڑے شوق اور دلچسپی سے سنی گئیں اور مولانا کو اس سلسلہ کے جاری رکھنے کی ہدایت بھی فرمائی،

عصر کی نماز کے بعد سے مغرب کی اذان تک یہ سلسلہ جاری رہتا، بعض اوقات اذان سے چند منٹ قبل بند ہوتا، بعض مرتبہ بند ہونے پر دریافت فرماتے کہ کیوں خاموش ہوگئے، قاری پھر پڑھنا شروع کر دیتا، کتاب شروع ہونے کے بعد حضرتؒ ایسا معلوم ہوتا عالم استغراق میں چلے جاتے، کبھی کبھی متوجہ ہو کر فرماتے کیا فرمایا؟ یا پھر پڑھو، ورنہ بالعموم آپ پر سکوت و استغراق طاری رہتا، معلوم ہوتا ہے کہ حضرت لوگوں کے نفع اور ان کو مشغول رکھنے کے لئے اور ان کی مشغولیت کی حالت میں خود مشغول ہونے کے لئے یہ سلسلہ جاری فرماتے تھے،

کسی زمانے میں اس معمول میں اتنی ترقی اور انہماک ہو جاتا کہ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ آپ کو کتاب سنے بغیر چین نہیں آتا، بہٹ ہاؤس سہارنپور کے قیام میں اکثر دیکھا گیا کہ نماز فجر کے بعد آرام فرمانے کا معمول تھا اس سے بیدار ہو کر فوراً آزاد صاحب کی طلبی ہوتی، فتوح الشام یا صحابہ کرامؓ کے حالات کی کوئی کتاب پڑھنے کا حکم ہوتا، آزاد صاحب کسی ضرورت سے اٹھتے تو دوبارہ ان کی طلبی اور تلاش ہوتی، خاموش ہوتے تو فرمایا جاتا کہ کیوں خاموش ہوئے؟ کھانا آنے تک (جو ہمیشہ ½ ۹ بجے آجاتا) یہ سلسلہ جاری رہتا اس میں انقطاع یا توقف یا ناغہ آپ کو گوارا نہ تھا، کتابوں کے ذوق کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ راقم سطور نے اکتوبر ۱۹۴۰ء میں اپنے وطن رائے

---

[1] سید مسعود علی نام، حکیم سید محمود علی صاحب فتحپوری کے فرزند، اخیر زمانہ میں (جب سے حضرت کو مسجد تشریف لے جانے سے معذوری ہوئی) خانقاہ اور حضرت کے امام صلوٰۃ تھے۔

سے اطلاع دی کہ تاریخ دعوت وعزیمت کے تیسرے حصّہ کے سلسلہ میں حضرت سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کا تذکرہ مرتب ہوگیا ہے، اس خط کے کچھ عرصہ بعد رائے پور حاضری ہوئی، مصافحہ کے ساتھ ہی کتاب کا مسودہ طلب فرمایا اور اسی وقت پڑھنے کا حکم ہوا، ظہر کے بعد سے عصر تک اور عصر کے بعد مغرب تک برابر یہ سلسلہ جاری رہتا، کبھی کبھی کمرے میں اندھیرا ہونے کی وجہ سے لالٹین جلا کر کتاب پڑھی جاتی، جب تک کتاب ختم نہیں ہوگئی کوئی دوسرا کام ان وقتوں میں نہیں ہوا،

ڈاک اخیر زمانۂ حیات میں ظہر کے بعد (جب تخلیہ کا معمول تھا تو تخلیہ کے بعد اور جب یہ معمول نہیں رہا تو ظہر کے بعد) ڈاک سُنی جاتی، اخیر زمانہ میں اسی وقت اخبارات کے سننے کا بھی معمول ہوگیا تھا۔

بیعت کا سلسلہ آرام و طعام اور نماز وغیرہ کے علاوہ بیعت کا سلسلہ ہر وقت جاری رہتا، بالعموم جانے والے فجر کی نماز یا ظہر کی نماز کے بعد بیعت ہو جاتے، اسی وقت مسافر رخصت ہوتے، مغرب کے بعد بالعموم بیعت کا سلسلہ شروع ہو جاتا، اکثر بیعت کرنے والوں کی کثرت سے کسی چادر یا دستار کو تھام کر بیعت ہونے کی نوبت آتی، اخیر دنوں میں تو یہ سلسلہ بہت وسیع اور طویل ہوگیا تھا اور ایک ایک وقت سینکڑوں آدمی بیعت ہوتے، اور کئی کئی آدمی بیچ بیچ میں کھڑے ہو کر مکبّرین کی طرح توبہ کے الفاظ دہراتے اور بیعت کرنے والے ان کو ادا کرتے،[1]

ختم خواجگان حضرت کی زندگی کے آخری ۵، ۶ سال ختم خواجگان کی بڑی پابندی رہی رائے پور قیام ہو یا پاکستان یا کہیں اور، بالعموم فجر یا ظہر کی نماز کے بعد آزاد صاحب کے اہتمام میں ختم خواجگان ہوتا ہے[2]

---

[1] پاکستان کے آخری سفر کے موقعہ پر اس میں بہت زیادہ وسعت اور بیعت کرنے والوں کا ہجوم ہوگیا تھا، اس کی تفصیل (پاکستان کا آخری سفر) کے ذیل میں ملاحظہ ہو۔ [2] یہ ختم حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوری قدس سرہ کے زمانہ سے معمول ہے، ترکیب یہ ہے کہ پہلے تمام شرکاء ختم دس دس مرتبہ درود شریف پڑھیں اس کے بعد سب مجموعی طور پر ۳۶۰ بار لا ملجأ ولا منجا من اللہ الا الیہ، پھر ۳۶۰ بار سورۂ الم نشرح مع بسم اللہ، پھر لا ملجأ ولا منجا من اللہ الا الیہ ۳۶۰ مرتبہ، پھر تمام شرکاء دس دس بار درود شریف پڑھ کر دعا کریں

ختم کے آخر میں آزاد صاحب طویل دعا کرتے، جس میں تعلق والے مومنین کے لئے دعائے مغفرت اور جن لوگوں نے فرمائش کی ہوتی ان کی کاربرآری اور مقاصد کے لئے اجتماعی دعا ہوتی،

رائے پور کی فضا رائے پور میں ہر وارد و صادر کو سب سے پہلے جو چیز متوجہ کرتی تھی وہ ذکر کی کثرت ہے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ پتہ پتہ سے اللہ کے نام کی آواز اور ذکر کی صدا آرہی ہے، دن اور رات کے کم اوقات ذکر کی آواز سے خالی نظر آتے، رائے پور کی فضا اور حضرتؒ کے دامن عاطفت میں کم استعداد سے کم استعداد آدمی کو یہ بات محسوس ہوتی تھی کہ سکون و اطمینان کی ایک چادر پوری فضا اور ماحول پر تنی ہوئی ہے، وہاں پہونچکر ہر غم غلط اور ہر تردد اور فکر فراموش ہو جاتی تھی، اہل نظر و اصحاب بصیرت کو صاف معلوم ہوتا تھا کہ یہ حضرات نقشبندیہ کی نسبت سکینت ہے جو پورے ماحول پر محیط اور غالب ہے، اس میں حضرت سے جتنا قرب ہوتا اتنا ہی اس کیفیت و احساس میں قوت پیدا ہوتی گویا "مرکز سکینت" وہ ذات ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے نفس مطمئنہ اور یقین و رضا کی دولت سے نوازا ہے۔

رائے پور کے پورے ماحول اور گرد و پیش پر ضبط و تحمل وقار و سکینت اور خاموشی کی فضا طاری رہتی، اور یہ آپ کے ضبط و تحمل، عالی ظرفی اور نسبت کا رنگ تھا، لیکن کبھی کبھی وجد و شوق اور سرور و سرمستی کی وہ کیفیت جس کو ضبط و تحمل اور تمکین نے مغلوب کر رکھا تھا اپنے وجود کا احساس دلادیتی اور پروقار اور عالی ظرف دریا کی کوئی کوئی موج ساحل سے آکر ٹکرا جاتی اور نسبت چشتیہ اپنا رنگ دکھاتی، کبھی کبھی آپ خود مولوی عبد المنان دہلوی کو (جن کو اللہ نے درد و سوز و خوش الحانی بھی عطا فرمائی ہے اور اُن کو عربی، فارسی، اُردو کے بکثرت شعر یاد ہیں) یا آزاد صاحب کو جو سخن شناس بھی ہیں اور سخن سنج بھی، اور اُن کی آواز درد میں ڈوبی ہوئی ہے طلب فرماتے اور خواجہ حافظ، امیر خسرو، حضرت خواجہ نصیر الدین چراغ دہلیؒ کی کوئی عاشقانہ یا عارفانہ غزل پڑھواکر سنتے اور عجب کیف و سرور پیدا ہو جاتا، مولوی عبد المنان صاحب سے اکثر حضرت خواجہ نصیر الدین چراغ دہلیؒ کی مشہور غزل جس کا مطلع ہے۔

بے کارم و با کارم چو مد بہ حساب اندر
گویا نم و خاموشم چوں خط بکتاب اندر

اور قصیدہ بانت سعاد وغیرہ عربی، فارسی اُردو کے اشعار سنتے، نیز خواجہ حافظؒ اور امیر خسروؒ کی

متعدد غزلیں پڑھی گئیں،

کبھی کبھی طلوع صبح سے پہلے کسی ذکر کرنے والے نے ذوق و شوق میں آکر خواجہ حافظؒ کی یہ غزل پڑھنی شروع کردی تو مناسب حال ہونے کی وجہ سے اس میں خاص معنویت اور تازگی پیدا ہو گئی

من کہ باشم کہ در آں خاطر عاطر گزرم | لطفہا می کنی اے خاکِ درت تاج سرم
اے نسیم سحری بندگیٔ ما برساں | کہ فراموش مکن وقت دعائے سحرم
بمنم بدرقۂ راہ کن اے طائر قدس | کہ دراز است رہ مقصد و من نوسفرم

لیکن بہت جلد پھر محفل اور ماحول پر ضبط و تحمل اور سکینت کی فضا طاری ہو جاتی اور سب اپنے اپنے کام میں لگ جاتے اور معلوم ہوتا کہ "جامِ شریعت" کے ساتھ یہ "سندان عشق" کی عارضی کارفرمائی تھی پھر دور جام چلنے لگا،

در کفے جامِ شریعت در کفے سندانِ عشق
ہر ہوسنا کے نداند جام و سنداں باختن

ایک حاضر خانقاہ اپنا ایک واقعہ سناتے ہیں :-

" ایک دفعہ خیال آیا کہ لوگ کہتے ہیں کہ بزرگوں کی مجلس میں حال ہو جاتا ہے، مگر میں نے تو کچھ نہیں دیکھا یہ (میرے قیام کا) اخیر دن تھا، دوسرے روز واپسی تھی، مغرب کے بعد جب ذکر میں بیٹھا تو بیٹھتے ہی عجب حالت شروع ہو گئی، گریہ اور محویت اور توجہ الی اللہ ایسی کہ اللہ تعالیٰ سامنے ہے اور حضرت میرے جانب ہیں اور تسلی فرما رہے ہیں، تمام ذاکرین پر عجب حالت طاری تھی اس حالت میں میں نے ذکر بڑی دقت سے پورا کیا اور آخر مجبوراً چھوڑ کر حاضر خدمت ہوا،

راؤ عطاء الرحمٰن خاں نے عرض کیا کہ حضرت آج تو عجب حالت تھی، آزاد صاحب نے تو قوالی ہی شروع کر رکھی تھی،[1] آپ نے فرمایا او ہو لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰه بس تمام حالت دگرگوں ہو گئی،[2]

---

[1] یعنی ذکر کے ساتھ شوق انگیز اشعار پڑھ رہے تھے۔

[2] تحریر صوفی غلام فرید صاحب ساکن جھاوریاں۔

آزاد صاحب سے اکثر اُن کے والد کی نظم فرمائش کر کے سنتے اور جب آزاد صاحب اپنے مخصوص انداز میں پڑھتے تو دنیا کی بے ثباتی کا نقشہ آنکھوں کے سامنے پھر جاتا اور سناٹا چھا جاتا، نظم کا مطلع یہ ہے۔

یہ سرائے دہر مسافرو! بخدا کسی کا مکاں نہیں جو مقیم اس میں تھے کل یہاں کہیں آج ان کا نشاں نہیں

رائے پور کا رمضان رمضان مبارک میں خاص بہار ہوتی، لوگ بہت پہلے سے اس کے منتظر ہوتے اور تیاریاں کرتے، ملازمین چھٹیاں لے کر آتے، مدارس دینیہ کے اساتذہ اس موقعہ کو غنیمت جان کر اہتمام سے آتے، علماء و حفاظ کی خاصی تعداد جمع ہو جاتی، تقسیم سے پہلے مشرقی پنجاب کے اہلِ تعلق و خدام اور وہاں کے مدارس کے علماء کی تعداد غالب ہوتی، اہل رائے پور اور اطراف کے اہلِ تعلق اولو العزمی اور عالی ہمتی سے مہمانوں اور مقیمین خانقاہ کے افطار، طعام و سحر کا انتظام کرتے، رمضان مبارک میں اپنے شیخ کی اتباع میں مجلسیں سب ختم ہو جاتیں، باتوں کے لئے کوئی خاص وقت نہ تھا، ڈاک بھی بند رہتی، تخلیہ نماز کے اوقات کے علاوہ تقریباً ۲۴ گھنٹے کسی ایسے شخص کے آنے سے گرانی ہوتی جس کے لئے وقت صرف کرنا پڑتا، افطار علالت سے پیشتر مجمع کے ساتھ ہوتا جس میں کھجور اور زمزم کا خاص اہتمام ہوتا اور یہی پورا افطار تھا، مغرب کے متصل کھانا، علالت سے پہلے مجمع کے ساتھ، اس کے بعد چائے، عشا کی اذان تک یہی وقت ۲۴ گھنٹے میں مجلس کا تھا، اذان کے بعد نماز کی تیاری، اس درمیان میں حضرات علماء جن کا مجمع اگلی صف میں رہتا، بعض اہم اہم سوالات کرتے اور حضرتؒ ان کا جواب دیتے، عشا کے بعد تقریباً آدھ گھنٹہ کبھی نشست، اور کبھی لیٹ جاتے، خدام بدن دبانا شروع کرتے، مسجد و خانقاہ میں تراویح ہوتی، مسجد میں بھی قرآن مجید ہوتا اور خانقاہ میں بھی،

یوں تو حفاظ کی کثرت ہوتی، مگر حضرت اچھے پڑھنے والے بہتر حافظ کو پسند کرتے، حضرت نے ایک سال (۱۹۵۳ء میں) منصوری پر رمضان مبارک کیا، ۵۰، ۶۰ خدام ساتھ تھے، مولوی عبدالمنان صاحب نے قرآن مجید سنایا، تراویح کے بعد حضرت کے تشریف رکھنے اور مجلس کا معمول تھا، طبیعت میں بڑی شگفتگی اور انبساط تھا، متعدد حضرات رات بھر بیدار اور مشغول رہتے، غرض دن اور رات ایک کیف محسوس ہوتا تھا، ضعفاء و کم ہمت بھی

سمجھتے تھے کہ

میخانہ کا محروم بھی محروم نہیں ہے،

ایک حاضرِ خدمت خادم نے جس کو آخری عشرہ گزارنے کی سعادت حاصل ہوئی تھی اور جو اپنی صحت کی کمزوری اور ہمت کی پستی کی وجہ سے مجاہدہ سے قاصر رہا اپنے ایک دوست کو ایک خط میں لکھا تھا،

دکانِ مے فروش پہ سالک پڑا رہا
اچھا گزر گیا رمضاں بادہ خوار کا

(۱) "مادہ ہائے قطب ملت شاہ رائپوری" (رح)

۸۲ ھجری ۱۳

(۲) "خیابانِ سن ہجرت"

۸۲ ھجری ۱۳

(۳) "از حلقہ در گوش محمد حسن بدر عفی عنہ"

۸۲ ھجری ۱۳

(۴) "عارفِ رہنما شاہ رائے پوری" (رح)
۸۲ — ہجری — ۱۳

★

(۵) "قطبِ ملت دوراں مولانا عبدالقادر" (رح)
۸۲ — ہجری — ۱۳

(۶) "قدسی بجناب مرشدنا مولانا رائپوری" (رح)
۸۲ — ہجری — ۱۳

★

(۷) "واصل حق شاہ عبدالقادر رائے پوری" (رح)
۸۲ — ہجری — ۱۳

(۸) "آہ قطب اقطاب مرشدنا مولانا رائپوری" (رح)
۸۲ — ہجری — ۱۳

★

(۹) "آہ قطب ملت قطب الاقطاب مولانا عبدالقادر" (رح)
۸۲ — ہجری — ۱۳

(۱۰) "آہ مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رائپوری" (رح)
۸۲ — ہجری — ۱۳

★

(۱۱) "مولانا (رح) مرتبہ عالی یافتہ"
۸۲ — ہجری — ۱۳

(۱۲) "شاہ رائپوری (رح) قطب ملت بودند"
۸۲ — ہجری — ۱۳

★

(۱۳) "پیر و مرشد قدس اللہ سرہ العزیز"
۸۲ — ہجری — ۱۳

(۱۴) عہ "مزار شاہ رائے پوری علیہ الرحمہ"

۸۲ — ہجری — ۱۳

(۱۵) رفت ز دنیا "عبدالقادر" (رح)　واصل حق شد قطب الملت (رح)
سال وصالش جدّ بگفتہ　در توصیفش "شیخ الامت"

۸۲ ہجری ۱۳

(۱۶) واصلِ حق شد مرشدنا (رح)　سالِ وصالش جدّ ا مجو
گفتہ ہاتف سالِ وصال　"عشرتِ عبدالقادر (رح)" گو

۸۲ ہجری ۱۳

★

عہ برائے لوح مزار

عربی سے ترجمہ

جاہلیت کی شہ رگ

(مولانا سید ابوالحسن علی ندوی۔ ترجمہ عبیداللہ کوٹی ندوی)

بچپن میں جو داستانیں ہم نے سنی تھیں اور جو اب تک ذہن و دماغ کے بعض گوشوں میں محفوظ رہ گئی ہیں۔ ان میں سے ایک یہ بھی تھی کہ ایک مرتبہ ایک شخص کو کسی چالاک دیو نے اپنے ظلم و ستم کا نشانہ بنا لیا اور عام طور پر جس طرح دیو انسانوں کو پریشان کیا کرتے ہیں اسی طرح اس دیو نے بھی اس آدمی کے ساتھ معاملہ کیا، اس آدمی نے دیو کو ہلاک کر لینے کے لئے اپنی ساری توانائیاں صرف کر دیں، اور اپنے پاس کے تمام ہتھیار آزمائے، اس نے بار بار دیو پر وار کئے اپنی تیز تلوار، اپنے کارگر ہتھیار اور اپنے اچھے اور بے خطا تیر سب کا ایک ایک کر کے اس نے تجربہ کیا، لیکن دیو بڑے اطمینان اور پوری بے فکری اور بے پرواہی کے ساتھ آدمی سے تکلیف دہ مذاق کرتا رہا اور آخر تک اس کے حملوں سے محفوظ رہا۔ وہ شخص اپنی اس ناکامی پر حیران تھا اور قریب تھا کہ وہ دیو کو نقصان پہنچانے کی طرف سے بالکل مایوس ہو جاتا۔ اس کی خوش قسمتی کہ ایک باخبر اور عقل مند آدمی نے اس کی حیرانی کا پردہ چاک کیا اور اسے اطلاع دی کہ اس دیو کی روح فلاں گھنے اور خوفناک جنگل میں جہاں خطرناک درندے، زہریلے سانپ اور بچھو رہتے ہیں اور جو پہاڑ کی بلندی پر خار دار جھاڑیوں سے گھرا ہوا ہے ایک درخت کی شاخ سے لٹکے ہوئے لوہے کے پنجرے میں بند طوطے کے اندر ہے۔

مصیبت کا مارا وہ آدمی ایک پہاڑی کے بعد دوسری پہاڑی سے گزرتے اور ایک وادی کے بعد دوسری وادی کو طے کرتے ہوئے راہ کے خطرناک جنگلی جانوروں سے لڑتا اور ان کو قتل کرتا ہوا اس پنجرے تک پہنچا اور طوطے کا گلا گھونٹ دیا۔ طوطے کی جان ابھی نکلی ہی تھی کہ ایک زور کی چونکا دینے والی آواز ہوئی، زمین میں زلزلہ سا محسوس ہوا اور چاروں طرف تاریکی سی پھیل گئی، دیو کی آخری چیخ نکلی

اور وہ بے حس و حرکت ایک بے جان ڈھیر بن کر زمین پر آرہا اور اس طرح اس آدمی نے اپنے دشمن پر فتح حاصل کر لی،

ممکن ہے گھر کی کسی بوڑھی عورت کو اپنے نواسوں یا پوتوں کے سامنے یہ داستان کہتے آپ نے سنا ہو اور پھر اسے غلط اور بے حقیقت حکایت قرار دیکر آپ ..... گزر گئے ہوں، واقعہ یہی ہے کہ یہ ایک غلط اور بے سر و پا داستان ہے۔ لیکن یہ ہمیں ایک کارآمد اور قابل لحاظ سبق دیتی ہے اور وہ یہ کہ ہر زندہ اور جاندار ہستی کا ایک ایسا حصہ ہوتا ہے جسے اس کی روح کی حیثیت حاصل ہوتی ہے اور اس کو زخم پہنچائے بغیر اس جاندار کو ہلاک یا قتل نہیں کیا جاسکتا، اس روح کو فنا کرنے کے لئے راہ کی کچھ دشواریاں اور رکاوٹیں ہوتی ہیں اور ان سے گزرے بغیر قتل کی منزل تک نہیں پہنچا جاسکتا۔

مسلمانوں پر اسی قسم کی جاہلی زندگی کا بھوت سوار ہے جو اس قوم کو طرح طرح کی اذیتوں کے ذریعہ اپنے ظلم کا نشانہ بنا رہا ہے قوم کے اخلاق اور اس کے اعمال سب پر اس کی چھاپ ہے جو احکام شرعیہ کے استخفاف، گناہوں کی جرأت محارم کے ارتکاب، انسانوں کی پرستش، خواہشات نفسانی میں انہماک، لذائذ کی راہ میں اسراف اور کمتر اور ادنیٰ چیزوں کی طرف میلان اور اچھے اور عمدہ اخلاق و عادات سے دوری کی شکل میں نمایاں ہوتی ہے، اگر ان کے سامنے راہ ہدایت آتی ہے تو اس سے وہ کتراتے ہیں اور اگر غلط راہ ملتی ہے تو اس پر چل پڑتے ہیں۔

یہ مسلمان دراصل تین قسموں میں بٹے ہوئے ہیں، عوام متوسط الحال، اور اونچے طبقے والے — عوام غریب ہیں اور زندگی کے بہاؤ میں انہیں دین و اخروی سعادت اور موت کے بعد والی زندگی کے لئے تیاری کی کچھ فکر اور پرواہ نہیں وہ جانوروں کی طرح معاشی دوڑ میں زندگی کا ساتھ دے رہے ہیں اور ان کے افکار ٹیکسوں کی ادائیگی، اہل و عیال کی خوراک و لباس کے انتظام اور مستقبل کے لئے پس اندازی کے سوا کچھ نہیں، وہ موہوم راحت و آرام کی خاطر تھکتے ہیں اور پھر اس تھکن کو دور کرنے کے لئے آرام کرتے ہیں، ان کے شب و روز مکان سے دوکان، آرام گاہ سے کارخانہ یا بازار یا کسی ادارہ تک کی دوڑ دھوپ اور ایک پریشانی سے دوسری پریشانی اور ایک فکر سے دوسری فکر میں گزر جاتے ہیں لیکن پھر بھی ان کے افکار کا سلسلہ جاری رہتا ہے اور ان کی پریشانیاں باقی رہتی ہیں یہاں تک کہ وہ آخری وقت آن پہنچتا ہے جس میں ان کے پاس اپنے کئے دھرے پر سوائے

حسرت و افسوس کے کچھ نہیں رہتا

متوسط الحال طبقہ کے لوگ اس سے بھی زیادہ بدحال اور پریشان فکر ہیں، وہ حرص اور لالچ کے خدائی عذاب میں مبتلا ہیں، ان کی نظر پا اپنے سے کمتر لوگوں پر پڑنے کے بجائے اونچے طبقے کی طرف اٹھتی ہیں اور اس طرح وہ پیہم فکروں اور دائمی غم، ہمیشہ کی بدنصیبی، نہ ختم ہونے والے گلہ اور جاری رہنے والے آہ و بکا کے شکار رہتے ہیں، ان کے دلوں میں رشک و حسد کی ایسی آگ بھڑکتی رہتی ہے جس کو ان کی تھکا دینے والی محنتیں اور ان کے بدن کا پسینہ بھی ٹھنڈا نہیں کرسکتا، ان کی تمنائیں بدلتی رہتی ہیں اور وہ اپنے بدلتے ہوئے مقاصد کیلئے ایک نامحدود دوڑ کے شکار رہتے ہیں، وہ اپنے مقصد پر نظریں جمائے اس بچے کی طرح آگے بڑھتے ہیں جو افق کو پا لینے کی کوشش کر رہا ہو لیکن افق ہر لمحہ اس سے بعید سے بعید تر ہوتا جاتا ہو۔ یا سورج کی کرنوں کی طرح، جن کو پکڑنے کے لئے وہ اپنے ہاتھ پھیلا رہا ہو اور وہ اس کے ہاتھوں سے نکل نکل جاتی ہوں، اسی طرح درمیانی طبقہ کے یہ لوگ جاہ و اقتدار، دولت و ثروت اور خوشحالی کے "بلند معیار" کو پانے سے قاصر رہتے ہیں یہاں تک کہ یکایک موت کا وقت آجاتا ہے جس کے لئے ان کے پاس کوئی زاد راہ نہیں ہوتی، اور حسرت بھرے انداز میں ان کی زبان سے یہ کلمات نکلتے ہیں

رب لولا اخرتنی الی اجل قریب فاصدق واکن من الصالحین (منافقون)

"اے خدا تو نے مجھے کچھ اور مہلت کیوں نہ دیدی کہ میں مومن بندہ بنکر صلاح کے کام کرلیتا"

اس کے بعد اونچے طبقہ کے لوگ، شاہ و حکمراں اور دولتمند خاندانوں کے افراد ہیں جن کی آخری تمنا یہ ہوتی ہے کہ کس طرح وہ دنیا کی وسعتوں کو اپنے اندر سمیٹ لیں اور اس کے سیاہ سپید کے مالک بن جائیں لیکن ان کی بھی بے پایاں خواہشات کا یہ مرض شفایاب نہیں ہوتا اور ان کی پیاس میں اضافہ ہی ہوتا جاتا ہے، وہ راحت کدوں کی نیرنگیوں میں کھو جاتے ہیں اور لذت و آرام کے لئے نئی نئی کاوشوں میں سرگرداں رہتے ہیں، نئے نئے لذیذ کھانوں، جدید لباسوں اور سواریوں اور عالی شان عمارتوں کے نئے نئے ڈیزائنوں پر ان کی فیصلہ کن نگاہیں پڑتی ہیں پھر جب قومی آمدنی اور ملکی دولت ان کے لئے ناکافی ثابت ہوتی ہے تو وہ قرض لیتے تجارت کرتے اور قوم پر نئی نئی قسموں کے ٹیکس لگاتے ہیں، اس راہ میں انہیں اپنے ایک بادۂ صبوحی یا

جامِ شبانہ کی خاطر گلیم بوذرؓ، دلقِ اویسؒ، مصحفِ عثمانؓ، شمشیرِ عمروؓ، نیزۂ زبیرؓ اور چادرِ زہراؓ کا بھی سودا کرنے میں عار نہیں ہوتا۔

جاہلیت کے اس بھوت پر مصلحین نے ہر طرف سے اور یکجا ہو کر حملے کئے لیکن وہ جیسا تھا ویسا ہی رہا اور اسے کوئی نقصان نہ پہنچ سکا، واعظوں اور نیک و بد کے واقفوں نے درسِ اخلاق دیئے ترغیب و ترہیب کی حدیثیں بیان کیں لوگوں کو جنت کا شوق دلایا اور دوزخ کے خطرہ سے آگاہ کیا، خدائی انعامات کی خوش خبری دی اور عذاب کی ہولناکیوں سے ڈرایا اور سب نے سکون اور وقار کے ساتھ سنا ـــــ لیکن!

حرکت کسی میں نہ ہوئی اور اخلاق کسی کے نہ بدلے، مصنفوں نے رقت انگیز کتابیں لکھیں عمر فاروقؓ اور عمرؒ بن عبدالعزیز کے زہد کے واقعات، علی مرتضیٰؓ کی سخت کوشی اور تنگیٔ عیش کی داستانیں حسن بصریؒ کی پراثر نصیحتیں، ذوالنونؒ مصری کے بیش قیمت کلمات فضیلؒ بن عیاض کے درد بھرے الفاظ ابوالعتاہیہ کا استغناء ابن جوزی کی فصاحت اور غزالی کی تحلیل، مصنفین نے ان سب سے اپنی کتابوں میں مدد لی، پھر رؤساء و اصحاب دولت اور شہزادوں نے ان کتابوں کی طرف توجہ کی، انہیں دیکھا اور پھر خرید کر ان سے اپنی لائبریریوں کو زینت بخشی۔ پورے ذوق و شوق اور فخر کے ساتھ اپنی محفلوں میں دوست واحباب سے ان کے تذکرے کئے لیکن مصنف کے قلمی نیز کتابوں سے نکل کر ان کے دلوں پر اثر انداز نہ ہو سکے اور نہ ہی ان کی ذکر کردہ باتیں ان کے اندرون کو گرما سکیں۔

باکمال خطیبوں کی زوردار تقریروں نے سامعین کو محوِ حیرت کر دیا لیکن خاموشی سے تقریروں کے سننے اور ان کی فصاحت کی تعریف میں رطب اللسان ہونے کے بعد انہوں نے بھی اپنی راہ لی، نہ اپنی کسی لغزش کو یاد کر کے ان کے آنسو ٹپکے نہ انہوں نے کسی برائی سے اجتناب کیا اور نہ ہی خدا سے کوئی نیا عہد و پیمان ہوا، حالانکہ خدائے واحد کی قسم!! اس کا اقل قلیل پہلوؤں میں دلوں کو مضطرب کر دیتا، آنسوؤں کی لڑیاں بندھ جاتیں، عالیشان اور پرشکوہ محلات لرز جاتے اور تختِ شاہی میں ایک انقلاب آجاتا، ابن ادہم اور شقیق بلخی کے ایسے شاہزادوں اور ناز پروردوں کی یہ حالت ہوتی کہ سیر و تفریح کو جاتے ہوئے کسی کی زبان سے قرآنی آیت کا یہ ٹکڑا ان کے کان میں پڑتا۔ "الم یان للذین آمنوا أن تخشع قلوبھم لذکر اللہ وما نزل من الحق" الخ اور ان کی

ـــــ کیا ابھی وقت نہیں آیا ایمان والوں کے لئے کہ ان کے دل جھک جائیں اللہ کے ذکر اور اس کے فرمانِ حق کے لئے؟

زبانیں پکار اٹھتیں۔ "خدا کی قسم وہ وقت آگیا، جدا وہ وقت آگیا!" پھر وہ اپنے تفریحی مشاغل چھوڑ کر، شاہوں کی شوکت اور سلاطین کی عظمت سے کنارہ کش، خدا کے نیک اور زاہد بندوں کے رنگ میں آجاتے۔

وہ زمانہ گزرتے ہی کیا الفاظ نے اپنی حقیقت گم کردی یا مزاج بگڑ گئے یا زبانیں تاثیر کھو بیٹھیں؟ یا پھر کیا ہوا؟

درحقیقت ان میں سے کچھ بھی نہیں ہوا بلکہ انسانی طبیعت اور اس کے مزاج نے ایک عظیم کروٹ لی ہے۔

پچھلے عہد میں ـــ اس کی اپنی تمام اجتماعی اور اخلاقی خرابیوں کے باوجود ـــ دین ایک سنجیدہ معاملہ تھا اور ہر شخص کو جس طرح دیگر واقعی معاملات اور حقیقتوں کے ساتھ لگاؤ تھا، دین کے ساتھ اس کے تعلق کی بھی بالکل یہی نوعیت تھی، بسا اوقات تو تعیشات، نفسانی خواہشات، رسم و رواج، بری صحبت اور کم علمی کے حجابات آج سے کہیں زیادہ ہوتے لیکن جب حالات کا پردہ چاک ہوتا اور دل کی گہرائیوں تک دعوت دین کی رسائی ہوتی تو پھر شوق اصلاح کی راہ میں کوئی چیز حائل نہ ہو سکتی تھی لیکن آج کے دور میں دین ایک تاریخی موضوع یا محض ایک علمی مبحث قرار پا گیا ہے اور موجودہ معاشرہ میں اس کے متعلق گفتگو ایسی ہی ہے جیسے کہ مریخ اور اس کے عجائب، قطب شمالی اور اس کے حالات کے بارے میں گفتگو ہو اور بات کرنے اور سننے والوں کے نفع و نقصان کی ذمہ داریوں یا زندگی کے مسائل سے ان کا کوئی تعلق نہ ہو، انسان اور اس کی زندگی کے لئے ان مسائل کی اہمیت بس اس قدر ہے کہ ان کو معلوم کر کے یا مجلسوں میں بیان کر کے وہ لطف اندوز ہو لے یا بوقت ضرورت خانگی گفتگو میں ان سے کام لے اور اس سوسائٹی میں جو اس دین کو مانتی، اس کا احترام کرتی اور اس کے مطابق زندگی گزارتی ہے ان مسائل کو چھیڑ کر کچھ فائدہ اٹھا سکے یا کسی نقصان سے محفوظ رہ سکے، بہر حال موجودہ معاشرہ میں اس کی جو کچھ قیمت ہے وہ صرف مادی ہے اور بس۔

اس کے مقابلہ میں زندگی اور اس کی دیگر ذمہ داریاں سنجیدہ اور واقعی حقیقت بنکر سامنے آئی ہیں اس کے مسائل نے بچپن کے سبق اور جوانی کے انہماک کی سی اہمیت اختیار کر لی ہے ان کی راہ میں کوشش اور ان کے میدان میں کامیابی عقل مندی اور ذہانت کا معیار، کمال اور ترقی کی علامت اور دانائی اور جواں ہمتی کی نشانی قرار پا چکی ہے۔

یہی وہ مقام ہے جہاں دین کا داعی حیرت زدہ ہو کر یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ کس طرح وہ دین کی راہ میں اس بنجر ذہن اور بے حس طبیعت کا مقابلہ کرے، اس کے سامنے دین کے خلاف

غضبناک اور جوشیلی عقلیں آئیں اور انھیں اس نے اپنے دلائل کے آگے جھکنے پر مجبور کردیا، دلوں میں جاگزیں خفیف سے خفیف شبہات کا اس نے اپنی دانش مندی سے پتہ لگایا اور ان کے دلوں کو نئے ایمان و یقین کی حرارت سے مالامال کردیا، لیکن یہاں وہ اپنے کو اجنبی اور نامانوس موقف میں پاتا ہے جہاں نہ انکار ہے، نہ اعتراض، نہ تکبر ہے نہ سرکشی اور نہ ہی کوئی دلیل و فلسفہ، لیکن اس کے باوجود دین کے معاملہ میں یہاں یکسر کنارہ کشی اور ہر اس چیز کو بے رخی ہے جس کا آخرت سے ذرا بھی علاقہ ہو، زمین میں رہنے کی ایک نہ ختم ہونے والی خواہش، دنیاوی زندگی سے عشق اور اس سے طبیعت کو کلی اطمینان ہے۔

یہی وہ مقام ہے جہاں دین کا داعی حیرت زدہ ہوکر یہ سوچنے لگتا ہے کہ کس طرح وہ اس نفسیاتی گرہ کو کھولے، کس راہ سے وہ اس مرض تک پہنچے جس کے اردگرد حب دنیا اور حب مال کا غلاف چڑھ چکا ہے، اس تک پہنچنے کی راہ دنیا و دولت ہی کی راہ ہے لیکن دین کا راستہ دولت کا یہ راستہ نہیں، غیب والی راہ محسوس اور مشاہدہ کی اس راہ سے قطعاً الگ ہے مگر پھر وہ کیا کرے اور کہاں سے اس کے سفر کی ابتدا ہو؟

داعی اگر قوم کو نصیحت کرتا ہے، اسے کسی قسم کی اپیل کرتا ہے اور اس طرح ان کو اپنی حکمت و دانش کی باتیں سناتا اور ان کے سامنے علم و دلیل کے انبار لگاتا ہے، تو یہ سب بے فائدہ رہے گا اور قوم کی زبان حال سے اسے یہ جواب ملے گا کہ

"تم جس چیز کی طرف ہمیں بلا رہے ہو اس کی طرف سے ہمارے دل بے فکر ہیں اور ہمارے کان بند، ہمارے اور تمھارے درمیان ایک وسیع حجاب ہے اس لئے تم اپنا کام کرو ہم اپنا کام کرتے ہیں۔"

وَقَالُوا قُلُوبُنَا فِي أَكِنَّةٍ مِمَّا تَدْعُونَا إِلَيْهِ وَفِي آذَانِنَا وَقْرٌ وَمِنْ بَيْنِنَا وَبَيْنِكَ حِجَابٌ فَاعْمَلْ إِنَّنَا عَامِلُونَ (حٰم السجدہ)

"الف لیلہ" کی کہانیوں میں ہم نے ایک جگہ پڑھا تھا کہ ایک مرتبہ سمندر کے کنارے کسی کشتی بان کو عنقا کا ایک انڈا ملا اس کے حجم کی بڑائی سے اسے خیال گزرا کہ شاید یہ سنگ مرمر کا کوئی محل ہے، وہ اس کے اردگرد دروازہ کی تلاش میں گھومتا رہا تاکہ اس کے ذریعہ محل میں داخل ہوسکے۔ کئی چکر لگانے کے بعد جب اسے دروازہ نہ ملا تو اسے معلوم ہوا کہ یہ محل نہیں بلکہ عنقا کا انڈا ہے۔

بالکل اسی طرح دین کا داعی اس پرپیچ طبیعت کے اردگرد جس میں دنیا کی محبت اور جاہ و اقتدار کی ہوس نے گھر کرلیا ہے چکر لگاتا ہے لیکن اسے اس گتھی کے سلجھانے اور اس کی گہرائیوں تک پہنچنے کے لئے کوئی

راہ نہیں ملتی اور وہ مایوس اور نامراد ہوکر اپنی سی کوششیں ختم کر دیتا ہے۔

جاہلی بھوت کی روح دراصل یہی زمین پر ہمیشہ رہنے کی خواہش دنیادی زندگی سے محبت اور مادیات کی پرستش ہے یہ اس دیو کی رگِ جان اور اس کی روحِ حیات ہے، اہل بیان کی فصاحت، خطیبوں کی خطابت اہل قلم کا زورِ بیان، مخلصوں کا اخلاص اور دانشوروں کی دانائی کے ضائع ہونے کا راز یہ ہے کہ انھوں نے دشمن کو اس کی رگِ جان پر نہیں مارا اور اس تار کو نہیں چھیڑا جو اس کی زندگی و حرکت کا اصل سرچشمہ ہے

یورپ کے عہد اقبال میں مادیت نے ایک فلسفہ و آرٹ، طرزِ معیشت اور ایک نظامِ زندگی کی حیثیت سے اپنے خد و خال واضح کئے ہیں اور اسی عہد میں وہ اپنے کمال کو پہنچی ہے، زندگی کے مختلف مظاہر اور حیات انسانی کے مختلف گوشوں میں اس کے اثرات دراصل بالواسطہ یا بلاواسطہ مغرب کے سیاسی، اقتصادی اور تجارتی دباؤ کا نتیجہ ہیں اس نے دولت و ثروت کی لالچ اور سرمایہ کی حرص میں صنعت و ایجاد کی طرف توجہ کی اور اضافہ مال کی خواہش نے اسے مجبور کیا کہ وہ اپنے بنائے ہوئے ساز و سامان کو مشرق کے ہاتھوں فروخت کر کے اس سے اس کی دولت حاصل کرلے اور اس نے ایسا ہی کیا، لیکن چونکہ حرص کا دامن وسیع تھا اس لئے اس کی تسکین اور مزید دولت کے استحصال کے لئے انھوں نے تمدن کی نزاکتوں، صنعت کی ترقیوں اور عیش و عشرت کی نت نئی ایجادوں کی طرف توجہ کی اور ذہانت و ادب، فلسفہ و سیاست کے ذریعہ پروپیگنڈا کر کے انھوں نے مشرق کو ان ایجادات کا عاشق بنا دیا اور اس طرح مشرق کی اپنی سادگی اور خودی فنا ہوگئی اور تھوڑے ہی عرصہ میں تمدن کی یہ باریکیاں اور تعیش کے یہ سامان مشرق میں زندگی کا ایک جزء اور لازمۂ حیات بن گئے ان کے بغیر زندگی بے مزہ اور معاشرہ کا رنگ پھیکا معلوم ہونے لگا، مشرق اس جال میں آتے ہی دین و آخرت اور اپنے گرد و پیش کی ہر چیز کو بھول گیا، افکار کا ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ اور حب مال کی ایک نہ مٹنے والی خواہش اس کے اندر پرورش پانے لگی اور اس کی پرسکون زندگی اس کے لئے ایسے جہنم میں تبدیل ہوگئی جس میں مزید کی طلب اور اضافہ کی خواہش کے سوا کچھ نہ تھا۔

مشرق نے راہ کی دشواریوں اور زندگی کی تلخیوں کو برداشت کر کے بڑی محنتوں اور تکلیفوں کے بعد ان نئی ایجادات کو حاصل کیا لیکن ان کے درآمد ہوتے ہی زندگی کے یہ لازمے پرانے ہوگئے

اور ان ایجادوں کی جگہ دوسری جدید مصنوعات اور نئی ایجادوں نے لی، مشرق نے از سرِ نو ان کے حصول کے لئے اپنی دولت صرف کی اور یہ نئی نعمتیں بھی اپنے معاشرہ میں پہنچائیں لیکن جلد ہی یہ رنگِ حیات بھی پھیکا پڑ گیا اور مغرب نے اپنے رنگ و آہنگ کے ساتھ کچھ اور ایجادیں کرلیں۔

مغربی مصنوعات کے گرد مشرقی زندگی کا یہ پریشان کن چکر جاری رہا، اور مغرب طوفان کی طرح، وقت کے گھوڑے پر سوار اپنی ایجادات میں لگا رہا، یہ برآمد کرتا اور مشرق درآمد، مشرق تلخیٔ عیش کا ایک گھونٹ اپنے حلق سے اتارتا کہ مغرب پھر سے تلخ کا نیا جام لنڈھانے کے لئے تیار ہو جاتا۔

مغرب کے اپنے طبعی اور قومی اختلافات کے باوجود مغربی تمدن اور اس کی تجارت نے مشرق کی طبیعت اور اس کے مزاج کو فاسد کر دیا جس سے ان کا شعلۂ حیات بجھ گیا اور ان کی قوت جاتی رہی، ان میں یورپ کی نسوانیت پیدا ہو گئی، اور عربوں کی بہادری، ترکوں کی غیرت، ایران کی جواں مردی، ہند کی عظمت اور افغان کی خودداری تاریخ کا ایک صفحہ اور کتابوں کا ورق بن گئیں، مشرق کے شہروں اور دیہاتوں کے لئے مغربی طرزِ حیات اس پرانے اور ناقص نسخہ کی طرح ثابت ہوا جس نے مغرب کو تو فائدہ پہنچایا کہ اسے دولت ملی لیکن نقصان مشرق کے حصّہ میں آیا، مسرت مغرب کی ہوئی اور غم مشرق کا۔

مغربی تہذیب کو اپنانے کے بعد مشرق کا ہر خطہ اس کے تیز دھارے میں بہہ گیا، مشرق اسلامی کی ہر منڈی اس کی تیار کردہ مصنوعات سے بھر گئی اور اس طرح مغرب کی تجارتی رگیں ——— جو مغربی سیادت اور اس کی سیاسی غلبہ کی تمہید ہیں ——— اسلام کی سب سے زیادہ مقدس سرزمین تک میں ہر طرف پھیل گئیں ——— یہاں تک کہ مشرقی عوام کے لئے مغرب کی مصنوعات ان کی زندگی اور معیشت کا واحد سہارا بن گئیں، اور ان کے بغیر عید اور دیگر خوشی کی تقریبات منانا ان کے لئے ناممکن ہو گیا، اور اس طرح دیارِ اسلام کی دولت ——— وہ دولت جسے انہوں نے اپنے دین و اخلاق کے حدود میں رہتے ہوئے طرح طرح کی مشقتوں کے بعد حاصل کیا تھا ——— ان مصنوعات کی خرید کے ذریعہ مغرب کو منتقل ہو گئی۔

اسلامی حکومتوں نے اپنے اجتماعی پلانوں کو کامیاب بنانے اور اپنی ترقیاتی اسکیموں کو بروئے کار لانے کے لئے بیرونی حکومتوں سے قرض کی درخواست کی اور انہوں نے خوشی و مسرت اور کشادہ دلی

لیکن تجارتی شرائط اور سیاسی قیود کے ساتھ ان درخواستوں کو منظور کر لیا۔ پھر ممالک اسلامیہ کی سنہری دولت اور ابلتے ہوئے سونے اور صنعت و تجارت کی جان "پٹرول" کے حصول کی طرف انھوں نے توجہ دی، ملک کے غریب اور محتاج جو زندگی کے فرائض اور ٹیکسوں کے بار سے چور تھے۔ پٹرول کی ان کمپنیوں میں ملازمت کرنے کے لئے پروانوں کی طرح لپکے اور بھوکوں کی طرح دوڑے اور حصول دولت کی کوششوں میں انہوں نے غیر ملکیوں کا ہاتھ بٹایا جس نے ان ممالک پر بیرونی دباؤ کی گرفت آخری حد تک مضبوط کر دی۔

مزید برآں انقلاب فرانس اور اس کے زیر اثر یورپ کے اخلاقی انتشار، مذہبی اباحیت اور اشتراکی فکر نے ایک نئے ادب کو جنم دیا جو خرابیوں کا پانچواں کالم ہے، ایسا ادب جو شرم و حیا سے خالی تھا اور جس نے دلوں میں نفاق کا بیج بویا، خواہشات کی آگ بھڑکائی، معاشرہ کی بنیادوں کو ہلا ڈالا، اور خاندانی نظام کو برباد کر دیا، نیکی کو نشانۂ تمسخر بنایا اور ہر تہذیبی اور اخلاقی نظام کی پابندیوں کا استخفاف کیا اور پڑھنے والوں کے سامنے لطف اندوزی، نفع گیری اور اس میں موقع شناسی کو بہتر بنا کر پیش کیا، زہر فرنگ کا یہ وہ پانچواں کالم تھا جس نے مشرق کی زندگی کو مسموم کر دیا، جس کے نزدیک تاریخی نشیب و فراز، فلسفہ و علم کی تمام جولانیوں اور کاوشوں کے پس پشت حب مال اور جنسی میلان کارفرما تھا جس کے نزدیک کارخانۂ عالم کا وجود کسی علمی حقیقت یا بلند مقصد کا نتیجہ نہیں بلکہ انہیں دونوں جذبوں کے ظہور کا کرشمہ تھا۔

ادب و لٹریچر، ناولوں اور افسانوں، اخبارات اور رسائل اور ریڈیو اور سینما کی راہ سے یہ پانچواں کالم دنیا میں ہر طرف پھیل چکا ہے اور بلا استثناء شہری اور دیہی دونوں آبادیاں اس سے متاثر ہوئیں یہاں تک کہ درون خانہ تک اس کی گونج پہنچی اور دینی تہذیب اور اسلامی ادب بھی غیر شعوری طور پر اسی رخ پر بہہ پڑا، ان حالات کا اثر یہ ہوا کہ مادہ و قوت اور جاہ و اقتدار اور نفسانی خواہشات کی حکمرانی میں دنیا مختلف قوموں، چھوٹی چھوٹی حکومتوں اور الگ الگ افراد میں تبدیل ہوگئی اور انسان کی فطرت کو اس نے اس طرح ڈھال دیا جو اب محسوس کے علاوہ کسی اور شئی پر ایمان لانے کے لئے تیار نہیں، جسے صرف لذت و لطف اور دنیوی عیش و مسرت کی فکر ہے زندگی اور اس کے ان ہی غلط اغراض سے اسے واسطہ ہے جن پر خدا کی طرف سے کوئی

دلیل نہیں وارد ہوئی بلکہ غلط زندگی، حریص معاشرہ اور حریص تجارت نے ہی انہیں انسان کے ذمہ لازم کیا ہے

لہذا اس مادی فطرت میں وہ دین کس طرح حلول کر سکتا ہے جس کی بنیاد ایمان بالغیب اور آخرت کو دنیا پر ترجیح دینے پر قائم ہے، جس کا کہنا ہے کہ یہ زندگی تو بس ایک تماشہ ہے اور آخرت کی زندگی ہی درحقیقت اصل ہے اور جس کا قول ہے کہ جو سرکشی اختیار کرے اور دنیا کو آخرت پر ترجیح دے تو دوزخ اس کا ٹھکانہ ہے لیکن جو خدا سے خوف کرے اور اپنے نفس کو خواہشات کی پیروی سے روکے تو جنت اس کی آرامگاہ ہے اور اسی دین کے پیغمبر نے اپنے رب کے سامنے ہاتھ پھیلا کر یوں دعا مانگی تھی، اللھم لا عیش الا عیش الآخرۃ "اے خدا زندگی تو بس آخرت کی ہے" اور ایک مرتبہ فرمایا تھا کہ حفت الجنۃ بالمکارہ، جنت دشواریوں سے گھری ہوئی ہے"

اس لئے اس دور کا مزاج اور ساری خرابیوں کی اصل جڑ اور دین کی راہ میں اصل فتنہ یہی مادیت ہے، مغرب اس کا زعیم اور پالنہار ہے جس نے اس کو ترقی دی۔ اس کے بیج کی آبیاری کی اور وہیں اس کے برگ و بار آئے،

وقت اس عظیم شخصیت کے انتظار میں ہے جو مادیت کے بھوت کے ساتھ تاریخ کے صفحات اور واقعات کی دنیا میں اس حکایت کو دہرادے جو ایک شخص کے ذریعہ داستانی دیو پر گزری، زمانہ کی نگاہیں اس قوم کی منتظر ہیں جو اپنی شخصیت اور زندگی کی قدروں کو باقی رکھتے ہوئے اس سیلاب کے رخ کو بدل دے یا الٹے قدموں اسے پیچھے ہٹنے پر مجبور کر دے یا اس کے سامنے عظیم پہاڑ اور زبردست چٹان کی طرح اڑ جائے۔

ایک شخص نے داستانی دیو کے ساتھ جو تاریخی رول ادا کیا ہے اس دور میں جو بھی اس کی یاد تازہ کرے گا اور اس مادی بھوت کو شکست دے گا تاریخ اسے اپنے وقت کی شخصیت، عظیم ہیرو، اور مرد بلند کی حیثیت سے یاد کرے گی،

اس سیلاب کا مقابلہ جو قوم کرے گی اور جو اس کے دھارے کو بدلے گی وہ قوموں کی امام کہلائے گی

لیکن!

وہ عظیم رہبر اور یہ بلند قوم کہاں ہے؟ امت اسلامیہ یا عالم عربی کیا اس کا جواب دے سکتے ہیں؟؟

رسالہ فتوّتیہ

مؤلفہ سیّد علی ہمدانی

(ترجمۂ اردو مع حالاتِ مؤلف)

(از ——— پروفیسر محمد مسعود احمد صاحب)

رسالہ فتوتیہ، سلسلہ کبرویہ کے جلیل القدر شیخ، میر سید علی ہمدانی (متوفی ۷۸۶ھ) کی تصنیف ہے۔ اس رسالہ کا ایک نادر مخطوطہ (محررہ ۵ رجمادی الثانی ۹۹ھ) پیرس یونیورسٹی کے ایک مستشرق پروفیسر ماریں مولے نے ایڈٹ کیا تھا جو ۱۹۶۱ء میں استنبول (ترکی) سے شائع ہوا۔ پروفیسر موصوف نے مطبوعہ رسالہ کا ایک نسخہ از راہ کرم راقم کو بھی بھیجا تھا۔ جس کے ابتدائی حصہ کا ترجمہ مصنف کے اجمالی حالات کے ساتھ پیش کیا جا رہا ہے۔

مصنف کے حالات زندگی کے لیے دو کتابوں سے استفادہ کیا گیا ہے جنة الدنیا مؤلفہ محمد شاہ (مفتی سری نگر) مطبوعہ لاہور ۱۳۰۵ھ اور التبشیر فی حالات الامیر الکبیر مولفہ محمد سعادت، مطبوعہ سری نگر ۱۳۵۱ھ۔ نور الدین جعفر بدخشی کی تالیف خلاصة المناقب نہایت مستند ہے مگر وہ دستیاب نہ ہو سکی۔

میر سیّد علی ہمدانی

حالاتِ زندگی | سید علی، نسباً حسنی و حسینی، مسلکاً شافعی، مشرباً کبروی اور مولداً ہمدانی

تھے۔ اسم گرامی علی بن شہاب الدین تھا، مگر بعد میں "علی ثانی"، "امیر کبیر" اور "شاہ ہمدان" کے القاب سے یاد کیا گیا۔

سید علی ہمدانی ۱۲ رجب المرجب ۷۱۴ھ میں ہمدان میں تولد ہوئے، یہ وہ زمانہ تھا جبکہ سلسلۂ کبرویہ کے مشہور و معروف مشائخ، شیخ نورالدین عبدالرحمٰن اسفرائنی اور جمال الدین شیخ ذاکر جورفانی کے دیکھنے والے باکمال حضرات موجود تھے، چنانچہ شیخ رکن الدین علاؤالدولہ سمنانی (متوفی ۷۳۶ھ) بقید حیات تھے۔ جن کے انفاس قدسیہ سے بلاد اسلامیہ میں ہزاروں تشنہ روح سیراب ہوئے۔ بقول پروفیسر مارین موسلے، شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی (متوفی ۱۰۳۴ھ) بھی موصوف سے متأثر ہوئے اور تصور وحدت الشہود اسی تأثر کا نتیجہ ہے۔

عم محترم سید علاؤالدین ہمدانی نے سید علی ہمدانیؒ کی تربیت کی، اساتذۂ وقت سے تجوید قرأت کے ساتھ قرآن پاک حفظ کرایا، پھر فقہ، حدیث، تفسیر، اور دیگر علوم عقلیہ و نقلیہ باکمال اساتذہ سے حاصل کیے اور خود کمال پیدا کیا۔

جب عشق حقیقی کی لگن نے قلب کو گرمایا تو استاد کی رہنمائی میں سلسلۂ کبرویہ میں ابوالمعالی شیخ شرف الدین محمود مزدقانی سے بیعت ہوئے۔ موصوف کا سلسلۂ طریقت چار واسطوں کے بعد سلسلہ کبرویہ کے بانی شیخ نجم الدین کبریٰ (متوفی ۶۱۸ھ) تک پہونچتا ہے جس کی تفصیل یہ ہے:-

شیخ رکن الدین علاؤالدولہ سمنانی، شیخ نورالدین عبدالرحمٰن، شیخ جمال الدین احمد ذاکر جورفا[illegible] لالا، شیخ نجم الدین کبریٰ علیہم الرحمۃ۔

شیخ نجم الدین کبریٰ سے آگے سلسلہ اس طرح چلتا ہے:-

شیخ عمار یاسر، شیخ ابوالنجیب عبدالقاہر سہروردی، شیخ احمد غزالی، شیخ ابوبکر نساج شیخ ابوالقاسم گورگانی، شیخ ابوالعثمان مغربی، شیخ ابوعلی کاتب المصری، شیخ ابوعلی رودباری شیخ جنید بغدادی، شیخ سری سقطی، شیخ معروف کرخی، شیخ داؤد طائی، شیخ حبیب عجمی شیخ حسن بصری، سیدنا علی کرم اللہ وجہہ الکریم۔

سید علی ہمدانی (متوفی ۷۸۶ھ) ۷۲۲ھ سے تقریباً چار پانچ سال شیخ طریقت

کی درگاہ میں فیوض و برکات سے مستفیض ہوتے رہے۔ شیخ کے ایما پر اپنے دادا پیر ابوالبرکات تقی الدین شیخ احمد علی دوستی سے مستفیض ہوئے۔ ان کے علاوہ تقریباً ۳۴ اجلۂ مشائخ سے استفادہ کیا۔ سید اشرف جہانگیر سمنانی آپ کے معاصر تھے۔ موصوف نے لطائف اشرفی میں اعزاز و اکرام کے ساتھ آپ کا ذکر کیا ہے۔ یہ دونوں حضرات ایک دوسرے سے مستفیض ہوئے۔

مرشد کی ہدایت کے مطابق سیر و سیاحت شروع کی اور کامل اکیس سال سیاحت کرتے رہے۔ بلاد اسلامیہ، عرب و عجم، سندھ و ہند، ماوراء النہر اور ترکستان وغیرہ تمام مقامات لوٹیں۔ سلطان شہاب الدین (جلوس ۷۶۱ھ) کے دور سلطنت میں ۷۷۴ھ میں آپ کشمیر تشریف لائے اور یہاں اسلام کی اشاعت کی۔ ابوالمظفر امیر تیمور گورگانی صاحب قرآن ثانی نے جب خراسان، عراق، ہمدان، سمرقند پر تسلط حاصل کیا تو رعایا کی خبر گیری کا بڑا اہتمام رکھا مظلوم کی فریاد رسی پر ظالموں کا استیصال کیا۔ انھیں ایام میں ایک نام نہاد سید سے کوئی ظالمانہ حرکت سرزد ہوئی جس کی پاداش میں خاندان سادات معتوب شاہی ہو گیا چنانچہ انھیں حالات میں سید علی ہمدانی نے ہجرت کی۔ آپ نے پہلے حالات کا جائزہ لینے کے لئے اپنے عم زاد بھائی سید تاج الدین ہمدانی کو بھیجا اور بعد میں خود تشریف لے آئے سید محی الدین خارزی نے آپ کی آمد کی یہ تاریخ کہی ہے:۔

میر سید علی شہ ہمدان — سیر تسلیم سبعہ کردہ نکو
شد مشرف ز مقدمش کشمیر — اہل آں شد از ہدایت جو
سال تاریخ مقدم او را — گفتم از مقدم شریف بجو
۷۷۴ھ

کچھ عرصہ قیام اور اشاعت اسلام کے بعد واپس تشریف لے گئے تھے ایک اطلاع کے مطابق انھیں ایام میں جب کہ سید علی ہمدانی کشمیر سے واپس جاتے ہوئے دہلی پہونچے تھے، سلطان شہاب الدین اور فیروز شاہ تغلق کے درمیان جنگ کا خطرہ لاحق ہو گیا تھا چنانچہ آپ نے دونوں بادشاہوں کے درمیان مفاہمت کرائی۔

سید علی ہمدانی، دوسری مرتبہ سلطان قطب الدین کے عہد حکومت میں ۷۸۱ھ میں تشریف لائے۔ ایک تذکرہ نگار نے دوسری مرتبہ آمد کی تاریخ یہ کہی ہے:۔

شد کہ مقدم امیر کبیر باغ کشمیر ہم چو گل بہ شگفت
ہاتف غیب سال مقدم آں آمد ایں جا علی ثانی گفت

کچھ عرصہ قیام کے بعد پھر واپس تشریف لے گئے تھے پھر کاشغر، ختن، چین اور مختلف جگہوں کی سیاحت کے بعد تیسری مرتبہ ۷۸۵ھ میں کشمیر تشریف لے گئے۔ سید علی ہمدانی نے خطہ کشمیر میں بے شمار مشرکین کو مشرف باسلام کیا چنانچہ فاضل اجل ملا بہاء الدین متو، دیشی نامہ میں لکھتے ہیں:۔

اندراں دم ز مردم کفار شد ہدایت بہ سی و ہفت ہزار
ظلمت کفر شد بہ نور بدل بہ سعادت رسید سعید ازل
ایں سعادت ز دا ازل تنویر واسطہ درمیاں امیر کبیر
یعنی آں بانی مسلمانے پیر سید علی ہمدانے

سید علی ہمدانی نے نہ صرف یہ کہ ۳۷ ہزار کشمیری مشرکین کو شرف باسلام کیا بلکہ ا تہذیب و تمدن سے آشنا کیا۔ آپ کے زمانہ میں یہاں کے لوگ غیر مہذب لباس پہنتے تھے۔ آپ بالواسطہ یہاں کے لوگوں کو مہذب بنایا چنانچہ جیسا کہ کشمیر میں مشہور ہے آپ کی ہدایت کے سلطان قطب الدین نے لباس میں تبدیلی کی آپ نے بجائے چوغہ کے لمبا کرتہ پہننے کی ہدایت کی سلطان کی دیکھا دیکھی یہ لباس ملک میں عام ہو گیا اور آج تک ہندو مسلمان دونوں کا لباس ہے۔

۷۸۶ھ میں سید علی ہمدانی نے کشمیر سے مراجعت فرمائی بارہ مولہ سے راستے کرتے ہوئے پکھلی تک پہونچے۔ یہاں کے مرزبان، سلطان محمد شاہ کے اصرار پر دس روز قیام فرمایا۔ سلطان قطب الدین والی کشمیر کے نام یہاں سے ایک مکتوب ارسال فرمایا تھا اس کو پڑھ کر معلوم ہوتا ہے کہ یہ حضرات سفر و حضر ہر حالت میں بادشاہوں کی اصلاح کی فکر میں رہتے تھے کہ رعایا کی اصلاح کا دارومدار انھیں کی اصلاح پر ہے۔ یہ مکتوب طویل ہے یہاں اس کا صرف حصہ پیش کیا جاتا ہے:۔

...... از راہ محبت و نصیحت نوشتہ می شود کہ دولت بحقیقت چوں باد در کوزہ ست دنیا

خواب ناپائیدار و عاقل کسے را تواں گفت کہ بخوابے فریفتہ نہ شود و بخیالے مغرور نہ گردد و از حال غافلاں گزشتہ عبرت گیرد یقین داند ہر کہ از احوال دیگراں عبرت نہ گیرد او در محل عبرت دیگراں گرداند۔ والسلام علی من اتبع الہدیٰ "

ترجمہ :- از راہ محبت و نصیحت لکھا جارہا ہے حقیقت میں سلطنت و حکومت خالی آب خورہ میں ہوا کے مانند ہے اور اس کی نعمت ایک خواب ناپائیدار کی مثل ہے۔ عاقل اس کو کہا جاتا ہے جو خواب پر فریفتہ نہ ہو اور خیال پر مغرور نہ ہو اور گزشتہ غافلوں کے حالات سے عبرت حاصل کرے یقین جانئے کہ جو دوسروں کے حالات سے عبرت حاصل نہیں کرتا اس کو دوسروں کے لئے محل عبرت بنا دیا جاتا ہے (والسلام علی من اتبع الہدیٰ) "

سید علی ہمدانی پکھلی میں دس روز قیام کے بعد یوسف زئی کے علاقہ میں تشریف لائے۔ کنہ سواد کے مرزبان ملک خضر شاہ افغان آپ کی خدمت میں آیا۔ اسی کی تحریک پر آپ نے رسالہ فقیریہ تحریر فرمایا تھا۔ اسی علاقہ میں آپ مرض الموت میں مبتلا ہوئے اور بالآخر ۶ ذی الحجہ ۷۸۶ھ میں ۷۲ سال کی عمر میں وفات پائی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

شیخ قوام الدین بدخشی جو آپ کے نگران خاص میں تھے تابوت اپنے ہمراہ لے گئے اور چھ ماہ کی مسافت طے کر کے ۵ جمادی الثانیہ ۷۸۷ھ کو ختلان پہونچے اور وہیں بمقام کولاب والد ماجد سید شہاب الدین ہمدانی کے پہلو میں دفن کئے گئے۔ ایک شاعر نے ایک ہی قطعہ میں آپ کی عمر سنہ ولادت و وفات اس طرح پیش کیا ہے۔

سیادت پناہ آں امیر کبیر چوں در باغ جنت نہادہ سریر
حسن سال مولود، عمر و صال دریں بیت گفتار طبع منیر
سنین "باسط" و "رحمت اللہ" ظہور قضا "بیرکامل امیر کبیر"

معبود لکھمیر میں دریائے بہت کے مشرقی کنارے پر خانقاہ معلّیٰ واقع ہے جس کا انتساب سید علی ہمدانی سے کیا جاتا ہے۔ اس جگہ ۷۸۱ھ تک کالی شیوجی کا مندر تھا۔ مندر کے پجاری جب سید علی ہمدانی کے ہاتھ پر مشرف باسلام ہوئے تو سلطان قطب الدین فرماں روائے کشمیر نے یہاں ایک مخصوص چبوترہ بنا دیا تھا۔ یہ وہ مقام تھا جہاں سید علی

ہمدانی نے کچھ عرصہ قیام فرمایا تھا۔ ۷۹۶ھ میں جب سلطان قطب الدین کا انتقال ہوا اور سلطان سکندر تخت پر متمکن ہوا، تو سید علی ہمدانی کے خلف الصدق سید محمد ہمدانی کے ہاتھ پر بیعت ہوا اور کالی شوری مندر میں سید علی ہمدانی کی نشست گاہ پر شاندار عمارت تعمیر کرائی جس کو بعد میں بہت صدمات اٹھانے پڑے۔ موجودہ عمارت، ابوالبرکات خاں ناظم کشمیر نے جو کہ ابوالفتح غازی محمد شاہ کے زمانہ میں یہاں آیا تھا ۱۱۴۲ھ میں بنوائی تھی۔ خانقاہ معلی کے مشرقی دروازہ پر لکڑی کا ایک تختہ لگا ہوا ہے جس پر یہ اشعار مکتوب ہیں۔

چو شد از گاہ احمد بانی دیں   ز ہجرت ہفصد ست و ثمانیں
برفت از عالم فانی بہ باقی   امیر ہر دو عالم آل یٰسیں

سید علی ہمدانی کا شمار اجلۂ مشائخ ہی میں نہیں بلکہ اجلۂ علماء میں بھی شمار ہوتا ہے آپ کثیر التصانیف بزرگ تھے۔ آپ کی بکثرت تصانیف کو دیکھ کر آپ کی تبحر علمی کا پتہ چلتا ہے۔

حال ہی میں بیروت (لبنان) سے فرانس کے ایک مستشرق پروفیسر مارین مولے نے ایک مجموعہ رسائل بھیجا ہے اس میں سید علی ہمدانی کے دو رسائل ہیں۔ الرسالۃ الاعتقادیہ اور رسالہ بیان اعتقاد۔ پروفیسر موصوف نے ترکی میں دیباچہ لکھا ہے جس میں ایک اہم قلمی مجموعہ کا ذکر کیا ہے یہ مجموعہ شاہ عبداللطیف قلندر بن عبداللہ بن جعفر سبزواری نے ۵ جمادی الثانی ۸۹۹ھ کو لکھا تھا اس مجموعہ میں سید علی ہمدانی کے بیشتر رسائل ہیں جن کی تفصیل یہ ہے۔

(۱) کتاب اسرار النقطہ۔ عربی۔ (۲) رسالہ تاویل (۳) رسالہ صفت الفقراء عربی (۴) رسالہ بیان اعتقاد (۵) رسالہ اورادیہ (۶) رسالہ مرأۃ التائبین (۷) رسالہ سیر الطالبین (۸) رسالہ ذکریہ (۹) رسالہ دہ قاعدہ (۱۰) رسالہ عقوبت (۱۱) رسالہ درویشیہ (۱۲) رسالہ حقیقۃ الایمان (۱۳) رسالہ بہرام شاہیہ (۱۴) رسالہ مشارب الاذواق (۱۵) رسالہ منامیہ (۱۶) رسالہ عقلیہ (۱۷) رسالہ واردات (۱۸) رسالہ چہل مقام صوفیہ (۱۹) رسالہ ہمدانیہ (۲۰) رسالہ فتوتیہ (۲۱) رسالہ داؤدیہ (۲۲) رسالہ مجلکیہ (۲۳) رسالہ اصطلاحات (۲۴) رسالہ حل مشکل (۲۵) رسالہ مشیتیہ (۲۶) سوالات (کہ از حضرت کردہ اند) و جواب (گویا یہ آپ کے ملفوظات ہیں) (۲۷) مکتوبات (کہ آں حضرت بہ ہر کس نوشتہ است) (۲۸) رسالہ سلسلۂ اولیاء غزالیہ ــــ ان تصانیف کے علاوہ اور بہت سی تصانیف ہیں۔ ایک اطلاع کے مطابق ۱۷۶ تصانیف ہیں۔ واللہ اعلم۔

رسالہ فتوتیہ

اردو ترجمہ

..... عزیزم لفظ "اخی" عام لفظ ہے جو لوگ اکثر استعمال کرتے ہیں اس کے حقیقی معنی تو بہت وسیع اور بلند ہیں لیکن اکثر لوگ اس لفظ کو رسمیہ طور پر بولتے ہیں۔ یہ لوگ حقائق دین کے اسرار سے ناواقف ہیں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو اگر کسی کو اپنا بزرگ سمجھتے ہیں تو "بھائی" (اخی) کہہ دیا کرتے ہیں۔ نفسانی اغراض و مقاصد کے تحت چند روز میل ملاپ رکھتے ہیں اور پھر اس اختلاط کا نتیجہ انجام کار وحشت و عداوت میں ظاہر ہوتا ہے اس لیے طالبوں کی تنبیہ و ہدایت کے لئے اس لفظ (اخی) کے متعلق چند باتیں عرض کی جاتی ہیں۔

عزیزم۔ ارباب طریقت نے لفظ "اخی" سے تین معنی مراد لئے ہیں اور اس کے تین مراتب قرار دیئے ہیں۔ اوّل عام۔ دوم خاص۔ سوم اخص۔ یعنی اول لغوی دوم نفسی و حقیقی، سوم اصطلاحی معنوی

اوّل۔ (لغوی رسمی): لغت میں لفظ "اخی" کے معنی بھائی کے ہیں۔ عام لوگ اس کو "بھائی" کہتے ہیں جو یا تو ایک باپ سے ہو یا ایک ماں سے۔ اس کے علاوہ اگر کسی دوسرے کو "بھائی" کہتے ہیں تو رسمًا اور تکلفًا درحقیقت اس کو بھائی نہیں سمجھتے۔

دوم۔ (نفسی حقیقی) علمائے اسلام کی ایک خاص جماعت، قوت علم اور نور ایمانی کی بدولت تقلید و رسم کی منزل سے ترقی کر کے اپنی طاقت اور حوصلے کے مطابق دین کے احوال و اسرار اور حقائق کو اخبار و آثار، کتاب و سنت کے شواہد کی روشنی میں استدلالًا قبول کرتی ہے۔ چنانچہ اس جماعت کے حضرات بفحوائے آیہ کریمہ انما المومنون اخوۃ (سورۃ الحجرات آیت ۱۰) تمام مسلمانوں کو آپس میں بھائی بھائی سمجھتے ہیں۔

سوم۔ (اصطلاحی معنوی) اہل دل اور اہل حقیقت لفظ "اخی" کے اصطلاحی معنی قرار دیتے ہیں۔ یہ حضرات لفظ "اخی" اس شخص کے لئے استعمال کرتے ہیں جو سلوک کے مقام فتوت سے گزر چکا ہو۔ مقام فتوت سالکوں کے مقامات سلوک میں سے ایک مقام ہے۔ یہ فقر کا جز ہے اور ولایت کی ایک قسم۔ یہی وجہ ہے کہ مشائخ طریقت (کثر اللہ سوادھم) اپنے مریدین میں سے جب کبھی دیکھتے ہیں کہ سالک طریقت کی باریکیوں کو سمجھنے کے لئے کسی مرید کی استعداد

باطنی درجۂ کمال تک پہونچ گئی ہے اور حقائق فقر کے اسرار کے انوار اس کی روح پر روشن ہو گئے ہیں تو پھر وہ اس کو اپنا خلیفہ بنا لیتے ہیں اس کو پوری خلعت دیتے ہیں جس کو خرقہ کہا جاتا ہے۔

جب ارباب فتوت کسی مرید میں صفات سخاوت، عفت، امانت، شفقت و حلم تواضع، تقویٰ دیکھتے ہیں تو اس کو اپنے آستانۂ خدمت پر متعین کرتے ہیں خلعت فقر سے کچھ عطا کرتے ہیں یعنی کلاہ اور سراویل دونوں چیزیں اگرچہ جزو خرقہ ہیں لیکن دراصل " کلاہ " اس لئے دیتے ہیں کہ یہ تاج کرامت ہے اور سراویل اس لئے کہ خرقہ سے مقصود ستر عورت ہے اور عبادت میں اصل ستر ناف سے زانو تک ہے۔ سراویل سے یہ تمام اعضاء ڈھک جاتے ہیں یہی وجہ ہے کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ صلوات اللہ علیہ، پر جو مقام فتوت کے مظہر تھے اللہ کی طرف سے وحی آئی کہ " واستر عورتك من الارض " یعنی اپنے اعضائے پوشیدہ کو (عورت) کو زمین سے ڈھانک"۔ اس وحی کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام ہمیشہ دو سراویل رکھتے تھے جب ایک کو دھونے کی ضرورت ہوتی تو دوسری پہن لیا کرتے اس طرح سراویل و کلاہ خرقہ کے اجزا ہیں۔

مقام فتوت، گو مقامات فقر میں ایک مقام ہے مگر تمام مقامات کی اصل ہے اور سب مقامات کا اسی پر دار و مدار ہے بلکہ انسان کے تمام کمالات کی بنیاد اسی سے وابستہ ہے لفظ " اخی " ان معنیٰ میں محاسن اخلاق کے تمام درجات پر حاوی ہے جس طرح علم ظاہر میں گو کسی شخص کو اس کمال کی ذکاوت و استعداد میسر آجائے کہ وہ ہزاروں کتابیں بغیر استاد کی مدد کے پڑھ لے اور سمجھ بھی لے مگر اس کی بات نہ سنی جائے گی اور نہ اس کا فتویٰ قابل اعتبار سمجھا جائے گا تا آں کہ وہ کسی استاد کے آگے زانوئے تلمذ طے نہیں کر لیتا (ایسا فاضل استاذ جس کا سلسلۂ استفادہ صحابہ اور رسول علیہ السلام تک مسلسل اور صحیح ثابت ہو۔ اسی طرح طریقت میں فقر و فتوت کا حال ہے۔ اگر کوئی شخص سیکڑوں سال مجاہدہ کرتا ہے، اپنی پوری کوشش سے خود کو خاک میں ملا دیتا ہے اس کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا تاآنکہ وہ کسی ایسے مرد کامل کی خدمت نہیں کرتا جس کی نسبت طریقت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک پہونچتی ہو۔ اور طریقت و فتوت کی خلعت رسول علیہ السلام نے امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے لئے مخصوص کر دی ہے وہ نقل بنقل آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس تک نہ پہونچی ہو۔ یہ مرد کامل یہ خلعت اس تک پہونچائے اور سلسلۂ فتوت و طریقت، آں حضرت رسالت پناہی تک درست

جب ان مقدمات کا علم ہوگیا تو یہ جاننا بھی ضروری ہے کہ بزرگان امت اور مشائخ طریقت کے نزدیک حقیقت فتوت ہی کیا ہے ؟ ۔ چناں چہ اس کے متعلق مندرجۂ ذیل چند اقوال پیش کئے جاتے ہیں

(۱) خواجہ حسن بصری قدس سرہٗ فرماتے ہیں : ۔
" الفتوۃ ان تکون خصما لربك علی نفسك " (فتوت یہ ہے کہ حق جل وعلا کی خاطر اپنے نفس سے دشمنی کی جائے)

(۲) شیخ حارث محاسبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ فتوت یہ ہے کہ انسان تمام خلق کا انصاف اپنے ذمے واجب سمجھے مگر اپنا انصاف کسی سے نہ چاہے ۔

(۳) حضرت فضیل عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں " الفتوۃ ان لا تمیز من یاکل عندك مومن او کافر صدیق او عدو " یعنی فتوت یہ ہے کہ انسان یہ نہ دیکھے کہ اس کی نعمت کون کھاتا ہے ، خدمت ایثار کا جذبہ اس بات کا متقاضی ہے کہ حق تبارک وتعالیٰ کی نعمتوں کی تقسیم میں مومن و کافر اور دوست دشمن میں فرق نہ کیا جائے ۔

(۴) ۔ حضرت جنید بغدادی قدس اللہ سرہٗ فرماتے ہیں " الفتوۃ بذل الندی وکف الاذیٰ " بخشش کرتے رہنا اور بدی سے بچتے رہنا ، فتوت ہے یعنی حقیقت فتوت یہ ہے کہ انسان خود کو حتی الوسع خیر و احسان کا سبب بنائے اور بندگان خدا کو آرام پہونچاتا رہے ۔ بساط احسان پر بدوں کا بدی سے بدلہ نہ لے ۔

(۵) حضرت سہیل بن عبداللہ قدس سرہ العزیز فرماتے ہیں " فتوت متابعت سنت است " یعنی " اخی " کو چاہیے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں میں سے کسی سنت کو ترک نہ کرے آں حضرت کی سب سے بڑی سنت یہ ہے کہ دنیا کو حقارت کی نظر سے دیکھے ۔ پس ہر " اخی " جو دنیا اور اہل دنیا کو بڑا سمجھتا ہے وہ مقام فتوت کے لائق نہیں ۔

(۶) ۔ حضرت سلطان بایزید بسطامی قدس اللہ سرہٗ فرماتے ہیں ۔ " الفتوۃ استصغار ما منك واستعظام ما الیك " یعنی فتوت یہ ہے کہ جو کچھ تم دوسروں کو دو خواہ وہ کتنا ہی زیادہ کیوں نہ ہو اس کو ہمیشہ حقیر سمجھو اور جو کچھ لوگ تم کو دیں خواہ وہ کتنی حقیر چیز کیوں نہ ہو اس کو بہت زیادہ سمجھو ۔

(۷) حضرت یحییٰ بن معاذ علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں : ۔ الفتوۃ ثلاثۃ اقسام حسن الوجہ مع حیائہ

وحسن القول مع الامانۃ، وحسن الاخاء مع الوفاء " یعنی فتوت کی تین قسمیں ہیں حسن و جمال کے ساتھ پارسائی۔ (۲) خوش گوئی کے ساتھ امانت (۳) خوب برادری اور حسن اخوت کے ساتھ وفا شعاری۔ وہ نعمتیں جن سے اللہ تبارک تعالیٰ نے اپنے بندوں کو مکرم فرمایا ہے تین قسم کی ہیں
(۱) ایک نعمت جمال ہے جو غلبات روحانی کا نتیجہ اور جمال ازلی کے انوار کا عکس ہے ؎

وکل جمیل حسنہ من جمالھا　　معار لہ بل حسن کل ملیحۃ

اور یہ جو رسول علیہ السلام نے فرمایا ہے۔" ان اللہ جمیل ویحب الجمال " تو اس میں اسی طرف اشارہ ہے۔ دوسری نعمت فصاحت و بلاغت ہے جو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کمال اعجاز ہے اسی لئے آپ نے فرمایا " انا افصح العرب والعجم " اور یہ خوبی خدا کی عظیم نعمت ہے تیسری نعمت دولت مال ہے جس سے دل فکر معاش سے فارغ اور مطمئن ہو جاتا ہے اور انسان زاد معاد کی تحصیل میں مشغول ہو کر عبودیت و بندگی کے آداب بجالا سکتا ہے۔

پس " فتی " کو چاہیے کہ ان تینوں نعمتوں کو سعادت ابدی کا وسیلہ اور نعیم سرمدی کی تجارت کا سرمایہ بنائے اور اخوت و برادری میں سخاوت شعار اور با وفا ہو۔

(۸) حضرت ابو حفص حداد علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں " الفتوۃ ما اختار اللہ لنبیہ علیہ السلام " یعنی فتوت وہ صفات محمدیہ ہیں جن کو اللہ تبارک و تعالیٰ نے قرآن پاک میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے پسند فرمایا ہے چنانچہ ارشاد ہوتا ہے " خذ العفو وأمر بالمعروف واعرض عن الجاھلین (سورہ ۷، آیت ۱۹۸/۱۹۹) اے محمد پکڑ۔ (یعنی صفت حلم کی حفاظت کر) اپنے بھائیوں کے گناہوں سے درگذر فرما اور ان کو نیکی سے بدلہ دے " معروف " کا حکم کر اور جاہلوں سے دور رہ یعنی ان کی جہالت سے مقابلہ نہ کر۔

(۹) حضرت ابو علی دقاق علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں " الفتوۃ ان تکون من الناس قریبًا دنیا منھم عنھم بعیدًا " یعنی فتوت یہ ہے کہ لوگوں سے نزدیک ہو اور ان کے اندر ہوتے ہوئے بھی ان سے دور رہے یعنی " فتی " کو چاہیے کہ بظاہر لوگوں میں خلا ملا رکھے اور سب بندگان خدا سے شفقت و محبت اور نصیحت و احسان کے ساتھ برتاؤ کرے مگر باطنی طور پر سب سے کنارہ رہے اور دل میں ہر وقت اللہ کی یاد رہے۔

(باقی مضمون صفحہ ۱۲۰ پر)

تبلیغی کام اور حضراتِ علماء

(از مولانا ابراہیم احمد صاحب مظاہری صدر جمعیۃ علماء برما (رنگون)

تبلیغی جماعت یا اس ڈھنگ کے کسی بھی عوامی کام میں اپنے دوسرے دینی اور تعلیمی مشاغل رکھنے والے علماء اور اسی طرح طلباء کا کیا رویّہ ہونا چاہیئے، تبلیغی جماعت کے سلسلہ میں یہ سوال اکثر زیر بحث آجاتا ہے۔ جمعیۃ علماء برما کے صدر جناب مولانا ابراہیم احمد صاحب مظاہری نے اس سلسلہ میں اپنی جمعیۃ کے علماء کو خطاب کرتے ہوئے ایک تقریر کی تھی جسکی ایک سائیکلو اسٹائل کاپی مولانا نے مدیر الفرقان کو ارسال فرمائی ہے ذیل میں یہ پوری تقریر افادہ عام کی غرض سے شائع کی جا رہی ہے (ادارہ)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَ سَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی ہ

حضرات علمائے کرام!

آج آپ سب حضرات کو یہاں جمع کرنے اور تکلیف دینے کا مقصد یہ ہے کہ حضرت مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ کے جاری کردہ طریقۂ تبلیغ اور تبلیغی جماعت کے بارے میں چند باتیں عرض کروں۔

آپ حضرات جانتے ہیں اور ہم نے اور آپ سب نے اپنے زمانۂ طالب علمی میں بھی دیکھا ہے کہ تبلیغی جماعت کی ابتداء کیسے ہوئی اور حضرت مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ نے کس مقصد اور کس نوعیت سے اس کام کو شروع کیا؟ اور آج بھی آپ سب

حضرات واقف ہوں گے کہ خدا کے مخلص اور برگزیدہ بندوں کی یہ جماعت کس طرح مشرق و مغرب، پورب پچھم اور دنیا کے طول وعرض میں پھیل رہی ہے۔ اور کس تیزی سے چاروں اعظموں میں ایمان کو تازہ کرنے اور اسلام کو زندہ کرنے کے لئے یہ تحریک مقبول ہوتی جا رہی ہے۔ خدا کے فضل وکرم سے ہمارے ملک میں بھی یہ کام نہایت اچھے طریقے سے ہو رہا ہے اور اس کام کو سمجھنے والے اور کرنے والے اور دلچسپی لینے والے دن بدن زیادہ ہوتے جا رہے ہیں۔ میں خود اور ہماری جماعت کے دوسرے علمائے کرام بھی کبھی کبھی ان اجتماعات میں شریک ہوتے ہیں۔ اور ان کی نصرت، اعانت اور ان کی ترقی کے دعاؤں میں حصہ لیتے رہتے ہیں۔ اگرچہ اس تحریک میں علمائے برما کی شرکت معتد بہ نہیں ہے۔ پھر بھی تھوڑا بہت ضرور ہے۔ اور یقیناً ان کو اس کام سے دلچسپی ہے

حضرات!

مجھے یہ کہنے دیجئے کہ سالہا سال سے میرا یہی خیال تھا لیکن گزشتہ دنوں بعض ایسی باتیں پیش آئیں جس کی وجہ سے میں نے ضروری سمجھا کہ آپ حضرات کو میں تکلیف دوں اور تبلیغی جماعت کے سلسلے میں کچھ عرض کروں۔ تبلیغی جماعت کے بارے میں میں تین باتیں پیش کرنا چاہتا ہوں۔

(۱) تبلیغی جماعت کے بارے میں ذہن صاف ہونا چاہیئے اور اس کام کو دین کا نہایت اہم اور عظیم الشان کام سمجھ کر اس سے پوری طرح دلچسپی لینی چاہیئے۔ اور دوسرے لوگوں کا ذہن بھی اس کے لئے ہموار کرنا چاہیئے۔

(۲) زبانی طور پر اپنے دوستوں، ساتھیوں، شاگردوں اور محبت رکھنے والوں کو دعوت دینی چاہیئے۔ کہ وہ اس کام میں حصہ لیں اور کچھ وقت صرف کریں۔ تاکہ خود ان کی بھی اصلاح ہو۔ اور وہ دوسروں کے لئے بھی اصلاح کا ذریعہ اور نمونہ بن سکیں۔

(۳) علمائے کرام کو خود بھی وقتاً فوقتاً اس کام میں حصہ لینا چاہیئے۔ اس طرح کہ دوسرے دینی مشاغل کا بھی حرج نہ ہو۔ اپنے آرام اور فرصت کے وقت کو اس میں صرف کرنا چاہیئے۔ اور اگر ممکن ہو تو اس سلسلے میں زیادہ سے زیادہ وقت

کی قربانی دینی چاہیئے۔ خاصکر وہ علماء جو ابھی ابھی فارغ ہوئے ہیں۔ ان کو نہایت دلچسپی
اور انہماک اور پورا وقت دے کر اس تحریک میں لگنا چاہیئے۔ اسی طرح وہ طلبا جو عربی
مدارس میں تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ اسی طرح ان کو فرصت کے اوقات میں اپنی
شرکت ضروری قرار دینی چاہیئے۔

حضرات!

مجھے نہایت افسوس کے ساتھ کہنے دیجئے کہ تبلیغی جماعت کے بارے میں ہمارے
علماء کا ذہن صاف نہیں ہے، اور اپنے علم اور دانش کے باوجود بھی اس عظیم کام کو سمجھنے کی
کوشش نہیں کرتے۔ اور دلچسپی نہیں لیتے۔ یہ بات مجھ پر اس وقت آشکارا ہوئی جبکہ گزشتہ
دنوں ہندوستان کے تبلیغی جماعت کے معزز اور سرگرم کارکن جناب فریدی صاحب رنگون
تشریف لائے۔ اس وقت انہوں نے مختلف طبقات کے سامنے جس طرح تبلیغی تحریک کو
پیش کیا اسی طرح علماء کو بھی آپ نے دعوت دی۔ اس وقت ہماری جماعت کے بعض علماء
ایسے بھی تھے جنہوں نے اس تحریک سے بعد اور بیگانگی ظاہر فرمائی۔ جمعیۃ علماء کے ایک بڑے
رکن جو اتفاق سے آج کے اجلاس میں شریک نہیں ہو سکے۔ انہوں نے تبلیغی تحریک کو تعلیم
دین کے لئے خارج یا اس کو افراط و تفریط کا مصداق قرار دیا۔ چنانچہ انہوں نے حضرت
شیخ الحدیث قبلہ دامت برکاتہم کے پاس بھی اس قسم کا عریضہ تحریر فرمایا۔ جس کا جواب حضرت
مولانا محمد اسعد اللہ صاحب دام اللہ برکاتہم نے تحریر فرمایا۔ اس کے علاوہ ایک مستقل
مکتوب حضرت شیخ الحدیث صاحب قبلہ نے بھی تحریر فرمایا تھا ان دونوں خطوط کی نقلیں سائیکلو اسٹائل کرا کر
آج کے اجلاس میں تقسیم کرا چکا ہوں اس طرح بعض نوجوان علماء کو دیکھا کہ تبلیغی جماعت سے پہلے وہ دلچسپی لیتے تھے
لیکن آجکل بالکل کنارہ کش اور علیحدہ ہو چکے ہیں اس کی وجہ انہوں نے مقامی تبلیغی جماعت کے بعض افراد کی غلطیاں بتلائیں۔

اسی طرح حال ہی میں ایک واقعہ یہ پیش آیا کہ ہمارے یہاں کے ایک بڑے عالم کے
پاس میں بیٹھا ہوا تھا۔ کہ ایک شخص آیا۔ اس کے ساتھ ایک بچہ تھا۔ اور اس نے بتلایا کہ اس
کا بچہ کچھ آسیب زدہ ہے۔ اس لئے تعویذ دیا جائے۔ یہ شخص دیکھنے میں نہایت متواضع اور
غریب نظر آ رہا تھا، ان عالم صاحب نے بات چیت کے دوران انہیں پہچان لیا۔ اور پوچھا کہ

تم دین محمد تو نہیں ہو؟ اس نے اثبات میں جواب دیا۔ اس کے بعد وہ عالم صاحب مجھ سے مخاطب ہو کر فرمانے لگے۔ کہ یہ نو مسلم ہے۔ اور پہلے ڈاڑھی نہیں رکھتا تھا۔ اور اب یہ تبلیغی جماعت میں شامل ہے، اور تبلیغی جماعت کے ساتھ مانڈلے پیدل بھی روانہ ہوا تھا۔ چونکہ اب اس نے ڈاڑھی رکھ لی ہے اور کرتہ بھی لمبا پہننے لگ گئے ہیں۔ اس وجہ سے ان کو نہیں پہچان سکا۔ میں نے برجستہ ان عالم صاحب سے کہا کہ اب بھی آپ تبلیغی جماعت کے کرامت کے قائل نہیں ہونگے اس لئے کہ جب ایک شخص اس تحریک میں داخل ہوتا ہے۔ تو ڈاڑھی رکھ لیتا ہے۔ نماز کا پابند بن جاتا ہے۔ اسلامی اخلاق پیدا ہو جاتا ہے۔ اس سے بڑھ کر اور کیا کرامت ہو سکتی ہے تبلیغی جماعت کی؟ کہ اس نے ایک ایک شخص کی زندگی ہی بدل ڈالی۔ بلکہ اس کے باطن کی طرح اس کا ظاہر بھی بدل ڈالتی ہے۔ کیا یہ معمولی کام ہے؟ کیا ہم اور آپ یہ کام اس قدر جلد اور آسانی سے کر سکتے ہیں۔ کیا زندگیوں کے لئے یہ معمولی انقلاب ہے۔ اگر ان ظاہری کامیابیوں کو دیکھ کر بھی آپ اس کے قائل نہ ہوں۔ تو کب قائل ہوں گے؟ تبلیغی جماعت نے تو ایسے لاکھوں اور کروڑوں انسانوں کی زندگیاں بدل ڈالیں۔ اس وقت ایسی لاکھوں زندگیاں ہیں جو دین کے کاموں میں لگی ہوئی ہیں۔ روزانہ لاکھوں انسان اس کام کے لئے حرکت کر رہے ہیں۔ یہ ایک عجیب داعیانہ زندگی ہے۔ جس نے نہ صرف باطن کو بدلا۔ بلکہ ظاہر کو بھی بدل دیا۔ وہ عالم صاحب کہنے لگے کہ یہ شخص کام کاج کو چھوڑ کر تبلیغ میں نکل گیا اور انہوں نے گھر بار کے اخراجات کا انتظام بھی نہیں کیا۔ یہ افراط و تفریط نہیں تو کیا ہے؟ میں نے کہا۔ اس کا بھی ذمہ دار کوئی نہ کوئی ہوا ہوگا۔ اور اگر نہیں ہوا تو مقامی تبلیغی جماعت سے آپ کو دریافت کرنا چاہیئے۔ اور شک رفع کر لینا چاہیئے۔ لیکن اگر یہ مان لیا جائے کہ یہ کسی فرد کی غلطی ہوئی ہے۔ تب بھی ایک فرد کی غلطی سے آپ اس تحریک کو کیسے غلط کہہ سکتے ہیں؟

ہمارے علاوہ میں اس قسم کی دوسری مثالیں بھی ملی ہیں۔ جن میں شک، ریب، تذبذب، انکار اور فرار کی ذہنیت پائی جاتی ہے، بعضوں میں قربانی دینے محنت کرنے اور وقت لگانے سے گریز کے جذبات بھی پائے گئے۔ بعضوں میں مضحکہ خیز حد تک فرار کی ذہنیت پائی گئی تو وہ یہ کہنے لگے کہ آج اگر ہم اس تبلیغی تحریک میں شامل ہو گئے تو ہماری بے عزتی ہوگی

کیونکہ ابتک علماء نے اس تحریک میں پورے طور پر حصہ نہیں لیا۔ میرے خیال میں یہ اسی قسم کی غلطی ہے جس کی قرآن نے نشان دہی کی ہے۔ وَاِذَا قِيْلَ لَهُ اتَّقِ اللّٰهَ اَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْاِثْمِ ۔ حالانکہ اس معاملہ میں ہرگز جھوٹی عزتوں کا خیال نہیں کرنا چاہیئے۔

حضرات علمائے کرام!

سب سے زیادہ ماتم کی چیز یہ ہے کہ ہم اس کام کے لئے اپنی تعلیم اور تدریس ترجمہ و تالیف، قرآن کی تفسیر اور جمعیۃ علماء کے دوسرے مشاغل کیوجہ سے وقت کم دے سکتے تو اتنی بری بات نہ تھی لیکن اس تحریک سے انکار اور فرار ہمارے لئے سمِّ قاتل ہے۔ یہ تحریک ہمارے اکابر نے جاری کی ہے۔ جس کا مشاہدہ ہم روز و شب کرتے ہیں۔ جو آج بھی اپنی سچائی کی وجہ سے دنیا کے طول و عرض میں پھیلتی جارہی ہے۔ آج بھی ہمارے واجب الاحترام اساتذہ اس کی سرپرستی کر رہے ہیں اور اس تحریک میں حصہ لے رہے ہیں۔

آج اس تحریک کو جو حضرات چلا رہے ہیں، یہ وہ حضرات ہیں جن کو ہم نے اپنے دوران تعلیم میں پڑھنے اور دین کے کام میں لگتے ہوئے دیکھا۔ جن کے تقویٰ و طہارت میں کوئی شک نہیں کیا جاسکتا۔ اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ ہمارے اکابر باوجود ضعف و نقاہت کے اس کام میں لگے ہیں۔ اور آج بھی ان کی علمی عملی جدوجہد اور روحانی توجہ سے یہ کام پھیل رہا ہے۔ ایسی بابرکت تحریک سے ہمارے علماء کی غفلت اور ذہن کا صاف نہ ہونا بڑی حرماں نصیبی کی بات ہے۔ میں اس سلسلہ میں حسب ذیل مشورہ دینا چاہتا ہوں۔

(۱) مقامی تبلیغی جماعت کی غلطیوں یا لغزشوں کو اس تحریک کی غلطی نہ سمجھی جائے۔

(۲) اس تحریک کے بارے میں اگر کوئی خبر ملے تو اس کی تحقیق کی جائے۔ اس پر دھیان نہ دیا جائے۔ بہتر یہ ہوگا کہ مقامی تبلیغی کارکنوں سے اس شک کو دفع کر لیا جائے۔

(۳) اس تحریک کا لٹریچر خاص طور پر حضرت مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ کی سوانح حیات آپ کے ملفوظات اور اس سلسلہ میں جو نئے نئے لٹریچر سامنے آرہا ہے۔ اس کا مطالعہ کیا جائے۔ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی اور حضرت مولانا محمد منظور نعمانی کی

تحریریں خاص طور پر پڑھی جائیں۔

(۴) اس سلسلے میں حضرت شیخ الحدیث، حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب، حضرت مولانا محمد یوسف صاحب، حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی اور دوسرے اکابرین سے تحریک کو سمجھنے کے لئے مسلسل خط وکتابت کی جائے۔ اور اشکالات ان کے سامنے پیش کئے جائیں اور ذہن صاف کرلیا جائے۔ اگر ایسا کیا جائے تو اس عظیم تحریک کی برکات سے ہم لوگ محروم نہیں رہیں گے۔ اور برما میں اس تحریک کے پھیلنے اور پھیلانے میں ہم اپنا حصہ ادا کرسکیں گے۔

حضرات!

میں تسلیم کرتا ہوں کہ گذشتہ دو تین سال سے مقامی تبلیغی جماعت اور علما میں بہت بعد اور بیگانگی رہی ہے۔ اس تحریک کے بعض افراد کی لغزشوں کی وجہ سے یقیناً آپ سب حضرات کے دل میں بدگمانی ہوسکتی ہے۔ لیکن اے حضرات محترم! یہ سب کچھ افراد کی غلطیاں ہیں۔ تحریک کا کوئی تصور نہیں۔ بلکہ سچی بات یہ ہے کہ ان ہی حالات کی وجہ سے علماء کا فرض ہے کہ وہ زیادہ سے زیادہ تعداد میں اس تحریک میں شریک ہوں تاکہ آئندہ ایسی غلطی نہ ہو۔ ہندوستان کی تبلیغی جماعت کی کامیابی کا راز یہ ہے کہ ایک تو اس تحریک کے بانی حضرت مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی زندگی میں اس کام کو چلایا۔ آپ کے بعد آپ کے جانشین اور خلف الصدق مولانا محمد یوسف صاحب اب تحریک کو چلا رہے ہیں۔ حضرت شیخ الحدیث صاحب دامت برکاتہم کے مشوروں کی روشنی میں کام ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ بہت بڑی تعداد میں علماء کرام اس کام میں لگے ہوئے ہیں۔ اگر برما میں بھی بڑی تعداد میں علماء کرام اس تحریک میں شامل ہوجائیں تو تمام خامیاں دور ہوسکتی ہیں اور یہ تحریک بہت آگے بڑھ جائے گی۔

حضرات علمائے کرام!

ایک اور وجہ بھی ہے جس کی وجہ سے جمعیۃ العلماء کے اراکین کو اس کام میں حصہ لینا چاہیئے وہ یہ کہ اس وقت برما میں تبلیغی جماعت کا کام چند ایک بڑے شہروں میں ہو رہا ہے۔ بڑے

شہروں میں بھی وہ علاقے جہاں غیر ملکی مسلمان رہتے ہیں۔ یا وہ مسلمان جو پہلے غیر ملکی تھے اور اب برمی سٹیزن بن گئے ہیں۔ ان میں یہ تحریک چل رہی ہے۔ لیکن وہ علاقے جہاں قدیم برمی مسلمان آباد ہیں اور جن کی مادری زبان برمی ہے۔ ان میں اس تحریک کو فروغ نہیں ہو رہا ہے اگر علماء اس کام میں لگ گئے تو اپنے اثر و رسوخ سے ان دیہاتوں، بستیوں اور ان علاقوں میں بھی یہ تحریک پہنچ جائے گی۔ جہاں صرف برمی جاننے والے مسلمان آباد ہیں۔ جمعیۃ علماء کے مبلغین اور اراکین جب برمی زبان میں یہ پیغام ان کے گھروں تک پہنچائیں گے تو یقیناً ملک کی مسلم آبادی کا بہت بڑا اور کارآمد علاقہ اس تحریک میں شامل ہو جائے گا۔

حضرات!

مجھے اجازت دیجئے کہ اس سلسلے میں ایک اور غلط فہمی بھی رفع کر دوں۔ وہ یہ کہ بعض علماء کا خیال ہے کہ جمعیۃ علماء برما کی زیر نگرانی چند علماء تبلیغی کام کر رہے ہیں۔ جن کو باقاعدہ تنخواہ، اخراجات اور الاؤنس جمعیۃ کی طرف سے دی جاتی ہے۔ جن کا کام ہی تبلیغ ہے۔ تو پھر آپ درس و تدریس، افتاء و تصنیف میں لگے ہوئے علماء کو کیوں تبلیغی جماعت میں بلا رہے ہیں؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ جمعیۃ علماء برما کی زیر نگرانی چند علماء جو تبلیغی کام کر رہے ہیں یہ کام حضرت حکیم الامۃ مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ العزیز کے مجلس دعوۃ الحق کے اصولوں کے مطابق ہو رہا ہے۔ جس میں صرف علماء تبلیغ کے لئے نکلتے ہیں۔ مگر یہ کوئی مستقل تحریک نہیں۔ بخلاف اس کے تبلیغی جماعت دراصل ایک تحریک ہے جو فرد اور جماعت کی اصلاح کے لئے بنائی گئی ہے جس کے اصول دوسرے ہیں۔ یہ عوامی رابطہ کی تحریک ہے جس میں ہر مسلمان شامل ہو سکتا ہے اس لئے جمعیۃ علماء کی تبلیغ کے علاوہ تبلیغی جماعت میں بھی علماء کو کام کرنا چاہیئے اس سے ملک کو دوہرا فائدہ اور مسلمانوں کو دو طرفہ دینی کام اور دینی زندگی کے لئے آمادہ کیا جا سکے گا۔

حضرات علمائے کرام!

اس سلسلے میں دوسری بات میں یہ کہنا چاہتا ہوں۔ کہ ہمیں زبانی طور پر اپنے دوستوں شاگردوں کو آمادہ کرنا چاہیئے۔ وہ اس کام کے لئے وقت کی قربانی دیں۔ اس لئے کہ آپ حضرات کے وعظوں، تقریروں، خطبوں میں اس جماعت کی تائید کی وجہ سے عوام میں

اعتماد پیدا ہوتا ہے۔ اس وقت بہت سے مسلمان اس وجہ سے تحریک میں حصّہ نہیں لے رہے ہیں کیونکہ ان کا کہنا ہے مساجد کے امام اور دوسرے علمائے کرام اس تحریک کو پسند نہیں کرتے۔ اس لئے وہ تحریک میں حصّہ نہ لینے کے لئے بہانہ بناتے ہیں۔ اس لئے خطبات جمعہ کی تقریروں میں اور نجی صحبتوں میں عوام کو ترغیب دینی چاہیئے۔ تاکہ لوگ جوق درجوق، اس کام میں شامل ہوں۔ اور عوام جو پہلے ہی سے دینی کاموں میں شرکت کرنے سے گریز کرتے ہیں۔ وہ علماء کی عدم شرکت کو مثال نہ بنا سکیں۔

تیسری چیز مجھے علماء کرام سے یہ عرض کرنی ہے کہ آپ حضرات اس کام کے لئے وقت نکالیں، اور قربانی دیں۔ بے شک آپ جو کام کر رہے ہیں وہ نہایت ضروری ہے۔ اور اس کے ضروری ہونے میں ہمیں کوئی شک نہیں۔ چاہے مسجدوں کی امامت ہو۔ یا مدارس کی درس و تدریس، قرآن کی تفسیر، ترجمہ وتصنیف ہو۔ یا جلسوں میں وعظ وارشاد یہ سب کے سب دین کے شعبے ہیں۔ لیکن آج اس بات کی ضرورت ہے کہ گھر گھر جا کر مسلمانوں کو اللہ کے دین کی طرف بلایا جائے۔ ذاتی طور پر ان کے اندر دین سے دلچسپی پیدا کرائی جائے۔ دین کی فکر اور آخرت کی رغبت ان کے دلوں میں پیدا کرنے کیلئے ایک ایک فرد سے ملاقات کر کے ان کو تیار کیا جائے۔ کہ وہ دین کے لئے قربانی دیں۔ اس کام کے لئے تبلیغی جماعت سے بہتر کام کا اور کوئی طریقہ نہیں۔ اس لئے آپ حضرات کو اس کام میں پورے طور پر حصہ لینا چاہیئے۔ مرکزی جمعیۃ کے اراکین کے علاوہ شاخ کے اراکین اُس کام میں پوری تندہی سے حصّہ لینا چاہیئے۔

یقین مانیئے آج ہمارے ملک کو جسقدر عوامی طور پر دینی کام کرنے والوں کی ضرورت ہے۔ برما کی تاریخ میں اس سے پہلے کبھی لاحق نہیں ہوئی۔ آج ہمارے ملک میں جس پیمانے پر دین سے فرار، بغاوت اور ارتداد کے واقعات پیش آ رہے ہیں۔ وہ آپ حضرات سے پوشیدہ نہیں۔ مسلم نوجوانوں، طالب علموں، تاجروں، سرکاری ملازموں، کسانوں اور مزدوروں اور عام لوگوں میں جس طرح دین سے بے رغبتی پائی جا رہی ہے۔ اس پر ہمیں اور آپ کو صبر و خاموشی سے نہیں بیٹھنا چاہیئے۔ عوام کو دین سے قریب لانے کے لئے اس وقت ہمیں دن رات کام کرنے کی ضرورت ہے۔ اور یہ تبلیغی جماعت کی تحریک ایسی تحریک ہے جس کی وجہ سے ہم ایک ایک فرد کی اصلاح کر سکتے

ہیں۔ اور دین کے قریب لاسکتے ہیں۔ اس کی وجہ سے ایک عام دینی بیداری پیدا ہوسکتی ہے اس کی وجہ سے نہ صرف یہ کہ مسلمانوں میں نمازیوں کی تعداد میں اضافہ ہوگا بلکہ اس کی وجہ سے پوری دینداری پیدا ہوگی۔ تاجروں اور دنیاداروں کے بچے دین سیکھیں گے۔ دنیا میں منہمک اور کاروبار میں لگے ہوئے لوگ دینی مرکزوں کی طرف آئیں گے۔ گھروں کے اندر عورتوں میں دین سے دلچسپی اور عمل کرنے کا ذوق پیدا ہوگا۔ گھروں سے باہر بازاروں اور تجارتی دفتروں بلکہ سیاسی میدانوں تک بھی دینداری کے آثار نظر آئیں گے۔ زندگیوں میں انقلاب پیدا ہوگا۔ اخلاق اسلامی ہوجائیں گے۔ چہرے، مہرے وضع قطع اسلامی ہوجائے گی۔ چہروں پر داڑھیاں، پیشانیوں پر سجدوں کے نشان، زبان پر ذکر اللہ کا تسلسل، دلوں میں خدا کا یقین اور ایمان کی دولت پیدا ہوجائے گی۔

حضرات!

آج جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ وہ بچے جو عربی مدارس میں تعلیم پاتے ہیں ان میں بھی مغربی تہذیب اور مغربی لباس کا ذوق پیدا ہو رہا ہے۔ ایسے میں اگر ان کو بھی تبلیغی تحریک میں شامل کیا جائے تو یہی بچے داعیانہ جذبے اور پورے اسلامی اخلاق کے ساتھ نمودار ہوں گے۔ اس تحریک سے کالجوں اور یونیورسٹیوں کے مغرب زدہ نوجوانوں میں اسلامی روح پیدا ہو رہی ہے، ان کے ظاہر و باطن کو بدل ڈالا۔ ان کی زندگی کی طرز بدل گیا۔ ان کے سوچنے کا ڈھنگ بدل ڈالا۔ یہاں تک کہ چند دنوں میں وہ اس بھٹی میں رہنے کے بعد کندن بنکر نکلے۔

حضرات محترم!

اب پس و پیش کرنے کا وقت نہیں۔ اٹھئے اور اس کام کے لئے نکلئے اور اس کے لئے قربانی دیجئے۔ اس کے لئے اپنے صلاحیتوں کو صرف کیجئے اور اس کے لئے اپنے آپ کو پورے طور پر آمادہ کیجئے۔ اور مکمل سپردگی کے جذبے کے ساتھ اپنے آپ کو اس کام میں لگا دیجئے۔

إِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ أَقْدَامَكُمْ ۝

والسلام علیکم و رحمۃ اللہ

مظاہر علوم سہارنپور

اور

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب مدظلہٗ

(از حضرت مولانا محمد اسعد اللہ صاحب مدظلہٗ ناظم اعلیٰ مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور)

مظاہر علوم سہارنپور جیسے مقدس دینی تعلیمی ادارے کو ۷-۸ ماہ سے اپنے چند نام نہاد طلبہ کی جس فتنہ انگیزی اور شوریدہ سری سے سابقہ ہے ناظرین الفرقان اس سے کسی درجہ میں ضرور واقف ہیں۔ اس میں بدبختی کا سب سے زیادہ سیاہ پہلو یہ ہے کہ فتنہ کا خاص ہدف حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب مدظلہٗ کی وہ ذات گرامی ہے جو حضرت مدنی اور حضرت رائے پوری (رحمۃ اللہ علیہما) کے وصال کے بعد اس محفل روحانیاں کی گویا آخری شمع اور اس طائفہ مقدسہ کی بس تنہا یادگار ہے۔

—— اسی فتنہ انگیزی کے سلسلہ میں پچھلے دنوں ایک پمفلٹ شائع کیا گیا ہے جو حضرت موصوف پر تہمت تراشیوں سے لبریز ہے، حضرت مولانا محمد اسعد اللہ صاحب کا یہ مضمون اسی کے متعلق کچھ اظہار حقائق پر مشتمل ہے۔ (ادارہ)

قریباً دو مہینہ کا عرصہ ہوا ایک مطبوعہ تحریر علم میں آئی جو کسی علیم اظہر صاحب کے نام سے شائع ہوئی تھی جنہوں نے اپنے کو انجمن "خدام المسلمین سہارنپور" کے شعبہ نشر و اشاعت کا سکریٹری ظاہر کیا ہے۔ پوری جدوجہد کے باوجود نہ تو ابتک یہاں ان علیم اظہر صاحب کا پتہ چل سکا اور نہ اس نام کی کسی انجمن کا، اس لئے غالب گمان یہ ہے کہ یہ دونوں نام فرضی ہیں واللہ اعلم —— بہرحال یہ نام فرضی ہیں یا واقعی یہ تحریر اسی شرارت اور فتنہ انگیزی کے سلسلہ کی ایک کڑی ہے جو مظاہر علوم کے خلاف آٹھ نو مہینہ سے جاری ہے۔ اس تحریر کا میرے لئے نہایت تکلیف دہ اور سخت قابل مذمت پہلو یہ ہے کہ اس میں میرے ساتھ ایک طرح کی ہمدردی ظاہر کرتے ہوئے حضرت شیخ الحدیث مدظلہٗ کی ذات گرامی پر پوری ناخدا ترسی کے ساتھ انتہائی رکیک حملے کئے گئے ہیں۔

یہ تحریر جب میرے علم میں آئی تھی تو اس کی انتہائی لغویت اور رکاکت کی وجہ سے میں نے اس کو قابل التفات بھی نہیں سمجھا تھا اور اطمینان تھا کہ جو لوگ مظاہر علوم اور حضرت شیخ مدظلہٗ کے بارے میں کچھ بھی جانتے ہیں ان پر اس کا ذرہ برابر بھی اثر نہ ہوگا بلکہ انشاء اللہ ان کی ہمدردی اور تعلق میں اور اضافہ ہوگا، اور الحمدللہ یہی ہوا، بہت سے مقامات کے مخلصین نے از خود مدرسہ کو اطلاع دی کہ اس تحریر کو پڑھ کر ہمیں مدرسہ سے اور زیادہ ہمدردی پیدا ہوئی۔ لیکن بعض خطوط سے معلوم ہوا کہ یہ تحریر بہت سے ایسے حلقوں میں بھی خاص کوشش سے پہونچائی گئی ہے جو مدرسہ کے حالات سے اور حضرت شیخ الحدیث مدظلہٗ کی ذات سے واقف نہیں، چونکہ ایسے لوگ غلط فہمی میں مبتلا ہو سکتے ہیں اس لئے مظاہر علوم اور حضرت شیخ الحدیث مدظلہٗ کے تعلق کے بارے میں آج میں کچھ باتیں سپرد قلم کرتا ہوں۔ مجھے معلوم ہے کہ ان باتوں کا اظہار اور ان کی اس طرح اشاعت حضرت شیخ الحدیث کے لئے گرانی کا باعث ہوگی، لیکن امید ہے کہ ضرورت کے پیش نظر وہ مجھے معذور قرار دینگے

(۱) ہندوستان کے علمی اور دینی حلقے واقف ہیں کہ حضرت شیخ الحدیث مدظلہٗ اپنے علمی تبحر اور زہد و تقویٰ کے لحاظ سے ہمارے اس دور میں بقیۃ السلف اور عالم اسلام کی ممتاز شخصیتوں میں سے ہیں آپ کی علمی تصانیف خاصکر شروح حدیث

حجاز اور دوسرے ممالک اسلامیہ میں بھی مقبول و معروف ہیں۔ مظاہر علوم کی یہ خوش قسمتی ہے کہ قریباً پچاس سال سے بغیر کسی معاوضہ و تنخواہ کے آپ اس میں تدریسی خدمت انجام دے رہے ہیں، فن حدیث کی سب سے بلند پایہ کتاب بخاری شریف کا درس عرصہ سے آپ ہی دیتے ہیں۔

(۲) ہندوستان کی بلکہ اب عالم اسلامی کی عظیم ترین اور وسیع ترین دینی تحریک جو تبلیغ کے نام سے معروف ہے اور حضرت مولانا محمد یوسف صاحب اس کے روحِ رواں ہیں، حضرت شیخ الحدیث مدظلہٗ اس دینی تحریک کے اور اس کے خاص کارکنوں کے گویا روحانی سرپرست ہیں اس تعلق کی وجہ سے ہندوستان اور بیرون ہند کے وسیع ترین تبلیغی حلقہ کی خاص ہمدردیاں مظاہر علوم کو حاصل ہیں اور اسی سلسلہ سے ہند و بیرون ہند کی وہ ممتاز اور صاحبِ اثر شخصیتیں آئے دن مظاہر علوم میں از خود آتی رہتی ہیں جنکو بلا کر مظاہر علوم دکھانا اور ان کی ہمدردیاں حاصل کرنا کسی کے بس کی بات نہ تھی۔

(۳) بہت سے حضرات محض حضرت شیخ کے تعلق کی بنا پر بڑی بڑی رقمیں مدرسہ میں بھیجتے ہیں اور لکھ دیتے ہیں کہ حضرت شیخ الحدیث کے ارشاد کے مطابق اس کو کسی مصرف میں خرچ کیا جائے۔

(۴) حضرت اقدس مولانا خلیل احمد صاحب قدس سرہ کے مدینہ طیبہ تشریف لے جانے کے وقت تک دورہ حدیث کے طلبہ کی تعداد بیس بائیس تک ہوتی تھی اور اب یہ عدد گزشتہ چند سالوں میں ساٹھ ستر تک پہونچ گیا ہے، اسی طرح مدرسہ کے ہر شعبہ میں الحمد للہ کافی ترقی ہوئی ہے جس میں زیادہ تر دخل حضرت شیخ کی ذات گرامی کو ہے۔

"آمریت" کا الزام:۔ علیم اظہر صاحب کے نام سے جو تحریر شائع ہوئی تھی اس میں حضرت شیخ الحدیث مدظلہٗ پر آمریت کا الزام بھی لگایا گیا ہے اور میرے بارے میں ظاہر کیا گیا ہے کہ گویا میں شیخ کی آمریت کے سامنے معطل اور بے بس ہوں۔

جس شخص کے دل میں ذرہ برابر خدا کا خوف ہو وہ ایسی بہتان طرازی آسانی سے نہیں کر سکتا۔ واقعہ یہ ہے کہ حضرت شیخ اپنے علمی تصنیفی و اصلاحی مشاغل اور معمولات میں اس قدر مصروف اور منہمک رہتے ہیں کہ دوسرے کسی مشغلہ میں ایک منٹ صرف کرنا بھی گراں گزرتا ہے

یہاں آنے جانے والے سب ہی حضرات جانتے ہیں کہ حضرت شیخ الحدیث کی خدمت میں علماء کرام مشائخ بڑے بڑے اصحاب وجاہت اور رؤسا دور دراز سے آتے رہتے ہیں۔ لیکن ان کی وجہ سے شیخ اپنے اوقات اور معمولات میں کوئی تغیر نہیں کرتے اور نہیں چاہتے کہ کوئی ان کے اوقات اور معمولات میں مخل ہو۔ اس لئے قدرتی طور پر ان کی ذاتی خواہش یہی رہتی ہے کہ مدرسہ کے معاملات میں بھی ان کا وقت نہ لیا جائے مگر میں مدرسہ کے معاملات میں مشورہ کیلئے حسب ضرورت دوسرے اوقات میں بھی پہونچ جاتا ہوں۔ ممدوح نے بار بار اس کا اظہار فرمایا ہے کہ ہر معاملہ میں ان سے مشورہ نہ لیا جائے بلکہ صرف غیر معمولی اور اہم معاملات میں ان سے مشورہ کیا جائے لیکن میں خود اپنی افتاد طبع اور ضعف صحت کی وجہ سے اور شیخ کی اصابت رائے پر اعتماد کی وجہ سے بسا اوقات ان امور میں بھی ان سے مشورہ کرتا ہوں جن میں وہ نہیں چاہتے کہ ان سے مشورہ کیا جائے۔ اور قریب قریب یہی طرز عمل حضرت مولانا حافظ عبداللطیف صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا اپنے دور نظامت میں تھا وہ بھی حضرت شیخ کی اصابت رائے پر اعتماد کی وجہ سے مدرسہ کی جزئیات میں بھی حضرت شیخ سے مشورہ فرمایا کرتے تھے۔

یہ ہے حقیقت شیخ کی "آمریت" کی۔ افسوس کتنے نا خدا ترس ہیں وہ لوگ جو ان پر آمریت کا الزام لگاتے ہیں اور اس کے لئے افسانے تراشتے ہیں۔

مظاہر علوم کی مالیات اور حضرت شیخ الحدیث مدظلہ

علیم اظہر صاحب کے نام سے شائع ہونے والی تحریر میں حضرت شیخ الحدیث کے اوپر دوسرا الزام مدرسہ پر غلبہ و تسلط اور مالکانہ تصرف کا لگایا گیا ہے، واقعہ یہ ہے کہ حضرت شیخ نے مالیات کے بارے میں جو رویہ اپنا رکھا ہے ہمارے علم میں وہ اس دور میں آپ ہی اپنی مثال ہے حضرت ممدوح تقریباً پچاس سال سے مظاہر علوم میں تدریسی خدمت انجام دے رہے ہیں۔ اس طویل عرصہ میں صرف شروع کے چند سالوں میں حضرت اقدس مولانا خلیل احمد صاحب قدس سرہ کی تعمیل حکم میں انہوں نے تنخواہ لی ہے جس کی مجموعی مقدار دو ہزار سات سو سترہ روپے ہوتی ہے اس تنخواہ کے بارے میں اب سے دو سال پہلے ۱۲ر شوال ۹۰ھ کو حضرت موصوف نے میرے نام ایک تحریر لکھی جو اس سال کی روئداد میں شائع بھی ہو چکی ہے۔ میں اسکا

خلاصہ یہاں درج کرتا ہوں۔

" اس ناکارہ کا ہمیشہ یہ خیال رہا ہے کہ وہ تنخواہ جو اس زمانہ میں مجھے ملی تھی وہ میری حیثیتِ استعداد سے زیادہ تھی اگرچہ اس ناکارہ نے مدرسہ کے اوقات کی پابندی کا ہمیشہ بہت اہتمام کیا اور شدید امراض میں بھی رخصت بیماری بہت کم لی لیکن اکابر کے جو واقعات مدرسہ کی تنخواہ اور تحفظ اوقات مدرسہ کے دیکھتا اور سنتا رہا ہوں وہ بہت شدید ہیں، میں نے سنا ہے کہ مولانا محمد مظہر صاحب نور اللہ مرقدہٗ کا معمول تھا کہ مدرسہ کے اوقات میں اگر کوئی ذاتی مہمان آجاتا اور اس سے مزاج پرسی وغیرہ میں چند منٹ خرچ ہو جاتے تو ان کو اسی وقت یادداشت میں لکھ لیتے، اور مہینے کے ختم پر ایسے سب منٹ جمع فرما کر اتنے وقت کی تنخواہ وضع کرا لیا کرتے تھے۔ میں نے اپنے والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا ہے کہ سردی کے موسم میں مدرسہ کے حمام کے سامنے اپنا سالن رکھوا دیتے جو صرف دور کی تپش سے ہی گرم ہو جاتا تھا اس کے معاوضہ میں وہ سردی کے اختتام پر دو چار روپے چندہ کے نام سے مدرسہ میں داخل فرمایا کرتے تھے، ایسے ہی واقعات کی بناء پر میرے دل میں تنخواہ کے واپس کرنے کا داعیہ عرصۂ دراز سے پیدا ہوتا رہا۔ مگر بعض مصالح اس پر عمل پیرا ہونے سے مانع رہے تاہم مندرجہ بالا مقدار میں سے تقریباً ایک ہزار روپیہ جس میں مجھے خصوصی اشکال تھا وہ ۱۳۴۵ھ میں واپس کر چکا ہوں اور وہ اسی سال کی روئداد میں مفصل شائع ہو چکا ہے بقیہ رقم ایک ہزار سات سو سترہ روپے کی واپسی کی پیش کش اس وقت کرتا ہوں اس طرح پر کہ مبلغ پانچسو سترہ روپیہ نقد ارسالِ خدمت ہیں اور بقیہ بارہ سو کی ادائیگی بیس روپے ماہوار کے حساب سے ادا کرتا رہوں گا اگر (خدا نخواستہ) اس دوران میں میرا انتقال ہو جائے تو

اس وقت جو باقی رہ جائے اس کی وصیت کرتا ہوں، بندہ کے کتب خانہ
سے وصول کرلیا جائے۔"

حضرت شیخ مدظلہٗ کی اس تحریر کو اس وقت پورے دو سال ہو چکے ہیں اور اس دوران میں بالاقساط مبلغ صہ۵۲۰ ادا ہو چکے ہیں۔

اس سلسلہ میں حضرت شیخ کا ایک قدیم معمول معلوم کر کے ناظرین کو حیرت ہوگی، اگر کبھی مدرسہ کے کسی ملازم سے غفلت یا تساہل کی بناء پر کوئی مالی نقصان مدرسہ کا ہو جائے تو حضرت شیخ بسا اوقات وہ رقم بذاتِ خود ادا کر دیتے ہیں اور بعض اوقات بعض دوسرے مخلص احباب کو بھی اپنے ساتھ شریک فرما لیتے ہیں اور اس طرح مدرسہ کو نقصان سے اور اس بیچارے ملازم کو زیر بار سے بچا لیتے ہیں، ایسے واقعات بار بار پیش آئے ہیں اور ایک مرتبہ تو اس قسم کی ایک بہت بڑی رقم حضرت ممدوح نے بذاتِ خود ادا کی ہے۔

اور یہ تو لوگوں کو عام طور سے معلوم ہے کہ مدرسہ کے تمام مہمانوں کے کھانے اور چائے ناشتہ کا خرچ حضرت ممدوح نے عرصہ سے اپنے ذمہ لے رکھا ہے، یہاں تک کہ جو طالب علم مدرسہ میں داخلہ کے لئے باہر سے آتے ہیں جبتک مدرسہ میں ان کے کھانے کا باقاعدہ انتظام ہو بسا اوقات وہ بھی شیخ کے دسترخوان پر کھانا کھاتے رہتے ہیں، بلکہ بعض طلبہ جن کا کھانا ضابطہ کی رد سے مدرسہ کی طرف سے جاری نہیں ہو سکتا وہ مدرسہ میں پڑھتے ہیں اور کھانا مستقلاً حضرت شیخ الحدیث صاحب کے ہاں کھاتے رہتے ہیں، اس طرح بلا مبالغہ حضرت شیخ الحدیث ہزاروں روپیہ سالانہ مدرسہ اور متعلقین مدرسہ پر خرچ کرتے ہیں۔ کس قدر ظلم و ناانصافی کی بات ہے کہ اللہ کے ایسے بندہ کے بارے میں مدرسہ پر مالکانہ تصرف کا الزام لگایا جائے۔

اس تحریر میں حضرت شیخ الحدیث مدظلہٗ پر ایک الزام یہ بھی لگایا گیا ہے کہ وہ مدرسہ پر اپنا اقتدار اور تسلط قائم کرنے اور رکھنے کی تدبیریں کرتے ہیں۔ یہ بات واقعہ کے خلاف اور دروغ محض ہونے کے علاوہ حضرت کے مزاج و مذاق اور طبیعت کے بھی خلاف ہے ان کا حال تو یہ ہے کہ حضرت اقدس مولانا خلیل احمد صاحب قدس سرہ کے زمانہ میں ایک دفعہ ایک صاحب نے حضرت قدس سرہ سے عرض کیا کہ فلاں صاحب کا خیال ہے کہ مولانا محمد زکریا صاحب

مظاہر علوم میں فلاں عہدہ کے خواہشمند ہیں، حضرت نے فرمایا وہ اسے کیا جانیں میں جانتا ہوں اسکو تو اگر نظامت دی بھی جائے گی، جب بھی وہ نہیں لے گا۔ اور بعد کے واقعات نے حضرت قدس سرہ کی اس فراست کی پوری تصدیق کی، چنانچہ ایک مرتبہ حضرت مولانا عاشق الٰہی صاحب مولانا رحیم بخش صاحب اور حاجی شیخ رشید احمد صاحب رحمہم اللہ نے اپنی سرپرستی کے زمانہ میں تجویز کیا کہ حضرت مولانا حافظ عبداللطیف صاحبؒ (سابق ناظم مظاہر علوم) کو صرف ناظم مالیات رکھا جائے اور شیخ الحدیث صاحب کو ناظم عمومی قرار دیا جائے، کسی طرح اس تجویز کا علم شیخ الحدیث صاحب کو بھی ہوگیا تو آپ نے ان سرپرست حضرات کو لکھا کہ اگر ایسا کیا گیا تو بندہ سہارنپور ہی چھوڑ دے گا پھر آپ حضرات ڈھونڈتے ہی پھریں گے کہ زکریا نام کا ایک شخص تھا۔

یہ تو پچھلے واقعات ہیں، جب سے نظامت کی ذمہ داری میرے سپرد کی گئی ہے اس وقت سے برابر خود مجھے یہ پیش آرہا ہے کہ میں اپنے ضعف صحت اور افتاد طبع کی وجہ سے مدرسہ کے اکثر معاملات میں حضرت شیخ سے مشورہ چاہتا ہوں اور آپ کی برابر یہی خواہش ہوتی ہے کہ آپ سے کم سے کم اور صرف اہم معاملات میں مشورہ کیا جائے۔ اللہ کے کسی ایسے بندہ پر اقتدار پسندی کا الزام لگانا کس قدر ظلم کی بات ہے۔ اس کے علاوہ یہ بھی تو سوچنا چاہیئے کہ مظاہر علوم جیسے کسی دینی ادارہ پر اقتدار کی خواہش یا تو مالی منفعت کے لئے ہوسکتی ہے یا حصول وجاہت کے لئے مالی استحصال کا حال تو معلوم ہو چکا کہ قریباً پچاس برس سے بلا معاوضہ تدریس کی خدمت انجام دے رہے ہیں اور ہزاروں روپیہ سالانہ خود اپنی ذات سے مدرسہ پر صرف فرماتے ہیں اور وجاہت کا معاملہ بھی یہ ہے کہ جو شخص مظاہر علوم کے اور حضرت شیخ الحدیث کے حالات سے کچھ بھی باخبر ہے وہ جانتا ہے کہ اس وقت حضرت ممدوح کی نسبت سے مدرسہ کی عظمت اور اس کا اعتماد بڑھ رہا ہے مدرسہ کی وجہ سے حضرت کی شان میں کوئی اضافہ نہیں ہورہا۔

خویش نوازی کا الزام

(الف) ایک بات اس مطبوعہ تحریر میں یہ بھی کہی گئی ہے کہ شیخ الحدیث نے اپنے اثر اقتدار سے کام لیکر اپنے ہی لوگوں کو مدرسہ کا سرپرست بنا رکھا ہے اور ملازمین میں بھی اپنوں ہی

کی بھرتی کر رکھی ہے ــــ بے شک یہ واقعہ ہے اور قابل شکر اور موجب اطمینان واقعہ ہے کہ مدرسہ کے تمام سرپرست حضرات حضرت شیخ الحدیث مدظلہٗ سے عقیدت اور محبت کا تعلق رکھتے ہیں۔ ایسا تعلق جو خونی رشتوں کے تعلق سے بھی بالاتر ہے ــــ لیکن یہ بات جو اس تحریر میں ظاہر کی گئی ہے کہ حضرت شیخ الحدیث نے اپنے اقتدار کے تحفظ کے لئے ان کو سرپرست بنوایا ہے اس کی غلطی معلوم کرنے کے لئے صرف اتنا جان لینا کافی ہے کہ حضرت شیخ الحدیث کے علاوہ مدرسہ کے جتنے سرپرست ہیں وہ سب حضرت شیخ الحدیث کے دور سرپرستی سے پہلے سے سرپرست ہیں سنہ وار تفصیل یہ ہے۔

(۱-۲) میر آل علی صاحب اور مولانا اکرام الحسن صاحب اب سے ۲۲ سال پہلے شوال سنہ ۱۳۷۱ھ میں سرپرست بنائے گئے۔

(۳-۴-۵) حاجی محمد نسیم صاحب، مولانا حکیم محمد ایوب صاحب، اور شاہ محمد مسعود صاحب اب سے گیارہ سال پہلے ذی قعدہ سنہ ۱۳۸۲ھ میں سرپرست تجویز کئے گئے۔

(۶) پھر اس کے دو سال بعد ذی الحجہ سنہ ۱۳۸۴ھ میں حضرت شیخ الحدیث مدظلہٗ کو سرپرست تجویز کیا گیا۔

اس تفصیل سے ظاہر ہے کہ موجودہ سرپرستوں کو حضرت شیخ نے سرپرست نہیں بنایا یا بنوایا بلکہ ان سرپرستوں نے حضرت شیخ الحدیث کو سرپرست بنایا ہے۔

اور اب حال میں حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوری قدس سرہ کی جگہ حضرت مولانا محمد یوسف صاحب مدظلہٗ کو سرپرست تجویز کیا گیا ہے، کیا مظاہر علوم کے لئے ان سے بلند مرتبہ اور ان سے زیادہ مفید و بابرکت سرپرست کوئی تجویز کیا جا سکتا ہے؟

(ب) اسی طرح مدرسہ کے اساتذہ اور کارپردازوں میں اکثر و بیشتر وہی ہیں جو حضرت شیخ الحدیث مدظلہٗ سے عقیدت و نیاز کیشی کا تعلق رکھتے ہیں بلکہ ان کو حضرت سے علمی استفادہ و تلمذ کا شرف بھی حاصل ہے۔ اور اس معنیٰ کر یہ سب کے سب حضرت کے نیازمند ہیں اور یہ کوئی نئی اور عجیب بات نہیں، دینی اداروں میں ہمیشہ سے یہی ہوتا ہے کہ ان کے خدام اور متعلقین بڑے ان اکابر کے نیازمند اور حلقہ بگوش ہوتے ہیں جنکو وہ اللہ تعالیٰ کے فضل خاص کا مورد

سمجھتے ہیں، حضرت اقدس مولانا خلیل احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے دور میں بھی یہی تھا اور اب بھی یہی ہے اور اسی میں ان مدارس کی خیر ہے۔ بیشک ان میں ایک دو حضرت شیخ مدظلہ کے اور بعض دوسرے اکابر کے قرابت دار بھی ہیں، لیکن ان میں ایک بھی ایسا نہیں ہے جس کو نااہلیت کے باوجود محض قرابتداری کی وجہ سے لیا گیا ہو یا اس قرابت داری کی وجہ سے جس کے ساتھ کوئی خاص رعایت کی گئی ہو، خاص کر حضرت شیخ الحدیث اپنے اہل قرابت اور اہل تعلق کے معاملہ میں سب سے زیادہ سخت اور بے لاگ ہیں۔ اور اسکی وجہ سے اُنکے قرابتدار خسارہ میں رہتے ہیں۔

(ج) آخری بات اس سلسلہ میں یہ بھی عرض کرتا ہوں کہ حضرت اقدس حضرت مولانا خلیل احمد صاحب قدس سرہ اور ان کے بعد حضرت مولانا حافظ عبداللطیف صاحبؒ کے دورِ نظامت میں بھی اہلیت اور صلاحیت کی بناء پر اُن کے اور دوسرے اکابر واساتذہ کے اہلِ قرابت مدرسہ میں رکھے جاتے تھے اور صرف قرابت داری کے جرم میں اُن کو نا قابلِ خدمت نہیں سمجھا جاتا تھا۔

اگر کوئی معلوم کرنا چاہے تو نام بنام بتایا جا سکتا ہے ــــ جو لوگ نادانی سے اس پر اعتراض کرتے ہیں ان کو سوچنا چاہیئے کہ ان کی یہ بات کتنی دور تک جاتی ہے، کون نہیں جانتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلے دونوں خلیفہ آپ کے خسر اور بعد کے دونوں خلیفہ آپ کے داماد تھے ــــ اصل معیار اہلیت وصلاحیت ہے، اور خاص کر حضرت شیخ الحدیث اس کے قطعاً روادار نہیں ہیں کہ ان کے کسی قرابت دار یا متعلق کو ان کے تعلق وقرابت کی وجہ سے مدرسہ میں لیا جائے بلکہ وہ اس معاملہ میں دوسروں سے زیادہ متشدد ہیں۔

افسوس ہے کہ آج وہ باتیں لکھنی پڑیں جو کسی طرح لکھنے کی نہیں تھیں۔ آخر میں ہم اس تحریر کے شائع کرنے والے عیسیم اظہر صاحب سے اگر ان کا کوئی وجود ہے، ورنہ اس شخص یا ان اشخاص سے جو اس فرضی نام کے پس پردہ بول رہے ہیں، ازراہ خیر خواہی بس اتنا کہتے ہیں کہ اہل اللہ پر محض دنیوی اغراض یا حسد وعناد کی وجہ سے اس طرح کے الزامات لگانا خود اپنی دنیا وعقبیٰ برباد کرنا ہے۔ ان حضرات سے الجھنے والوں کا انجام کبھی اچھا نہیں دیکھا گیا، ایسے لوگوں کے لئے رسوائی اور رُوسیاہی مقدر ہے "مَنْ عَادیٰ لی وَلِیًّا فَقَدْ آذَنْتُہٗ بِالْحَرْبِ" حدیث قدسی ہے۔

؎ بس تجربہ کردیم دریں دار مکافات
با دردکشاں ہر کہ درآویخت برآویخت

نوٹ :- چونکہ ہر چہار سمت سے تقاضا ہو رہا تھا کہ اس پمفلٹ کے بارے میں کوئی بیان شائع کیا جائے اس لئے انتہائی عجلت میں یہ مختصر مضمون شائع کیا جارہا ہے۔ ناظرین مفصل و مکمل مضمون کا قدرے انتظار فرمائیں۔ بندہ محمد اسعد اللہ

کچھ مزید

(ناچیز مدیر الفرقان کے قلم سے)

حضرت مولانا محمد اسعد اللہ صاحب مدظلہ نے مندرجہ بالا مضمون میں کسی علیم اظہر صاحب کے فرضی نام سے شائع ہونے والی جس مطبوعہ تحریر کا ذکر کیا ہے وہ ڈاک سے دفتر الفرقان میں بھی آئی تھی، اسے پڑھ کر یہ علم اور تجربہ پھر تازہ ہوگیا تھا کہ کوئی ناخدا ترس آدمی حسد و عناد جیسی کسی نفسانی بیماری میں مبتلا ہو کر اعلیٰ سے اعلیٰ کیرکٹر اور پاکیزہ سے پاکیزہ سیرت رکھنے والے کسی بندۂ خدا کے خلاف بھی اگر پروپیگنڈا کرنے پر اتر آئے تو وہ سب کچھ کہہ سکتا ہے جو کسی بازاری آدمی کے خلاف کہا جاسکتا ہے۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا مدظلہ کے ساتھ قریباً ۴۰ سال سے اس ناچیز کو نیازمندانہ تعلق کا شرف حاصل ہے، سال میں کئی کئی دفعہ اور کبھی کبھی کئی کئی دن ان کی خدمت میں قیام کا اتفاق ہوتا ہے، یہ تو اللہ علام الغیوب ہی جانتا ہے کہ کس بندہ کا اس کے نزدیک کیا درجہ اور کیا مقام ہے لیکن ہم جیسے بندے کسی کو دیکھ اور برت کے جہاں تک جان اور سمجھ سکتے ہیں اس کی بناپر حضرت ممدوح کو ہم اللہ کے خاص الخاص بندوں میں سے یقین کرتے ہیں اور اپنے عالی مقام اکابر خاصکر مخدومنا حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رائپوریؒ، حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ، حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کاندھلوی (قدس اللہ اسرارہم) کو ہم نے دیکھا کہ حضرت ممدوح کے بارے میں وہ برملا اسی رائے کا اظہار فرماتے تھے۔

اب سے دو، تین سال پہلے ایک دفعہ اس ناچیز نے ارادہ کیا کہ حضرت ممدوح کے بارے میں اپنے کچھ معلومات الفرقان میں ظاہر کردوں۔ ایک مضمون لکھ بھی لیا لیکن اس کے بعد حضرت کے خاص مزاج و مذاق کا اندازہ کرتے ہوئے دل میں یہ اندیشہ پیدا ہوا کہ کہیں موصوف کو اس سے گرانی اور ناگواری نہ ہو اس لیئے اطلاع دے کر اجازت حاصل کرنا ضروری سمجھا، آپ نے اجازت دینے سے قطعی انکار فرمادیا اور تحریر فرمایا کہ ان باتوں کی اشاعت سے مجھے بڑی تکلیف ہوگی، مجبوراً مجھے اشاعت کا ارادہ ترک کر دینا پڑا ــــ لیکن اب جبکہ مظاہر علوم کے ناظم اعلیٰ حضرت مولانا محمد اسعد اللہ صاحب دامت فیوضہم نے دینی مصلحت اور ضرورت سمجھ کر حضرت ممدوح کے بارے میں اس قسم کی کچھ چیزیں شائع فرمادی ہیں یہ عاجز اپنے لیئے بھی اس کی گنجائش سمجھتا ہے اور صرف دو تین باتیں جن کا تعلق مظاہر علوم کے ساتھ حضرت شیخ الحدیث کے رویہ اور معاملہ ہی سے ہے یہاں اور ذکر کرنا چاہتا ہے۔

مظاہر علوم کے معاملات میں حضرت ممدوح کی "آمریت" اور "غلبہ و تسلط" کا اندازہ جن واقعات سے ہوسکتا ہے ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ عرصہ ہوا مظاہر علوم کے ایک کمرہ میں یا اس کے کتب خانہ ہی کے ایک حصہ میں، حضرت شیخ الحدیث کی کچھ کتابیں (غالباً شرح موطا امام مالک اور شرح سنن ابی داؤد) کے کچھ نسخے رکھے ہوئے تھے، مدرسہ کے سرپرستوں یعنی ارکان شوریٰ میں سے ایک صاحب (غالباً مولانا حکیم محمد ایوب صاحب) کو احساس ہوا کہ مدرسہ کی جگہ شیخ کی ذاتی کتابوں سے کیوں گھرے، انہوں نے مدرسہ کے ناظم حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب کو اس طرف توجہ دلائی، موصوف نے مناسب انداز میں (بلکہ جہانتک مجھے معلوم ہے بڑے تردد اور تذبذب کے ساتھ) حضرت شیخ الحدیث تک یہ بات پہنچائی، حضرت ممدوح نے فوراً مدرسہ کے قریب ہی ایک کمرہ کرایہ پر حاصل کیا اور دو گھنٹے میں کتابوں کا پورا اسٹاک مدرسہ کے کمرہ سے اس کمرہ میں منتقل کرادیا اور مدرسہ کی جگہ خالی کردی، حالانکہ مدرسہ کے ساتھ ممدوح کا جو تعلق ہے اور جو ان کی خدمات ہیں ان کی بنا پر مدرسہ کی تھوڑی سی جگہ کو استعمال کرنا کسی حیثیت سے بھی قابل اعتراض نہ تھا، بلکہ ممدوح اگر مدرسہ کا کوئی مستقل کمرہ اپنے استعمال میں رکھیں تو ان کو اس کا پورا حق پہنچتا ہے، ہمارے دینی مدارس میں اس کا عام رواج

بلکہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ اسی رواج عام کے مطابق ایک زمانہ تک مدرسہ کا ایک کمرہ شیخ کے استعمال میں رہا بھی ہے لیکن بعد میں آپ نے خود یہ دیکھ کر کہ طلبہ کے لئے جگہ کی قلت ہے خود ہی اس کو خالی کر دیا تھا۔

شیخ الحدیث کے والد ماجد حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہمیشہ مظاہر علوم میں بلا تنخواہ ہی درس دیتے رہے اور حدیث کی اونچی کتابیں پڑھاتے رہے، ۱۳۳۴ھ میں ان کا وصال ہوا تو حضرت مولانا خلیل احمد صاحب قدس سرہ نے ۱۳۳۵ھ میں جب کہ شیخ الحدیث نوجوان تھے پندرہ روپئے ماہوار پر بحیثیت مدرس مظاہر علوم میں ان کا تقرر کیا ابھی چند ہی مہینے گزرے تھے کہ موصوف کے قریبی رشتہ کے ایک بزرگ مولوی بدر الحسن صاحب کاندھلوی (جو ایک اچھے عہدہ پر تھے اور ان دنوں لکھنؤ رہتے تھے اور علی گڑھ کالج سے ان کو خاص دلچسپی تھی اور اس کے معاملات میں وہ بہت دخیل بھی تھے) حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحبؒ کی تعزیت ہی کے سلسلہ میں سہارنپور تشریف لائے، جب انہیں معلوم ہوا کہ ان کے ان صاحبزادہ کی تنخواہ صرف پندرہ روپے ہے اور ساتھ ہی انہوں نے ان کی علمی قابلیت کے بھی چرچے سنے تو بڑی شفقت کے ساتھ انہوں نے مشورہ دیا کہ تم مولوی فاضل کا امتحان دیدو اور مدرسہ سے رخصت لے کے صرف چھ مہینے کے لئے میرے پاس لکھنؤ آجاؤ۔ وہاں میں تمہاری انگریزی تعلیم کا کچھ انتظام کردونگا۔ اس کے بعد اگلے ہی سال علی گڑھ کالج میں دینیات کے استاذ کی حیثیت سے تمہارا تقرر ہو جائے گا اور وہاں تنخواہ تین سو سے شروع ہوگی، لیکن اس نوجوانی ہی میں اپنے شفیق بزرگ سے انہوں نے عرض کیا کہ میں تو سہارنپور ہی میں اپنے حضرت کی خدمت میں رہنا طے کر چکا ہوں، اگر یہ پندرہ بھی نہ ملیں جب بھی حضرت کو چھوڑ کے کہیں جانے کا میرا ارادہ نہیں ہے۔ مولوی بدر الحسن صاحب نے بہت سمجھایا اور آخر میں بزرگانہ طور پر خفا بھی ہوئے لیکن موصوف نے اپنا فیصلہ نہیں بدلا۔ ان کے بعد ان کے دوسرے بھائی مولوی شمس الحسن صاحب مرحوم نے بھی ان کو سمجھانا چاہا لیکن جب انہیں یہ اندازہ ہوگیا کہ یہ دوسری دنیا کے آدمی ہیں اور ان کا سوچنے کا انداز دوسرا ہے تو انہوں نے خوشی سے اپنا مشورہ واپس لے لیا

اس کے کچھ عرصہ کے بعد کرنال کے مشہور و معروف وقف سے ایک خاص تکمیلی درسگاہ کرنال ہی میں قائم ہوئی جس میں دارالعلوم دیوبند جیسے بڑے دینی مدارس کے فضلا اور کالجوں کے گریجویٹوں کو لیا جاتا تھا اور ۳ سال میں کالجوں کے گریجویٹوں کو عربی اور دینی علوم کی، اور عربی مدارس کے فضلاء کو انگریزی اور دوسرے جدید علوم و فنون کی تعلیم دی جاتی تھی اور دونوں کو معقول وظیفہ دیا جاتا تھا، حاجی سر رحیم بخش مرحوم (جو حضرت مولانا خلیل احمد صاحب قدس سرہ کے نیاز مند اور مظاہر علوم کے سرپرست بھی تھے) کرنال کی اس تکمیلی درسگاہ کے بھی سربراہوں میں سے تھے، وہ سہارنپور تشریف لائے اور شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا مد ظلہ کو جن کی عمر اس وقت ۳۰ سال کی بھی نہیں تھی اس درسگاہ کے شیخ الحدیث کی حیثیت سے لے جانا چاہا اور پانچسو روپے ماہوار کی پیشکش کی اور کہا کہ میں تو حضرت سے عرض نہیں کر سکتا تم اپنی فلاں فلاں ضرورت اور مصلحت بتا کر حضرت سے اجازت لے لو ــــ شیخ الحدیث نے ان سے فرمایا کہ اجازت لینا تو درکنار اگر حضرت جوتے مار کے بھی نکالیں گے جب بھی انہیں چھوڑ کے انشاء اللہ نہیں جاؤنگا۔

پھر ایک دفعہ "مرحوم ریاست حیدرآباد" کی طرف سے جہاں آپ کے ایک شاگرد کسی اونچے عہدہ پر پہنچ گئے تھے" بیہقی کے رجال پر کام کرنے کے لئے قیام کے واسطے سرکاری کوٹھی کے ساتھ ساڑھے سات سو روپے ماہوار کی پیشکش کی گئی ۔ آپ نے وہاں جانے سے بھی معذرت کر دی۔ پھر ملک کی تقسیم سے غالباً کچھ ہی پہلے ڈھاکہ یونیورسٹی میں شیخ الحدیث کی حیثیت سے صرف بخاری شریف کا ایک سبق پڑھانے کے لئے ساڑھے بارہ سو روپے ماہوار پر آپ کو بلایا گیا، آپ نے معذرت کر دی اور لکھ دیا کہ آپ لوگوں کو کوئی غلط فہمی ہوئی ہے میں اس حیثیت کا اور اتنا قیمتی آدمی نہیں ہوں۔

راقم سطور کو یہ واقعات اور ہم جیسوں کے لئے اس سے بھی زیادہ سبق آموز دوسرے بہت سے واقعات ذاتی طور پر معلوم ہیں بلکہ بعض ذاتی تجربے ہیں۔ یہ حقیقت بلکہ عقیدہ ہے کہ اللہ کے جس بندہ کی یہ سیرت ہو اگر وہ ہمارے کسی مدرسہ یا ادارہ کی پوری ذمہ داری اور سارے اختیارات ہاتھ میں لینے کے لئے تیار ہو سکے اور رائے اور فکر کے لحاظ سے بھی وہ اس کا اہل ہو تو بلاشبہ اس زمانہ میں وہ ادارہ اور مدرسہ بڑا ہی خوش قسمت ہوگا۔ اور ہزار کمیٹیوں سے اللہ کا ایسا ایک

بقیہ ص ۱۱۲ پر

فن حدیث کا بیش بہا تحفہ

"مُسندِ حُمَیدی"[1]

(از محمد منظور نعمانی)

کتابی شکل میں احادیث نبوی کو محفوظ کرنے کا کام اگرچہ جزئی طور پر حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص جیسے بعض صحابہ کرام نے عہد نبوی میں بھی کیا تھا، لیکن ایک باقاعدہ مہم کی طرح اس کام کا آغاز خلیفہ راشد حضرت عمر بن عبدالعزیز کے دور خلافت میں ہوا (۹۹ تا ۱۰۱ھ) انہوں نے امام زہری کو جو اس کے بہت اہل تھے اس پر لگایا اور مدینہ طیبہ کے اپنے عامل ابوبکر بن حزم کو بھی اس بارے میں خاص ذمہ داری سپرد کی، اس کے لئے انھوں نے جو خط ابوبکر بن حزم کو لکھا تھا اس کا ذکر امام بخاریؒ نے صحیح بخاری میں بھی کیا ہے۔ یہ پہلی صدی ہجری کے خاتمہ اور دوسری صدی کے آغاز کا وقت تھا، دوسری صدی میں احادیث نبوی کے بہت سے مجموعے تیار ہوئے، امام مالکؒ کی موطا جو ہمارے اس زمانہ کی بھی متداول کتب حدیث میں سے ہے اسی دور کی ہے اور گویا اس زمانہ کی تدوین وتالیف کا ایک نمونہ ہے، اسی دوسری صدی کے اواخر میں کچھ حضرات نے صحابہ کرام کی ترتیب سے بھی احادیث جمع کیں یعنی ایک ایک صحابی کی مرویات کو یکجا کر کے جمع کیا اور ایسے مجموعوں کا لقب "مسند" پڑا مسند احمد بن حنبل اور مسند ابو داؤد طیالسی، اسی قسم کے مجموعوں میں سے ہیں جو مطبوع اور متداول بھی ہیں، ان کے علاوہ اور بھی بہت سی ہم کتابیں اسی نوع کی اور اسی دور کی ہیں جن کے نسخے کہیں کہیں موجود اور محفوظ ہیں، انہی میں سے ایک امام بخاریؒ کے خاص استاذ امام ابوبکر عبداللہ بن الزبیر الاسدی الحمیدی کی "مسند" ہے جس کے بارے میں مولانا عبدالرحمن صاحب مبارکپوری مرحوم کے

---

[1] ملنے کا پتہ۔ ہندوستان میں مجلس علمی سملک [illegible] ضلع سورت (گجرات) پاکستان میں، پوسٹ بکس نمبر ۱۱۸۰۰ کراچی ۲۰

مقدمۂ تحفۃ الاحوذی کے ذریعہ راقم سطور کو بھی بس اتنا معلوم تھا کہ اس کا ایک نسخہ حافظ ابن حجرؒ کے قلم کا لکھا ہوا جرمنی کے کتب خانہ میں موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ کا کتنا عظیم احسان ہے کہ وہی مسند حمیدی نہایت مفید تعلیقات اور بڑی عظیم اور عمیق فنی خدمت کے ساتھ چھپکر ہمارے ہاتھوں میں آ گئی ہے

عام ناظرین اس کتاب کی عظمت کا اندازہ اس سے کرسکتے ہیں کہ یہ امام بخاری کے استاذ حدیث کی تالیف ہے اور گویا صحیح بخاری کا ایک ماخذ ہے۔ امام بخاریؒ نے صحیح بخاری میں سب سے پہلی حدیث اپنے انہی استاد حمیدی سے روایت کی ہے گویا انہی کے نام سے روایت کی بسم اللہ کی ہے۔ امام حمیدی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان وسائط قدرتی طور پر اس سے کم ہیں جتنے کہ امام بخاری یا دوسرے اصحاب صحاح اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان ہیں اسی لئے "ثلاثیات" یعنی ایسی حدیثیں جنکی روایت امام حمیدی صرف تین واسطوں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کرتے ہیں اس کتاب میں ان کی تعداد بہ نسبت صحیح بخاری وغیرہ کے بہت زیادہ ہے۔ یہ امام حمیدی سفیان بن عیینہ جیسے جلیل القدر امام کے براہ راست شاگرد بلکہ ان کے علم کے وارث اور امین ہیں اور انہی کے حلقہ میں امام شافعیؒ جیسے جلیل القدر امام بھی ان کے شریک و رفیق رہے ہیں۔

ہمارے اس دور اور ہمارے ملک کے ناقد بصیر محدث اور جلیل القدر عالم استاذ محترم حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمی مدظلہٗ سے اہل علم تو واقف ہی ہیں لیکن الفرقان کے تو عام ناظرین بھی واقف ہوں گے، مسند حمیدی کو تصحیح اور تعلیق و تحشیہ کی خدمت کے ساتھ ممدوح ہی نے مرتب کیا۔ ممدوح کی تلاش و جستجو سے ہندوستان ہی کے کتب خانوں میں اس کے تین قلمی نسخے دریافت کئے گئے ایک دارالعلوم دیوبند کے کتب خانہ میں دوسرا حیدرآباد کے کتب خانہ سعیدیہ میں اور تیسرا عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد کے کتب خانہ میں، آپ نے ان نسخوں کا باہم مقابلہ کرکے اغلاط کی تصحیح کی امکانی کوشش فرمائی۔ اس کے بعد دمشق کے کتب خانہ ظاہریہ میں اس کے ایک اور نسخہ کا پتہ چلا اور اللہ تعالیٰ کے خاص فضل و توفیق سے کتاب کی طباعت کے دوران اس کا فوٹو بھی آپ کو حاصل ہو گیا۔ اس طرح اس نسخہ کی تیاری اور تصحیح وغیرہ میں ان چار نسخوں سے ممدوح نے کام لیا حواشی میں ان نسخوں کے باہم اختلاف کو ظاہر کر دیا گیا ہے۔ اغلاط کی تصحیح خاصکر رجال کی اغلاط کی درستی میں حدیث کی دوسری کتابوں سے بھی پورا کام لیا گیا ہے۔ کتاب کا مطالعہ کرکے فن حدیث کی نزاکتوں اور مشکلوں کے جاننے والے ہی سمجھ

سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ممدوح سے یہ کتنا عظیم کام لیا ہے اور مقدس نبوی ورثہ سے اشتغال رکھنے والوں پر ان کا یہ کتنا بڑا احسان ہے۔ ابھی کتاب کی صرف جلد اول تیار ہوئی ہے جو مع اپنی فہرستوں اور اشاریوں کے متوسط کتابی سائز کے قریباً چار سو صفحات پر ہے۔ چھپائی بہت خوبصورت ٹائپ سے ہوئی ہے اصل کتاب مسانید کے طریقہ پر صحابۂ کرام کی ترتیب پر ہے۔ شروع میں ۵ صفحے پر کتاب کی ترتیب ہی کے مطابق احادیث کی فہرست ہے اسکے بعد مضامین اور ابواب فقہ و شریعت کے حساب سے ایک مفصل فہرست پورے ۲۰ صفحے پر ہے۔ اس کے بعد ۹ صفحے پر اعلام اور امکنہ کی فہرست ہے، اسکے بعد ۲۴ صفحے پر حضرت مولانا اعظمی مدظلہ کا مقدمہ ہے، اس کے بعد اصل کتاب یعنی (مسند حمیدی جلد اول) کے ۲۶۶ صفحات ہیں، اس کے بعد فنون حدیث ہی کی ۵۰ سے اوپر ان کتابوں کی فہرست ہے جن سے تعلیق و تحشیہ میں کسی قسم کا استفادہ کیا گیا ہے، اسکے بعد پورے ۱۲ صفحے پر استدراکات اور تعقیبات ہیں، پھر سب سے آخر میں پورے ۲۲ صفحے پر مطبعی اغلاط کی تصحیحات ہیں۔ دوسری جلد بھی چھپ رہی ہے اور امید ہے کہ انشاء اللہ ۳۔۴ مہینے میں وہ بھی مکمل ہو کر ہمارے ہاتھوں میں آجائے گی۔

یہ بات ذکر سے رہ گئی کہ اسکی طباعت و اشاعت کا سارا اہتمام اور اس سلسلہ کے تمام مصارف کا تکفل مجلس علمی سملک ڈابھیل (ضلع سورت) نے کیا ہے جو غیر منقسم ہندوستان کا معروف علمی ادارہ ہے۔ اور تقسیم کے بعد جس کی ایک شاخ کراچی میں بھی قائم ہو گئی ہے اور جس کے بانی اور سرپرست ہمارے دوست الحاج مولانا محمد بن موسیٰ میاں سملکی (مقیم جوہانسبرگ، ٹرانسوال) ہیں۔

ناظرین کو ہمیں یہ خوشخبری سنانے کو بھی جی چاہتا ہے کہ حضرت مولانا اعظمی مدظلہ مسند حمیدی کے کام سے فارغ ہونے کے بعد اب "مصنف عبدالرزاق" کی تصحیح اور اس پر تعلیق و تحشیہ کا کام بھی اسی انداز میں کر رہے ہیں، بلکہ قریباً ایک چوتھائی کام کر بھی چکے ہیں۔ "مصنف عبدالرزاق" کے بارہ میں سنا تو پہلے بھی تھا کہ وہ احادیث و آثار کی قدیم تالیفات میں بے نظیر خزانہ ہے۔ لیکن جو حصہ مولانا تیار فرما چکے ہیں گزشتہ ہی ہفتہ میں ان کی خدمت میں حاضری کے موقعہ پر اس کو دیکھ کر اندازہ ہوا کہ ہمارے کتب خانوں میں اس کا نہ ہونا بہت ہی بڑا خلا ہے۔ بہت کچھ سننے کے باوجود اس کی عظمت و افادیت کا یہ اندازہ بالکل نہیں تھا، پھر حضرت ممدوح اس کا تحشیہ اس طرح کر رہے ہیں کہ مصنف ابن ابی شیبہ کا کافی مواد بھی اس کے حواشی اور تعلیقات میں آجائے گا ـــ مصنف عبدالرزاق بجائے خود بہت ضخیم کتاب بلکہ کہنا چاہیے کہ احادیث و آثار کا نہایت

وسیع دفتر ہے، چار ضخیم جلدیں ہیں اور اس کا صرف ایک عکسی نسخہ ہے جس سے مولانا سارا کام کر رہے ہیں۔ پھر اسی کے ساتھ مولانا کی یہ کوشش ہے کہ اس کی تعلیقات میں مصنف ابن ابی شیبہ کو بھی کسی طرح سمیٹ لیں۔ یہ اتنا وسیع اور عظیم کام ہے جس کے لیے معاونین کا ایک عملہ درکار ہے۔ لیکن جہاں تک میں نے محسوس کیا مولانا خود ہی سارا کام کر رہے ہیں ... ہمارے عرض کیا کم از کم دو رفیق اس کام کے سلسلہ میں اور ساتھ لے لیجئے، فرمایا کیا کیا جائے جو کام آ سکتے ہیں وہ مشغول ہیں اور مل نہیں سکتے اور جو مل سکتے ہیں ان سے کچھ کام نہیں چلتا ۔۔

مصنف عبدالرزاق کا یہ کام بھی مجلس علمی ہی کی طرف سے ہو رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کو پایۂ تکمیل تک پہونچائے اور جلد ہی وہ دن لائے جب مسند حمیدی کی طرح وہ بھی چھپ کر ہمارے حدیثی کتب خانہ کی کمی کو پورا کرے۔

ص ۱۱۰ کا بقیہ

بندہ ہزار درجہ بہتر رہے گا ـــــ لیکن حضرت شیخ الحدیث مدظلہٗ کا حال تو جیسا کہ حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب نے تحریر فرمایا ہے یہ ہے کہ ایک دفعہ جب مظاہر علوم کے سرپرستوں نے جو ان کے بزرگ بھی تھے ان کو مظاہر علوم کا ناظم عمومی بنانا تجویز کیا تو انہوں نے کہہ دیا کہ اگر آپ نے ایسا فیصلہ کیا تو میں سہارنپور ہی چھوڑ دونگا ـــــ اور خود ہم نے اس دور میں بھی بار بار دیکھا ہے۔ کہ آپ کی خواہش اور کوشش یہی رہتی ہے کہ مدرسہ کے معاملات میں آپ سے مشورہ بھی صرف بقدر ضرورت اور بس اہم معاملات ہی میں کیا جائے۔ سبحان اللہ العظیم، اللہ کے ایسے بندے پر بھی آمریت اور تسلط و اقتدار کی خواہش کی تہمت لگانا کتنی بڑی دناءت اور سیاہ بختی ہے۔

وسیعلم الذین ظلموا ایّ منقلبٍ ینقلبون ٥

تعارف و تبصرہ

[تقریباً سال بھر ہوتا ہے جب یہ فیصلہ کیا گیا تھا کہ تعارف و تبصرہ کا باب آئندہ سے بند کر دینا ہے، اور اس کا اعلان بھی کر دیا گیا تھا، مگر اس شرط کے ساتھ کہ جو کتابیں دفتر میں آ چکی ہیں ان پر تبصرہ نکل جائے ـــــ لیکن افسوس ہے کہ جن حالات کے پیش نظر یہ فیصلہ کیا گیا تھا انھوں نے اس شرط کو پورا کرنے کا موقع نہ دیا اور تبصرے کا سلسلہ یکایک بند ہو گیا۔ سال بھر کی مدت خود بھی بہت زیادہ ہے چہ جائیکہ جو کتابیں اس وقت تبصرہ کے لیے جمع تھیں اُن میں سے بعض کو آئے ہوئے اس وقت بھی کم و بیش اتنی ہی مدت ہو چکی تھی اور اس طرح اب ان میں سے بہت سیوں پر تبصرہ بعد از وقت ہو گا۔ تاہم اس اعلان کے وقت تک کی موصول شدہ کتابوں پر تبصرہ ہمارے ذمہ ایک قرض ہے جس سے سبکدوش ہونے کے لیے یہ سلسلہ پھر بحال کیا جا رہا ہے۔ اور اسی کے ساتھ پھر اس اعلان کا اعادہ کرنا ہے کہ جن حضرات نے ہمارے اس اعلان کے باوجود تبصرہ کے لیے کتابیں بھیجی ہیں یا اب بھیجیں گے ان پر تبصرہ کی ذمہ داری نہیں ہو گی ـــــــــــ ادارہ]

درس قرآن جلد سوم

ناشر: ادارۂ اصلاح و تبلیغ، آسٹریلین بلڈنگس، لاہور
ہدیہ دس روپے (مجلد)

اس سلسلہ کی دو جلدوں پر پہلے تبصرہ ہو چکا ہے، یہ تیسری جلد بھی (جو سورۂ یونس سے سورۂ نحل تک پونے چار پاروں پر مشتمل ہے) بالکل اسی انداز پر ہے کہ ہر صفحہ گویا ایک دن کا ایک سبق۔ ایک دو آیتوں کو لے کر پہلے ان کے ہر ہر لفظ کا الگ الگ ترجمہ، پھر

پوری آیت کا لفظی ترجمہ اور اس کے بعد تذکیری انداز میں آیات کے خاص مضمون اور مقصود کی تشریح۔ عوام کے لیے قرآن سے نصیحت حاصل کرنے اور بقدر ضرورت اسے سمجھنے کا ایک بڑا اچھا ذریعہ ہے۔ ہندستان کے جو شائقین پاکستان سے براہ راست منگانے کا ذریعہ نہ رکھتے ہوں وہ کتب خانہ الفرقان لکھنؤ سے براہ راست یا اس کے ذریعہ سے قیمت ادا کر کے منگا سکتے ہیں۔

انوار الباری

از مولانا سید احمد رضا صاحب بجنوری ، ناشر: مکتبۂ ناشر العلوم دیوبند
صفحات ۲۴۰ ، بڑا سائز ، قیمت ۸/۳۔

مولانا سید احمد رضا صاحب حضرت علامہ انور شاہ صاحبؒ کے شاگرد ہیں۔ انوار الباری کے نام سے صحیح بخاری کی اردو شرح کے طور پر حضرت شاہ صاحبؒ کے درسی اور غیر درسی افادات خصوصیت سے (اور عموماً دوسرے اکابر دیوبند کے افادات) پیش کرنا چاہتے ہیں، پیش نظر جزء اصل کتاب کا مقدمہ ہے جو مزید ایک جزء میں تمام ہوگا۔

کسی کتاب کے مقدمہ سے جو تصور ذہن میں آتا ہے اس لحاظ سے یہ مقدمہ صرف نام ہی کو ہے، اصلاً اسے ایک مستقل کتاب کہنا چاہیے جس میں عموماً ہر دور کے اکابر محدثین کا اور خصوصاً محدثین احناف کا تذکرہ اور ان کے محدثانہ پایہ کا اظہار مقصود ہے کتاب کے مطالعہ سے حنفیت میں شدید غلو کا احساس ہوتا ہے جس نے کتاب میں علمی اور تحقیقی کاوش سے زیادہ حنفی مکتب خیال کی ایک مجادلانہ اور مخاصمانہ خدمت کا انداز پیدا کر دیا ہے۔ حنفیہ کو محدثین کے زمرہ سے باہر رکھنے اور مذہب حنفی کو حدیث وسنت کی تائید سے تہی دامن ثابت کرنے کی جو کوششیں ہوتی رہی ہیں یہ کتاب اُس کے شدید ردعمل کا مرقع ہے، ہمیں افسوس ہے کہ ہم حنفیت اور دیوبند سے انتساب کے باوجود اس کی تحسین نہیں کر سکتے۔ اور جہاں تک ہم جانتے ہیں حنفیت اور حنفیہ کا ایسا مفرطانہ اور جارحانہ دفاع اکابر و مشائخ دیوبند کا مذاق نہیں، خصوصاً شرح بخاری کی سعادت حاصل کرتے ہوئے امام بخاری کی تنقیص یوں بھی کوئی خوبصورت بات نظر نہیں آتی۔

امام بخاری نے اگر حنفیہ پر ظلم کیا ہے اور وہ قابل برداشت نہیں تو پھر اُن کی کتاب

کے درس و تدریس اور شرح و تشریح کو چھوڑ دیئیے اور کوئی دوسری کتاب اپنا لیئیے، لیکن اگر اس کتاب سے مفر نہیں تو پھر امام بخاری کے اس مرتبہ کا پاس لازمی ہے جو اُن کی کتاب کو اصح الکتب بعد کتاب اللہ کہہ کر قبول کیے جانے سے لازماً قائم ہوتا ہے۔

کتابوں کی کثرت کی وجہ سے ہم تبصرے بہت مختصر کرنا چاہتے ہیں، لیکن یہاں اتنی بات اور لکھنے کو جی چاہتا ہے کہ کم از کم اب زمانہ نہیں رہا ہے کہ کتب حدیث کے درس و شرح کو فقہی اختلافات اور گروہی نزاعات کا اکھاڑا بنایا جائے، اب اس معاملہ میں بڑی تبدیلی کی ضرورت ہے، خصوصاً اس سلسلہ کی جو کتابیں اردو میں شائع کی جائیں، وہ چونکہ ہر کس و ناکس کے مطالعہ میں آسکتی ہیں اس لیے ان میں تو عوام کی مصالح کا لحاظ کر کے گروہ بندانہ انداز سے سخت اجتناب کی ضرورت ہے۔

ایضاح البخاری

از افادات مولانا سید فخر الدین صاحب شیخ الحدیث دیوبند مرتبہ مولوی ریاست علی صاحب بجنوری، صفحات ۱۹۴، کاغذ عمدہ، قیمت ۲/۲۵ - ناشر:- مکتبہ مجلس قاسم المعارف، دیوبند۔

حضرت مولانا سید فخر الدین صاحب مدظلہ، سابق شیخ الحدیث مدرسہ شاہی مرادآباد حدیث کے بلند پایہ اساتذہ میں ہیں۔ اپنے وقت کے نامور اساتذہ سے انھوں نے یہ علم شریف حاصل کیا ہے، پھر پوری عمر اسی کی تعلیم و تدریس میں گزری، حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کے بعد سے دارالعلوم دیوبند کی شیخ الحدیثی کے منصب پر فائز ہیں۔ ہندوستان کے ایک عالم کے لیے اس فن میں کامل ہونے کی اس سے زیادہ اور کیا سند ہو سکتی ہے۔ لیکن راقم سطور کو خود بھی مدرسہ شاہی میں تقریباً دو ماہ آپ کے درس بخاری میں سماعت کا اتفاق ہوا ہے۔ دیوبند کا طالب علم ہونے کے باوجود ان دو ماہ کا تاثر بڑا گہرا ہے۔ اور اپنے فن میں آپ کے کمال کا جو نقش قائم ہوا تھا وہ آج تک قائم ہے۔

دیوبند کے بہت سے طلبہ اساتذۂ حدیث کی درسی تقریروں کو لفظ بلفظ قلمبند کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور اس سے ان کو بڑا علمی فائدہ ہوتا ہے۔ بلکہ تدریس کی لائن میں جانے والوں کے لیے یہ تقریریں بڑا قیمتی سرمایہ بھی ثابت ہوتی ہیں۔ حضرت مولانا فخر الدین صاحب کے

دیوبند کی شیخ الحدیثی کے اس دور کے ایک طالب علم مولوی ریاست علی صاحب نے اپنی قلم بند کردہ تقریر افادۂ عام کی غرض سے شائع بھی کرنے کا اہتمام کیا ہے، تقریباً دو سال ہوگئے جب اس کے پہلے دو جزء تبصرہ کے لیے ہمارے پاس آئے تھے۔ اس دوران میں غالباً مزید کافی اجزاء نکل چکے ہوں گے۔ اردو میں درسی تقریروں کی اس کتابی اشاعت میں تو ہمیں کلام ہے کہ اس سے آئندہ طلباء کی استعداد کو بھی نقصان پہونچ سکتا ہے اور درس میں حاضری سے بے نیازی اور سہل انگاری بھی پیدا ہو سکتی ہے۔ لیکن اس سے قطع نظر تقریر بڑے سلیقہ اور محنت سے مرتب کی گئی ہے۔ اب تقریر کا بڑا حصہ تیار ہو چکا ہوگا ورنہ ہم مشورہ دیتے کہ ابتدائی مسوّدہ میں جو کچھ قلم بند کر لیا گیا تھا اس کو لفظ بلفظ شائع کرنے کی پابندی نہ کی جائے تو اچھا ہے۔ دوران تقریر میں استاذ کی زبان پر بعض ایسی باتیں بھی آجاتی ہیں جن کا درس کے مضامین سے کوئی خاص تعلق نہیں ہوتا، ایسی باتوں کو حلقۂ درس ہی تک محدود رہنا چاہیے۔ مثلاً جزء دوم میں صفحہ ۲۰۹ پر "گڑ کی ڈلی" کا نسخہ۔

مدرسہ شاہی میں حضرت مولانا کے درس میں سماعت کا جو اتفاق ہمیں ہوا تھا اس میں مولانا کے درس کی جو مفید خصوصیت سامنے آئی تھی وہ یہ تھی کہ مولانا کی تقریر نہایت جچی تلی اور حشو و زوائد سے پاک ہوتی تھی۔ کسی اشکال کی توجیہ اور حدیث کی تاویل میں شارحین نے دس کچی پکی باتیں لکھی ہیں تو مولانا رطب و یابس کے اس سارے مجموعے سے تعرض کرنے کے بجائے صرف پکی باتیں بیان فرماتے تھے۔ اس تقریر میں مولانا کا رنگ ہمیں کچھ بدلا ہوا نظر آتا ہے۔ شاید دیوبند کے ماحول اور وہاں کے درسی مزاج کی رعایت کا اثر ہے۔ ہماری ناقص رائے میں حضرت مولانا اگر اپنے خصوصی رنگ پر قائم رہتے تو یہ طلبہ کے لیے زیادہ مفید ہوتا اور اُن کے دور کا یہ بڑا اہم کارنامہ ہوتا کہ دیوبند میں درسی تقریروں کا جو ایک ڈگر بن گیا ہے اس میں زمانہ کے لحاظ سے قابل اصلاح پہلوؤں کی اصلاح کا دروازہ کھل جاتا۔

یہ ذکر کرنا رہ گیا کہ موصوف کے ساتھی مولوی لقمان الحق صاحب بھی اس محنت و کاوش میں شریک رہے ہیں۔

امام احمد بن حنبل

از پروفیسر ابو زہرہ۔ ترجمہ عمر فاروق ایم اے۔
ناشر:۔ اسلامک پبلشنگ کمپنی اندرون لوہاری دروازہ۔ لاہور۔

صفحات ۵۰۶ مجلد۔ بڑا سائز۔ قیمت۔ -/۹

پروفیسر ابوزہرہ قاہرہ یونیورسٹی میں قانون اسلامی کے استاد اور ایک نامور مصنف ہیں۔ ائمہ اربعہ اور ان کے مذاہب پر ان کی فاضلانہ کتابیں عالم اسلام سے خراج تحسین حاصل کر چکی ہیں۔ اسی سلسلہ کی آخری کڑی ان کی یہ کتاب ہے جس میں امام احمد کی شخصیت کا ہر پہلو سے تعارف کرایا گیا ہے اور ہر رُخ پر شرح و بسط کے ساتھ روشنی ڈالی گئی ہے خصوصیت سے کتاب کا اصل موضوع امام کی علمی شخصیت ہے جس میں آپ کے دینی افکار ان کا عصری پس منظر، آپ کی علمی خصوصیات، تصنیفات، حدیث میں آپ کا ذوق، آپ کی فقہ کا مزاج اور اس کے اصول و اوصاف پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔

اس کتاب کا ایک اردو ترجمہ پاکستان اور خاص لاہور ہی میں پہلے بھی ہو چکا ہو اور الفرقان میں تبصرہ نکل چکا ہے غالباً رئیس احمد صاحب جعفری کے قلم سے تھا اور مولانا عطاء اللہ حنیف بھوجیانوی کے اس پر حواشی تھے، شائع بھی انھیں کے مکتبہ سے ہوا تھا۔ پیش نظر ترجمۂ ثانی کے ناشر نے اس کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہو کہ وہ ترجمہ نہیں تلخیص تھا۔ اور اس کے ثبوت میں ایک جدول تیار کر کے پیش کیا ہے کہ فلاں صفحے میں اتنی سطریں اور فلاں میں اتنی ترجمہ سے چھوڑ دی گئی ہیں۔ لیکن یہ بڑی نامناسب قسم کی خوردہ گیری ہے، ترجمہ کا ہرگز یہ مطلب نہیں ہوتا کہ آدمی مکھی پر مکھی مارتا چلا جائے، عبارت کی چستی اور تسہیل فہم کے لیے (مصنف کے نفس مدعا کو محفوظ رکھتے ہوئے) مصنف کو کچھ گھٹانا بڑھانا بھی پڑتا ہے۔ غالباً پہلے ترجمہ پر اسی اعتراض کے پیش نظر دوسرے مترجم نے لفظی پابندی بہت کی ہے اور اس کے نتیجہ میں بہت سی جگہ ایسا ترجمہ پن پیدا ہو گیا ہے جو خوبی نہیں عیب ہے۔

اس ترجمہ کے شروع میں امام احمد کی شخصیت پر مولانا آزاد مرحوم کا ایک مضمون بھی شامل کر دیا گیا ہے۔

مسالک العلماء فی حیات الانبیاء | از مولانا قاضی شمس الدین صاحب درساتی استاذ دارالعلوم دیوبند) صفحات ۱۰۶،

کاغذ اخباری، سائز کلاں، قیمت ۳/-

ناشر:۔ مکتبۂ ربانی، نئی آبادی، شاہدرہ، لاہور۔

چند سال پہلے حیات النبیؐ کا مسئلہ پاکستان میں بڑے معرکہ کا مسئلہ بن گیا تھا اور شاید اب تک اس کے اثرات باقی ہیں، اس سلسلہ میں فریقین کی طرف سے چند کتابیں بھی نکلیں۔ مولانا قاضی شمس الدین صاحب کی یہ کتاب اس فریق کی رد میں ہے جو قبر میں انبیاء کے لیے بعینہ حیاتِ دنیوی کا قائل ہے۔ کوئی شبہ نہیں کہ نہایت فاضلانہ کتاب ہے اور مسئلہ پر کلام کے لحاظ سے اس سے زیادہ ٹھوس کتاب ہماری نظر سے نہیں گزری۔ زبان ضرور خالص مدرسانہ ہے اور وہ بھی پنجاب اور سرحد کے اساتذہ والی ہے۔ مناظرانہ درشتی بھی کہیں کہیں آجاتی ہے، لیکن مغز کے جویا یقیناً اسکی قدر کریں گے۔ اسی مغز کے لحاظ سے اسکی قیمت ۳ روپے بھی زیادہ نہیں ہے اگرچہ کاغذ اور ضخامت کے لحاظ سے اسے کافی زیادہ قرار دیا جائے گا۔

(صفحہ ۸۸ کا بقیہ)

(۱۰) حضرت ابوالحسن نوری قدس اللہ سرہ العزیز فرماتے ہیں "الفتوة احتمال المکروہ بحسن المداراة" فتوت یہ ہے کہ جو چیز تم کو ناگوار معلوم ہو اس کو خوش دلی کے ساتھ قبول کر لو۔

اعلان بابت ملکیت و دیگر تفصیلات

ماہنامہ الفرقان لکھنؤ

مطابق فارم ۴ رول ۸

مقام اشاعت :۔ .. .. لکھنؤ

وقفۂ اشاعت :۔ .. .. ماہانہ

پرنٹر، پبلشر، اڈیٹر اور مالک کا نام :۔ .. .. محمد منظور نعمانی

قومیت :۔ .. .. ہندستانی

پتہ :۔ .. .. کچہری روڈ، لکھنؤ

میں محمد منظور نعمانی تصدیق کرتا ہوں کہ یہ بیان میرے علم و یقین کی رو سے بالکل صحیح ہے۔

محمد منظور نعمانی۔ پبلشر

اسلام کا نظامِ عقائد و اعمال؟
اسلام کی بنیاد کن چیزوں پر ہے؟ ——— اور ——— ان کی حقیقت کیا ہے؟
اسلامی زندگی کن امور سے عبارت ہے؟ ——— اور ——— انکی صورت و حقیقت کیا ہے؟
ان مجمل سوالات کا مفصل جواب
آپ کو
مولانا محمد منظور نعمانی مدیر الفرقان کی تازہ کتاب
دین و شریعت
میں ملے گا
جس میں پوری تفصیل کے ساتھ توحید، آخرت اور رسالت ——— نماز، روزہ، حج، و زکوٰۃ، اخلاق و معاملات، دین کی خدمت و نصرت، دعوت و جہاد، سیاست و حکومت اور احسان و تصوف کے عنوانات پر ایسی محققانہ بحث کی گئی ہے کہ شکوک و شبہات کی ساری گرہیں کھل جاتی ہیں، غلط فہمیوں کا پردہ چاک ہو کر اصل حقیقت سامنے آجاتی ہے، اور دل و دماغ، عقل و وجدان اطمینان و سکون سے معمور ہو جاتے ہیں۔
جن مسائل میں غور و خوض بہت سوں کے لئے الحاد و تشکیک کا موجب ہو جاتا ہے ان کو ایسے سادہ انداز میں سمجھایا گیا ہے کہ متوسط درجہ کے ذہن کا آدمی بھی پڑھ کر پوری طرح مطمئن ہو جاتا ہے۔
یہ کتاب ان مسائل میں سلف صالحین کے مسلک پر پورا اطمینان بخشتی ہے بشرطیکہ سلامتی فکر بالکل رخصت نہ ہو چکی ہو
مولانا نعمانی کی دوسری کتابوں کی طرح اس کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ ذہنی اطمینان اور قلبی انشراح کے علاوہ یہ حلاوت ایمان اور ذوق عمل بھی پیدا کرتی ہے جس کے بغیر دینی مباحث اور دین کی باتیں محض فلسفہ اور ذہنی تعیش ہیں جس کی اللہ کے یہاں کوئی قیمت نہیں۔
اوپر جو موٹے موٹے عنوانات درج کئے گئے ہیں انکے علاوہ ذیلی عنوانات کی تعداد دو سو کے قریب ہے۔
۳۰۰ کے قریب صفحات ——— بہترین سفید کاغذ ——— عمدہ جلد اور خوشنما گرد پوش ——— قیمت تین روپے
کتب خانہ الفرقان کچہری روڈ لکھنؤ

ALFURQAN (Regd. No. A-363) LUCKNOW
دنیا میں
سب سے بڑا روحانی انقلاب
پیغمبر خدا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ برپا ہوا تھا
جو لوگ اردو زبان کے ذریعہ
اس تعلیم و ہدایت سے واقف ہونا اور فائدہ اٹھانا چاہیں جس نے یہ انقلاب برپا کیا تھا
ہم انکی خدمت میں مولانا محمد منظور نعمانی مدیر الفرقان لکھنؤ کی تالیف
معارف الحدیث
اعتماد اور یقین — کے ساتھ پیش کرتے ہیں
اردو ترجمہ و تشریح کے ساتھ یہ حدیث نبوی کا ایک جدید مجموعہ ہے جو دور حاضر کے مسلمانوں کی ذہنی و فکری سطح کو پیش نظر رکھ کر مرتب کیا گیا ہے۔ اس کتاب کی یہ خصوصیت قابل ذکر ہے کہ مصنف کی خاص کوشش پوری کتاب میں یہ رہی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کے جو اثرات صحابہ کرام کے قلوب پر پڑتے تھے اس کتاب کے ناظرین کے دلوں پر بھی وہی اثرات کسی درجہ میں پڑیں — (دو جلدیں شائع ہو چکی ہیں)
جلد اول — جس میں ایمان و آخرت سے متعلق ۱۴۰ حدیثوں کی تشریح کی گئی ہے۔ قیمت مجلد ۴/۸ غیر مجلد ۳/۱۲
جلد دوم — جس میں تزکیہ اور اصلاح اخلاق سے متعلق ۲۹۰ حدیثوں کی تشریح کی گئی ہے
ملنے کا پتہ
کتب خانہ الفرقان کچہری روڈ
لکھنؤ

ماہنامہ الفرقان لکھنؤ

ہماری دعوت

لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ

اسی کلمہ پر اسلام کی بنیاد ہے اور ہمارا ایمان ہے کہ یہی انسانیت کی نجات کا کلمہ ہے

لیکن یہ صرف ایک قول ہی نہیں ہے بلکہ ایک شہادت، ایک اصول اور ایک اہم فیصلہ ہے، وہ عہد ہے

اس بات کا عہد کہ ہم صرف اللہ کی عبادت اور بندگی کریں گے اور زندگی کے ہر شعبہ میں اس کی بھیجی ہوئی

اور حضرت محمد صلعم کی لائی ہوئی ہدایت اور شریعت کی پیروی کریں گے اور اسی حال میں جئیں گے اور مریں گے

جو لوگ اس کلمہ پر ایمان لا چکے ہیں ان کا فرض ہے کہ زندگی اس عہد کے مطابق گذاریں اور اسی ایمانی

زندگی کو دنیا میں رواج دینے کی کوشش کریں، وہ اسی لیے پیدا ہوئے ہیں۔ ہم اسی کا

عہد کرتے ہیں، اسی کی دعوت دیتے ہیں اور اسی پر جینا اور مرنا چاہتے ہیں۔

فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَنْتَ وَلِیّٖ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ

تَوَفَّنِیْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ

ادارہ الفرقان

مسئول
محمد منظور نعمانی

مرتب
عتیق الرحمٰن سنبھلی

ماہنامہ الفرقان لکھنؤ

چندہ
(ہندو پاک سے)
سالانہ ۶/۰/۰
ششماہی ۳/۰/۰
فی کاپی ۰/۱۰/۰

چندہ
(دیگر ممالک سے)
سالانہ .... ۱۲ شلنگ
اعزازی چندہ
سالانہ ۱۵/۰/۰

جلد (۳۰) | بابتہ ماہ ذی الحجہ ۱۳۸۲ھ مطابق مئی ۱۹۶۳ء | شمارہ ۱۴۵

اگر اس دائرے میں ⭘ سرخ نشان ہے تو

اس کا مطلب ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہوگئی ہے۔ براہ کرم آئندہ کے لیے چندہ ارسال فرمائیں، یا خریداری کا ارادہ نہ ہو تو مطلع فرمائیں چندہ یا کوئی دوسری اطلاع ۲۰ مئی تک دفتر میں ضرور آجائے ورنہ اگلا شمارہ بصیغۂ وی، پی ارسال ہوگا —— **پاکستان کے خریدار:** اپنا چندہ سکریٹری اسٹریلین بلڈنگ لاہور کو بھیجیں اور منی آرڈر کی پہلی رسید ہمارے پاس فوراً بھیجدیں!

نمبر خریداری: براہ کرم خط و کتابت اور منی آرڈر کے کوپن پر اپنا نمبر خریداری ضرور لکھ دیا کیجئے۔

تاریخ اشاعت: الفرقان ہر انگریزی مہینہ کے پہلے ہفتہ میں روانہ کر دیا جاتا ہے، اگر ۱۰ تاریخ تک بھی کسی صاحب کو نہ ملے تو فوراً مطلع فرمائیں۔ اس کی اطلاع ۲۰ تاریخ کے اندر آجانی چاہیے۔ اس کے بعد رسالہ بھیجنے کی ذمہ داری دفتر پر نہ ہوگی۔

دفتر الفرقان، کچہری روڈ، لکھنؤ

(مولانا) محمد منظور نعمانی پرنٹر و پبلشر و ایڈیٹر و پروپرائٹر نے تنویر پریس لکھنؤ میں چھپوا کر دفتر الفرقان کچہری روڈ لکھنؤ سے شائع کیا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نگاہ اولیں

الفرقان کا یہ شمارہ بہت غیر معمولی تاخیر سے شائع ہو رہا ہے جس کا خصوصیت سے اسلیے زیادہ افسوس ہے کہ اس مرتبہ معارف الحدیث کا سلسلہ اُن احادیث پر مشتمل تھا جن کا تعلق عیدین (عید اضحیٰ اور عید الفطر) کے احکام و مسائل سے ہے، رسالہ اگر وقت پر (یعنی یکم مئی کو) شائع ہو جاتا تو اکثر ناظرین ٹھیک عید اضحیٰ کے موقع پر ان احادیث کے مطالعہ سے مستفید ہو سکتے. لیکن راقم (مرتب) کی صحت جو کئی ماہ سے ضعف و اضمحلال کا شکار تھی اپریل کے دوسرے ہفتہ میں اس نے مجبور کیا کہ کچھ سکون اور فراغت حاصل کرنے کے لئے ہفتہ عشرہ لکھنؤ سے باہر رہا جائے چنانچہ اپریل کا دوسرا عشرہ اپنے وطن میں گزارا اور ان دنوں میں اپنے تمام کام متروک رہے۔ مگر تبدیل مقام اور فراغت بھی کچھ راس نہ آئی بلکہ عوارض میں کچھ اضافہ ہی ہو گیا اور لکھنؤ واپس آکر جب کچھ کام شروع کرنے کا ارادہ کیا تو معلوم ہوا کہ اعصاب میں اس کی بالکل قوت نہیں ہے۔ اس وقت تک کوئی باقاعدہ علاج نہیں شروع کیا تھا اب پوری توجہ سے شروع کیا اور اگر علاج کے ساتھ چند دن مشاغل سے انقطاع اور آرام بھی نصیب ہو جاتا تو غالباً یہ شمارہ ایک دو دن سے زیادہ لیٹ نہ ہوتا اور عید اضحیٰ سے پہلے کسی نہ کسی طرح شائع ہو ہی جاتا۔

لیکن جیسا کہ قارئین واقف ہوں گے ہفتہ وار ندائے ملت جس کی ادارت کے فرائض بھی راقم سطور کے ذمہ ہیں یکم مئی کو اس کا پہلا سالنامہ شائع ہو رہا تھا۔ قدرتی طور پر اس کی بڑی اہمیت تھی، اس کی گوناگوں ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کا کام بھی اپریل کے دوسرے عشرہ میں لکھنؤ سے غائب رہنے کی بنا پر انھیں آخری دنوں میں پڑ گیا اور اس میں التوا کی کوئی گنجائش نہ تھی۔ اپنی جو حالت ہو رہی تھی اسکی بنا پر اپنی بہت سی ذمہ داریاں

اگرچہ دوسروں پر چھوڑنا پڑیں تاہم تھوڑی بہت دیکھ بھال اور دو ایک صفحے لکھنے سے مفر نہ تھا، اتنا بہرحال کرنا پڑا اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ یکم مئی سے جسم کی بچی کچھی توتیں بھی جواب دے گئیں، بلڈ پریشر بہت کافی لو (سطح) ہو گیا اور ۸ مئی تک کامل صاحب فراش رہنا پڑا۔

گذشتہ کئی ماہ سے میری صحت کا حال اور ساتھ ساتھ نئے ملت کی ذمہ داریوں کا بار دیکھ کر مدیر الفرقان (والد ماجد حضرت مولانا نعمانی مدظلہ) جنھیں قریب دس سال سے رسالہ کی ترتیب وغیرہ کے کاموں سے اللہ تعالیٰ نے فراغت نصیب فرما دی تھی از سر نو اس کام کی حسب ضرورت فکر اٹھانے لگے تھے لیکن امسال، اللہ تعالیٰ نے اپنے کرم سے زیارت حرمین کے اسباب مہیا فرمائے اور اس سفر مقدس کی بنا پر ۲۳ر اپریل سے آپ کا قیام بھی لکھنؤ میں نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ اس سفر کو قبول فرمائے اسکی برکتوں میں ہمیں شریک فرمائے اور آپکی بہ صحت و عافیت واپسی کی مسرت بھی نصیب فرمائے۔ انشاء اللہ ۳۰ر مئی تک واپسی کی امید ہے۔

بہرحال ۹ر مئی کو بستر چھوڑتے ہی اس شمارے کے جو کام ادھورے پڑے ہوئے تھے جیسے تیسے ان کی تکمیل شروع کر دی گئی کل ۱۱ر کو "نگاہ اولیں" کی سطریں لکھنا شروع کیں تو دماغ نے ضعف کی بنا پر ساتھ نہ دیا، مجبوراً دو چار سطریں لکھ کر چھوڑ دیں، آج ۱۲ر کو انکی تکمیل ہو رہی ہے، اب امید ہے کہ ۱۵ر ۱۶ر مئی تک یہ پرچہ روانہ ہو جائے گا۔ انشاء اللہ

گذشتہ ماہ اپریل کا یہ سانحہ بڑا قلق انگیز ہے کہ مجلس علمی (ہند و پاک) کے بانی اور سرپرست مولانا محمد میاں ابن موسیٰ سورتی (مقیم جوہانسبرگ جنوبی افریقہ) اس ماہ کی ۱۶ر تاریخ کو رحلت فرما گئے۔ آپ کو اللہ تعالیٰ نے دین و دنیا کی بھرپور نعمتوں اور امور خیر کی قابل رشک توفیق سے نوازا تھا۔ دیوبند کے فاضل اور انتہائی صالح اور تقویٰ شعار تھے، دولت مند تاجر تھے اور دولت کا تمام تر مصرف یہی تھا دین اور مسلمانوں کی دینی خدمت، ان کی جیسی توفیق اس عہد میں شاید ہی کسی مالدار کو ملی ہوگی ہو۔ جنوبی افریقہ میں بیٹھے بیٹھے انکی اس توفیق کا فیض وہاں کے علاوہ برصغیر ہند و پاک کو جس طرح سیراب کرتا رہا اس کا پورا حال بس اللہ ہی کو معلوم ہوگا۔

مرحوم، مدیر الفرقان کے استاد بھائی (یعنی حضرت علامہ انور شاہ صاحبؒ کے شاگردوں میں) تھے۔ خالصاً لوجہ اللہ محبت فرماتے تھے۔ الفرقان کی توسیع اشاعت کے لئے اپنے منصب کے مطابق ساعی رہتے، مدیر الفرقان کی تصنیفات کی بیحد قدر فرماتے برابر منگاتے اور پھیلاتے رہتے نیز کتب خانہ الفرقان کے اشاعتی پروگراموں میں گہری دلچسپی لیتے تھے، مشورے دیتے تھے، خود تحریک فرماتے تھے اور پھر ہر قسم کی اعانت کیلئے ہمہ وقت تیار رہتے تھے ادارۂ الفرقان اُن کے فراق سے انتہائی غمگین ہے۔ افسوس کہ علالت کی اطلاع کے بغیر یکایک یہ الم انگیز خبر ملی۔ اللہ انھیں ابرار وصالحین کے زمرہ میں شامل فرمائے اور پسماندگان کو اجر جزیل اور صبر جمیل عطا فرمائے۔

حضرت مدیر الفرقان کو یہ اطلاع عین اس وقت ملی جب وہ سفر حج کے لئے پابہ رکاب تھے۔ اپنے مختصر تاثرات آپ نے جدہ سے قلمبند فرما کر بھیجے ہیں وہ اسی اشاعت میں ناظرین دوسری جگہ ملاحظہ فرمائیں۔

گزشتہ اشاعت میں جماعت اسلامی پاکستان اور امیر جماعت مولانا ابوالاعلیٰ مودودی کی طرف سے غلاف کعبہ کے اہتمام نمائش و جلوس پر ایک خاص زاویۂ فکر سے کچھ اظہار خیال کیا گیا تھا۔ ان افعال کا شرعی حکم کیا ہے؟ اس سے ہم نے کوئی تعرض نہیں کیا تھا۔ ہمیں خوشی ہے کہ اس بارے میں جماعت اسلامی ہند کے اہم افراد میں سے جناب شمس پیرزادہ صاحب نے (جو غالباً مرکزی جماعت کے رکن شوریٰ بھی ہیں) دینی ذمہ داری کے احساس سے کام لیتے ہوئے بہت صفائی سے اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے۔ آپ کا یہ مضمون سہ روزہ دعوت دہلی کے صفحات سے اسی اشاعت میں نقل کیا جا رہا ہے۔

اس مضمون میں نفس مسئلہ پر علمی لحاظ سے جس بے لاگ انداز میں کلام کیا گیا ہے وہ قابل داد ہے۔ البتہ مسئلہ کا جو واقعاتی پہلو ہے اس میں پیرزادہ صاحب نے بظاہر بڑی چشم پوشی سے کام لیا ہے واقعہ کی صورت تو یہ ہے کہ خود مولانا مودودی صاحب کے اہتمام میں جلوس نکلا اور ٹرینوں نے شہر شہر زیارت کرائی اور اس کے دفاع میں مولانا نے ایک مضمون لکھا۔ لیکن پیرزادہ صاحب کے مضمون سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سب کام کسی اور نے کئے اور مولانا موصوف نے اس سلسلہ کی بدعتوں کی روک تھام کیلئے مضمون لکھا جس سے پیرزادہ صاحب کو کچھ اختلاف ہے۔ بہرحال پھر بھی مضمون قابل تحسین اور قابل مطالعہ ہے۔ گو یہ ضروری نہیں کہ مضمون نگار کے خیالات سے ہم کلیتہً متفق ہوں۔

معارف الحدیث

(مسلسل)

عید الفطر و عید الاضحیٰ

ہر قوم کے کچھ خاص تہوار اور جشن کے دن ہوتے ہیں جن میں اس قوم کے لوگ اپنی اپنی حیثیت اور سطح کے مطابق اچھا لباس پہنتے اور عمدہ کھانے پکاتے کھاتے ہیں اور دوسرے طریقوں سے بھی اپنی اندرونی مسرت و خوشی کا اظہار کرتے ہیں، یہ گویا انسانی فطرت کا تقاضا ہے، اسی لیے انسانوں کا کوئی طبقہ اور فرقہ ایسا نہیں ہے جس کے ہاں تہوار اور جشن کے کچھ خاص دن نہ ہوں۔

اسلام میں بھی ایسے دو دن رکھے گئے ہیں، ایک عید الفطر اور دوسرے عید الاضحیٰ، بس یہی مسلمانوں کے اصل مذہبی و ملی تہوار ہیں۔ ان کے علاوہ مسلمان جو تہوار مناتے ہیں ان کی کوئی مذہبی حیثیت اور بنیاد نہیں ہے، بلکہ اسلامی نقطۂ نظر سے ان میں سے اکثر خرافات ہیں۔

مسلمانوں کی اجتماعی زندگی اس وقت سے شروع ہوتی ہے جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت فرما کر مدینۂ طیبہ آئے، عید الفطر اور عید الاضحیٰ ان دونوں تہواروں کا سلسلہ بھی اسی وقت سے شروع ہوا ہے۔

جیسا کہ معلوم ہے کہ عید الفطر رمضان المبارک کے ختم ہونے پر یکم شوال کو

منائی جاتی ہے اور عید الاضحیٰ ۱۰ ذی الحجہ کو ــــــ رمضان المبارک دینی اور روحانی حیثیت سے سال کے بارہ مہینوں میں سب سے مبارک مہینہ ہے، اسی مہینہ میں قرآن مجید نازل ہونا شروع ہوا، اسی پورے مہینے کے روزے امتِ مسلمہ پر فرض کیے گئے، اس کی راتوں میں ایک مستقل باجماعت نماز کا اضافہ کیا گیا اور ہر طرح کی نیکیوں میں اضافہ کی ترغیب دی گئی۔ الغرض یہ پورا مہینہ خواہشات کی قربانی اور مجاہدہ کا اور ہر طرح کی طاعات وعبادات کی کثرت کا مہینہ قرار دیا گیا، ظاہر ہے کہ اس مہینہ کے خاتمہ پر جو دن آئے ایمان اور روحانی برکتوں کے لحاظ سے وہی سب سے زیادہ اس کا مستحق ہے کہ اس کو اس امت کے جشن ومسرت کا دن اور تہوار بنایا جائے چنانچہ اسی دن کو عید الفطر قرار دیا گیا ــــــ اور ۱۰ ذی الحجہ وہ مبارک تاریخی دن ہے جس میں امتِ مسلمہ کے مؤسس ومورثِ اعلیٰ سیدنا حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی دانست میں اللہ تعالیٰ کا حکم واشارہ پاکر اپنے لختِ جگر سیدنا اسمٰعیل علیہ السلام کو ان کی رضامندی سے قربانی کے لیے اللہ کے حضور میں پیش کر کے اور ان کے گلے پہ چھری رکھ کر اپنی سچی وفاداری اور کامل تسلیم ورضا کا ثبوت دیا تھا اور اللہ تعالیٰ نے عشق ومحبت کے اور قربانی کے اس امتحان میں ان کو کامیاب قرار دے کر حضرت اسمٰعیلؑ کو زندہ وسلامت رکھ کر ان کی جگہ ایک جانور کی قربانی قبول فرمائی تھی اور حضرت ابراہیمؑ کے سر پر "اِنِّیْ جَاعِلُکَ لِلنَّاسِ اِمَامًا" کا تاج رکھ دیا تھا۔ اور ان کی اس ادا کی نقل کو قیامت تک کے لیے "رسم عاشقی" قرار دے دیا تھا۔ پس اگر کوئی دن کسی عظیم تاریخی واقعہ کی یادگار کی حیثیت سے تہوار قرار دیا جا سکتا ہے تو اس امتِ مسلمہ کے لیے جو ملتِ ابراہیمی کی وارث اور اسوۂ خلیلی کی نمائندہ ہے ۱۰ ذی الحجہ کے دن کے مقابلہ میں کوئی دوسرا دن اس کا مستحق نہیں ہو سکتا، اس لیے دوسری عید ۱۰ ذی الحجہ کو قرار دیا گیا ــــــ جس وادیٔ غیر ذی زرع میں حضرت اسمٰعیلؑ کی قربانی کا یہ واقعہ پیش آیا تھا اسی وادی میں پورے عالم اسلامی کا حج کا سالانہ اجتماع اور اس کے مناسک قربانی

وغیرہ اس واقعہ کی گویا اصل اور اول درجہ کی یادگار ہے اور ہر اسلامی شہر اور بستی میں عید اضحیٰ کی تقریبات نماز اور قربانی وغیرہ بھی اسی کی گویا نقل اور دوم درجہ کی یادگار ہو۔ بہرحال ان دونوں (یکم شوال اور ۱۰ ذی الحجہ) کی ان خصوصیات کی وجہ سے ان کو یوم العید اور امت مسلمہ کا تہوار قرار دیا گیا۔

اس تمہید کے بعد ان دونوں عیدوں کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثیں ذیل میں پڑھیے ـــــ اصل مقصد تو یہاں "کتاب الصلوٰۃ" میں عیدین کی نماز کا بیان ہے، لیکن ضمناً اور تبعاً ان دونوں عیدوں سے متعلق دوسرے اعمال و احکام کی حدیثیں بھی یہیں درج کی جائیں گی۔ جیسا کہ حضرات محدثین کا عام طریقہ ہے۔

عیدین کا آغاز:-

عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَدِمَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ المدینۃ وَلَھُمْ یومان یلعبون فیھما فقال ما ھذان الیومان؟ قالوا کنا نلعب فیھما فی الجاھلیۃ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قد ابدلکم اللہ بھما خیرا منھما یوم الاضحیٰ ویوم الفطر ـــــــ رواہ ابوداؤد

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لائے تو اہل مدینہ (جن کی کافی تعداد پہلے ہی سے اسلام قبول کر چکی تھی) دو تہوار منایا کرتے تھے اور ان میں کھیل تماشے کیا کرتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا کہ یہ دو دن جو تم مناتے ہو ان کی کیا حقیقت اور حیثیت ہے؟ (یعنی تمہارے ان تہواروں کی کیا اصلیت اور تاریخ ہے؟) انھوں نے عرض کیا کہ ہم جاہلیت میں یعنی اسلام سے پہلے یہ تہوار اسی طرح منایا کرتے تھے (بس وہی رواج ہے جو اب تک چل رہا ہے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے

تمہارے ان دو تہواروں کے بدلہ میں ان سے بہتر دو دن تمہارے لیے مقرر کر دیے ہیں (اب وہی تمہارے قومی اور مذہبی تہوار ہیں) یوم عید الاضحیٰ اور یوم عید الفطر۔

(سنن ابی داؤد)

(تشریح) قوموں کے تہوار در اصل اُن کے عقائد و تصورات اور اُن کی تاریخ و روایات کے ترجمان اور ان کے قومی مزاج کے آئینہ دار ہوتے ہیں، اس لیے ظاہر ہے کہ اسلام سے پہلے اپنی جاہلیت کے دور میں اہل مدینہ جو دو تہوار مناتے تھے وہ جاہلی مزاج و تصورات اور جاہلی روایات ہی کے آئینہ دار ہوں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلکہ حدیث کے صریح الفاظ کے مطابق خود اللہ تعالیٰ نے ان قدیمی تہواروں کو ختم کرا کے ان کی جگہ عید الفطر اور عید الاضحیٰ دو تہوار اس اُمت کے لیے مقرر فرما دیے جو اس کے توحیدی مزاج اور اصولِ حیات کے عین مطابق اور اس کی تاریخ و روایات اور عقائد و تصورات کے پوری طرح آئینہ دار ہیں ——— کاش اگر مسلمان اپنے ان تہواروں ہی کو صحیح طور پر اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت و تعلیم کے مطابق منائیں تو اسلام کی روح اور اس کے پیغام کو سمجھنے سمجھانے کے لیے صرف یہ دو تہوار ہی کافی ہو سکتے ہیں۔

عیدین کی نماز اور خطبہ وغیرہ:۔

عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیْ قَالَ کَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَخْرُجُ یَوْمَ الْفِطْرِ وَالْاَضْحٰی اِلَی الْمُصَلّٰی فَاَوَّلُ شَیْءٍ یَبْدَءُ بِہِ الصَّلٰوۃُ ثُمَّ یَنْصَرِفُ مُقَابِلَ النَّاسِ وَالنَّاسُ جُلُوْسٌ عَلٰی صُفُوْفِھِمْ فَیَعِظُھُمْ وَیُوْصِیْھِمْ وَیَاْمُرُھُمْ وَاِنْ کَانَ یُرِیْدُ اَنْ یَّقْطَعَ بَعْثًا قَطَعَہٗ اَوْ یَاْمُرَ بِشَیْءٍ اَمَرَ بِہٖ ثُمَّ یَنْصَرِفُ ——— رواہ البخاری و مسلم

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے دن عیدگاہ تشریف لے جاتے تھے۔ سب سے پہلے آپ نماز پڑھاتے تھے پھر نماز سے فارغ ہو کر لوگوں کی طرف رخ کر کے خطبہ کے لیے کھڑے ہوتے تھے اور لوگ بدستور صفوں میں بیٹھے رہتے تھے پھر آپ ان کو خطبہ اور وعظ و نصیحت فرماتے تھے اور احکام دیتے تھے اور اگر آپ کا ارادہ کوئی لشکر یا دستہ تیار کر کے کسی طرف روانہ کرنے کا ہوتا تو آپ (عیدین کی نماز و خطبہ کے بعد) اس کو بھی روانہ فرماتے تھے یا کسی خاص چیز کے بارہ میں آپ کو کوئی حکم دینا ہوتا تو اسی موقع پر وہ بھی دیتے تھے۔ پھر (ان سارے مہمات سے فارغ ہو کر) آپ عیدگاہ سے واپس ہوتے تھے۔
(صحیح بخاری و صحیح مسلم)

(**تشریح**) جیسا کہ اس حدیث سے معلوم ہوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عام معمول یہی تھا کہ عیدین کی نماز آپ مدینہ طیبہ کی آبادی سے باہر اس میدان میں پڑھتے تھے جس کو آپ نے اس کام کے لیے منتخب فرما لیا تھا اور گویا عیدگاہ قرار دے دیا تھا، اس وقت اس کے گرد کوئی چہار دیواری بھی نہیں تھی، بس صحرائی میدان تھا، لوگوں نے لکھا ہے کہ مسجد نبوی سے قریباً ایک ہزار قدم کے فاصلہ پر تھا۔ آپ نے عید کی نماز ایک مرتبہ بارش کی مجبوری سے مسجد شریف میں بھی پڑھی ہے جیسا کہ آگے ایک حدیث میں اس کا ذکر آئے گا ——— حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ عید کے دن نماز و خطبہ کے بعد عیدگاہ ہی میں اعلاء کلمۃ الحق کے لیے مجاہدین کے لشکر اور دستے بھی منظم کیے جاتے تھے اور وہیں سے ان کو روانہ اور رخصت کیا جاتا تھا۔

عیدین کی نماز بغیر اذان و اقامت ہی سنت ہے :-

عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ صَلَّيْتُ مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْعِيْدَيْنِ غَيْرَ مَرَّةٍ وَلَا مَرَّتَيْنِ بِغَيْرِ اَذَانٍ

ولا اقامة ________ رواہ مسلم

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عیدین کی نماز ایک ہی دو دفعہ نہیں بلکہ بہت دفعہ پڑھی ہے، ہمیشہ بغیر اذان اور بغیر اقامت کے۔ (صحیح مسلم)

عَنْ جَابِرِ ابن عبد الله قال شهدت الصلوة مع النبي صلى الله عليه وسلم في يوم عيد فبدء بالصلوٰة قبل الخطبة بغير اذان ولا اقامة فلما قضى الصلوة قام متكئاً على بلال فحمد الله واثنى عليه ووعظ الناس وذكرهم وحثهم على طاعته و مضى إلى النساء ومعه بلال فامرهن بتقوى الله ووعظهن وذكرهن ________ رواہ النسائی

حضرت جابر بن عبد اللہ انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ کہتے ہیں کہ میں عید کے دن نماز کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عیدگاہ حاضر ہوا تو آپ نے خطبہ سے پہلے نماز پڑھی بغیر اذان اور اقامت کے، پھر جب آپ نماز پڑھ چکے تو بلال پر سہارا لگا کر آپ خطبہ کے لیے کھڑے ہوئے پہلے اللہ کی حمد وثنا کی اور لوگوں کو پند ونصیحت فرمائی اور اللہ کی فرمانبرداری کی ان کو ترغیب دی، پھر آپ خواتین کے مجمع کی طرف گئے اور بلال آپ کے ساتھ ہی تھے وہاں پہنچ کر آپ نے ان کو اللہ سے ڈرنے اور تقوے والی زندگی گزارنے کے لیے فرمایا اور ان کو پند ونصیحت فرمائی۔

(سنن نسائی)

(تشریح) حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ کی اس حدیث میں عید کے خطبہ میں مردوں کو خطاب فرمانے کے بعد عورتوں کو مستقل خطاب فرمانے کا ذکر ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی ایک حدیث جو صحیح مسلم میں ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ آپ نے اس لیے کیا تھا کہ آپ کے خیال میں خواتین آپ کا خطبہ سن نہیں سکی تھیں۔

واللہ اعلم۔

(فائدہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدِ مبارک میں عیدین کی نماز میں خواتین بھی عام طور سے شریک ہوتی تھیں بلکہ ان کے لیے یہ آپ کا حکم تھا، لیکن زمانہ مابعد میں جب مسلم معاشرہ میں فساد آ گیا تو جس طرح اُمت کے فقہاء اور علماء نے جمعہ اور پنجگانہ نماز کے لیے خواتین کا مسجدوں میں آنا مناسب نہیں سمجھا اسی طرح نماز عید کے لیے ان کا عیدگاہ جانا بھی مناسب نہیں سمجھا۔

عیدین کی نماز سے پہلے اور بعد میں کوئی نفلی نماز نہیں ہے:-

عن ابن عباس ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم صلی یوم الفطر رکعتین لم یصل قبلھما ولا بعدھما۔ —— رواہ البخاری ومسلم

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عید الفطر کے دن دو رکعت نماز پڑھی اور اس سے پہلے یا بعد آپ نے کوئی نفلی نماز نہیں پڑھی۔ (صحیح بخاری ومسلم)

عیدین کی نماز کا وقت:-

عن یزید بن خمیر الرحبی قال خرج عبد اللہ بن بسر صاحب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مع الناس فی یوم عید فطر او اضحی فانکر ابطاء الامام فقال انا کنا قد فرغنا ساعتنا ھذہ و ذالک حین التسبیح رواہ ابوداؤد

یزید بن خمیر رحبی تابعی سے روایت ہے کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی عبد اللہ بن بسر رضی اللہ عنہ عید الفطر یا عید الاضحیٰ کے دن نماز عید پڑھنے کے لیے لوگوں کے ساتھ عیدگاہ تشریف لائے (امام کے آنے میں دیر ہوئی) تو آپ نے امام کی اس تاخیر کو منکر بتایا (اور اسکی

مذمت کی) اور فرمایا کہ اس وقت تو ہم (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ) نماز پڑھ کر فارغ ہوجایا کرتے تھے (راوی کہتے ہیں) اور یہ نوافل کا وقت تھا (نوافل سے مراد غالباً چاشت کے نوافل ہیں۔ (سنن ابی داؤد)

(تشریح) عبداللہ بن بسر صحابی رضی اللہ عنہ نے شام میں سکونت اختیار کر لی تھی اور وہیں ۸۸ھ میں حمص میں ان کا انتقال ہوا، غالباً وہیں کا یہ واقعہ ہو کہ نماز عید میں امام کی تاخیر پر آپ نے نکیر فرمائی اور بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہم لوگ نماز عید سویرا پڑھ کر فارغ ہوجایا کرتے تھے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عید الفطر اور عید الاضحیٰ کی نماز کے وقت کے بارہ میں سب سے زیادہ واضح حدیث وہ ہے جو حافظ ابن حجر نے تلخیص الحبیر میں احمد بن حسن البنار کی کتاب الاضاحی کے حوالے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی جندب رضی اللہ عنہ کی روایت سے ان الفاظ کے ساتھ نقل کی ہے۔

كان النبي صلى الله عليه وسلم يصلي بنا يوم الفطر والشمس على قيد رمحين والاضحى على قيد رمح۔	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عید الفطر کی نماز ہم لوگوں کو ایسے وقت پڑھاتے تھے کہ آفتاب بقدر دو نیزے کا بلند ہوتا تھا اور عید الاضحیٰ کی نماز ایسے وقت پڑھاتے تھے کہ آفتاب بقدر ایک نیزہ کے ہوتا تھا۔

ہمارے زمانہ میں بہت سے مقامات پر عیدین کی نماز بہت تاخیر سے پڑھی جاتی ہے، یہ بلاشبہ خلاف سنت ہے۔

عن ابي عمير بن انس عن عمومة له من اصحاب النبي صلى الله عليه وسلم ان ركباً جاؤا الى النبي صلى الله عليه وسلم يشهدون انهم رأوا الهلال بالامس فامرهم ان يفطروا واذا اصبحوا ان يغدوا الى مصلاهم۔ رواہ ابوداؤد والنسائی

حضرت انس رضی اللہ عنہ کے صاحبزادہ ابو عمیر سے روایت ہے کہ اپنے متعدد چچوں سے نقل کرتے ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کرام میں سے تھے کہ ایک دفعہ ایک قافلہ (کہیں باہر سے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور انھوں نے شہادت دی کہ کل (رات میں) انھوں نے چاند دیکھا ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو حکم دیا کہ وہ روزے کھول دیں اور کل جب صبح ہو تو نماز عید ادا کرنے کے لیے عیدگاہ پہونچیں۔ (سنن ابی داؤد، سنن نسائی)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایک دفعہ رمضان کی ۲۹ تاریخ کو چاند نظر نہیں آیا تو قاعدہ کے مطابق اگلے دن سب لوگوں نے روزہ رکھا لیکن دن ہی میں کسی وقت باہر کا کوئی قافلہ مدینہ طیبہ پہونچا اور ان لوگوں نے گواہی دی کہ ہم نے کل شام چاند دیکھا تھا تو آپ نے ان لوگوں کی گواہی قبول فرما کر لوگوں کو روزے کھول لینے کا حکم دے دیا اور نماز عید کے لیے فرمایا کہ کل صبح پڑھی جائے گی ۔

بظاہر یہ قافلہ دن کو دیر سے مدینہ پہونچا تھا اور نماز کا وقت نکل چکا تھا ۔ شرعی مسئلہ بھی یہی ہے کہ اگر چاند کی رویت ایسے وقت معلوم ہو کہ نماز عید اپنے وقت پر نہ پڑھی جا سکتی ہو تو پھر اگلے دن صبح ہی کو پڑھی جائے گی ۔

عیدین کی نماز میں قرأت :-

عن عبید اللہ ان عمر بن الخطاب سأل ابا واقد اللیثی ما کَانَ یقرء بہٖ رَسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی الاضحیٰ والفطر فقال یقرأ فیھما بقٓ والقرآن المجید و اقتربت الساعۃ ــــــ رواہ مسلم

عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ بن مسعود تابعی سے روایت ہے کہ حضرت

عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے ابو واقد لیثی رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عید الاضحیٰ اور عید الفطر کی نماز میں کون سی سورتیں پڑھا کرتے تھے؟ انھوں نے فرمایا کہ "قٓ والقرآن المجید" اور "اقتربت الساعۃ" (صحیح مسلم)

(تشریح) یہ بات بعید از قیاس ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو عیدین میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قرأت کے بارہ میں خود یاد نہ رہا ہو اور اس وجہ سے انھوں نے ابو واقد لیثیؓ سے پوچھا، بظاہر حضرت عمرؓ کا یہ سوال یا تو ابو واقد لیثیؓ کے علم و حافظہ کا اندازہ کرنے کے لیے تھا یا اپنے مزید اطمینان کے لیے۔ واللہ اعلم

عن النعمان بن بشیر قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقرء فی العیدین وفی الجمعۃ "بسبح اسم ربک الاعلیٰ" و "ھل اتاک حدیث الغاشیۃ" قال واذا اجتمع العید والجمعۃ فی یوم واحد قرأ بھما فی الصلوتین

رواہ مسلم

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عیدین اور جمعہ کی نماز میں "سبح اسم ربک الاعلیٰ" اور "ھل اتاک حدیث الغاشیۃ" پڑھا کرتے تھے اور جب (اتفاق سے) عید اور جمعہ ایک ہی دن پڑجاتا تو بھی دونوں نمازوں میں یہی دونوں سورتیں پڑھتے تھے۔ (صحیح مسلم)

(تشریح) ابو واقد لیثی اور نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما کے ان دونوں بیانوں میں کوئی منافات نہیں ہے، عیدین کی نماز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی سورۂ قٓ اور سورۂ قمر پڑھتے تھے اور کبھی سورۂ اعلیٰ و سورۂ غاشیہ۔

بارش کی وجہ سے عید کی نماز مسجد میں:-

عن ابی ھریرۃ انہ اصابھم مطر فی یوم عید فصلی

بهم النبی صلی اللہ علیہ وسلم صلوٰۃ العید فی المسجد ۔

(رواہ ابوداؤد وابن ماجہ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ عید کے دن بارش ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو عید کی نماز مسجد نبوی ہی میں پڑھائی۔ (سنن ابی داؤد، سنن ابن ماجہ)

(تشریح) عیدین میں "امت مسلمہ کا تہوار" اور "دینی جشن" ہونے کی جو شان ہے اس کا تقاضا یہی ہے کہ دنیا کی قوموں کے جشنوں اور میلوں کی طرح ہمارا عیدین کی نماز والا اجتماع بھی کہیں کھلے میدان میں ہو، اور جیسا کہ اوپر معلوم ہو چکا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عام معمول و دستور بھی یہی تھا اور اس لیے عام حالات میں یہی سنت ہے لیکن حضرت ابوہریرہ کی اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر بارش کی حالت ہو (یا ایسا ہی کوئی اور سبب ہو) تو عید کی نماز بھی مسجد میں پڑھی جا سکتی ہے۔

عیدین کے دن کھانا نماز سے پہلے یا نماز کے بعد؟

عن بریدۃ قال کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا یخرج یوم الفطر حتی یطعم ولا یطعم یوم الاضحیٰ حتی یصلی۔

(رواہ الترمذی وابن ماجہ والدارمی)

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول یہ تھا کہ آپ عید الفطر کی نماز کے لیے کچھ کھا کے تشریف لے جاتے تھے اور عید الاضحیٰ کے دن نماز پڑھنے تک کچھ نہیں کھاتے تھے۔

(جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ، سنن دارمی)

(تشریح) صحیح بخاری میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت سے یہ بھی مروی ہے کہ عید الفطر کے دن نماز کو تشریف لے جانے سے پہلے آپ چند کھجوریں تناول فرماتے تھے اور طاق عدد میں تناول فرماتے تھے۔

عیدالاضحیٰ کے دن نماز کے بعد کھانے کی وجہ غالباً یہ ہوگی کہ اس دن سب سے پہلے قربانی ہی کا گوشت منہ میں جائے جو ایک طرح سے اللہ تعالیٰ کی ضیافت ہے۔ اور عیدالفطر میں علی الصبح نماز سے پہلے ہی کچھ کھالینا غالباً اس لیے ہوتا تھا کہ جس اللہ کے حکم سے رمضان کے پورے مہینہ دن میں کھانا پینا بالکل بند رہا، آج جب اس کی طرف سے دن میں کھانے پینے کا اذن ملا اور اسی میں اس کی رضا اور خوشنودی معلوم ہوئی تو طالب و محتاج بندہ کی طرح صبح ہی اس کی ان نعمتوں سے لذت اندوز ہونے لگے بندگی کا مقام یہی ہے ؎

گر طمع خواہد زمن سلطانِ دیں　　خاک بر فرقِ قناعت بعد ازیں

عیدگاہ کی آمد و رفت میں راستہ کی تبدیلی :-

عن جابر قال كان النبي صلى الله عليه وسلم اذا كان يوم عيد خالف الطريق ——— رواه البخاري

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عید کے دن راستہ بدل دیتے تھے ——— (صحیح بخاری)

(تشریح) مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عید کی نماز کے لیے جس راستہ سے عیدگاہ تشریف لے جاتے تھے واپسی میں اس کو چھوڑ کر دوسرے راستہ سے تشریف لاتے تھے ——— علماء نے اس کی مختلف حکمتیں بیان کی ہیں، اس عاجز کے نزدیک ان میں سے زیادہ قرین قیاس یہ ہے کہ آپ یہ اس لیے کرتے تھے کہ اس طرح شعائر اسلام اور مسلمانوں کی اجتماعیت و شوکت کا زیادہ سے زیادہ اظہار و اعلان ہو نیز عید میں جشن اور تفریح کا جو پہلو ہے اس کے لیے بھی یہی زیادہ مناسب ہے کہ مختلف راستوں اور بستی کے مختلف حصوں سے گزرا جائے۔ واللہ اعلم۔

صدقۂ فطر، اس کا وقت اور اس کی حکمت :-

عن ابن عمر قال فرض رسول الله صلى الله عليه وسلم

زکوٰۃ الفطر صاعاً من تمر او صاعاً من شعیر علی العبد والحر والذکر والانثٰی والصغیر والکبیر من المسلمین وامر بھا ان تؤدّیٰ قبل خروج النّاس الی الصّلوٰۃ۔

—————— رواہ البخاری ومسلم

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، آپ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں میں سے ہر غلام اور آزاد پر اور ہر مرد وعورت پر اور ہر چھوٹے اور بڑے پر صدقۂ فطر لازم کیا ہے، ایک صاع کھجور یا ایک صاع جو، اور حکم دیا ہے کہ یہ صدقۂ فطر نماز عید کے لیے جانے سے پہلے ادا کر دیا جائے۔ (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

(تشریح) زکوٰۃ کی طرح صدقۂ فطر بھی اغنیاء (دولتمندوں) ہی پر واجب ہے۔ چونکہ یہ بات مخاطبین خود سمجھ سکتے تھے اس لیے اس حدیث میں اس کی وضاحت نہیں کی گئی۔ رہی یہ بات کہ اغنیاء کون ہیں اور اسلام میں دولتمندی کا معیار کیا ہے؟ اس کی وضاحت اور تفصیل انشاء اللہ زکوٰۃ کے بیان میں کی جاسکے گی۔

اس حدیث میں ہر نفر کی طرف سے ایک صاع کھجور یا ایک صاع جو صدقۂ فطر ادا کرنے کا حکم دیا گیا ہے، یہی دو چیزیں اس زمانہ میں مدینہ اور اس کے گرد ونواح میں عام طور سے بطور غذا کے استعمال ہوتی تھیں اس لیے اس حدیث میں انہی دو کا ذکر کیا گیا ہے، بعض حضرات نے لکھا ہے کہ اس زمانے میں ایک چھوٹے گھرانے کی غذا کے لیے ایک صاع کھجوریں یا ایک صاع جو کافی ہوتے تھے۔ اس حساب سے ہر دولتمند گھرانے کے ہر چھوٹے بڑے فرد کی جانب سے عید الفطر کے دن اتنا صدقہ ادا کرنا فرض قرار دیا گیا جس سے ایک معمولی گھرانے کے ایک دن کے کھانے کا خرچ چل سکے۔

—— ہندوستان کے اکثر علماء کی تحقیق کے مطابق رائج الوقت سیر کے حساب سے ایک صاع قریباً ساڑھے تین سیر کا ہوتا تھا۔

عن ابن عباس قال فرض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

زکوٰۃ الفطر طہر الصیام من اللغو والرفث وطعمۃ للمساکین۔

رواہ ابوداؤد

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے روزوں کو فضول ولایعنی اور فحش باتوں کے اثرات سے پاک صاف کرنے کے لیے اور مسکینوں محتاجوں کے کھانے کے بندوبست کے لیے صدقۂ فطر واجب قرار دیا۔ (سنن ابی داؤد)

(تشریح) اس حدیث میں صدقۂ فطر کی دو حکمتوں اور اس کے دو خاص فائدوں کی طرف اشارہ فرمایا گیا ہو، ایک یہ کہ مسلمانوں کے جشن و مسرت کے اس دن میں صدقۂ فطر کے ذریعہ محتاجوں مسکینوں کی بھی شکم سیری اور آسودگی کا انتظام ہو جائے گا۔ اور دوسرے یہ کہ زبان کی بے احتیاطیوں اور بے باکیوں سے روزہ پر جو برے اثرات پڑے ہوں گے، یہ صدقۂ فطر ان کا بھی کفارہ اور فدیہ ہو جائے گا۔

عید الاضحیٰ کی قربانی:-

عن عائشۃ قالت قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما عمل ابن آدم من عمل یوم النحر احب الی اللہ من اہراق الدم وانہ لیاتی یوم القیمۃ بقرونہا واشعارہا واظلافہا وان الدم لیقع من اللہ بمکان قبل ان یقع بالارض فطیبوا بہا نفساً

رواہ الترمذی وابن ماجۃ

حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ذی الحجہ کی دسویں تاریخ یعنی عید الاضحیٰ کے دن فرزند آدم کا کوئی عمل اللہ کو قربانی سے زیادہ محبوب نہیں، اور قربانی کا جانور قیامت کے دن اپنے سینگوں اور بالوں اور کھروں کے ساتھ (زندہ ہو کر) آئے گا، اور قربانی کا خون زمین پر گرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ

کی رضا اور مقبولیت کے مقام پر پہونچ جاتا ہے، پس اے خدا کے بندو دل کی پوری خوشی سے قربانیاں کیا کرو۔ (جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ)

عن زید بن ارقم قال قال اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما ھذہ الاضاحی یا رسول اللہ؟ قال سنۃ ابیکم ابراھیم علیہ السلام قالوا فما لنا فیھا یا رسول اللہ؟ قال بکل شعرۃ حسنۃ، قالوا فالصوف یا رسول اللہ قال بکل شعرۃ من الصوف حسنۃ ــــــــ رواہ احمد وابن ماجۃ

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض اصحاب نے عرض کیا یا رسول اللہ ان قربانیوں کی کیا حقیقت اور کیا تاریخ ہے؟ آپ نے فرمایا یہ تمہارے (روحانی اور نسلی) مورث حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہے (یعنی سب سے پہلے ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کا حکم دیا گیا تھا اور وہ کیا کرتے تھے، ان کی اس سنت اور قربانی کے اس عمل کی پیروی کا حکم مجھ کو اور میری امت کو بھی دیا گیا ہے) اُن صحابہ نے عرض کیا پھر ہمارے لیے یا رسول اللہ ان قربانیوں میں کیا اجر ہے؟ آپ نے فرمایا قربانی کے جانور کے ہر ہر بال کے عوض ایک نیکی، انھوں نے عرض کیا، تو کیا اُون کا بھی یا رسول اللہ یہی حساب ہے؟ (اس سوال کا مطلب یہ تھا کہ بھیڑ، دُنبہ، مینڈھا، اونٹ جیسے جانور جن کی کھال پر گائے، بیل یا بکری کی طرح کے بال نہیں ہوتے بلکہ اُون ہوتا ہے، اور یقیناً ان میں سے ایک ایک جانور کی کھال پر لاکھوں یا کروڑوں بال ہوتے ہیں، تو کیا ان اُون والے جانوروں کی قربانی کا ثواب بھی "ہر بال کے عوض ایک نیکی" کی شرح سے ملے گا؟) آپ نے ارشاد فرمایا ہاں اون یعنی اُون والے جانور کی قربانی کا اجر بھی اسی شرح اور اسی حساب سے ملے گا کہ اس کے بھی ہر بال کے عوض ایک نیکی۔ (مسند احمد، سنن ابن ماجہ)

عن ابن عمر قال اقام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بالمدینۃ عشر سنین یضحی ——— رواہ الترمذی

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (ہجرت کے بعد) مدینہ طیبہ میں دس سال قیام فرمایا اور آپ برابر (ہر سال) قربانی کرتے تھے۔ (جامع ترمذی)

عن حنش قال رأیت علیاً یضحی بکبشین فقلت لہ ما ھذا؟ فقال ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اوصانی ان اضحی عنہ فانا اضحی عنہ ——— رواہ ابوداؤد وروی الترمذی نحوہ

حنش بن عبداللہ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو دو مینڈھوں کی قربانی کرتے دیکھا تو میں نے اُن سے عرض کیا کہ یہ کیا ہے (یعنی آپ بجائے ایک کے دو مینڈھوں کی قربانی کیوں کرتے ہیں؟) انھوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے وصیت فرمائی تھی کہ میں آپ کی طرف سے بھی قربانی کیا کروں، تو ایک قربانی میں آپ کی جانب سے کرتا ہوں (سنن ابی داؤد، جامع ترمذی)

(تشریح) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی مندرجۂ بالا حدیث سے معلوم ہوا تھا کہ مدینہ طیبہ میں قیام فرمانے کے بعد سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بلاتخلف ہر سال قربانی فرماتے رہے اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بعد کے لیے آپ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو وصیت فرما گئے تھے کہ آپ کی طرف سے قربانی کیا کریں، چنانچہ اس وصیت کے مطابق حضرت علی مرتضیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے برابر قربانی کرتے تھے۔

قربانی کا طریقہ:-

عن انس قال ضحی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

بکبشین املحین اقرنین ذبحھما بیدہٖ وسمّٰی وکبّر قال رأیتہ واضعاً قدمہ علیٰ صفاحھما ویقول بسم اللّٰہ واللّٰہ اکبر۔

――― رواہ البخاری ومسلم

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیاہی وسفیدی مائل رنگ کے سینگوں والے دو مینڈھوں کی قربانی کی، اپنے دست مبارک سے ان کو ذبح کیا اور ذبح کرتے وقت "بسم اللہ واللہ اکبر" پڑھا، میں نے دیکھا کہ اس وقت آپ اپنا پاؤں ان کے پہلو پر رکھے ہوئے تھے اور زبان سے "بسم اللہ واللہ اکبر" کہتے جاتے تھے۔

(صحیح بخاری وصحیح مسلم)

عن جابر قال ذبح النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم یوم الذبح کبشین اقرنین املحین موجوئین فلما وجھھما قال "انّی وجّھت وجھی للذی فطر السّمٰوٰت والارض علیٰ ملّۃ ابراھیم حنیفاً وما انا من المشرکین ان صلوٰتی ونسکی ومحیای ومماتی للّٰہ ربّ العٰلمین لاشریک لہ وبذالک امرت وانا من المسلمین اللّٰھمّ منک ولک عن محمد وامّتہ بسم اللّٰہ واللّٰہ اکبر ثم ذبح۔ ――― رواہ احمد وابوداؤد وابن ماجۃ والدارمی ――― وفی روایۃ لاحمد وابی داؤد والترمذی ذبح بیدہٖ وقال بسم اللّٰہ واللّٰہ اکبر اللّٰھمّ ھٰذا عنّی وعمّن لم یضحّ من امّتی۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ قربانی کے دن یعنی عید قرباں کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیاہی سفیدی مائل سینگوں والے دو خصی مینڈھوں کی قربانی کی، جب آپ نے ان کا رخ صحیح یعنی قبلہ کی طرف کر لیا تو یہ دعا پڑھی "انّی وجّھت وجھی للذی۔۔۔۔۔

......اللّٰھمّ منك ولك عن محمد و امتہ بسم اللّٰہ واللّٰہ اکبر" (میں نے اپنا رُخ اس اللہ کی طرف کرلیا جس نے زمین و آسمان کو پیدا کیا ہے، طریقۂ ابراہیمؑ کے ہر طرف سے یکسو ہوکر اور میں شرک والوں میں سے نہیں ہوں، میری نماز و عبادت اور میری قربانی اور میرا جینا اور مرنا اللہ رب العالمین کے لیے ہے۔ اس کا کوئی شریک ساجھی نہیں اور مجھے اسی کا حکم ہے اور میں حکم ماننے والوں میں ہوں۔ اے اللہ یہ قربانی تیری ہی طرف سے اور تیری ہی توفیق سے ہے اور تیرے ہی واسطے ہے، تیرے بندہ محمد کی اور اسکی امت کی جانب سے بسم اللہ واللہ اکبر) یہ دعا پڑھ کر آپ نے مینڈھے پر چھری چلائی اور اس کو ذبح کیا۔

(مسند احمد، سنن ابی داؤد، سنن ابن ماجہ، سنن دارمی)

اور مسند احمد و سنن ابی داؤد اور جامع ترمذی کی اسی حدیث کی ایک دوسری روایت میں آخری حصہ اس طرح ہے کہ آپ نے "اللّٰھُمَّ مِنْكَ وَلَكَ" کہنے کے بعد اپنے ہاتھ سے ذبح کیا اور زبان سے کہا "بسم اللّٰہ واللّٰہ اکبر" اے اللہ یہ میری جانب سے اور میرے ان امتیوں کی جانب سے جنھوں نے قربانی نہ کی ہو۔

(تشریح) قربانی کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اللہ تعالیٰ سے یہ عرض کرنا کہ "میری جانب سے اور میری اُمت کی جانب سے، یا میرے ان امتیوں کی جانب سے جنھوں نے قربانی نہیں کی" ظاہر ہے کہ یہ امت کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی انتہائی شفقت و رافت ہے ــــــ لیکن ملحوظ رہے کہ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ آپ نے ساری اُمت کی طرف سے یا قربانی نہ کرنے والے اُمتیوں کی طرف سے قربانی کردی اور سب کی طرف سے ادا ہوگئی۔ بلکہ اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ اے اللہ اسکے ثواب میں میرے ساتھ میرے امتیوں کو بھی شریک فرما! ثواب میں شرکت اور چیز ہے اور قربانی کا ادا ہوجانا دوسری چیز ہے۔

تجلیاتِ مُجدِّدِ الفِ ثانی

مکتوبات کے آئینے میں

ترجمہ ـــــــ از مولانا نسیم احمد فریدی امروہی

متوب (۶۸) خواجہ شرف الدین حسین کے نام (آخری حصہ)

یہ وہ زمانہ ہے کہ آنسرور صلے اللہ علیہ وسلم نے (ایسے وقت میں) غربائے اہل اسلام
بشارت دی ہے، نیز فرمایا ہے کہ " زمانۂ فتنہ میں عبادت کرنا ایسا ہے جیسا کہ میری طرف
ت کرنا" ـــــــ تم کو معلوم ہے کہ غلبۂ فتنہ و فساد کے وقت سپاہی اگر تھوڑی سی بھی جرأت
تے ہیں تو (بادشاہ کے دل میں) بہت کچھ وقعت پیدا کر لیتے ہیں ـــــــ امن و امان کے وقت
ہزار دوڑ دھوپ کریں بے اعتبار ہے۔ پس کام کرنے کا اور کام کے قبول ہونے کا وقت
ہے جو فتنوں کا وقت ہے۔ اگر چاہتے ہو کہ (قیامت میں) مقبولان خدا میں محشور ہو تو رضائے
تعالیٰ کے لیے اپنی تمام مرضیات سے دست بردار ہو جاؤ اور سنّتِ سنیّہ کی متابعت کے
وہ کسی چیز کو اختیار نہ کرو ـــــــ (دیکھو) اصحاب کہف، غلبۂ فتنہ کے وقت صرف ایک
ہجرت سے اتنے اونچے درجے کو پہونچ گیے تم تو محمدی ہو اور داخل خیر الامم ہو تم اپنے
ت کو لہو و لعب میں ضائع نہ کرو اور بچوں کی طرح معمولی چیزوں کی طرف متوجہ نہ ہو۔

دادیم ترا ز گنج مقصود نشاں
گر ما نرسیدیم تو شاید برسی

مکتوب (۶۹) محمد مراد بدخشی کے نام

[نماز اور اس کے متعلقات کے بیان میں نیز دیگر نصائح]

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ـــــ الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ

آپ نے جو مکتوب بھیجا تھا پہونچا ـــــ چونکہ دوستوں کی ثابت قدمی اور استقامت کا مضمون تھا اس لیے بہت خوشی ہوئی اللہ تعالےٰ نے ثبات و استقامت میں اضافہ فرمائے۔

تم نے لکھا تھا کہ جس کام پر مامور ہوں اس پر ان دوستوں کے ساتھ جو داخل طریقہ ہوئے ہیں مداومت کرتا ہوں ـــ اور نماز پنجگانہ باجماعت پچاس ساٹھ نمازیوں کے ہمراہ ادا کرتا ہوں، اللہ کا شکر ہے ـــــ یہ عجیب نعمت ہے کہ باطن، ذکر الٰہی سے معمور و آباد ہے اور ظاہر، احکام شرعی سے آراستہ ہے۔ چونکہ اس زمانہ میں اکثر آدمی ادائیگی نماز میں سستی برتتے ہیں اور اطمینان و تعدیلِ ارکان کا خیال نہیں رکھتے ہیں۔ اس وجہ سے اس بارے میں تاکید کے ساتھ لکھتا ہوں اچھی طرح سن لیں ـــــ

مُخبر صادق صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "سب سے بڑا چور وہ ہے جو اپنی نماز سے چراتا ہے"۔ صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہؐ اپنی نماز سے کوئی کس طرح چراتا ہے؟ ارشاد فرمایا (اس طرح) کہ "وہ نماز کے رکوع و سجود کو پوری طرح ادا نہ کرے"۔ ـــ نیز ارشاد فرمایا کہ "اللہ تعالےٰ اس بندے کی نماز نظر قبولیت سے نہیں دیکھتا جو رکوع و سجود میں اپنی پشت کو ثابت و برقرار نہ رکھے" ـــــ نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ایک شخص کو دیکھا کہ نماز پڑھ رہا ہے اور رکوع و سجود کو پورا نہیں کر رہا تو فرمایا کہ کیا تو اس بات سے نہیں ڈرتا ہے کہ اگر ایسی نمازیں پڑھتے پڑھتے تو مرا تو غیر دین محمدؐ پر مرے گا" ـــــ نیز آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ "کامل و مکمل نہ ہوگی کسی کی نماز تا وقتیکہ وہ بعد از رکوع اچھی طرح نہ کھڑا ہو اور اپنی پشت کو ثابت و برقرار نہ کرے اور اس کا ہر عضو اپنی جگہ پر قرار نہ پکڑ لے"۔ اور ایسے ہی فرمایا کہ "جب تک نمازی دونوں سجدوں کے درمیان نہ بیٹھے اور اپنی پشت کو سیدھا نہ کرے اور ثابت نہ رکھے اس کی نماز پوری نہ ہوگی"۔ ...... حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے فرمایا

ہے کہ ایک شخص ساٹھ سال تک نماز پڑھتا رہتا ہے مگر اس کی ایک نماز بھی قبول نہیں کی جاتی یہ وہ شخص ہے جو کہ رکوع و سجود کو پوری طرح ادا نہیں کرتا" ـــــ کہتے ہیں کہ زید بن وہب نے ایک شخص کو دیکھا کہ نماز پڑھ رہا ہے اور رکوع و سجود اچھی طرح ادا نہیں کر رہا انہوں نے (بعد فراغت نماز) اس شخص کو بلایا اور فرمایا کہ اس طریقے سے نماز پڑھتے ہوئے تجھے کتنا عرصہ ہو گیا؟ اس نے کہا چالیس سال فرمایا تو نے اس چالیس سال کے عرصہ میں نماز ادا ہی نہیں کی اگر تو اسی حال میں مر گیا تو سنت محمد رسول اللہ پر نہیں مرے گا"۔ منقول ہے کہ جب بندۂ مومن نماز اچھی طرح پڑھتا ہے اور رکوع و سجود ٹھیک ٹھیک ادا کرتا ہے تو اس کے لیے وہ نماز بشاشت والی اور نورانی ہوتی ہے۔ فرشتے اس نماز کو آسمان پر لے جاتے ہیں اور نماز، نمازی کے لیے دعائے خیر کرتی ہے۔ اور کہتی ہے کہ اللہ تعالیٰ تیری اسی طرح حفاظت کرے جس طرح تو نے میری حفاظت کی" ـــ اگر نماز اچھی طرح نہ پڑھے گا تو وہ نماز، ظلمانی ہو گی اور فرشتوں کو اس سے کراہت پیدا ہو گی وہ اس نماز کو آسمان پر نہیں لے جائیں گے۔ وہ نماز نمازی کو بد دعا کرتی ہے اور کہتی ہے کہ اللہ تعالیٰ تجھ کو اسی طرح ضائع کرے جس طرح تو نے مجھے ضائع کیا" ــــ بس نماز کو کامل طریقے پر ادا کرنا چاہیئے اور تعدیل ارکان اچھی طرح ملحوظ رہے ـــــ رکوع، سجود، قومہ اور جلسہ عمدہ طریقے پر ادا کیے جائیں اور دوسروں کو بھی اچھی طرح نماز پڑھنے کی ہدایت کی جائے نیز طمانینت و تعدیل ارکان کا راستہ بتایا جائے اس لیے کہ اکثر آدمی اس دولت سے محروم ہیں اور یہ عمل متروک سا ہو گیا ہے۔ اس عمل کو زندہ کرنا اسلام کی اہم ترین باتوں میں سے ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص میری کسی سنت کو زندہ کرتا ہے جب کہ وہ مردہ ہو گئی ہو تو اس شخص کو سو شہیدوں کا ثواب ملتا ہے" ـــــ یہ بھی جاننا چاہیئے کہ جماعت کی صفیں درست کرنا بھی ضروری ہے۔ تاکہ کوئی نمازی (صف سے) آگے یا پیچھے نہ کھڑا ہو۔ کوشش کی جائے کہ سب ایک دوسرے کے برابر رہیں۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اوّل صفوں کو درست فرماتے تھے اس کے بعد تکبیر تحریمہ پڑھتے تھے ـــــ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ صفوں کو سیدھا کرنا اقامت صلوٰۃ ہی سے ہے"۔ اے اللہ اپنی جانب سے ہمیں رحمت عطا فرما

اور ہمارے کام میں درستی کا سامان مہیا فرما دے

سعادت آثارا! عمل، نیت صحیح سے درست ہوتا ہے تم چونکہ کفار دار الحرب سے جہاد کے لیے جا رہے ہو اول تصحیح نیت کرو تاکہ اس پر (اچھا) نتیجہ مرتب ہو — چاہئے کہ اس جنگ سے مقصود، اعلائے کلمۂ اسلام اور دشمنانِ دین کی توہین و تخریب ہو کیونکہ ہم کو اسی کا حکم دیا گیا ہے اور حکم جہاد سے مقصود یہی ہے۔ امور دیگر کو پیش نظر رکھ کر اپنی نیت کو باطل نہ کریں۔ مجاہدوں کی تنخواہ جو بیت المال سے مقرر ہوتی ہے یہ منافی جہاد نہیں اور نہ اس سے مجاہدوں کے اجر میں کوئی نقصان واقع ہوتا ہے۔ البتہ بری نیت عمل کو باطل کرتی ہے — تصحیح نیت کے ساتھ بیت المال سے کھانے پینے کا خرچ لے کر جہاد کریں بعدہٗ غازیوں اور شہیدوں کے اجر کے امیدوار ہوں۔ تمہارے حال پر رشک آتا ہے کہ باطن میں حق کے ساتھ مشغول ہو اور ظاہر میں نماز بجماعت کثیرہ ادا کرتے ہو اس کے ساتھ ساتھ دولت جہاد سے بھی مشرف ہو رہے ہو۔ جو اس راہ میں زندہ رہتا ہے غازی و مجاہد ہے، مرتا ہے تو شہید ہے — لیکن یہ مرتبہ تصحیح نیت کے بعد ہی متصور ہے۔ اگر حقیقت نیت میسر نہ ہو تو تکلف کر کے خود کو صحیح نیت پر لایا جائے اور اللہ تعالیٰ سے التجا کی جائے تاکہ حقیقتِ نیت میسر ہو جائے۔ ربنا اتمم لنا نورنا واغفر لنا انک علیٰ کل شیءٍ قدیر ——————

دوسری نصیحت جو دوستوں کو کی جاتی ہے وہ پابندئی نماز تہجد کی ہے۔ نمازِ تہجد ضروریاتِ طریقت سے ہے۔ ہم نے زبانی بھی یہی تم سے کہا تھا کہ اگر یہ بات مشکل معلوم ہو اور خلافِ عادت (تہجد کے لیے) بیدار رہنا میسر نہ ہو تو اپنے متعلقین میں سے کچھ آدمیوں کو اس کام کے لیے مقرر کیا جائے تاکہ وہ اس وقت کسی نہ کسی طرح بیدار کر دیں اور تم کو خواب غفلت میں نہ پڑا رہنے دیں — جب وہ لوگ چند روز ایسا کریں گے تو پھر بے تکلف اس دولت عظمیٰ پر مداومت، میسر ہو جائے گی — ایک اور نصیحت یہ کرنی ہے کھانے میں لقمۂ حلال کا (خاص) خیال رکھا جائے۔ یہ کیا ضروری ہے کہ کوئی شخص جو کچھ کسی جگہ سے پائے اس کو (بغیر تحقیق) کھالے اور حلال و حرام شرعی کا لحاظ نہ کرے۔ یہ شخص خود مختار نہیں ہے کہ جو چاہے

کرے بلکہ اپنا ایک آقائے حقیقی رکھتا ہے کہ جس نے امر و نہی کی تکلیف دی ہے اور بذریعہ انبیاء علیہم السلام اس نے اپنی رضا اور عدم رضا کو بیان فرمایا ہے۔ وہ بندہ بڑا بے سعادت ہے جو اپنے مولیٰ کی مرضی کے خلاف کوئی خواہش رکھتا ہو اور مولیٰ کی اجازت کے بغیر اسکے مُلک و مِلک میں تصرّف کرے ــــ شرم کی بات ہے کہ آقائے مجازی کی رضامندی کا تو خیال رکھا جاتا ہے اور نہیں چاہتے کہ کوئی دقیقہ اس بارے میں فروگذاشت ہو جائے اور مولائے حقیقی بتاکید و مبالغہ ناپسندیدہ باتوں سے منع فرماتا ہے اچھی طرح سرزنش کرتا ہے۔ اس پر بھی کچھ توجہ نہیں کرتے (بتاؤ) اس حرکت کا نام اسلام ہے یا کفر؟ غور کرو ابھی کچھ نہیں بگڑا ہے ابھی تلافی مافات ممکن ہے ــ گناہوں سے توبہ کرنے والا ایسا ہے کہ جیسے اس نے کوئی گناہ کیا ہی نہیں "۔ یہ حدیث کی بشارت ہے (توبہ کرنے والے) گنہگاروں کے حق میں۔ اس کے باوجود اگر کوئی گناہ پر اصرار کرے اور اس سے خوش ہو تو وہ منافق ہے ــــ (محض) صورتِ اسلام اس سے عقوبت و عذاب کو رفع نہیں کرے گی ــــ اس سے زیادہ کیا تاکید و مبالغہ کیا جائے۔ عاقلوں کو اشارہ کافی ہے۔

ایک بات یہ لکھنا ہے کہ خوفناک مواقع میں اور ان جگہوں میں جہاں دشمنوں کا غلبہ ہو امن و عافیت کے لیے سورۂ قریش کا پڑھنا مُجرَّب ہے ــ کم از کم ہر دن اور ہر رات میں گیارہ گیارہ مرتبہ پڑھ لیں اور حدیثِ مصطفویؐ میں وارد ہوا ہے ــ من نزل منزلاً ثم قال اعوذ بکلماتِ اللّٰہِ التاماتِ مِن شرِّ ما خلَقَ لم یضرّہٗ شیءٌ حتی ارتحل من منزلہٖ ذٰلک (جو شخص کسی جگہ اترے پھر یہ کلمات ادا کرے جن کا ترجمہ یہ ہے میں پناہ ڈھونڈھتا ہوں کلمات خدا کے ذریعہ جو کہ کامل ہیں اس چیز کے شر سے جس کو اس نے پیدا کیا ہے۔ تو کوئی موذی چیز اس کو نقصان نہیں پہونچائے گی یہاں تک کہ وہ اس منزل سے کوچ کرے ــــــــ والسّلام علیٰ من اتبع الھدیٰ ــ

مکتوب (۵) میرزا مظفر خاں کے نام

[مصائب دوستانِ خدا کیلئے کفارہ ہیں اور اللہ تعالیٰ سے تضرع و زاری کے ساتھ عفو و عافیت طلب کرنا چاہیئے]

اللہ تعالیٰ آپ کو محفوظ رکھے ان تمام باتوں سے جو آپ کے شایانِ شان نہیں ہیں۔ (واضح ہو کہ) دنیاوی مصائب کا آنا دوستانِ خدا کی لغزشوں کا کفارہ ہے ــ اس وقت تک تضرع و زاری اور التجاو انکسار کے ساتھ عفو و عافیت کو جناب قدس سے طلب کرنا چاہیئے جب تک آثر قبولیت مفہوم

نہ ہو اور فتنوں کا دب جانا معلوم نہ ہو جائے ـــــ ہر چند ہم اور سب خیر اندیش اسی کام میں ہیں (آپ کے حق میں دعا کر رہے ہیں) لیکن صاحب معاملہ کو اس کام کا زیادہ حق پہونچتا ہے (صاحب معاملہ کو خود زیادہ سے زیادہ دعا کرنی چاہیئے) دوا کھانا اور پرہیز کرنا خود مریض کا کام ہے دوسرے لوگ (تیمار دار) اس کے ازالۂ مرض میں مددگار ہونے سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتے۔ حقیقتِ معاملہ تو یہ ہے کہ جو کچھ بھی محبوب حقیقی کی طرف سے پہونچے کشادگیٔ پیشانی اور فراخیٔ سینہ کے ساتھ، احسان مانتے ہوئے قبول کرنا چاہیئے بلکہ اس سے لذت یاب ہونا چاہیئے۔ اگر محبوب کو محب کی رسوائی مطلوب ہے تو وہ رسوائی محبِ صادق کے نزدیک اس نیک نامی سے بہتر ہے جو کہ نفس کو مطلوب ہے۔ اگر محب کو یہ بات حاصل نہیں ہوئی تو وہ محبت میں ناقص بلکہ کاذب ہے۔

؎ گر طمع خواہد زمن سلطانِ دین　　خاک بر فرقِ قناعت بعد ازیں

.... والسلام

مکتوب (۷۷) مولانا حسن برکی کے نام (آخری حصہ)

...... تم نے دریافت کیا تھا کہ ختم کلام اللہ، نماز نفل اور تسبیح و تہلیل کا ثواب والدین یا استاد یا عزیزوں کو بخش دینا بہتر ہے یا نہ بخشنا بہتر ہے ـــ جاننا چاہیئے کہ ثواب بخش دینا بہتر ہے کیوں کہ اس صورت میں دوسروں کو بھی نفع پہونچتا ہے۔ اور خود کو بھی ـــ اور ثواب نہ بخشنے میں نفع، صرف اپنے ہی ساتھ مخصوص و محدود رکھنا ہے (ثواب بخش دینے کی صورت میں) ممکن ہے کہ بطفیلِ دیگراں ہی عمل قبول فرمالیں ـــ والسلام۔

مکتوب (۸۱) - محمد مراد قوربگی کے نام　[نصیحت]

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفےٰ ـــــ مجھے ڈر ہے کہیں دوستانِ نیک انجام دنیا (جو کہ بظاہر تازگی اور شیرینی اپنے اندر رکھتی ہے) کی آرائشوں میں پھنس کر بچوں کی طرح اس کے فریفتہ نہ ہو جائیں اور دشمن لعین (شیطان) کی رہنمائی میں مباح سے مشتبہ کی طرف اور مشتبہ سے حرام کی طرف رغبت نہ کرنے لگیں۔ ایسا ہوا تو مولائے حقیقی کے

سامنے خجل و شرمندہ ہونا پڑے گا۔ توبہ اور رجوع الی اللہ میں قدم راسخ رکھنا اور منہیات شرعیہ کو زہر قاتل سمجھنا چاہیئے ــــــ

؎ ہمہ اندر زمن بتو ایں است کہ تو طفلی و خانہ رنگیں است

حضرت حق سبحانہ نے اپنے کرم و فضل سے جائز امور کا دائرہ خود اپنے بندوں کے لیے وسیع کر دیا ہے۔ کوئی بڑا بد قسمت ہوگا جو تنگی سینہ کی بنا پر اس قدر فراخی و وسعت کو تنگی سمجھ کر اس دائرہ وسیع سے باہر قدم رکھے اور حدود شرعیہ سے تجاوز کر کے مشتبہ و حرام میں مبتلا ہو جائے۔ حدود شرعیہ کا پابند رہنا چاہیئے ان حدود سے بال برابر تجاوز نہ کرنا چاہیئے۔ رسم و عادت کے ساتھ نماز پڑھنے والے اور روزہ رکھنے والے نسبۃً پھر بھی بہت ہیں مگر ایسے پرہیز گار جو حدود شرعیہ کی محافظت کریں بہت کم ہیں۔ وہ امتیازی خط جو اہل حق اور اہل باطل کو ایک دوسرے سے جدا کرے یہی پرہیز گاری ہے ـــ اس لیے کہ نماز و روزہ تو ظاہر میں اہل حق اور اہل باطل دونوں سے وجود میں آجاتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:۔ "سبب استحکام دین، تقویٰ ہے"۔ نیز ارشاد فرمایا ہے۔ "پرہیز گاری کے برابر کسی چیز کو شمار نہ کرو" ــــــ (ہمارے خوشحال) دوست ہر چند پر تکلف کھانے کھائیں اور لباسہائے فاخرہ، زیب تن کریں مگر لذتِ انتفاع تو فقرا ہی کے طعام و لباس میں ہے۔

؎ آنکہ آں داد بشاہاں بگدایاں ایں داد

اس حال میں (امیری میں) اور اس حال میں (درویشی میں) بہت بڑا فرق ہے۔ وہ (اکثر) رضائے حق سے بعید ہے اور یہ رضائے حق سے نزدیک ہے اس کا محاسبہ سخت ہوگا اور اس کا ہلکا ــــــ اے ہمارے رب ہم کو اپنی جانب سے رحمت عطا فرما اور ہمارے کام میں درستی و کامیابی ارزانی فرما ــ ....

[نصیحت]

مکتوب (۸۲) خواجہ شرف الدین حسین کے نام

اے اللہ ہماری آنکھوں میں دنیا کو حقیر کر دے اور آخرت کی عظمت ہمارے قلوب میں بٹھا دے بحرمۃ النبی صلے اللہ علیہ وسلم ــــ اے فرزند عزیز با تمیز! تم دنیائے دُوں

کی طرف ہرگز راغب نہ ہونا اور اس فانی طمطراق پر فریفتہ نہ ہو جانا کوشش کرو کہ تمام حرکات و سکنات میں شریعتِ مطہرہ کے تقاضے کے مطابق عمل درآمد ہو اور ملت بیضا کی موافقت میں زندگی گزرے ــــ سب سے پہلے تصحیح اعتقاد علماء اہل سنت و جماعت کی رائے کے مطابق ضروری ہے بعد ازاں عملی احکام فقہیہ کا نمبر ہے ۔ فرائض کی ادائیگی میں پورا اہتمام کرنا چاہیئے حلال و حرام میں بہت احتیاط سے کام لیا جائے ۔ یہ بھی یاد رکھو کہ عباداتِ نافلہ، عباداتِ فرائض کے مقابلے میں کوئی حیثیت نہیں رکھتیں ....

بہت سے آدمی اس زمانے میں اشاعتِ نوافل اور تخریب فرائض میں مشغول ہیں نفلی عبادتوں کی ادائیگی کا اہتمام کرتے ہیں اور فرائض کو خوار و بے اعتبار قرار دے رکھا ہے ۔ بہت سا روپیہ بے موقع مستحق اور غیر مستحق کو دیتے ہیں لیکن ایک جیتل (معمولی قیمت کا سکہ) زکوٰۃ کی ادائیگی میں ان کو دینا مشکل ہے ۔ یہ نہیں سمجھتے کہ ایک جیتل زکوٰۃ میں دینا لاکھوں روپیہ صدقۂ نافلہ میں دینے سے بہتر ہے ــــ ادائیگی زکوٰۃ میں محض حکم خداوندی پورا کیا جاتا ہے اور صدقۂ نافلہ کا منشا اکثر و بیشتر ہوائے نفسانی ہے ــــــ اسی لیے فرض میں ریاکاری کی گنجائش نہیں ہے اور نفل میں ریاکاری کے لیے بڑا میدان ہے ۔ یہی وجہ ہے ادائے زکوٰۃ میں اظہار کرنا بہتر ہے تاکہ اپنے سے تہمت کو دور کر دے اور صدقۂ نافلہ میں پوشیدگی بہتر ہے کیوں کہ اس میں یہی صورت قبولیت کے لیے زیادہ مناسب ہے ۔ حاصل کلام یہ کہ احکام شرعیہ کی پابندی کے بغیر کوئی چارہ کار نہیں ہے تاکہ مضرتِ دنیا سے خلاصی کی شکل بنے اگر حقیقتہً ترک دنیا میسر نہ ہو تو کم از کم ، ترکِ حکمی سے تو کوتاہی نہ ہونی چاہیئے ۔ ترک حکمی التزام شریعت ہے ۔ اقوال میں بھی اور افعال میں بھی ــــــ

واللہ سبحانہ الموفق ــــ والسلام علی من اتبع الھدیٰ

مکتوب (۱۸۱) ـ شیخ حمید بنگالی کے نام

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ ــــــــ برادرم میاں شیخ حمید نے عجیب گوشہ نشینی اور یک سوئی اختیار کر رکھی ہے کہ اس میں سلام و پیام کی بھی

گنجائش نہیں ہے۔ اس سات آٹھ سال میں (صرف) ایک مکتوب تمہاری جانب سے پہونچا ہے اور وہ بھی نا تمام و نا مکمل۔ یہاں سے جو مکتوبات جاتے ہیں معلوم نہیں کہ تم تک پہونچتے ہیں یا نہیں۔ برادرم شیخ عبدالحیٔ چوں کہ اپنے وطن کی جانب متوجہ ہیں اس لیے ان سے کہہ دیا گیا ہے کہ ایک بار وہ تمہارے پاس پہونچیں اور تمہارے احوال پر مطلع ہوں ــــ شیخ عبدالحیٔ پانچ سال کے قریب ہمارے پاس رہے ہیں اکثر خدمات حضوری ان سے متعلق تھیں وہ فقیر کے علوم و معارف سے سیراب اور احوال جذبہ وسلوک سے آگاہ ہیں۔ شیخ عبدالحیٔ مذکور سے کہہ دیا گیا ہے کہ وہ چند روز تمہارے مکان پر ٹھہریں اور جو علوم و معارف، مناسب وقت ہوں ان کو تم سے بیان کریں۔ تم بھی احوال گزشتہ اور موجودہ احوال و مواجید جو کچھ ہوں ان کے سامنے ظاہر کر دو اور وہ جو کچھ نصیحت کریں اس کا لحاظ رکھو ــــ باقی حالات مشارٌ الیہ (شیخ عبدالحیٔ) تم سے زبانی کہیں گے ان شاء اللہ تعالےٰ۔ والسلام علیکم وعلیٰ سائر من اتبع الہدیٰ۔

اپنی ضرورت اور ذوق کے مطابق انتخاب فرمائیے

قرآن مجید مع ترجمہ و تفسیر حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ

اگر آپ فارسی زبان جانتے ہیں تو یہ قرآن پاک آپ کے لیے بہترین تحفہ ہو۔ فارسی زبان میں دو ترجمے پہلا حضرت شاہ ولی اللہ کا۔ دوسرا حضرت شیخ الہند کا اور حاشیہ پر حضرت شاہ صاحب کی تفسیر فتح الرحمن اور اسی کے ساتھ حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی کے شہرۂ آفاق منتخب حواشی بھی فارسی میں۔ ہدیہ غیر مجلد -/۶

تفسیر ابن کثیرؒ (اردو)

عربی زبان کی یہ تفسیر متفقہ طور پر نہایت مفید و مستند قرار دی گئی ہو اس کے بعد کے ہر زبان کے مفسرین اس سے استفادہ کرتے ہیں اس بنا پر اسی کا مکمل اردو ترجمہ بھی شائع ہو گیا ہو۔ ۵ جلدوں میں مجلد ہو ہر جلد میں چھ پارے

قیمت کامل ۵۵ روپے

قصص القرآن

مجاہد ملت حضرت مولانا حفظ الرحمن سیوہاروی کی مشہور و مقبول بلند پایہ تالیف جس میں قرآن پاک میں ذکر روا قعات قصص خصوصاً انبیاء علیہم السلام سے متعلق واقعات کو مکمل تاریخی تفصیلات کے ساتھ پیش کیا گیا ہو بہت سے مسائل پر معرکہ آرا بحثیں ہیں۔ چار ضخیم جلدوں میں ملاحظہ فرمائیے

جلد اول -/۸۔ دوم -/۴۔ سوم ۵/۵۰۔ چہارم -/۸

(مجلد کی قیمت فی جلد ایک روپیہ زائد)

لغات القرآن (عربی اردو)

یہ بھی قرآنی خدمت کا ایک عظیم کارنامہ ہو۔ ندوۃ المصنفین دہلی نے مولانا عبدالرشید نعمانی اور مولانا عبدالدائم جلالی کے قلم سے چھ جلدوں میں قرآن کی یہ مکمل لغت اردو میں تیار کرائی ہو جس میں قرآن کے تمام الفاظ کی مفصل اور مستند تشریح کی گئی ہو۔ جلد اول ۵/۵۰، ۴ دوم -/۵ سوم ۴/۵۰

چہارم -/۶ پنجم ۶/۵ ششم ۴/۵۰

لغات الحدیث (عربی اردو)

یہ مشہور خادم حدیث مولانا وحید الزماں مرحوم کا علمی کارنامہ ہو۔ ۶ جلدوں میں احادیث اہلسنت والامیہ کی مکمل ڈکشنری نہایت کارآمد۔ شائقین علم حدیث اور علماء و طلباء کے لیے بیش قیمت تحفہ۔ ہر جلد کی قیمت -/۱۳

قرآن اور تعمیر سیرت

مشہور صوفی مفکر ڈاکٹر میر ولی الدین کی بیش قیمت کتاب موضوع نام سے ظاہر ہو۔ تعلیم یافتہ حضرات کے مطالعہ کے لائق۔ قیمت مجلد -/۶

حضرت ابوبکرؓ کے سرکاری خطوط

ایک تاریخی دستاویز اردو اور عربی دونوں میں۔ قیمت مجلد -/۶

سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات

دہلی کے تخت پر جو مسلم سلاطین بیٹھے ان کی مذہبی زندگی کا کیا حال تھا، اور کس کس طرح ان میں خاص خاص مذہبی رجحانات پیدا ہوئے۔ از پروفیسر خلیق احمد نظامی۔ قیمت مجلد -/۹

سیرت سید احمد شہید

از مولانا سید ابوالحسن علی ندوی۔ تیسرے (لاہور) اڈیشن کی جلد اول۔ دیکھنے کے قابل

قیمت ۸/۵۰

سوانح قاسمی

بانی دارالعلوم دیوبند حضرت مولانا قاسم نانوتوی کی سوانح حیات، مولانا مناظر احسن گیلانی کے قلم سے تین جلدوں میں، قیمت مکمل -/۱۸

حیات انور

حضرت علامہ انور شاہ کاشمیریؒ کی سوانح حیات قیمت -/۴

عالم اسلام اور تہذیب مغرب

(مولانا سید ابوالحسن علی ندوی)

["موقف العالم الاسلامی تجاہ الحضارۃ الغربیہ" کے نام سے مولانا کی تازہ ترین عربی تصنیف حال ہی میں نکلی ہے اردو میں اس کا ترجمہ مولوی سید محمد الحسنی صاحب کر رہے ہیں۔ یہاں اسی کا آخری حصہ پیش کیا جا رہا ہے۔]

ادارہ

(مغربی تہذیب کے مقابلہ میں) عالم اسلام کے موقف کا تعین اسوقت تک نہیں کیا جا سکتا جب تک کہ ہم امت اسلامیہ کے مزاج اور اس دنیا میں اس کے منصب اور حیثیت سے واقف نہ ہوں، پھر اس زندگی کے بارہ میں اس کے نقطۂ نظر سے باخبر ہوں جو تہذیب کو پیدا کرتی ہے اور سوسائٹیوں اور تمدنوں کی تشکیل کرتی ہے۔

اُمّتِ اسلامیہ کا مقام اور اُس کی دعوت

اُمّتِ اسلامیہ آخری دینی پیغام کی حامل ہے اور یہ پیغام اس کے تمام اعمال اور حرکات و سکنات پر حاوی ہے، اس کا منصب قیادت و رہنمائی اور دنیا کی نگرانی و احتساب کا منصب ہے، قرآن مجید نے بہت قوت اور صراحت کے ساتھ اعلان کیا ہے "کنتم خیر امۃ اخرجت للناس تأمرون بالمعروف وتنھون عن المنکر وتومنون باللہ" دوسری جگہ کہا گیا ہے "وکذلک جعلناکم امۃ وسطا لتکونوا شھداء علی الناس" اس لیے اس کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا کہ اس امت کی جگہ قافلے کے پیچھے اور شاگردوں

اور حاشیہ برداروں کی صف میں ہو اور وہ دوسری اقوام کے سہارے زندہ رہے، اور قیادت رہنمائی، امر و نہی اور ذہنی و فکری آزادی کے بجائے تقلید اور نقل کی اطاعت و سپراندازی پر راضی اور مطمئن ہو، اس کے صحیح موقف کی مثال اس شریف، قوی الارادہ اور آزاد ضمیر شخص سے دی جاسکتی ہے جو ضرورت، واحتیاج کے وقت دوسروں سے اپنے ارادہ و اختیار سے وہ چیزیں قبول کرتا ہے جو اس کے حالات کے مطابق ہوں اور اس کی شخصیت و برتری خود اعتمادی کو مجروح نہ کرتی ہوں، اور ان چیزوں کو مسترد کر دیتا ہے جو اس کی شخصیت اور حیثیت کے مطابق نہ ہو یا اس کو کمزور کرتی ہوں، یہی وجہ ہے کہ اس قوم کو کسی دوسری قوم کے شعائر اور امتیازات اختیار کرنے سے منع کیا گیا ہے[1]

یہ قوم زندگی کا ایک خاص متعین مقصد رکھتی ہے، دنیا کے لیے اس کے پاس ایک مکمل دعوت ہے، اس کی تہذیب و ثقافت، اس کی جد و جہد اور عمل اور اس کی ہر قسم کی سرگرمی اور نشاط اس کے عقیدہ، مقاصد اور پیغام کی تابع ہے۔ اس کے نزدیک علم برائے علم، اور طاقت برائے طاقت اور اتحاد برائے اتحاد کی کوئی قیمت نہیں، انسان اور کائنات پر فتح حاصل کرنا اور طبیعی و فلکی طاقتوں کی تسخیر (اگر وہ اپنی قوت یا اپنی مادی اور علمی فتوحات کے اظہار کے لیے ہو) اس کے نزدیک لہو و لعب یا حد سے بڑھی ہوئی انانیت کے سوا کچھ نہیں، قرآن مجید اس کے جذبات اور میلانات کو اس آیت سے قابو میں رکھتا ہے "تلك الدار الآخرة نجعلها للذين لا يريدون علوا في الارض ولا فسادا، والعاقبة للمتقين۔

---

[1] علامہ حسین بن محمد عبداللہ (م ۷۴۳ھ) اپنی کتاب الکاشف عن حقائق السنن المحمدیہ (شرح مشکاۃ المصابیح) میں حدیث من تشبہ بقوم فھو منھم" کی شرح بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں" یہ اخلاق فعل صورت اور شعار تینوں کے لیے عام ہے، لیکن چونکہ شعار سب سے زیادہ نمایاں اور ظاہر ہوتا ہے اس لیے اس کو اس باب میں ذکر کیا ہے۔ ملا علی قاری (م ۱۰۱۴ھ) نے مرقاۃ میں لکھا ہے کہ تشبہ سے مراد شعار ہی ہے اس لیے کہ معنوی اخلاق میں تشبہ کا تصور نہیں ہوتا اور معنوی اخلاق کے لیے تشبہ کا نہیں بلکہ تخلق کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے ص۲۴۳۔

طاقتور، باخبر، صالح اور مصلح مسلمان

ضرورت کی حد تک اور انسانیت کے مفاد اور نیک مقاصد کے لیے اسلام زندگی اور کائنات اور علم کی راہ میں جدوجہد کو جائز قرار دیتا ہے، بلکہ بعض اوقات اس کی ترغیب بھی دیتا ہے۔ اسکے لیے اللہ تعالیٰ نے طاقتور، باخبر و ہوش مند اور صالح و مصلح مومن کی مثال دی ہے جو کائناتی و مادی طاقتوں کو مسخر بھی کرتا ہے اور اسباب و وسائل کا ذخیرہ بھی جمع کرتا ہے اور اپنی فتوحات و جہات کا دائرہ بھی برابر وسیع کرتا رہتا ہے لیکن اپنی طاقت، سلطنت اور قیادت کے شباب میں بھی اور ظاہری اسباب پر تصرف کے بعد بھی اپنے رب پر ایمان رکھتا ہے، اس کے سامنے سر تسلیم خم کرتا ہے، آخرت پر یقین رکھتا ہے اور اس کے لیے جدوجہد کرتا ہے، اپنے ضعف کا معترف ہے، انسانیت اور کمزور قوموں پر رحم دل اور حق کا حامی ہے، اور اپنی ساری توانائیاں جدوجہد، صلاحیتیں اور اپنے سارے وسائل اور ذخائر انسانیت کی خدمت، صالح سوسائٹی کی تشکیل، اللہ کے نام کی بلندی اور انسانوں کو ظلمتوں سے نور کی طرف اور انسان کی عبادت سے اللہ کی عبادت کی طرف بلانے میں صرف کرتا ہے یعنی وہ سیرت اور کردار جس کی نمائندگی سلیمان بن داؤد علیہ السلام ذوالقرنین اور خلفائے راشدین اور ائمہ اسلام نے اپنے اپنے زمانہ میں کی ہے۔

زندگی آخرت کے لیے ایک عبوری مرحلہ

اس زندگی کے بارے میں اس کی پالیسی اور موقف یہ ہے کہ وہ اسکو سب سے بلند مقصد اور آدرش اور ترقی و کامیابی کی معراج نہیں سمجھتا، وہ اسکو ایک ایسا عبوری مرحلہ سمجھتا ہے جسکو پار کرنا انسان کیلئے ضروری ہے، اسکے نزدیک وہ عظیم تر کامیابی، لافانی اور پُر مسرت زندگی کا ایک ذریعہ اور واسطہ ہے۔ قرآن مجید اس دنیا کی بے ثباتی اور آخرت کے مقابلہ میں اسکی حقارت بیان کرتے ہوئے بہت وضاحت اور قوت کے ساتھ کہتا ہے، فما متاع الحیٰوۃ الدنیا فی الاٰخرۃ الا قلیل، دوسری جگہ ارشاد ہے وان الدار الاٰخرۃ لھی الحیوان لو کانوا یعلمون، ایک اور جگہ آتا ہے، اعلموا انما الحیاۃ الدنیا لعب ولھو وزینۃ وتفاخر بینکم وتکاثر فی الاموال والاولاد کمثل غیث اعجب الکفار نباتہ ثم یھیج فتراہ مصفرا ثم یکون حطاما وفی الاٰخرۃ عذاب شدید ومغفرۃ من اللہ ورضوان

وما الحیاۃ الدنیا الا متاع الغرور۔

وہ بہت صفائی کے ساتھ اس کو آخرت کا پل اور عمل کا ایک موقع قرار دیتا ہے، ارشاد ہے، انا جعلنا ما علی الارض زینۃ لہا لنبلوہم ایہم احسن عملا، ایک اور موقع پر آتا ہے، الذی خلق الموت والحیاۃ لیبلوکم ایکم احسن عملا وھو العزیز الغفور، وہ کہتا ہے کہ آخرت زیادہ بہتر اور زیادہ پائدار حقیقت ہے۔ وما الحیاۃ الدنیا الا لعب ولھو وللدار الآخرۃ خیر للذین یتقون افلا تعقلون

وما اوتیتم من شیئ فمتاع الحیاۃ الدنیا وزینتہا وما عند اللہ خیر وابقی افلا تعقلون۔

وہ ان لوگوں کی مذمت کرتا ہے جو اس فانی، عارضی، ناقص، اور پرعیب دنیا کو ابدی، لازوال وسیع اور ہر قسم کی کدورت اور آلائش اور بیماری اور نقصان سے خالی، ہر اندیشہ سے آزاد اور خطرے سے پاک آخرت پر ترجیح دیتے ہیں، قرآن مجید کہتا ہے، ان الذین لا یرجون لقاءنا ورضوا بالحیاۃ الدنیا واطمأنوا بہا، والذین ھم عن آیاتنا غافلون، اولٰئک ماواھم النار بما کانوا یکسبون، دوسری جگہ ارشاد ہے من کان یرید الحیاۃ الدنیا وزینتہا نوف الیہم اعمالہم فیہا وھم فیہا لا یبخسون، اولٰئک الذین لیس لھم فی الآخرۃ الا النار وحبط ما صنعوا فیہا وباطل ما کانوا یعملون، ویل للکافرین الذین یستحبون الحیاۃ الدنیا علی الآخرۃ ویصدون عن سبیل اللہ ویبغونہا عوجا، اولٰئک فی ضلال بعید۔ یعلمون ظاہرا من الحیاۃ الدنیا وھم عن الآخرۃ ھم غافلون، فاعرض عمن تولّی عن ذکرنا ولم یرد الا الحیاۃ الدنیا ذلک مبلغھم من العلم ان ربک ھو اعلم بمن ضل عن سبیلہ وھو اعلم بمن اھتدی، دوسری جگہ ارشاد ہے، انّ ھؤلاء یحبون العاجلۃ ویذرون وراءھم یوما ثقیلا۔

ایک اور جگہ یہ آیت ملتی ہے فاما من طغی و آثر الحیاۃ الدنیا فان الجحیم ھی المأوی، وہ اس شخص کی تعریف کرتا ہے جو آخرت کو ترجیح دیتے ہوئے اور پیش نظر رکھتے ہوئے دنیا و آخرت دونوں میں کامیاب زندگی گذارتا ہے، وہ کہتا ہے کہ ربنا آتنا فی الدنیا حسنۃ و فی الآخرۃ حسنۃ وقنا عذاب النار، حضرت موسیٰ کی زبان سے ارشاد ہوتا ہے واکتب لنا فی ھذہ الدنیا حسنۃ وفی الآخرۃ انا ھدنا الیک، حضرت ابراہیم علیہ السلام

کی تعریف کرتے ہوئے قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے' واتیناہ فی الدنیا حسنۃ وانہ فی الآخرۃ لمن الصالحین ٥

لیکن سب سے بہتر تعبیر اور تمثیل جو اس دنیا کے بارہ میں ایک مسلمان کے موقف کو بہت کامیابی اور نزاکت کے ساتھ متعین کرتی ہے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حکیمانہ جملہ ہے جو آپ نے جمعہ کے ایک خطبہ میں ارشاد فرمایا' ان الدنیا خلقت لکم وانکم خلقتم للآخرۃ "دنیا تمہارے لیے پیدا کی گئی ہے اور تم آخرت کے لیے پیدا کیے گئے ہو" مسلمان دنیا کے اسباب و وسائل سے اس طرح فائدہ اٹھاتا ہے جیسے کہ یہ چیز اس کے لیے مسخر کر دی گئی، بلکہ اسی کے لیے وجود میں آئی ہے' اور آخرت کے لیے وہ اس طرح کوشش کرتا ہے جیسے کہ وہ اسی کے لیے پیدا کیا گیا ہے، وہ دنیا اور اس کے اسباب و وسائل کو مرکب سمجھتا ہے، راکب نہیں' غلام اور ماتحت سمجھتا ہے آقا اور مالک نہیں' ذریعہ اور وسیلہ سمجھتا ہے' مقصد اور غایت نہیں، آخرت کو وہ ایسی انتہا سمجھتا ہے جہاں اس کو پہونچنا ہے، ایسا وطن سمجھتا ہے جہاں اس کو پناہ لینا ہے' چنانچہ وہ اس کے لیے اپنی ساری قوت جمع کرتا ہے، ہر قسم کی زحمت مول لیتا ہے، اور اپنی سواری کو اس مقصد کی طرف تیزی کے ساتھ آگے بڑھانا چاہتا ہے' اور یہ نبوت کی وہ مثال ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دی تھی آپ نے فرمایا تھا:-

"میرا اور دنیا کا تعلق صرف اتنا ہے کہ میری مثال اس سوار کی طرح ہے جو تھوڑی دیر کیلئے ایک درخت کے نیچے سایہ لینے کیلئے بیٹھ گیا پھر اس کو چھوڑ کر چلا گیا"[۵]

دنیا کی زندگی کے بارہ میں قرآن کا یہ طرز فکر اور نقطۂ نظر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی آپ کی تعلیمات، آپ کی گفتگو، آپ کے جذبات آپ کی دعائیں، آپ کی خلوت و جلوت ہر چیز سے عیاں ہے اور آپ کے ان رفقاء کی زندگی سے عیاں ہے جنھوں نے آپ کے سایۂ رحمت و شفقت میں تربیت پائی اور ان کی شخصیت اور سیرت کی تعمیر آپ کی نگرانی میں ہوئی، اور اسی طرح وہ تابعین اور دوسرے اہل ایمان و یقین جو ان کے راستہ پر چلتے رہے اور ان کی ہدایت پر عمل پیرا رہے۔ یہ ان کا مزاج اور

---

[۵] رواہ احمد والترمذی۔

سرشت بن گئی تھی اور ایک ایسی تاریخی حقیقت جس میں شبہ بھی نہیں کیا جا سکتا،

یہ وہ نقطہ ہے جہاں آسمانی مذاہب اور نبوت کی تعلیمات یا (اگر یہ تعبیر صحیح ہو) مدرسۂ نبوت مادی فلسفوں اور اس مادی فکر سے ٹکراتا ہے جس کا اصرار یہ ہے کہ یہی دنیا سب کچھ ہے، یہی انسان کی منتہا ہے چنانچہ وہ اس کی تعریف و تقدیس اور اس کی عزت و محبت میں اور اس کو آرام دہ اور اچھے سے اچھے بنانے میں بیحد مبالغہ سے کام لیتا ہے۔

دینی و روحانی قدروں سے باغی تہذیب

یہ انسانیت کی ایک بہت بڑی ٹریجڈی اور تاریخ کا عظیم المیہ تھا کہ مغربی تہذیب اس زمانہ اور اس قوم میں وجود میں آئی جو ایمان بالغیب جیسی بنیادوں سے باغی تھی اور دین کے ان نام نہاد علمبرداروں سے سخت بیزار اور متنفر تھی جنھوں نے دین کو اپنے ذاتی مصالح اور نفسانی خواہشات کے لئے استعمال کیا، ان کی بدکرداری، ان کی جہالت، اور علم و عقل کے راستہ میں رکاوٹ ڈالنے کی کوشش سے وہ اُن سے بہت ناراض تھی، چنانچہ تہذیب و صنعت اور تیز مادی رجحان ساتھ ساتھ آگے بڑھے، یہ رجحان یہ تھا کہ زندگی کی تنظیم خالص مادی بنیادوں پر کی جائے، جس میں انسانیت اور معاشرہ انسانی کا اس کے خالق ورب سے کوئی تعلق نہ ہو، یہ سب اُن اسباب اور یورپ کے مخصوص حالات کا نتیجہ تھا، جن حالات میں اس تہذیب کی نشو و نما ہوئی، وہ مادی اسباب اور کائناتی قوتوں پر قابو پا چکی تھی اور سائنس اور صنعتی علوم میں آگے بڑھ چکی تھی یہاں تک کہ آخر میں مسافتیں اور فاصلے بھی اُس کے ختم ہو گئے وہ اس قابل بھی ہو گئی کہ ہوائی کرہ کو پار کر سکے اسکے علاوہ سائنسی اور فلکی علوم میں اور بہت سی فتوحات اور کامیابیاں اس کے حصہ میں آئیں۔

مشرق اسلامی کے تجدد پسند رہنماؤں پر مادیت کا غلبہ

یہ مادی رجحان اور نفسیات مشرق اسلامی کے تجدید پسند بلکہ زیادہ صحیح الفاظ میں مغرب پسند قائدین میں بھی منتقل ہو گئی اور کمال[1] سے جمال[2] تک مادیت کے عشق میں وہ یکساں طور پر

---

[1] کمال اتاترک [2] جمال عبد الناصر

گرفتار رہے، انھوں نے بھی قوت اور راحت کو ایسا معبود بنالیا جس کی پرستش کی جاتی ہو اور جس کے غیر کی نفی کی جاتی ہے اور جس کی قربان گاہ پر ساری اخلاقی روحانی قدریں اور ہر وہ چیز جس کی کوئی مادی افادیت نہ ہو بھینٹ چڑھادی جاتی ہے، اس کے ثبوت کے لئے ان قومی رہنماؤں اور سیاسی لیڈروں کے بیانات، اُن کے مضامین، اُن کے اعلانات اور اُن کی عملی کارروائیاں اور اقدامات اور وہ معاملہ جو یہ لوگ ان جماعتوں کے ساتھ کرتے ہیں جو ان رجحانات پر تنقید کرتی ہیں بالکل کافی ہے، جو شخص حکومت کے منصوبوں اور پلانوں اور اس کی سرگرمیوں کا جائزہ لیتا ہے وہ محسوس کرتا ہے کہ اس کے سامنے ملک کی صرف مادی ترقی وخوشحالی ہے، اس کا مقصد معیار زندگی کو بلند کرنا اور ان قوموں کی برادری میں شامل ہونا ہے جو مادہ اور محسوسات کے سوا کسی اور چیز سے واقف نہیں اور طاقت کے سوا ان کا کوئی معبود نہیں، مادی ترقی اور ارضی خوشحالی کے سوا اُن کا کوئی نصب العین اور مقصود نہیں، وہ صرف انسانوں کے اس مجموعہ کو معتبر مانتی ہیں جن کو کوئی قومی یا سیاسی معاہدہ باہم پیوست کرتا ہے اور وہی اُس کے نزدیک عزت واحترام کا مستحق ہے، اس ذہن ومزاج اور نفسیات نے ہر دور میں دنیا کو مصیبت میں ڈالا ہے، مذاہب نے اس تنگ اور جاہلی ذہنیت کا مقابلہ کیا ہے اور اسلام اس کو مٹانے کے لئے آیا ہے، کسی اسلامی ملک کے رہنما اس ذہنیت کو اپنانا اور اس طرز فکر کو اختیار کرنا بہت بڑے فکری انحطاط اور پستی کی علامت ہے جس سے ایمانی ضعف تربیت کی خرابی، پست ہمتی اور تنگ نظری کا پتہ چلتا ہے اور یہ خود اس ملک کے لئے اور اس کے نتیجہ میں ساری دنیا کے لئے ایک بڑی بدنصیبی ہے اور اسلامی شخصیت اور اس دنیا میں اس اُمت کی مرکزیت کی حفاظت، اس کی دعوت اور قیمت کا احساس، اخروی زندگی پر اور زندگی کے اخلاقی و روحانی پہلو پر اصرار وہ حد فاصل (LINE OF DEMARCATION) ہے جو ان دو تہذیبوں کو ایک دوسرے سے جدا کرتی ہے، ایک وہ تہذیب جس کا اسلام مؤید ہے اور اس کی ذمہ داری اس نے قبول کی ہے، اس کی حوصلہ افزائی کی ہے، اس میں اسلامی شخصیت کی خودنگری اور خودشناسی نظر آتی ہے، دوسری تہذیب وہ جس سے اسلام نے برأت کا اظہار کیا ہے اور مسلمانوں کا

اس میں نقصان ہی نقصان ہے، اور اس میں غلامی، شکست خوردگی پوری طرح نمایاں ہے اور بندروں کی طرح نقل کرنے کا جذبہ اور طوطے کی طرح ہر سنی ہوئی چیز کو دہرانے کا طریقہ اس سے صاف ظاہر ہے۔

ذہانت اور قوتِ ارادی کا امتحان

تہذیب کا ڈھانچہ تیار کرنا اور تمدن کی تشکیل انسانی ذہانت عبقریت، قوتِ ارادی اور حوصلہ مندی اور دین کی صحیح فہم کا امتحان ہے، وہ صرف نقل اور تطبیق یا اضافہ و ترمیم کا عمل نہیں ہے، اسلام نے حرام و حلال کے حدود مقرر کئے ہیں، ان حدود سے آگے بڑھنا اس نے ناجائز بتایا ہے اور اس کے درمیان اس نے پاکیزہ اور مناسب طریقہ پر زندگی سے تمتع کی اجازت دی ہے، شرط یہ ہے کہ اس میں اسراف یا بخل نہ ہو، دوسروں کی حق تلفی نہ ہو، گناہ میں گرنے اور اسراف وغیرہ میں مبتلا ہو جانے کا ڈر نہ ہو، غرض کہ زندگی کا وہ طرز ہو جو شریف اور معقول انسان کو زیب نہ دیتا ہو، یہ اسپرٹ لباس، غذا، گھر اور گھر کے ماحول اور زندگی سے لطف اندوزی کے ہر شعبہ میں جاری و ساری ہے، اس نے مصالح کی رعایت، مفاسد اور مضرتوں سے احتیاط، مادی اور دفاعی قوت کا ممکن حد تک حصول مفید اور نافع علوم سے استفادہ کی ترغیب دی ہے بشرطیکہ وہ اس شخصیت کی بنیادوں کو کمزور نہ کریں اور اس کی اسلامی ذہنیت کو مجروح نہ کرتی ہوں، نیز وہ قوم میں احساسِ کمتری، بے اعتمادی اور دوسروں کی بے لاگ اور جذباتی طریقہ پر اندھی تقلید، اُن کے رنگ میں رنگ جانے اور اُن کے طرزِ حیات کو عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھنے کا جذبہ اور خواہش نہ پیدا ہو۔

فولاد کی سختی اور ریشم کی نرمی

یہ اس تہذیب کی اساس ہے جس میں ایک طرف فولاد کی سی سختی ہے، دوسری طرف ریشم کی سی نرمی، یہ تہذیب حقائق، نئے مسائل اور وقت کے نئے تقاضوں کے معاملہ میں (بغیر مبالغہ اور خیال آرائی اور تخیل پسندی کے) ریشم کی نرمی رکھتی ہے عقیدہ اور اخلاق کی سرحدوں پر وہ فولاد سے زیادہ سخت ہے اور پہاڑوں کی طرح ثابت قدم اور محافظ، وہ دنیا کے

علوم کے بارہ میں خواہ وہ کسی دور دراز ملک اور خطہ میں ہوں اپنی عقل و ضمیر کی آنکھ کھلی رکھتی ہے اور سینہ کشادہ، نیز ان تنظیموں اور منصوبوں کو قبول کرنے کے لئے آمادہ رہتی ہے جو نہ دین کو مجروح کرتی ہیں نہ اس کے اخلاقی نظام میں کوئی تغیر پیدا کرتی ہیں۔

مغرب سے استفادہ اور اسکے حدود

اس فصل کو میں محمد اسد صاحب کے اقتباس پر ختم کرتا ہوں جس میں یہ توازن اور فکر کی بلندی اور پختگی بہت نمایاں ہو کر سامنے آتی ہے اور جس میں انھوں نے بہت خوبی اور مہارت کے ساتھ اس شاہراہ کی نشان دہی کی ہے جس پر عالم اسلام کو مغرب سے استفادہ اور جدید وسائل کے حصول کے شعبہ میں چلنا چاہیئے، وہ کہتے ہیں:-

"عالم اسلام اور یورپ کبھی ایک دوسرے سے اتنے قریب نہیں ہوئے تھے جتنے آج ہیں اور یہی قرب اس ظاہری اور پوشیدہ کشمکش کا باعث ہے جو آج ان دونوں میں پائی جاتی ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد (مردوں عورتوں) کی روحیں مغربی ثقافت کے اثر سے آہستہ آہستہ سکڑتی اور سمٹتی جا رہی ہیں، اپنے اس گزشتہ احساس سے وہ دور ہوتے جا رہے ہیں کہ معیار معیشت کی درستی اور اصلاح صرف انسان کے روحانی احساسات کی اصلاح و ترقی کا ایک ذریعہ ہے، وہ اس ترقی کے بُت کی پرستش کا شکار ہوتے جا رہے ہیں جس کی وجہ سے یورپ تباہ ہو رہا ہے، ان لوگوں نے دین کو واقعات و حوادث کے پیچھے کی ایک فرسودہ آواز سمجھنا شروع کر دیا ہے اس لئے وہ بجائے بلند ہونے کے اور پست ہوتے جا رہے ہیں۔

میرے کہنے کا مطلب یہ نہیں کہ مسلمان مغرب سے کچھ فائدہ نہیں اٹھا سکتے، بالخصوص صنعتی علوم و فنون کے میدانوں میں، اس لئے کہ علمی افکار و اسالیب درحقیقت تقلید نہیں خصوصاً اس اُمت کے لئے جس کے نبی نے اس کو ہر ممکن ذریعہ سے علم حاصل کرنے کا حکم دیا ہو،

علم نہ مغربی ہے نہ مشرقی، علمی انکشافات و تحقیقات ایک ایسے سلسلہ کی کڑی ہیں جس کی کوئی انتہا نہیں اور جس میں تمام بنی نوع انسان برابر کے شریک ہیں، ہر عالم اور

سائنٹسٹ ان ہی بنیادوں پر اپنی تحقیق کی بنیاد رکھتا ہے جو اس کے پیش رو دل نے قائم کی تھیں، خواہ وہ اس کی قوم سے تعلق رکھتے ہوں یا کسی اور قوم سے، اسی طرح ایک انسان سے دوسرے انسان، ایک نسل سے دوسری نسل، ایک تہذیب سے دوسری تہذیب تک تعمیر و اصلاح و ترقی کا کام برابر جاری رہتا ہے، اس لئے کہ اگر کسی خاص زمانہ یا خاص تمدن میں یہ کام انجام پائیں تو یہ قطعاً نہیں کہا جاسکتا ہے کہ وہ اس زمانہ یا اس تہذیب کے ساتھ مخصوص ہیں، ہوسکتا ہے کہ کسی اور زمانہ میں کوئی دوسری قوم جو زیادہ باہمت اور حوصلہ مند ہو میدان علم میں بڑھ چڑھ کر حصہ لے، لیکن بہر حال سب اس کام میں برابر کے حصہ دار ہیں۔

ایک دور ایسا بھی آیا تھا جب مسلمانوں کا تہذیب تمدن یورپ کے تہذیب و تمدن سے زیادہ شاندار تھا، اس نے یورپ کو بہت سی انقلابی قسم کی صنعتی و فنی ایجادات عطا کیں اس سے بڑھ کر یہ کہ اس نے یورپ کو اس علمی طریقہ کے اصول و مبادی دئے، جس پر علم جدید اور تہذیب جدید کی بنیاد ہے، لیکن اس کے باوجود جابر بن حیان کا کیمسٹری کا علم عربی نہیں کہلایا، اسی طرح الجبرا اور علم مثلثات کو اسلامی علوم نہیں کہا گیا حالانکہ اول الذکر کا موجد خوارزمی ہے اور موخر الذکر کا بتانی، اور یہ دونوں ہی مسلمان تھے، ٹھیک اسی طرح نظریہ کشش کو کوئی انگریزی علم نہیں کہہ سکتا، اگرچہ اس کا موجد انگریز تھا، یہ بڑے بڑے علمی کام نوع انسانی کی مشترک میراث ہیں۔

اسی طرح اگر مسلمان (جیسا کہ ان پر واجب ہے) صنعتی علوم و فنون کے نئے ذرائع اپناتے ہیں تو وہ صرف ارتقا و ترقی کی فطری خواہش اور جذبہ سے کرتے ہیں، دوسروں کے تجربات اور معلومات سے فائدہ اٹھانے کی فطری خواہش اور جذبہ، لیکن اگر وہ (اور انکو اس کی ضرورت بھی نہیں ہے) مغربی زندگی کی اشکال، آداب، عادات، اور مغرب کے اجتماعی تصورات کو اپناتے ہیں تو اس سے ان کو ذرہ برابر بھی فائدہ نہ ہوگا اس لئے کہ یورپ ان کو اس میدان میں جو دے سکے گا وہ اس سے بہتر نہیں ہوگا جو خود ان کی ثقافت اور ان کے دین نے ان کو عطا کیا ہے۔ (باقی مضمون صفحہ پر)

ایک عظیم سانحہ

(از مولانا محمد منظور نعمانی)

الحاج مولینا محمد میاں بن موسیٰ میاں سورتی (مقیم جوہانسبرگ ٹرانسوال جنوبی افریقہ) کا نام نامی مجلس علمی (سملک ڈابھیل کراچی) کے بانی اور سرپرست کی حیثیت سے "مسند حمیدی" کے تعارف کے سلسلہ میں الفرقان کے گذشتہ ہی شمارہ میں ناظرین کرام نے پڑھا ہوگا اس سے پہلے بھی دین اور علم دین کی بعض خدمتوں کے سلسلہ میں الفرقان کے صفحات میں ان کا نام بارہا آیا ہے۔

۲۳ اپریل کو جب کہ راقم سطور حجاز مقدس کے ارادہ سے بمبئی روانہ ہونے کے لیے تیار تھا بالکل اچانک مولینا محمد سعید صاحب مہتمم جامعہ اسلامیہ ڈابھیل (ضلع سورت) کا خط ملا جس میں بہت مختصر الفاظ میں یہ انتہائی غمناک اطلاع درج تھی کہ ۱۶ اپریل منگل کے دن حضرت مولانا محمد بن موسیٰ میاں کا جوہانسبرگ میں انتقال ہوگیا چونکہ اس سے پہلے علالت وغیرہ کی کوئی اطلاع نہیں تھی اور مولانا محمد سعید صاحب کے خط میں بہت ہی مختصر لفظوں میں انتقال کی اطلاع دی گئی تھی اس لیے دل اگرچہ قدرتی طور پر متاثر ضرور ہوا، لیکن خبر کے بارہ میں پوری طرح اطمینان نہیں ہوا۔

۲۳ اپریل کو لکھنؤ سے روانہ ہو کر ۲۵ کو بمبئی پہونچنے کے بعد بعض ایسے حضرات سے دریافت کیا جن کے متعلق اندازہ تھا کہ اگر یہ سانحہ واقع ہو چکا ہے تو ان کو ضرور اطلاع ہوگی لیکن اس وقت تک ان کو بھی خبر نہیں تھی لیکن اگلے دن ۲۶ اپریل کو ایک صاحب سے اور اس کے بعد اخبار منادی گجرات سے اس خبر کی تصدیق ہو گئی

جو لوگ مولانا مرحوم کو جانتے ہیں ان کے نزدیک اس سال کا یہ بڑا سانحہ ہے

اللھم اغفرلہ وارفع درجتہ فی المھدیین واخلفہ فی عقبہ فی

الغابرین واغفرلنا ولہ یارب العلمین وافسح لہ فی قبرہ ونور لہ فیہ ۔

آج بمبئی سے روانہ ہو کر میں جدہ پہونچ گیا ہوں اور یہ سطریں لکھ رہا ہوں۔

"کل نفس ذائقۃ الموت" کے اٹل قانون کے مطابق ہر زندہ ہستی کی آخری منزل موت ہی ہے انبیاء علیہم السلام بھی اس کلیہ سے مستثنیٰ نہیں ہیں اس حیثیت سے کسی کی بھی موت غیر معمولی اور غیر متوقع حادثہ نہیں ہونی چاہیئے لیکن اللہ تعالیٰ اپنے جن بندوں سے خیر اور نفع کے اہم اور وسیع سلسلے جاری کراتا ہے ان کی موت قدرتی طور پر غیر معمولی محسوس کی جاتی ہے۔ مولانا محمد بن موسیٰ میاں بھی انھیں بندوں میں سے تھے اللہ تعالیٰ نے ان میں خیر و نفع کی بہت سی وہ چیزیں جمع فرما دی تھیں جو شاذ و نادر ہی کہیں جمع ہوتی ہیں۔

اولاً وہ ایک وسیع النظر اور جید عالم تھے، استاذنا استاذ العلما حضرت مولانا سید محمد انور شاہ صاحب کشمیری رحمۃ اللہ علیہ شیخ الحدیث دار العلوم دیوبند کے سعید ترین اور رشید ترین تلامذہ میں تھے، جس زمانہ میں ناچیز راقم سطور دار العلوم دیوبند میں پڑھتا تھا وہ بھی اسی زمانہ میں دار العلوم کے طالب علم تھے، دورۂ حدیث انھوں نے ناچیز سے ایک سال پہلے پڑھا، طالب علمی اور نوجوانی کے اس زمانہ میں بھی صلاح و تقویٰ ان کا شعار تھا۔ دار العلوم دیوبند کی اس رفاقت کے بعد پھر کبھی ملاقات کی نوبت نہیں آئی۔ لیکن دوسرے ذرائع سے حالات معلوم ہوتے رہے اور خط و کتابت کا سلسلہ بھی کچھ قائم رہا۔ جو اوہر ۱۰۔ ۱۵ سال سے بہت بڑھ گیا تھا۔

علم و فضل اور صلاح و تقویٰ کی عظیم نعمتوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے دولت دنیا بھی بھرپور عطا کی تھی اور دین و علم دین کی راہ میں اللہ کی توفیق سے اس کو بھرپور ہی خرچ بھی کرتے تھے۔ ناچیز کا اندازہ ہے کہ ان کے مصارف خیر کی مقدار ہزار سے گزر کر لاکھوں تک پہونچتی ہوگی۔ پھر ان مصارف کی انواع بہت مختلف تھیں، مجلس علمی کے تو گویا وہی بانی اور روح رواں تھے، اور انھیں کا سرمایہ اس کا اصل سرمایہ تھا۔ مجلس علمی کے کاموں کا ذکر کبھی کبھی الفرقان میں آتا رہا ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہؒ اور استاذنا حضرت مولانا سید محمد انور شاہ کشمیریؒ کی نہایت نفع مند تصانیف کے علاوہ

امام زیلعی کی نصب الرایہ اور مسند حمیدی جو ہمارے ہاتھوں میں آچکی ہیں اور مصنف عبدالرزاق پر اس کی طرف سے جو کام ہو رہا ہے صرف یہی کام اچھے خاصے خزانہ کو چاہتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کے بعد بھی مجلس علمی کے ان کاموں کا سلسلہ جاری اور ان کے صاحبزادوں کو جو بفضلہ تعالیٰ ان کے علم اور دین کے بھی وارث ہیں اس خیر کو جاری رکھنے کی توفیق دے۔

ضلع سورت اور اس کے اطراف میں دینی تعلیم کے مکاتب کا ایک وسیع نظام "مجلس خدام الدین" کے عنوان سے جاری ہے اس کے بانی اور روح رواں بھی مولانا محمد بن موسیٰ میاں ہی تھے۔ یہ نظام اس قدر با قاعدہ اور مستحکم ہے کہ مختلف صوبوں اور علاقوں میں چلنے والی دینی تعلیم کی تحریکوں کو اس کے طریق کار اور دفتری نظام سے استفادہ کرنا چاہئے اس تعلیمی نظام پر بھی غالباً وہ ہزاروں ماہوار خرچ کرتے تھے اس کے علاوہ ہندستان کے طول و عرض میں پھیلے ہوئے ان سیکڑوں دینی مدارس اور دینی اداروں کی مستقل امداد فرماتے تھے جن کے متعلق اطمینان تھا کہ ان کا انتظام اور کام قابل اعتماد ہاتھوں میں ہے اسی طرح مفید دینی تحریکوں کی بھی وسیع پیمانہ پر امداد فرماتے تھے۔

اس سب کے علاوہ جن جن حضرات کے متعلق ان کو معلوم ہوتا تھا کہ وہ دین یا علم دین کی فلاں خدمت کر رہے ہیں، ان کو بڑے اکرام کے ساتھ مسلسل ہدیے بھیجتے تھے اور اپنے بے تکلف دوستوں سے اس بارہ میں برابر معلومات حاصل کرتے رہتے تھے کئی دفعہ ایسا ہوا کہ ان کے دریافت کرنے پر بعض حضرات کے بارے میں راقم سطور نے ان کو لکھا کہ وہ دین کی فلاں خدمت میں مشغول ہیں اور ان کے یہ حالات ہیں تو انھوں نے اس اطلاع پر دل کی گہرائی سے شکریہ ادا کیا اور بہت ممنونیت کا اظہار فرمایا۔

اس ناچیز پر اللہ تعالیٰ کا یہ فضل رہا ہے کہ جن اکابر علماء یا صلحاء کا زمانہ پایا اکثر و بیشتر ان کی زیارت بھی نصیب ہوئی۔ لیکن ایسا بندہ ایک ہی دیکھا جس میں اللہ تعالیٰ نے یہ ساری چیزیں جمع فرما دی تھیں اور اس کی ذات سے خیر کے اتنے سلسلے جاری تھے۔

اپنے استاذ حضرت مولانا سید محمد انور شاہ صاحب کشمیری سے ان کو عشق تھا اور اس دور کے اکابر میں سے خاص عقیدت اور مناسبت حکیم الامتہ حضرت تھانوی سے تھی

ان کا انتقال ہمارے دینی حلقے اور اس دور کے دینی کاموں کے لیے بہت بڑا سانحہ ہے اور ان کے گھر والوں کے علاوہ وہ سارے دینی ادارے اور دینی کام بھی تعزیت اور ہمدردی کے مستحق ہیں جن کی وہ اعانت اور سرپرستی فرماتے تھے۔

اس ناچیز کے لیے یہ حادثہ گویا ذاتی ہے۔ ناظرین کرام سے خصوصیت کے ساتھ استدعا ہے کہ مولانا مرحوم کے لیے مغفرت و رحمت اور رفع درجات کی اور ان کے تمام متعلقین اور پسماندگان کے لیے صبر و اجر کی اور ان کے خیر کے سارے کاموں کے لیے جاری اور باقی رہنے کی اہتمام سے دعا فرمائیں۔

جدہ ۲۷ر اپریل ۶۳ء

انتخاب

غلافِ کعبہ اور مولانا مودودی

(از جناب شمس پیرزادہ، امیر جماعت اسلامی حلقہ بمبئی)

غلاف کعبہ کے ساتھ جن بدعتوں کا ارتکاب پاکستان میں کیا جارہا ہے ان کے بارے میں خاموشی اختیار کرنا یا ان سے صرف نظر کرنا صحیح نہ ہوگا کیوں کہ اس بات کا سخت اندیشہ ہے کہ یہ بدعتیں شرک کی حد تک پہونچ جائیں اور معاملہ پرانا ہو جانے کے بعد دیگر بدعتوں کی طرح اس کی اصلاح بھی مشکل ہو کر رہ جائے۔

یہ ذمہ داری علمائے کرام کی ہے کہ وہ اس کی قباحت کو واضح کریں اور اس کے خلاف آواز اٹھائیں اس سلسلہ میں ایک مضمون مولانا مودودی صاحب نے سپرد قلم فرمایا ہے جو ترجمان القرآن کے مارچ کے شمارہ میں شائع ہوا ہے۔ اس مضمون میں مولانا مودودی صاحب نے غلاف کعبہ کو چومنے اور اس سے چمٹ کر دعائیں وغیرہ کرنے کو تو شرک قرار دیا ہے۔ مولانا فرماتے ہیں:۔

"البتہ اس سے تجاوز کر کے اگر کوئی شخص غلاف کعبہ کو چومے اور اس کا طواف کرے اور اس سے چمٹ کر دعائیں مانگے اور اس کی طرف منھ کر کے رکوع و سجدہ کرنے لگے تو یہ بلاشبہ شرک ہوگا کیوں کہ یہ سب امور صرف بیت اللہ کے ساتھ مخصوص ہیں۔ غلاف کے کپڑے کو اللہ نے اپنا گھر قرار نہیں دیا ہے"

لیکن تعجب کی بات یہ ہے کہ مولانا نے اس کی زیارت، جلوس اور مشایعت کو جائز قرار دیا ہے حالانکہ یہ جلوس وغیرہ ہی وہ چیزیں ہیں جن سے عوام طرح طرح کی بدعتوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں حالانکہ کتاب و سنت سے نہ اس کی زیارت ثابت ہے اور نہ جلوس یہ چیزیں تو محض اجتہاد اور قیاس سے جائز کر دی گئی ہیں لیکن جب عوام پہلے ہی سے شرک و بدعت کے معاملہ میں بکثرت مبتلا ہو چکے ہوں تو اس طرح کے اجتہاد و قیاس سے سوائے نقصان کے کیا حاصل ہو سکتا ہے و ظاہر

کہ اس سے بدعتوں اور گمراہیوں کا دروازہ کھلے گا جس کو بعد میں بند کرنا بہت مشکل ہوگا اور بات صرف اتنی ہی نہیں ہے کہ اس اجتہاد سے بدعتوں کے لئے مواقع فراہم ہو رہے ہیں بلکہ بجائے خود یہ اجتہاد اور قیاس بھی سراسر غلط ہے اگر بالفرض یہ احتمال نہ بھی ہو کہ جلوس وغیرہ کے نتیجہ میں لوگ بدعتوں میں مبتلا ہو جائیں گے تب بھی جلوس اور شایعت وغیرہ کو جائز قرار دینا صحیح نہ ہوگا کیوں کہ اس کا کوئی ثبوت قرن اول میں نہیں ملتا نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا اہتمام فرمایا اور نہ صحابۂ کرام نے۔ تو جس چیز کا قرن اول میں وجود نہیں تھا اس کو کھینچ تان کر ثابت کرنے کے کیا معنی؟

غلاف کعبہ جب کعبہ پر چڑھا ہوا ہو تو یقیناً محترم ہے لیکن نہ چڑھائے جانے سے پہلے محترم ہے نہ اتارے جانے کے بعد کیوں کہ خانۂ کعبہ سے جدا ہو کر اس کی کوئی حیثیت نہیں چنانچہ اس بات کو حضرت عائشہؓ نے بالکل صاف کر دیا ہے۔ علامہ ابن حجر نے فتح الباری میں فاکہی کی کتاب مکہ کے حوالہ سے حضرت عائشہ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ:-

"حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میرے پاس حضرت شیبہؓ خانہ کعبہ کے کلید بردار تشریف لائے اور فرمایا اے ام المومنین ہمارے پاس خانۂ کعبہ کے بکثرت کپڑے جمع ہو جاتے ہیں اور ہم ان کو اتارنے کے بعد گڑھے کھود کر دفن کر دیتے ہیں تا کہ ان کپڑوں کو حائضہ عورتیں اور جنبی استعمال نہ کریں۔ حضرت عائشہؓ نے اس کے جواب میں فرمایا یہ برا ہے جو تم کرتے ہو بلکہ ان کپڑوں کو فروخت کرو اور ان کی قیمت اللہ کی راہ میں اور مساکین پر صرف کر دو کیونکہ جب تم نے (خانہ کعبہ) سے کپڑا اتار لیا تو اس میں کوئی حرج نہیں کہ اسے کوئی حائضہ یا کوئی ایسا شخص جو حالت جنابت میں ہو پہن لے چنانچہ شیبہؓ ان کپڑوں کو یمن بھیج دیتے جہاں ان کو فروخت کر دیا جاتا اور ان کی رقم حضرت عائشہؓ کے بتائے ہوئے مصرف میں لگائی جاتی"

(فتح الباری جلد ۳ صفحہ ۳۵۹)

غور فرمائیے اگر غلاف خانۂ کعبہ سے اتارے جانے کے بعد بھی محترم اور باعث برکت ہوتا تو حضرت عائشہؓ یہ کس طرح فرماتیں کہ حالت جنابت اور حالت حیض میں اس کو پہن لینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ تعظیم اور احترام کے غلو آمیز تصورات سے اسلام جیسے سادہ اور خالی از تکلف دین کا کوئی تعلق نہیں ہے۔

مولانا مودودی نے اس جلوس و مشایعت کو ہدی (قربانی کے جانور) پر قیاس کیا ہے لیکن اولاً تو تعبدی معاملات (عبادات) میں قیاس سے کام لینا صحیح نہیں ہے کیوں کہ یہ سب چیزیں توقیفی ہیں اور ان میں قیاس سے کام لینے کی صورت میں طرح طرح کی بدعتیں پیدا ہو جاتی ہیں جس طرح کہ فاتحہ وغیرہ کی بدعتیں قیاس ہی کے نتیجہ میں پیدا ہوئی ہیں۔ ثانیاً ہدی کے احترام کا اگرچہ شریعت نے حکم دیا ہے لیکن یہ حکم بھی محدود ہے اس احترام کا اصل منشا تو یہ ہے کہ ان جانوروں کو نہ تو کوئی نقصان پہونچایا جائے اور نہ ان کو بیت اللہ تک پہونچنے سے روکا جائے کیوں کہ اس سلسلہ میں حالت جنگ کی وجہ سے لوٹ مار کرنے اور راہ روکنے کا اندیشہ تھا۔ اسی تحفظ کی خاطر قربانی کے جانوروں کے گلے میں جوتوں کے ہار ڈال دیئے جاتے جو علامت کا کام دیتے تھے۔ اگر احترام کا عجمی تصور یہاں کارفرما ہوتا تو جوتوں کے ہار سراسر توہین پر محمول کئے جاتے مگر ہم دیکھتے ہیں کہ قرآن نے ان قلائد کا خاص طور سے ذکر کیا ہے اس کے احترام سے اس کے سوا کیا مراد ہے کہ قربانی کے احکام کی ٹھیک طور سے تعمیل کی جائے اور جو جانور خانہ کعبہ بھیجے جا رہے ہوں ان سے تعرض نہ کیا جائے۔ اس احترام میں جب غلو کر کے قربانی کے جانوروں پر سوار ہونے کو برا سمجھا جانے لگا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے صاف طور پر روکا چنانچہ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ:-

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ قربانی کا اونٹ ہانکے لے جا رہا ہے آپ نے فرمایا اس پر سوار ہو جاؤ اس نے کہا یہ قربانی کا اونٹ ہے! آپ نے فرمایا اس پر سوار ہو جاؤ اس نے پھر کہا یہ قربانی کا اونٹ ہے آپ نے فرمایا افسوس ہے تم پر! سوار ہو جاؤ۔"

معلوم ہوا کہ ہدی (قربانی کے جانور) کے احترام کی بھی ایک مخصوص نوعیت ہے اس سلسلہ میں کوئی ایسا طریقہ اختیار کرنا صحیح نہیں ہے جو شرعاً صحیح نہ ثابت ہو گویا جو چیزیں شعائر اللہ میں سے ہیں ان کا احترام تو ضرور کیا جانا چاہیے لیکن اس احترام کی نوعیت کیا ہو اس کے سلسلے میں سنت رسول اور صحابہ کرام کے طرز عمل کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے اور احترام کے جو طریقے شرعاً ثابت نہ ہوں اور جن میں فتنہ کے قوی احتمالات ہوں ان سے لازماً احتراز کرنا چاہیئے۔ ثالثاً ہدی کے مسئلہ پر قیاس کر کے اگر غلاف کے جلوس وغیرہ کا جواز ثابت کیا جانے لگے تو پھر بات غلاف کعبہ تک ہی نہیں رہتی بلکہ ہر اس چیز کے احترام، زیارت، جلوس اور مشایعت کیلئے وجہ جواز پیدا ہو جاتی ہے جو خانۂ کعبہ کے لئے

بھی جا رہی ہو۔ مثلاً اگر کسی وقت خانہ کعبہ کی دیوار میں لگانے کے لئے کوئی پتھر بھیج دینا پڑے تو اس کے ساتھ اس طرح کا معاملہ کرنا کیوں جائز نہیں ہوگا؟ یا حجر اسود کو لگانے کے لئے جو عطر لے جایا جاتا ہے اس کی زیارت بھی مستحب ہونی چاہیے! غور فرمائیے احترام کے کتنے نکتے پیدا ہو جاتے ہیں اور بات کہاں سے کہاں پہونچ جاتی ہے حقیقت یہ ہے کہ جو چیز خانہ کعبہ پر چڑھی ہوئی ہے وہ اپنی جگہ قابل احترام ہے اور شعائر اللہ میں سے ہے لیکن کوئی چیز بھی چڑھائے جانے سے پہلے نہ شعائر اللہ میں سے ہے اور نہ قابل احترام ہے رہا ہدی کا معاملہ تو اس کے احکام مخصوص ہیں۔

اصولی بات یہ ہے کہ عبادات اور شعائر کے سلسلہ میں محض قیاس آرائی کر کے نئی نئی باتوں کو جائز قرار دینا صحیح نہیں ہو۔ اگر غلاف کعبہ کے سلسلہ میں جلوس وغیرہ کی ہمت افزائی کی گئی تو یہ بات بجائے خود بدعت ہوگی۔ نیز دوسری بہت سی بدعتوں بلکہ شرک کے لئے راہ کھل جائے گی اور اندیشہ ہے کہ غلاف ایک نیا تعزیہ نہ ثابت ہو جائے ان وجوہ سے میں مولانا مودودی صاحب کی نیت پر شبہ کئے بغیر یہ سمجھتا ہوں کہ ان کا اجتہاد سراسر غلط ہے اور بہتر یہ ہے کہ مولانا اس سے رجوع فرمالیں۔

(سہ روزہ دعوت ۲۵ر اپریل ۱۹۶۳ء)

(بقیہ مضمون ص۴۲)

اگر مسلمان ذرا ہمت بلند کریں اور حوصلہ سے کام لیں اور ترقی کو ایک ذریعہ اور وسیلہ کی حیثیت سے اپنائیں تو وہ اس طرح نہ صرف اپنی باطنی حریت کی حفاظت کر سکیں گے بلکہ شاید یورپ کے انسان کو زندگی کے گمشدہ لطف کا راز بھی بتا سکیں گے۔

پتے پتے کی زباں پر نغمہ ہے توحید کا

(حضرت صوفی ایم۔ اے)

۱

ید کے قابل ہے اے اہل نظر شب کا سماں — ایک خاموشی میں ہیں ڈوبے زمین و آسماں
ا جو ردی چرخ پر بکھری ہوئی ہے کہکشاں — چاند تارے سب کے سب کرتے ہیں نور افشانیاں
آسماں کہتا ہے ان جلووں سے خالی ہے زمیں — رات کہتی ہے کہ دن میں یہ سکوں ممکن نہیں

۲

ر ملیں کلیوں کو پیہم گدگداتی ہے نسیم — خندہ زن ہوتے ہیں جب غنچے تو اڑتی ہے شمیم
رش کے پرنور چشموں سے رواں ہے جوئے سیم — فرش پر شاید اتر آیا ہے گلزار نعیم
چاندنی کے فیض سے جاری ہیں نہریں نور کی — موجزن ہے ذرے ذرے سے تجلی طور کی

۳

سبزہ خوابیدہ ہے، بوٹے ہیں مگر لہکے ہوئے — پھول پھولے ہیں کہ انگارے سے ہیں دہکے ہوئے
ن چکی ہیں پھول کلیاں ہیں چمن مہکے ہوئے — نشہ میں گویا ہے بلبل، آدمی بہکے ہوئے

۴

یف میں ڈوبے ہوئے سبزہ و اشجار ہیں — مست ہے گلشن فضائیں بیخود و سرشار ہیں
بیخودی کہتی ہے گلگشت چمن کو جائیے — ہوش کہتا ہے کہیں اس نور میں کھو جائیے
ں میں آتا ہے یہیں چپکے سے گم ہو جائیے — نیند ظالم کہہ رہی ہے لیٹئے، سو جائیے

۵

س طرف بیدار تارے مست ادھر گلزار ہے — واہ کیا عالم ہے میں بیخود ہوں دل ہشیار ہے
ریا پگھلی ہوئی چاندی کا دریا ہے رواں — دیدنی ہے آسماں کے عکس روشن کا نشاں
جو ردی چرخ وہ ہے یہ رد پہلا آسماں — ڈھونڈھتی ہے آنکھ اس دولت کا مالک ہے کہاں

۶

ہو جاتی ہے قمری دفعتہً اک راگ میں — پھک کے رہ جاتا ہے دل حق سرو کی آگ میں
ال ہے موجود ہے اٹھ اٹھ کر یہ کہتا ہے دھوں — جا رہا ہے قافلہ کہتی ہے گرد کارواں
ہے کوئی معمار اس کا کہہ رہا ہے ہر مکاں — بے بنائے بن گیے کیا یہ ز

ذرہ ذرہ آئینہ ہے جلوۂ خورشید کا
پتے پتے کی زباں پر نغمہ ہے توحید کا

تعارف و تبصرہ

تبصرہ کے لیے نئی کتابیں نہیں وصول کی جاتیں، جو کتابیں آچکی ہیں
ان پر تبصرہ کرکے یہ باب بند کردیا جائے گا ——— ادارہ

حضرت عمرو بن العاصؓ — از جناب سلام اللہ صدیقی جونپوری، صفحات ۱۵۴، مجلد قیمت ۲/۲۵

تاجدار مدینہ کی شہزادیاں — ” ” ، صفحات ۸۸، قیمت ۱/۴۰

ملنے کا پتہ :- مکتبہ اسلامی ادب۔ للاپورہ . (فاطمان) بنارس

پہلی کتاب جیسا کہ نام سے ظاہر ہے صحابی رسول حضرت عمرو بن العاصؓ کے حالات میں ہے، تفصیل سے بتایا گیا ہے کہ اسلامی تاریخ میں آپ کا کیا مقام اور آپ کے کیا کارنامے ہیں۔ آپ کے اخلاق و اوصاف اور دینی فضائل کا بیان بھی ہوا ہے، آپ کا وہ دور جو حضرت علی اور حضرت معاویہ کے منازعات سے تعلق رکھتا ہے خاصا مختلف فیہ مصنف نے اس میں آپ کا دامن بے غبار دکھانے کی پوری سعی کی ہے۔ اسی سلسلہ میں ضمناً حضرت علی اور حضرت معاویہ کا معاملہ بھی آتا ہے۔ اس میں مصنف کی تعبیرات سے بہت کھلا ہوا جھکاؤ حضرت معاویہ کی طرف نظر آتا ہے۔

دوسری کتاب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادیوں کے حالات میں ہے۔ خاصی تفصیل سے ان کے سوانح حیات جمع کیے گئے ہیں۔ لیکن یہ بات بہت کمی کی محسوس ہوتی ہے کہ اخلاق و عادات، عبادات، رہن سہن کے انداز جو امت کی بیٹیوں کے لیے اسوۂ حسنہ بنتے ان پہلوؤں سے یہ تذکرہ نہایت تشنہ ہے۔ اس عنوان کے اور بھی تذکروں میں عام طور پر یہ کمی دیکھنے میں آئی ہے۔ کاش دوسرے عام حالات کے ساتھ ان پہلوؤں کو بھی کوئی محنت کرکے روشنی میں لاتا۔

اسلام کا نظامِ عقائد و اعمال

دین و شریعت

دُنیا میں
سب سے بڑا روحانی انقلاب
پیغمبر خدا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ برپا ہوا تھا
جو لوگ اُردو زبان کے ذریعہ
اُس تعلیم و ہدایت سے واقف ہونا اور فائدہ اٹھانا چاہیں جس نے یہ انقلاب برپا کیا تھا
ہم اُنکی خدمت میں مولانا محمد منظور نعمانی مدیر الفرقان لکھنؤ کی تالیف
معارف الحدیث
اعتماد اور یقین کے ساتھ پیش کرتے ہیں
اردو ترجمہ و تشریح کے ساتھ یہ حدیث نبوی کا ایک جدید مجموعہ ہے جو دور حاضر کے مسلمانوں کی ذہنی و فکری
سطح کو پیش نظر رکھ کر مرتب کیا گیا ہے۔ اس کتاب کی یہ خصوصیت قابل ذکر ہے کہ مصنف کی خاص کوشش
پوری کتاب میں یہ رہی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کے جو اثرات صحابہ کرام کے قلوب پر پڑتے تھے
اِس کتاب کے ناظرین کے دلوں پر بھی وہی اثرات کسی درجہ میں پڑیں۔ (دو جلدیں شائع ہو چکی ہیں)
جلد اوّل — جس میں ایمان اور آخرت سے متعلق ۳۰۰ حدیثوں کی تشریح کی گئی ہے۔ قیمت مجلد ۴/۸ غیر مجلد ۳/۱۲
جلد دوم — جس میں تزکیہ روح اور اصلاح اخلاق سے متعلق ۲۶۰ حدیثوں کی تشریح کی گئی ہے جنکے متعلق وثوق سے کہا جا سکتا ہے
کہ قرآن مجید کے بعد تزکیۂ نفس، اصلاح قلب اور تربیت اخلاق کا کوئی موثر ذریعہ ان حدیثوں سے بڑھ کر دنیا کے اصلاحی ادب میں موجود نہیں ہے۔ قیمت مجلد ۵/۸ غیر مجلد ۴/۱۰
ملنے کا پتہ
کتب خانہ الفرقان کچہری روڈ
لکھنؤ